آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے لو تمہیں طورِ تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

مذاہب عالم پر نظر

جلد (۶)

از جنوری سنہ ۱۹۰۷ء لغایت دسمبر سنہ ۱۹۰۷ء

ایڈیٹر ـــــ محمد علی

قیمت عار۔ مطبع میگزین قادیان میں منیجر میگزین کے اہتمام سے چھپکر شائع ہوا۔

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ⁂ لو تمھیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد (۶) — بابت ماہ جنوری ۱۹۰۷ء — نمبر (۱)

فہرست مضامین

فہرست مضامین ریویو آف ریلیجنز
جلد ۱۶ سنہ ۱۹۱۷ء

متفرق مضامین

رؤیا والہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۱۶۔ دسمبر ۱۹۰۶ء بشّرھم بایّام اللہ وذکّرھم تذکیرا۔ ترجمہ۔ انکو خوشخبری دے اللہ تعالیٰ کے دنوں کی اور انکو نصیحت کر نصیحت کرنا۔ ۳۔ جنوری ۱۹۰۷ء کی صبح کو حضور نے تین چار روز کے الہام اور خواب سنائے۔ (۱) سَاُکرِمُکَ اِکراماً عجباً وکان اللہ علیٰ کل شیٔ مقتدرا۔ ترجمہ۔ عنقریب میں تیری عجیب عزت ظاہر کرونگا اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔ رؤیا۔ شریف احمد کو خواب میں دیکھا کہ اس نے پگڑی باندھی ہوئی ہے اور دو آدمی پاس کھڑے ہیں ایک نے شریف احمد کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ وہ بادشاہ آیا۔ دوسرے نے کہا کہ ابھی تو اس نے قاضی بننا ہے فقط۔ فرمایا۔ قاضی حَکَم کو بھی کہتے ہیں قاضی وہ ہے جو تائید حق کرے اور باطل کو رد کرے۔

فرمایا۔ چند سال ہوئے ایکدفعہ ہم نے عالم کشف میں اسی لڑکے شریف احمد کے متعلق کہا تھا کہ اب تو ہماری جگہ بیٹھ اور ہم چلتے ہیں۔ اور جب یہ پیدا ہوا تھا۔ تو اسوقت عالم کشف میں مَیں نے دیکھا کہ آسمان سے ایک روپیہ اترا اور میرے ہاتھ پر رکھا گیا اسپر لکھا تھا۔ مُعمّر اللہ۔

عید فنڈ

عام تحریک کے علاوہ مَیں خصوصیت سے اس فنڈ کا ذکر دوبارہ اسلیے کرتا ہوں کہ عید کا موقعہ قریب ہے اور اس دن اکثر دوستوں کو پوری ہمت دکھانیکا موقع ہے۔ یہ نہایت ضروری ہے کہ عید سے پہلے کسی دن ہر ایک احمدیہ انجمن اپنا ایک اجلاس عید فنڈ کی تحریک کے لیے کرے اور اس اجلاس میں سب دوستوں کو توجہ دلائی جاوے کہ سال میں یہ ایک ایسا موقعہ ہے کہ اگر پوری کوشش کیجاوے تو مدرسہ کے خرچ کا بڑا حصہ ایک ہی عید پر جمع ہو سکتا ہے۔ اور پھر وصولی میں پوری کوشش کیجاوے۔ جو احباب دس یا پندرہ روپے ماہوار سے کم آمدنی رکھتے ہوں اگر وہ بخوشی خاطر ایک روپیہ نہ دے سکیں تو ان سے ۸ ہی لے لیے جاویں اور اس کمی کو ذی وسعت احباب دو دو پانچ پانچ دس دس روپے دیکر پورا کردیں۔ جو شخص دو سو روپیہ ماہوار یا اس سے زیادہ آمدنی رکھتا ہے اسکو ایسے موقعہ پر پانچ روپیہ کا دینا کچھ بھی مشکل نہیں اور اسیقدر اس سے لینا چاہیئے۔ اور جنکی آمدنی پانچسو روپے ماہوار ہو انسے کم از کم دس روپے عید فنڈ کے لیے لیے جاویں۔ ہر ایک شخص اپنے بال بچہ کے لیے عید کے دن ایک اچھی رقم خرچ کرتا ہے۔ یہ جو کچھ آپ لوگ خرچ کریں گے یہ آپ سب کے بچوں کی بہتری کے لیے ہے۔ مَیں امید کرتا ہوں کہ اب کی دفعہ ایسی کوشش کیجاویگی کہ ہر جگہ کی جماعت سے عید فنڈ کا جو روپیہ آوے وہ اس مقام کی جماعت کی صحیح تعداد کو ظاہر کرتا ہو۔

ریویو:۔ الاستخلاف۔ چھوٹی تقطیع کے ۱۲۸ صفحہ پر مصنف اکمل آف گولیکی کی اکتسویں تصنیف ہے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافت بلافصل کا قرآن کریم سے ثبوت ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

عملی تھیوصوفی

اس مختصر مضمون میں تھیوصوفی کے نظری حصہ پر بحث کرنا میرا منشا نہیں۔ کیونکہ اکثر ناظرین کو ایسی بحث دلچسپی سے خالی اور خشک نظر آئے گی۔ اسجگہ صرف ہمیں اسبات کی تحقیق منظور ہے کہ وہ مذہبی فلسفہ جسے عملی تھیوصوفی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اوسکو دوسرے مذہبوں سے کیا رشتہ اور تعلق ہے؟ اس بات کی ضرورت ایک صاحب کی درخواست کی تعمیل کے لیے پیش آئی ہے جنہوں نے اندنوں ایک ورق چھپا ہوا ارسال کیا ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ عملی تھیوصوفی کا انسان کی زندگی پر اثر کیا ہے۔ یہ صرف چار فقروں میں درج ہے جنکا ترجمہ نیچے کیا جاتا ہے۔

۱۔ عملی تھیوصوفی انسان کو دوسروں کے خیالات کے متعلق بردبار اور متحمل بنا دیتی ہے۔ اس لیے اس کے سیکھنے والے کے دل میں کسی دوسرے مذہب کی نسبت نفرت اور حقارت نہیں رہتی۔ اور وہ دوسروں سے اپنے آپکو بالاتر نہیں سمجھتا جن لوگوں نے اس کے نور کو ڈھونڈا اور اوس کی اطاعت اختیار کی اونکو طمانیت قلب میسر آگئی۔ اور جو لوگ اس کے احاطہ میں آیندہ داخل ہونا پسند کرینگے اون کو بھی ضرور یہ نعمت اس کی بدولت نصیب ہو کر ہی رہیگی۔ اس کے مفید افعال کا سب سے بڑا خاصہ یہ ہے کہ اپنے ماننے والوں کے خیال۔ گفتار۔ اور افعال و اعمال کو معجزانہ طور پر پاک کر دیتی ہے۔ ۲۔ تھیوصوفی کی تعلیمات ایسی روشنی بخش ہیں کہ جتنا کوئی زیادہ انہیں مطالعہ کرتا ہے اوسی قدر بڑھکر اوسکو اپنے مذہب کے حقایق و معارف پر بصارت اور عرفان حاصل ہوتا جاتا ہے۔ اور انسانی زندگی کے اعلیٰ مقصد کو حاصل کرنیکے لیے کسی شخص کو اپنا مذہب چھوڑنیکی ضرورت نہیں پڑتی۔ کیونکہ سالکان راہ طریقت نے ہر مذہب میں اس اعلیٰ مقصد کے حصول کی راہ کو بیان کر دیا ہوا ہے۔ ۳۔ اگر اہل دنیا عملی طور پر قوانین قدرت کی پیروی کرتے۔ اور اپنے عقاید اور مسائل کے محاسن لوگوں پر سرگرمی سے بیان کرتے وقت دوسروں کے عقاید اور

مسائل کی نسبت بدزبانی کرنے سے باز رہتے تو دنیا پر صلح اور امن اور راحت اور خوشحالی کی سلطنت قایم رہتی۔ اور اگر بہر حال مقابلہ ہی کی ضرورت ہوتی۔ تو نہایت لطف اور حلم اور عزت کے ساتھ مقابلہ کرتے۔ اور صرف اس نیت پر کرتے۔ کہ لوگوں میں سے جہالت کی تاریکی دور ہو۔ اور وہ ہدایت کا نور پا دیں۔ ہم عملی تھیوصوفی کی کوشش یہ ہوتی ہے۔ کہ نفرت اور حقارت اور بدظنی اور تکبر کو نکالکر باہمی محبت شفقت نیک ظنی اور انکسار لوگوں میں بڑھے۔ اور سچے تھیوصوفسٹ بنی نوع انسان کی ہمدردی دل وجان سے حتی المقدور کرنے کے لیے ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔ اور اپنے عیش وآرام کو ایسی طرح قربان کر دیتے ہیں۔ کہ کسی وقت بھی اُنہیں اوسکا معاوضہ لینے کا خیال تک بھی نہیں آتا۔ کسی جبر اور مصیبت کی حالت میں وہ صداقت کے راستے سے منحرف نہیں ہوتے۔ وہ حالات کے غلام نہیں ہوتے۔ بلکہ اُنہیں اپنے مقاصد کے سانچے میں ڈھال لیتے ہیں۔ اور ہمیشہ صدق ورزی اور حق جوئی اور عدل وانصاف اور دوسرے ابدی قوانین کی نہایت وفاداری سے اتباع کرنے پر مائل اور آمادہ رہتے ہیں۔ جو عام طور پر نوع انسان کی حقیقی ترقیات کے مؤید ہوتے ہیں اگرچہ ان کی خدمات کا بڑا حصہ انکے گرد و پیش ہی کے حالات میں صرف ہوتا ہے تاہم اونکا دست اعانت ہمیشہ بیدریغ ہر ایک محتاج کی دستگیری کے لیے کُھلا رہتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ ایک ایسی مخیّر طاقت ہے جس میں اپنی خواہش اور جوشِ نفس موجود نہیں۔ جس کے خیالات اور اعمال دنیا اور اوس کے مالک پر اپنی رضامندی سے قربان ہیں۔ اور جس کی زندگی کا سب سے بڑا مدعا اوس عظیم اور احسن قانون یعنی برہما خدا یا اللہ کی معرفت حاصل کرنا۔ اور خود کامل طور پر اوس قانون کے ساتھ پیوند قایم کرنا ہے۔"

ان چاروں فقروں کا خلاصہ اگر بیان کیا جائے تو صرف اس قدر ہوگا کہ عملی تھیوصوفی تمام لوگوں کو خوشحال بناتی ہے اور باہمی تنفر و حقارت کی بجائے محبت اور شفقت قایم کرتی ہے۔ اور سب سے بڑھکر یہ کہ یہ اعلیٰ ترین مقصد ہر ایک شخص کو اپنے اپنے مذہب کا متبع رہنے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اس موقع پر ہم پہلے دو مقاصد کے متعلق کوئی بحث نہیں چھیڑنا چاہتے۔ کیونکہ ہر ایک مذہب کا سب سے بڑا دعوی یہی ہوتا ہے کہ اوس میں داخل ہو کر انسان حقیقی خوشحالی حاصل کر سکتے ہیں۔ اور اون میں باہمی اخوت کا پیوند محکم ہو جاتا ہے۔ اور میرا مطلب اسجگہ یہ بحث کرنیکا نہیں کہ آیا تھیوصوفی ان دعووں میں سچی ہے یا نہیں یا وہ کونسا مذہب ہے جو عملی طور پر ان دعووں کو پورا کرکے دکھاتا ہے۔ مگر تیسرا امر جو پیش کیا جاتا ہے وہ ایسا نرالا ہے کہ دعوے کے صدق و کذب کو الگ چھوڑ کر ایسا دعوی عقلی طور پر محال ہے۔ اور سردست اسی امر کو میں ثابت کرنا چاہتا ہوں۔ بات یہ پیش کیجاتی ہے کہ تھیوصوفی کی تعلیمات روشنی بخش ہیں اور اس لیے اون کے مطالعہ سے انسان اپنے مذہب کے حقایق و معارف کی بہت بڑی معرفت اور قدر حاصل کر لیتا ہے۔ اور کسی شخص کو اپنا مذہب انسانی زندگی

کے اعلیٰ ترین مقصد کو پانیکے لیے ترک کرنیکی ضرورت نہیں۔ ان نتایج کی ظاہری صورت تو ایسی چکنی چپڑی اور دلکش ہے کہ بہت تھوڑے لوگ ایسے ہونگے جو ان کے مطلب کی تہ تک پہنچنے کے لیے ذرا تامل کرکے تدبّر اور تفکر سے کام لیتے ہوں۔ کثرت سے ایسے لوگ ہی پائے جاتے ہیں جنہیں ان کے بیہودہ اور باطل ہونیکی طرف توجہ ہی نہیں ہوتی۔ اتنے بڑے مختلف اور مخالف مذہبوں میں جس مصالحت کی حالت کو تھیوصوفی یا اس کے پرستار قایم کرنیکا دعویٰ کرتے ہیں وہ حقیقت میں صرف ایک دھوکہ ہے۔ لیکن چونکہ اس زمانہ کا یہ طریق ہو رہا ہے کہ عام طور پر مذہبی امور میں سہل انگاری سے کام لیا جاتا ہے۔ اس لیے زمانہ حال کے لوگوں کے دلوں میں یہ بات گھر کر جانیوالی ہے کہ اپنے دین و مذہب پر جمے بھی رہیں اور مقصد بھی حاصل ہو جائے۔ دراصل یہ بات کہ اعلیٰ ترین مقصد اپنے آبائی مذہب میں رہنے سے حاصل ہو سکتا ہے صدق اور مذہب حقہ سے لاپروائی اور بےسمجھی سے پیدا ہوئی ہے۔ بہت سے لوگ جو تفکر اور تدبّر سے کام نہیں لیتے اس دھوکہ میں آجائیں گے کہ تمام مذاہب کی مصالحت ہو جانا انسانی ترقی کے لیے ایک نہایت ضروری اور مفید مرحلہ ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کے سبب سے تمام ترقیات کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ علاوہ بریں اگر کسی انسان کے دینی خیالات کا دریافت کرنا اور اوسکی غلطیاں ظاہر کرنا مضر خیال کیا جائے تو پھر یہ بھی ضروری ہوگا کہ اوس کے سیاسی۔ اخلاقی اور تمدنی خیالات کی نسبت سوال کرنا بھی ویسا ہی مضر سمجھا جائے۔ مذہبی اختلافات اور مباحثات کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ صدق غالب آجاتا ہے۔ لیکن جو صلح تھیوصوفسٹوں کے گمان میں بیٹھی ہوئی ہے اوس کا انجام لازماً یہی ہوگا کہ غلط کاری اور فاسد عقاید دنیا پر پھیل جائیں۔

اب ہم ذرا زیادہ توجہ کے ساتھ عملی تھیوصوفسٹوں کے اس ایراد پر غور کرتے ہیں۔ اونکی طرف سے یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ تھیوصوفی کی تعلیم کی دستگیری سے ہر ایک آدمی اپنے آبائی مذہب کے محاسن اور حقایق کی زیادہ معرفت حاصل کرسکتا ہے۔ لیکن یہ ذکر نہیں کیا گیا کہ وہ کونسی تعلیمات ہیں جن سے یہ فواید حاصل ہوسکتے ہیں۔ اس کے لیے ہم تھیوصوفی کی تعلیم کو دوسری جگہ سے لیتے ہیں مقاصد تھیوصوفیکل سوسایٹی میں تھیوصوفی کی تعلیم کے بڑے بڑے اصول یہ درج ہیں۔

(الف) کرم۔ یہ وہ قانون ہے جس کی بدولت اوس خوشی کے ذریعہ سے جو برادرانہ خیالات اور اعمال سے حاصل ہوتی ہے اور اوس دکھ اور درد سے جو معاندانہ خیالات اور افعال کا نتیجہ ہوتا ہے۔ رشتہ اخوت میں مضبوطی اور ترقی ہوتی ہے۔ یہ وہ قانون ہے کہ جس کو عمل میں لانیکے لیے کسی شخص یا کسی چیز کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ خیالات اور افعال کے نیک و بد کی جبلی تاثیرات کا قانون ہے۔

(ب) تمام بنی نوع انسان کا دنیا میں بار بار جنم لیتے رہنا یہانتک کہ اونہیں زندگی کا ایسا سرسبز خزینہ ہاتھ آجائے اور ایسا وسیع علم ملجائے کہ جس کے بعد موت کا آنا ناممکن ہوجائے۔ (ج) ہر متنفس میں حیوانی اور الٰہی طاقتوں اور آیندہ ہستی کے انتخاب کی قوت۔ اور انتخاب کے نتایج کا موجود ہونا۔ ہر انسان اپنا نجات دہندہ آپ ہوسکتا ہے۔ اپنی قسمت میں سُکھ یا دکھ لاسکتا ہے۔ جب چاہے اپنے اندر الٰہی نور پیدا کرسکتا ہے۔ اور کیسی ہی ناکامیوں اور نامرادیوں کا اوسے مقابلہ کرنا کیوں نہ پڑے وہ تھوڑا تھوڑا شروع کرکے بڑھکر اس کے قریب آسکتا ہے۔ اور اوس دن کے نزدیک پُہنچ سکتا ہے کہ جب وہ آپ ہی الٰہی نور بن جانیکی خوشی حاصل کرسکے۔ اور اسطرح اپنی ابدی زندگی کا علم پاسکے۔ (د) کہ اس عالم میں انسان کے وجود سے خارج کوئی ایسی طاقت موجود نہیں جوکسی انسان کو کسی قسم کا دُکھ یا تکلیف سزا کے رنگ میں پُہنچا سکے یا جس سے انسان کو ڈرنے کی ضرورت ہو"۔ تھیوصوفی کے ان اصول کا ذکر جو ذیل کے الفاظ میں کیا گیا ہے اوس سے خداتعالیٰ کی ہستی سے قطعی انکار اور بھی زور کے ساتھ واضح ہوتا ہے۔

"قادر مطلق خدا سے انکار کرکے اصول تھیوصوفی اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ اس کائنات میں ایک جلیل القدر اور غیر متبدل قانون کا دور دوران ہے جسکو انسان اپنے اندر کامل انصاف کے ساتھ عمل میں لارہا ہے خواہ وہ اسے سمجھتا بھی نہ ہو"

تھیوصوفی کی اس تعلیم اور ان اصول کے ہوتے ہوئے سوائے دہریوں کے کون تھیوصوفسٹ کہلا سکتا ہے اور دیکھا بھی جاتا ہے کہ اصل میں تھیوصوفی دہریت کی ایک قسم ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض پیروان تھیوصوفی خدا کی ہستی کا اقرار بھی کرلیا کرتے ہیں بلکہ یہ بھی کہدیا کرتے ہیں کہ تھیوصوفی کی پیروی سے اللہ تعالیٰ کی ذات سے گہرا تعلق انسان پیدا کرسکتا ہے مگر یہ سب جھوٹے دعوے ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ پنڈت شونرائن اگنی ہوتری اسی قسم کے تھیوصوفسٹوں میں سے تھا یہاں تک کہ تھیوصوفی کے انکار خدا پر اس نے بڑے بڑے مضامین بھی لکھے اور یہ کہا کہ اصل تھیوصوفی ہستی باری تعالیٰ کے اقرار پر مبنی ہے مگر اب چند ہی سال کے عرصہ میں وہ خود پورا دہریہ بن گیا ہے اور نہایت کھلے لفظوں میں نہ صرف اللہ تعالیٰ کی ہستی کا انکار کیا بلکہ بعض دریدہ دہن دہریوں کی طرح خدائے تعالیٰ کو گالیاں بھی نکالی ہیں۔ اور پھر تعجب یہ ہے کہ ایسے لغو عقاید کے ہوتے ہوئے یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ہر شخص اپنے ہی مذہب میں رہ کر تھیوصوفی کا پیرو بھی ہوجاتا ہے جو سراسر جھوٹا دعویٰ ہے۔ خدا تعالیٰ کی ہستی اور نیک و بد اعمال کی سزا وجزا پر ایمان کی تلقین ہر ایک مذہب حقہ کا بنیادی اصول ہے جو الہام سے قایم ہوا ہے۔ لیکن تھیوصوفی کی تعلیم یہ ہے کہ انسان بذات خود ہی کامل اور کافی ہے۔ اور کوئی ایسی اعلیٰ قدرت موجود نہیں جس سے اسکو کچھ خوف

کرنیکی ضرورت ہو۔ تھیوصوفی کے حامی اصحاب ازراہ مہربانی اسبات کو ذرا واضح اور عیاں کردیتے کہ کیونکر ایک انسان ایک ہی وقت میں تھیوصوفسٹ بھی رہ سکتا ہے اور اپنے مذہب پر بھی چل سکتا ہے؟ یعنی خدا کے وجود کا اقرار بھی کرے اور انکار بھی (تو بہتر ہوتا)۔ پھر یہ ایک صاف بات ہے کہ جو مذہب تھیوصوفی کی تردید کرتا ہو اوسپر ایک تھیوصوفسٹ تو ہرگز قایم نہیں رہ سکتا۔ اور یہ بھی ایک کھلی بات ہے کہ جب ایک مذہب دوسرے مذہب کے مسائل کو غلط قرار دیکر اونکی تردید کرتا ہو تو یہ لازمی امر ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک تو جھوٹا ضرور ہوگا۔ غرض اسطرح دونوں ایسے مذاہب جو ایک دوسرے کے متضاد اور مخالف تعلیم دیتے ہوں راست نہیں ہوسکتے۔ جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اگر وہ مدعا جسکو تھیوصوفی کی اصطلاح میں "اعلیٰ ترین مقصود" کہتے ہیں کسی ایک مذہب پر چلنے سے حاصل ہوسکتا ہو تو اوسکا اوس دوسرے مذہب پر چلکر حاصل ہونا ممکن نہیں ہوسکتا جو پہلے مذہب کے بنیادی مسائل کی تردید اور تغلیط کرتا ہو۔ ہمارے تھیوصوفسٹ دوست فرماتے ہیں کہ تمام سالکان طریق نے اس اعلیٰ ترین مقصود تک پہنچنے کی راہ کو ہر ایک مذہب میں عیاں کردیا ہوا ہے۔ لیکن مذہب کے طریق پر سب سے پہلا سالک تو اوسکا بانی ہوتا ہے۔ وہ اول السالکین جب اپنا مذہب قایم اور مروج کرتا ہے تو تمام موجودہ مذہبوں کو غلط اور پُرخطا بیان کرتا ہے۔ جب یسوع مسیح یہودیوں کے درمیان ظاہر ہوا تو جن راہوں پر اوسوقت یہودی چل رہے تھے اونکو خطاؤں اور غلطیوں سے پُر بیان کرکے اونکی تردید کرتا رہا۔ اور کہتا رہا کہ اوس اعلیٰ ترین مقصود کو پانیکی طرف یہ راہ ہدایت نہیں کرسکتی بلکہ دن بدن اوس سے دور لیجارہی ہے۔ تھیوصوفسٹوں کے اعتقاد کے مطابق تو دونوں یعنی یسوع مسیح اور یہودی راستی پر تھے۔ لیکن یہ امر محال صریح ہے۔ پھر جب آنحضرت سرور کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملک عرب میں مبعوث ہوئے تو اونہوں نے بت پرستوں۔ یہودیوں اور عیسائیوں کی غلط اعتقادوں کی مذمت کی۔ یہ ایک اظہر من الشمس حقیقت ہے کہ حق کو پانیکے لیے بدی اور غلطی کی مذمت اور ان سے نفرت کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اور یہ ممکن نہیں کہ ہم نیک اور بد یا صدق اور کذب سے یکجائی طور پر محبت رکھ سکیں۔ انمیں سے ایک کے ساتھ محبت رکھنے سے دوسرے سے نفرت لازم آتی ہے۔ اور اگر راستی سے محبت کے دعوے کے باوجود انسان ناراستی سے نفرت نہیں کرتا یا نیکی سے محبت کرنیکا دعوی کرتا ہے مگر بدی سے نفرت نہیں کرتا تو یہ جان لینا چاہیئے کہ جسے وہ راستی اور نیکی سمجھ رہا ہے وہ راستی اور نیکی نہیں کیونکہ نور سے محبت رکھکر ایک شخص ظلمت کو پسند نہیں کرسکتا اور اصلی مقصود کو حاصل کرنیکے لیے بدی سے نفرت کرنا سچائی سے محبت کرنیکے برابر ضروری ہوتا ہے۔

مذہب کے بارے میں دو مختلف خیال موجود ہیں جن میں سے ایک افراط کی طرف چلا گیا ہے اور دوسرا تفریط کی طرف۔ اور یہ دونوں ہی غلط ہیں۔ انمیں ایک خیال تو تھیوصوفسٹوں اور ویدانتیوں کا ہے جن کی ساری کوشش اس امر میں خرچ ہورہی ہے کہ وہ ہردلعزیزی سے ہر انسان کو یہ اعلان کرکے خوش کرلیں کہ نجات ہو

اعلیٰ ترین مقصود ہے وہ ہر ایک آدمی اپنے آبائی مذہب میں ہی رہکر حاصل کر سکتا ہے۔ یہ امر بظاہر تو ایسا شیریں اور دلکش معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان سنتے ہی اسکا گرویدہ ہو جائے لیکن حقیقت میں سچائی اور حق کا سب سے بڑا دشمن یہی ہے۔ یہ ایسا ناپاک اور مکروہ خیال ہے کہ اسکے رو سے تمام انبیاء و مرسلینؑ جنکا منصب یہی تھا کہ لوگوں کو دین حقہ کی طرف دعوت اور تبلیغ کریں۔ پرلے درجے کے گنہگار اور پاپی ٹھہرتے ہیں۔ کیونکہ اپنے اپنے زمانہ کے موجودہ مذہبوں کی (انکی غلطیوں اور کمزوریوں کی وجہ سے) مذمت کرتے اور راہ حق ظاہر کرتے تھے۔ اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ تھیوصوفی نے خدا کی ہستی کا انکار نہیں سکھایا۔ تو بھی یہ بات قابل تسلیم نہیں کہ کوئی شخص اپنے آبائی مذہب پر پورا کاربند بھی رہے اور تھیوصوفسٹ بھی بنا رہے۔ کیونکہ تھیوصوفی کا اصل منشا تو یہ ہے کہ ہر بانی مذہب کو سخت غلطیوں کا مرتکب قرار دے۔ جب ہم اس امر کو بغور دیکھتے ہیں کہ ذلیل ترین توہم پرستی اور اعلیٰ ترین معقول مذہب لوگوں کی دل و دماغ میں یکجائی طور پر ہمرتبہ رکھنا تھیوصوفی کی تعلیم کا بڑا بھاری اصل ہے تو اس اصل کی بیہودگی صاف عیاں ہو جاتی ہے۔ کیونکہ تھیوصوفی مثلاً ایک بت پرست کو تعلیم دیتی ہے۔ کہ تمہیں بت پرستی پر ہی کفایت اور قناعت کرنی چاہیئے۔ اور کسی اعلیٰ طریق و ملت کی تلاش کی ضرورت نہیں۔ اگر دنیا کے دانا لوگ اس جہالت کی تعلیم کے اثر میں دبے رہتے تو تمام مخلوق گندہ ترین اوہام پرستی کے گڑھوں میں آجتک غرق پڑی رہتی۔ یہ تو ویدانتی افراط کا پہلو ہوا۔ اب تفریط کا پہلو جو عیسائی صاحبان کے موجودہ مذہب کی تعلیم کا لب لباب ہے قابل غور ہے۔ یہ بھی ایک نرالا ہی مذہب ہے جو یہ تعلیم دیتا ہے کہ یسوع سے پہلے جو ہزاروں سال سے دنیا آباد تھی اوس میں کسی کو بھی نجات کے طریق سے خدا نے آگاہ نہ کیا۔ پھر جب یسوع پیدا ہوا تو وہ طریق صرف اوسپر ہی منکشف کیا گیا۔ اور اب بھی وہ یسوع کے پجاریوں کا ہی حق محفوظ ہے۔ اونکے سوائے کوئی شخص نجات نہیں پا سکتا۔ یہ ایسا تنگ ظرفی کا خیال ہے کہ کوئی سمجھدار انسان اسکو ایک لمحہ کیلیے بھی قبول نہیں کر سکتا۔ اسکا اصل یہی ہے کہ وہ لاکھوں پاکباز خدا کے قدوس نبی جو یسوع سے پہلے گذرے یہ اونہیں سے کسی کو بھی نجات کی راہ پر قدم دھرنا نصیب نہ ہوا۔ اور سب کے سب اس مقصود عالی سے محروم ہی گذر گئے۔ پس حق اس عیسائی اور ویدانتی افراط و تفریط کے وسط میں ہے۔ اور اس انعام سے خدا تعالیٰ نے صرف دین اسلام کو ہی مشرف فرمایا ہے۔ اسلامی نجات کسی افراط اور تفریط کے خیال پر مبنی نہیں۔ اسلام کھلے طور پر بیان کر رہا ہے کہ وہ راہ جو اس اعلیٰ ترین مقصود تک پہنچاتی ہے ہر زمانہ میں خدا کے پاک اور مقدس بندوں پر منکشف ہوتی رہی۔ لیکن اون کے بعد اونکی امتیں اون صداقتوں میں بہت کچھ کوڑا کرکٹ ملا دیتی رہیں اس لیے وہ صداقتیں جو اونمیں ہوتی تھیں بہت تاریک غبار کے نیچے دب جاتی رہیں۔ اور جب جب دنیا سے راستی اور ایمان کا وجود اٹھ جاتا تب تب ہی اللہ تعالیٰ نئے سرے سے اپنے انبیاء کو بھیجکر پھر صداقتوں اور ایمان کو دنیا پر قایم کرتا

اسی طرح جب دنیا کے سارے مذاہب بگڑ چکے تو خدا تعالیٰ نے اپنے کمال فضل سے دنیا پر دین اسلام کو نازل فرمایا۔ اسلام کا یہ فرض ٹھہرایا گیا کہ ان تمام ادیان میں سے حق و باطل کو الگ الگ کر دکھائے۔ اور گمراہی اور غلط کاری کی مذمت اور حق کی تبلیغ کرے۔ یہی ایک معتدل اور معقول بات ہے جو خدا کے انصاف کے ساتھ موافقت رکھتی ہے۔ اسلام اس بات کا معترف ہے کہ خدا تعالیٰ ہر ملک اور ہر قوم میں ہادی اور نبی لوگوں کو نجات کی راہ بتلانے کے لیے مبعوث فرماتا رہا۔ تمام انبیاء خدا کی توحید کی تعلیم دیتے اور نیک عملوں کی ضرورت سے لوگوں کو متنبہ کرتے تھے۔ لیکن امتداد زمانہ کے سبب سے انکی تعلیموں میں لوگوں نے بہت کچھ نقص ڈال دیئے حق و باطل کو ملا دیا۔ اسلامی تعلیم کے رو سے دنیا کے تمام بڑے مذہبوں کے بانی خدا کے سچے انبیاء ہی تھے۔ وہ خود صراط نجات کے رہنما اور رہرو تھے اور لوگوں کو وہ راہ دکھاتے تھے۔ الہامی مذہبوں میں جو اختلاف نظر آرہا ہے اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ پیچھے سے لوگوں نے بعض تعلیمات کو ترک کر دیا اور بعض میں بہت کچھ اپنی طرف سے ملا لیا۔ اس طرح مذہب حقہ کی صورتوں کو بدلکر اپنے اپنے اوہام سے نئے پیرایے پہنا دیئے۔ پھر جب کہ عام طور پہ مذہبوں میں غلطیوں اور نقصوں کا پائیوں کے بعد واقعہ ہو جانا مسلم الثبوت ہے تو تھیوصوفسٹوں کے اس خیال باطل کی اسلام کیسے تائید کر سکتا ہے کہ ہر مذہب اپنی بگڑی ہوئی حالت اور سچے مذہب سے اتنے بڑے اختلافات پیدا کر لینے کی صورت میں اس قابل ہو سکتا ہے کہ اوسپر چلنے سے انسان اوس مقصود عالی کو پا سکے۔ پس اسلام نے یہ وسط کی راہ اختیار کی جس میں نہ تو تھیوصوفسٹوں کی طرح یہ افراط کا پہلو لیا کہ ہر ایک قسم کی توہم پرستی اور بت پرستی پر چلکر انسان نجات پا سکتا ہے۔ اور نہ ہی عیسائیوں کی طرح اس غلطی میں پڑا کہ خدا کے کل راستباز اور مقدس اور نبی اور بزرگ ہمیشہ سے نجات کی راہوں سے محروم چلے آئے ہیں اور دنیا کی نجات صرف ایک شخص کی جان پر بعض حادثات مصیبت کے وقوع پر منحصر ہے جو اونیس[۱۹] سو سال ہوئے گذر چکا ہے۔ قرآن مجید واضح الفاظ میں فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام قوموں میں نذیر مبعوث کیے۔ پس ہر ایک مسلمان جو قرآن شریف پر ایمان رکھنا اپنا فرض جانتا ہے وہ یہ بات بھی مانتا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح ہندیوں۔ فارسیوں اور دوسری قوموں میں بھی خدا کی طرف سے نبی آئے۔ اور اون کے مذاہب بھی الہام ہی کے ذریعہ سے اونہیں پہنچے۔ اب ان سارے بگڑے ہوئے مذہبوں میں سے عیسائی مذہب ہی ایسا ہے جو سب سے پیچھے آیا۔ پس جب ہم اس مذہب پر غور کر کے دیکھتے ہیں کہ اس تھوڑے سے عرصہ ہی میں مسیح کی اصلی تعلیم کو عیسائیوں نے کیسا بگاڑ دیا ہے اور اصل اصول مذہب کو چھوڑ کر طرح طرح کی غلطیوں میں کس طرح مبتلا ہو گئے ہیں تو اس بات کے سمجھنے میں کچھ دقت باقی نہیں رہتی کہ پہلے نبیوں کی تعلیم کو بھی اونکی امتیں اسی طرح بگاڑتی رہیں اور سچا مذہب جس کی تمام انبیاء تمام قوموں میں تعلیم دیتے چلے آئے ہیں وہی تھا جس کی تعلیم آخر کار قرآن کریم نے دی۔ پس سچی بات یہی ہے

کہ اصل میں تمام مذاہب خدا کی طرف سے ہی تھے اور ابتدائی حالت میں سچی تعلیم دیتے تھے۔ پھر جوں جوں زمانہ گذرتا گیا طرح طرح کی غلطیوں اور بدعتوں کا اونمیں دخل ہوتا گیا۔ اپنے ابتدائی زمانوں میں ہر ایک مذہب اپنے متبعین کو اوس اعلیٰ ترین مقصود تک پہنچانیکے لیے کافی تھا۔ لیکن اون کی موجودہ حالتیں ایسی فاسد اور بگڑی ہوئی ہیں کہ غلطیوں اور بدعتوں نے حقایق پر محکم تسلّط کر لیا ہوا ہے۔ اس لیے اونمیں اب وہ طاقت نہیں رہی کہ منزل نجات تک کسی کو پہنچا سکیں۔ دنیا کے تمام موجودہ ادیان میں سے آج صرف اسلام ہی ایک ایسا دین ہے۔ جس کے اصول میں غلطیوں اور بدعتوں کو دخل نہیں ہو سکا اور نہ ہو سکے گا۔ اور جس میں سراسر حق اور صدق ہی بھرا ہوا ہے۔ یہ دین ہی منزل نجات تک یقین کے ساتھ پہنچا سکتا ہے۔ اگرچہ بعض امور میں مسلمانوں نے بھی پہلی قوموں کی طرح غلط راہیں اختیار کر لی ہیں لیکن یہ صرف اسلام کی ہی خوش نصیبی ہے کہ اس کی اصلی تعلیم جو قرآن مجید میں درج ہے آجتک ایسی محفوظ چلی آئی ہے کہ معاند منقدوں نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اس حفاظت کی نظیر دنیا کی اور کسی مذہبی کتاب میں نہیں ملتی۔ وہ تعلیم جیسی حضرت سرورِ کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی اوسی طرح حرفاً حرفاً محفوظ اور موجود ہے۔ اور یہی ایک تعلیم ہے جسکو محفوظ رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ اور اعلان کیا ہوا ہے۔ چنانچہ اسی لیے اس آخری زمانہ میں خدا تعالیٰ نے اپنے قدیم وعدوں کے موافق اپنا مرسل مسیح موعودؑ مبعوث فرمایا ہے کہ تا وہ لوگوں میں اسلام کو پھیلا دے اور تمام غلطیوں اور بدعتوں سے پاک کرے۔

بعض معترض یہ اعتراض بھی کریں گے کہ اگر یہی بات ہے تو پھر کیا صرف اسلام ہی میں نجات مل سکتی ہے؟ اور کیا ایک ایسی چیز جس کی ہر انسان کو اتنی بڑی ضرورت ہے ہر جگہ سے دستیاب نہیں ہو سکتی؟ دراصل اس قسم کے سوالات اوسوقت ہی دل میں پیدا ہو سکتے ہیں جب انسان نجات کی اصل حقیقت سے ناواقف ہو۔ کاش ہمارے تھیوصوفسٹ دوست اس بات کو سمجھتے کہ نجات کی اصل حقیقت کیا ہے۔ تو پھر ممکن نہ تھا کہ اون کے دل میں ایسے خدشات واقع ہوتے اور اون کی زبان سے ایسے کلمات نکلنے پاتے کہ انسان انسان پرستی اور بت پرستی کے ذریعہ سے بھی نجات حاصل کر سکتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اونکو یہ بھی ایک غلطی لگی ہوئی ہے کہ کسی نہ کسی رنگ میں عبادت کر لینے کو اور نجات کو ہم معنے سمجھے ہوئے ہیں۔ حالانکہ یہ دونوں ہم معنے نہیں۔ نجات حاصل کرنے کے لیے تو خدا تعالیٰ کی سچی معرفت درکار ہے۔ اسی معرفت کی تکمیل سے انسان خدا تک پہنچ سکتا ہے۔ اور اوس کے برگزیدوں میں داخل ہو سکتا ہے۔ تھیوصوفی اور ویدانت کے ماننے والوں نے سمجھ رکھا ہے کہ تمام اقوام مختلف اسمار سے

اس ایک خدا ہی کی پرستش کر رہی ہیں۔ لیکن وہ ایسا سمجھنے میں بھی غلطی پر ہیں۔ اگر ذات باری کو ہر قسم کی صفات سے معرا سمجھ لیا جاوے تو یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ تمام قومیں ایک ہی خدا کی پرستش کر رہی ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ تمام قومیں جو جدا جدا الٰہ پر اپنے اپنے رنگ میں خدا کے نام رکھکر اس کی پرستش کرتی ہیں ان میں سے ہر ایک کا اپنا مفہوم اس کی نسبت جدا ہی ہوتا ہے۔ مگر یہ مختلف مفہوم جو حقیقت الامر سے گرے ہوئے ہوتے ہیں۔ منزل مقصود تک پہنچانیکے لیے کافی نہیں ہو سکتے۔ صرف ایک ہی چیز ہے جو نجات کی رہنمائی کر کے اس اعلیٰ ترین مقصد کو حاصل کرنیکا صحیح اور یقینی ذریعہ ہو سکتی ہے اور وہ خدا تعالیٰ کی سچی معرفت اور اس کے صفات کا صحیح علم ہے۔ اور آج یہ سوائے اسلام کے کسی دین میں پایا نہیں جاتا۔ بنی اسرائیل خدا کی توحید پر ایمان رکھنے والی قوم تھی لیکن مسیح کے مبعوث ہونے سے پہلے ان میں سے معرفت الٰہی گم ہو چکی تھی اور یہی وجہ تھی کہ یسوع مسیح نے آکر انکی مذمت شروع کی اور انکو گمراہ کہا۔ اسوقت بھی وہ خدائے واحد کی عبادت تو کرتے تھے لیکن اس کی معرفت سے خالی ہو گئے تھے۔ اسی ضرورت کو پورا کرنیکے لیے خدا تعالیٰ نے اپنا مقدس نبی مسیح ناصری بھیجا کہ تا انہیں سچی معرفت الٰہی اور نجات کی طرف پھر لاوے۔ ایسا ہی جب حضرت سرور انبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے تو اسوقت عیسائی لوگ طرح طرح کی ظلمتوں اور غلطیوں میں مبتلا ہو رہے تھے اور اس معرفت حقہ کو بالکل کھو بیٹھے تھے جس کی یسوع مسیح نے تعلیم دی تھی۔ قرآن شریف اسبات کی شہادت دیتا ہے کہ اسوقت روئے زمین پر کوئی قوم ایسی نہ تھی جنہیں خدا کا سچا علم اور اسکی معرفت محفوظ رہی ہو۔ جب تمام دنیا ہی بگڑ کر راہ نجات سے دور جا پڑی تو خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے ملک عرب میں اپنے حبیب پاک پیغمبر برحق سرور کائنات محمد صلعم کو مبعوث فرمایا کہ لوگوں میں حقیقی معرفت الٰہی کو پھیلاویں اور طریق نجات کی طرف رہنمائی کریں۔ ؎

محمدؐ است چراغ و امام ہر دو جہاں ✦ محمدؐ است فروزندۂ زمین و زماں
خدا نگویمش از ترس حق مگر بخدا ✦ خدا نماست وجودش برائے عالمیاں
احمد آخر زماں کو اولیں را جائے فخر ✦ آخریں را مقتداؤ ملجا و کہف و حصار
اندر آں وقتیکہ دنیا پر ز شرک و کفر بود ✦ ہیچکس را خوں نشد دل جز دل آں شہریار
کشتۂ قوم و فدائے خلق و قربان جہاں ✦ نے بجسم خویش میلش نے بنفس خویش کار
در جہاں از معصیتہا بود طوفان عظیم ✦ بود خلق از شرک و عصیاں کور و کر در ہر دیار
آمر شیاطین را تسلط بود بر ہر روح و نفس ✦ پس تجلی کرد بر روح محمد کردگار
منت او بر ہمہ سرخ و سیاہ ثابت است ✦ آنکہ بہر نوع انساں کرد جاں خود نثار
یا نبی اللہ توئی خورشید رہ ہائے ہدیٰ ✦ بے تو نارد رو براہ عارفے پرہیزگار
یا نبی اللہ لب تو چشمۂ جاں پرور است ✦ یا نبی اللہ توئی در راہ حق آموزگار
عارفاں را منتہائے معرفت علم تو است ✦ صادقاں را منتہائے صدق و عشقت قرار
بے تو ہرگز دولت عرفاں نمے یابد کسے ✦ گرچہ میرد در ریاضت ہا و جہد بیشمار ✦ (حضرت مسیح موعودؑ)

تمام ادیان موجودہ میں سے صرف اسلام ہی ایک ایسا دین ہے جس میں خدائے تعالیٰ کی صفات کا صحیح صحیح علم موجود ہے اور اسکی معرفت کے یقینی ذرایع پائے جاتے ہیں اور اس کے سوا کوئی مذہب ایسا نظر نہیں آتا جو صفات الٰہی اور اسکی معرفت کے بارے میں غلطیوں اور خرابیوں سے بھرا ہوا نہ ہو۔ عیسائی دین کے پرستار ساری دنیا کو اپنے دین میں لانیکی بڑی فکروں کو لئے ہوا

اور حیلہ سازیوں میں آج کل کے تمام اہل مذاہب سے بڑھے ہوئے ہیں۔ لیکن انکا اپنا مذہب بھی ایسی ہی خرابیوں اور غلطیوں سے لبریز ہے اور جو الزام بدترین اوہام پرستی کے مذاہب پر عاید ہوتا ہے وہی عیسائی مذہب پر بھی عاید ہوتا ہے۔ اور تو اور اس نے تو بنی اسرائیل کی تعلیم توحید پر بھی پانی پھیر دیا۔ خدا کی توحید کی بجائے ایک تثلیث کی بنا ڈالی۔ اور ایک خدا کی قدرت کو تین شرکا کے حوالہ کردیا۔ اور ایک انسان یعنی یسوع کو خدا قرار دیدیا۔ خدائے تعالیٰ واحد لاشریک کی معرفت اور اس کے صفات کے علم میں یہ ایسی سخت غلطی اور خرابی ہے کہ کوئی بھی اس غلطی میں پڑ کر نجات کی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔

مسیح کی آمد ثانی

(مرقومہ مولوی شیر علی صاحب بی اے)

اخبار "اگزیمنر" بمبئی کے پرچہ اگست ۱۹۰۶ء میں ایڈیٹر صاحب نے ایک مسلمان نامہ نگار کی مراسلت پر حاشیہ آرائی میں قلم فرسائی کرتے ہوئے مسیح کی آمد ثانی کے متعلق بعض عجیب خیالات ظاہر کیے ہیں۔ مینے انکے حواشی کو بنظر غور مطالعہ کیا ہے انہیں پڑھکر مجھے سخت مایوسی ہوئی کیونکہ بجائے اس کے کہ کسی حق جو کو ان سے کچھ ہدایت اور فایدہ متصور ہو الٹا وہ اسکو ایک گورکھ دھندے میں ڈالکر اسکے دماغ کو چکر دینے کا موجب ہیں۔ ان حواشی کو پڑھنے سے انسان جن نتائج پر پہنچ سکتا ہے انکو میں ذیل میں درج کرتا ہوں۔

اول۔ بقول اسکے زلزلوں۔ وباؤں قحطوں اور جنگوں کے متعلق یسوع کی پیشگوئیاں مبہم اور مشتبہ المعانی ہیں۔ پھر یسوع کے دوبارہ نزول کے نشانات کا ذکر کرتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ "بہرحال یہ بھی مبہم آثار ہیں۔ کوئی زمانہ ایسا نہیں گذرا کہ جس میں ایسے حوادث واقع نہوئے ہوں...... کوئی صدی ایسی نہیں کہ جس میں مذہبی لوگوں میں یہ اعتقاد کامل طور پر راسخ نہ ہوا ہو کہ مسیح کے آنیکے سارے نشانات پورے ہوچکے ہیں یا ہو رہے ہیں۔" دوم۔ یہ کہ جس قسم کے معجزات سچے نبی کے ہاتھ سے ظاہر ہوتے ہیں وہ جھوٹے نبی بھی دکھا سکتے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص سچی پیشگوئیاں کرے اور پھر بھی وہ جھوٹا نبی ہی ہو۔ چنانچہ اس نے لکھا ہے کہ "اگر ہم مان بھی لیں کہ میرزا غلام احمد صاحب نے بعض ایسی پیشگوئیاں کی ہیں جو اپنے وقوع میں سچی اور کامیاب نکلیں۔ تو اس سے تو خداوند یسوع مسیح کی بات پوری ہوتی ہے کہ جھوٹے نبی اٹھیں گے اور بڑے نشان اور اعجوبے دکھائیں گے جن سے خدا کے برگزیدے بھی دھوکہ کھا جائیں گے۔ علاوہ بریں ہوا زمین اور سمندر کے نشان ایسے مبہم ہوتے ہیں کہ ان سے کچھ بھی ہدایت نہیں مل سکتی۔ پیشگوئیاں اعتراضوں سے خالی نہیں ہوسکتیں کیونکہ ان دنوں بہتیرے جھوٹے نبی بھی ہوں گے اور سچے نبی بھی ہوں گے۔ اور نہ یہ بھی ضروری نہیں کہ صرف اس نبی کو ہی جھوٹا

سمجھا جائے جس نے ایسی پیشگوئیاں کی ہوں جو پوری نہ ہوں۔ سوم۔ یہ کہ یسوع کی دوبارہ آمد کی پیشگوئی کی تعبیر لفظی ہی کرنی چاہیئے اور ایلیا کے دوبارہ آنیکی پیشگوئی پر یسوع کی آمد ثانی کی پیشگوئی کا قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ وہ صرف آدمی تھا اور یسوع خدا۔ عادل اور شفیع تھا۔"

یہ وہ تین نتیجے ہیں جو اگزیمنر کے مطالعہ کرنیسے سمجھ میں آسکتے ہیں۔ اب مَیں آگے چلکر یہ بات ثابت کرنیکی کوشش کرونگا کہ کسطرح انسے ایک طالب حق بجائے راہ ہدایت پانیکے اُلٹا گمراہ ہوتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یسوع نے زلزلوں اور وباؤں وغیرہ کے متعلق جو پیشگوئیاں کی تھیں اور جو اناجیل میں درج ہیں وہ کسیقدر مبہم ضرور ہیں۔ کیونکہ ان حوادث کی شدت اور صراحت کے مدارج واضح طور پر بیان نہیں کیے گئے۔ لیکن یہ راوی کا قصور ہے جس نے انکو ایسے مبہم الفاظ میں بیان کیا ہے اس میں یسوع کا قصور نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ انجیلوں کے لکھنے والونکی نسبت جہانتک معلوم ہوسکا ہے یہی ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے یسوع کے الفاظ کو امانت اور احتیاط سے نقل نہیں کیا۔ یہ ظاہر ہے کہ یسوع نے ان واقعات کو معمولی طرز میں بیان نہیں کیا تھا۔ کیونکہ معمولی وضع میں یہ واقعات ایسے معمولی ہیں کہ جو روزمرّہ وقوع ہوتے رہتے ہیں۔ اسلیے انکو بمنزلہ نشانات نہیں سمجھا جاسکتا۔ اگر ہم یہ مان لیں کہ یہ الفاظ بطور پیشگوئی بیان ہوئے تھے تو ساتھ ہی ہمکو یہ بھی تسلیم کرنا پڑیگا کہ یسوع کی مراد انسے کوئی غیر معمولی حوادث تھے جنکو دوبارہ نزول مسیح کا نشان ٹھہرایا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ انسے مراد معمولی حوادث ہیں اور ان معمولی حوادث کے وقوع سے ہی پیشگوئی کا پورا ہونا متصور ہے تو اس سے یسوع کے ذمہ اس بات کا الزام عاید ہوتا ہے کہ اس نے ایسی باتوں کو پیشگوئیوں کے نام سے بیان کیا کہ جنکو پیشگوئی کہنا ہی سخت ظلم ہے۔ "اگزیمنر" کے ایڈیٹر صاحب ان پیشگوئیوں کو مبہم قرار دیکر اپنے آقا یسوع مسیح پر خود یہ الزام قایم کرتے ہیں اگر عیسائی مشنریوں کو یہ خواہش ہو کہ یسوع مسیح کو اس الزام سے چھڑائیں کہ اس نے مبہم پیشگوئی کی۔ تو انہیں چاہیئے کہ اس بات کو قایم کریں کہ یہ تمام باتیں جو یسوع نے بیان کی تھیں غیر معمولی رنگ کے واقعات کے متعلق تھیں۔ اس پیشگوئی کو اس طرز پر مطالعہ کرکے ہمیں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اسکو پورا ہونیکے لیے خدا نے اسی زمانہ کو مقدر کیا ہوا تھا۔ یہ پیشگوئی اس زمانہ میں بہت عجیب طریق سے پوری ہوئی۔ چنانچہ اخبار پاؤنیر کا فاضل ایڈیٹر اُن حوادث کا ذکر کرکے جو سال ۱۹۰۶ء کے ابتدائی مہینوں میں واقع ہوئے تھے لکھتا ہے کہ "ایسے دہشتناک عالمگیر تہلکے کی مثال پہلی صدی مسیحی سے لیکر آجتک کہیں پائی نہیں جاتی" (دیکھو پاؤنیر ۲۲۔ اپریل ۱۹۰۵ء)۔ اس کیفیت سے صاف عیاں ہو رہا ہے کہ زلزلوں وغیرہ کے متعلق مسیح کی پیشگوئی پہلی دفعہ اس زمانہ میں واقع ہوئی۔ اور مسیح کی وفات کے بعد سے آجتک جو قریب دو ہزار سال کا زمانہ ہے اس طویل مدّت میں کوئی ایسا حادثہ نہیں گذرا جو اسکا ثانی ہوسکے۔ ان زلزلوں اور مصایب کا ایک غیر معمولی اور نہایت خطرناک صورت میں آنا ہی ایسے امور ہیں جو ہمیں اس بات کے ماننے پر مجبور کرتے ہیں کہ ان حوادث سے یسوع مسیح کی پیشگوئی پوری ہوئی۔ اور اگر یہ فوق الطاقت اور غیر معمولی انداز حوادث درمیان سے اُڑا دیا جائے تو پھر یہ صرف معمولی روزمرّہ

کی پیش آمد باتیں رہ جائیں گی جن کو پیش گوئی سمجھنا نادانی ہے۔ اور اسطرح نہ صرف یسوع کی اُس عزت میں فرق آئیگا بلکہ سارے مسیحی دین کے حامیوں اور راویوں اور مفسروں اور کتابوں کی بھی وقعت اُٹھ جائیگی گو اور بھی بہت ساری باتیں اس بات کے ثبوت کی مؤید ہیں۔ لیکن واقعات عالم پر نگاہ کر کے اور تمام معتبر شہادات اور نشانات پر غور کر کے یہی بات قرار دینی پڑتی ہے کہ یسوع کی پیشگوئی کے ظہور کا یہی وقت ہے۔ ہاں البتہ یہ سوال ہو سکتا ہے کہ وہ جس کے ظہور کا زمانہ پہنچا ہوا ہے کہاں ہے تو اس بات کا پتہ ہم دیتے ہیں کہ وہ قادیان میں نازل ہو چکے ہیں اور انکا مبارک نام میرزا غلام احمدؐ ہے۔ جو تمام نشانات کے ساتھ اس منصب پر مبعوث ہوئے ہیں۔

(الف) یسوع مسیح کی باتیں اس زمانہ کے حالات پر ٹھیک طور سے صادق آتی ہیں۔ مثلاً جیسے یسوع نے کہا ہے کہ "قوم قوم پر اور بادشاہت بادشاہت پر چڑھ آویگی اور جگہ بجگہ بڑے بڑے بھونچال آویں گے۔ اور مری اور کال پڑیگا" لوقا ۲۱۔ ایسا ہی متی ۲۴ میں بھی یہی مضمون درج ہے تو پھر کیا ان الفاظ میں ان ایام کا خاکہ نہیں کھنچا ہوا جبکہ ساری دنیا کے مختلف مقامات میں قحطوں۔ وباؤں اور زلزلوں کی مصیبتیں احاطہ کر رہی ہیں؟ کیا کوئی شخص تواریخ میں کوئی ایسا زمانہ پیش کر سکتا ہے کہ جس میں اس قسم کے غیر معمولی حوادث مجموعی طور پر نوع انسان نے دیکھے ہوں۔ اور جس میں یسوع کی پیشگوئی ایسی صفائی اور وضاحت کے ساتھ پوری ہوئی ہو۔ پھر لطف یہ ہے کہ جسطرح یسوع کے الفاظ میں یہ واقعات متصل بیان ہوئے ہیں۔ اُسی طرح انکا وقوع بھی یکبارگی متواتر اور تھوڑے عرصہ میں ہوا۔ یسوع نے متی ۲۴/۲۲ میں یہ بھی کہا ہے کہ "اور اگر وے دن گھٹائے نہ جاتے تو ایک تن بھی نجات نہ پاتا"۔ کیا یہ بات طاعون پر صادق نہیں آتی جو ہندوستان میں تباہی پھیلا رہی ہے؟ جس شدت اور غضب کے ساتھ ہر سال طاعون پھوٹ نکلتی ہے اُسے دیکھکر ہر آدمی بے ساختہ بول اُٹھنے پر مجبور ہوتا ہے کہ اگر یہ دن کم نہ کیے جاویں تو ایک متنفس بھی اس سے نجات نہیں پا سکتا۔ ایسا ہی یہ الفاظ آجکل کے کثرت زلازل پر بھی صادق آ رہے ہیں جسے خود ایڈیٹر صاحب اگزیمنر زلزلوں کی وبا کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ وہ یاد رکھیں کہ ابھی تو یہ اُس وبا کی چھوٹی سی ابتدا ہوئی ہے۔ گذشتہ زلزلوں سے جسقدر تباہ کن خرابیاں دنیا میں واقع ہوئی ہیں وہ اُن خرابیوں کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہیں جو دنیا پر آنیکے لیے پردۂ تقدیر میں ابھی مقدر ہیں۔ وہ دن دور نہیں کہ جب ہر متنفس کے مُنہ سے یہی نکلے گا کہ "اگر یہ دن گھٹائے نہ جاویں تو ایک متنفس بھی نجات نہیں پا سکتا"۔ مسیح موعودؑ نے خدائے تعالیٰ سے الہام پا کر یہ پیشگوئی شایع کی ہوئی ہے کہ ایک ایسی تباہی دنیا پر آنیوالی ہے کہ جسکی مثال نہ پہلے زمانوں میں ہے اور نہ آیندہ کبھی ہوگی۔ اُنہوں نے بہت سے زلزلوں میں ایک بڑی خطرناک اور وحشت انگیز زلزلہ کی خبر دی ہوئی ہے کہ جس کی مانند جب سے تاریخ شہادت دیتی ہے کبھی واقع نہیں ہوا اور نہ آیندہ کبھی ہوگا۔ قرآن شریف میں بھی اس زلزلہ کی پیشگوئی موجود ہے یٰایّھا الناس اتقوا ربکم ان زلزلة الساعة شیٔ عظیم۔ یوم ترونھا تذھل کل مرضعة عما ارضعت وتضع

کل ذات حمل حملها و تری الناس سکاریٰ وما ھم بسکاریٰ ولکن عذاب اللہ شدید
(الحج) ترجمہ "لوگو! اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرو۔ کیونکہ موعود گھڑی کا زلزلہ ایک بڑی سخت مصیبت ہوگی
جس دن تم اسے دیکھو گے ہر دودھ پلانیوالی ماں ڈر کے اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائیگی۔ اور جتنی حمل والیاں
ہونگی سب کے حمل گر پڑیں گے اور ماسے بدحواسی کے لوگ متوالے نظر آئیں گے۔ حالانکہ وہ متوالے نہ ہوں گے بلکہ خدا
کا عذاب جو بہت سخت ہے اس کے خوف سے لوگ بدحواس ہو رہے ہونگے۔" قرآن شریف میں آنیوالے خطرناک زلزلہ کے
متعلق صرف یہی آیت نہیں بلکہ اور بھی کئی آیات ایسی ہیں جن میں آنیوالے زلزلہ کی خبر دی ہوئی ہے۔ خدا کا کلام جو مسیح
موعودؑ پر نازل ہوا اُس سے ہمیں علم حاصل ہوتا ہے کہ وہ خوفناک دن جس میں یہ قرآنی پیشگوئی پوری ہونیکو ہے بہت
قریب پہنچ گیا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس زلزلہ کو حضرت مسیح موعودؑ خود بھی دیکھیں گے جنکی عمر اسوقت
ستر برس کے قریب پہنچ چکی ہے۔ یسوع مسیح کے ان الفاظ سے بھی یقینی طور پر یہی زلزلہ مراد تھی اُس نے کہا ہے
"پر انپر افسوس جو ان دنوں پیٹ والیاں اور دودھ پلانے والیاں ہوں" کیونکہ یسوع مسیح کے یہ الفاظ قرآن شریف
کے اُس بیان کے ساتھ ملتے جلتے ہیں جو آنیوالے زلزلہ کے متعلق مذکور ہیں۔

(ب) یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ صرف انجیل ہی ایسی کتاب نہیں کہ جس میں مسیح کے دوبارہ نزول کی پیشگوئی
درج ہو۔ یہ پیشگوئی تو قرآن شریف اور احادیث میں بھی درج ہے۔ بلکہ ان میں تو یہ انجیل کی نسبت بہت وضاحت
اور عمدگی کے ساتھ مندرج ہے۔ پیغمبر خدا حضرت سرور کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف اُن نشانات
کی ہی وضاحت اور تعیین کی ہے جو اناجیل میں گول مول اور مبہم پیرایہ میں درج تھے۔ بلکہ آپ نے مسیح کی دوبارہ آمد کے
متعلق اور بھی بہت سارے کھلے کھلے نشانات جن میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجایش نہیں بیان فرمائے جو صفائی
سے پورے ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ دراصل دوبارہ آمد کے متعلق انجیل کی مبہم باتیں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کی کھلی کھلی پیشگوئیوں کے بالمقابل ہیچ نظر آتی ہیں۔ یہ ایک مسلم امر ہے کہ جب کسی پیشگوئی کا کھلے طور پر پورا ہونا ثابت
ہو جائے تو ہر شخص پر اُسپر ایمان لانا واجب ہو جاتا ہے۔ اسوقت اس بات کے دیکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی کہ کس کے
مُنہ سے یہ پیشگوئی نکلی تھی۔ مثلاً اگر مسیح کی کوئی پیشگوئی اس زمانہ میں بیّن طور پر پوری ہو تو اگرچہ آریہ سماجیوں اور بدھ
لوگوں نے مسیح کو پہلے کبھی سچا نبی نہیں مانا۔ لیکن اُنپر اس کی اس پیشگوئی کی سچائی کا ماننا ضروری ہوگا جو اُنہوں نے
واقع ہوتی دیکھ لی ہے۔ اسی طرح اگر ہمارے نبی کریم حضرت محمد مصطفےٰ کی کوئی پیشگوئی جو ۱۳۰۰ برس پہلے کی بیان فرمائی
ہوئی ہے۔ صاف اور واضح طور پر اسوقت پوری ہوتی دیکھی جاوے تو عیسائیوں کو حق نہیں پہنچ سکتا کہ وہ محض
اس خیال سے اسے رد کر دیں کہ وہ مسلمانوں کے پیغمبر صلعم کے مُنہ سے نکلی ہوئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
تمام پیشگوئیاں جو مسیح کے دوبارہ نزول کے بارے میں تھیں۔ اس زمانہ میں پوری ہو رہی ہیں۔ اور انکے پورا

ہونیسے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ اوّل یہ کہ چونکہ سچی پیشگوئی سچا نبی ہی کرسکتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام پیشگوئیاں سچی ثابت ہوئیں اس لیے آپ سچے نبی ہیں اور اپنے منجانب اللہ ہونے کے تمام دعووں میں راستباز۔ دوم۔ یہ کہ حضرت مسیح موعود اپنے تمام دعاوی میں برحق ہیں۔ کیونکہ انکی بعثت سے تمام نشانات اور پیشگوئیاں جو مسیح کی دوبارہ آمد کے متعلق ہیں پوری ہوئی ہیں۔ میرا دل چاہتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعودؑ کے بارے میں جسقدر نشانات بیان فرمائے ہیں اُن سب کو یہاں درج کردیتا۔ اور یہ دکھلاتا کہ کس کس طرح وہ سب پورے ہوچکے ہیں لیکن قلّت گنجایش مانع ہے۔ پھر بھی ناظرین کی آگاہی کے لیے اسجگہ مَیں اُس ایک ہی پیشگوئی کے بیان کرنے پر اکتفا کرتا ہوں جسکا حوالہ اناجیل میں بھی ہے اور جس کی بنا پر اگرمینز کے ایڈیٹر صاحب فرماتے ہیں کہ مَیں حضرت میرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود کے دعوے کو اُسوقت تک نہیں مان سکتا جب تک کہ انکی صداقت کا کوئی نشان آسمانپر مجھے نہ دکھایا جائے۔ مجھے معلوم نہیں کہ ایڈیٹر صاحب نے یہ بات کس دل سے لکھی ہے۔ اگر انہوں نے حق پژوہی کی فطرتی تحریک سے لکھی ہے تو مَیں انکو اس فیصلہ کے لیے زیادہ انتظار میں نہیں چھوڑتا۔ شاید ایڈیٹر صاحب نے بھی کبھی سنا ہوگا کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک یہ بھی پیشگوئی ہے ...... کہ ہمارے مسیح موعود یا مہدی کے زمانہ میں آسمانپر عظیم الشان نشان اسکی تصدیق کے لیے ظاہر ہوگا۔ اور وہ نشان یہ ہوگا کہ رمضان کے مہینے میں چاند کو گرہن لگنے کی پہلی رات اور سورج کو گرہن لگنے کے دنوں میں سے درمیان کے دن گرہن لگیگا۔ یعنی ایک ہی ماہ رمضان میں ۱۳ تاریخ کو چاند اور ۲۸ تاریخ کو سورج کا گرہن ہوگا۔ یہ عظیم الشان نشان آسمانپر ماہ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ ہجری مطابق ۱۸۹۴ء عیسوی کو ظاہر ہوا۔ یہ وہی نشان تھا جو متی ۲۴/۳۰ میں درج ہے کہ "تب ابن آدم کے لیے آسمانپر نشان دکھایا جائیگا" یہ یقینی امر ہے کہ انجیل متی کی آیت سے مراد یہی نشان ہے۔ اور اس بات کی تصدیق انجیل کی اس آیت سے بھی بہت اچھی طرح ہوتی ہے جس میں لکھا ہے کہ "ان دنوں تُرت سورج اندھیرا ہو جائیگا اور چاند روشنی نہیں دیگا" اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہی نشان ابن آدم کے لیے آسمانپر ظاہر ہونیوالا تھا جسکو دنیا نے دیکھنا تھا۔ یہ پیشگوئی جو کسوف وخسوف کے متعلق ہے تیرہ سو (۱۳۰۰) برس سے آنحضرت سرورکائنات محمد مصطفےٰ صلعم کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی ہے۔ اور نہایت عمدگی اور صفائی کے ساتھ اُنہیں تاریخوں میں واقع ہوئی ہے جو حضور ممدوح صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائی تھیں۔ اور اسکا وقوع آسمانپر ہوا جہاں ہر ایک آدمی اسکو دیکھ سکتا تھا اور کسی طرح سے شک کی گنجایش نہیں ہوسکتی تھی۔ ایسے بدیہی اور بیّن نشان سے عیسائی صاحبان انکار نہیں کرسکتے ....

...... اور نہ ہی کوئی اس بات سے انکار کرسکتا ہے کہ متی ۲۴/۲۷ میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

(ج) یہودی اور مسیحی حلقوں میں یہ بات مانی جاتی ہے کہ مسیح موعودؑ کا نزول آدم علیہ السلام سے ساتویں ہزار میں واقع ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ اب آدم علیہ السلام سے ساتواں ہزار جارہا ہے۔ اس لیے یہی وقت مسلّم طور پر ظہور مسیح موعودؑ کا ہے۔ خدا نے دنیا کو چھ دنوں میں بنایا اور ساتویں دن آرام کیا۔ لیکن زبور ۹۰/۴ اور قرآن شریف کے رو سے ثابت ہے کہ خدا کا

ایک دن ہزار سال کے برابر ہوتا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ چھ ہزار سال تک تو دنیا مشقت اور محنت میں گذاریگی اور ساتویں ہزار میں جو سبت اور آرام کا دن مقرر تھا۔ اس میں خدا کے بندے مسیح موعودؑ کی بادشاہت میں امن اور آرام سے بسر کریں گے۔ یہ ساتواں ہزار ابھی شروع ہوا ہے۔ اور اگر مسیح موعودؑ اسوقت ظاہر نہ ہو تو پھر اسکا ظاہر ہونا ہی محال اور ناممکن ہے۔

(د) عیسائیوں کے حساب کے مطابق بائبل کی پیشگوئیوں کے رو سے بھی یہی وقت مسیح موعودؑ کے ظہور کا ثابت ہوتا ہے۔ عیسائیوں کی طرف سے کئی رسالے اور کئی کتابیں اسی مضمون پر لکھی اور شایع کیگئی ہیں جنہیں بڑے وثوق کے ساتھ بائبل کی پیشگوئیوں کے مطابق یہی زمانہ ظہور مسیح موعود کا قرار دیا گیا ہے۔ مَیں اسجگہ ان بہت ساری کتب ورسائل میں سے صرف ایک ہی کا حوالہ دیتا ہوں جسکا نام "ملینیل ڈان" ہے۔ یہ کتاب ۱۸۸۹ء میں شایع ہوئی ہے۔ فاضل مصنف نے اس میں بڑے غور و فکر سے بائبل کی پیشگوئیوں پر تدبر کرکے نہایت تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ مسیح موعودؑ کا ظہور ۱۸۷۴ء میں ضرور ہوگا۔ اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ اسوقت سے لیکر ۱۹۱۴ء تک وہ اپنے مقدسوں کو جمع کرتا رہیگا۔ اور تب اسکی بادشاہت ایسی مضبوط طور پر قایم ہوجائیگی کہ جسکو سارے لوگ دیکھ سکیں گے۔ لیکن اسوقت سے پہلے اسکو سوائے چند خاص برگزیدوں کے کوئی نہ پہچانیگا۔

(ہ) دانیال نبی کے ۱۲ باب کی آخری آیات سے واضح ہوتا ہے کہ مسیح موعودؑ ۱۲۹۰ھ ہجری میں ظاہر ہوگا۔ اور ۴۵ سال تک اسکا دور دوراں رہیگا۔ ان آیات میں وہ جملہ جسکا ترجمہ "اور وہ مکروہ چیز جو خراب کرتی ہے قایم کیجائیگی" کیا گیا ہے۔ دراصل اس کے معنے یہ ہیں کہ بت توڑے جائینگے۔ اصل عبرانی میں یہ الفاظ ہیں (ولطیط شقوص) یعنی اور بت توڑ دیے جائینگے۔ یہ آنحضرت فخر موجودات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ آپ ہی کے عہد رحمت مہد میں بت توڑے گئے۔ اور یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ مسیح موعودؑ کا ظہور بھی اُسی زمانہ میں ہوا جو اس پیشگوئی میں درج ہے یعنی سب سے پہلے ۱۲۹۰ھ ہجری کے قریب ہی انہوں نے دعویٰ ماموریت کیا۔ انہوں نے یہ بھی پیشگوئی کی کہ میرا زمانہ ۴۰ سال کے قریب ہوگا۔ پھر جب ہم عیسائیوں کی اسبات پر غور کرتے ہیں کہ وہ بھی بائبل کی دوسری آیت کی بنا پر مسیح موعودؑ کے نزول کا یہی زمانہ شمار کرتے ہیں تو اس آیت کے ان معنوں کو اور بھی تقویت پہنچتی ہے۔

متی ۲۴ میں مسیح سے منقول ہے کہ "کیونکہ جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی اُٹھینگے اور ایسے بڑے نشان اور کرامتیں دکھاویں گے کہ اگر ہوسکتا تو وے برگزیدوں کو بھی گمراہ کرتے" اب مَیں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ ان الفاظ کو کیا وقعت حاصل ہے۔ راقم اگزیمنر اسی آیت کی بنا پر حضرت مسیح موعودؑ کے دعوے سے انکار کرتا ہے۔ لیکن یہ دیکھنا ضروری ہے کہ حقیقت میں اس پیشگوئی سے مراد کیا ہے؟ کیا اس کے یہی معنے ہیں کہ ہم کسی نبی کو نہ مانیں خواہ اس کے ہاتھ پر کیسے ہی سچے اور عیاں معجزات بھی ظاہر کیوں نہ ہوئے ہوں؟ کیا اس کا یہی مطلب ہے کہ ایسے نبی سے بھی انکار ہی کیا جائے جس کے ہاتھ سے ایسے معجزات ظاہر ہوئے ہوں جو سچے نبیوں سے ہی ہوسکتے ہیں؟ کیا وہ نشانات جن کے ظہور سے سچے نبی شناخت کئے گئے

جانتے ہیں جھوٹے نبی بھی دکھا سکتے ہیں؟ اگر یہی حال ہے تو پھر سچے اور جھوٹے نبیوں کی شناخت میں فرق کیا اور کہاں ہے؟ اور اس بات کا بھی پھر کیا ثبوت باقی رہتا ہے کہ انبیائے سابقین جن کی صداقت پر ایمان لایا جاچکا ہے حقیقت میں صادق ہی تھے؟ جبکہ وہی نشان جو انبیائے سابقین کے ہاتھوں سے ظاہر ہوئے اور انکی شناخت اور تصدیق کا ثبوت ٹھہرائے گئے وہ نبوت کے جھوٹے مدعیوں سے بھی ظاہر ہو سکتے ہیں تو اس بات کو کیوں مانا جائے کہ وہ لوگ برحق نبی تھے اور یہ جھوٹے؟ یہ مسیحی ایڈیٹر صاحب تو ایسے بیباک نکلے ہیں کہ انہوں نے سچے اور جھوٹے نبیوں کی شناخت کے علم کے سر پر پانی پھیر دیا ہے۔ اور یہ قرار دیدیا ہے کہ پہلے نبیوں نے جو نشان دکھائے تھے اور جن پر انکی صداقت کا مدار سمجھا گیا تھا وہ بیسویں صدی کے جھوٹے نبی بآسانی دکھا سکتے ہیں۔ پھر جبکہ یہی حال ہے تو سچے اور جھوٹے نبی میں امتیاز اور شناخت کا کونسا معیار باقی رہتا ہے۔ اسطرح تو سارے پہلے نبی جھوٹے ہی قرار پاتے ہیں۔ اگر یسوع کی اس کلام کا مطلب یہی ہے کہ ہر ایک مدعیٔ نبوت کا بلا امتیاز انکار ہی کیا جائے خواہ اسکی تائید میں کیسے ہی زبردست اور بیّن نشانات کیوں نہ ظاہر ہوئے ہوں۔ تو اس کی یہ بات نہایت ہی قابل نفرت اور مضر ہے۔ کیونکہ یہ تو پہلے سچے نبیوں کو جھوٹا قرار دینے کے لیے ایک وجہ بنتی ہے۔ اور اسطرح یہ کلام سچے اور جھوٹے اور کاذب و صادق میں سے تمیز اُٹھا دیتا ہے اور سچ اور جھوٹ کو مخلوط کر دیتا ہے۔ اگر وہ نشانات جو سچے نبیوں نے دکھائے جھوٹے نبی بھی دکھانے پر قدرت رکھتے ہیں۔ اور سچے کو جھوٹے نبی سے تمیز اور شناخت کرنیکے لیے کوئی معیار موجود نہیں تو پھر خود عیسائیوں کے ہاتھ میں یسوع کی صداقت کی کونسی دلیل باقی رہ جائیگی اور کیوں یہودیوں کو مسیح کے جھوٹا ٹھہرانے میں حق پر نہ مانا جاوے؟ اول تو یسوع کے جو معجزات بیان کیے جاتے ہیں۔ وہ نرے خوش اعتقادوں کے بنائے ہوئے قصے معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ کوئی تاریخی ثبوت اسبات کا پیش نہیں کیا جاتا کہ جن باتوں کے ظہور کا یسوع سے بطور معجزہ دعوٰی کیا جاتا ہے وہ کبھی دنیا میں واقع بھی ہوئی تھیں۔ لیکن اگر فرض محال کے طور پر انکے وقوع کو مان بھی لیا جائے تو بھی ایڈیٹر صاحب "اگزیمنر" کے اصول کے مطابق وہ یسوع کی سچائی کا کسی طرح ثبوت نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ انکا اپنا بیان ہے کہ ایسے معجزات جھوٹے نبی بھی دکھا سکتے ہیں۔ پس مسیح کے سچا نبی ہونے کے لیے کوئی امتیازی نشان باقی نہیں رہ جاتا اور یہودیوں کی شہادت اسکے کذب پر ناطق ٹھہرتی ہے۔

افسوس تو یہ ہے کہ پادری صاحبان ایسے تعصب کی تاریکی میں پھنسے ہوئے ہیں کہ حق کے دیکھنے کی طرف مائل بھی نہیں ہوتے۔ انکی یہ عادت ہوگئی ہے کہ وہ حضرت میرزا غلام احمد صاحب کو بے سوچے سمجھے جھوٹا نبی کہدیتے ہیں اور یہ توجیہ بیان کرتے ہیں کہ یہ اسی طرح کا جھوٹا نبی ہے جنکی نسبت یسوع نے کہا ہوا ہے کہ بتیرے جھوٹے مسیح اُٹھیں گے۔ اور بڑے بڑے نشانات دکھائیں گے۔ جب ان لوگوں کے مُنہ سے یہ باتیں سنی جاتی ہیں تو انکی حالت پر رونا آتا ہے۔ ہم انسے اتنا دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ کیا جھوٹے ہی آتے رہیں گے یا کوئی سچا بھی آئیگا؟ اور کیا سچے اور جھوٹے نبی کی

شناخت کے لیے کوئی معیار ہے بھی کہ نہیں؟ اور کیا ساری بائبل ایسی لکھی ہے کہ کسی مدعیٔ نبوت کی صداقت پرکھنے کے لیے کوئی محک پیش نہیں کرتی؟ کیا یسوع کی اتنی بات کہ بہتیرے جھوٹے نبی آئیں گے اور حیرت انگیز نشانات دکھائیں گے'' اسبات کے لیے کافی ہوگئی ہے کہ ہر ایک مدعیٔ نبوت کا بے سوچے سمجھے انکار کردیا جائے؟ کیا انسان میں اتنی عقل بھی نہیں رہی کہ ایک مدعیٔ نبوت جو دلایل اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کرتا ہے انپر غور کرے اور اپنے لیے فیصلہ کرے کہ آیا وہ مدعی سچا ہے یا جھوٹا؟ کیا ہر ایک مدعیٔ نبوت کا بے سوچے سمجھے انکار کرنا اور اس کے دعاوی اور دلایل کی طرف بالکل آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھنا اور نہ انکی طرف کان دھرنا اور نہ ہی کچھ غور کرنا عیسائیوں کے آقا یسوع کی وصیت ہے؟ کیا سچے اور جھوٹے میں امتیازی نشان کوئی نہیں؟ اگر کوئی نشان ایسے نہیں تو عیسائی کسطرح ایمان رکھتے ہیں کہ یسوع جھوٹا نبی نہ تھا؟ اگر ایسے نشانات کا ہونا ممکن ہے تو کیوں ذرا تامل اور غور سے نہیں دیکھتے کہ آیا حضرت میرزا غلام احمد صاحب کی تائید میں اس قسم کے نشانات ظاہر ہوئے ہیں کہ نہیں؟ پھر اگر وہ اسطرح جھوٹے ثابت ہوں تو پادریوں کا فرض ہے کہ اُن تمام علامات کو ظاہر کرکے جو سچے نبی کو جھوٹے نبی سے تمیز کرنیکے لیے مقرر ہیں دنیا کو انکے جھوٹے نبی ہونیکا ثبوت دیں۔ صرف مُنہ سے اتنا کہدینا کہ وہ جھوٹا نبی ہے بڑی بھاری بیباکی ہے۔ پھر راقم اگزیمنر نے ایک اور بیہودہ بات لکھی ہے کہ اگر فرض کرلیا جائے کہ حضرت میرزا غلام احمد صاحب نے ایسی پیشگوئیاں کی ہیں جن کے پورا ہونے میں انکو کامیابی حاصل ہوئی تو بھی وہ سچے نہیں مانے جاسکتے۔ کیونکہ یسوع نے کہا ہوا ہے کہ ''بہتیرے جھوٹے نبی اُٹھیں گے اور حیرت انگیز نشان دکھائیں گے''۔ پھر یہ لکھا ہے کہ پیشگوئیاں قابل اعتراض ہیں۔ کیونکہ ان دنوں جھوٹے نبی بھی ہوں گے اور سچے نبی بھی ہوں گے۔ اور کسی مدعیٔ نبوت کی پیشگوئیوں کا جھوٹا نکلنا اسکے کذب دعویٰ پر دال نہیں ہوسکتا۔ یہ دونوں باتیں ایسی ہیں جن سے بائبل کی بیخ و بنیاد اُکھڑ جاتی ہے۔ اگر یسوع کے کلام کے وہی معنے سمجھے جائیں جو ایڈیٹر اگزیمنر نے بیان کیے ہیں تو پھر یسوع کی باتیں چونکہ گمراہ کرنیوالی ہیں اور خدا کے کلام سے جو موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے انبیاء پر نازل ہوا تھا مخالف ہیں اس لیے قطعی طور پر مردود ہیں۔ اس اخبار کے رو سے سچے نبی کو جھوٹے نبی سے تمیز کرنیکے لیے کوئی محک نہیں۔ یہانتک کہ کسی مدعیٔ نبوت کی پیشگوئیوں کا سچا ہونا اسکی صداقت کی دلیل نہیں اور اسکی پیشگوئیوں کا جھوٹا ہونا اس کے کذب پر دلیل نہیں۔ انکے نزدیک جھوٹے نبی بھی سچی پیشگوئی کرنیکی قدرت رکھتے ہیں۔ یہ کیسی شرمناک بات ہے کہ مسیحی مشنری بائبل سے ایسے ناواقف ہیں۔ بائبل میں تو کھلے طور پر سچے اور جھوٹے نبی کی شناخت کے آثار لکھے ہیں۔ اس میں صاف لفظوں میں لکھا ہوا ہے کہ سچی پیشگوئی کے معجزے جھوٹے نبیوں سے صادر نہیں ہوسکتے۔ لیکن یہ بیسویں صدی کچھ ایسی آئی ہے کہ اس کے مسیحی مشنری جو بائبل اور گذشتہ نبیوں کی تواریخ سے واقفیت کے مدعی ہیں کہتے ہیں کہ سچے اور جھوٹے نبیوں کو شناخت کرنیکے لیے کوئی محک موجود نہیں۔ پیشگوئیاں محض مبہم ہوتی ہیں اور ان سے ہدایت نہیں مل سکتی۔ اور جھوٹے نبی بھی ایسے معجزے دکھا سکتے ہیں۔ جو سچے نبیوں کی صداقت کا نشان ہوتے ہیں۔ وہ ایک لمحہ کے لیے بھی یہ بات خیال میں نہیں لاتے

کہ اگر سچّے اور جھوٹے نبی کو پہچاننے کے لیے کوئی معیار موجود نہیں تو سچّے نبیوں کو جن میں یسوع کو بھی وہ شامل کرتے ہیں کس ثبوت پر سچّا مانا جا سکتا ہے۔ افسوس کہ تعصّب اور جہالت نے ایسا احاطہ کیا ہوا ہے کہ لوگ سچی بات کو اپنی توہم پرستی اور انسان پرستی کے نقصوں کو چھپانیکے لیے ظاہر نہیں ہونے دیتے۔ یا انکی سمجھ ہی ایسی مسخ ہوگئی ہے کہ وہ اُن حقایق سے انکار کرنے پر جلد آمادہ ہو جاتے ہیں جو ان کے مسلمات میں داخل ہوتی ہیں۔ مثلاً عیسائی صاحبان کی حالت اس موقع پر غور کرنیکے قابل ہے۔ مَیں اسجگہ ناظرین کو یہ بات دکھاتا ہوں۔ کہ عیسائیوں کے مذکورہ بالا اعتقاد کے برخلاف بائبل میں سچّے اور جھوٹے نبیوں کو شناخت کرنیکا معیار موجود ہے۔ اور اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ جھوٹا نبی وہی ہوتا ہے جس کی پیشگوئی پوری نہیں ہوتی۔ مَیں اس بات کے ثبوت میں کتاب استثنار کی وہ آیات پیش کرتا ہوں جن کے پڑھنے سے صاف الفاظ میں میری بات ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ استثنار ۱۸ / ۲۰-۲۲ میں لکھا ہے "لیکن وہ نبی جو گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا مَیں نے اُسے حکم نہیں دیا یا اور معبودوں کے نام سے کہے۔ تو وہ نبی قتل کیا جاوے۔ اور اگر تُو اپنے دل میں کہے کہ مَیں کیونکر جانوں کہ یہ بات خداوند کی کہی ہوئی نہیں۔ تو جان رکھ کہ جب نبی خداوند کے نام سے کچھ کہے اور وہ جو اُس نے کہا ہے واقع نہ ہو یا پورا نہ ہو تو وہ بات خداوند نے نہیں کہی بلکہ اس نبی نے گستاخی سے کہی ہے۔ تو اس سے مت ڈر"

ان آیات میں صاف طور پر سچّے اور جھوٹے نبی کی شناخت کا معیار لکھا ہے۔ کیونکہ بڑے کھلے لفظوں میں لکھا ہے کہ وہ شخص جس کو خدا نے نبی نہیں بنایا اور صرف افترا کر گستاخی سے نبوت کا مدعی بنا ہے وہ ہلاک ہوتا ہے پھر یہ بھی واضح طور سے لکھا ہے کہ جب کوئی شخص خدا پر افترا کرتا ہے اور جھوٹی پیشگوئی خدا کے نام سے ظاہر کرتا ہے تو وہ واقع نہیں ہوتی یا پوری نہیں ہوتی۔ اسکا صاف ماحصل یہی ہے کہ سچی پیشگوئی سچّے نبی کا نشان ہے۔ اسی طرح اگر عہدنامہ جدید کی طرف توجہ کریں تو وہاں بھی اسی قسم کے معیار ملتے ہیں جن سے سچّا اور جھوٹا پہچانا جاتا ہے۔ چنانچہ متی ۷ / ۱۵-۱۶ میں لکھا ہے "پر جھوٹے نبیوں سے خبردار رہو جو تمھارے پاس بھیڑوں کے لباس میں آتے پر باطن میں پھاڑنیوالے بھیڑیے ہیں۔ تم انہیں انکے پھلوں سے پہچانو گے" یہاں یسوع جھوٹے نبیوں کو بُرے درخت سے تشبیہ دیتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ (متی ۷ / ۱۹) "ہر ایک درخت جو اچھا پھل نہیں لاتا کاٹا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے۔ پس انکے پھلوں سے تم انہیں پہچانو گے" اب اس کلام سے ثابت ہے کہ انجیل میں بھی جھوٹے نبیوں کی شناخت کا معیار دیا گیا ہے کیونکہ یسوع کہتا ہے کہ جھوٹے نبی بُرے درخت کی طرح کاٹے جائیں گے۔ یہ وہی معیار ہے جو خدا نے موسیٰ علیہ السلام کو بتایا کہ جھوٹا نبی جلد ہلاک کیا جاویگا۔ اور یہ بھی کہ وہ سچّے نبیوں کی طرح کامیاب ہونیکے لیے مہلت نہیں پاتے۔ کیونکہ اگر جھوٹے نبی بھی سچّے نبیوں کی طرح ہی کامیاب ہوتے تو سچّے اور جھوٹے کو پہچاننے کے لیے کوئی تمیز باقی نہ رہتی۔ اب جبکہ یہ بات پورے طور پر عیاں ہو چکی ہے کہ نہ صرف عہدنامہ عتیق میں ہی اسکا

ثبوت پایا جاتا ہے بلکہ عہد نامہ جدید میں بھی سچّے اور جھوٹے نبیوں کی شناخت کا معیار مذکورہ بالا موجود ہے تو میں
اس بات کی تحقیق کی طرف رجوع کرتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود میرزا غلام احمد صاحب اپنے دعوے میں ان معیاروں کے
لحاظ سے سچّے ثابت ہوتے ہیں یا نہیں؟ غور کا مقام ہے کہ آج حضرت میرزا غلام احمد صاحب تیئیس سال کے عرصہ سے
خدا کے نام پر پیشگوئیاں شایع کر رہے ہیں۔ دو سَو سے زیادہ ایسی پیشگوئیاں ہیں جن کو انہوں نے خدا کے نام سے پہلے
شایع کیا اور پھر وہ پوری ہوئیں۔ اور انکا پورا ہونا ایسا نہیں کہ خانہ ساز باتیں اور خوش اعتقادی کے قصّے ہوں
بلکہ یہ ثابت ہے کہ نہایت بیّن اور اظہر طور پر پوری اور واقع ہوئیں اور ہزارہا لوگ مختلف اقوام اور ملل کے موجود ہیں
جو انکے چشم دید گواہ ہیں۔ مَیں اسجگہ بطور نمونہ انکی چند پیشگوئیوں کو درج کرتا ہوں اور وہ یہ ہیں۔

(الف) حضرت میرزا غلام احمد صاحب ایک گاؤں میں رہتے ہیں۔ اس گاؤں کا نام قادیان ہے اور پنجاب کے دار الخلافہ
لاہور سے قریباً پچاس کوس کے فاصلہ پر بجانب مشرق آباد ہے۔ ابتدائے زمانہ میں جب وہ اپنے گاؤں میں گمنامی کی
زندگی بسر کر رہے تھے اور کوئی بھی ان کو نہ جانتا تھا تو انہوں نے پہلے پہل ایک ضخیم کتاب لکھی جسکا نام براہین احمدیہ ہے۔
اس کتاب میں انہوں نے اپنے بہت سارے الہامات خدا کی طرف سے شایع کیے۔ ان الہامات میں یہ الہام بھی درج ہے۔
فحان ان تعان وتعرف بين الناس....يأتون من كل فج عميق يأتيك من كل فج عميق۔
ولا تصعر لخلق الله ولا تسئم من الناس" یعنی وہ دن قریب آ رہے ہیں کہ تیری مدد کیجائے گی
اور تُو لوگوں میں پہچانا جائیگا.... لوگ تیرے پاس دور دراز سے آئیں گے۔ تحفے دور دراز راہوں سے تیرے پاس
آئینگے.... خدا کے بندوں سے جو تیرے پاس جمع ہوں گے..... مُنہ نہ پھیرنا۔ اور لوگوں سے مت تھکنا" ایسی گمنامی
کیحالت میں یہ آلہی الہامات آلہی تائید کے وعدے دیتے اور ایک ایسے زمانہ کی پیشگوئی کرتے تھے کہ جس میں حضرت ممدوح کو
سارے آفاق میں شہرت حاصل ہو جائے گی۔ اور تمام ملکوں کے لوگوں کو انکی طرف توجہ ہو جائیگی۔ پھر یہ الہامات جس وقت
شایع کیے گئے تھے وہ ایسا زمانہ تھا کہ جب کوئی انسان گمان بھی نہیں کر سکتا تھا کہ یہ کبھی پورے بھی ہو سکتے ہیں حضرت
ممدوح اپنے گاؤں میں خلوت کی زندگی بسر کر رہے تھے اور کوئی نہ جانتا تھا کہ وہ کون ہیں۔ ان الہامات کو شایع ہوئے
چوتھائی صدی کے قریب گذرا ہے اب وہ باتیں جن کے واقع اور پورا ہونے سے انسانی عقلیں اور اندازے بالکل مایوس
تھے ایسے خارق عادت طور پر واقع اور پوری ہو رہی ہیں کہ انسان دیکھ دیکھ کر حیرت میں پڑ رہے ہیں۔ تمام دنیا کی مختلف
ممالک اور تمام ممالک کے مختلف حصص میں کثرت سے لوگ انکی بیعت میں داخل ہو چکے ہیں۔ ہندوستان۔ برہما۔
عراق۔ عرب۔ ایران۔ افغانستان۔ مصر۔ شام۔ مشرقی افریقہ۔ بربرا۔ یہانتک کہ امریکہ میں بھی آپکے مرید موجود ہیں۔
اور عام طور پر تمام دنیا میں آپ کو اسقدر شہرت حاصل ہو گئی ہے کہ سمجھدار دنیا میں کوئی بدنصیب مرد و عورت اور بچہ ایسا ہو گا
جو انکے نام سے آشنا نہ ہو چکا ہو۔ اور انکے دعاوی سے کسی نہ کسی رنگ کی دلچسپی نہ رکھتا ہو۔ دور دراز سے لوگ ہر روز قادیان

ہیں انکے پاس آتے ہیں اور طرح طرح کے ہدیے تحایف لاتے اور بھیجتے ہیں۔

(ب) آریہ سماج قادیان کے بعض ممبروں کو حضرت ممدوح نے پنڈت دیانند صاحب بانی آریہ سماج کی ناکام موت کی قبل از وقت اطلاع دی۔ چنانچہ اوسی پیشگوئی کے مطابق پنڈت دیانند صاحب تھوڑے دن بعد مر گئے۔ بعض پنڈت جی کے ماننے والے آریہ سماجی جن کو اس پیشگوئی سے قبل از وقت اطلاع دی گئی تھی ابھی تک قادیان میں زندہ موجود ہیں اور وہ اس واقعہ کی تصدیق کرتے ہیں۔

(ج) لیکھرام ایک مشہور آریہ لیڈر تھا جس نے اسلام کی نسبت سخت بدزبانی کا رویہ اختیار کیا تھا۔ اسکی نسبت بھی حضرت ممدوح نے پیشگوئی کی کہ وہ چھ سالوں میں مارا جائے گا۔ اور اسکے قتل کا دن مسلمانوں کی عید کے دوسرے دن ہوگا۔ یہ پیشگوئی بھی نہایت صفائی سے لفظاً لفظاً پوری ہوئی۔ حضور ممدوح کے پاس ہزارہا لوگوں کی جن میں ہندو مسلمان عیسائی وغیرہ شامل ہیں تحریرات موجود ہیں۔ جنہوں نے اس پیشگوئی کو پورا ہوتے دیکھا اور اس کے واقع اور پورا ہونیکی گواہی دی ہے۔

(د) براہین احمدیہ میں ہندوستان میں طاعون پھیلنے کی پیشگوئی درج ہے۔ اور یہ بھی پیشگوئی کی ہوئی ہے کہ طاعون اسوقت دور ہوگی جب لوگ حضور ممدوح کی طرف رجوع کر کے انکی خدمت میں گذارش کریں گے کہ وہ اس کے دفعیہ کے لیے دعا فرمائیں۔ الہام مذکورہ بالا کے الفاظ یہ ہیں۔ یا مسیح الخلق عدوانا یعنی اے خلق کے مسیح اس وباسے ہمارے بچنے کے لیے دعا کر۔" پھر جبکہ طاعون ابھی پنجاب میں داخل نہ ہونے پائی تھی تو انہوں نے خدائے تعالیٰ سے اطلاع پاکر پیشگوئی کی تھی کہ پنجاب میں بھی سخت قسم کی طاعون زور سے عنقریب پھیلے گی۔ یہ ساری باتیں جیسی کہی گئی تھیں ٹھیک اُسی طرح پوری ہوئیں۔

(ہ) ۴۔ اپریل ۱۹۰۵ء کے زلزلہ کے واقع ہونے سے بہت پہلے انہوں نے پیشگوئی شایع کی ہوئی تھی کہ اس دیار میں کسی جگہ خطرناک زلزلہ سے محل اور مقامات پر ایسی سخت آفت آنیوالی ہے کہ وہ ریزہ ریزہ ہوکر گر کر زمین سے ملجائیں گے چنانچہ ایساہی ہوا جسکے ثبوت کی چنداں ضرورت نہیں۔

(و) حضور ممدوح کے دشمنوں نے طرح طرح کے منصوبے بناکر انپر مختلف اوقات میں ۷ خطرناک فوجداری مقدمات کیے۔ ان ساتوں مقدمات میں سے ہر ایک مقدمہ جب ہونے لگتا تو اس سے بہت عرصہ پہلے آپ پیشگوئی کر دیتے کہ کوئی مقدمہ اس رنگ کا ہونیوالا ہے۔ چنانچہ پھر ویساہی مقدمہ ظاہر ہوجاتا۔ اور ہر ایک مقدمہ میں اپنی کامیابی اور دشمنوں کی ذلت اور ناکامی کی پیشگوئی کرتے اور اُسی طرح ہوتا رہا۔ اور ہر قدم پر ہر ایک شق پیشگوئیوں کی بلا استثنا پوری اور واقع ہوتی رہی۔

(ز) حضور ممدوح کے چار بیٹے ہیں۔ اور ہر ایک بیٹے کی پیدایش ایک نشان الٰہی ہے کیونکہ ہر ایک کی پیدایش سے

پہلے ایک پیشگوئی کی گئی۔ اور اُسی کے مطابق لڑکے پیدا ہوتے رہے۔

(ج) براہین احمدیہ میں لکھا یہ الہام درج ہے شاتان تذبحان۔ "یعنی دو بکریاں ذبح کیجائیں گی" یعنی آپکے دو مرید اپنے ایمان کی خاطر قتل کیے جائیں گے۔ چنانچہ تھوڑا عرصہ گذرا ہے کہ آپکے دو مرید اسی پیشگوئی کے مطابق کابل میں قتل کیے گئے۔ باوجودیکہ سلطنت کابل نے ان کو بارہا کہا کہ اگر تم میرزا صاحب پر ایمان سے توبہ کرو اور اُنکو چھوڑدو تو تمھیں نہ صرف رہائی ہی دیجاویگی بلکہ تمھارا بہت اعزاز و اکرام بڑھایا جاویگا۔ لیکن انہوں نے دنیا پر دین کو مقدم کیا اور جان پر ایمان کو فوقیت دی۔ دونوں مسیحوں میں یہ کیسا مقابلہ ہے کہ ایک کے مرید تو اپنے ایمان پر بڑی خوشی سے جان قربان کرتے ہیں۔ اور بادشاہ وقت کی طرف سے انعام و اکرام کے وعدوں کی کچھ پروا نہیں کرتے۔ اور خود بھی بڑی دولت و جاہ حشمت کے مالک ہیں۔ لیکن دوسرے کے مرید ایسے تھے کہ مشکل کی گھڑی میں اپنے مسیح سے منحرف ہوگئے۔ بلکہ اُسپر لعنت کی اور تھوڑے سے روپے لیکر اسکو گرفتار کرا دیا۔

حضرت ممدوح کی بیشمار پیشگوئیوں میں سے جو سب کی سب پوری اور واقع ہوئیں یہ چند پیشگوئیاں مختصر الفاظ میں بطور نمونہ درج کر دی گئی ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ اگر آپ سچے نبی نہ ہوتے تو وہ پیشگوئیاں جو آپنے خدا کے نام پر شایع کی تھیں پوری اور واقع نہ ہوتیں۔ کیونکہ کتاب استثنا ۱۸ باب میں لکھا ہے کہ جو پیشگوئی خدا کے نام پر کیجائے اور وہ حقیقت میں خدا کی طرف سے نہ ہو تو وہ پوری اور واقع نہیں ہو سکتی۔ لیکن چونکہ حضرت مسیح موعودؑ کی تمام پیشگوئیاں بلا استثنا ہمیشہ پوری نکلتی رہیں اس لیے اسکا نتیجہ صرف یہی نکلتا ہے کہ وہ سچے نبی ہیں۔ اب عیسائیوں کے ہاتھ میں کوئی دلیل نہیں کہ وہ حضرت مسیح موعودؑ کی تصدیق سے انکار کر سکیں کیونکہ جو معیار بائبل میں سچے نبی کی شناخت کا لکھا ہے اس کے مطابق آپ سچے نبی ثابت ہیں۔ پس اگر بائبل سچی ہے تو میرزا غلام احمد صاحب بھی اپنے تمام دعاوی میں سچے ہیں۔ اور عیسائی لوگ جنکا بائبل پر ایمان ہے اسبات کے پابند ہیں کہ وہ ان کو سچا نبی سمجھیں۔ آپ کی پیشگوئیوں کا حال کسی قدر تفصیل کے ساتھ آپکی ایک جدید تصنیف موسوم بہ حقیقۃ الوحی میں درج ہے۔ ان پیشگوئیوں کو بغور مطالعہ کرنیسے پتہ ملجائیگا کہ یہ پیشگوئیاں محض قیاسی نہیں۔ بلکہ بہت سادہ اور صاف الفاظ میں ایسے زمانہ میں شایع کی گئی تھیں کہ جسوقت ان پیش گفتہ واقعات کے وقوع کو قیاس کرنا قطعی طور پر انسانی طاقت سے باہر تھا۔ آپ کی پیشگوئیوں میں ایک اور امر قابل غور ہے کہ انمیں انکی اپنی کامیابی اور دشمنوں کی نامرادی اور انکی فتح اور دشمنوں کی شکست کا ذکر ہوتا ہے۔ اور انکے پورا ہونے میں اسبات کا فیصلہ ہو جاتا ہے کہ خدا کی تائیدات آپکے شامل حال رہتی ہیں۔ آپکی پیشگوئیوں میں صرف آیندہ واقعات ہی کا ذکر نہیں ہوتا بلکہ اُن سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ خدا کا زبردست ہاتھ انکی تائید میں لگا ہوا ہے۔ انکے دعوے کی تصدیق ایک اور طرح سے بھی ہر ایک سمجھدار انسان پر منکشف ہو سکتی ہے۔ میّنے ابھی

بیان کیا ہے کہ بائبل کے دونوں عہدناموں عتیق اور جدید میں لکھا ہے کہ جھوٹے نبی کو بجائے اس کے کہ خدا کی طرف سے کوئی نصرت نصیب ہو وہ اپنے اس گستاخانہ افترا علی اللہ کے لیے ماخوذ ہوکر ہلاک کیا جاتا ہے۔ اس معیار پر بھی حضرت میرزا غلام احمد صاحب اپنے دعاوی میں سچے ثابت ہوتے ہیں۔ گذشتہ تیس سالوں سے وہ خدا کیطرف سے الہام پانیکے مدعی ہیں۔ اور اپنے الہامات کو منجانب اللہ شایع کرتے رہے ہیں۔ لیکن بجائے اسکے کہ جھوٹے مدعیان نبوت کی مقررہ سزا کی رو سے مارے جاتے وہ دن دگنی اور رات چوگنی ترقی پا رہے ہیں۔ انکی شہرت تمام دور و نزدیک میں قایم ہو رہی ہے۔ لاکھوں لوگ انکے مریدوں کے حلقہ میں داخل ہو رہے ہیں اور بیشمار لوگ انکی طرف حسن عقیدت سے [illegible] چلے آرہے ہیں۔ اگرچہ ہر طبقہ وحیثیت کے لوگوں میں انکے دشمن بھی ہیں۔ اور ان دشمنوں نے انہیں تباہ کرنیکے لیے کوئی دقیقہ اپنی کوششوں اور منصوبہ بازیوں کا اٹھا نہیں رکھا۔ لیکن خدا کے ہاتھ نے ہمیشہ انکی ہی دستگیری کی اور انکے دشمنوں کو ناکام اور [illegible] خاسر بنایا۔ انہوں نے جو تخم ریزی کی وہ بہت عمدگی کے ساتھ پھلی اور بڑھی ہے۔ اور مخالفین کا کوئی صدمہ اسے کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکا۔ اب یہ بہت بڑا پھلدار درخت ہو گیا ہے۔ اور تمام ابتدائی خطروں سے نکل چکا ہے۔ انکی مشن بہت مضبوط طور پر قایم ہو گئی ہے اور انہیں ہر میدان میں نصرت اور فتح نصیب ہوتی ہے۔ خدائے تعالیٰ نے آپ کو تباہ نہیں کیا۔ بلکہ آپکے کاروبار اور مساعی کو نہایت خارق عادت کامیابی اور برکت بخشی۔ یہ آپکے صدق دعوے پر ایک زبردست دلیل ہے۔ کیونکہ اگر وہ جھوٹے نبی ہوتے تو پھر خدائے تعالیٰ آپ کو وہ تمام کامیابیاں اور برکات کیوں عطا کرتا جو وہ اپنے صادق انبیاء ہی کو دیا کرتا ہے؟ اور کیوں آپ پر اپنا غضب نازل نہ فرماتا کہ آپ اس غصہ کی بجلی سے بھسم ہو جاتے؟ یسوع کے اس قول کی طرف غور کرو کہ "درخت کو اس کے پھلوں سے پہچانو" خدائے تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہوا تھا کہ میں جھوٹے نبی کو تباہ کر دونگا تاکہ سچے اور جھوٹے مدعیان نبوت میں ایک امتیاز پیدا ہو جائے لیکن حضرت میرزا غلام احمد صاحب کو خدا نے تباہ نہیں کیا بلکہ انہیں فتح پر فتح اور کامیابی پر کامیابی دیتا جاتا ہے۔ کتاب براہین احمدیہ جو حضور ممدوح کی سب سے پہلی کتاب ہے اس میں آپکے پیشگوئی درج کی ہوئی ہے کہ انہیں بڑی عمر دیجائیگی۔ اور یہ کہ انکی سخت مخالفت کی جائے گی۔ اور یہ کہ بہت لوگ انہیں قتل کرنیکے منصوبے کریں گے اور یہ کہ خدا انہیں ہر ایک دشمن کے حملے سے بچائیگا۔ اور انہیں طبعی موت سے وفات دیگا۔ اور یہ کہ جب تک وہ اپنا کام پورے طور پر سرانجام نہ دے چکیں گے اور اپنے سلسلہ کی اشاعت کو دنیا میں مستحکم بنیاد پر قایم نہ کرلیں گے وہ دنیا سے اٹھائے نہیں جائینگے اور یہ کہ خدا انکی صداقت کو زبردست نشانوں سے ظاہر کریگا۔

سب سے زیادہ حیرت میں ڈالنے والی یہ بات ہے کہ انہوں نے اکثر مرتبہ اپنے مخالفوں کو مباہلہ کے لیے چیلنج کیا۔ انہوں نے اپنی صداقت کا ایک یہ بھی نشان اعلان کیا ہوا ہے کہ جو شخص انکی موت کے لیے دعا کریگا وہ دعا اسی پر الٹ کر

پڑیگی اور وہ خود جلد دکھ درد کی موت سے ہلاک ہوگا۔ اور مقابلہ کرنیوالا ضرور اُنکی زندگی ہی میں مرجائیگا۔ وہ ہمیشہ بڑی تحدی کے ساتھ تمام دنیا کو پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ جسکا جی چاہے انکی سچائی اس معیار پر پرکھ لے۔ اُنہیں اپنی صداقت پر اتنا کامل ایمان ہے کہ اگر کثیر حصہ دنیا کے لوگوں کا انکے برخلاف انکی موت اور ہلاکت کے لیے دعا کرنے پر آمادہ ہو تو بھی وہ سب کے سب ہی خدا کے غضب سے تباہ ہو جائینگے۔ کیونکہ خدا کا عظیم ہاتھ اُنکی تائید میں ہے اور ہر ایک حریف جو انکی مخالفت کیلیے کھڑا ہوگا اسے ہلاکت کا یقینی پیالہ پلایا جاوے گا۔ مَیں ناظرین کی اطلاع کے لیے یہ امر لکھنا بھی دلچسپی سے خالی نہیں دیکھتا کہ اُنکے اس دعوے کے موافق بعض لوگوں نے انکی تباہی کے لیے خدا سے دعائیں بھی کیں۔ لیکن ان سب کو موت کا وہی خمیازہ اُٹھانا پڑا جو حضور ممدوح نے بطور پیشگوئی کہا ہوا تھا۔ اور اسطرح ان کے صدقِ دعوے کا اور بھی بھاری ثبوت بہم پہنچا ہے۔ جن لوگوں نے انکے برخلاف مباہلہ کی تلوار کو لیکر انہیں ہلاک کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ اُلٹے انکے اپنے ہی گلے کٹ گئے اُنمیں سے چند مشہور معروف لوگوں کے نام ذیل میں لکھدیے جاتے ہیں۔

۱۔ مولوی غلام دستگیر ساکن قصور ضلع لاہور۔ ۲۔ مولوی محمد اسمٰعیل ساکن علیگڈھ۔ ۳۔ پنڈت لیکھرام مشہور معروف آریہ لیڈر۔ ۴۔ مولوی محمد حسن فیضی ساکن بھیں ضلع جہلم۔ ۵۔ فقیر مرزا ساکن دوالمیال ضلع جہلم۔ ۶۔ چراغدین ساکن جموں۔ یہ سب بڑے مشہور معروف لوگ تھے اور انہیں ہر ایک کا حال عجیب دلچسپی سے لبریز ہے۔ لیکن میں اسجگہ صرف سب سے آخری یعنی چراغدین ساکن جموں کے حالات لکھنے پر کفایت کرتا ہوں۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ مَیں چراغدین کے ذاتی حالات میں دخل دوں۔ البتہ جہاں تک میرے مضمون کو تعلق ہے اس حد تک لکھنا ضروری سمجھا گیا ہے۔ کچھ عرصہ گذرا ہے کہ چراغدین مذکور نے دعویٰ کیا کہ مَیں خدائے تعالیٰ کی طرف سے مامور و مرسل کرکے اس بات کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں کہ تا عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان دینی اختلاف کو مٹا کر صلح کرا دوں۔ اس نے ایک کتاب موسومہ بہ منارۃ المسیح شایع کی جسمیں اسنے اسبات کا اعلان کیا کہ مسیح کے دوبارہ نزول سے مراد میرا نزول تھا۔ اور میرزا غلام احمد جو مسیح موعود ہونیکا دعویٰ کرتے ہیں جو بجائے اس کے کہ اسلام اور عیسائی مذہب میں صلح کرائیں اُلٹے عیسائیت کو بیخ و بنیاد سے اُکھاڑ رہے ہیں۔ درحقیقت دجّال ہیں۔ اس نے خدا سے ایک دعا بھی کی۔ کہ اے خدا میرزا غلام احمد کو میری زندگی میں ہلاک کردے۔ اور مباہلہ لکھدیا۔ ابھی اس دعا کو کیے تھوڑے دن گذرے تھے کہ خدا کے غضب نے برنگ طاعون اسکو آدبایا۔ پہلے اسکی بیخ و تخم کو پکڑا یعنی اسکے دو لڑکوں کو یکے بعد دیگرے تہ خاک کیا۔ اور پھر اس نامرادی اور حسرت اور بدبختی اور دُکھ دیکھنے کے بعد وہ خود بھی پنجۂ طاعون میں گرفتار ہو کر واصل بجہنم ہوا۔ کیسا عبرت انگیز وہ وقت تھا کہ جب اس بدنصیب کذّاب کو اپنی جان سے نا اُمیدی ہوئی

تو اسوقت پکار اُٹھا کہ ہائے! اب خدا نے مجھے چھوڑ دیا ہے۔ اور یہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ دعا تو اس نے خدا سے یہ کی تھی کہ میرزا صاحب کے دشمنوں کو طاعون سے بچا۔ لیکن تعجب کی بات ہے کہ آخر کار وہی طاعون اسکے لیے آپ ہی مواخذہ ثابت ہوئی جس سے بچنے کے لیے وہ دعا کر رہا تھا۔ اس جھوٹے کذاب کے بعد اسکا ایک اور بدنصیب جانشین پیدا ہوا ہے۔ جو اپنے آپ کو عبد الحکیم خاں کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ اس نے بھی اپنے پیشوا چراغدین کے نقش قدم پر اعلان کیا ہے کہ میں خدا کا مرسل و مامور ہوں۔ اور مجھ پر خدا کی وحی نازل ہوتی ہے۔ اس نے بھی پیشگوئی کی ہے کہ خدا نے مجھے اطلاع دی ہے کہ احمد دجّال ہے اور تین سال کے عرصہ میں مارا جائیگا۔ یہ تعجب کرنیکی بات نہیں کہ خدا نے ایسے کذّاب اسی ملک پنجاب میں ہی کیوں پیدا کیے۔ اصل حکمت الٰہی اس میں یہ ہے کہ چونکہ خدا کا سچّا مرسل اسی سرزمین میں موجود ہے۔ اس لیے اس جگہ ہی مفتریان کذّاب بھی کھڑے ہوئے کہ تا صادق اور کاذب میں حقیقی طور پر امتیاز عیاں ہو کر کافۃ الناس پر حجت الٰہی پوری ہو۔ ایک مدعی اور صرف ایک ہی مدعی عہدہ مسیح موعود ہر میدان میں ہر طرح سے مسلمانہ انداز سے اپنے کاروبار رسالت میں کامیابی پر کامیابی حاصل کر رہا ہے اور اس کے حریف مدعیان سارے ہلاکت۔ بدبختی۔ نامرادی۔ محرومی۔ اور تباہی کے گہرے گڑھے میں گر رہے ہیں۔ پس اس معیار کے رو سے جس شخص نے خدا سے الہام نہ پایا پر گستاخی سے افترا کر کے جھوٹا دعویٰ کیا کہ ہمیں خدا نے الہام کیا ہے اسپر خدا کا غضب وارد ہوا۔ لیکن جو شخص سچا ہے اسکی ہر میدان میں خدا مدد کرتا ہے اور اپنے ملائکہ کی افواج ہمیشہ اسکی نصرت کے لیے استادہ رکھتا ہے۔ اور اسکو مخالفوں پر ہمیشہ فتح دیتا ہے۔ سچے اور جھوٹے نبی کو پہچاننے کے لیے یہ ایک زبردست اور حتمی فیصلہ ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ ہمارے عیسائی دوست اس زبردست اور مسلمہ معیار پر حضرت میرزا صاحب ممدوح کو نہیں پرکھتے۔ حضرت ممدوح نے کئی دفعہ عیسائیوں کو کہا ہے کہ وہ انکے صدق دعویٰ کے پرکھنے کے لیے مباہلہ کرلیں۔ لیکن کسی عیسائی نے اس مقابلہ پر جرأت نہیں کی۔ اگر یسوع فی الحقیقت خدا ہے اور انکی دعائیں سنتا ہے تو کیوں وہ اسکے حضور میں دعا نہیں کرتے کہ وہ میرزا غلام احمد کو تباہ کردے۔ میرزا غلام احمد صاحب سے بڑھکر کس نے یسوع مسیح کے غصّے کو بھڑکایا ہوگا کیونکہ انہوں نے تو یہ دعویٰ کیا ہوا ہے کہ گویا وہ آپ ہی مسیح ہیں۔ ایسے رقیب و حریف پر یسوع کی خدائی کا غصّہ بے تحاشا بھڑک اُٹھنا چاہیئے۔ کیا عیسائی لوگ اسبات کو دیکھ کر حضرت ممدوح کے دعوے کی تصدیق سے ابھی متامّل ہیں کہ جو شخص انکے برخلاف دعا کرنے اُٹھا وہی اُلٹا غضب الٰہی میں گرفتار ہو کر ہلاک ہوا۔ ہاں اگر عیسائیوں کو اس بات کا یقین نہیں آتا تو یقین حاصل کرنا کچھ دور نہیں وہ آپ ہی اس میدان میں آکر امتحان کرلیں۔ دو چار مشنری صاحبان کے امتحان کرنیسے ہی معاملہ صاف ہو جائیگا۔ مشنری لوگ خود بھی بڑی جرأت رکھنے کے مدعی ہیں اور لوگوں میں بھی انکی بہادری کی شہرت قایم ہے کہ اپنے دین کی خاطر جان قربان کر دینا وہ ایک آسان بات سمجھتے ہیں۔ لیکن ہم نے تو انکو اس میدان امتحان میں بزدل ہی پایا

چوزہ دل یعنی مرغی کے بچہ کے برابر بھی دل رکھنے والے نہیں پایا۔ اگر وہ جرأت رکھتے ہیں تو کیا اتنے بڑے مشنریوں میں سے کوئی بھی اپنے مذہب کے لیے اتنی غیرت نہیں رکھتا کہ وہ میرزا غلام احمد صاحب کے ساتھ مقابلہ مباہلہ کر کے اس شخص کو جسے وہ دروغ گو سمجھتا ہے گھر تک پہنچانیکے لیے میدان میں نکلے۔ یسوع نے انہیں کہا ہوا ہے کہ جھوٹے نبی بُرے درخت کی طرح کاٹے جائیں گے۔ اگر انہیں یسوع کے صدق پر ایمان ہے اور اگر انہیں یسوع کی باتوں پر ایمان ہے اور اگر حضرت میرزا غلام احمد صاحب کو دل سے وہ جھوٹا نبی سمجھتے ہیں اور اسپر انکا ایمان ہے تو انہیں کیوں جرأت پیدا نہیں ہوتی کہ اس قضیہ کا دعا کے مقابلہ سے فیصلہ کر چھوڑیں۔ کیا انہیں یسوع کی طرف سے کوئی بے اعتباری دل میں کھٹکتی ہے؟ کیا انکو یہ بھروسہ نہیں کہ ایک جھوٹے مدعی کے برخلاف یسوع انکی دستگیری کریگا؟ اس کنارہ کشی اور خاموشی سے یہی حقیقت سمجھ میں آتی ہے کہ عیسائی لوگ دل میں خوب جانتے ہیں کہ میرزا غلام احمد صاحب کا خدا غالب اور زبردست خدا ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں یسوع ایک ناتوان اور ضعیف انسان ہے۔ یہ کیسی تعجب کی بات ہے کہ جھوٹے نبی کی تباہی کی بائبل پیشگوئی کرتی ہے۔ اور میرزا غلام احمد صاحب پیشگوئی کرتے ہیں کہ جو شخص انکے ساتھ مباہلہ کریگا ہلاک ہوگا۔ الغرض اگر وہ معیار جو یسوع اور موسیٰ نے بتایا ہوا ہے سچا ہے تو اسمیں کچھ شک نہیں رہتا کہ میرزا غلام احمد صاحب بھی خدا کی طرف سے سچے مرسل ہیں۔ عیسائی لوگوں کو اس بات سے شرم کرنی چاہیئے کہ وہ اس عظیم الشان دعوے کو یوں ہی خفیف سی بات کہکر ٹال دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ چونکہ یسوع نے کہا ہوا ہے کہ بہتیرے جھوٹے نبی اُٹھیں گے۔ اس لیے یہ بھی اسی طرح کا جھوٹا نبی ہے۔ اس سے تو یہی سمجھ آسکتا ہے کہ حضرت میرزا صاحب ممدوح کے دعوے کے زبردست صدق کے برخلاف انکے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں اس لیے اس لایعنی بات پر حصر کر کے جاہلوں کو تسلی دے چھوڑتے ہیں۔ بحالات موجودہ بالا حضرت ممدوح کے صادق و مصدوق نبی ہونے میں ذرا بھر شک نہیں رہتا۔ پس جبکہ ہر ایک پہلو سے انکا نبوت کا دعویٰ سچا ثابت ہوتا ہے تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ انہیں مسیح موعود تسلیم نہ کیا جاوے۔ یہ ایک احمقانہ عذر ہے کہ یہ وہ مسیح نہیں جو ناصرہ میں اُنیس سو ۱۹۰۰ سال پہلے پیدا ہوا تھا۔ کیونکہ کسی کے دوبارہ نزول سے یہ مراد نہیں ہوتی کہ وہی شخص بجسمہ دوبارہ آئیگا۔ اس قسم کی باتیں ہمیشہ پیشگوئی کے رنگ میں ہوتی ہیں اور انکی تعبیر یہی ہوتی ہے کہ کوئی شخص اسکا بروز آئیگا جسکو اسکے ساتھ روحانی اور اخلاقی مناسبت اور مشابہت ہوگی۔ یہ مسئلہ عیسائیوں میں بھی پہلے ہی طے شدہ ہے اور یسوع کی صداقت اسی پر منحصر ہے۔ بنی اسرائیل کا اعتقاد تھا کہ یسوع مسیح سے پہلے ایلیا کا دوبارہ نازل ہونا ضروری ہے۔ جب تک ایلیا پہلے نہیں آئیگا اسوقت تک مسیح کا آنا ناممکن ہے۔ پس جب مسیح نے آکر دعویٰ کیا تو یہودیوں نے اعتراض کیا کہ چونکہ ابھی ایلیا نازل نہیں ہوا اس لیے تُو وہ نبی نہیں ہو سکتا۔ اسپر یسوع نے فیصلہ کیا کہ وہ ایک پیشگوئی تھی اور اسکی تعبیر یہ نہیں ہو سکتی کہ وہی ایلیا بجسمہ نازل ہوگا بلکہ اسکی تعبیر یہ ہے کہ اسکے روحانی رنگ اور اخلاق پر اسکا بروز یوحنا بپتسمہ دینے والا یعنی حضرت یحییٰ نازل ہو چکے ہیں۔ پس اگر دوبارہ نزول کے معنے اسی شخص کا

دوبارہ آنا ہے تو پھر نہ حضرت یحییٰ ایلیا ہو سکتے ہیں۔ اور نہ یسوع ہی سچا قرار پا سکتا ہے یہی جسمانی رفع اور نزول ثانی کا مقدمہ دنیا میں ایک دفعہ جناب یسوع مسیح کے ہاں سے فیصلہ پا چکا ہے جس کے رو سے آپنے حضرت یحییٰ کے نزول کو ایلیا موعود کا نزول قرار دیا۔ ایک طرف یہودی اس فیصلہ کے منکر اور دوسری طرف جناب یسوع اس فیصلہ کے جج دو فریق ہیں۔ اب مَیں عیسائی صاحبان سے یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ ان دونوں میں سے وہ کس فریق کو سچّا سمجھتے ہیں؟ اگر یہودیوں کو سچّا سمجھا جائے تو پھر نہ ابھی تک ایلیا موعود نازل ہوا ہے اور نہ یسوع مسیح ہی آیا ہے۔ جس شخص نے یسوع مسیح بننے کا دعویٰ کیا وہ کذاب بلکہ اکذب قرار پاتا ہے۔ مسیح کے آنیکے لیے پہلے ایلیا کے آنیکی انتظاری کرنا ضروری ہے۔ لیکن اگر حضرت مسیح سچے ہیں اور انکا فیصلہ صحیح اور واجب العمل ہے تو عیسائی پابند ہیں کہ وہ طوعاً وکرہاً اسبات پر ایمان لائیں کہ کسی شخص کے دوبارہ نزول سے مراد اسکا بروز ہوتا ہے جو اسکے رنگ و اخلاق پر نازل ہوا ہے۔ ہائے افسوس! آج عیسائی بھی یہودی ہوگئے اور انکے نقش قدم پر چلکر حق سے آنکھیں بند کرکے مسیح موعود کا اسی بنا پر انکار کرنے لگ گئے کہ دوبارہ نزول مسیح سے مراد اسی مسیح کا آنا ہے۔ جیسا یہودیوں میں دوبارہ نزول ایلیا سے مراد اُسی ایلیا کا آنا سمجھا جاتا تھا۔ اور جسکو یسوع مسیح نے غلط اور باطل قرار دیا۔ عیسائیوں نے بھی وہی راہ اختیار کرلی ہے کہ جس نے یہودیوں کو سیدھے جہنم میں ڈالا تھا۔ اور وہ راہِ حق جو یسوع مسیح نے بیان کی تھی اسپر عمل نہیں کرتے۔

بعض عیسائی صاحبان یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ چونکہ یسوع مسیح خدا تھا اس لیے اسکے دوبارہ نزول سے مراد کوئی انسان نہیں ہو سکتا کیونکہ خدا کا بروز انسان ناممکن ہے۔ لیکن یہ کوئی دلیل نہیں۔ یسوع کی خدائی کوئی مسلمہ حقیقت نہیں اسلیے معقولات میں اسکو بنائے ثبوت نہیں شمار کیا جاسکتا۔ اس بات کا کہیں کوئی ثبوت نہیں کہ وہ خدا تھا۔ اس میں خدائی قدرت تو درکنار بعض انسانوں کے برابر بھی خارق عادت اور اعجازی طاقت ظاہر نہیں ہوتی۔ اگر وہ ہمارے نبی کریم صلعم سے آدھی کامیابی بھی حاصل کر دکھاتا۔ اور اپنے اصحاب میں ان سے آدھی روحانی قوت نفخ کر دکھاتا اور انکی طرح اپنے دشمنوں پر غالب ہو دکھاتا۔ تو پھر بھی خدائی کے لیے کوئی جھوٹ موٹ کا بہانہ مل جاتا۔ لیکن یہاں تو سارے حالات ہی اُلٹے ہیں۔ اس میں اگر کچھ روحانیت تھی تو وہ ایسی کمزور کہ اُس کے مریدوں میں کچھ بھی اسکا اثر نہ ہو سکا۔ اور بجائے اس کے کہ اپنے دشمنوں پر فتح پاتا وہ خود ہی مغلوب اور محروم ثابت ہوا۔ کیا وہ شخص جس کی اپنی تعلیم کا یہ اثر ہو کہ اسکے بڑے مقرب اور مخلص حواری ذرا سی طمع اور دکھ کی حالت میں تیس ۳۰ روپے کی رقم پر ایسے پھسل گئے کہ اسکو گرفتار کرادیا۔ کیا ایسا عاجز انسان جو دُکھ کے وقت خدا کو ایلی ایلی لما سبقتنی کہکر پکارتا رہا۔ ایسا کم طاقت اور عاجز انسان خدا ہو سکتا ہے؟ اگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں یسوع آدھا بلکہ اس سے بھی تھوڑا کامیاب ہو کر دکھا جاتا تو عیسائیوں کی مفروضہ تثلیث خدائی کا کوئی جزو نہ سمجھے جانے کے لیے اسکے حق میں کوئی وجہ ہو سکتی تھی۔ لیکن کہاں یسوع اور کہاں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ

علیہ وسلم اگر یسوع جیسا کمزور انسان خدا ہو سکتا ہے تو اُس شہ زور مظہر انوار نامتناہی۔ صدر بزم آسمان۔ حجۃ اللہ رسول صلعم کو کیا مرتبہ دیا جانا چاہیئے۔ جس کی مدح انسان کے احاطہ ہمت سے باہر ہے۔
چوں زمن آید ثنائے سرور عالی تبار + عاجز از مدحش زمین و آسمان ہر دو دار + آں عنایتہا کہ محبوب ازل دارد بدو + کس بخوابے ہم ندیدہ مثل آں اندر دیار + سرور خاصان حق شاہ گروہ عاشقاں + آنکہ روحش کرد طے ہر منزل وصل نگار + آں مبارک پے کہ آمد ذات با آیات او رحمتے زاں ذات عالم پرور و پروردگار + آنکہ دارد قرب خاص اندر جناب پاک حق + آنکہ شان او نفہمد کس ز خاصان دکبار از ہمہ چیزے فزوں تر در ہمہ نوع کمال + آسمانہا پیش اوج ہمت او ذرہ وار + (حضرت مسیح موعودؑ)

خدا بننے کی قدرت نمائی تو خیر یسوع کو تو عیسائیوں کے اعتقاد کے مطابق خدائی تائید بھی نصیب نہیں ہوئی۔ ایسے شخص کو خدا بنانا کتنی جہالت کا کام ہے کہ جسکو تھوڑے سے یہودیوں نے پکڑ کر نہایت ذلت کے ساتھ جابجا گھسیٹا اور آخر کار صلیب پر چڑھا کر بقول عیسائیوں کے مار دیا۔ ایسا بیکس انسان جسپر یہودیوں نے تھوکا خدا نہیں ہو سکتا۔ یہ کیسی کفر کی بات ہے کہ یہ سمجھا جائے کہ خداوند قادر مطلق نے ایسا شرمناک عاجز ہو کر یہودیوں کے ہاتھ سے ایسی ذلت گوارا کر لی۔ وہ کیسا خدا ہے! جسے یہودی کھینچتے اور مارتے اور مُنہ پر تھوکتے ہیں۔ وہ کیسا خدا ہے! جسکو یہودی طرح طرح کی عقوبتوں سے دار پر کھینچتے اور بقول عیسائیان واصل جہنم کر دیتے ہیں۔ ایسے بیہودہ خیالات سے انسانی عقل کو سوں بھاگتی ہے۔ اے عیسائی صاحبان کیا آپ کا وہی خدا تھا جسکو اُس یہودی قوم نے جو دنیا میں ایک بیکس قوم ہے اور جسکو آپ لوگ کتّوں کی طرح سمجھتے اور سلوک کرتے ہیں دار پر (بقول آپکے) قتل کیا تھا؟ کیا عیسائیوں کو ایسا خدا رکھنے سے شرم نہیں آتی؟ الغرض یسوع میں نہ کوئی خدائی قدرت نظر آتی ہے اور نہ وہ خدا ہو سکتا ہے۔ البتہ چاروں طرف سے عاجز آکر بعض وقت عیسائی لوگ یسوع کے معجزات اسکی خدائی کے ثبوت میں بطور دلیل پیش کر دیتے ہیں اوّل تو یہ معجزات ایسے ہیں کہ جن کے وقوع کا کوئی تاریخی ثبوت موجود نہیں۔ لیکن اگر فرض کر لیا جائے کہ اُس سے یہ معجزات ظاہر ہوئے بھی تھے تو بھی اُسکی خدائی کی دلیل نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اس سے پہلے بھی بہت نبیوں نے ایسے ہی معجزات دکھائے۔ اگر یسوع کو چند ایسے معجزات کی بنا پر خدا ماننا جائز ہے تو وہ تمام لوگ جن سے ایسے ہی معجزات صادر ہوئے اس خطاب کے کیوں مستحق نہ سمجھے جاویں؟

ایڈیٹر صاحب "اگزیمنر" یہ بھی فرماتے ہیں کہ یسوع کے لیے ضروری ہے کہ جب وہ آسمان سے دوبارہ اُترے تو بڑے جاہ وجلال کے ساتھ نازل ہو اور فرشتوں کا لشکر اسکے ہمراہ ہو اور نرسنگا ساتھ پھونکی جا رہی ہو۔ یہ ایڈیٹر صاحب کی روشن دماغی کا نتیجہ ہے۔ یہ وہ روشنی کا زمانہ ہے کہ ساری دنیا نے معقولات میں بہت ترقی کر لی ہوئی ہے لیکن یہ بدنصیبی صرف بعض انجیلی واعظوں کے حصہ میں آئی ہوئی ہے کہ ان کے دماغوں میں اس روشنی نے ذرا دخل نہیں پایا۔ کیسا بھولانہ خیال ہے کہ ان باتوں کا جسمانی ظہور مانا جائے کہ یسوع آسمانوں سے اُتریگا۔ بادلوں پر وہ پھیر

سوار ہوگا۔ اور کرنا بجانیوالوں اور فرشتوں کا لشکر اسکے ساتھ ہم رکاب اُڑتا ہوا چلا آرہا سب کو دکھائی دیگا۔ اگر یہی بات صحیح ہے تو بھلا آسمان پر کیوں اس جلال کے ساتھ نہ چڑھا؟ کیوں اس نے اس بات کو گوارا کیا کہ اسکا آسمان پر چڑھنا ایسے مستور اور مخفی طور پر ہو کہ [illegible] کو تو کہیں رہا اپنے شاگردوں کو بھی پتہ نہ لگے؟ کیا آسمان پر چڑھتے وقت بھی اس کو یہی ڈر تھا کہ یہودی اُسے پکڑ کر آسمان کے دروازوں سے نیچے کھینچ لاویں گے اور پھر صلیب پر کھینچ دینگے؟ کیونکہ وہ آسمان پر سیدھا تمام لوگوں کی نظروں کے سامنے نہ چڑھا؟ بیشک یہ بڑی حیرت کی بات ہے کہ بیسویں صدی کے سے اتنے معقول اور روشنی کے زمانہ میں بھی ایسے عیسائی موجود ہیں جو ابھی تک آسمان کی طرف آنکھیں اُٹھائے کھڑے تاک رہے ہیں کہ اب انکا یسوع بادلوں پر سوار فرشتوں اور کرنا بجانیوالوں کی فوج کو ساتھ لیے آسمان سے اُترتا ہے۔

عیسائی نرے وہم پرستی کی بلا میں ہی گرفتار نہیں بلکہ ضعف ایمانی کی وجہ سے سریع الاعتقادی میں بھی ڈوبے ہوئے ہیں۔ یہ تو مسلم الثبوت بات ہے کہ انجیل نویسوں نے یسوع مسیح کے اصل الفاظ کو انجیلوں میں نقل نہیں کیا اور اس بات پر کوئی دلیل کسی پایہ کی موجود نہیں کہ جس کے زور پر یہ امر مانا جائے کہ موجودہ انجیلوں میں یسوع مسیح کے کلمات جیسے کہ اسکے مُنہ سے نکلے تھے بلا کم و کاست محفوظ طور پر درج ہیں انجیلیں یسوع سے بہت عرصہ بعد لکھی گئی تھیں اور کوئی معقول انسان یہ یقین نہیں کرسکتا کہ انکی عبارتیں یسوع کے مُنہ کا کلام بلا کم و کاست ہے۔ اور اگر بفرض محال مانا بھی جائے کہ مسیح کے دوبارہ نزول کی پیشگوئی ٹھیک انہیں الفاظ میں لکھی گئی ہے جو یسوع نے کہے تھے تو بھی عیسائیوں کی غلطی ہے کہ وہ اس پیشگوئی کے لفظاً لفظاً پورا ہونیکے منتظر ہو رہے ہیں اگر یہی بات صحیح ہے تو بتائیں کہ یسوع کا یہودیوں نے کیوں انکار کیا؟ یہی مصیبت تو اُنپر بھی پڑی تھی کہ وہ مسیح کے آنیکی پیشگوئی کے لفظی طور پر پورا ہونیکی انتظار میں تھے۔ انکی کتابوں میں یہ پیشگوئی تھی کہ وہ ایک بادشاہ ہوگا۔ اور داؤد کے تخت کا وارث ہوگا۔ لیکن یسوع جس نے مسیح ہونیکا دعویٰ کیا وہ اُن کے سامنے ایک مسکنت کے لباس میں آیا۔ پس وہ اُس کے منکر ہوگئے اور اُس سے نفرت کی۔ اسی طرح یہودی لوگ ایلیا کے دوبارہ نزول کی پیشگوئی کو بھی لفظی طور پر پورا ہوا دیکھنا چاہتے تھے۔ اور جب یسوع نے انہیں سمجھایا کہ دراصل اس سے مراد ایلیا کا ایک بروز ہے جو اس کے اخلاق اور روحانی قوتیں لے کر آئیگا۔ تو انہوں نے یسوع کی اس تعبیر کو رد کیا۔ اور جھوٹ سمجھا۔ کیونکہ وہ دیکھتے تھے کہ پیشگوئی کے ظاہر الفاظ کے ساتھ یہ تعبیر نہیں ملتی۔ پس صرف اس پیشگوئی کے لفظی پورا ہونیکی انتظار ہی نے انہیں یسوع کا منکر بنادیا۔ جناب یسوع صاحب نے یہ مسئلہ حل کر کے عیسائیوں کے لیے ایک سبق چھوڑا تھا کہ وہ یہودیوں کی طرح اس قسم کی غلطیوں میں مبتلا نہ ہونے پائیں۔ بلکہ ان کی حالت سے عبرت پکڑیں۔ لیکن کیسے افسوس کی بات ہے کہ انہوں نے اپنے استاد کی باتوں سے کچھ فائدہ نہیں اُٹھایا۔ اور نہ ہی یہودیوں کی مثال سے کچھ عبرت حاصل کی ہے۔ اب جب انکی نوبت آگئی ہے تو وہ بھی یہودیوں کی طرح مسیح موعود کو

ماننے سے اسی وجہ پر انکار کرتے ہیں کہ وہ آسمان سے بادلوں کی سواری پر فرشتوں اور کرنا بجانیوالوں کی فوج کو ساتھ لیے نازل نہیں ہوا۔

عیسائی صاحبان کو سمجھنا چاہیئے کہ ایسی پیشگوئیوں میں روحانی امور ہوتے ہیں اور انکے ظاہری الفاظ کے موافق ظہور کا انتظار کرنا سخت غلطی ہوتی ہے۔ اسی پیشگوئی کے دوسرے حصّوں سے واضح ہو رہا ہے کہ مسیح کا دوبارہ نزول اس طریق میں نہیں ہوگا جیسا عیسائیوں کو خیال لگا ہوا ہے نہ وہ بادلوں پر سوار آسمان سے نازل ہوگا اور نہ کوئی ایسا فرشتوں کا لشکر اُسکے ساتھ ہوگا جس کو مادّی نظر سے لوگ دیکھ سکیں اور نہ ہی کرنا کی آوازیں ایسے محسوس طور پر سنائی دینگی۔ متی باب ۲۴/۴۴ میں یسوع نے مسیح کے دوبارہ نزول کی نسبت کہا ہے کہ "یہ آمد رات کے وقت چور کی طرح ہوگا"۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ نہ روز روشن میں آئیگا اور نہ کرناؤں کی آوازوں اور فرشتوں کے گیتوں کے ساتھ آئیگا۔ بلکہ وہ چور کے بھیس میں آئیگا اور اسکو وہی لوگ شناخت کریں گے جو بیدار ہوں گے۔ مسیح کا دوبارہ نزول بھی پہلے نزول کی طرح غیر مترقبہ یعنی اچانک ہوگا۔ ملے ہمارے خداوند جو تو زمینوں اور آسمانوں کا مالک ہے ہم تیرا کس زبان سے شکر ادا کریں کہ تُو نے ان حقایق سے ان لوگوں کو محروم رکھا جو دنیا کے دانا اور عقلمند لوگ ہیں، اور اُن لوگوں پر یہ اسرار منکشف فرمائے جو انکے سامنے ابھی بچے ہی ہیں۔ ملے خداوند تُو نے مسیح کو نازل فرما دیا لیکن حیف فقیہوں اور فریسیوں پر کہ انہوں نے اسکو نہیں دیکھا اور نہیں پہچانا۔ پر اُن لوگوں نے اُسے دیکھ لیا اور پہچان لیا جو بچوں کی طرح ہیں اور وہ تیرے فضل سے بہت خوش ہو رہے ہیں کہ اس برات کا دُلہا اُن کے بیچ ہے۔

انجیلوں کے مطالعہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مسیح کا دوبارہ نزول نہ صرف اچانک ہوگا بلکہ یہ بھی لکھا ہے کہ وہ کسی مشرقی سرزمین پر مبعوث ہوگا۔ چنانچہ متی ۲۴/۲۷ میں لکھا ہے کہ "کیونکہ جیسے بجلی پورب سے کوندکے پچھم تک چمکتی ویسا ہی ابن آدم کا آنا بھی ہوگا۔ کیونکہ جہاں مردار ہو وہاں گِدھ بھی جمع ہوں گے"۔ اس آیت میں صاف لکھا ہوا ہے کہ مسیح کسی مشرقی ملک میں نازل ہوگا۔ مردار اور گِدھوں کا ذکر کرکے یسوع نے ہمیں اس نزول کی اس ملک میں وجہ بتائی ہے۔ یعنی جن نقصوں اور خرابیوں کی اصلاح کے لیے مسیح کا آنا مقدر ہے وہ خرابیاں خصوصیت کے ساتھ اُس مشرقی ملک میں جمع ہونگی۔ اور اس لیے وہ اُسی مشرقی علاقہ میں نازل ہوگا۔ کیونکہ جہاں مردار ہے وہاں پر ہی گدھیں جمع ہونگی۔ دراصل مردار سے مراد دجّال ہے۔ اور مسیح موعودؑ کی بعثت کی علّت غائی یہی ہے کہ وہ دجّال کے فتن کو تباہ کرے۔ اور میں نے ریویو آف ریلیجنز جلد ۴ نمبر ۱۱ میں ایک مضمون میں ثابت کر دکھایا ہے کہ دجّال کی پیشگوئی کا صحیح مصداق وہی پادری صاحبان ہیں جو تثلیث اور کفارہ کے عقاید کو پھیلا رہے ہیں۔ مسیح موعودؑ اس مشرقی سرزمین میں نازل ہوا ہے اور جیسے بجلی مشرق سے کوند کے مغرب پر چمکتی ہے

اسی طرح اُس کے نزول کی خوشخبری زمانہ حال کے سریع خبر رسانی کے ذرایع سے مشرق سے مغربی دنیا میں پہنچ رہی ہے۔ مشرق ہی سے مغرب میں مسیح موعودؑ کے نزول کی خبریں سُنی جارہی ہیں۔ مسیح کے مشرق میں نزول کا مزید ثبوت یسعیاہ باب ۴۱/۲ میں بھی ملتا ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ "کس نے اُس راستباز کو پورب کی طرف برپا کیا" یہ کلمات یسوعؑ کے کلام کی تائید کر رہے ہیں کہ وہ موعودؑ پورب میں مبعوث ہوگا۔ معلوم نہیں کہ عیسائی صاحبان کب اپنے آپ کو اس دھوکہ سے نکالیں گے اور بائبل کے منشاء کو سمجھکر اسپر عمل کریں گے؟ انہیں کیا ضرورت پڑی ہے کہ مسیح کے نزول کیلیے آسمان کی طرف بادلوں کو پڑے تاکیں۔ کیونکہ وہ تو آسمان پر گیا ہی نہیں۔ وہ تو صلیب پر مرا ہی نہیں۔ ظاہر ہے کہ مسیح کا صلیب پر مرنیکا ثبوت ہی اسکے آسمان پر جانیکا پیش خیمہ سمجھا جاتا ہے لیکن اسکے اپنے کلام سے ثابت ہے کہ وہ صلیب پر سے زندہ اُتارا گیا۔ اُس نے کہا "اِس حرامکار لوگوں کو سوائے یونس نبی کے معجزہ کے کوئی دوسرا نشان نہیں دکھایا جائیگا۔ جیسے یونس نبی مچھلی کے پیٹ میں زندہ رہا ویسے ہی ابن آدم بھی قبر کے شکم میں زندہ رہا۔ اناجیل گواہ ہیں کہ خدا نے پلاطوس کی عورت کی طرف ایک فرشتہ ارسال کیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ خدا کا ارادہ مسیح کو بچانیکا تھا۔ جب خدا کسی غرض کیلیے ملائکہ کو نازل فرماتا ہے تو یہ اُس غرض کے پورا ہونے پر یقینی دلیل ہوتی ہے۔ مقدس تواریخ میں ایک بھی واقعہ ایسا نہیں ملے گا کہ جس میں وہ امر جس کیلیے خدا نے کبھی فرشتہ نازل فرمایا پورا نہ ہوا ثابت ہو پھر ماسوا اس کے یسوعؑ اس مصیبت سے نجات پانیکے لیے بہت رو رو کر بڑے اضطراب قلب کے ساتھ دعائیں کرتا رہا جیسا کہ عبرانیوں ۵/۷ سے ظاہر ہے۔ "اُسی نے اپنے مجسم ہونیکے دنوں میں بہت رو رو کر اور آنسو بہا کر اُس سے جو موت سے بچا سکتا تھا دعائیں اور منتیں کیں۔ اور تحمل کے سبب اُس کی سُنی گئی۔" اور ضرور تھا کہ اُس کی دعا سُنی جاوے چنانچہ اس کی قبولیت بھی نہ صرف اسی آیت کے آخری جملہ سے ظاہر ہوتی ہے بلکہ زبور ۲۰/۶ "اب میں جانتا ہوں کہ خداوند اپنے مسیح کا چھڑانے والا ہے۔ وہ اپنے دہنے ہاتھ کی نجات دینے والے زور سے اپنے مقدس آسمان پر سے اس کی سُنے گا" اور نیز زبور ۲۲/۲۴ سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح کے ایسے ابتلا کے وقت کی دردمندانہ دعا سُنی گئی۔ مسیح کی دعا یہی تھی کہ وہ موت کا پیالہ جو یہودی لوگ اُس کو صلیب پر چڑھا کر پلانا چاہتے تھے اُس سے ٹالا جاوے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے اپنی باریک حکمتوں سے اُس پیالہ موت کو اس سے ٹالدیا اور اس کو صلیب پر سے زندہ اُتروالیا۔ مسیح کی دعا صرف اتنی ہی تھی اگر وہ یہ دعا کرتا کہ صلیب پر ہی نہ چڑھایا جاؤں اور یہودیوں کے پنجے میں گرفتاری سے بچوں تو یہ بھی پوری ہوتی لیکن جتنی دعا اس نے کی اتنی تو پوری ہوگئی۔ اس بات کی کافی شہادت موجود ہے کہ مسیح کی دعا کے موافق خدا نے اُسکو دشمنوں کے ہاتھ سے نجات دیدی۔

ایک ایسے آدمی کی نسبت جسکو کسی نے مردہ سمجھ لیا اور وہ بعد میں زندہ نکلا آپ کیا خیال کر سکتے ہیں؟ سلیم العقل انسان تو یہی سمجھیں گے کہ وہ زندہ ہی تھا مردہ نہ تھا۔ لیکن مسیح کا معاملہ تو اس سے بھی زیادہ صاف ہے۔ تمام واقعات جو اس کے صلیب پر سے اُتارے جانیکے متعلق انہیں عیسائیوں کی دست مالیدہ اناجیل میں موجود ہیں وہ سب مسیح کے صلیب سے

زندہ اُتارے جانیکے گواہ اور دلایل ہیں۔ (۱) پلاطوس چاہتا تھا کہ یسوع کو چھوڑ دے کیونکہ وہ سمجھ گیا کہ انہوں نے اسے ڈاہ سے حوالہ کیا (دیکھو متی ۲۷/۱۷-۱۸) (۲) خدا تعالیٰ نے خوفناک رؤیا میں پلاطوس کی جورو کو جتا دیا کہ وہ اپنے خاوند کو مسیح کو عذاب دینے سے روکے چنانچہ متی ۲۷/۱۹ میں لکھا ہے کہ "جب وہ مسند پر بیٹھا اس کی جورو نے اُسے کہلا بھیجا کہ تو اس راستباز سے کچھ کام نہ رکھ کیونکہ مینے آج خواب میں اس کے سبب بہت تصدیع پائی" (۳) اس کے بعد بھی پلاطوس نے ہر چند یہودیوں کو مسیح کے چھوڑنے پر راضی کرنیکی کوشش کی جو متی ۲۷/۲۱-۲۴ سے ثابت ہے۔ آخر "پانی لیکے بھیڑ کے آگے اپنے ہاتھ دھوئے اور کہا میں اس راستباز کے خون سے پاک ہوا۔ تم جانو" (متی ۲۷/۲۵) اس سے صاف ظاہر ہے کہ پلاطوس کے دلمیں اُسکی راستبازی کی عظمت تھی اور وہ اسکے دکھ کو دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ (۴) متی ۲۷/۴۳-۴۴ میں چوروں اور فقیہوں کا مسیح کو ٹھٹھا مارنا اور اسکا خدا پر بھروسہ رکھنا وغیرہ اسکو بچانیکے لیے الٰہی غیرت کو جوش دلانیکا ایک ذریعہ ہے۔ اور اس حالت میں ایک راستباز کا بچایا جانا ضروری ٹھہرتا ہے۔ (۵) مسیح کا ایلی ایلی لما سبقتنی دعا کرنا اور اسکا قبول ہونا جیساکہ اوپر ثابت ہو چکا ہے۔ (۶) پلاطوس کا مسیح کو صلیب دیے جانا اُسوقت تک معلق کرنا کہ سبت قریب آپہنچے۔ تاکہ اس حیلہ سے یہودیوں کی اشک شوئی بھی ہو جائے اور اسکو بچا بھی لیا جائے۔ چنانچہ جمعہ کے روز ایسے وقت میں اسکو صلیب پر چڑھایا گیا کہ جس کے تین گھنٹہ بعد سبت شروع ہو جانیکی وجہ سے اُسکو صلیب سے اُتارنا پڑا۔ (۷) سپاہیوں نے اُنکے پہلے اور دوسرے کی ٹانگیں جو اسکے ساتھ صلیب پر کھینچے گئے تھے توڑیں۔ لیکن یسوع کی ٹانگیں نہ توڑیں۔ (دیکھو یوحنا ۱۹/۳۲) ظاہر ہے کہ نرے صلیب پر دو تین گھنٹے رہنے سے انسان مر نہیں جاتا۔ کیونکہ صلیب کے کیل کسی ایسے اعضائے رئیسہ میں نہیں لگائے جاتے تھے جنپر زندگی کا مدار ہوتا ہے۔ صرف ہاتھوں اور پاؤں میں کیل لگائے جاتے تھے۔ اس لیے ضرور ہوتا تھا کہ کم از کم تین دن تک مجرم صلیب پر لٹکا رہے۔ لیکن ان تین دنوں میں بھی وہ مرتا نہ تھا۔ جان سے مارنیکے لیے جب اُتارتے تو اسکی پیٹھ یعنی صلب کی ہڈی اور ٹانگیں توڑتے تھے۔ چونکہ اصل علت غائی (یعنی مجرم کا مار دینا) صلب کی ہڈی توڑنے سے حاصل ہوتی تھی اس لیے اسیوجہ پر اسکا نام بھی صلیب رکھا گیا۔ مسیح تین گھنٹے کے اندر ہی صلیب سے اُتار لیا گیا اور اسکی کوئی ہڈی بھی نہ توڑی گئی۔ (۸) اس غشی کی حالت میں ایک نے بھالے سے اسکی پسلی چھیدی تو فی الفور اس سے لہو اور پانی نکلا۔ یہ امر طبی طور پر کئی دفعہ ثابت ہو چکا ہے کہ مُردہ میں لہو اور پانی کا اسطرح نکلنا ناممکن محض ہے۔ جب صلیب سے اُتارے جانیکے بعد اسکے بدن میں زخم کرنیسے خون اور پانی کا جاری ہونا ثابت ہے، تو کیونکر مانا جا سکتا ہے کہ وہ مر گیا تھا۔ پھر لُطف یہ ہے کہ یوحنا ۹/۳۵ میں جہاں اسکا ذکر ہے وہاں بڑے زور سے لکھا ہے کہ اس واقعہ کی زبردست شہادت موجود ہے۔ گویا یہ ایک ایسا واقعہ ہے کہ جسکی تائید کی شہادت انجیل میں ملتی ہے۔ جو کسی دوسرے امر اس کے مخالف کیلیے نہیں ملتی۔ (۹) صلیب سے اُتاری جانیکے بعد یسوع کو یوسف ارمتیا کے حوالہ کرنا۔ اور یوسف ارمتیا کا یسوع کا شاگرد ہونا اور اسکا پلاطوس سے درخواست

یہودیوں سے پوشیدہ کرنا۔ اور عود اور مُر لگانا۔ اور ایسے باریک کپڑے میں لپیٹنا کہ سانس نہ رُکے۔ اور ایک نئے تہ خانہ میں اسکو رکھنا وغیرہ۔ یہ سب ایسے صریح ثبوت اور قرائن غالب ہیں کہ جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مسیح صلیب سے زندہ اُتارا گیا تھا۔ اور زندہ ہی ایک تہ خانہ میں رکھا گیا تھا۔ اور چونکہ یہودی لوگوں کا اُن دنوں بہت غلبہ تھا یہانتک کہ حاکم وقت بھی انکی منصوبہ بازیوں سے ڈرتے تھے جیساکہ پلاطوس کے واقعہ سے ظاہر ہو رہا ہے۔ اور وہ مسیح کے ایسے خطرناک جانی دشمن تھے کہ ہرگز اسکو زندہ دیکھنا ہی نہ چاہتے تھے اس لیے مسیح کے خیرخواہوں نے جو یہودیوں سے بہت خائف ہو رہے تھے اسی بات کو پسند کیا کہ حکمت عملی سے مسیح کی جان بچالیں۔ اور ظاہر طور پر یہودیوں کے جوش و غضب سے بچنے کے لیے یہ مشہور کر رکھیں کہ گویا وہ مرگیا ہے۔ حالانکہ وہ حقیقت میں زندہ ہی صلیب سے اُتارا گیا۔ زندہ ہی رکھا گیا۔ زندہ ہی تہ خانہ میں رہا۔ اور وہاں سے نکلکر اسکے گلیل کے سفر کے واقعات بھی اس کے زندہ رہنے کا مزید ثبوت ہیں۔ ایام تحقیقات میں یہودیوں نے اُسکو پیٹ بھر کھانا نہ دیا۔ وہ بھوک اور غم کے مارے کمزور ہوتا گیا اور اس کمزوری کے افاقہ پانیکے لیے عطریات اور عمدہ غذائیں ایک پُرفضا باغ کے نئے کمرے میں اسکے لیے مہیا کی گئیں۔ پھر جب ذرا طاقت پائی اور چلنے کے قابل ہوا تو یہی مناسب سمجھا کہ وہاں سے کسی طرح بھاگ جاوے۔ آخر ایک باغبان کے بھیس میں یروشلم سے بھاگ کر جلیل کی راہ لی۔ جلیل یروشلم سے قریباً ایک سَو میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور یسوع مسیح نے پاپیادہ ہی وہاں تک سفر کیا۔ کئی دفعہ حواریوں سے ملکر کھانا اور مچھلی کھائی۔ مچھلی کا شکار کیا اپنے زخم اپنے حواریوں کو دکھائے۔ اور اچھی طرح سے دکھائے۔ یہ سارے واقعات اس بات کے تسلیم کرنے میں کوئی شبہ نہیں چھوڑتے کہ وہ صلیب سے زندہ اُتارا گیا۔ اور زندہ ہی رہا۔ مسیح کا صلیب سے زندہ اُتارا جانا صرف انہیں امور سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ اور بھی بہت سی باتیں اس بات کو ثابت کرتی ہیں۔

اگر یہ مانا جاوے کہ وہ صلیب پر مرگیا تو اسکے معنے یہ ہونگے کہ وہ راستباز نہ تھا۔ ایک شخص جو نبوت کا مدعی ہو اور وہ صرف تین سال ہی رہ کر نہایت ناکامی سے دشمنوں کے ہاتھ گرفتار ہو کر مارا جاوے۔ کسی کی ایسے شخص کے متعلق خواہ کچھ ہی رائے کیوں نہ ہو۔ لیکن کتاب استثنا $\frac{18}{20}$ کے رو سے تو وہ کذاب اور مفتری علی اللہ ثابت ہوتا ہے۔ بلکہ خود یسوع نے بھی اسی کے ہمرنگ تعلیم دی ہوئی ہے کہ جھوٹا نبی مارا جاتا ہے یہاں تو صرف مارا جانا ہی نہیں مانا جاتا بلکہ صلیب پر مارا جانا بیان کیا جاتا ہے۔ حالانکہ بائبل کی رو سے جو کاٹھ (صلیب) پر مارا جاتا ہے وہ لعنتی ہوتا ہے۔ اگر یسوع کا صلیب پر مرنا تسلیم کیا جائے تو یہ بھی ماننا ضروری ہوگا کہ وہ لعنتی موت سے مرا۔ لیکن عیسائی لوگ اُسے لعنتی سمجھنے میں ذرا تامل نہیں کرتے۔ اور غور نہیں کرتے کہ لعنت کا مفہوم کیسا بُرا ہے۔ لعنت اگرچہ چار حرف کا ایک لفظ ہے جو بآسانی ہونٹوں سے نکل سکتا ہے۔ لیکن اسکا صحیح مفہوم نہایت ہی خطرناک ہے۔ اگر عیسائی صاحبان اسکے مفہوم کو سمجھنا چاہیں تو وہ ایک ہی واقعہ سے اسکو سمجھ سکتے ہیں

کیا وہ اُس ایک کو نہیں جانتے جو ملعون ہوا تھا؟ اُسکو عام طور پر شیطان کہا جاتا ہے اور اُسکو ہی ملعون کہا گیا تھا شیطان کے حال کو دیکھکر ملعون کے مفہوم کو وہ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ کسی کی نسبت یہ کہنا کہ وہ لعنتی ہوگیا ہے اس کے یہ معنے ہیں کہ وہ شیطان بن گیا ہے۔ وہ خدا کا دشمن ہوگیا ہے۔ اور خدا کے غضب میں ماخوذ ہوگیا ہے۔ مسیح کی نسبت ایسا اعتقاد رکھنا کہ وہ گویا شیطان ہوگیا اور خدا کا دشمن ہوگیا اور خدا کے غضب میں گرفتار ہوگیا اور خدا سے دور اور خدا اس سے دور ہوگیا کفر نہیں تو اور کیا ہے؟ ہم تو گمان نہیں کرسکتے کہ عیسائی لوگ اپنے آقا کی نسبت ایسے مفہوم کے پیدا ہونیکا اعتقاد رکھتے ہوں کہ وہ گویا شیطان ہوگیا تھا اگر یہ مانا جائے کہ وہ شیطان نہ ہوا تھا تو پھر ماننا پڑیگا کہ وہ لعنتی نہیں ہوا۔ کیونکہ یہ دونوں الفاظ مترادف ہیں۔ اور ایک ہی شے کے وصفی نام ہیں۔ اور اسکا نتیجہ یہ ہے کہ وہ صلیب پر نہیں مرا۔ اس بات کو ہم اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ جب یہ ثابت ہوگیا کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا۔ اور آسمان پر نہیں چڑھا تو پھر سوال ہوگا کہ باقی زندگی کے ایام اس نے کہاں بسر کیے۔ اگرچہ مسیح کی باقی زندگی کے حالات کے نہ معلوم ہونیکا یہ نتیجہ نہیں ہوسکتا کہ وہ آسمان پر چڑھ گیا۔ کیونکہ دنیا میں اور بھی بہت لوگ ایسے گذرے ہیں جن کی نسبت یہ معلوم نہیں کہ وہ کہاں رہے اور کہاں مرے۔ اور اس وجہ سے انکا آسمان پر جانا نہیں مانا جاتا۔ لیکن مسیح کے گلیل میں پہنچکر حواریوں کو مختلف علاقوں میں روانہ کرنیکے بعد خود وہاں سے ہجرت کرنیکے بعد کے واقعات ایسے نہیں کہ دنیا کو معلوم نہ ہوں۔ البتہ یہ خدا کا فضل ہے کہ اس زمانہ میں وہ حالات بروئے کار آکر عیاں ہو رہے ہیں۔ اور بہت ساری نئی باتیں بھی طشت ازبام ہو رہی ہیں۔ مسیح کے صلیب پر مرنے اور زندہ آسمان پر چڑھنے اور کفارہ کے لیے لعنتی ہونے اور خدا بننے کے سخت کذب آمیز معتقدات کے مفاسد حدِ انتہائی کو پہنچ چکے ہیں۔ اب ارادہ الٰہی ہوگیا ہے کہ اس جھوٹ کو تباہ کردیوے۔ اور اس کے گزند سے خلق کو بچا دے۔ اسلیے اس نے وہ یقینی ثبوت عیاں کردیے ہیں کہ جنسے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یسوع فی الحقیقت آسمان پر نہیں چڑھا تھا۔ ملک کشمیر کے دار الخلافہ شہر سری نگر کے محلہ خانیار میں ایک پرانی قبر موجود ہے جسکو "نبی صاحب" کی مزار "شہزادہ نبی" کی مزار "یوز آسف نبی" کی مزار بھی کہتے ہیں۔ اس کی نسبت یہ روایت مستند طور پر انہیں موجود ہے کہ وہ کسی مغربی ملک سے وہاں تشریف لائے تھے اور قریباً انیس سو ۱۹۰۰ برس سے انکی قبر وہاں موجود ہے۔ تاریخوں اور زبانی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ انپر ایک کتاب بھی نازل ہوئی تھی جس کو بشری کہتے تھے۔ اب یہ لفظ بشریٰ عربی اور عبری زبانوں میں مشترک طور پر آتا ہے اور اس کے معنے انجیل یعنی خوشخبری کے ہیں اس بشریٰ میں اس نبی کی تعلیمات بھی لکھی ہوئی ہیں جو اکثر موجودہ اناجیل سے ملتی جلتی ہیں۔ یہ نبی جو انیس سو ۱۹۰۰ سال سے سری نگر میں مدفون ہے تمثیلوں میں باتیں کرتا تھا۔ اور ہم نے دیکھا ہے کہ اکثر تمثیلیں انجیلی تمثیلوں کے مشابہ ہیں۔ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ شہزادہ نبی یسوعؑ کے سوا اور کسی نے کہلانا پسند نہیں کیا۔ اس لیے یہ وہی یسوع مسیح علیہ السلام ہے

ہیں۔ اور یہ گمان کرنا کہ یہاں کوئی ہندوؤں کا رشی منی دفن ہوگا غلط ہے کیونکہ وہ نبی کے نام سے موسوم ہیں اور یہاں نبی بدون اسرائیلی گھرانے کے دوسرا کوئی نہیں ہوسکتا۔ ہندوؤں کے بزرگوں کو نبی کے نام سے کبھی نہیں پکارا گیا۔ نبی تو زبان عربی اور عبری کا لفظ ہے۔ ہندوؤں میں اس کے ہم معنی اور الفاظ ہیں اور انکے بزرگ انہیں اسماء سے مشہور ہیں جو زبان سنسکرت میں آتے ہیں۔ باقی رہے مسلمان سو مسلمانوں کا ایک ہی نبی گذرا ہے جو سب نبیوں کا سردار اور پہلوں پچھلوں کا مقتدا تھا (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم)۔ انکا زمانہ بھی بہت پیچھے کا ہے اور انکا مدفن معلی بھی معلوم ہے۔ اور انکے بعد مسیح موعودؑ سے پہلے کوئی نبی نہیں گذرا۔ پس یہ اسرائیلی گھرانے کے نبی کی قبر ہے اور اسکے زمانہ اور نام اور کاموں سے فیصلہ ہوتا ہے کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام ابن مریم کا مدفن ہے۔ یہ بات کہ یہ مدفون انیس سو ۱۹۰۰ سال گذرے ہیں کہ مغرب کی طرف سے یہاں آیا۔ اور یہ کہ اپنی کتاب کا بشریٰ نام رکھا اور یہ کہ وہ بھی تمثیلوں میں باتیں کرتا تھا۔ جس میں سے بعض موجودہ اناجیل کی تمثیلوں سے ملتی جلتی ہیں۔ اور یہ کہ اسکی تعلیم انجیل کی تعلیم سے مشابہ ہے۔ اور یہ کہ وہ شہزادہ کہلاتا تھا۔ صاف ثابت کرتی ہے کہ یہ نبی حقیقت میں یسوع مسیح ہی تھا۔ پھر جب ہم یہودیوں کے منصوبوں کی طرف دیکھتے ہیں اور یسوع مسیح کی مغلوبانہ حالت اور اپنے وطن مالوف سے بھاگ کر کسی ایسے علاقہ میں پناہ لینی کی ضرورت جہاں پر یہودی پہنچ ہی نہ سکیں اور اسکی ہوا تک بھی سن نہ پاویں پر غور کرتے ہیں تو اس بات پر یقین زیادہ واثق ہوجاتا ہے۔

ایک اور امر اس بات کو اور بھی صاف کردیتا ہے۔ مسیح کے مشن میں یہ بات بھی داخل تھی کہ بنی اسرائیل کی گم شدہ بھیڑوں کو جمع کرے۔ یعنی جو اسرائیلی فرقے متفرق ہوکر شام سے گم ہوگئے ہوئے تھے انہیں جمع کرے۔ ریویو آف ریلیجنز کے متواتر مضامین میں یہ امر ثابت کرکے دکھا دیا گیا ہے کہ کشمیری اور افغان لوگ بنی اسرائیل کے اُن گم شدہ فرقوں کی نسل سے ہیں۔ یسوع مسیح تمام بنی اسرائیل کی طرف نبی ہوکر آیا تھا۔ انکی نبوت صرف ان دو قبیلوں کے لیے محدود نہ تھی جو شام میں موجود تھے۔ بلکہ ان سب کی طرف بھی وہ نبی تھے جو وہاں سے نکلکر مشرقی ملکوں میں جا آباد ہوئے تھے۔ اور بنی اسرائیل کی طرف نبی ہونیکی وجہ سے اسکا فرض تھا کہ وہ دس گم شدہ قبایل بنی اسرائیل کو بھی وہ پیغام الٰہی پہنچاوے جس کی تبلیغ کے لیے مبعوث ہوا تھا۔ پس یہ ضروری تھا کہ شام کے رہنے والے دونوں قبیلوں میں تین سال منادی کرکے وہ مشرق کی طرف بڑھتا کہ تا وہاں بنی اسرائیل کے باقی متفرق شدہ قبایل کو تبلیغ کرے۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو سمجھا جاتا کہ وہ اپنے منصب کے فرض کو پورا کرنے سے قاصر رہا۔ مسیح کی ہجرت کے مذکورہ بالا مقاصد کی تائید یسعیا ۵۲ سے بھی ہوتی ہے۔ کتاب جیوش انسائکلوپیڈیا جلد ۵ صفحہ ۲۱۴ کے پڑھنے سے واضح ہوتا ہے کہ طالمود میں یہ پیشگوئی درج ہے کہ یسوع مسیح جب ظاہر ہوجاویگا تو پھر کچھ عرصہ بعد گم ہوجاویگا اور نوّے دن اسکا پتہ نہ لگیگا یہ گمنامی کا زمانہ ہوگا۔ ان نوّے دنوں سے حضرت مسیح کی

عمر کے پچھلے نوّے سال مراد ہیں۔ ایسا ہی آنحضرت سرور کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ آلہٖ وسلم کی ایک حدیث مروی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی عمر ۱۲۰ برس ہوئی تھی۔ جو طالمودی روایت کی تائید کرتی ہے یعنی ۳۰ سال شام میں رہا اور ۹۰ سال وہاں سے گم ہو کر نصیبین۔ افغانستان۔ پنجاب اور کشمیر میں رہکر بادہ حیات لبریز کیا۔ اور سری نگر میں مدفون ہوا۔ غرض اب مسیح کو آسمان پر زندہ تلاش کرنا غلطی ہے وہ تو خانیار کے محلہ میں اپنی قبر کے اندر لیٹا ہوا ہے۔ اسے آسمانوں سے بادلوں پر سوار اور فرشتوں اور نرسنگے بجانیوالوں کے لشکروں کے ساتھ اُترتے دیکھنے کی انتظاری کچھ سود نہیں دیگی۔ وہ طبعی موت سے فوت ہوچکا ہے اور اسکا زندہ ہونا ناممکن ہے۔ جسطرح ایلیا کے دوبارہ نزول سے کوئی دوسرا شخص اس کے روح اور اخلاق پر اُترنا مراد تھا اسی طرح اس کے دوبارہ نزول سے کسی ایسے شخص کا اُترنا مراد ہے جو اس کے اخلاق اور قوت روحانیت پر نازل ہوگا۔ اور وہ موعود اب آچکا ہے۔ جو آپ لوگوں کے درمیان ہے۔ اور جو ٹھیک وقت مقررہ پر نازل ہوا ہے۔ اس کے ساتھ اپنی صداقت کے ثبوت اُسی طرح موجود ہیں جسطرح پہلے نبیوں کے ساتھ ہوا کرتے تھے۔ اگر آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان ہے تو آپ کو میرزا غلام احمد صاحب کی نبوت پر بھی لازماً ایمان لانا پڑے گا۔

سلسلہ کی ضرورتیں اور سالانہ رپورٹ

اس رسالہ کے اصلی صفحات میں مَیں نے آجتک ضروریات سلسلہ کے متعلق بہت کم تحریک کی ہے مگر چونکہ جسطرح اس سلسلہ کی صداقت کے دلایل اور نشانات سے احباب کو آگاہ رکھنا اس رسالہ کا فرض ہے ایسا ہی اس کی ضروریات سے انکو واقف کرنا بھی اسکا فرض ہے اس لیے اس نمبر کے باقی چند صفحات میں اس دوسری غرض کے حصول کی کوشش کرتا ہوں۔ اس سے پہلے کوئی تین ماہ کا عرصہ ہوا ہے مَیں نے بعنوان "میری اپیل" ایک اشتہار حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا شایع کیا تھا۔ جس میں جماعت کو اس رسالہ کی اعانت کے لیے اور اسکے بیرونی ممالک میں اشاعت کے بڑھانے کے لیے توجہ دلائی تھی۔ وہ اپیل بیکار نہیں گئی۔ اگرچہ اسکا جواب جماعت کے اس حصہ کیطرف سے جسپر زیادہ امید تھی ابتک کچھ نہیں ملا۔ اور نہ ہی کسی مقامی انجمن نے اسپر کوئی کارروائی کر کے اطلاع دی ہے مگر بہت سے دلوں پر اسکا اثر ہوا اور مَیں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ وہ اوراق ضایع نہیں ہوئے نہ ہی ان احباب کی بے توجہی سے جنکو مدنظر رکھکر مَیں نے اس اپیل کو لکھا تھا مَیں دل شکستہ ہوتا ہوں کیونکہ وہ لوگ بجائے خود طرح

طرح کی خدمات میں لگے ہوئے ہیں اور ہر امر کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی وقت مقرر ہوتا ہے۔ سو جب وہ وقت آجاتا ہے تو وہ خود اپنی جانب سے دلوں میں ایک تحریک پیدا کر دیتا ہے۔ انسان صرف الفاظ میں تحریک کر کے بعض باتیں دوسروں کے کانوں تک پہنچا سکتا ہے مگر دلوں میں تحریک کرنا محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ سو اس موقع پر بھی بصورت یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ اس سلسلہ کی کیا کیا ضرورتیں ہیں اور وہ کیونکر پوری ہو سکتی ہیں پھر جس قدر اللہ تعالیٰ کسی کو توفیق دے اسی قدر ان خدمات کی بجا آوری میں وہ حصہ لے سکیگا۔

قبل اس کے جو میں ان ضرورتوں کو ظاہر کروں یا گذشتہ کارروائی کے حال سے آپکو مطلع کروں میں ......

.... دو باتوں کا بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اول یہ کہ اس سلسلہ کا لوگوں کو اپنی مدد کی طرف بلانا اس رنگ میں نہیں جو دنیا کے دوسرے لوگ اختیار کرتے ہیں اور دوئم اسکی اغراض میں کوئی دنیوی غرض داخل نہیں۔ امر اول کے متعلق یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے ہر ایک نبی نے اپنے وقت میں یہ آواز دی ہے کہ من انصاری الی اللہ اور ایسا ہی اس زمانہ میں خدا کے برگزیدہ مسیح موعودؑ کے مُنہ سے بھی یہی آواز نکلی ہے مگر ان لوگوں کا جو خدا کی طرف سے آتے ہیں لوگوں کو اپنی نصرت کے لیے بلانا معمولی دنیوی رنگ میں نہیں ہوتا اور انکی آواز کا منشاء یہ نہیں ہوتا کہ ہمارا یہ کام یا سلسلہ بغیر تمہاری مدد کے چل نہیں سکتا۔ کیونکہ اُس سلسلہ کو جو خدا کی طرف سے ہو چلانیوالا خود اللہ تعالیٰ ہی ہوتا ہے۔ پس کسی انسان کی مدد اُس سلسلہ کی طرف ان معنوں میں منسوب نہیں ہو سکتی کہ اس کے بغیر وہ کام چل نہ سکتا تھا۔ بلکہ حکمت اس آواز من انصاری الی اللہ میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کو بیکسی اور تنہائی کی گھڑیوں میں سالہا سال پہلے یہ خبر دیتا ہے کہ وہ خود انکی تمام ضروریات کا متکفل اور دکھوں اور مصیبتوں کی گھڑیوں میں انکا حامی اور ناصر ہوگا اور خود لوگوں کے دلوں میں یہ القا کریگا۔ کہ وہ اس خدائی سلسلہ کی مدد کے لیے اپنی جانوں اور مالوں کو قربان کریں۔ پس ماموروں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا نصرت کا وعدہ پہلے سے ہوتا ہے جیسا کہ ہمارے حضرت مسیح موعودؑ کے لیے بھی ایسا وعدہ نہ دو چار یا دس سال سے بلکہ پچیس برس پیشتر کتاب براہین احمدیہ میں موجود ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ینصرك رجال نوحی الیھم من السماء اور یاتیك من كل فج عمیق۔ یعنی تیری مدد ایسے لوگ کرینگے جنکی طرف ہم خود آسمان سے مدد کرنیکے لیے وحی کرینگے اور ہر ایک دور کی راہ اور گہری راہ سے تیرے پاس نصرتیں آئیں گی۔ ایسے ہی اور وعدے نصرت کے براہین احمدیہ میں بکثرت موجود ہیں اور جو شخص براہین احمدیہ کو پڑھیگا وہ خود دیکھ سکتا ہے کہ اس وحی کے مہبط کو ان نصرت کے وعدوں پر کیسا یقین کامل ہے کہ انہی وعدوں کے بالآخر پورا ہونیکو اس کلام کے منجانب اللہ ہونیکا نشان قرار دیا ہے۔ پس جس صورت میں ایسے عظیم الشان وعدے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوں اور پھر اس شخص کو ان وعدوں پر یقین بھی ایسا کامل ہو تو یہ ہرگز ممکن نہیں کہ وہ معمولی

عیسٰیؑ کے پہلے حواریوں کے رنگ میں کسی سے مدد طلب کرے بلکہ اسکا من انصاری الی اللہ کی آواز دینے سے یہ منشاء مد نظر ہے۔ کہ تا جن لوگوں کی قسمت میں یہ سعادت اللہ تعالیٰ نے مقدر کی ہوئی ہے وہ اسکی آواز کو سنکر اس سعادت میں شامل ہونے کیلئے دوڑیں۔ پس وہ لوگ بھی جنکو خدائے تعالیٰ اس نصرت میں حصہ لینے کی توفیق دیتا ہے یہ احسان نہیں رکھتے کہ وہ نصرت کرتے ہیں بلکہ خود خدائے تعالیٰ کا شکر کرتے ہیں کہ اسنے اس سعادت میں سے انکو بھی حصہ دیا۔ دوسرا امر مینے یہ بیان کیا تھا کہ الٰہی سلسلوں کی اغراض میں کوئی دنیوی غرض داخل نہیں ہوتی۔ بلکہ محض خدائی دین کی ترقی اور حق کی اشاعت انکی اصل غرض اور اہم مقصد ہوتا ہے۔ دوسرے لوگ دنیا کے لیے اور دنیوی ترقیوں کے لیے کام کرتے ہیں مگر وہ محض خدا کے لیے اور دین کی ترقی کے لیے کوشش کرتے ہیں۔

پس اے میرے دوستو! تمکو بھی ایک خدا کا برگزیدہ وہی آواز من انصاری الی اللہ کی اسوقت دے رہا ہے جو پہلوں کو دیگئی۔ اور وہ تمکو بلاتا ہے کہ تم دین اسلام کی ترقی اور اسکی اشاعت کے لیے جان توڑ کر کوشش کرو۔ تمہیں اسوقت ایک عجیب موقع دیا گیا ہے اور میں اس سلسلہ کا ایک ادنیٰ ترین خادم ہونیکی حیثیت سے آپ لوگوں کو جو اس سلسلہ میں داخل ہیں یہ مبارکباد دیتا ہوں کہ اسوقت دین کا میدان تمہارے لیے خالی چھوڑا گیا ہے تمام قومیں دنیا کا ایک ایک پہلو اختیار کر رہا ہے۔ کوئی قوم ملکی ترقی کے درپے ہے۔ کوئی تجارتی ترقی کے کوئی صنعتی ترقی کے کوئی تمدنی ترقی کے کوئی تعلیمی ترقی کے کوئی روپے اور مال کی ترقی کے۔ مگر اصل جڑھ جو دین ہے اسکو سب لوگ بھول گئے اور دنیا کے پیچھے ہمہ تن ہو گئے ہیں۔ دین کا پہلو اسوقت صرف ایک ہی قوم نے اختیار کیا ہے اور وہ ہے احمدی قوم جسکا امام دین کو زندہ کرنے کیلیے آیا ہے۔ احمدی قوم ہی اسوقت دنیا میں وہ اکیلی قوم ہے جس نے یورپ اور امریکہ میں اشاعت اسلام کا کام سب سے پہلے شروع کیا۔ کیا تعجب کی بات نہیں کہ مسلمانوں میں لاکھوں کے سرمایہ سے انگریزی اخبار اور رسالے جنکی غرض محض دنیوی اور ملکی ہو نکالے جاویں مگر دین کی اشاعت کیلیے چند ہزار کے سرمایہ سے بھی کوئی رسالہ نہیں نکالا جاتا؟ کیا قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے دین کیلیے اپنی جانیں اور اپنے مال قربان کر کے سچا نمونہ نہیں دکھایا؟ شاید بعض لوگ یہ کہیں گے کہ تعلیمی ترقی اور تمدنی ترقی اور مالی اور تجارتی ترقی اور ملکی ترقی یہ سب بھی دین کیلیے ہی ہے مگر یہ سب جھوٹ ہے۔ ایک تعلیمی درسگاہ جو اسوقت سارے ہندوستان میں اسلام کی سب سے بڑی تعلیمی درسگاہ سمجھی جاتی ہے اسیکا نمونہ دیکھ لو کہ اس میں سے جو قابل فخر نوجوان تعلیم حاصل کر کے نکلے ہیں وہ بجائے دینداری کا نمونہ ہونیکے دین کی تخریب کے درپے ہیں۔ مگر ابتدا سے یہی مقدر تھا کہ دین اسلام دوبارہ مسیح موعودؑ کے ذریعہ سے ترقی پکڑیگا۔ اسیواسطے اس مسیح موعودؑ کے ساتھیوں کو آخرین منھم کہکر صحابہؓ کا ایک ہی گروہ قرار دیا گیا۔ مگر یہ مقام جیسے خوشی کا مقام ہے بڑے خوف کا مقام بھی ہے۔ خوشی تو اسلیے کہ اللہ تعالیٰ اس پاک گروہ کے ساتھ اس جماعت کو ملانا چاہتا ہے جن کے دل نور ایمان سے بھر گئے تھے اور خوف کا مقام اسلیے کہ اس پاک گروہ کے ساتھ ملنے کیلیے یہ ضروری ہے کہ جو لوگ اس سلسلہ میں داخل ہوتے ہیں وہ ان مقدسوں کی طرح واقعی طور پر دین کو دنیا پر مقدم کر دکھاویں جیسا بیعت کے وقت اقرار کرتے ہیں اور دین کے لیے ویسی ہی جانفشانیاں کر کے دکھاویں جیسی صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیں۔ مگر ان باتوں کا حاصل ہونا آسان نہیں اور خوف ہے کہ جو شخص دین کے لیے

پوری سرگرمی سے قدم نہیں اُٹھاتا اور پہلے راستبازوں کے نمونہ پر نہیں چلتا وہ اس جماعت سے الگ کر دیا جاوے۔ اللہ تعالیٰ کا تو یہ ارادہ ہو چکا ہے
کہ وہ دین اسلام کو حجج اور دلایل سے کل دینوں پر غالب کرکے دکھاوے۔ چنانچہ اس زمانہ میں بھی اسنے وہی خارق عادت نشان اپنی ہستی پر قائم کیے
ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیوقت میں کیے تھے وہ نشان ہیں اقتداری پیشگوئیاں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو جانفشانیاں صحابہؓ نے
دکھائی تھیں انکی وجہ کیا تھی یہی کہ انکو اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایمان کامل حاصل ہو گیا تھا اور انہوں نے اس دنیا کی بے حقیقتی کو خوب سمجھ لیا تھا۔ یہ کامل
ایمان کیونکر حاصل ہوا؟ ان نشانات سے جو انکو دکھائے گئے اور انمیں سب سے بڑا نشان وہی اقتداری پیشگوئیاں تھیں یعنی ابتدائے زمانہ رسالت نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم میں جب آپکی حالت بالکل تنہائی اور بیکسی کی تھی اللہ تعالیٰ نے آپکو کئی سورتوں میں بڑے زور کے ساتھ یہ وعدے دیئے جنکا اعلان شب و روز کفار
میں کیا جاتا تھا کہ آپکو غالب کیا جائیگا اور آپکے کل مخالفین کو اپنے منصوبوں میں جو آپکے خلاف وہ کرینگے ناکام اور نامراد رکھا جائیگا۔ اور پھر ان تمام وعدوں کو
جو دنیا کے لوگوں کی نظر میں ایک مجنون کی بڑ تھی نہایت صفائی سے پورا کرکے دکھایا۔ ایسا ہی اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے آج سے پچیس۲۵ برس پیشتر اپنے ایک بندے
کے ساتھ جو اُسوقت تنہائی اور گمنامی کی حالت میں تھا بڑے زور کے ساتھ یہ متواتر وعدے کیے کہ میں تجھے ایک بڑی جماعت دونگا اور دور دور سے لوگ تیرے
پاس آئیں گے اور طرح طرح کے منصوبے تمہارے برخلاف کیے جائیں گے اور سخت مخالفت کیجائیگی مگر مخالفوں کو ناکام کرونگا یہ وعدے اسیوقت جو آج سے پچیس۲۵ سال
پہلے کا زمانہ ہے کتابوں میں شایع ہو کر ہر ایک ملت اور ایک فرقہ کے لوگوں تک پہنچا دیئے گئے اور آج وہی تمام وعدے نہایت صفائی کے ساتھ پورے ہو رہے ہیں۔ سو اے
احمدی قوم اللہ تعالیٰ اپنی ہستی کا وہ بین ثبوت جو اس نے صحابہ کرامؓ کو دیا تھا آپ لوگوں کو بھی دے چکا اور خدا کی حجت پوری ہو چکی اور کھلے
کھلے نشان ظاہر ہو چکے۔ اب وقت ہے کہ تم بھی دین کے لیے ویسی ہی جانفشانیاں کرکے دکھاؤ جیسی صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیں۔ بلکہ تمہارے لیے
اللہ تعالیٰ نے بہت سی سہولتیں بھی کر دی ہیں کیونکہ صحابہؓ کا زمانہ وہ زمانہ تھا جب جان جیسی پیاری چیز دین کے لیے قربان کرنی پڑتی
تھی اور وہ خوشی سے کرتے تھے۔ اور طرح طرح کے دکھ اور صعوبتیں اُٹھاتے اور مالوں اور جائدادوں سے الگ کیے جاتے تھے۔ مگر اس آخری گروہ کو خدائے
تعالیٰ نے ایسے زمانہ میں پیدا کیا ہے جب دین کے لیے جنگوں کی ضرورت باقی نہیں رہی کیونکہ اسوقت کسی شخص کو دین کے لیے مارا نہیں جاتا۔ پس اللہ تعالیٰ
نے محض اپنے فضل سے اسوقت یہ آسانی کر دی ہے کہ آپ لوگ اپنی جانفشانی کا ثبوت محض انفاق مال سے دے سکتے ہیں۔ اس تمہید کے بعد میں اب
سلسلہ کی ضروریات کو مختصر طور پر ظاہر کرتا ہوں۔ (۱) اوّل۔ سب سے پہلی ضرورت اس سلسلہ کی لنگر خانہ اور مہمان خانہ کا قیام ہے۔ یہی وہ
سب سے پہلی شاخ اس سلسلہ کی ہے جسکی اللہ تعالیٰ نے بنیاد رکھی تاکہ طالبان حق امام پاک کی صحبت میں رہکر فیض حاصل کریں اور اللہ تعالیٰ کی
ہستی کے وہ تازہ بتازہ نشان دیکھیں جو وہ اپنے بندے کے ذریعے سے اس زمانہ میں ظاہر کر رہا ہے۔ علاوہ مہمانداری کے اخراجات کے اخراجات عمارت
بھی درکار ہیں کیونکہ جیسے جیسے یہ سلسلہ ترقی کرتا ہے ویسے ویسے مہمانوں کی تعداد ترقی کرتی اور نئی عمارتوں کی ضرورت پیش آتی ہے جیسا کہ
اللہ تعالیٰ نے آج سے کئی سال پیشتر فرمایا تھا کہ وسع مکانک۔ اس حصہ کا ہر ایک بیعت کنندہ کو سب سے مقدم خیال رکھنا چاہیئے نہ صرف
اسلیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مقدم کیا ہے بلکہ اس لیے بھی کہ اسکا اہتمام خود حضرت اقدس کے ہاتھ میں ہے اور یہ فکر ہر ایک کو چاہیے کہ ایسا نہ ہو کہ
کمی آمد اور کثرت اخراجات کی تشویش آپ کے اوقات گرامی میں کبھی خلل انداز ہو۔ تمام متفرق اخراجات کو جیسے خط و کتابت اور تصنیف
و عمارت لنگر خانہ وغیرہ ملا کر اس مد کا خرچ ڈیڑھ ہزار روپے ماہوار سے کم نہیں اور سالانہ جلسہ کا خرچ مزید براں ہے۔ دوم۔ دوسری

ضرورت اس سلسلہ کی بچوں کی تعلیم ہی جس کے لیے حضرت اقدسؑ کے حکم سے یہاں ایک مدرسہ آٹھ سال سے قایم ہی۔ اس زمانہ میں دہریت اور مادہ پرستی کے خیالات کی زہریلی ہوا سی بچے صرف اسیطرح متاثر ہونیسے بچ سکتے ہیں کہ انکی تعلیم اور تربیت شروع سے ہی ایسے طور سے کیجاوے کہ ان خیالات کا مقابلہ وہ کر سکیں۔ ایساہی گذشتہ سال میں حضرت اقدسؑ نے اس ضرورت کو محسوس فرمایا کہ اس جماعت میں ایک سلسلہ واعظین اور علماء کا ہمیشہ قایم رہنا چاہیئے جسکے لیے علاوہ ہائی سکول کے جس میں مروجہ تعلیم کے ساتھ خاص طور پر تعلیم دینی دیجاتی ہی ایک شاخ دینیات کی اس دوسرے منشاء کو پورا کرنیکے لیے کھولی گئی ہی۔ اس سال میں مدرسہ نے ایک غیر معمولی ترقی کی ہی۔ تعداد طلباء جو کئی سال سے ڈیڑھ سو سے زیادہ نہ ہوتی تھی اس سال میں دو سو سے بھی بڑھ گئی ہی۔ اور ایساہی بورڈنگ ہوس میں جہاں صرف چالیس بورڈر ہوتے تھے آجکل ایک سو بورڈر سے بھی زیادہ ہیں مدرسہ کے محکمہ تعلیم کی زیر نگرانی آجانیسے اور تعداد طلباء کے بڑھنے سے لازماً اخراجات بھی بڑھ گئے ہیں۔ اور سات ہزار روپیہ سالانہ کی بجائے جو ۱۹۰۵ء میں خرچ ہوا تھا اس سال میں نو ہزار روپیہ خرچ ہوا ہی۔ اب اسوقت چند ضرورتیں مدرسہ کے متعلق درپیش ہیں جنکو میں سلسلہ وار بیان کرتا ہوں (۱) ۱۹۰۷ء میں مدرسہ کے لیے چھیالیس ہزار روپے سے زیادہ کی منظوری دیگئی ہے جس میں سے تیس ہزار روپیہ عمارت کا ہی جسکا ذکر میں آگے کرونگا اور ۱۶ ہزار روپیہ معمولی اخراجات کا ہی۔ جو صاحبان مدرسہ کا چندہ پہلے دے رہے ہیں میں انکی خدمت میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جہاں مدرسہ کے معمولی اخراجات پہلے کی نسبت تگنے چوگنے ہو رہے ہیں۔ پہلا چندہ کافی نہیں رہا۔ اب مدرسہ کی ضروریات کی لحاظ سے انکو چندہ کی رقم بھی بڑھانی چاہیے۔ اور نیز یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ اگر کوئی صاحب ایسے ہوں جو ابھی تک مدرسہ کا چندہ نہ دیتے ہوں تو انکو بھی شامل کیا جاوے (۲) ماہوار چندوں کے علاوہ ایک یہ تجویز کیگئی تھی کہ دونوں عیدوں پر ہر ایک احمدی ایک روپیہ مدرسہ کی اعانت میں داخل کرے اس فنڈ کا نام عید فنڈ رکھا ہی۔ اگر جماعت متفق ہو کر صرف اسی فنڈ کا روپیہ جمع کرنیکی کوشش کرے تو آسانی سے سال تمام کا معمولی خرچ ایک ہی عید پر جمع ہو سکتا ہی۔ مگر افسوس کی بات ہے کہ اسکی طرف کوئی توجہ نہیں کیجاتی حالانکہ عید جیسے موقع پر ایک روپیہ کا دینا کچھ بھی دشوار امر نہیں۔ اب عید قریب ہے اور میں تمام احمدی انجمنوں اور احمدی احباب کیخدمت میں درد دل سے یہ اپیل کرتا ہوں کہ مدرسہ کی مالی حالت بہت نازک ہے۔ اگر ایک عید پر ہی پوری توجہ سے کام لیا جاوے تو پندرہ بیس ہزار روپے کا جمع ہونا کوئی مشکل امر نہیں اسکی طرف پوری توجہ کریں اور ہر ایک جگہ ہر ایک احمدی اس فنڈ میں شریک ہونا اپنا فرض سمجھے۔ ہاں ذی وسعت احباب ایک روپیہ کو اپنے لیے کافی نہ سمجھیں بلکہ پانچ پانچ دس دس روپے دیکر غریب احباب کی کمی کو پورا کرنیکی کوشش کریں میں امید کرتا ہوں کہ اس موقع پر ہر ایک احمدی جماعت عید فنڈ کا اسقدر روپیہ جمع کرنیکی کوشش کریگی جسقدر اسکے کل ممبروں کی تعداد ہی۔ (۳) تمام احمدی احباب اپنے بچوں کو اسی جگہ تعلیم دینا ضروری سمجھیں اس میں انکی اور انکی اولاد کی بہتری ہے۔ یہاں سے جسقدر نوجوان تعلیم کا کورس پورا کرکے نکلے ہیں خدا کے فضل سے علوم دینی سے خوب واقف اور نیکی اور چال چلن میں نمونے ہیں۔ (۴) بڑا درد پہنچتا ہے جسوقت یہ دیکھا جاتا ہے کہ ابھی تک ہماری قوم میں دین کیلیے اپنی زندگی وقف کرنیوالے بہت تھوڑے ہیں۔ وہ لوگ جنہوں نے ایسے کھلے کھلے نشانات صداقت کے دیکھے ہیں انہیں تو چاہیئے تھا کہ دیوانہ وار یہاں آگرتے۔ مگر بہت ہی افسوس ہے کہ بہت کم اس پہلو کیطرف توجہ کرتے ہیں۔ حالانکہ یہی ایک قوم اسوقت دنیا میں نمونہ قایم کرنیوالی تھی۔ کیا افسوس کا مقام نہیں کہ آپ لوگ دین کے لیے اسقدر کوشش اور قربانی بھی نہ کر سکیں جسقدر لوگ دنیا کے لیے کر رہے ہیں حالانکہ تم ایک روشن صداقت اور حق پر قایم ہو۔ مدرسہ کے لیے ہمیں چند ایسے قربانی کرنیوالوں کی ضرورت ہے یہ تو میں یقین رکھتا ہوں کہ ایسے بہت آئیں گے مگر افسوس انپر ہوگا جنکو اسوقت موقع ہو اور وہ سست ہو رہے ہیں (۵) پانچویں ضرورت مدرسہ کے متعلق عمارت کی ہے۔ اگرچہ روپیہ تو بہت درکار ہوگا مگر اس سال صرف تیس ہزار روپیہ عمارت پر خرچ کرنا صدر انجمن احمدیہ نے منظور کیا ہے۔ ایک دوست نے اس منظوری کیوقت یہ سوال کیا تھا کہ اسقدر روپیہ جمع بھی ہے؟ جسکا جواب یہی دیا گیا تھا کہ ہمارا روپیہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں جمع ہے اور ہم پوری امید رکھتے ہیں کہ جس خرچ کی ہمیں ضرورت ہوگی وہ ضرور پہنچائیگا۔ عمارت کے خرچ کو پورا کرنیکے لیے ذیل کی چند تجاویز پیش کیجاتی ہیں۔ ۱۔ ذی وسعت احباب اگر اسیقدر ضروری اس عمارت کی بنانیکو سمجھیں جیسا وہ اپنے لیے گھروں کی ضرورت سمجھتے ہیں اور اسپر سیکڑوں بلکہ ہزاروں روپے خرچ کرتے ہیں تو بہت سے دوست ایسے نکل سکتے ہیں جو ایک

ایک کمرہ مدرسہ کا جسپر پندرہ سو روپیہ خرچ ہوگا یا ایک ایک کمرہ بورڈنگ کا جسپر پچیس سو روپیہ خرچ ہوگا اپنے خرچ سے فی سبیل اللہ بنوا دیں۔ میں ایسے کئی دوستوں کے نام لکھ سکتا ہوں مگر دل چاہتا ہے کہ وہ خود ہی اس کار خیر میں ابتدا کریں۔ اگر دینی ضرورت کو اپنی ضرورت کی طرح ہی سمجھ لیا جاوے تو بہت سے ہمت والے جوانمرد پیدا ہو سکتے ہیں جو اسکام کو اپنے ذمہ لیں ہاں یہ ضروری نہ ہوگا کہ سارا روپیہ یکمشت ہی دیدیں بلکہ اثنائے سال میں تھوڑا تھوڑا کر کے دیتے رہیں تو بھی مکانات کے بنانے میں کوئی حرج نہ ہوگا۔ ب۔ اس سے کم وسعت والے احباب دو دو یا تین تین ملکر ایک ایک کمرہ بنوا دیں ایسے کمروں کے نام ان احباب کے نام پر رکھے جاویں گے ج۔ معقول چندے اس غرض کیلیے دیے جاویں ۔۔۔۔ د۔ وہ احباب جنکے پاس کوئی سرمایہ جمع ہو تجارتی طور پر اسی یہاں لگا کر مکان بنوا دیں اور انکا کرایہ ماہوار لیتے رہیں۔

سوم۔ اشاعت اسلام۔ اس مد کا کام بالفعل بذریعہ میگزین یعنی ریویو آف ریلیجنز کے ہو رہا ہے۔ اس سال میں اس مد میں خدا کے فضل سے بہت ترقی ہوئی ہے۔ اردو خریداروں کی تعداد میں دو سو کا اضافہ ہوا ہے۔ انگریزی میں ۲۵ کا مفت اشاعت میں دو سو کے قریب ماہوار پرچے پہلے سال کی نسبت زیادہ بھیجے جاتے رہے ہیں بیرونی اشاعت کل قریباً پانچسو ہے۔ دو کتابیں بھی مفت اشاعت کیلیے طبع کرائی گئی ہیں جو انگریزی میں ہیں۔ اب آیندہ کیلیے سب سے مقدم ضرورت وہ ہے جسے میں اپیل میں ظاہر کر چکا ہوں یعنی ہر پرچہ کو دس ہزار کی اشاعت تک پہنچانا۔ یہ حضرت اقدسؑ کا ارشاد ہے اور اسلیے امید ہے سب احباب کوشش کریں گے۔ اعانت کا سلسلہ بھی وسیع ہونا چاہیئے تاکہ اس سال اور بھی زاید پرچے بھیجے جا سکیں۔ مگر ایک نئی ضرورت انگریزی مطبع کی اسجگہ قایم کرنیکی ہے جس کی ضرورت اور خرچ کو پورا کرنیکی تجویز پچھلے مہینے ظاہر کر چکا ہوں۔ کثرت سے احمدی احباب نے اس تجویز کو پسند کیا ہے بلکہ بعض غیر احمدی احباب نے بھی خوشی سے مطبع کا چندہ دینا خود ہی منظور فرمایا ہے۔ یہ چندہ ایک روپیہ کی کمی کو پورا کر دیگا۔ اسکی طرف جلد توجہ بکار ہے تاکہ اگر ابتدائی سال میں رقم جمع شدہ کا اندازہ لگ جائے تو ولایت سے مشین اور ٹائپ منگوانیکی تجویز کیجاوے۔ چہارم۔ چوتھی مد سلسلہ کی مقبرہ بہشتی ہے جسکی لیے سال گذشتہ میں بہت کم توجہ ہوئی ہے اس میں بجائے وصیت کے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر جایداد کا حصہ وصیت کرنے میں قانونی مشکلات ہوں تو دسواں حصہ آمد کا دیدیا جاوے دیگر اعانتی چندے اسی دسویں حصہ سے وضع کیے جاوینگے۔ پنجم۔ ایک ضروری مد صدقات کی ہے۔ یہاں کچھ مساکین اور کچھ یتامیٰ ہیں جنکی پرورش پر قریب دو سو روپیہ ماہوار کے خرچ آتا ہے۔ زکوٰۃ کیطرف اگر جماعت پوری توجہ کرے تو بہت سی برکات کا باعث ہوگا دینے والونکے اپنے مالونکے لیے بھی اور سلسلہ کے لیے بھی۔ ششم۔ ایک بک ڈپو ہے جس میں علاوہ مروجہ تعلیم مدارس کی کتابوں کے اور بھی بہت سی کتابیں فروخت کے لیے ہیں۔ اور اب ایک ماہوار رسالہ تعلیم الاسلام نکالا جاتا ہے جس میں نہایت لطیف تفسیر قرآن کریم کی درج ہوتی ہے۔ اس غرض سے کہ یہ رسالہ ہر ایک احمدی کے ہاتھ میں ہو۔ اس کی قیمت صرف عہ رکھی گئی ہے۔ ہفتم۔ اگرچہ اخبارات کے مالی اور انتظامی امور صدر انجمن احمدیہ سے تعلق نہیں رکھتے مگر اصل بات یہ ہے کہ الحکم اور بدر اس سلسلہ کے لیے دو ایسے ضروری خبر رساں ہیں کہ سلسلہ کے حالات سے آگاہی کے لیے انکا ہر ایک احمدی کے ہاتھ میں ہونا ضروری ہے۔ وہ تازہ نشان اور تازہ الہامات اور دیگر تازہ اخبار جو ہر شخص سننے کے لیے یہاں نہیں رہ سکتا اسکو یہ دونوں اخبار بھائیوں تک پہنچاتے ہیں۔ قادیان میں رہکر میری اپنی تو یہ حالت ہے کہ جب یہ اخبار نکلکر آتے ہیں تو پہلے انکو پڑھکر (خصوصاً ضروری حصص کو) پھر دوسرا کام کرتا ہوں۔ الحکم تو اس سلسلہ میں تو دس سال کا پرانا اور قیمتی اخبار ہے مگر بدر نے جو ترقی میرے مکرم دوست صادق کے ہاتھ میں آکر کی ہے وہ حیرت انگیز ہے۔

نوٹ: ترسیل زر اور خط و کتابت کے متعلق ٹائٹل پیج پر ضروری ہدایات پڑھیں۔

از محکمہ صاحب ڈائرکٹر بہادر زراعت پنجاب

ہدایت دربارہ دور کرانے ناقص بیج کپاس کے پیشتر از تخم ریزی

۱۔ تخم کپاس کو ہر سال ایک خاص قسم کے چھوٹے چھوٹے کیڑوں سے بہت بہت نقصان پہنچتا ہے۔ یہ کیڑے کھلے ہوئے ٹینڈوں کے اندر جب وہ پودہ ہی پر لگے ہوتے ہیں۔ گھس جاتے ہیں۔ اور بنولوں (بڑیووں) کا تیل چوستے رہتے ہیں۔ اسطرح پر جن بنولوں (بڑیووں) کو نقصان پہنچ جاتا ہے۔ وہ بوئے جانے پر اول تو اُگتے ہی نہیں۔ اور جو اُگتے بھی ہیں تو پودے کمزور پیدا کرتے ہیں۔ اس قسم کے ناقص تخم کو چُن کر علیحدہ کر لینا آسان بات نہیں البتہ ایک اور آسان طریقہ ہے جس سے ناقص اور عمدہ تخم علیحدہ علیحدہ کیا جا سکتا ہے۔ ۲۔ ناقص تخم عمدہ تخم کی نسبت ہلکا ہوتا ہے۔ اور پانی پر تیرتا ہے جب کہ عمدہ تخم پانی میں ڈوب جاتا ہے۔ ۳۔ تمام زمینداروں کو چاہیئے کہ بونے سے پہلے اسی روز بنولوں (بڑیووں) کو گوبر، چکنی مٹی اور پانی میں خوب ملیں۔ پھر اس ملے ہوئے تخم کو پانی سے بھرے ہوئے برتن میں ڈالدیں۔ عمدہ تخم تہ میں بیٹھ جائیگا۔ اور ناقص تیرتا رہیگا ناقص تخم کے علیحدہ کرنیکے لیے یہ نہایت ہی سیدھا سادہ اور آسان طریقہ ہے۔ جس میں محنت کم ہے۔ اور فائدہ زیادہ۔

فہرست چندہ اعانت دہندگان۔ ماہ نومبر ۱۹۰۶ء

سید امیر علی و سید عبد الستار صاحبان۔ کٹک ۴عہ۔ سید مدثر شاہ صاحب۔ پشاور۔ صہ۔ میاں سلیمان صاحب۔ راجوہ۔ وروال حیدر آباد دکن ۸عہ مولوی محمد حسین صاحب نمبردار۔ پرجیت پورہ عہ۔ قایم علی صاحب۔ مدرس۔ چک نمبر ۱۲۷۔ بہلول پور ۸۔ محمد الٰہی صاحب ایس۔ ڈبلیو۔ انسپکٹر کوہاٹ ۴عہ۔ چودھری احمد الدین صاحب نقلنویس و محرر لوکل فنڈ کوہاٹ ۸۔ مولوی عزیز بخش صاحب ڈیرہ غازیخان عہ۔ بابو برکت علی صاحب شملہ ۱۵ر بابو عبد الرحمٰن صاحب شملہ۔ عہ۔ جماعت کریام معرفت مولوی غلام احمد صاحب عہ عالمگیر خانصاحب۔ جبلپور۔ عہ۔ بابو عبد الرحمٰن صاحب۔ انبالہ عہ۔ منشی طفیل احمد صاحب۔ چندوسی ۸۔ غلام رسول صاحب مدرس بجواڑہ۔ صہ۔ ایک احمدی طالب علم۔ قادیان عہ۔ زین الدین محمد ابراہیم صاحب۔ بمبئی ۱۲۔ ڈاکٹر محمد فیاض خاں صاحب۔ فلعہ دانو۔ ۸۔ منشی محمد حافظ صاحب۔ سرینگر۔ صہ۔ ڈاکٹر سید جلال صاحب۔ بربرہ۔ عہ۔ منشی حامد حسن خانصاحب میرٹھ عہ منشی عبد المجید صاحب مادہوپور ۸۔ بابو محمد عثمان صاحب الہ آباد ۸عہ۔ میاں عبد العزیز صاحب تیجہ کلاں عہ۔ مرزا محمد احسن بیگ صاحب کشن گنج۔ کامٹہ۔ صہ۔ شیخ عبد الرحمٰن صاحب۔ قادیانی۔ کشن گنج۔ کامٹہ صہ۔ ابو عبد اللہ غلام محمد صاحب بہلوال ۸۔ بابو برکت علی صاحب شملہ ۱۵ر بابو عبد الرحمٰن صاحب۔ شملہ ۱۵ر جماعت بنارس سے ر (باقی آیندہ)

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۲

ضروری ہدایتیں

خط وکتابت کے لئے یا روپیہ بھیجتے وقت ان چند ہدایتوں کو سب احباب مدنظر رکھیں۔ (۱) ہر قسم کا روپیہ جسکا تعلق صدر انجمن احمدیہ سے ہے۔ مثلاً مدرسہ یا میگزین یا مقبرہ یا زکوٰۃ یا مساکین فنڈ یا یتیم فنڈ یا رسالہ تعلیم الاسلام کا روپیہ صرف بنام محاسب صدر انجمن احمدیہ قادیان آنا چاہیئے اور کوپن میں یا الگ خط میں اس کی تفصیل ہونی چاہیئے کہ کس شخص کی طرف سے کس مد کا روپیہ ہے (۲) ہر ایک رقم کی باضابطہ رسید دفتر محاسب سے دیجاویگی اور جس شخص کو رسید دفتر کی نہ پہنچے اسی خط وکتابت کرکے دریافت کرنا چاہیئے۔ (۳) لنگرخانہ کا روپیہ حضرت اقدسؑ کے نام آنا چاہیئے۔ لیکن جہاں اور مدات کا چندہ ساتھ ہو۔ تو محاسب صدر انجمن احمدیہ کے نام بھیجیں اور تفصیل ساتھ دیں۔ وہ حضرت اقدسؑ کی خدمت میں پیش کردیں گے۔ (۴) میگزین کے متعلق کل خط وکتابت مینیجر یا نایب ناظم میگزین سے کریں اور کسی شخص کے نام پر خط وکتابت نہ کریں مگر مضامین کے متعلق ایڈیٹر میگزین سے خط وکتابت کریں۔ (۵) مدرسہ کے متعلق کل خط وکتابت ہیڈ ماسٹر یا نایب ناظم مدرسہ تعلیم الاسلام سے اور بورڈنگ ہوس کے متعلق سپرنٹنڈنٹ بورڈنگ ہوس سے کریں۔ (۶) مقبرہ بہشتی کے متعلق کل خط وکتابت نایب ناظم مقبرہ بہشتی سے کریں اور ایسا ہی وصیتیں وغیرہ بھی اسی کے نام بھیجیں۔ (۷) چونکہ وقتاً فوقتاً عہدہ داران میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں اسلیئے جو احباب قادیان میں خط وکتابت کرتے ہیں۔ انکی اپنی سہولت جواب کے جلدی ملنے میں اور کام کرنیوالوں کی سہولت اسی میں ہے کہ دستخط کنندہ کے نام پر کبھی خط وکتابت نہ کریں بلکہ صرف عہدہ پر کریں جیسا کہ اوپر ہدایت کیگئی ہے ایک دفتر کا خط دوسرے دفتر میں چلے جانیسے یا کسی خاص آدمی کے نام پر چلا جانیسے جواب میں عموماً بہت توقف ہوجاتا ہے اور خط کے ضایع ہوجانیکا اندیشہ بھی ہے۔

المعلن

محمد علی سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان

آنکھوں کے بیماروں کو مژدہ

میاں ڈاکٹر عبد اللہ صاحب ساکن راہوں۔ ضلع جالندھر۔ جنہوں نے لنڈن۔ اسٹریلیا افریقہ میں آنکھوں کے علاج سے بہت شہرت حاصل کی ہے۔ اور انکے پاس بہت کثرت سے سارٹیفکٹ بھی موجود ہیں انگریزی اور یونانی دو طرح سے آنکھیں بناتے ہیں۔ ہماری جماعت کے مخلص ہیں۔ مَیں امید کرتا ہوں کہ لوگوں کو ان سے نفع پہنچے گا۔ دستخط (نور دین)

اعلان:- [illegible] ... مکمل فہرست مفت۔

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ؛ لو تمہیں طورِ تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۶ — بابت ماہ فروری ۱۹۰۷ء — نمبر (۲)

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ فروری ۱۹۰۷ء کو منیجر میگزین کے اہتمام سے شایع ہوا۔ چندہ سالانہ ۵؎

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۲۲-جنوری ۱۹۰۷ء- انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا- ترجمہ "بیشک اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا ہے کہ اے اہل بیت تم میں سے ناپاکی کو دور کرے اور تمھیں پاک کرے اور مطہر بنائے"۔ اس وحی کے بعد مَیں کسی کو آواز مار کر اس طرح سے پکارتا ہوں فتح فتح گویا اُس کا نام فتح ہے ؛ ایک پُرانا الہام کوئی تیس سال کا جو پہلے بھی حضرتؑ نے کئی دفعہ سنایا ہے۔ اور آج پھر سنایا۔ غالباً کہیں پہلے چھپا نہیں گیا۔ اسواسطے آج لکھا جاتا ہے (۱) فارتدّ اعلیٰ اٰثرھما و ھب لہ الجنۃ اتنے میں طاقت بالا اسکو کھینچ کر لے گئی ؛ (۲) یہودا اسکریوطی- ۲۳-جنوری ۱۹۰۷ء- انی انا الرحمٰن اصرف عنک سوء الاقدار- ترجمہ "تحقیق میں رحمٰن ہوں- مَیں بُری قضا و قدر تجھ سے پھیر دونگا یعنی بعض بلائیں جو مقدر ہیں وہ ظہور میں نہیں آئیں گی"۔ یکم فروری ۱۹۰۷ء- (۱) روشن نشان (۲) ہماری فتح ہوئی- ۲-فروری ۱۹۰۷ء- (۱) انما یرید اللہ لکم الیسر- (۲) الحق بشیعۃ موسیٰ- ورضی اللہ بہ قولا- (۳) انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا- ترجمہ- خدا تعالیٰ نے تمھاری آسانی اور آرام کا ارادہ کیا ہے اس شخص یا ان اشخاص کو موسیٰ کے خاص گروہ (یعنی اس عاجز کے گروہ میں) داخل کر دیا گیا- اور اللہ تعالیٰ اس سے بموجب اس کے قول کے راضی ہوا- اے اہل بیت خدا نے یہ ارادہ کیا ہے- کہ تمھاری پلیدی دور کرے اور تمھیں پاک کرے جیسا کہ حق ہی پاک کرنیکا- ۹-فروری ۱۹۰۷ء- (۱) خدا نے تیرے پر رحم کیا- (۲) رحمک اللہ - ترجمہ- خدا نے تجھ پر رحم کیا- (۳) انک انت الاعلیٰ- ترجمہ- بے شک تو ہی بلند ہے- (۴) امید بھاری- (۵) ہر ایک مکان سے خیر دعا ہے- (۶) ان اللہ مع الابرار- ترجمہ- بے شک خدا نیکوں کے ساتھ ہے- (۷) انت من الابرار ترجمہ- تو نیکوں میں سے ہے) تمام دنیا میں سے ایک٭- (۸) مَیں نے خواب میں دیکھا کہ ایک گڑھا قبر کے اندازہ کی مانند ہے اور یہیں معلوم ہوا کہ اُسمیں ایک سانپ ہے اور پھر ایسا خیال آیا کہ وہ سانپ گڑھے میں سے نکلکر کسی طرف بھاگ گیا ہے- اس خیال کے بعد مبارک احمد نے اس گڑھے میں قدم رکھا- تو اُسکے قدم رکھنے وقت محسوس ہوا کہ وہ سانپ ابھی گڑھے میں ہے اور اس سانپ نے حرکت کی اور پھر ساتھ ہی اُس سانپ نے باہر کی طرف نکلنا شروع کیا- جبکہ باہر کی طرف بھاگنے لگا- تب ایسا دکھائی دیا کہ گویا وہ ایک اژدہا ہے اور اس کی دو ٹانگیں ہیں ایک ٹانگ تو کسیقدر پتلی ہے اور دوسری ٹانگ اسقدر موٹی ہے جیسی گینڈے کی ٹانگ یا ہاتھی کی ٹانگ-

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مقدمہ تفسیر مقطعات

مقطعات قرآنی کا کلام الٰہی ہونا بتواتر ایسا ہی ثابت ہے جیسا دیگر آیات قرآنی کا کلام الٰہی ہونا۔ پس مقطعات کے قرآن ہونے میں کیا کلام ہوسکتا ہے اور قرآن مجید میں تدبر کرنیکا جابجا حکم صادر ہے مگر تدبر کرنا اُسی کلام میں ہوسکتا ہے جسکا علم ممکن الحصول ہو۔ ورنہ تکلیف مالایطاق لازم آوے گی۔ اب آیات ذیل پر غور کرو۔ (۱) افلا یتدبرون القران ام علی قلوب اقفالها۔ اس آیت میں سخت وعید وارد ہوئی ہے اُن لوگوں کے لیے جو قرآن مجید میں تدبر نہ کریں اور تدبر نہ کرنے سے دلوں پر تالے لگ جاتے ہیں یعنی انوار غیبی نازل نہیں ہوتے۔ پس تدبر کرنا مقطعات قرآنی میں بھی ضروری ہے۔ مگر بقیہ آیات مندرجہ قرآن مجید جو آگے آتے ہیں انشاء اللہ تعالیٰ۔ (۲) بلسان عربی مبین۔ انہ لقول فصل وما هو بالهزل۔ قال علی هو الفصل لیس بالهزل۔ ان آیات سے ثابت ہے کہ مقطعات قرآنی جو کلام الٰہی ہیں وہ بھی عربی مبین ہیں جن سے حقایق اور معارف قرآنی ظاہر ہوسکتے ہیں اور ہزل اور مہمل کلام نہیں ہیں کیونکہ شان حکیم سے ایسا ہونا بہت مستبعد ہے (۳) لعلمه الذین یستنبطونه منهم۔ اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ جس شخص کو شرایط استنباط کے حاصل ہوں اسکو ان مقطعات کا علم بقدر اسکی استعداد کے حاصل ہوسکتا ہے فسالت اودیة بقدرها (۴) هدًی للمتقین هدًی للناس۔ ایسی آیات سے ظاہر ہے کہ کل قرآن هدًی للناس ہے اور کوئی کلام ہو ہدایت جب ہی ہوسکتا ہے کہ اسکے معانی معلوم ہوسکیں اور جس کلام کے معنے معلوم نہ ہوسکیں وہ کیونکر ہدایت ہوسکتا ہے اور چونکہ کل قرآن ہدایت ہے اس لیے مقطعات کا ہدایت ہونا بھی ضروری ہوا۔ (۵) ولیذکر اولوا الالباب ظاہر ہے کہ تذکر یعنی نصیحت کا حاصل کرنا یا نصیحت پر عمل کرنا یا دوسروں کو نصیحت کرنا جب ہی ممکن ہے کہ وہ کلام نصیحت کا سمجھ میں آسکتا ہو ورنہ کیونکر تذکر اسکا ہوسکتا ہے اور شان حکیم سے بہت بعید ہے کہ ایسے کلام کے ساتھ نصیحت کرے جو کسی کی سمجھ ہی

ہیں نہ آوے (۶) قد جاءکم برھان من ربکم۔ وانزلنا الیکم نورًا مبینا۔ چونکہ مقطعات قرآنی کا کلام الٰہی ہونا ثابت ہے، لہٰذا اُسکا بُرہان اور نور مبین ہونا بھی ثابت اور کوئی کلام ہو برہان جب ہی ہو سکتا ہے کہ معلوم المعنی ہو سکے ورنہ برہان کیونکر ہو سکتا ہے۔

حدیث۔ (۱) ترکت فیکم ما ان تمسکتم به لن تضلوا کتاب اللّٰہ و سنّتی اس حدیث سے ثابت ہے کہ تمسک کرنا قرآن مجید اور سنّت نبوی کے ساتھ ضلالت اور گمراہی سے محفوظ رکھتا ہے ہاں کلام ذو الوجوہ کے ساتھ تمسک کرنیکی جو شرایط قرآن مجید نے خود بیان فرمائی ہیں اسکا پابند ہونا ضروری ہے جو انشاءاللہ تعالیٰ اس رسالہ میں مذکور ہوں گے۔

عقل۔ (۱) لو ورد شیٔ لا سبیل الی العلم به لکانت المخاطبة به تجری مجری مخاطبة العربی باللغة الزنجیة (تفسیر کبیر) اگر کوئی کلام ایسا وارد ہو جس کے علم کی طرف کوئی راہ ہی نہ پیدا ہو تو ایسے کلام کے ساتھ خطاب کرنا ایسا ہے کہ مثلاً عرب کے ساتھ زبان زنگی میں خطاب کیا جاوے۔

(۲) المقصود من الکلام الافهام فلو لم یکن مفهومًا لکانت المخاطبة به عبثا و سفها و انه لا یلیق بالحکیم (تفسیر کبیر) مقصود کلام سے مخاطب کا سمجھا دینا ہوتا ہے پس اگر وہ کلام مفہوم نہ ہو سکے تو پھر ایسے کلام کے ساتھ خطاب عبث ہے، بلکہ بیوقوفی ہے جو شان حکیم کے لایق نہیں اس تفسیر کے لکھنے کے لیے ان دلایل عقلیہ و نقلیہ نے خاکسار کو تحریک کی۔ اور بعد اس کے حضرت مسیح موعود اور مہدی معہود علیہ السلام سے واسطے لکھنے اس تفسیر کے دعا کی درخواست کی اور مکرر درخواست کی۔ اور پھر اس دعا کے لیے آنحضرتؑ سے تحریری وعدہ بھی لے لیا اور مکرر وعدہ لے لیا تب اسکا لکھنا شروع کیا اگر ناظرین اس میں کوئی نکتہ عمدہ پا دیں تو آنحضرت علیہ السلام کا فیضان ہے نہ میری طرف سے واللہ علیم بذات الصدور۔ ہاں اللہ تعالیٰ کی ذات رحمٰن و رحیم سے امید ہے کہ یہ فعل میرا خالی از اجر بھی نہ ہوگا کلام نبوۃ میں بھی وارد ہوا ہے۔ عن ابن مسعود رضؓ قال قال رسول اللّٰہ صلعم من قرأ حرفا من کتاب اللّٰہ فله حسنة والحسنة بعشر امثالها لا اقول الم حرف الف حرف ولام حرف ومیم حرف رواہ الترمذی والدارمی (مشکوٰۃ شریف) شارحین حدیث اس حدیث کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں کہ مراد الف سے مسمی اسم الف کا ہے یعنی مثلاً اَ لَ مَ جیسا کہ الم ترکیف فعل ربلک میں ہے۔ پس چونکہ اسم الف میں تین حرف ہیں اور الم سورہ بقرہ میں ان حروف کے اسما ہی کا تلفظ ہوتا ہے۔ اس لیے صرف ایک اسم الف میں تین نیکیوں کا ثواب حاصل ہوا جو وہ بھی دس گنا ہوا علیٰ ہذا القیاس لام میں بھی اور میم میں بھی تین تین حرف ہیں تو تیس تیس نیکیوں کا ثواب الم سورہ بقرہ

وغیرہ میں حاصل ہوا کیونکہ مقطعات کا تلفظ انکے اسماسے ہی کیا جاتا ہے نہ انکے مسمی سے تو اس حساب سے الم بقر میں نوّے نیکیوں کا ثواب حاصل ہوا ہاں الم ترکیف کے الم میں صرف تیس نیکیوں کا ثواب حاصل ہوتا ہے کیونکہ اسمیں اسما کا تلفظ نہیں ہوتا جس میں تین تین حرف ہیں بلکہ مسمی اَ لَ مَ کا تلفظ ہوتا ہے جو ایک ایک ہی حرف ہے انتہیٰ مضمون الحاشیہ۔ اور یہ بھی واضح ہو کہ مقطعات قرآنی بالضرور ذو الوجوہ ہیں اُنسے مراد بطور قطعیت کے ایک وجہ پر محصور نہیں ہو سکتی ہاں البتہ جو مراد اُنسے بیان کیجاوے اس میں کوئی فضیلت ایسی موجود ہو اور ما بہ الامتیاز ایسا پایا جاوے کہ دوسرے متکلمین کے کلاموں مقطعات میں وہ فضیلت نہ پائی جاسکے کہ کلام الملوک ملک الکلام اور نیز محکمات قرآنی کے مطابق ہو اور اُن محکمات کے لیے مؤید ہو ورنہ وہ مراد غیر مقبول ہوگی اور اس امر کا قاعدہ انشاء اللہ تعالےٰ قرآن مجید سے ہی بیان ہوگا

وبہ نستعین وعلیہ التکلان

"التبیان فی تفسیر مقطعات القرآن"

"یعنی حروف مقطعات سُوَر قرآنیہ کا بیان"

"حقیت کتاب اللہ الٰہی و نبوّت محمدیّہ"

نمبر ۳

قال اللہ تعالےٰ وما کنت تتلو من قبلہ من کتاب ولا تخطہ بیمینک اذًا لارتاب المبطلون بل ھو اٰیات بینات فی صدور الذین اوتوا العلم وما یجحد باٰیاتنا الا الظالمون پ ۲۱

استدلال مندرجہ آیت ہذا کا خلاصہ جس میں ترجمہ بھی آجاوے گا یہ ہے کہ اے پیغمبر قرآن مجید کا اعجاز صرف اسلیے ہی نہیں ہے کہ تم نے تو کتب اولین کا احاطہ کرلیا ہو اور تمہارے مکذبین [illegible]ن کتب کا علم حاصل نہ ہو کیونکہ تم نے قرآن مجید سے پہلے ایک کتاب بھی نہیں پڑھی ہے چہ جائیکہ سب کتابیں پہلے انبیا کی پڑھ لی ہوں اور تم تو اپنے داہنیں ہاتھ سے بھی نہیں لکھ سکتے جو بہ نسبت بائیں ہاتھ کے داہیں سے باسانی بھی لکھا جاسکتا ہے اور اگر تم نے کتابیں بھی پڑھ لی ہوتیں یا خط و کتابت بھی کر سکتے تب بھی درصورت موجود ہونے دیگر وجوہ اعجاز قرآنی کے شک کرنیکا محل نہیں تھا ہاں اُسوقت کسی قدر بیہودوں کے شبہات کا محل ہو سکتا تھا لیکن تاہم علاوہ اس بیہ یہ کہ اس قرآن مجید کا اعجاز صرف اس وجہ سے بھی نہیں ہے کہ باوجود تمہارے اُمّی ہونیکے وہ تمام کتب سابقہ کا مجموعہ ہے بلکہ وہ تو آیات بیّنات یعنی کھلی ہوئی ادلہ

روشن حجتیں ہیں اُن لوگوں کے سینوں میں جن کو علم دیا گیا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ باوجود جامع ہونے قرآن مجید کے تمام انبیائے اوّلین کی صداقتوں کو الفاظ مختصرہ میں معارف اور حقایق بے نہایت بھی اُسمیں پائے جاتے ہیں اور مکذبین جن کو علم پہلی کتابوں کا بھی ہے تو بھی اُسکی مثل بناکر نہیں لاسکتے اسلیے مکذّبین کا انکار ہماری ان آیات سے صرف بوجہ ظلم کے ہے یعنی بجائے عجز کے گویا ادعائے قدرت کا کرتے ہیں پس اس سے بڑھ کر اور کونسا ظلم ہوگا ظلم کی یہی تعریف ہے کہ وضع الشیٔ فی غیر محلہ کسی شے کا غیر محل میں رکھدینا۔

واضح ہو کہ بوقت نزول اس آیت کے کسی مخالف مکذب سے یہ منقول نہیں ہوا کہ اُس نے آنحضرت صلعم کے اُمّی ہونے سے انکار کیا ہو۔ اور ظاہر ہے کہ ہر ایک آیت قرآن مجید کی اسوقت تک بتواتر منقول ہوتی چلی آتی ہے پس آنحضرت صلعم کے اُمّی ہونے میں کسی طرح کا شک وشبہ نہیں ہوسکتا لہٰذا آپ کا اُمّی ہونا قطعیات سے ہوگیا۔ پس اگر ہم کلمات قرآنیہ میں ایسے معارف اور حقایق پادیں جو نہ کسی پہلی کتاب آسمانی میں مل سکتے ہوں اور نہ کسی فصیح و بلیغ کے کلام میں اسکا وجود پایا جاوے تو بطور قطع واجب کے ثابت ہوگا کہ یہ کلام طاقت بشری سے باہر ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہے خصوصاً جبکہ پیشین گوئیاں انذار اور بشارات کی بھی پوری ہوتی ہوئی دیکھ لیویں۔

اب ہم یہاں پر بطور مثال کے مقطعات قرآنی کو اس لیے پیش کرتے ہیں کہ اگرچہ حروف مقطعات کو ہر ایک اُمّی بھی اپنے کلام میں استعمال کرسکتا ہے مگر جس شان سے اور جس مناسب موقع اور محل پر قرآن کریم نے انکا استعمال فرمایا ہے اس شان عظیم اور صفت خاصہ کے ساتھ کوئی فصیح اور بلیغ نہ پہلے استعمال کرسکا اور نہ اب استعمال کرسکتا ہے اور اسپر علاوہ پیشین گوئیوں کا پورا ہونا ہی جنکی طرف مقطعات مشیر ہیں کما سیاتی چونکہ حروف مقطعات معانی متشابہات سے ہیں یعنی ذوالوجوہ ہیں اور چند مرادیں اُنسے ہوسکتی ہیں لہٰذا حروف مقطعات سے مراد لینے میں ایک قاعدہ اور اصل کو مضبوطی سے پکڑلینا ضروری ہے تاکہ ضلالت اور بدعت سے تحفظ حاصل ہو۔ اب اس اصل کو ہم ذیل میں لکھتے ہیں اور وہ اصل یہ ہے کہ جو کچھ مراد اُنسے لیجاوے وہ مراد محکمات مندرجہ سورۃ اور دیگر نصوص قرآنیہ کے مخالف نہو بلکہ مؤید ہو اور مضمون سورہ کیطرف ایما ہے اُس مراد میں اشارہ بھی ہو اور جو سورۃ کے مضمون میں کوئی پیشین گوئی ہو اور بالضرور ہوگی مقطعات اُسکی طرف ناظر بھی ہوں تاکہ اُسکا نشان نبوت ہونا بھی ثابت ہوجاوے کیونکہ حروف مقطعات فواتح اکثر سورتوں کی آیت شمار کیے گئے ہیں یہ قاعدہ اس آیت سے نکالا گیا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ

هو الذي انزل عليك الكتاب منه آيات محكمات هن ام الكتاب واخر متشابهات فاما الذين في قلوبهم زيغ فيتبعون ما تشابه منه ابتغاء الفتنة وابتغاء تاويله وما يعلم تاويله الا الله والراسخون في العلم يقولون امنا به كل من عند ربنا وما يذكر الا اولوا الالباب ٥ (ترجمہ تفسیری) اللہ تعالیٰ کی وہ ذات پاک ہے جس نے حسب مقتضائے صفت

عزیز و حکیم کی کتاب مختصر اور جامع تم پر نازل کی اور چونکہ باوجود اختصار کے معارف اور حقایق بے نہایت کا الفاظ مختصرہ میں موجود ہونا کیونکر متصور ہوسکتا ہے اسلیے اس میں آیات محکمات بھی ہیں جو سوائے ایک معنے اور ایک وجہ کے دوسرا احتمال اسمیں پیدا نہیں ہوسکتا اور وہی اصل کتاب ہیں جنکی طرف بوقت اشکال اور اشتباہ کے رجوع کرنا ضروریات سے ہے اور بعض دوسری آیات متشابہات ہیں جو بہت سے معانی کا احتمال رکھتی ہیں مگر واسطے تحفظ کے معانی بدعیہ اور شرکیہ سے انکا محکمات کی طرف لوٹانا ضروری ہے کیونکہ وہ محکمات اُمّ الکتاب ہیں اور ذوالوجہیں نہیں پس جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے یعنی میلان کفر و بدعت کی طرف ہے تو وہ اتباع کرتے ہیں ایسی وجہ یا مراد کا اس کتاب میں سے جو متشابہ ہے حق و باطل کے ساتھ واسطے خواہش فساد ڈالنے تناقض کے یا فتنہ کفر و بدعت میں ڈالنے کیلیے اور نیز واسطے طلب کرنے اس کی تاویل کے موافق اپنی رائے فاسد کے جو موافق محکمات کے نہو حالانکہ نہیں جانتا بطور قطع و حصر کے تاویل اُسکی کوئی مگر اللہ تعالیٰ اور راسخون فی العلم وہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اس متشابہ پر کیونکہ کل محکم اور متشابہ ہمارے اسی پروردگار کی طرف سے ہے جو عزیز و حکیم ہے اور نہیں سمجھتے ہیں متشابہات کی وجوہ صحیحہ کو۔ مگر وہ لوگ جو مغز علوم سے خبردار ہوں اصل نمبر الف تو اس آیت سے بخوبی ثابت ہوتی ہے اور اصل نمبر ج اس لیے ضروری ہے کہ باتفاق قرا کے اکثر مقطعات فواتح سور کی ایک آیت شمار کیے گئے ہیں اور آیت سے مراد کلام الٰہی میں متبادر یہی ہے کہ وہ ایک نشان نبوت کا بھی ہووے ورنہ پھر اسکا آیت کہنا چہ معنی دارد کیونکہ ہر ایک اُمّی ایسے مقطعات کو استعمال کرسکتا ہے۔ پھر ما بہ الامتیاز کلام الٰہی اور کلام انسانی میں کیا ہوگا۔ لہٰذا مقطعات کا استعمال کلام الٰہی میں ایسا ہونا ضروری ہوا کہ اس صفت خاصہ کے ساتھ کوئی فصیح و بلیغ استعمال نہ کرسکے تاکہ نشان نبوت ہونا اسکا واضح ہوجاوے۔ اور ہم نے مقطعات قرآنی کی کلام الٰہی ہونیکو اسی لیے پیش نظر رکھا ہے کہ مخالفین اسلام نے مقطعات قرآنی کو مورد اعتراضات بنا رکھا ہے حالانکہ انمیں ایسے ایسے معارف پائے جاتے ہیں کہ انسانی کلام میں ابتک موجود نہیں ہوسکے اور نہ ہوسکیں گے۔ اب ہم اس اصل مذکور کے نمبر ب کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ واضح ہو کہ عرب عربا اور نیز دیگر فصحا و بلغائے عجم کا بھی یہ دستور قدیم سے آجتک چلا آیا ہے کہ جب کسی کتاب یا قصیدہ وغیرہ کو شروع کرتے ہیں تو اسکے آغاز اور ابتدا میں تحسین کلام کا بہت اہتمام کیا کرتے ہیں تاکہ سامع ابتدا ہی میں ہمہ تن گوش ہو کر تمام نظم یا نثر کو برغبت تامہ سنے اور اس صنعت یا عمل کو باصطلاح علم بلاغت حسن ابتدا کہتے ہیں اور حسن ابتدا کے بہت سے افراد ہیں سب سے بہتر اور عمدہ ترین افراد حسن ابتدا میں سے علم بلاغت میں صنعت براعت الاستہلال کی ہے دیکھو مطول مختصر معانی اور نیز دیگر کتب علم بلاغت مختلف زبانوں کو۔ براعت کے معنے ہیں کسی ہنر یا

فضیلت میں فایق اور کامل ہونا اور استہلال کے معنے ہیں وقت ولادت کے بچہ کا آواز کرنا۔ اور علم بلاغت میں صنعت براعت الاستہلال اسکو کہتے ہیں کہ ابتدائی خطبہ یا کتاب یا مطلع قصیدہ میں ایسے الفاظ کا لانا جو مشعر ہوں مقاصد اور مطالب مندرجہ اُس کتاب وغیرہ کی طرف اور وہی مقاصد متکلم کے نزدیک اہم المقاصد ہوں اور وجہ تسمیہ اس صنعت کے ساتھ براعت الاستہلال کی یہی ہے کہ جسطرح بوقت پیدا ہونے بچہ کے اسکی آواز کرنیسے لڑکا یا لڑکی ہونا بچہ کا پہچانا جاتا ہے اسی طرح اُن الفاظ متناسبہ سے جو شروع کتاب یا قصیدہ وغیرہ میں متکلم بلیغ و فصیح لاتا ہے اُنسے بھی سامع کو معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کتاب یا قصیدہ وغیرہ میں فلاں مضمون یا فلاں احوال متکلم کا مقصود بالذات ہے اگرچہ اصلی مقصود کی تائید کے لیے دیگر مضامین بھی بالتبع متکلم لایا ہو اور چونکہ براعت کے معنے بھی اس صنعت میں پائے جاتے ہیں۔ لہٰذا اس صنعت کا نام براعت الاستہلال رکھا گیا ہے کیونکہ فصحا اور بلغا کے نزدیک کلام بلیغ کے کمالات میں سے یہ صنعت بھی ایک بڑا کمال ہے جس سے اُس کلام کو دیگر کلاموں سے فوقیت اور براعت حاصل ہو جاتی ہے مثال اسکی کلام عرب سے مثلاً یہ شعر ہے ؎
بشریٰ فقد انجز الاقبال ما وعدا ٭ وکوکب المجد من افق العلے صعدا ۔ ترجمہ۔ یعنی خوشخبری ہو کہ بے شک جو وعدہ اقبال نے کیا تھا اُسنے اُسکو پورا کر دیا۔ اور ستارہ بزرگی کا اوپر کنارہ آسمان پر چڑھ گیا۔ اس شعر سے جو مطلع قصیدہ ابو محمد خازنی کا ہے سامع ذکی کو معلوم ہو جاوے گا کہ یہ قصیدہ کسی فرزند ارجمند کی ولادت کی مبارکباد میں لکھا گیا ہے کیونکہ ستارہ بزرگی اور اقبال کا کنارہ بلند آسمان میں صعود یا طلوع کرنا بوقت ولادت فرزند ارجمند کے واسطے طیاری زائچہ کے عرب میں ایک دستور مشہور تھا علے ہذا القیاس یہ شعر ؎ ھی الدنیا تقول بملأ فیھا ٭ حذار حذار من بطشی وفتکی ۔ یعنی یہ دنیا اپنے پورے منہ بھرے ہوئے آواز سے کہہ رہی ہے کہ ڈرو اور پرہیز کرو میری پکڑ اور قتل کر ڈالنے سے یہ شعر قصیدہ ابوالفتح ساوی کا مطلع ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قصیدہ کا مضمون کسی کی تعزیت میں لکھا گیا ہے اور واقعی یہ قصیدہ فخرالدولہ کے مرثیہ میں لکھا گیا ہے۔ زبان اردو نک میں بھی اس صنعت کا استعمال کیا گیا ہے چنانچہ اردو میں قصیدہ سودا کا مثلاً یہ مطلع ہے ؎ اُٹھ گیا بہمن و دے کا چمنستاں سے عمل۔ تیغ اردی نے کیا ملک خزاں مستاصل سامع ذکی۔ اس مطلع کے سننے سے معلوم کر لیویگا کہ اس قصیدہ میں موسم بہار کا ذکر ہوگا کیونکہ جن مہینوں میں خزاں واقع ہوتی ہے اُسکا نام فارسی میں بہمن و دے ہے جو تقریباً ماگھ اور پھاگن کے مطابق ہوتے ہیں اور اردی بہشت فارسی میں ماہ بہار کا نام ہے جو تخمیناً کسی قدر جیٹھ اور کچھ اساڑھ میں واقع ہوتا ہے۔ اور اردی بہشت کے معنے مانند بہشت کے ہیں اور ذوق کے قصیدہ میں مثلاً یہ شعر ہے ؎ واہ وا کیا معتدل ہے باغ عالم میں ہوا۔ مثل نبض صاحب صحت ہے ہر موج صبا۔

اس مطلع سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کی صحت یابی کی مبارکباد میں یہ قصیدہ لکھا گیا ہے کیونکہ اعتدال نبض کا دلیل صحت کی ہوتا ہے۔ ہم نے یہ طول کلام اس لیے کیا ہے کہ ناظرین پر یہ بات واضح ہو جاوے کہ صنعت براعت الاستہلال کو ہر ایک زبان میں فصحا اور بلغا استعمال کیا کرتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے بھی حسب مقتضا اپنی صفت رحمانیت اور رحیمیت کے سورتوں قرآن مجید کو بعد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے اس صنعت براعت الاستہلال کے ساتھ شروع کیا ہے تاکہ جو اصول فصاحت اور بلاغت کے اذہان بشریہ میں مرکوز ہیں آغاز کلام الٰہی کا اُنہیں کے موافق ہو تاکہ انسانوں کے لیے اوقع فی النفس ہونیکا فایدہ دیوے اور اس صنعت براعت الاستہلال کو دو طریق سے استعمال فرمایا ہے۔ اوّل تو حروف مقطعات سے جس کو بجز اُن ربانی علماء کے جو علوم دینیات میں عالی درجہ کی پائگاہ رکھتے ہیں مرادات صحیحہ الٰہیہ کو دوسرے اہل علم ظاہری کے نہیں سمجھ سکتے۔ اور دوسرا طریق عام و خاص اہل علم کے لیے اختیار کیا جو اہل علم نفس ظاہری کے بھی تدبر کرنے سے بشرط تطہر معلوم کر سکیں۔ اور یہ دوسرا طریق اُن سورتوں میں پایا جاتا ہے جن میں حروف مقطعات نہیں ہیں اُنکی اوائل آیات میں بھی یہ صنعت پائی جاتی ہے مثلاً سورۃ نساکی اوّل ہی آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ یا ایّھا النّاس اتّقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا وبث منھما رجالاً کثیرا ونساءً واتقوا اللہ الذی تساءلون بہ والارحام ان اللہ کان علیکم رقیبًا۔ ترجمہ اے لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمکو ایک نفس واحد سے پیدا کیا اور پھر اُس سے اُس کے جوڑے کو پیدا کیا اور اُن دونوں سے بہت سے مرد اور عورات کو پھیلا دیا ہے۔ اور ڈرو تم اُس اللہ سے جسکے واسطے سے تم باہم سوال کرتے ہو اور قرابتوں کا پاس و لحاظ رکھو بے شک اللہ تعالیٰ تمپر مطلع اور خبردار ہے یعنی وہ ہر ایک تمہارے فعل کی جزا و سزا دیگا ان خیرا فخیر وان شرا فشر۔ یہ پیشین گوئی انذار اور بشارت کی ہوئی جو وقوع میں بھی آئی ہے اس سورہ کا نام سورۃ النساء ہے اول تو اس نام سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ ابواب النکاح کے قوانین بالضرور اس میں موجود ہوں گے سو بالضرور قوانین نکاح کے اس میں موجود ہیں۔ آیت مذکورہ میں وبث منھما رجالاً کثیرا ونساء فرمایا گیا ہے اس لیے ہر ایک عاقل سمجھ لیویگا کہ بسبب کثرت رجال و نساء کے قوانین تمدنی بھی اس سورۃ میں بیان کیے گئے ہونگے اور جو کچھ بے اعتدالیاں ابواب نکاح میں بایام جاہلیت واقع تھیں اُنکی اصلاح بھی کی ہوگی۔ اور محرمات عورتوں کا ذکر بھی اس سورہ میں ضرور ہوگا سو وہ تمام سب احکام اس سورۃ میں موجود اور مذکور ہیں۔ اور کثرت رجال و نسا کی مقتضی اس امر کی تھی کہ قوانین تمدنی بھی اس سورۃ میں موجود ہوں سو یہ جملہ احکام تمدنی خواہ مالی ہوں یا جانی فوجداری ہوں یا دیوانی

ان سب کی اصلاح بھی اس سورۃ میں کی گئی ہے اور چونکہ حالت تمدنی میں بتقاضائے بشریت اتلاف حقوق بھی واقع ہوجاتا ہے اُس اتلاف کے دور کرنے کے لیے بھی آئین ہونے ضروری ہیں سو وہ بھی اس سورۃ میں موجود ہیں اور ان قوانین کے اجرا کے لیے حکام اور افیسروں کا ہونا بھی ضروری تھا لہذا رعایا اور حکام کے درمیان جو حقوق باہم ہونے چاہیئے تھے اُنکی تفصیل بھی اس سورۃ میں موجود ہے۔ اور چونکہ کثرت رجال و نسا کی حالت میں موت و فوت کا واقع ہونا بھی ضروری ہے اس لیے قانون وراثت کا بیان بھی ضروری تھا جو باحسن طریق چند آیات اس سورۃ میں بیان ہوا ہے پھر یتامیٰ اور بیوگاں کی تربیت کے لیے بھی ہدایات کافی موجود ہیں۔ کثرت رجال و نسا کی حالت میں جو ایک نفس واحدہ سے پیدا کیے گئے ہوں اُنھیں باہم قرابت اور رشتہ داری کے سبب جن جن امور کا باہم برتنا چاہیئے اُنکا ذکر بھی اس سورۃ میں موجود ہے اس لیے الارحام اوّل ہی سورۃ میں فرمایا گیا ہے وغیرہ وغیرہ علیٰ ہٰذا القیاس وہ احکام و قوانین جو آیت بث منهما رجالا كثيرا و نساء پر متفرع ہوتے ہیں اُن سب کا ذکر اس سورۃ میں موجود ہے۔ پھر ان جملہ حقوق العباد کے علاوہ خالق اور مخلوق کے درمیان جو تعلق ربوبیت اور عبودیت کا ہے جسکی طرف اتقوا ربکم اور اتقوا الله اشارہ کر رہا ہے اس لیے حقوق اللہ کا بیان بھی اس سورۃ میں مفصلاً مذکور ہوا ہے اور چونکہ کثرت رجال و نسا کی حالت میں بسبب موجود ہونے قوائے غضبیہ و شہویہ کے باہم عداوتیں بھی ہوجاتی ہیں اور پھر باہم حملجات اعدا کے واقع ہوتے ہیں اُن حملجات کے دفعیہ کے واسطے نہایت مناسب ارشاد موجود ہیں غرضکہ کہاں تک بیان کیا جاوے قاری خود جبکہ اس سورۃ کو تدبّر کے ساتھ پڑھیگا تو اُسکو ثابت ہوگا کہ اس آیت میں جملہ مضامین سورۃ کی طرف اشارہ ہے اور سورۃ کے اوّل ہی میں آیت کے الفاظ ایسے لائے گئے ہیں جنہیں صنعت براعت الاستہلال کی حاصل ہوتی ہے اور ان الله كان عليكم رقيبا میں مخالفین و مکذبین کے لیے ایک بڑا انذار فرمایا گیا ہے جو اشارہ کر رہا ہے اُن پیشین گوئیوں کی طرف جو سورۃ ہٰذا میں مندرج ہیں مثلاً فرمایا اللہ تعالیٰ نے يا ايها الذين اوتوا الكتاب آمنوا بما نزلنا مصدقا لما معكم من قبل ان نطمس وجوها فنردها على ادبارها او نلعنهم كما لعنا اصحاب السبت وكان امر الله مفعولا۔ ترجمہ اے اہل کتاب تم ایمان لاؤ اُس چیز پر جو نازل کی ہے ہم نے درانحالیکہ تصدیق کرنیوالی ہے اُس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے پہلے اس سے کہ ہم بگاڑ دیویں مونہوں کو پس لوٹا دیویں ہم اُن مونہوں کو اُنکی پیٹھوں پر یا پھٹکار دیویں ہم اُنکو جسطرح کہ پھٹکار دیا تھا ہفتہ والوں کو اور اللہ تعالےٰ کا حکم تو ہو کر ہی رہیگا۔ چنانچہ یہ وعید جو یہود اہل کتاب کے لیے تھا آنحضرت صلعم کی حیات میں ہی واقع ہو چکا

دیکھو سورہ حشر کو یا مثلاً یہ پیشین گوئی کہ عسی اللہ ان یکف باس الذین کفروا واللہ اشد باسا واشد تنکیلا ۔ ترجمہ۔ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کے زور کو روک دیوے اور اللہ تعالیٰ کا زور سب سے زیادہ قوی اور سزا اُسکی سخت تر ہے ۔ یہ پیشین گوئی بھی آنحضرت صلعم کی حیات میں ہی واقع ہو چکی جسکا ذکر متعدد جگہ پر قرآن مجید میں موجود ہے یا مثلاً یہ پیشین گوئی جو اسی سورۃ میں بیان فرمائی گئی ہے ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا ۔ وغیرہ وغیرہ یعنی اللہ تعالیٰ کافروں کے لیئے کوئی راہ غلبہ کا او پر مومنین کے ہرگز ہرگز نہیں کھولیگا چنانچہ بہ تواتر ثابت ہے کہ یہ جملہ پیشین گوئیاں مخبر صادق کی حیات میں اور بعد وفات بھی واقع ہو چکیں حتی کہ زمانہ آخر مسیح موعود میں تو بڑے زور وشور سے واقع ہو رہی ہیں اور آیت ان اللہ کان علیکم رقیبا ان جملہ پیشین گوئیوں کے وقوع کی طرف ناظر ہے لہٰذا یہ آیت ایک نشان نبوت کا بھی ہوگئی اور یہی معنے ہیں آیت کے اور نیز الفاظ نظم آیت کے عجیب وغریب پر از معانی لطیفہ ارشاد ہوئے ہیں جو اندک تدبر سے انکی لطافت ثابت ہوتی ہے مثلاً یاایھاالناس میں لفظ ناس لایا گیا اور آگے لفظ نسا بھی موجود ہے اور یہ دونوں لفظ نسیان سے مشتق ہیں دیکھو صحاح وغیرہ کتب لغات کو اس لیے لفظ اتقوا بھی بمقابلہ نسیان مکرر کے مکرر لایا گیا پہلا اتقوا ربکم کے ساتھ ہے اور دوسرا اتقوا اسم اللہ کے پہلے ہے کیونکہ اتقا دو ہی طرح سے ہو سکتا ہے یا تو ترغیب کے ساتھ ہوگا جو ربکم میں پائی جاتی ہے اور یا اتقوا ترہیب کے ساتھ ہوگا جو اتقوا اللہ میں ہے پس دونوں اتقوا کو ملا کر حاصل مطلب یہ ہوا کہ ہرگاہ تمکو اُس ذات پاک رب نے تمدن کے ساتھ ایسا تربیت فرمایا کہ بسبب تمدن باہمی کے حوائج ہر ایک شخص کے بسبب باہمی تعاون کے بخوبی روا ہوتے چلے جاتے ہیں اور ہر ایک فرقہ اہل حرفہ دوسرے فرقہ اہل حرفہ یا غیر اہل حرفہ کا معاون ومددگار ہے تو ایسے رب کی تعمیل امر تمکو بالضرور کرنی چاہیئے جس نے بسبب اجتماع ابناء جنس کے باہم اسباب الفت اور محبت کے پیدا کر دیے ہیں خصوصاً جبکہ یہ لحاظ بھی ہو کہ تم سب کی اصل ایک نفس واحدہ ہے اور قاعدہ ہے کہ جزو کی میل کل کی طرف اور کل کی خواہش جزو کی طرف ہوا ہی کرتی ہے کما قیل ؎ بنی آدم اعضائے یکدیگر اند ٭ کہ در آفرینش زیک جوہر اند ٭ چو عضوے بدرد آورد روزگار ٭ دگر عضوہا را نماند قرار ٭ تو کز محنت دیگراں بیغمی ٭ نشاید کہ نامت نہند آدمی ٭ پس بالضرور تمکو احکام تمدنی کی بجا آوری میں اُس رب پالن ہار سے ڈرنا چاہیئے اتقوا ربکم ۔ اور اگر بسبب مکرر وقوع نسیان کے جو ناس اور نسا سے وقوع میں آجاتا ہے ہماری اس ربوبیت اور تربیت کو فراموش کر دو تو پھر ہماری شان الوہیت سے ڈرنا چاہیئے کیونکہ صفت الوہیت مشعر ہے کمال درجہ کی حکمت اور قدرت کو اور حکمت اور قدرت اسکی کب مقتضی ہو سکتی ہے اس امر کی کہ تو اپنی اصلاح تمدن کو مہمل چھوڑ دیا جاوے اور باوجود تقاضائے حکمت اور قدرت کے جو واسطے اصلاح تمدن کے ہے فرمانبرداروں اور نافرمانوں کو یکساں کر دیا جاوے

کلا وحاشا یہ ہے حکمت تکرار اتقوا کی اور چونکہ خلط رجال و نسا کی حالت میں نسیان اور غفلت کا وقوع زیادہ تر متصور تھا لہٰذا تاکید پر تاکید ارشاد فرمائی گئی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال قطع رحم و کفران نعم وغیرہ سے غافل نہیں ہے بلکہ تمہارے ہر ایک کام کو دیکھ رہا ہے کہ حقوق قرابتوں کے اور دیگر حقوق ابنائے جنس کے اور حقوق اللہ وغیرہ وغیرہ تم کس طرح پر ادا کرتے ہو۔ اور مثلاً ایک نکتہ یہ ہے کہ رجال کو بوصف کثیر موصوف کیا گیا اور نسا کو بوصف کثرت موصوف نہ فرمایا اُس میں سر یہ ہے کہ ایک عورت میں دو مرد شریک نہیں ہو سکتے اور ایک مرد چند عورتوں سے یعنی چار تک نکاح کر سکتا ہے۔ پس خود کثرت رجال کی کثرت نسا پر دال ہے اس لیے نسا کو کثرت کے ساتھ متصف کرنیکی ضرورت باقی نہیں رہی والعاقل تکفیہ الاشارۃ غرضکہ نظم قرآنی کے الفاظ میں وہ وہ اسرار و معارف مندرج ہیں کہ یہ مختصر تحریر اُنکی گنجایش نہیں رکھتی لہٰذا ہم اس آیت سورہ نسا کو یہیں ختم کر کے حروف مقطعات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں واضح ہو کہ حروف مقطعات کا استعمال دو حال سے خالی نہیں یا قدیم سے ہے یا بعد استعمال قرآن مجید کے جاری ہوا ہے اگر قدیم سے ہے تو قرآن مجید نے اگر انکا استعمال بموجب محاورات قدیمہ کے مع وجوہ اعجاز کے کیا تو پھر آجکل کے مخالفین کا اسپر کیا ایراد وارد ہو سکتا ہے اور اگر بعد استعمال قرآن مجید کے دیگر حکما اور علما نے انکا استعمال کیا ہے تو قرآن مجید اُن سب کا مقتدا رہا ہاں فرق اسقدر ہے کہ قرآن مجید کے مقطعات میں عجائب و غرائب اسرار ہیں اور اُنمیں پیشین گوئیوں مندرجہ سورۃ کی طرف بھی اشارات ہیں جو اپنے اپنے وقت میں پوری ہوئیں اور ہوتی جاتی ہیں اور دیگر حکما و علما کے استعمال مقطعات میں نہ وہ اسرار موجود ہیں اور نہ کسی پیشین گوئی کو متضمن ہیں وشتان بینہما قال ابو العالیہ ان کل حرف منہا فی مدۃ اقوام و اٰجال اٰخرین (کبیر) وحمل ہٰذہ الحروف علیٰ حساب الجمل عادۃ معلومۃ عند الناس (کبیر) ہاں ہمارے اس دعویٰ کا ثبوت کہ مقطعات قرآنی میں صنعت براعت الاستہلال کے پائی جاتی ہے) علاوہ دلیل عقلی مذکورہ علم بلاغت کے دلایل نقلیہ سے بھی ہے۔ اوّل۔ آنکہ قال ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ فی کل کتاب سر و سرہ فی القراٰن اوائل السور و قال علیؓ ان لکل کتاب صفوۃ و صفوۃ ہٰذا الکتاب حروف التہجی (کبیر) پس حضرت علی رضؓ اور حضرت صدیق رضؓ کا یہ قول تفسیر کبیر وغیرہ میں موجود ہے کہ اوائل سورتوں کے حروف مقطعات کے ایک سر ہیں اسرار کلام الٰہی سے اور قرآن مجید کی آیت مذکورہ اول والراسخون فی العلم میں بھی اسکی طرف اشارہ ہے کما قال تعالیٰ وما یذکر الا اولوا الالباب٭ کیونکہ الباب لُب کی جمع ہے اور ظاہر ہے کہ سِر اور لُب اور خلاصہ یہ تینوں لفظ قریب المعنی ہیں چونکہ صنعت براعت الاستہلال میں

٭ ترجمہ۔ اور نہیں یاد رکھتے اُن تاویلوں کو مگر صاحبان مغز علوم کے۔ منہ

بھی مقاصد مہمہ کا لُبّ اور خلاصہ ہی ہوا کرتا ہے تو اُسی سِرّ اور لُبّ کا نام بالفاظ دیگر اصطلاح علم بلاغت میں براعت الاستہلال رکھا گیا ہے ولا مشاحة فی الاصطلاح (اور اصطلاح میں کوئی ہرج نہیں ہوا کرتا) ۔ دلیل دوم ۔ تفسیر سورہ روم میں آنحضرت صلعم نے بضع سنین کو عدد آٹھ کے ساتھ معین فرما دیا تھا کما ثبت فی محلہ اور آٹھ ہی سال کے بعد پیشین گوئی سورہ روم کی واقع ہوئی بعد تدبّر کے معلوم ہوا کہ الٓمٓ کی اعداد بھی بحساب جمل صغیر آٹھ ہی ہوتے ہیں الف کا ایک عدد لام کے تین میم کے چار کیونکہ حساب جمل صغیر میں دہائی کو اکائی کر لیا جاتا ہے اور سیکڑوں کو دہائی کر لیا جاتا ہے اور سورہ روم میں اہم المقاصد اسی پیشین گوئی کا واقع ہونا ہے کیونکہ یومئذٍ یفرح المؤمنون میں پیشین گوئی عظیم الشان فتح بدر کی بھی ہے کہ وہ بھی نزول سورۃ سے بعد آٹھ سال کے واقع ہوئی ۔ دلیل سوم قتادہ سدی کلبی وغیرھم کا قول یہ ہے کہ حروف مقطعات قرآن یا سورتوں کے نام ہیں (کبیر) اب ہم دریافت کرتے ہیں کہ اگر یہ نام بلا کسی وجہ تسمیہ کے رکھے گئے ہیں تو قول یہ باطل ہوا جاتا ہے کیونکہ لغات عربیہ کا تو ایک یہ بڑا خاصہ ہے کہ کوئی لغت ایسا نہیں پایا جاتا جسمیں وجہ تسمیہ موجود نہو پس کیونکر ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید کی سورتوں کے نام جو عربی مبین ہے مہملات ہوں حاشا وکلا اور جبکہ وجہ تسمیہ اُنہیں موجود ہے تو اس سے بہتر اور کوئی وجہ موجہ تسمیہ کی نہیں ہو سکتی کہ اُن ناموں میں سورتوں کے مقاصد مہمہ کیطرف اشارات ہوں اندرینصورت بھی صنعت براعت الاستہلال کی موجود ہوئی شاہ ولی اللہ صاحب بھی فوز الکبیر میں تحریر فرماتے ہیں پس حروف مقطعہ اسمائے سورانند بایں معنی کہ جملاً دلالت میکنند برانچہ مفصلاً در سورہ مذکور مے شود شبیہ بآنکہ نام کتابے چیزے مقرر کنند کہ حقیقت آں کتاب راپیش ذہن سامع واضح گرداند ۔ دلیل چہارم ۔ نسبت الٓمٓ سورہ بقر کے مروی ہے کہ سورہ بقر الواح موسیٰ سے عنایت ہوئی ہے یعنی الف سے مراد اوائل لام سے الواح میم سے موسیٰ ۔ اس سے اصل توراۃ کے مضمون کی طرف اشارہ ہوا جو سورہ بقر میں مندرج ہے ۔ لہٰذا اس روایت کا رجوع بھی براعت الاستہلال ہی کی طرف ہوا ۔ اس دعوے کے لیے اور بھی ادلہ ہیں جو تفسیر کبیر وغیرہ سے مفہوم ہوتے ہیں حضرت امام آخر الزمان مہدی علیہ السلام نے اس کی تفسیر میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اُسکا خلاصہ یہ ہے کہ ہر ایک شئے کے لیے چار علل ہوتی ہیں علّت فاعلی علّت مادّی علّت صوری اور علّت غائی ۔ الٓمٓ میں الف انا کا ہے لام اللہ کا اور میم اعلم کا یعنی الٓمٓ ۔ انا اللہ اعلم کا مخفف اور مختصر ہے کما قال ابن عباس فی الٓمٓ انا اللہ اعلم و فی المٓصٓ انا اللہ افصل و فی الٓرٰ انا اللہ اری و ھذا روایۃ ابی صالح و

سعید بن جبیر عنہ پس الم علت فاعلی ہے ذٰلك الكتاب بمنزلہ علت مادی کے ہو لا ریب فیہ بمنزلہ علت صوری کے اور ھدی للمتقین بمنزلہ علت غائی کے ہوا چونکہ یہ قول حضرت امامؑ کا ایک عجیب و غریب نکتہ ہے۔ لہٰذا ہم چاہتے ہیں کہ جسقدر سورتوں کے اوائل میں الم آیا ہے اُنہیں اس لطیفہ کو مع وجہ اعجاز کے جاری کریں تاکہ ہر ایک حرف کے بیان کرنیمیں ہمکو ایک نیکی مرحمت ہو جیساکہ کلام نبوت میں وارد ہوا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ میں نہیں کہتا ہوں کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے اور لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے اور ہر ایک حرف کی تلاوت ہے مومن متبع کو بحکم من جاء بالحسنة فله عشر امثالها (جو شخص ایک نیکی کریگا اُسکے لیے دس گنا اُس نیکی کا ثواب ملیگا) کی دس نیکیاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرحمت ہوتی ہیں یعنی دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہی گا مگر اگر کوئی کہے کہ باوجود واضح ہونے قرآن مجید کے ایسے دقیق اشارات قرآن مجید میں کیوں رکھے گئے ہیں تو جواب اُس کا یہ ہے کہ علاوہ دیگر مقاصد مہمہ قرآنیہ کے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اذہان بشریہ کو وقتاً فوقتاً بتدریج ترقی بخشتا ہے۔ اس لیے جابجا تدبر تعقل اور تذکر کی تاکید بار بار ارشاد فرمائی گئی ہے اور کلام نبوت میں بھی وارد ہوا ہے (لكل اٰية ظهر و بطن الحديث) یعنی ہر ایک آیت کے لیے ایک ظاہر ہے اور باطنی علوم بھی اُسمیں موجود ہیں تاکہ انسان تدبر اور تذکر میں ترقی کرتا کرتا کمالات انسانی کو حاصل کرلیوے اور اُسکا قلب انوار الٰہی کا مورد بنجاوے اور اس تدبر کی برکت سے مورد انوار غیبیہ کا ہوتا ہے ؎ اے برادر بے نہایت درگہیست ۔ ہرچہ بروے میرسی بروے مایست ۔ کما قال اللہ تعالیٰ لتركبن طبقا عن طبق یعنی البتہ تم چڑھتے ہوئے چلے جاؤ گے ایک حالت سے دوسری بڑی حالت پر۔ چونکہ قرآن مجید ام الکتاب اور خاتم الکتب ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے علاوہ مقاصد واضحہ کے ایسی صنائع او بدائع مذکورہ کا بھی استعمال اس خاتم الکتب میں فرمایا ہے تاکہ کسی درجہ کا انسان اُسکے فیضان عام سے محروم نہ رہے۔ کما قیل ؎ بہار عالم حسنش دل وجاں تازہ میدارد۔ برنگ اصحاب صورت را ببو ارباب معنی را چونکہ سورہ بقر میں ہر چہار علل کا ثبوت مع پیشین گوئی ہائے عظیم الشان کے مندرج ہے۔ لہٰذا الم کا آیت نبوت ہونا بھی ثابت ہوا مثلاً یہ آیت ذیل ہے جس سے اللہ تعالیٰ کا اعلم ہونا اور قرآن مجید کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کامل ہدایت نامہ نازل ہونا ثابت ہوتا ہی فرمایا اللہ تعالیٰ نے وان كنتم في ريب مما نزلنا على عبدنا فاتوا بسورة من مثله وادعوا شهداءكم من دون الله ان كنتم صادقين فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التي وقودها الناس والحجارة اعدت للكافرين

سورہ بقر ۱

یعنی اور اگر ہو تم بیچ شک کے اُس چیز سے کہ اُتاری ہم نے اپنے بندے پر پس لے آؤ ایک سورۃ مثل اُسکی سے اور بلاؤ شاہدوں اپنوں کو سوائے اللہ کے اگر ہو تم سچے پس اگر نہ کر سکے تم اور ہرگز نہ کر سکو گے تم پس ڈرو اُس آگ سے جسکا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں طیار کی گئی ہے واسطے منکروں کے۔ اس آیت سے اللہ تعالیٰ کا اعلم ہونا ثابت ہوا اور قرآن مجید کا لاریب فیہ ہونا بھی ثابت ہوا کیونکہ کوئی فصیح و بلیغ ایک چھوٹی سی سورۃ کی مثل بنالانے پر بھی قادر نہ ہو سکا باوجودیکہ مخالفین مکذبین نے جلاوطن ہونا اختیار کیا مقاتلہ کر کے قتل و غارت ہو گئے ور باوجودیکہ فصاحت اور بلاغت میں شہرۂ آفاق بھی تھے اور اس تحدی مذکورہ میں جو متعدد آیات میں سخت مبالغہ ہے اور الفاظ غیرت دہ کے ساتھ مطالبہ بھی کیا گیا ہے لیکن ایک چھوٹی سی سورۃ بھی نہ بنا سکے فثبت الاعجاز اور جبکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُسکا ہونا ثبوت کو پہنچ گیا تو ھدی للمتقین ہونے میں اُسکے کیا کلام رہا پس الم یعنی انا اللہ اعلم جو ان پیشین گوئیوں کی طرف اشارہ کر رہا ہے اُسکا نشان نبوت ہونا بھی ثابت ہوا وہو المطلوب علیٰ ہذا القیاس نگے متعدد جگہ پر بھی ثبوت موجود ہیں۔ اور یہی دلیل مسیح موعودؑ کی حقیت کی اُسکی کتب متحدیانہ ہیں جو تائیداً للاسلام لکھی گئی ہیں بعینہٖ جاری ہو سکتی ہے۔

سورۂ۲ آل عمران ۔ سورہ آل عمران میں بھی علل اربعہ موجود ہیں الم یعنی انا اللہ اعلم علت فاعلی ہے نزل علیک الکتاب بمنزلہ علت مادی کے بالحق مصدقالمابین یدیہ بمنزلہ علت صوری کے ھدی للناس بمنزلہ علت غائی کے اور ان علل اربعہ کا بیان دلایل یقینیہ کے ساتھ اس سورہ میں موجود ہے مع پیشین گوئیوں کے مثلاً یہ آیت قل للذین کفروا ستغلبون وتحشرون الی جھنم وبئس المھاد یعنی کہدو تم واسطے منکروں کے کہ تم بہت جلد مغلوب ہو جاؤ گے اور جمع کیے جاؤ گے دوزخ کی طرف اور بُرا وہ بچھونا ہے۔ اس آیت سے اللہ تعالیٰ کا اعلم ہونا ثابت ہوا کہ جو پیشین گوئی مخالفین کے لیے فرمائی گئی تھی وہ آنحضرت صلعم کی حیات ہی میں واقع ہو گئی اور قرآن مجید کا لاریب فیہ ہونا اور ھدی للناس ہونا بھی حیز ثبوت کو پہونچ گیا جو الم میں اشارۃً مذکور ہوا تھا پس الم کا نشان ہونا بھی مع صنعت براعت الاستہلال کے ثابت ہوا وہو المطلوب۔

سورۂ۳ عنکبوت ۔ سورہ عنکبوت بھی الم سے شروع کی گئی ہے اور اُس کے اول میں صرف الم یعنی انا اللہ اعلم پر جو فعّالٌ لمایرید ہے اکتفا کیا گیا ہے باقی علل کا بیان اول سورہ میں نہیں ہوا کما قال اللہ تعالیٰ قل اللہ ثمّ ذرھم کہدو تم کہ اللہ نے اُتاری ہے کتاب پھر چھوڑ دو اُنکو اس سورہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات حمیدہ کا بیان فرمایا ہے کیونکہ اُسم اللہ ذات کا جو انا اللہ اعلم میں ہے

وہ جامع تمام صفات کاملہ کا ہے۔ اور بعض انبیا کی کامیابی اور مخالفین کی ہلاکت اور تباہی اس لیے بیان فرمائی گئی ہے کہ اسی طرح پر آنحضرت صلعم کامیاب ہو دیں گے اور آپکے مخالفین نامراد اور ہلاک ہوجاویں گے اور اثنائے سورہ میں قرآن مجید کی حقیقت پر برہان قایم کرتے ہوئے مومنوں کے لیے اُسکا رحمت ہونا بیان فرمایا اور منکرین کے لیے پیشین گوئی خسران کی بیان فرمائی گئی۔ کما قال اللہ تعالیٰ اولم یکفهم انا انزلنا علیك الکتاب یتلیٰ علیهم ان فی ذٰلك لرحمة و ذکری لقوم یؤمنون الیٰ قوله تعالیٰ والذین اٰمنوا بالباطل وکفروا باللہ اولئك هم الخاسرون۔ ترجمہ۔ کیا نہیں کافی ہے اُنکو یہ کہ اُتاری ہمنے اوپر تیرے یہ کتاب پڑھی جاتی ہے اُنکے اوپر بے شک بیچ اسکے البتہ رحمت ہے اور نیز نصیحت واسطے اُس قوم کے جو ایمان لاتے ہیں اس قول الٰہی تک اور جو لوگ کہ ایمان لائے جھوٹ پر اور کفر کیا ساتھ اللہ کے وہ لوگ وہی ٹوٹا پانیوالے ہیں۔ اس آیت سے انا اللہ اعلم کا ثبوت کامل ہوگیا کیونکہ یہ پیشین گوئی آنحضرت صلعم کی حیات میں ہی واقع ہوگئی۔ اور نیز بیانپر اس آیت میں علل اربعہ کی تفصیل بھی بیان فرمادی گئی کیونکہ اولم یکفهم انا انزلنا علیك الکتاب بمنزلہ علت فاعلی اور مادی کے ہے اور یتلیٰ علیهم بمنزلہ علت صوری کے اور ان فی ذٰلك لرحمة و ذکری لقوم یؤمنون بمنزلہ علت غائی کے اور نیز فرمایا اللہ تعالیٰ نے اسی سورۃ میں وما انتم بمعجزین فی الارض ولا فی السماء وما لکم من دون اللہ من ولیّ ولا نصیر یعنی اور نہیں ہو تم عاجز کرنیوالے زمین میں یعنی نہ تمھارے دوست وآشنا عاجز کرسکتے ہیں اور نہ آسمان میں یعنی فرشتے اور انبیا جنکو تم نے معبود قرار دے رکھا ہے اور نہیں واسطے تمھارے سوائے اللہ کے کوئی کارساز اور مدد کرنیوالا یہ پیشین گوئی بھی واقع ہوگئی اور الٓمٓ میں ان جملہ پیشین گوئیوں کی طرف اشارہ ہے پس الٓمٓ ایک نشان نبوت کا ہوا مع صنعت براعت الاستہلال کے وہو المدعا۔

سورۂ روم۔ یہ سورہ بھی الٓمٓ سے شروع ہوئی ہے اس میں بھی صنعت براعت الاستہلال کی مع اعجاز پیشین گوئی کے موجود ہے مختصر بیان اُسکا یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کے وقت میں ملک روم نصاریٰ کے قبضہ میں تھا اور ملک فارس کا آتش پرستوں کے تصرف میں تھا اتفاقاً دونوں سلطنتوں میں لڑائی واقع ہوئی مسلمان چاہتے تھے کہ روم کی فتح ہو کیونکہ وہ اہل کتاب ہیں اور مشرکین عرب کی خواہش تھی کہ اہل فارس کی فتح ہو کیونکہ یہ بھی مشرک وہ بھی مشرک ع کند ہمجنس باہم جنس پرواز + اتفاقاً فارس کی فتح ہوئی تو مشرکین عرب بہت خوش ہوئے اس سورۃ میں پیشین گوئی فرمائی گئی کہ اگرچہ روم اسوقت میں مغلوب ہوگئے ہے لیکن چند سالوں کے بعد روم ہی فارس پر غالب اور فاتح ہوجاویگی چنانچہ ایسا ہی

کچھ واقع ہوا اور یہ ایک بڑا معجزہ ہے کہ دو سلطنتوں کے درمیان ایسا فیصلہ قطعی فتح اور شکست کا کر دیا جاوے
خصوصاً اُس سلطنت کی نسبت جو غالب ہو چکی ہے معہذا پھر اُس کی مغلوبی کی پیشین گوئی یقینی طور پر مشتہر
کر دیجاوے ایسی پیشین گوئی بجز اُس علام الغیوب کے کون کر سکتا ہے اس لیے یہ سورہ بھی الف لام میم یعنی
انا اللہ اعلم کے ساتھ شروع کی گئی اور یومئذ یفرح المؤمنون میں ایک دوسرا نکتہ یہ
کہ فتح بدر کے ایام میں یہ پیشین گوئی واقع ہوئی ہے پس اندرینصورت الم میں صنعت براعت
الاستہلال کی مع تضمن پیشین گوئی کے حاصل ہو گئی اور تیسرا نکتہ یہ ہے کہ یہ پیشین گوئی وقت نزول
اس سورۃ سے آٹھ برس کے بعد واقع ہوئی ہے اور الم کے عدد بھی بحساب جمل صغیر آٹھ ہی
سال ہوتے ہیں کما مر یعنی الف کا عدد ایک لام کے تین اور میم کے چار کیونکہ حساب جمل صغیر
میں دہائی کو اکائی شمار کیا جاتا ہے اور سیکڑہ کو دہائی۔ علیٰ ہذا القیاس سبحان اللہ کیا سچ فرمایا
مخبر صادق نے کہ لا تنقضی عجائبہ یعنی اُس کے عجائبات کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

سورہ لقمٰن (۵) میں اول ہی سے علل اربعہ کا بیان فرمایا گیا ہے الم بمنزلہ علت فاعلی کے ہے
تلک اٰیات الکتاب بمنزلہ علت مادی کے الحکیم یعنی حکمت اور دانش کی بھری ہوئی کتاب
بمنزلہ علت صوری کے اور ھدی و رحمۃ للمحسنین بمنزلہ علت غائی کے ہے اور انہیں
امور کی تشریح اس سورۃ میں موجود ہے مع تضمن پیشین گوئی کے چنانچہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے واذا
تتلیٰ علیہ اٰیاتنا ولی مستکبرا کان لم یسمعھا کان فی اذنیہ وقرا فبشرہ بعذاب
الیم یعنی اور جب پڑھی جاتی ہیں اُس منکر پر ہماری آیتیں تو مُنہ پھیر کر غرور کرتا ہوا چلدیتا ہے جیسے اُسنے
ہماری آیتوں کو سنا ہی نہیں گویا اُسکے دونوں کانوں میں گرانی ہے یعنی ٹینٹ ہیں تو ایسے شخص کو
خوشخبری عذاب دردناک کی سنادو۔ چنانچہ جسقدر ایسے معاند آنحضرت صلعم کے تھے وہ علاوہ عذاب
آخرۃ کے عذاب دنیاوی میں بھی ہلاک اور تباہ ہو گئے۔ اور اللہ تعالیٰ کا اعلم ہونے پر علاوہ اُس
ثبوت کے یہ ثبوت بھی دیا گیا ہے یا بنی انھا ان تک مثقال حبۃ من خردل فتکن فی صخرۃ
او فی السمٰوات او فی الارض یات بھا اللہ ان اللہ لطیف خبیر۔ یعنی ای بیٹے
میرے بہ تحقیق اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی کوئی عمل ہو اور وہ کسی پتھر کے اندر رکھا ہوا ہو یا آسمانوں
میں ہو یا زمین کے اندر ہو تو اُسکو بھی اللہ تعالیٰ واسطے حساب کتاب کے حاضر کر دیویگا کیونکہ اللہ تعالیٰ
بڑا باریک بین اور باخبر ہے۔ یہ مقولہ لقمان کا ہے جو عرب کے نزدیک بھی مسلم ہیں الحاصل الم میں بطور
براعت الاستہلال کے مضمون سورۃ موجود ہے اور پیشین گوئی مندرجہ سورۃ واقع ہو گئی لہذا

الٓمٓ نشان نبوت کا بھی ہو گیا و ہو المدعا۔

سورہ سجدہ جو الٓمٓ سے شروع کی گئی ہے اُس میں بھی علل اربعہ اول ہی میں بیان فرمائی گئی ہیں الٓمٓ بمنزلہ علت فاعلی کے تنزیل الکتاب بمنزلہ علت مادی کے اور لاریب فیہ من رب العٰلمین بمنزلہ علت صوری کے اور لتنذر قوما ما اتاھم من نذیر من قبلک لعلھم یھتدون بمنزلہ علت غائی کے۔ اور انہیں کی توضیح اور تشریح اس سورۃ میں موجود ہے اور پیشین گوئی بھی موجود ہے مثلاً یہ آیت ہے ولنذیقنھم من العذاب الادنیٰ دون العذاب الاکبر لعلھم یرجعون اور البتہ چکھاویں گے ہم ادنیٰ عذاب دنیا کا جو قریب تر ہو بڑے عذاب سے ورے اور پہلے تاکہ یہ منکرین ہماری طرف رجوع کریں عذاب ادنیٰ سے۔ مراد فتح بدر ہو یا دیگر فتوحات اسلام کی مثل فتح مکہ وغیرہ اور شکست مخالفین کی۔ بہرحال یہ پیشین گوئی واقع ہوگئی اور انا اللہ اعلم کا مضمون صادق ہوا پس الٓمٓ علت فاعلی مع بقیہ علل کے یہاں پر موجود ہے اور الٓمٓ کا آیت نبوت ہونا بھی حیز ثبوت کو پہنچ گیا اور صنعت براعت الاستہلال کی بھی حاصل ہوگئی۔ و ہو المقصود

سورہ اعراف المٓصٓ سے شروع ہوئی ہے الٓمٓ سے تو وہی انا اللہ اعلم مراد ہے اور صٓ سے آنحضرتؐ کا نبی صادق ہونا مراد ہے اور مضامین سورۃ کا یہی لُبّ لباب ہے باقی مطالب اُس کے لیے مؤید ہیں اور نیز پیشین گوئی فتح مکہ اور تباہی یہود کی بھی مذکور فرمائی گئی ہے جو آنحضرت صلعم کی حیات میں ہی پوری ہوئی جس سے انا اللہ اعلم کا مضمون مشاہد کرا دیا گیا اور اسی سے آپ کا نبی صادق ہونا بھی معلوم ہوا اور مثلاً یہ آیت جو ذیل میں ہے آپکی صداقت پر بڑی کامل دلیل ہے ورحمتی وسعت کل شیٔ فساکتبھا للذین یتقون ویؤتون الزکوٰۃ والذین ھم بآیاتنا یؤمنون الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التورات والانجیل آخر آیت تک۔ یعنی اور میری رحمت ہر ایک چیز کو شامل ہے بس قریب ہے کہ ہم اُسکو اُن لوگوں کے لیے لکھیں گے جو پرہیزگاری اختیار کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر ایمان لاویں گے یعنی وہ ایمان والے جو اس رسول نبی اُمّی کی پیروی کرتے ہیں جنکی بشارتیں تورات اور انجیل میں لکھی ہوئی ہیں اور نبی اُمّی صلعم میں وہ تمام بشارتیں موجود پائی جاتی ہیں۔ اس آیت کے آگے پھر تاکیداً فرمایا جاتا ہے فالذین اٰمنوا بہ وعزروہ ونصروہ واتبعوا النور الذی انزل معہ اولٰئک ھم المفلحون ٥ یعنی پس جو لوگ اس نبی اُمّی پر ایمان لائے اور اُسکی حمایت کی اور اُسکو مدد دی اور جو نور یعنی قرآن مجید اُسکے ساتھ بھیجا گیا ہے۔

اُن کی پیروی کی وہی لوگ دین و دنیا میں کامیاب ہونیوالے ہیں۔ ف۔ واضح ہو کہ حضرت موسیٰؑ نے جناب باری میں یہ دعا کی تھی کہ اے پروردگار تو سب بخشنے والوں سے بہتر بخشنے والا ہے تو ہمارے لیے دنیا و آخرت دونوں کی بہتری لکھدے اس آیت سے پہلے یہ دعا موسیٰ کی مذکور ہے اس سوال موسیٰ علیہ السلام پر یہ جواب مذکور ہوا رحمت تھا اور اس نبی اُمّی کو زمانہ بعثت کو فصل ۳ کتاب اعمال ورس ۲۲ و ۲۳ میں مابین تشریف بری عیسیٰ و بار دگر آمد مسیح موعود قرار دیا گیا ہے اور حضرت عیسیٰ کے حواریوں نے پیشین گوئی تورات سفر استثنا فصل ۱۸ کو بحق اس نبی اُمّی کے تسلیم کیا ہے ایسی ہی پیشین گوئیوں کا حوالہ اس آیت میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ یجدونہ مکتوبًا عندھم فی التوراۃ والانجیل اس لیے سورہ اعراف میں المّٓصٓ کے ساتھ صنعت براعت الاستہلال کی بیان فرمائی گئی اور حرف صٓ سے اشارہ آنحضرت صلعم کے صادق نبی ہونے پر کیا گیا اور دیگر انبیا علیٰ نبینا وعلیہم السلام کی کامیابی اور اُنکے مخالفین کی ہلاکت اس غرض سے بیان کی گئی ہے کہ اسی طرح پر یہ نبی صادق بھی کامیاب ہوجاوے گا اور آپ کے مخالفین نامراد اور ناکام ہوجاویں گے چنانچہ ایسا ہی کچھ واقع ہوا۔ پس المّٓصٓ کا نشان نبوت ہونا بھی ثابت ہو گیا اور یہی مطلب ہے اُس کے آیت ہونے سے اور علل اربعہ بھی اوّل سورۃ میں موجود ہیں۔

سورہ یونس الٓرٰ سے شروع کی گئی ہے جو اشارہ ہے طرف انا اللہ ربکم کے یا انا اللہ رب العٰلمین کے اس میں علل اربعہ کا بیان موجود ہے انا اللہ ربکم علت فاعلی ہے اور تلک اٰیات الکتاب علت مادی۔ اور الحکیم یعنی حکمت اور دانش سے بھری ہوئی کتاب علت صوری ہے اور ان انذر الناس و بشر الذین اٰمنوا الی آخرہ علت غائی ہے ربکم کی ر الٓرٰ میں اس لیے لائی گئی ہے کہ صفت ربوبیت عامہ اللہ تعالیٰ کی اس قرآن مجید کے انزال کے لیے مقتضی ہوئی ہے جیسا کہ فرمایا اسی سورۃ میں یا ایھا الناس قد جاءتکم موعظۃ من ربکم و شفاء لما فی الصدور و ھدی و رحمۃ للمؤمنین یعنی اے لوگو! تحقیق تمہارے رب کی طرف سے یہ ایک نصیحت نامہ آیا ہے اور تمہارے امراض قلبی کے لیے شفا ہے اور ہدایت اور رحمت ہے ایمان والوں کے لیے۔ عرب کا حال قبل بعثت کے کس کو معلوم نہیں ہے؟ اور پھر بعد بعثت کے بذریعہ قرآن مجید کے جو اُنکی اصلاح ہوئی وہ بھی کس کو نہیں معلوم؟ پس یہ پیشین گوئی کامل طور پر پوری ہوگئی لہٰذا الٓرٰ کا صنعت براعت الاستہلال ہونا مع آیت ہونے نبوت کے واضح ہو گیا وھو المدعا۔ خصوصاً جبکہ یہ لحاظ بھی کیا جاوے کہ مکذبین سے مثل ایک سورۃ کے بنا لانے پر بڑی زور و شور سے تحدی کی گئی ہے کما قال اللہ تعالیٰ ام یقولون افترٰہ قل فأتوا بسورۃ مثلہ وادعوا من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صادقین بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہ ولما یأتھم تاویلہ کذٰلک کذب الذین من قبلھم فانظر کیف کان عاقبۃ الظالمین ۵ (ترجمہ تفسیری) کیا یہ مکذب کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے قرآن کو خود بنا لیا ہے اس کے جواب میں

کہدو چونکہ تم بھی اہل زبان ہو تو بنالاؤ تم ایک سورۃ جو مثل اُسکے ہو خوبی نظم اور فصاحت و بلاغت اور معنے میں مع تضمن پیشین گوئیوں کے یعنی تھوڑے سے الفاظ میں معانی و علوم بھی بہت سے موجود ہوں اور مشتمل ہو دلایل اور حجتوں پر جن سے تمام شبہات دور ہو جاتے ہوں اور اپنی مدد کے لیے بلالو جسکو تم بلا سکتے ہو اگر تم سچے ہو اس گمان میں کہ یہ قرآن آنحضرت صلعم کا افترا ہے۔ یہ امر تو اُن سے نہیں ہو سکا بلکہ جھٹلایا اُنہوں نے اُس چیز کو جس کے علم پر اُنہوں نے احاطہ نہیں کیا تھا اور ابھی تک نہیں آئی اُنکے پاس اُسکی حقیقت اور تاویل اسی طرح اُن لوگوں نے جھٹلایا تھا جو اُنسے پہلے ہو چکے ہیں پس دیکھو کہ کیسا ہوا انجام ظالموں کا یعنی ان مکذبین پر بھی ویسا ہی عذاب انجام کار کو نازل ہوگا الرٓ کے آیت ہونے کے اور دیگر وجوہ بھی ہیں۔

سورۃ ہود بھی الرٓ سے شروع ہوئی ہے اور اسکے اول میں علل اربعہ بھی موجود ہیں جو اندک غور کرنے سے معلوم ہو سکتے ہیں اور چونکہ مقتضی صفت ربوبیت عامہ کا مکذبین کے لیے درصورت تکذیب کے جانیکے انذار کرنا بھی ہے تاکہ شرارتوں اور ظلموں سے پرہیز کریں اور اس سورۃ میں متعدد جگہ حسب مقتضی صفت ربوبیت کے مخالفین کو انذار فرمایا گیا ہے کما قال اللہ تعالیٰ وکذٰلک اخذ ربک اذا اخذ القریٰ وھی ظالمۃ ان اخذہ الیم شدید۔ یعنی اور اسی طرح تیرے رب کی پکڑ ہوتی ہے جب بستیوں کے لوگ ظلم اور شرارت پر کمر باندھیں بیشک اُسکی پکڑ بڑی دردناک اور سخت ہے اور جیسا کہ فرمایا ان ربک فعال لما یرید بے شک تمھارا پروردگار جس امر کو چاہتا ہے کر ڈالنے والا ہے یعنی اُسکے ارادہ عذاب کو کوئی روکنے والا نہیں اس لیے یہ سورۃ بھی الرٓ یعنی انا اللہ رب العٰلمین سے شروع کی گئی اور چونکہ جو وعیدیں آنحضرت صلعم کے مخالفین کو اس سورۃ میں بیان فرمائی گئی تھیں واقع ہو گئیں جسکا اشارہ الرٓ میں حسب مقتضی صفت ربوبیت کے موجود ہے اس لیے الرٓ کا صنعت براعت الاستہلال ہونا مع نشان نبوت کے ثابت ہوا فہو المدعا۔

سورۃ یوسف بھی الرٓ سے شروع کی گئی ہے اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے بطور ایک نظیر کے اپنی صفت ربوبیت کو قصہ حضرت یوسفؑ میں اس لیے بیان فرمایا ہے کہ اہل بصیرت سمجھ لیویں کہ آنحضرت صلعم جو سید المرسلین اور خاتم النبیین ہیں اُنکی نسبت ہماری یہ صفت ربوبیت بطریق اولیٰ متوجہ ہو رہی ہے گو اوائل میں مثل حضرت یوسف کے کسیقدر مصائب بھی پیش آویں جیسا کہ حضرت یوسف کو مشقت چاہ پیش آئی اور آنحضرت صلعم کو بوقت ہجرت کے غار ثور کی محنت پیش آئی اور جیسا حضرت یوسف کے بھائیوں نے اُنکے قتل کا ارادہ کیا اور اُنکو قتل سے نجات دیگئی۔ آنحضرت صلعم کو بھی قبایل عرب نے جو آپکی برادری سے تھے قتل کرنا چاہا اور اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت نے آپ کو قتل سے محفوظ رکھا اگر حضرت یوسفؑ کو بعد واقعہ ہجرت و سجن کے تخت عزت پر بٹھایا گیا تو آنحضرت صلعم کو بعد واقعہ ہجرت کے فتح بدر ہو کر مسند خلافت علیا اور ختم نبوت کے عرش پر جانشین فرمایا گیا اگر حضرت یوسفؑ کو نبوت جزئی عطا ہوئی تو آنحضرت صلعم کو خطاب د ما

ارسلناك الا رحمة للعلمين مرحمت ہوا اور حضرت یوسفؑ نے اپنے چند بھائیوں کو مخاطب کر کے لا تثریب علیکم الیوم کہا۔ آنحضرت صلعم نے بھی بوقت فتح مکہ کے کل اپنے برادران اور قبایل سے جو سخت دشمن تھے مگر ایمان لے آئے ۔۔۔ لا تثریب علیکم الیوم فرمایا حضرت یوسف کو انتظام ایک ملک کے لیے تدبیر معاش سکھائی گئی۔ آنحضرت صلعم کو انتظام تمام ممالک دنیا کا قیامت تک تعلیم فرمایا گیا جو بعد آپکی وفات کے بذریعہ خلفاء کے ہوا اور ہوتا ہے اور ہوتا رہیگا جیساکہ اس چودھویں صدی میں بذریعہ مسیح موعود کے برنگ جمالی رافت اور رحمت کے تھا من و امان ہو رہا ہے علیٰ ہذا القیاس دیگر امور مندرجہ سورہ کو سمجھ لینا چاہیئے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں ارشاد فرمایا کہ لقد کان فی قصصهم عبرة لاولی الالباب یعنی بے شک البتہ ہے انکے قصوں میں عبرت حاصل کرنا صاحبان علوم باطنی کے لیے اور جبکہ آنحضرت صلعم کے لیے وہ امور جو مقتضی صفت ربوبیت الٰہیہ کے تھے واقع بھی ہو گئے تو اس لیے الٓر یعنی انا اللہ اریکم کا آیت نبوت ہونا مع صنعت براعت الاستہلال کے حاصل ہو گیا خصوصاً جبکہ دیگر اور مندرجہ سورۃ پر بھی نظر کیجاوے مثلاً دیکھو یہ آیت ذلك من انباء الغيب نوحيه اليك وما كنت لديهم اذ اجمعوا امرهم وهم يمكرون یعنی اے پیغمبر یہ غیب کی باتیں ہیں جن کو ہم وحی کے ذریعے تمکو معلوم کراتے ہیں باوجودیکہ تم اُنکے پاس موجود نہیں تھے جبکہ یوسف کے بھائیوں نے اپنا ارادہ مصمم کر لیا تھا کہ یوسف کو کوئیں میں ڈالدیویں اور وہ اُسکی ہلاکت کے لیے تدبیریں کر رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپکی نبوت پر ایک برہان قایم کی ہے۔ وہ یہ کہ حضرت یعقوبؑ کو تو حضرت یوسفؑ کا کوئیں میں ڈالا جانا بھی معلوم نہ ہوا باوجودیکہ اُنکے شہر وطن کنعان کے قریب ہی وہ کنواں تھا پس دیگر حالات اور واقعات مندرجہ سورہ متعلق یوسفؑ کے اونکو کیا خبر ہو سکتی تھی لیکن آنحضرت صلعم کو بڑی تفصیل کے ساتھ بعد مدتہائے دراز کے اُن واقعات کی خبر پہنچ دیدی پس واسطے اثبات انکے دعوٰے نبوت کے یہی دلیل کافی ہے لہٰذا آپ کا نبی برحق و رحمۃ للعالمین ہونا ثابت ہوا جو مقتضیٰ شان رب العالمین کا ہے وہو المدعا۔

سورہ رعد ۱۳ الٓمٓر سے شروع ہوتی ہے یعنی انا اللہ اعلم اریکم جو علت فاعلی ہے اور تلك ایات الکتاب بمنزلہ علت مادّی کے ہے اور والذی انزل الیك من ربك الحق بمنزلہ علت صوری کے۔ اور یہاں پر علت غائی بہ تصریح تو مذکور نہیں مگر آیت ولکن اکثر الناس لا یؤمنون سے مفہوم ہوتی ہے یعنی جبکہ یہ کتاب حق ہے کہ دلایل عقلیہ و نقلیہ سے اُسکا ثبوت کامل موجود ہے تو پھر علت غائی اس کی یہ ہے کہ ہر ایک ذی عقل کو اُسپر ایمان لانا چاہیئے و لاکن اکثر لوگ جو مصداق ناس بمعنے ناسے مشتق نسیان سے ہیں اُسپر ایمان نہیں لاتے اور چونکہ حرف را میں اشارہ اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت کی طرف ہے تو اُسکی صفت ربوبیت جو آنحضرت صلعم کی طرف متوجہ ہے اُسکا تقاضا یہ ہے کہ وقتاً فوقتاً

غلبہ حاصل ہوتا ہے اور مخالفین کو بتدریج شکست ہوتی رہے حتیٰ کہ بالآخر مکہ معظمہ بھی فتح ہو جاوے اس لیے اللہ تعالیٰ اس سورہ میں فرماتا ہے ولا یزال الذین کفروا تصیبہم بما صنعوا قارعۃ او تحل قریبا من دارھم حتیٰ یاتی وعد اللہ ان اللہ لا یخلف المیعاد ٥ یعنی جن لوگوں نے کفر وانکار کیا اُنکو ہمیشہ اُنکی بدکرداریوں کی سزا میں کچھ نہ کچھ مصیبت پہنچتی رہے گی جو اُنکو کھڑکھڑاتی رہی اور نہیں تو اُنکے گھر کے قریب ہی وہ مصیبت نازل ہوتی رہیگی یہانتک کہ خدا کا آخری وعدہ یعنی فتح مکہ پورا ہو بے شک اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کیا کرتا۔ دیکھو اس آیت میں کیسی زبردست پیشین گوئی ہے کہ کفار مکہ اپنے ظلموں کی سزا میں ہمیشہ مبتلا رہیں گے اور کوئی نہ کوئی مصیبت اُنپر واقع ہوتی رہے گی اگر یہ نہیں تو اُنکی بستی کے قریب ہی کوئی ایسا حادثہ اور قارعہ واقع ہوگا جو اُنکو بھی اُسکا صدمہ اور قرع بسبب قرب کے پہنچتا رہیگا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ جو فتح مکہ کے لیے ہو چکا ہے وہ آموجود ہوگا اور اس وعدۂ الٰہی میں کسی طرح کا خُلف نہیں ہو ویگا کیونکہ اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے یعنی انا اللہ اعلم اور اُسکی صفت ربوبیت آنحضرت صلعم اور آپکے متبعین کی طرف واسطے تربیت کے متوجہ ہے اور ایسا ہی واقع ہوا کیونکہ یہ امر بتواتر اخبار ثابت ہے کہ بالآخر مکہ معظمہ فتح ہو گیا اس لیے المرٰ کا براعت الاستہلال ہونا مع نشان ہونے کے ثابت ہوا وہو المطلوب۔

سورۂ ابراھیم بھی الرٰ سے شروع ہوئی ہے اور اول ہی آیت میں علل اربعہ کا بیان ہے، مثل سابق کے غور کرکے معلوم کرلو اور مخالفین کے لیے یہ وعید فرمایا گیا ہے کہ ویل للکافرین من عذاب شدید اور افسوس ہے منکروں کے لیے عذاب سخت سے چنانچہ یہ ویل اور خرابی مخالفین پر دنیا ہی میں وارد ہو چکی۔ اور حضرت ابراہیم کی طرف سے اس سورہ میں یہ دعا ذیل نقل فرمائی گئی ہے جو مستجاب ہوکر آنحضرت صلعم کی بعثت سے پورے طور پر واضح ہوگئی وہو ہذا ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم ربنا لیقیموا الصلوٰۃ فاجعل افئدۃ من الناس تھوی الیہم وارزقہم من الثمرات لعلہم یشکرون یعنی اے پروردگار ہمارے بسائی ہے میں نے بعض اولاد اپنی ایسے بیابان میں جہاں کھیتی نہیں ہوتی تیرے معزز گھر یعنی کعبہ کے پاس اے پروردگار ہمارے تاکہ یہاں یہ لوگ نمازیں پڑھیں پس تو ایسا کر کہ تمام لوگوں کے دل اُنکی طرف مایل ہو جاویں اور رزق دے اُنکو تمام پھلوں سے تاکہ وہ تیرا شکر کرتے رہیں۔ اس دعا کے مصداق آنحضرت صلعم کامل طور پر ہوئے آگے ان آیات سے مخالفین کو انذار کیا جاتا ہے کہ ولا تحسبن اللہ غافلا عما یعمل الظالمون یعنی اور یہ مت سمجھو کہ اللہ تعالیٰ مخالفین ظالموں کے اعمال سے غافل ہے پھر فرمایا کہ فلا

تحسبن اللہ مخلف وعدہ رسلہ ان اللہ عزیز ذو انتقام پس مت سمجھو تم کہ
اللہ تعالیٰ نے جو وعدے اپنے رسولوں سے کیے ہیں اُنکے خلاف کریگا کیونکہ بے شک اللہ زبردست بدلا لینے
والا ہے۔ غرضکہ ربوبیت عامہ الٰہیہ کی جو آنحضرت صلعم کیطرف متوجہ تھی اُس نے وہ شان دکھلائی کہ
کسی پر پوشیدہ نہیں۔ لہٰذا الٓر بمعنے انا اللہ ربکم میں صنعت براعت الاستہلال کی
مع آیت ہونے نبوت کے حاصل ہوگئی وہو المدعا۔

سورۃ حجر ۱۳ یہ سورہ حجر بھی الٓر یعنی انا اللہ ربکم سے شروع کیگئی ہے جو علت فاعلی ہے تلک
آیات الکتاب بمنزلہ علت مادی کے ہے اور قرآن مبین بمنزلہ علت صوری کے ہے۔ اور
علت غائی یہاں پر بتصریح بیان نہیں فرمائی گئی لیکن عقل سلیم والا اس آیت سے سمجھ سکتا ہے ربما یود الذین
کفروا لو کانوا مسلمین یعنی کافرین و مخالفین ایک دن ارمان کرینگے کہ اے کاش ہم مسلمان ہوتے
اس آیت سے علت غائی بھی سمجھی جاتی ہے تقریر اُسکی یہ ہے کہ اس کتاب کے انزال سے مقصود یہ تھا کہ کفار
و مشرکین دین اسلام میں داخل ہو جاتے لیکن نہ داخل ہوئے پس ایک دن ایسا آنیوالا ہے کہ بڑی حسرت
اور افسوس سے منکرین کہیں گے کہ کاش ہم اس کتاب پر ایمان لاتے اور اسلام میں داخل ہو جاتے کیونکہ
یہی وہ کتاب موعود ہے جسکی صفت قرآن مبین ہے یعنی بیان کرنیوالی ہے تمام حقایق اور معارف الٰہیہ
کی۔ پس اس تقریر سے علت غائی مفہوم ہوگئی۔ اور پھر شان ربوبیت الٰہیہ اب صرف اس ہی کتاب کیطرف ایسی
متوجہ ہے کہ اُسکے لیے اس سورہ میں فرمایا گیا کہ انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون اور یہ
وعدہ جو مقتضیٰ ربوبیت کا ہے کیسا پورا ہوا کہ ابتدا سے اس آخری زمانہ تک ہر طرح سے محفوظ اور مصون ہے
اور اب وہ سامان اور اسباب حفاظت کے مہیا اور طیار ہو گئے ہیں کہ ہر ایک اہل بصیرت بطور قطع و جزم کے
کہہ سکتا ہے کہ تا قیام قیامت کتاب محفوظ رہے گی۔ پس بسبب پورا ہو جانے پیشین گوئیوں مندرجہ سورۃ کے
جس کی طرف الٓر حروف مقطعات اشارہ کر رہے ہیں۔ آپکی نبوت کی حقیقت واضح ہوگئی۔ لہٰذا الٓر کا
براعت الاستہلال ہونا مع نشان نبوت کے واضح ہو گیا۔ فہو المدعا۔ اور ظاہر ہے کہ پہلی کتب سماویہ اس حفاظت سے محروم ہیں کما ثبت فی محلہ

سورۃ مریم ۱۴ بعد بسم اللہ کے کٓھٰیٰعٓصٓ سے شروع کی گئی ہے اور بسم اللہ سے علت فاعلی کا
ثبوت ملتا ہے اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے انبیا و اولیا کا ذکر حسب ذیل کیا ہے۔ زکریا۔ ابراہیم
ادریس۔ اسمٰعیل۔ عیسیٰ۔ یحییٰ۔ مریم۔ موسیٰ۔ اسحٰق۔ یعقوب۔ آدم۔ نوح
اور فضائل انسانی جس کی طرف کہیعص مشعر ہے یعنی کرامت اور ہدایت اور یقین کرنا اللہ تعالیٰ
کی ذات صفات اور افعال پر مع ہر سہ مرتبہ یعنی علم الیقین۔ عین الیقین اور حق الیقین کے اور عزت

اور صدیقیت خصال حمیدہ ان سب کو عطا فرمائی گئی ہیں اور پھر انکی نسبت ارشاد فرمایا ہے کہ اولئک الذین انعم اللہ علیہم من النبیّن من ذریۃ اٰدم وممن حملنا مع نوح ومن ذریۃ ابراھیم واسرائیل وممن ھدینا واجتبینا اذا تتلی علیہم ایات الرحمن خروا سجدا وبکیا (ترجمہ تفسیری) یہ وہ لوگ ہیں جنپر اللہ تعالیٰ نے اپنا انعام کر کے انکا اکرام کیا ہے آدم کی اولاد میں سے اور اُن لوگوں کی نسل ہیں جنکو ہم نے ہدایت اور یقین دیکر کشتی میں نوح کے ساتھ سوار کر لیا تھا اور ابراہیم و یعقوب کی نسل سے کر کے دین و دنیا کی عزت دی تھی اور اُن لوگوں میں سے ہیں جنکو ہم نے راہ راست دکھا کر صدیقیت کے مرتبہ پر منتخب فرمایا تھا اور انکا مرتبہ صدیقیت کا اس حد تک پہنچا ہوا تھا کہ جب اُنپر آیتیں خدائے رحمٰن کی تلاوت کیجاتی تھیں تو سجدہ میں گر پڑتے تھے اور روتے جاتے تھے۔ چونکہ یہ فضائل اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت و رحیمیت و ربوبیت سے انسان کو مرحمت ہوتی ہیں اور اب آنحضرت صلعم اور آپکے متبعین مومنین کیطرف اُس رحمٰن و رحیم کی رحمت اور ربوبیت بکمال درجہ متوجہ ہے لہٰذا فرمایا جاتا ہے کہ ان الذین اٰمنوا وعملوا الصلحات سیجعل لھم الرحمٰن ودّا یعنی بے شک جو لوگ ایمان لائے آنحضرت صلعم اور قرآن پر اور عمل نیک کیے بموجب فرمان کتاب و سنت کے اُنکے لیے وہ خدائے رحمٰن دوستی پیدا کر دیوگا۔ مراد یہ ہے کہ وہ رحمٰن و رحیم اُنسے ایسی محبت کریگا کہ جملہ فضائل مذکورہ جن کی طرف کھیٰعص مشعر ہے یعنی کرامت ہدایت یقین کے تینوں مرتبہ مذکورہ عزت اور صدیقیت عطا فرما دیوےگا اور اُنکے مخالفین کو ہلاک و تباہ کر دیوے گا جیساکہ فرمایا کہ وتنذر بہ قوما لدّا یعنی تاکہ ڈرا دو تم اس قرآن کے ساتھ جھگڑالو اور لڑاکا قوم کو آخر سورۃ تک چنانچہ اُنپر عذاب دنیوی ایسا ہی کچھ واقع ہوا جو بتواتر منقول ہوتا چلا آتا ہے خواہ بذریعہ قرآن مجید کے کہ اُسکا تواتر ہو یا بذریعہ اخبار کے پس ثابت ہوا کہ حروف مقطعات کھیٰعص میں صنعت براعت الاستہلال کے بھی حاصل ہے اور آیت نبوت ہونا بھی اُسکا واضح ہے وہو المطلوب۔

سورہ طٰہٰ اس سورۃ میں بھی علت فاعلی کیطرف بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے اشارہ کیا گیا ہے اور لفظ القرآن سے علت مادی مفہوم ہوتی ہے اور الا تذکرۃ لمن یخشٰی سے علت غائی معلوم ہوتی ہے اور تنزیلا ممن خلق الارض والسمٰوات العلی سے علت صوری اور طٰہٰ سے مراد طاہر و ہادی ہے جو آنحضرت صلعم کے صفات میں سے ہیں اس سورۃ میں حضرت موسیٰ کا قصہ بہت تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے کیونکہ آنحضرت صلعم بموجب سفر استثنا باب ۱۸ کے مثیل موسیٰ کے ہیں اور قرآن مجید نے بھی سورہ مزمل میں اس مماثلت کی تصدیق فرمائی ہے جیساکہ فرمایا انا ارسلنا الیکم رسولا شاھدا علیکم کما ارسلنا الیٰ فرعون رسولا فعصی فرعون الرسول فاخذناہ

اخذا وبیلا (ترجمہ تفسیری) یعنی اے منکرین تم جو مثل فرعون کے سرکشی کر رہے ہو اس لیے ہم نے تمہاری اس رسول کو تمہارے اوپر گواہ کر کے بھیجا ہے تاکہ تم پر اتمام حجت کر کے ہمارے مواخذہ کے لیے ایک گواہ ہو جاوے جیسا کہ فرعون کیطرف موسیٰ کو رسول کر کے بھیجا تھا سو فرعون نے اُسکی نافرمانی کی تھی اسلیے موسیٰ بھی فرعون کی نافرمانی کا گواہ ہو گیا تھا تب ہم نے اُسکو ایک بڑے وبال میں دھر پکڑا۔ چنانچہ جن مکذبین نے آنحضرت صلعم کو طاہر اور ہادی نہ مانا وہ دین و دنیا میں مثل فرعون اور فرعونیوں کے ہلاک و تباہ کیے گئے جیسا کہ ابوجہل کی نسبت یہ مقولہ مشہور ہے کہ مات فرعون ہٰذہ الامۃ پس آیت طٰہٰ کا براعت الاستہلال ہونا مع نشان نبوت کے ثابت ہوا وہو المدعا۔

سورۃ الشعراء[۱۶] طٰسٓمٓ سے شروع ہوئی ہے جس میں اشارہ ہے طرف پیشین گوئی سینین موسیٰ کے یا یوں کہو کہ طور سینین کے موعود محمدؐ نبی کیطرف اشارہ ہے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ فصل ۱۸ سفر استثنا میں آنحضرت صلعم کی بشارت مفصلاً مذکور ہے۔ جو طور سینین پر ہوئی تھی اور اُسی میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ اس نبی آخر الزماں کو نہ مانیگا وہ قوم میں سے ہلاک اور تباہ کر دیا جاویگا اور جملہ انبیائے بنی اسرائیل کے اور نیز اُنکے علما اور نیز حواریین حضرت عیسیٰ کے بھی اس نبی موعود کے منتظر رہے ہیں اور جو اہل کتاب یا اہالی مکہ وغیرہ آنحضرت صلعم کی تکذیب کے درپے ہوئے وہ ہلاک اور تباہ ہو گئے۔ چنانچہ اس سورۃ میں اُنکی ہلاکت کا ذکر فرمایا گیا ہے لہٰذا اس سورۃ میں اُسی پیشین گوئی کو یاد دلایا گیا ہے جو طور سینا پر حضرت موسیٰ نے بھی آگے بیان فرمائی تھی کما قال اللہ تعالیٰ وانہ لفی زبر الاولین۔ اولم یکن لہم اٰیۃ ان یعلمہ علماء بنی اسرائیل ولو نزلناہ علےٰ بعض الاعجمین فقرأہ علیہم ما کانوا بہ مؤمنین کذالک سلکناہ فی قلوب المجرمین لا یؤمنون بہ حتّٰی یروا العذاب الالیم فیاتیہم بغتۃ وہم لا یشعرون یعنی بیشک اس قرآن و رسول کی پیشین گوئی اگلے پیغمبروں کی کتابوں میں موجود ہے اسپر علاوہ یہ کیا لوگوں کے لیے اُسکی صداقت کا یہ نشان نہیں کہ بنی اسرائیل کے تمام علما اس پیشین گوئی کو جانتے ہیں اور اگر ہم اس قرآن کو بزبان عجمی عجمیوں پر اُتارتے اور وہ بزبان عربی اُسکو اُنپر پڑھتا تب بھی یہ لوگ اُسپر ایمان نہ لاتے اسی طرح پر تکذیب و انکار کو ہم نے مکذبین مجرمین کے دلوں میں داخل کر دیا ہے وہ ایمان نہیں لاویں گے جبتک عذاب دردناک کو نہ دیکھ لیویں اور دفعۃً اُنپر عذاب آجاوے اور اُنکو کچھ خبر نہ ہو۔ اس آیت میں اور اس کے اوپر کی آیات میں بھی آنحضرت صلعم کی حقیت نبوت پر چند دلایل قایم کیے گئے ہیں اوّل یہ کہ یہ قرآن بلسان عربی مبین ہے یعنی تھوڑے اور مختصر الفاظ میں تمام مقاصد دینیہ کو بیان کرنیوالا ہے اور وہ بھی کمال وضاحت کے ساتھ۔ دوم جو شخص اُسکے اس اعجاز بلاغت کو جو بسبب اُسکے زبان عربی مبین میں ہونیکے ہے نہ سمجھ سکے۔ اُس کے لیے یہ دلیل پیش کی کہ جسقدر کتابیں پہلے انبیا کی ہیں اُن سب میں اس قرآن اور رسول عربی کی پیشین گوئی موجود ہے اور

وقوع پیشین گوئی کا کسی کے حق میں جو ہزاروں برس کی ہو ایک بڑا ثبوت کامل ہے اُسکے منجانب اللہ ہونیکا
کیونکہ ایسی پیشین گوئی کا علم بجز اُس علام الغیوب کے طاقت بشری سے باہر ہے۔ سوم اگر کوئی شخص ایسا غبی ہو
کہ نہ اعجاز بلاغت قرآن مجید کو سمجھ سکے اور نہ اُسکو کتب سابقہ کی اطلاع ہو تو اُس کے لیے اُسکے صدق کی
کیا یہ دلیل نہیں ہے کہ علماء بنی اسرائیل مثل عبداللہ بن سلام اور اُنکا گروہ اور اکثر رہبان و احبار یہود و نصاریٰ کے
اُن بشارات کو جانتے ہیں اور ایمان بھی لے آئے ہیں اور بعض معاندین کی تکذیب اُس کے صدق کے لیے کچھ
مضر نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ تکذیب بسبب تعصب اور عناد مذہبی کے ہے کیونکہ مکذّبین کا عناد اسقدر بڑھا
ہوا ہے کہ اگر یہ قرآن عجمی زبان میں اُترتا اور وہ عجمی بغیر تعلیم عربی زبان کے اُسکو عربی میں بیان کرتا تب بھی
یہ معاند ایمان نہ لاتے اگرچہ اُنکے دلوں میں اُسکا صدق بہت جہتوں سے ہوتا۔ پس اسلیے ایسے معاندین بغیر
عذاب دیکھے ایمان نہیں لاینگے۔ چنانچہ وہ عذاب بغتۃً بصورت فتح بدر یا فتح مکہ وغیرہ کے آموجود ہوا اور
پیشین گوئی مندرجہ توراۃ وغیرہ اور نیز مندرجہ قرآن مجید پوری ہوگئی۔ اس بیان سے ثابت ہوا کہ طسٓمٓ
میں صنعت براعت الاستہلال کی بھی ہے اور نشان نبوت کا بھی موجود ہے۔ و ہو المدعا۔

سورہ نمل۔ طٰسٓ سے شروع کی گئی ہے۔ اس سورۃ میں علاوہ قصہ حضرت موسیٰ کے جنکے مثیل آنحضرت صلعم
ہیں حضرت سلیمانؑ کا قصہ بھی مفصلاً بیان فرمایا گیا ہے جس میں اشارہ اس طرف ہے کہ طور کے موعود نبی کو خلافت
اُن ملکوں کی بھی عطا ہوگی جو حضرت سلیمانؑ کے قبضہ میں تھے پس حرف طا سے اشارہ طور کیطرف ہوا اور
س سے اشارہ حضرت سلیمانؑ کی طرف ہوا۔ اور بیان کرنے قصہ سلیمانؑ سے مقصود دفع کرنا اُس استبعاد کا ہے
جو مخالفین بسبب ظاہری فقر و افلاس آنحضرت صلعم کے فتوحات اسلامیہ کو بہت بعید اور مستبعد سمجھتے تھے اور
نیز وہ مخالفین اپنی ناکامیوں اور نامرادیوں کو بسبب کثرت اپنی دولت اور قوت و شوکت کے قریب محال کے
جانتے تھے کما قال اللہ تعالیٰ ویقولون متیٰ ھٰذا الوعد ان کنتم صادقین قل عسےٰ
ان یکون ردف لکم بعض الذی تستعجلون (ترجمہ تفسیری) اور مخالفین کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب
پورا ہوگا اگر تم سچے ہو تو بتاؤ؟ اے پیغمبر تم اُنکو جواب دیدو کہ وہ عذاب تمہارے قریب آلگا ہے جسکے لیے تم جلدی مچا
رہے ہو۔ چنانچہ یہ پیشین گوئی آنحضرت صلعم کی حیات میں پوری ہوئی اور آپکے جانشینوں کے قبضہ میں بعہد
خلافت نبوت کے وہ ملک جو حضرت سلیمان کے قبضہ میں تھے مع بیت المقدس کے آگئے اس لیے طٰسٓ میں طور
کی پیشین گوئی بھی پوری ہوئی جسکا اعلام و الہام حضرت موسیٰ کو کیا گیا تھا اور نیز حسب الحکم آیت ولقد
کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون کے خلفا کے عہد
میں تمام ممالک بیت المقدس تک فتح ہوگئے جس بیت المقدس کو سلیمانؑ نے تعمیر کیا تھا اس لیے طٰسٓ میں

صنعت براعت الاستہلال کی بھی حاصل ہوئی اور آیت نبوت بھی ہوگئی و ہو المدعا۔

سورہ قصص[۱۸]۔ طٰسٓمّٓ سے شروع ہوتی ہے اس سورۃ میں حضرت موسیٰ کے واقعات من ابتدائے ولادت تا غرق فرعون بیان فرمائے گئے ہیں اور آنحضرت صلعم کی کامیابی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور مکذّبین کو فتوحات اسلامیہ سے انذار کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ سفر استثنا باب ۱۸ میں ثابت ہو چکا ہے کہ آپ مثیل موسیٰ ہیں تو بالضرور مثل موسیٰ کے کامیاب بھی ہونگے اور مخالفین آپکے بالضرور ہلاک تباہ ہو جاوینگے چنانچہ ایسا ہی کچھ واقع ہوا لہٰذا یہ سورۃ بھی طٰسٓمّٓ سے شروع کیگئی یعنی طور سینا کے موعود نبی محمد صلعم جنکی پیشگوئی موسیٰ نے کی اور اس پیشین گوئی کا انتظار خود حضرت عیسیٰ کو مع انکے حواریوں کو رہا تھا دیکھو یوحنا باب ۱۲۔ و لنعم ما قیل سہ مسیح از مقدم او مژدہ گوئی ؛ کلیم از مشعل او شعلہ جوئی۔
چنانچہ اس سورہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وما کنت ثاویاً فی اھل مدین تتلوا علیھم اٰیاتنا ولکنا کنا مرسلین وما کنت بجانب الطور اذ نادینا ولکن رحمۃ من ربک لتنذر قوماً ما اتٰھم من نذیر من قبلک لعلھم یتذکرون (ترجمہ تفسیری) اور تم مدین کے لوگوں میں رہنے والے نہیں تھے کہ تم نے انپر ہماری تعلیم کے ہماری آیتیں پڑھی ہوں ولاکن ہم تمکو اپنا رسول کرکے بھیجنے والے ہیں اور نہ تم طور کی کسی طرف موجود تھے کہ تم نے واقعات وحی موسیٰ کے بچشم خود دیکھے ہوں بلکہ یہ تمام حالات تمکو وحی کے ذریعہ سے بتائے گئے ہیں اور یہ رسالت تمہارے لیے تمہارے رب کی طرف سے بڑی رحمت ہے تاکہ ڈراؤ تم اس قوم کو جنکے پاس تم سے پہلے کوئی ڈرانیوالا نہیں آیا اور تاکہ تمہارے ڈرانیسے یہ لوگ نصیحت پکڑیں۔ اس آیت میں آنحضرت صلعم کی رسالت کی صداقت پر اسطرح پر استدلال فرمایا ہے کہ آنحضرت صلعم نہ تو مدین وغیرہ کے لوگوں میں بود و باش رکھتے تھے جنسے حضرت موسیٰ کے حالات ابتدائی اور واقعات انتہائی کے آپ پڑھ لیتے اور نہ ان پیشین گوئیوں تورات کی آپ کو خبر تھی جو آپکے دعوائے نبوت کی تصدیق کر رہی ہیں اور اُمّی ہونا آپ کا تو قطعی طور پر پہلے ہم ثابت کر چکے ہیں۔ پس بجز اس کے اور کوئی صورت نہیں ہو سکتی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ سے ہی رحمت کرکے آپ کو بھیجا ہے پس آپکا نبی موعود بنی اسمٰعیل سے ہونا ثابت ہوا جو برادران بنی اسرائیل کے ہیں اسلیے طٰسٓمّٓ کا براعت الاستہلال ہونا مع نشان نبوت کے بھی ثابت ہوا۔ و ہو المطلوب۔

سورہ یٰسٓ[۱۹] ۔ اس سورہ میں حرف یا خطاب کا ہے اور حرف س سے سید الانبیاء کیطرف اشارہ ہے اور اس دعوے پر یہ دلیل دیگئی ہے کہ والقراٰن الحکیم یعنی قسم ہے قرآن مجید کی جس میں سراپا حکمت اور دانائی کی باتیں ہیں چونکہ پہلی کتب انبیا میں یہ اعجاز فصاحت و بلاغت کا نہیں ہے جو قرآن مجید میں ہے یعنی انمیں نہ تمام انسانی قویٰ کی رعایت کرکے ایسے احکام صادر ہوئے ہیں جو قیامت تک کیا باعتبار زمانہ کے اور کیا بلحاظ جملہ ممالک دنیا کے اور کیا بلحاظ مکانوں مختلفہ کے جملہ مختلف استعداد انسانوں کے لیے حسب مقتضی حکمت کے ہوں مگر یہ قرآن مجید ایسا حکیم ہے کہ یہ جملہ امور دینی و دنیوی مختصر الفاظ میں مع تمام معارف اور حقایق دینیہ کے مشتمل ہے اس لیے بصفت حکیم متصف کیا گیا ہے اور آنحضرت صلعم

نے ایسے برکات قرآن حکیم کی وجہ سے تمام کمالات انسانیہ کے مراتب عالیہ پر اور فضائل بشریہ کے مدارج پر نہایت سرعت کے ساتھ ترقی فرمائی ہے کیونکہ جملہ مراتب قرب الٰہیہ کے لیے یہی قرآن مجید صراط مستقیم ہے اور ظاہر ہے کہ خط مستقیم ہی بہ نسبت باقی خطوط کے اقصر الخطوط ہوا کرتا ہے پس اس لیے آنحضرت صلعم سید الانبیا ہوئے۔ اب اس شبہ کو دفع کیا جاتا ہے کہ یہ ترقی درجات کی سیادت کے مراتب پر شاید وہبی نہو بلکہ کسبی ہو تو ارشاد ہوتا ہے کہ کسبی کیونکر ہو سکتی ہے بلکہ وہبی ہی ہے انک لمن المرسلین کیونکہ اتنی سی بعثت تمام ایسی ترقیات غیر متناہی کا حاصل کرنا دشوار کیا بلکہ محال تھا اور جن لوگوں کو یہ سیادت آپکی نظر نہیں آتی اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ اُنکے آگے اور پیچھے اوہام باطلہ اور خیالات فاسدہ کی دیواریں کھڑی ہیں اور اوپر سے عناد اور تعصب کی چھت سے پاٹکر ڈھانک دیئے گئے ہیں جیساکہ آگے کی آیات میں مذکور ہے اس لیے ایسے لوگ آپکی صراط مستقیم اور درجہ سیادت کو نہیں دیکھ سکتے آگے اس سورۃ میں اسی مقصود کے اثبات کے لیے امثال و نشانات و شواہد اور قصص عبرت انگیز اور منکرین کے اعتراضوں کے جواب ارشاد فرمائے گئے ہیں اور اُنکو دنیا اور نیز آخرت کے عذابوں سے انذار فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ مکذبین آپکے دنیا کے عذابوں میں تو مبتلا ہو چکے پس عذاب دنیوی آخرت کے عذابوں کے وقوع کے لیے بڑا ثبوت کامل ہے اور مومنین مخلصین جنھوں نے آنحضرت صلعم کی نبوت عامہ کو مع ایمان درجہ سیادت کے مان لیا وہ بھی کامیاب اور بامراد ہوگئے اور ہوتے جاتے ہیں اور ہو وینگے۔ پس اسلیے یٰسٓ میں صنعت براعت الاستہلال کی بھی حاصل ہوگئی اور آیت نبوت بھی ہوگئی۔ وہو المدعا۔ اور آپ کی سیادت کے فضائل میں جو احادیث صحاح وارد ہیں جیساکہ انا سید ولد آدم وغیرہ (رواہ مسلم وغیرہ وغیرہ من کتب الاحادیث) اُنکا ذکر ہم یہاں پر اس لیے نہیں کرتے کہ شاید سامعین کو طوالت سے ملالت ہو جاوے اور نیز ہمکو یہاں پر مقطعات سے براعت الاستہلال ہونیکا ثبوت قرآن مجید سے دینا ہے نہ احادیث سے اور یٰسٓ میں براعت کا ثبوت مع آیت ہونیکے نبوت کے لیے اس بیان سے بخوبی ثابت ہوگیا وبس وہو المطلوب۔

سورہ صٓ ۲۰ ـ والقرآن ذی الذکر۔ کفار کا مقولہ یہ تھا کہ آنحضرت صلعم نعوذ باللہ کذاب ہیں لہٰذا اس سورۃ میں آپ کا نبی صادق ہونا دلایل سے بیان فرمایا گیا ہے اسلیے صٓ والقرآن ذی الذکر اشارہ ہے آپکے نبی صادق ہونیکی طرف اور وہ واسطے واقع ہونے فتوحات اسلامیہ کے اس سورہ میں قصہ حضرت داؤد اور سلیمان وغیرہم کا بھی بطور نظیر اور شہادت کے ذکر فرمایا گیا ہے اور جو مخالفین تکذیب کے درپے ہیں اُنکو عذاب کے لیے انذار بھی فرمایا گیا ہے کما قال اللہ تعالیٰ جند ما ھنالک مھزوم من الاحزاب یعنی یہ ایک لشکر ہے شکست کھایا ہوا جو تمہاری مخالفت پر آمادہ ہو رہا ہے منجملہ اور مخالفان خدا کے۔ پس جیسے اوروں کو شکست واقع ہوئی ہے ویسی ہی انکو بھی شکست ہو ویگی اسی مدعا کے اثبات کے لیے

بطور شواہد کے چند اور قصص انبیاء علیہم السلام کے بھی بیان فرمائے گئے ہیں اور آخر سورۃ کو انذاری پیشگوئی فرما کر ختم کر دیا گیا ہے کہ ان ھو الا ذکر للعٰلمین ولتعلمن نبأہ بعد حین یعنی قرآن کچھ اور چیز نہیں ہے مگر تمام دنیا جہان کے لوگوں کے لیے ایک بڑا نصیحت نامہ ہے اور اُن کیلیے موجب شرف کا ہے جسکی حقیقت کچھ دنوں کے بعد تم معلوم کر لوگے۔ اب کس کو نہیں معلوم کہ ابتدا میں اسلام کیا تھا اور اہل اسلام کیا تھے اور پھر آنحضرت صلعم کی آخری حیات میں اور بعد خلافت نبوت کیا ہو گئے اور اسلام کیا ہو گیا اور اب اس آخری زمانہ میں اسلام بذریعہ مسیح موعودؑ کہاں سے کہاں تک پہنچ گیا اس لیے حرف صٓ اور والقراٰن ذی الذکر سے جو اشارہ آپکے صادق اور مرفوع الذکر ہونے پر کیا گیا تھا وہ کس زور و شور سے صادق و مصدوق ہو گیا پس حرف صٓ کا مع والقراٰن ذی الذکر کے باوجود موجود ہونے صنعت براعت الاستہلال کے آیت نبوت کا ہونا بھی ثابت ہو گیا وہو المطلوب اور مکذبین کا مقولہ کہ وقال الکافرون ھٰذا ساحر کذاب کیسا باطل اور سراسر کذب نکلا صدق اللہ تعالیٰ صٓ والقراٰن ذی الذکر۔ یعنی تم صادق نبی ہو قسم ہے قرآن صاحب شرف کی۔ ذکر کے معنے شرف کے بھی آتے ہیں۔

سورۃ مومن ؎ ۱۱ - یہ سورہ حٰمٓ سے شروع کی گئی ہے کیونکہ اکثر آیات میں اس سورۃ کی یہود کا رد موجود ہے اس لیے الواح موسیٰ کیطرف اس میں اشارہ کیا گیا ہے جو مسلمات یہود سے ہے اور قرآن مجید میں اکثر تورات اصلی کو الواح موسیٰ کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے کما قال اللہ تعالیٰ وکتبنا لہ فی الالواح من کل شیءٍ موعظۃ وتفصیلا لکل شیءٍ اور ہم نے موسیٰ کے لیے ہر ایک شے سے جو متعلق آنحضرت صلعم کے ہے، مثلاً نصیحت لکھدی تھی اور ہر ایک شے کی اس میں تفصیل تھی یعنی الواح موسیٰ میں آنحضرت صلعم کی تمام بشارات موجود تھیں۔ ایضاً قال تعالیٰ والقی الالواح واخذ براس اخیہ یجرہ الیہ یعنی اور موسیٰ نے تختیوں کو ڈال دیا اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے۔ ایضاً قال تعالیٰ ولما سکت عن موسیٰ الغضب اخذ الالواح اور جب موسیٰ سے غصہ فرو ہو گیا تو تورات کی تختیوں کو اُٹھا لیا۔ الغرض چونکہ تورات تختیوں پر لکھی ہوئی تھی اس لیے قرآن مجید نے اُسکو الالواح سے تعبیر فرمایا ہے۔ پس اس لیے یہاں ح سے مراد الواح اور م سے مراد موسیٰ ہیں۔ چونکہ آنحضرت صلعم کی بشارات و دلائل نبوت الواح موسیٰ میں بکثرت موجود تھیں اور اب تک موجود ہیں باوجودیکہ یہ تورات اصلی الواح نہیں لہٰذا بخطاب یہود اُنکی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کما قال اللہ تعالیٰ وقال رجل مؤمن من اٰل فرعون یکتم ایمانہ اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ وقد جاءکم بالبینات من ربکم وان یک کاذبا فعلیہ کذبہ وان یک صادقا یصبکم بعض الذی یعدکم ان اللہ

لا یھدی من ھو مسرف کذاب یعنی اور ایک مرد نے فرعون کے لوگوں میں سے جو اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھتا تھا کہا کہ کیا تم ایسے مرد کو قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ صرف خدا ہی کو اپنا رب بتلاتا ہے حالانکہ وہ لایا ہے تمھارے پاس کھلے نشانات تمھارے رب کی طرف سے اگر بالفرض باوجود ان بینات کے جھوٹا بھی ہو تو جھوٹ کا وبال اُسی پر پڑیگا۔ اور اگر سچا ہے تو جس عذاب کا تمکو وہ وعدہ کرتا ہے کوئی نہ کوئی عذاب تمپر آرہے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنیوالے جھوٹے کو کامیابی کی راہ ہدایت نہیں کیا کرتا ہے۔ اس آیت میں وہ استدلال نقل فرمایا گیا ہے جو ایک فرعون کے معزز ملازم نے فرعون سے بطور معارضہ کے حضرت موسیٰ کے صدق نبوت پر استدلال کیا تھا جبکہ فرعون نے حضرت موسیٰ کے قتل کرنیکا عزم بالجزم کرلیا تھا اور یہ قصہ اُسکا اس سے پہلی آیت میں مذکور ہے تقریر اس معارضہ کی یہ ہے کہ موسیٰؑ کے دو دعوے یا دو قول ہیں اول تو وہ ہر بات پر کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہی ہے دوسرا قول اُسکا دعویٰ رسالت کا ہے۔ اور فرعون بھی دعویٰ ربوبیت کا اپنے لیے کرتا ہے پہلا قول موسیٰؑ کا عقل سلیم کے نزدیک بہت صحیح معلوم ہوتا ہے اور فرعون کا دعویٰ غیر صحیح ہے کیونکہ انسان جو خود ہزاروں ضرورتوں کا محتاج ہے اُس کے لیے ربوبیت عامّہ کی صفت کیونکر حاصل ہو سکتی ہے پس اس قول پر تو موسیٰ کا قتل کرنا ہرگز نہیں چاہیئے اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ۔ اور دوسرے دعوے رسالت پر اُس سے معجزات بینات ظاہر ہوتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ معجزات اُس کے رب کی طرف سے صادر ہوئے ہیں کیونکہ اگر وہ معجزات طاقت انسانی میں ہوتے تو فرعون بھی اُسکا معارضہ بالفرور کرسکتا مگر وہ فرعون اُن معجزات میں سے کسی ایک کا بھی معارضہ بطور غلبہ کے نہیں کرسکا پس ظاہر ہے کہ موسیٰ کے رب نے اُن معجزات کے ذریعہ اُس کی تصدیق کردی ہے اگر باوجود اس تصدیق کے بفرض محال اس دعویٰ میں وہ جھوٹا بھی ہو تو اُس کے ماننے میں ہمارا تمھارا کوئی حرج نہیں کیونکہ تم اپنے رب کے روبرو یہ عذر کرسکتے ہو کہ اے پروردگار تُو نے اُسکے ہاتھ پر معجزات ظاہر فرماکر اُس کی تصدیق کردی تھی وقد جاءکم بالبینات من ربکم۔ اور اگر وہ اس دعوے رسالت میں سچا ہے کیونکہ معجزات اُسکی تصدیق کر رہے ہیں تو پھر جن عذابوں کی تمھارے لیے وہ پیشین گوئی کرتا ہے تو اگر وہ سب نہیں تو بعض عذاب تو تمکو ضرور پہنچ ہی رہیں گے کیونکہ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ درصورت صدق دعوے رسالت کے کوئی عذاب اُن عذابوں میں سے نہ پہنچے جن سے وہ انذار کرتا ہے کیونکہ پھر تو رسالت ہی لغو اور بیفایدہ ہوجاویگی لہٰذا خلاف پھر ایسے رجل عظیم الشان کا قتل کرنا کسی صورت میں ہرگز نہیں چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس استدلال کو بمقابلہ یہود اور ان لوگوں کی نقل فرمایا ہے جو آنحضرت صلعم کے قتل کا ارادہ کر رہے تھے اُنکو یہ استدلال مومن آل فرعون کا یاد دلایا ہے تاکہ اس استدلال سے جو اُنکی کتابوں میں مختصراً مذکور ہے (جیساکہ فصل ۱۰ ورس ہفتم خروج میں اجمالاً مع بینات موسوی کے مذکور ہوا ہے)

آنحضرت صلعم کے دعویٰ رسالت کو تسلیم کر لیویں اور آنحضرت صلعم کو خوشخبری نصرت کی بھی بیان فرمائی ہے کیونکہ سچے نبی کی یہی نصرت الٰہی بڑی نشانی ہے کما قال اللہ تعالیٰ انا لننصر رسلنا والذین اٰمنوا فی الحیوٰۃ الدنیا یعنی ہم اپنے رسولوں کی اور جو اُن پر ایمان لائے دنیا میں بھی مدد کرتے رہتے ہیں اور مکذبین کے لیے یہ انذار فرمایا گیا کہ الذین کذبوا بالکتاب وبما ارسلنا بہ رسلنا فسوف یعلمون ۝ یعنی جن لوگوں نے جھٹلایا کتاب اللہ کو اور اُن بشارتوں نبی عربی کی تکذیب کی جنکو ہم نے اپنے پیغمبر و نکی معرفت بھیجا ہے سو بالآخر اس تکذیب کا نتیجہ وہ جان لیویں گے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ الواح موسیٰ میں جو جو بشارتیں نبی آخر الزمان کی مذکور تھیں یا آپ کی نبوت پر استدلال جو الواح موسیٰ سے مستنبط ہوتا تھا اس سورۃ میں وہ اکثر یاد دلائی گئی ہیں اور مکذبین کو تکذیب کے نتایج سے آگاہ کیا گیا ہے اور یہ جملہ انذار و بشارات مذکور کامل طور پر وقوع میں آچکے۔ اس لیے حٰمٓ میں صنعت براعت الاستہلال کی بھی حاصل ہوگئی اور نشان نبوت بھی جو آیت کے معنے ہیں حاصل ہوا۔ وہو المطلوب ہم نے اس آیت کی تفسیر مفصل اخبار الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳ میں بھی کی ہے فلیرجع الیہ۔

سورۃ السجدہ [۲۲] - یہ سورہ بھی حٰمٓ سے شروع کی گئی ہے اس سورہ میں بھی اشارہ الواح موسیٰ کی طرف اوّل ہی سے کیا گیا ہے کیونکہ فصل ۱۸ سفر استثنا میں جو لکھا ہوا ہے القندکلامی فی فمہٖ اس سے ظاہر ہے کہ تلقین کسی کلام کے دفعۃً نہیں ہوسکتی بلکہ پارہ پارہ کلام یعنی آیت آیت سے متفرق طور پر ہوسکتی ہے اسی نکتہ کیطرف اس آیت میں اشارہ فرمایا گیا ہے کہ کتاب فصلت اٰیاتہ یعنی یہ کتاب ہے کہ آیات اُس کی جدا جدا مفصل بیان کیگئی ہیں۔ پھر اُسی میں لکھا ہے کہ قوم بنی اسرائیل کے بھائیوں میں یعنی جو بنی اسمٰعیل ہیں وہ نبی موعود مبعوث ہوگا اور ظاہر ہے کہ بنی اسمٰعیل کی زبان عربی ہے تو اُس کتاب کا عربی میں ہونا بھی ضروری ہوا تاکہ اُس کتاب کے سمجھنے میں قوم عرب کو کوئی دِقت واقع نہ ہووے اس لیے فرمایا گیا قراٰنا عربیا چونکہ اُسی کتاب مذکورہ میں یہ بھی لکھا تھا کہ اُس نبی موعود کے مخالفین ہلاک و مستاصل ہوں گے اس لیے فرمایا گیا بشیرًا و نذیرًا چنانچہ اُس نبی موعود کے زمانہ بعثت میں وہ وعدہ و بشارت مومنین کے حق میں اور وعید و انذار مخالفین کے حق میں پورے طور پر واقع ہوگیا۔ علاوہ اسپر فصل ۲۱ یشعیا میں لکھا ہے کہ نبوت عرب اور بنی قیدار میں ہوگی۔ اسی طرح پر اس سورۃ میں اکثر جگہ پر الواح موسیٰ کیطرف بھی اشارات ظاہرہ کیے گئے ہیں اس لیے حا سے مراد الواح اور میم سے موسیٰ مراد ہیں پس اس بیان سے حٰمٓ کا صنعت براعت الاستہلال کا ہونا مع نشان نبوت کے واضح ہوگیا وہو المطلوب۔ مگر غور کرنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ اکثر آیات اس سورۃ میں الواح موسیٰ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے مثلاً آیت ان الذین

کفروا بالذکر لما جاءھم وانہ لکتاب عزیز لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید ۰ بہ تحقیق جن لوگوں نے کفر کیا ساتھ اس قرآن کے جو یاد دلانیوالا ہے جبکہ وہ آگیا اُنکے پاس اور بے شک وہ بڑی عزت والی کتاب ہے نہیں آسکتا ہے باطل اُسکے آگے سے اور نہ اس کے پیچھے سے اُتاری ہوئی ہے یہ کتاب حکمت والے سراہے گئے کی طرف سے۔ لفظ ذکر کا اگرچہ مصدر ہے مگر اس سے مبالغۃً مذکّر مراد ہے یعنی یاد دلانیوالی اُن پیشین گوئیوں کو جو الواح موسیٰ میں لکھی ہوئی ہیں۔ عزت والی اسوجہ سے کہ باوجود امتداد زمانہائے دراز کے اور ہوجانے تراجم مختلفہ کتاب تورات کے اور وقوع حوادث شدیدہ کے یہ پیشین گوئیاں الواح موسیٰ یعنی تورات موجودہ میں ابتک موجود ہیں اگر اُس عزیز و غالب کی طرف سے نہ ہوتیں تو باوجود حوادث مذکورہ کے وہ پیشین گوئیاں کیونکر قایم رہ سکتیں۔ اور اُس میں یہ بھی لکھا تھا کہ جھوٹا نبی ہلاک کیا جاویگا خواہ اُسکے روبرو ہو یا اُس کے پیچھے یہی صفت اس کتاب میں موجود ہے لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ دیکھو مسیلمہ کذاب وغیرہ متنبی کیسے ہلاک ہوئے پھر دیکھو اس سورۃ میں کیا کیا عجائب غرائب امور حکمت الٰہی اور حمد الٰہی کے مختصر الفاظ میں پائے جاتے ہیں پس ثابت ہوا کہ تنزیل من حکیم حمید ہی ہے لاغیر بہرحال حٰمٓ یعنی یہ سورۃ الواح موسیٰ کو یاد دلانے والی ہے پس اسلیے حٰمٓ میں بڑا عنا الاستہلال مع نشان نبوت کے حاصل ہوگئی۔

سورۃ شوریٰ۔ حٰمٓ ۰ عٓسٓقٓ عین عظمت یا عزت سے لیا گیا س سُوَر سے ماخوذ ہے ق قرآن کی طرف اشارہ ہے یعنی عزت اور عظمت سُوَر قرآن کی الواح موسیٰ میں مذکور ہے واضح ہو کہ فصل ۳۳ سفر استثنا میں آنحضرت صلعم کو خداوند کر کے لکھا ہے جہاں پر فاران کو آپکا مستقر قرار دیا گیا ہے بعض یہود نے آپ کو اس پیشین گوئی کا مصداق اس لیے قرار نہ دیا کہ وہ کم فہمی سے اسکا مطلب یہ سمجھے کہ خود خدا ہی آویگا اُن کو یہ بڑا دھوکہ ہوا کہ حضور صلعم تو بشر ہیں اور فصل ۳۳ میں خدا کا آنا لکھا ہے فاین المصداق۔ حالانکہ یہ بھی اُنکو معلوم تھا کہ کسی رسول یا نبی کو یہ امر ہرگز ہرگز نہیں پہنچتا کہ اپنے تئیں خدا کہے۔ پس مراد الٰہی اس پیشین گوئی سے صرف یہی تھی کہ اُسپر کلام الٰہی کی تجلی ہوویگی جو بصورت سُوَر قرآنی کے اُسپر وہ تجلی الٰہی نازل ہوویگی۔ اور آنحضرت صلعم اُن صفات الٰہیہ کے لیے تجلی گاہ ہوویں گے جو اس سورۃ میں مذکور ہیں جیساکہ عزیز حفیظ علی قدیر عظیم ولی نصیر قوی وغیرہ وغیرہ یعنی آپ مع آپکی کتاب کے عزت علو عظمت وغیرہ میں جملہ انبیاء سے زیادہ تر اور بڑھکر ہوویں گے یا مثلاً سمیع بصیر علیم خبیر لطیف وغیرہ وغیرہ صفات الٰہیہ جو اس سورۃ میں مذکور ہیں وہ سب آپکی طرف متوجہ ہونگے

اس لیے کوئی حرکت اور سکون آپ کے مخالفین کا ایسا نہیں ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے علم سے پوشیدہ رہ سکے اور اس کی سزا واقع نہ ہو یا مومنین مخلصین کے اعمال صالحہ اور نیات صحیحہ میں سے کوئی عمل صالح اور نیت خالص اور نیک مخفی نہیں رہیگا جسکا اجر اُنکو نہ دیا جاویگا یا مثلاً صفات رب غفور رحمٰن رحیم شاکر حمید وغیرہ وغیرہ جو اس سورۃ کے اندر مذکور ہیں وہ سب آپکی طرف اور نیز آپ کے متبعین کیطرف متوجہ ہوویں گی کہ جو بشریت کی کمزوریاں ہیں وہ سب حسب مقتضئی ان صفات کے معفو یا مغفور ہوجاوینگی اور آپکے مساعی اور کوششیں مقبول درگاہ الٰہی ہو کر منتج نتائج عمدہ کے لیے ہوونگی جس سے ہمیشہ انوار عزت وعظمت آپکی اور سور قرآنیہ کی فاران سے چمک کر قیامت تک تمام دنیا میں روشن وتاباں رہیں گی اور اُن لوگوں کو جو مومنین مخلصین ہیں مدام روشن وتاباں کرتے رہیں گے اور یہی مراد الٰہی تھی نزول خداوند تعالیٰ سے فاران میں اس سے زیادہ عظمت وعزت آپکی اور سور قرآنیہ کی اور کیا ہوتی۔ لہٰذا اس غلطی مذکورہ میں یہود وغیرہ پڑ کر ہلاک اور تباہ ہوگئے۔ پس جبکہ حٰمٓ عٓسٓقٓ دونوں مقطعات اُن مقاصد کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ جو اس سورہ شوریٰ کے اہم المقاصد سے ہیں لہٰذا ہر ایک کلمہ یعنی حٰمٓ اور نیز عٓسٓقٓ جدا جدا نشان نبوت کا ہوگئے مع حصول صنعت براعت الاستہلال کے۔ وہو المطلوب۔

سورہ زخرف [۲۴]۔ یہ سورہ بھی حٰمٓ سے شروع ہوئی ہے اس سورۃ میں حا حواریین سے لی گئی ہے اور میم مسیح سے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ حواریین مسیح نے دوسرے مسیح کے آنیکی پیشین گوئی بعد آنحضرت صلعم کے دولت اسلامی میں آخر زمانہ کے لیے کی ہے جیسا کہ دلیل نمبر اول میں مبرہن بہ تفصیل گذر چکا (فلیرجع الی ریویو جلد ۵ نمبر ۱۱) اس سورۃ میں بھی مثیل ابن مریم کا آنا آخری زمانہ میں اشراط قیامت سے گردانا گیا ہے چنانچہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ان هو الا عبد انعمنا علیه وجعلناه مثلاً لبنی اسرائیل ولو نشاء لجعلنا منکم ملائکة فی الارض یخلفون ۞ وانه لعلم للساعة فلا تمترن بها واتبعون هذا صراط مستقیم ولا یصدنکم الشیطان انه لکم عدو مبین ولما جاء عیسی بالبینات قال قد جئتکم بالحکمة ولابین لکم بعض الذی تختلفون فیه فاتقوا الله واطیعون ان الله هو ربی وربکم فاعبدوه هذا صراط مستقیم فاختلف الاحزاب من بینهم فویل للذین ظلموا من عذاب یوم الیم هل ینظرون الا الساعة ان تاتیهم بغتة وهم لا یشعرون [۲۵ پ ۱۲] اور البتہ وہ ابن مریم جو مثل ہے بنی اسرائیل کے لیے ساعت قیامت کے لیے دلیل یا نشانی ہے۔ پس مت شک کرو تم اس کی عبودیت میں اور میرا اتباع کرو یہی

* ترجمہ اسکا آگے آویگا۔ منه

صراط مستقیم ہے اور نہ روکے تم کو شیطان اس صراط مستقیم سے بہ تحقیق وہ تو تمہارا دشمن کھلا ہوا ہے اور جب عیسیٰ کھلے نشان لیکر آیا تھا تو اُس نے کہا تھا کہ میں تمہارے لیے حکمت اور دانش کی باتیں لیکر آیا ہوں اور تاکہ بیان کروں میں بطور فیصلہ قطعی کے وہ باتیں جنہیں تم سخت اختلاف کر رہے ہو پس ڈرو اللہ سے اور میری اطاعت کرو بے شک اللہ ہی میرا اور تمہارا پروردگار ہے تو صرف اسی کی عبادت کرو یہی صراط مستقیم ہے تب بہت سے گروہ در گروہ باہم اپنی طرف سے اُس سے اختلاف کرنے لگے پس اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے ظلم کیا افسوس ہے عذاب دن دردناک سے۔ کیا یہ لوگ اس ساعۃ کا انتظار کر رہے ہیں جو اُنپر یکایک آجاویگی اور اُنکو خبر بھی نہ ہوویگی **ف** انّہٗ کی ضمیر کو ہم نے اُس ابن مریم کی طرف راجع کیا ہے جو مثل ہے یعنی ضرب المثل کا مصداق ہے۔ کیونکہ اوپر کی آیات میں ابن مریم کے لیے دو جگہ پر لفظ مثل کا موجود ہے اولاً ولما ضرب ابن مریم مثلاً اور ثانیاً ان ھو الا عبد انعمنا علیہ وجعلناہ مثلاً لبنی اسرائیل۔ اور جبکہ بیان کیا گیا ابن مریم بطور مثل کے نہیں ہے ابن مریم مگر ایک بندہ جسپر ہم نے انعام کیا اور گردانا ہم نے اُسکو مثل واسطے بنی اسرائیل کے۔ اب مثل کے معنے سمجھنے چاہئیں تفسیر کبیر میں لکھا ہے المثل فی اصل کلامھم بمعنے المثل وھو النظیر ویقال مِثْلٌ ومَثَلٌ ومَثِیْلٌ سِبْہٌ وشَبَہٌ وشَبِیْہٌ۔ ان آیات مذکورہ میں یہ تصریح نہیں فرمائی گئی کہ ابن مریم کو جو بنی اسرائیل کے لیے یہاں پر مثل قرار دیا گیا وہ کس امر میں مثل تھے۔ اندک غور کرنیسے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ سلسلہ خلافت نبوت کا حضرت ابن مریم پر ختم ہو گیا تھا اس لیے وہ خاتم انبیاء بنی اسرائیل ہونے میں مثل ہوئے جیسا احادیث سے بھی یہ امر یعنی زمانہ فترت رسل کا مابین ابن مریم و آنحضرت صلعم کے ثابت ہوتا ہے اور یہی سِر تھا اُنکے بغیر باپ کے پیدا ہونے میں۔ چونکہ ابن مریم کے بغیر باپ کے پیدا ہونے [illegible] الفخر [illegible] کا بیان [illegible] تھا کہ ابن مریم میں تو قوت ملکیت و روحانیت کی بہ نسبت دیگر عباد اللہ مقربین کے زیادہ معلوم ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ومریم ابنت عمران التی احصنت فرجھا فنفخنا فیہ من روحنا یعنی سچے مومنوں کے لیے اللہ تعالیٰ مریم بیٹی عمران کے مثل بیان فرماتا ہے جنہوں نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا تو پھر ہمنے اُنکے پیٹ میں اپنی روح پھونک دی پس اس نفخ روح سے ثابت ہے کہ ملکیت اُنہیں زیادہ تھی۔ تو پھر آخر زمانہ اُمت محمدیہ میں ابن مریم کا کوئی مثیل کیونکر ہو سکتا ہے اور وہ ملکیت اور روحانیت جو مثل ابن مریم کی ہو اُمت محمدیہ میں کیونکر پیدا ہو سکتی ہے تو اُسکا جواب اولاً اللہ تعالیٰ نے اسی جگہ پر یوں ارشاد فرمایا ہے ولو نشاء لجعلنا منکم ملائکۃ فی الارض یخلفون مطلب یہ ہے کہ اے اُمت

محمدیہ تمھارا درجہ تو ہم نے بہت بڑا عالی کیا ہے اس لیے اگر ہم چاہیں تو ایک ابن مریم کیا بہت سوں کو تم میں سے ابن مریم سے بڑھکر فرشتے کردیویں کہ وہ زمین میں خلافت و امامت کرتے رہیں ثانیاً علاوہ اسپر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس شبہ فاسدہ کے دفع کرنیکے لیے ابن مریم کو اسجگہ پر مثل بھی قرار دیا ہے اور لفظ مثل یا مثل یا مثیل کا بالضرور تعدد کو چاہتا ہے اور وجود تعدد کے لیے ہی یہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں بغیر وجود تعدد کے یہ الفاظ مثیل وغیرہ استعمال نہیں ہو سکتے چونکہ اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے اس لیے جانتا تھا کہ خود اہل اسلام میں بھی ابن مریم کی نسبت ایسی ایسے خیالات فاسدہ پیدا ہو جاویں گے جو موہم ہونگے ابن مریم کے تفرد اور توحد پر بعض صفات ملکیت کے لیے اس لیے اس علیم و حکیم نے اسجگہ پر ابن مریم کو بلفظ مثل ارشاد فرمادیا تاکہ اس خیال تفرد کا قلع اور قمع ہو جاوے اور کوئی ایسی خصوصیت ابن مریم کے لیے باقی نہ رہے کہ وہ دوسرے انبیا یا اولیا امت محمدیہ سے ممتاز شمار کیا جاوے۔ اور پھر اس آیت میں امت محمدیہ کیلیے وہ مراتب عالیہ اسجگہ پر بیان فرمادیئے کہ ایک ابن مریم کیا بہت سے امتی ابن مریم سے بڑھکر ہو سکتے ہیں یعنی اس سے بڑھکر بمنزلہ ملائکہ کے ہو سکتے ہیں دیکھو فصل ۳۳ سفر استثنا درس دوم کہ جس میں دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آپکا آنا لکھا ہے۔ الحاصل جبکہ لفظ مثل کے لیے تعدد ضروری ہوا تو ابن مریم بمنزلہ ایک قول دائر سائر کے ہوگیا جسکو مثل کہتے ہیں اس لیے اس مثل کے لیے امت محمدیہ میں سے ایک فرد کامل کو آخر زمانہ میں حسب آیات زیر تفسیر مبعوث فرمایا جاویگا جسکی نسبت ارشاد ہے وانہ لعلم للساعۃ یعنی بے شک وہی مثل بنی اسرائیل کا جو ابن مریم ہے ساعۃ قیامت کے لیے ہمارے علم ازلی میں ایک دلیل اور نشان مقرر ہو چکا ہے جو آخر زمانہ میں ایک مسیح غلام احمد فرد کامل اس مثل کا مصداق ہوگا تاکہ ہمارے فعل سے بھی اسکا تعدد ثابت ہو جاوے۔ کیا خوب کہا خود حضرت ابن مریم موعود نے ؎ حاذق طبیب پاتے ہیں تم سے یہی خطاب ٭ خوبوں کو بھی تو تمنے مسیحا بنا دیا ٭ کیا شک ہے ماننے میں تمھیں اس مسیح کے جس کی مماثلت کو خدا نے بتا دیا ٭ کیونکہ آیت زیر تفسیر سے مماثلت کا ثبوت بخوبی ہو گیا۔ اور جو ضمیر فلا تمترن بھا میں ہے اسکا مرجع عبودیت ابن مریم ہے کیونکہ وہی مرجع پہلے اس سے قریب مذکور ہوا ہے جو ان ھو الا عبد انعمنا علیہ سے سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس آیت میں عبودیت ابن مریم کو بڑی تاکید کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جو مقتضی حصر کا ہے یعنی نفی و اثبات کا مقتضی جو حصر کے لیے ہوتا ہے۔ اس لیے اسی کی طرف ضمیر بھا کا رجوع ہونا ضروری ہوا اور پھر تاکید پر تاکید یہ فرمائی گئی کہ واتبعون یعنی تم نصاریٰ کی پیروی مت کرو جو ابن مریم میں صفات الوہیت ثابت کر رہے ہیں بلکہ میری پیروی کرو اور پھر ارشاد فرمایا کہ یہی صراط مستقیم ہے جو بحکم خیر الامور اوسطھا کے متوسط ہے درمیان عقیدہ نصاریٰ اور عقیدہ یہود کے جو ابن مریم کے نعوذ باللہ ولد الزنا ہونے کے قائل ہیں۔ پھر اس کے آگے ارشاد ہوا کہ شیطان تمکو اس عقیدہ صحیحہ سے روکے گا ایسا نہ ہو کہ شیطان تمکو وساوس میں ڈالکر روک دیوے اور تم اجماع نصاریٰ اور بلکہ اجماع عوام مسلمین کے مخالف ہوئے جاتے ہو کیونکہ شیطان تو تمھارا کھلا ہوا دشمن ہے اس لیے اسکا اتباع مت کرو کہ اسکے مخالف عقیدہ میں اللہ تعالیٰ کی توحید فوت ہوئی جاتی ہے الحاصل ان آیات میں آخری زمانہ کے ابن مریم کا ذکر فرمایا

گیا ہے اور چونکہ وافعات واالہامات نے یہ شہادت دیدی ہے کہ مسیح موعود کو اوّلاً بخطاب مریم مخاطب کیا گیا اور بعد نفخ روح یعنی واقع ہونے الہامات کے اُسکو بخطاب ابن مریم مخاطب کیا گیا ہے دیکھو براہین احمدیہ کو۔ اس لیے ان آیات میں جو آخری ابن مریم کی پیشین گوئی ہے اُسکو صرف بنام ابن مریم ہی اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے نہ بنام عیسیٰ کے جو خاص اسکا علم یعنی ابن مریم کا ہات اگلی آیات میں جو پہلے ابن مریم کی بعثت کا ذکر فرمایا ہے اُن آیات میں اُسکو علم کے ساتھ ذکر کیا اور منجملہ سوانح مہمہ پہلے ابن مریم کے اُنہیں سے اُن حالات مہمہ کیساتھ ابن مریم کو ذکر فرمایا جو آخری ابن مریم کے پیش آنیوالے تھے تاکہ اہل بصیرت اس امر کو بخوبی سمجھ لیویں کہ بالضرور عیسیٰ محمدی اکثر صفات میں مثل اُسی ابن مریم ہوگا جو بنی اسرائیل کے اپنے قول فعل دائرہ سائر کے شہرت پارہا تھا اور عجیب لطف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابن مریم کو جو یہاں مثل قرار دیا تھا اُس کی صداقت کے اثبات کیلیے تمام شعرا اور نا نثر و نکے اذہان کو بھی اسطرف متوجہ کر دیا کہ وہ اپنے اشعار و نیز نثروں میں خوباں جہانکو مسیح ابن مریم کے ساتھ تمثیل دیتے ہیں ع خوبوں کو بھی تو تم نے مسیحا بنا دیا ۔ پس یہ قول اور فعل الٰہی کیا مسیح ابن مریم کے ابطال الوہیت کے لیے کافی نہیں؟ بالضرور کافی ہے ایسا ہی سوانح ابن مریم میں سے اب وہ سوانح بیان فرمائے جو آخری مسیح کے لیے وقوع میں آنیوالے تھے ۔ چنانچہ اوّلاً اسکے بیّنات کا ذکر فرمایا کیونکہ آخری ابن مریم کو صدہا واقع نشانات اور بیّنات عطا فرمائے گئے ہیں کما قال اللہ تعالیٰ **ولما جاء عیسیٰ بالبینات** پھر جو حکمت اور دانش کی باتیں علاوہ الفاظ ظاہری تورات کے اُسکو دیگئی تھیں اُن کو بیان فرمایا **قال قد جئتکم بالحکمۃ** اس لیے کہ آخری مسیح کو حکمت یعنی حقایق اور معارف قرآنی دیئے گئے ہیں **ومن یؤتی الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیرا** پہلے مسیح کے وقت میں اہل کتاب یہود و نصاریٰ میں باہم سخت اختلافات واقع ہو رہے تھے اور باہم ایک فریق دوسرے فریق کو کافر قرار دے رہا تھا وہی آخری مسیح کے وقت میں علما اور اہل مذاہب اسلامیہ کا حال طابق النعل بالنعل تھا اس لیے اُسکو حکم عدل کر کے مبعوث فرمایا کما قال **ولابین لکم بعض الذی تختلفون فیہ** پہلے مسیح کیوقت میں تقویٰ اللہ کا نام و نشان اہل کتاب میں باقی نہ رہا تھا یہاں پر بھی بسبب بُعد زمانہ خیر القرون کے کوئی شِقّ تقویٰ اللہ کی باقی نہ رہی تھی اس لیے ارشاد ہوا کہ **فاتقوا اللہ** یعنی اس اختلاف اور تکفیر باہمی وغیرہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور ایسی جرأت گستاخانہ نہ کرو اور جملہ امور میں افراط و تفریط کو ترک کر کے میری اطاعت کرو کما قال **واطیعون** اور پہلے مسیح میں مثل نصاریٰ کے وہ صفات ثابت نہ کرو جس سے اُسکا رب ہونا لازم آجاوے جیسا کہ نصاریٰ کا عقیدہ ہے کہ ربنا المسیح و نعوذ باللہ منہ کیونکہ **ان اللہ ھو ربی و ربکم** اور عبادت خالص اُسی کی کرو۔ یہی اُس پہلے مسیح کی تعلیم تھی اور اس مسیح آخری کی بھی یہی تعلیم ہے کما قال **فاعبدوہ** ۔ پہلے مسیح نے اپنی اس تعلیم کو (کہ نہ مجھ میں کوئی صفت ربوبیت کی ہے اور نہ میں اُن عیوب کفر وغیرہ کے ساتھ متہم ہوں جو یہود مجھ پر لگاتے ہیں) صراط مستقیم فرمایا کہ **ھٰذا صراط مستقیم** وہی مقولہ مسیح موعود آخری زمانہ کا ہے جو فرما رہا ہے کہ **ھٰذا**

صراط مستقیم یعنی یہ تمہارا افراط ہے کہ پہلے مسیح کو صفات ربوبیت کے ساتھ متصف کررہے ہو اور آخری مسیح کو کافر بلکہ اکفر دجّال کذّاب کہکر تفریط کے گڑھے میں گر رہے ہو یہ صراط مستقیم نہیں ہے بلکہ کتاب و سنت کے بالکل مخالف ہے اگرچہ تم اپنے خیالات کی سند میں اجماع کو پیش کرو کیونکہ کوئی اجماع بغیر سند کتاب و سنت کے مستند نہیں ہو سکتا باوجودیکہ ان مسائل میں اجماع بھی ہرگز نہیں صرف تمہارے آپس کے خیالات مختلفہ و متشتتہ ہیں اور وہ بھی نہایت دور از عقل اور پھر مختلف ہیں کما قال فاختلف الاحزاب من بینھم یعنی وہ اقوال مختلفہ تمہاری طرف سے پیدا ہوئے ہیں نہ کتاب و سُنّت صحیحہ کے منشاء سے۔ اور اجماع تو صاحبان عدل کا مقبول ہوا کرتا ہے نہ معاندین اور ظالمین کا اور یہ کسقدر بڑا ظلم ہے کہ کتاب و سُنّت صحیحہ میں تو ہرگز ہرگز نظر و فکر نہیں کیجاتی اور اپنے خیالات کی تقلید پر اصرار کیا جارہا ہے۔ پس اسکا نتیجہ بجز عذاب الٰہی کے اور کیا ہوسکتا ہے کما قال فویل للذین ظلموا من عذاب یوم الیم۔ پس ثابت ہوا کہ ان ظالمین کو جو دلایل عقلیہ و نقلیہ پر نظر نہیں کرتے اُسی ساعت کا انتظار ہے جو اُنپر بیخبری کیحالت میں دفعۃً آجاویگی مگر پھر بعد وقوع کیا ہوسکتا ہے کما قال تعالیٰ هل ینظرون الا الساعة ان تاتیھم بغتة وھم لا یشعرون اسی طرح پر آخری مسیح موعودؑ نے بھی ہزاروں دلایل عقلیہ اور نقلیہ قوم کے روبرو پیش کیے ہیں اور نشانات ارضی و سماوی اللہ تعالیٰ نے اُس کی تائید میں دکھلا دیئے ہیں۔ مگر مخالفین مکذبین ہرگز ہرگز اُنکی طرف ایک ذرہ بھر توجہ نہیں کرتے بالآخر زلزلۃ الساعۃ جو قیامت کا نمونہ ہوگا اُس سے بھی انذار کیا گیا ہے کما فی الالہامات تاکہ قبل آمد عذاب کوئی ایسا رجل رشید نکل آوے جو سمجھ جاوے۔ الحاصل اس سورۃ میں پیشین گوئی یاد دلائی گئی ہے جو آخری مسیح کے لیے مذکور ہوئی ہے اور حواریین مسیح نے بھی اس پیشین گوئی مسیح آخری کو بموجب کتاب اعمال فصل تین کے بعد موجود ہونے دولت اسلامیہ کے آخری زمانہ کے لیے قطعاً تسلیم کیا ہے اس لیے اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے حٰمٓ کے ساتھ صنعت براعت الاستہلال کی بیان فرمائی مع انذارات مندرجہ سورۃ کے اس لیے حٰمٓ سے ایک نشان نبوت کا مع صنعت براعت الاستہلال کے حاصل ہوا۔ و ہو المدعا۔ اور چونکہ حواریین مسیح کی پیشین گوئی کا دارو مدار الواح موسیٰ ہی پر ہے اس لیے حٰمٓ سے مراد الواح موسیٰ بھی ہوسکتی ہے۔ و البیان البیان بتغیر ما۔ بہرحال حٰمٓ سے مراد خواہ الواح موسیٰ ہو یا حواریین مسیح ہو مطلب اور مدعا دونوں طرح پر ثابت ہے۔

سورۃ دخان [٢٥] ۔ یہ سورۃ بھی حٰمٓ سے شروع کی گئی ہے اگرچہ چند مضامین مندرجہ اس سورہ میں کے الواح موسیٰ کیطرف اشارات کررہے ہیں جن کی طرف حٰمٓ ناظر ہے۔ مگر یہاں پر ایک لطیف اشارہ آیت ذیل سے لکھتے ہیں تاکہ نظم قرآنی کی لطافت مضامین کیطرف انتقال کرنیکے لیے اذہان مومنین مخلصین کے عادی ہوجاویں قال اللہ تعالیٰ اھم خیر ام قوم تبع والذین من قبلھم اھلکناھم انھم کانوا مجرمین۔ ترجمہ بھلا یہ لوگ قوت اور شوکت میں بڑھکر ہیں یا شاہ یمن تبع کی قوم کے لوگ اور وہ لوگ جو ان سے پہلے ہو گذرے ہیں

ہم نے اُن سب کو ہلاک کر مارا اس لیے کہ وے جرموں کا ارتکاب کرنیوالے تھے۔ ف واضح ہو کہ تبع یمن کے بادشاہ کا خطاب ہوا کرتا تھا جیسا کہ مصر کے بادشاہ کو فرعون کہتے تھے اور جیسا کہ کسریٰ بادشاہ فارس کا خطاب تھا اور قیصر بادشاہ روم کا خطاب ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ چونکہ سلطنت یمن کی اُسوقت درمیان عرب کے ایک عظیم الشان سلطنت تھی اس لیے دیگر ملوک عرب کے بادشاہ یمن کے توابع ہوتے تھے اور اس لیے شاہ یمن کو تبع کہتے تھے یعنی کل ملوک عرب کا متبوع جس کی جمع تابعہ آتی ہے آیت مذکورہ میں مراد تبع سے ابوکرب اسعد بن ملیل ہے جو آنحضرت صلعم پر ایمان لے آیا تھا اور اسی تبع کی نسبت کلام نبوت میں وارد ہوا ہے کہ ما ادری اکان تبع نبیا او غیر نبی۔ وقالت عائشۃ کان تبع رجلا صالحا وعن ابن عباس رضی اللہ عنہما انہ کان نبیا (تفسیر کبیر ابو السعود وغیرہ) مگر قوم تبع کی مشرک تھی جنکا ہلاک اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے قبل بعثت نبی صلعم کے تبع کے ایمان لانیکا قصہ مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ تبع کا بیٹا اہل طیبہ یعنی اہل مدینہ کے ہاتھ سے مارا گیا تھا اس لیے تبع نے مدینہ طیبہ کی تخریب کے لیے چڑھائی کی تھی وہاں پر کعب اور اسد سے جو اجداد یہود بنی قریظہ میں سے تھے اُس کی ملاقات ہوئی یہ دونوں بڑے علما و احبار یہود میں سے گذرے ہیں ان دونوں کو آنحضرت صلعم کی بشارات الواح موسیٰ سے یہانتک معلوم ہوگئی تھیں کہ مدینہ طیبہ آپکا ہجرت گاہ ہوگا اور مولد آپکا مکہ ہوگا چنانچہ کتاب سفر استثنا فصل ۳۳۔ اور کتاب اشعیا فصل ۲۱ میں یہ مضمون اینتک پایا جاتا ہے ہاں بجائے طیبہ کے تیما لکھا ہوا ہے جو بنی اسمٰعیل میں سے کسی کا نام تھا اُسکا آباد کیا ہوا تیما یعنی طیبہ ہے ان دونوں احبار نے تبع کو بہت فہمایش کی اور کہا کہ یہ مدینہ طیبہ ہجرتگاہ آخری نبی عظیم الشان کا ہوگا تو اس لیے اسکے تخریب کے درپے نہ ہو تبع نے ان دونوں کی فہمایش اور ہدایت کو قبول کر لیا بلکہ ان دونوں احبار کو اپنے ہمراہ یمن کو لے گیا اور اہالی یمن وغیرہ کو تورات کی طرف یہ دونوں احبار مع تبع کے دعوت بھی کرتے رہے دیکھو تفسیر کبیر ابو السعود اور تبصیر الرحمٰن وغیرہ کو تبصیر الرحمٰن میں لکھا ہے فمن ھناک کان اصل الیھودیۃ بالیمن یعنی اسیوجہ سے یہودیت کی اصل یمن میں قایم ہوئی (آمدم برسر مطلب) اس آیت میں قوم تبع کو جو خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا اسکی کیا وجہ ہے حالانکہ آل فرعون کا ذکر بھی سابق اس سے ہو چکا ہے اور فرعون تو وہ شخص زور آور تھا جس نے دعویٰ انا ربکم الاعلیٰ کا بھی کیا اور ما علمت لکم من الہ غیری بھی اُسکا مقولہ تھا اور بادشاہ بھی بہت بڑا تھا پھر قوم تبع کے ذکر کرنیکی اس آیت میں کونسی وجہ موجہ ہو سکتی ہے؟ پس واضح ہو کہ چونکہ قبل بعثت آنحضرت صلعم کے یہ قصہ تبع کے ایمان لانیکا اور کعب و اسد احبار یہود کی ہدایت و فہمایش سے آپکی ہجرتگاہ طیبہ کا معلوم ہونا اور مولد مکہ معظمہ کی تعظیم کرنا تبع کا اور ملک یمن میں یہود اہل کتاب کی بستی اور آباد ہونیکا عرب کے اہل کتاب وغیرہ کو مسلم اور معلوم تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے واسطے انتقال کرنے ذہن سلیم کے طرف اس قصہ تبع کے اور نیز طرف

قصۂ ان دونوں احبار کے جو الواح موسیٰ سے آپکی بشارات اور ہجرتگاہ اور مولد سے بخوبی واقف اور خبردار تھے حٰمٓ[۱، ۲] کے ساتھ براعت الاستہلال فرمائی اور تبع کے ذریعہ الواح موسیٰ کیطرف توجہ دلائی جس سے ایک نشان نبوت کا بھی واضح ہو گیا کہ الواح موسیٰ میں بکثرت وشہرت تمام آپکی صفات وبشارات موجود ہیں فاعتبروا یا اولی الابصار۔ اس لیے حٰمٓ میں صنعت براعت الاستہلال کی مع ایک نشان نبوت کے باشارہ لطیف حاصل ہوئی اور دیگر وجوہ سے بھی یہ صنعت حاصل ہو سکتی ہے۔

سورۂ جاثیہ[۴۵]۔ یہ سورہ بھی حٰمٓ سے شروع کیگئی ہے اور حواریین مسیح کیطرف اسمیں اشارہ ہے جنہوں نے ایام راحت قرآنی کی بشارت اور ایام تازگی بخش دولت اسلامی کی پیشین گوئی بڑے زور وشور سے کی ہے چنانچہ نسخہ عربیہ ۱۸۱۱ء کتاب اعمال باب ۳ میں یہ پیشین گوئی ابتک موجود ہے وجمیع الانبیا منذ اصموئیل والذین بعدہ کلھم تکلموا واخبروا عن ھٰذہ الایام (کتاب اعمال باب ۳) ترجمہ فارسی ۱۸۷۰ء میں ہے (۲۴) وجمیع انبیا نیز از اصموئیل وآنانیکہ بعد از وتکلم کردند ازیں ایام اخبار نمودند۔ اردو ترجمہ ۱۸۴۴ء میں ہے (۲۴) اور سب نبیوں نے اصموئیل سے لیکے اُن تک جو اسکے بعد ہیں جنہوں نے خبر دی ہے ان دنونکی بھی خبر دی ہے۔ چنانچہ ہم نے اس بشارت کو دلیل نمبر اول ریویو جلد ۵ نمبر ۱۱ میں مفصلاً بیان کیا ہے۔ اسی بشارت کیطرف اللہ تعالیٰ اس سورۃ میں ارشاد فرماتا ہے قل للذین اٰمنوا یغفروا للذین لا یرجون ایام اللہ لیجزی قوما بما کانوا یکسبون (آخر رکوع ۱۸ تک پڑھو) یعنی اے پیغمبر ایمان والوں سے کہدو کہ جو لوگ ان ایام اللہ کی (جو آنحضرت صلعم کے ایام بعثت میں آئے ہیں اور جنکی پیشین گوئی تمام انبیا کرتے چلے آئے ہیں) کچھ پروا اور امید نہیں رکھتے اُنسے درگذر کریں تاکہ خود اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو انکی اُن کرداروں کی سزا دیوے جو وہ کر رہے ہیں۔ ف ان آیات میں آخر رکوع ۱۸ تک ایمان والوں کے لیے بشارت دیگئی ہے اور مکذبین ایام اللہ اسلامیہ کے لیے انذار فرمایا گیا ہے اور بنی اسرائیل کو کتاب اور حکم اور نبوت کا ان ایام اللہ کی بشارت دینے کے لیے عطا فرمانا اور ان ایام اللہ کے ثبوت حقیقت کے لیے روشن حجتوں کا مرحمت کرنا ذکر فرمایا ہے تاکہ آیندہ کچھ اختلاف باہمی بشرط انصاف واقع نہ ہو اور پھر بموجب اُن بشارات انبیا کے جو ان ایام اللہ کی نسبت ہیں آنحضرت صلعم کے لیے شریعت کاملہ کا عطا ہونا ارشاد ہوا ہے اور ان ایام اللہ کے زمانہ میں جو قرآن مجید کے نزول کا زمانہ ہے اُن تمام دلایل واضحہ کا نزول جنکا کوئی معارضہ نہ کر سکے اور ہدایت کاملہ کا جس میں کسی طرح کا شبہ بشرط انصاف واقع نہ ہو سکے اور رحمت تامہ کا مرحمت ہونا ایقان والوں کے لیے ذریعہ کتاب اللہ کے بیان فرمایا گیا ہے اور ان ایام تازگی بخش کا بمنزلہ حیات کے مومنین کے لیے ہونا بیان ہوا ہے اور جن مکذبین نے ان ایام اللہ سے کچھ حصہ نہ لیا انکو بمنزلہ موتی کے ذکر فرمایا گیا ہے گو وہ بظاہر زندہ ہوں۔ خلاصہ یہ کہ حٰمٓ کو خواہ حواریین مسیح کیطرف اشارہ گردانیں یا الواح موسیٰ سے ماخوذ قرار دیویں مطلب ہر دو صورت حاصل ہے کیونکہ کتاب اعمال حواریین میں بھی بحوالہ الواح موسیٰ کی ہی یہ بشارات ذکر کی گئی ہیں بس حٰمٓ[۱، ۴۵] میں صنعت براعت الاستہلال کی مع نشان نبوت کے حاصل ہو گئی۔ وہو المدعا۔

سورہ احقاف [۲۷] - یہ سورۃ بھی حٰمٓ سے شروع کیگئی کیونکہ اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہی قل ارأیتم ان کان من عند اللہ وکفرتم بہ وشھد شاھد من بنی اسرائیل علی مثلہ فاٰمن واستکبرتم ان اللہ لا یھدی القوم الظالمین ایضاً قال تعالیٰ ومن قبلہ کتاب موسیٰ اماما ورحمۃ وھذا کتاب مصدق لسانا عربیا لینذر الذین ظلموا وبشریٰ للمحسنین (ترجمہ تفسیری) اے پیغمبر لوگوں سے یہ کہو کہ بھلا دیکھو تو اگر یہ قرآن خدا کی طرف سے ہو اور تم نے اس سے انکار کیا حالانکہ ایک بڑا گواہ بنی اسرائیل میں سے اسبات پر گواہی دیچکا ہی کہ الواح موسیٰ میں اس قرآن کی مثل کی بشارت موجود ہی اور اسی مثلیت کیوجہ سے کہ یہ قرآن اُسی پیشین گوئی کا مثل یعنی مصداق ہے وہ ایمان بھی لاچکا ہے لہذا تم نے تکبر کیا تو کیا تم ابتک ظالم نہ ہوئے کہ باوجود اسقدر ثبوتوں کے ایمان نہ لائے بیشک ظالم ہوئے اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں کیا کرتا۔ حالانکہ اس قرآن سے پہلے کتاب موسیٰ کی یعنی الواح موسیٰ بھی موجود ہے جو من قبل القرآن جملہ انبیا اور اولیا اور علما کے لیے امام اور رحمۃ تھی کیونکہ اُس میں اس قرآن اور اس خاتم النبیین کی بشارات موجود ہیں اور یہ قرآن ایسی کتاب ہی کہ اُس الواح موسیٰ کی تصدیق کر رہی ہے علاوہ اسپر یہ کہ پہلی کتابوں سے زیادہ ترجامع حقایق اور معارف الٰہیہ کی ہی کیونکہ عربی زبان میں ہے جو گویا زبان ہے نہ عجم یعنی گونگی تاکہ ایسے اشد ظالموں کو اُنکے ظلم کے انجام سے ڈراوے اور محسنین کو بشارت دیوے۔ ف۔ اس آیت میں چند ثبوت آپکی نبوت کے بیان فرمائے گئے ہیں اول تو بسبب صدور معجزات اور اعجاز قرآن کے اُس کتاب قرآن کا من عند اللہ ہونا ثابت ہوتا ہی۔ ثانیاً حضرت عبد اللہ بن سلام جیسے علما واحبار لوگوں کی شہادت کہ یہ کتاب قرآن اور نبی آخر الزمان دونوں وہی ہیں جنکی پیشین گوئی الواح موسیٰ میں موجود ہے۔ ثالثاً اُن الواح موسیٰ میں بشارات محمدیہ کا اُسوقت تک موجود ہونا اور اہل کتاب کا تورات کو امام اور رحمۃ اپنے لیے مسلم قرار دینا۔ لیکن کتاب تورات اُنکے لیے امام اور رحمۃ تب ہی ہو سکتی ہے جب اُسکی بشارات کو بھی تسلیم کیا جاوے لیکن اگر اُسکی پیشین گوئیاں جھوٹی ہوں تو پھر وہ کتاب امام اور رحمۃ کیونکر ہو سکتی ہے۔ رابعاً تورات کی تصدیق تب ہی ہو سکتی ہے جب قرآن کی تصدیق کیجاوے ورنہ اُسکی تکذیب لازم آویگی۔ خامساً اُس موعود کتاب کا عربی زبان میں ہونا کیونکہ سفر استثنا فصل ۱۸ وغیرہ میں اُس کتاب کا نزول بنی اسمٰعیل میں لکھا ہوا ہی جو برادران بنی اسرائیل سے ہیں اور ظاہر ہے کہ بنی اسمٰعیل ملک عرب میں آباد ہوئے النبوۃ فی العرب وبنی قیدار۔ اور اُنکی زبان عربی ہے پس بنی اسمٰعیل پر جو کتاب نازل ہو اُس کا عربی زبان میں ہونا ضروری ہوا غور کرو کہ کتاب دانیال وکتاب عزیر ونحمیا جو مجموعہ تورات میں موجود ہیں وہ اوّلاً کالدی زبان میں تھیں بعد کو عبرانی میں مترجم ہوئی ہیں اور قرآن مجید بھی یہی ارشاد فرماتا ہی کہ نہیں بھیجا ہمنے کوئی رسول مگر اُسکی قوم کی زبان میں۔ سادساً تاثیرات روحانی اور فیوض رحمانی کا حاصل ہو جانا بعد قرآن مجید پر ایمان لانیکے جو اس سے آگے کی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے کہ ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا الآیۃ۔

دیکھو ان امورسنہ کو مضامین سورۃ ہٰذا میں چونکہ اس سورہ میں یہ ثبوت بحوالہ الواح موسیٰ کے بیان فرمائے گئے ہیں جنکا اشارہ حٰم میں موجود ہے یعنی اس حٰم میں صنعت براعت الاستہلال کے مع نشان نبوت کے حاصل ہوگئی وہو المدعا۔

سورۃ ق[۲۸] - یہ سورۃ حرف ق سے شروع کی گئی ہے۔ اوّلاً واضح ہو کہ دلالت کی دو قسمیں ہیں اوّل دلالت لمّی ہوتی ہے یعنی علت کے وجود سے معلول کا پہچان لینا جیساکہ وجود شمس سے نہار کا علم حاصل ہوجاتا ہی دوسری قسم دلالت کی دلالت اِنّی ہوتی ہے یعنی معلول سے علت کا علم حاصل ہوجانا۔ یہاں پر حرف ق سے دونوں دلالتیں مراد ہوسکتی ہیں یعنی قیامت کے قایم کرنے پر مَیں قادر ہوں ق سے مراد اگر قادر ہو تو دلالت لمّی ہوتی ہی کیونکہ اللہ تعالیٰ اُسکا فاعل حقیقی ہے اور اگر ق سے مراد قیامت ہو تو دلالت اِنّی ہوئی کیونکہ اُس فاعل مختار کی معلول ہے چونکہ اس سورۃ میں قیامت اور مقدمات قیامت ہی کا زیادہ تر مذکور ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتوں کا ثبوت دیکر واسطے جزا و سزا کے قایم کرنا قیامت کا ثابت فرمایا ہے تاکہ ظالم سے حق مظلوم کا دلایا جاوے اور فاسقین مکذّبین اور متقین کو اُس روز ممتاز کر دیا جاوے اور اگر جزا و سزا جو بروز قیامت ہونیوالی ہے واقع نہ ہو تو پھر ظالم اور مظلوم اور متقی و فاجر برابر ہوجاویں۔ لیکن یہ تساوی اللہ تعالیٰ کی ذات قدوس و حکیم سے نہایت مستبعد ہے اس لیے یہ سورہ حرف ق سے شروع کیگئی ہی اور مکذّبین کے لیے عذاب دنیا و عذاب قیامت سے انذار فرمایا ہی دیکھو سورہ کے مضامین کو۔ اور مومنین کے لیے دین و دنیا کی بشارات ارشاد فرمائی گئی ہیں جیساکہ فرمایا وازلفت الجنۃ للمتقین غیر بعید چونکہ متقین لوگ قیامت میں تو جنّت میں داخل ہی کردیئے جاوینگے نہ یہ کہ قریب جنّت کے کیے جاوینگے۔ اس لیے یہ وعدہ الٰہی متقین کے لیے دنیا ہی میں شروع ہوجاتا ہی اسی لیے فرمایا گیا کہ متقین کے لیے جنّت کو قریب کر دیا جاتا ہی یعنی دنیا میں۔ پس وہ جنّت دنیا ہی میں اُنسے غیر بعید ہوجاتی ہے اور چونکہ یہ پیشین گوئی آنحضرت صلعم کی حیات ہی میں متقین کو حاصل ہوگئی اور مکذّبین کے لیے تمام انذاری پیشین گوئیاں مندرجہ سورۃ واقع ہوچکیں اور خصوصاً زمانہ مسیح موعودؑ میں جو قریب قیامت کے آنکا ہی بکثرت واقع ہو رہی ہیں اس لیے حرف ق سے صنعت براعت الاستہلال کی مع نشان نبوت کے حاصل ہوگئی۔ وہو المطلوب۔

سورہ ن[۲۹] - یہ سورہ حرف ن سے شروع کیگئی ہے کیونکہ اس سورہ میں بھی حرف ن سے دلالت لمّی اور دلالت اِنّی دونوں موجود ہیں کیونکہ ن اشارہ ہی طرف نور احدیّت کے جو آپکی نبوت عامہ کی بعثت کے لیے مقتضی ہوا پس اندریں صورت حرف ن سے دلالت لمّی حاصل ہوگئی یا حرف ن اشارہ ہے آپکی نبوت عامّہ کیطرف جو مقتضی ہے اُسی نور احدیّت کا اندریں صورت دلالت اِنّی حاصل ہوگئی چنانچہ سورۃ نور میں بھی آپکے نور نبوت کیطرف اشارہ فرمایا گیا ہی جسکی تفصیل و تفسیر حضرت امام مہدی و مسیح موعود علیہ السلام نے براہین احمدیہ میں ایسی بیان فرمائی ہی کہ ما لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علیٰ قلب بشر کی مصداق ہی چونکہ اس سورۃ میں اہم المقاصد آنحضرت صلعم کی نبوت کا ہی اثبات ہے اور نور احدیّت کا بھی ثبوت دیا گیا ہی اور مکذّبین کے لیے وعید عذابہائے دنیا اور آخرت کی بیان فرمائی گئی ہے اور مومنین کے لیے بشارتیں اور خوشخبریاں

دیکھی ہیں اور یہ جب اُن پیشین گوئیوں کے واقعات بھی ہو گذرے اور تازہ بتازہ مسیح موعود و مہدی معہود کے زمانہ میں واقع ہو رہی ہیں اسلیے حرف ن سے صنعت براعت الاستہلال کے مع نشان نبوت کے حاصل ہو گئی۔ آنحضرت صلعم کی نبوت کا ثبوت تو اول ہی سورۃ میں بیان فرمایا گیا ہے اور نور احدیت کا بیان مثلاً اس آیت میں ہے قال اللہ تعالیٰ یوم یکشف عن ساق و یدعون الی السجود فلا یستطیعون خاشعۃ ابصارھم ترھقھم ذلۃ (ترجمہ تفسیری) اور جب ان کذبین سجدہ کرنے کے لیے خالص واسطے اللہ تعالیٰ کے بلائے جاوینگے تو وہ سجدہ نہ کر سکیں گے کیونکہ حیات دنیا میں انہوں نے خالص اللہ تعالیٰ کے لیے بغیر شائبہ کسی طرح کے شرک کے سجدہ نہیں کیا تھا اور نور آفتاب احدیت کی چمک سے آنکھیں انکی چندھیا لی اور جھکی ہوئی ہونگی اور ذلت اور رسوائی اُنکے چہروں پر چھا رہی ہوگی آخر آیات تک۔ غرضکہ ن سے صنعت براعت الاستہلال مع نشان نبوت کے حاصل ہے خواہ پہلی سورۃ ق اور پیچھے ن کو آیت گردانو یا آیت نہ گردانو مگر کلام الٰہی کا ہر ایک ایسا کلمہ جو اشارہ لطیفہ پر مشتمل ہو آنحضرت صلعم کے لیے جو محض اُمّی تھے جیساکہ اولاً ثابت ہو چکا بالضرور ایک نشان ہوتا ہے۔ وہو المطلوب۔

اسجگہ پر حروف مقطعات کی تفسیر میں جو کچھ اس رسالہ میں بیان کیا گیا ہے وہ ایک قطرہ ہے دریائے زخار میں سے۔ اور ایک ذرہ ہی ریگستان میں سے۔ اور علم تمام مرادات مقطعات قرآنی کا حصر کسی خاص معنوں میں یا کسی تفسیر خاص میں کرنا طاقت بشری سے خارج ہے اور یہی معنے اس آیت کے ہیں ما یعلم تاویلہ الا اللہ کے چنانچہ تبصیر الرحمٰن میں لکھا ہے کہ ولا یعلم تاویلہ علی سبیل الحصر اور یہ معنے اس آیت کے نہیں ہیں کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے معنے مقطعات کے کوئی انسان خواہ رسول ہو یا غیر رسول نہیں جان سکتا کیونکہ یہ اگلی آیت وما یذکر الا اولوا الالباب کے مخالف ہیں پس اسلیے ان مقطعات کے تمام مرادات سوائے اُسکے جو ہم نے اس رسالہ میں لکھے ہیں اور بھی ہو سکتی ہیں مگر اُن شرایط کو یاد رکھنا چاہیے جو ہم اول رسالہ میں تحریر کر آئے ہیں یعنی اول یہ کہ وہ مرادات محکمات قرآنی اور مضامین سورۃ کے مخالف نہ ہوں بلکہ مؤید ہوں دوئم یہ کہ صنعت براعت الاستہلال کی بھی اس مراد سے حاصل ہوتی ہو یعنی خلاصہ مضمون سورۃ کیطرف ناظر ہو۔ سوم یہ کہ وہ مراد کسی ایسی پیشین گوئی کیطرف اشارہ کر رہی ہو جو واقع ہو گئی ہو یا آئندہ متوقع الوقوع ہو ان شرایط کے ساتھ (خواہ وہ پیشین گوئی مبشر ہو یا انذاری) اگر ہزارہا معانی بھی ان مقطعات کے کیے جاویں گے تو وہ معانی مقبول ہو سکتی ہیں ورنہ غیر مقبول۔ اب دریافت کیا جاتا ہے کہ جسقدر مقطعات اس چودھویں صدی تک انسانوں نے اپنی حوائج اور ضروریات میں استعمال کیے ہیں آیا اُن میں یہ فضایل اور خصایص پائے جاتی ہیں کلا و حاشا ہرگز نہیں پائے جاتے اور نہ آئندہ پائے جا سکتے ہیں کیونکہ اسجگہ قید پیشین گوئی کی ایسی ہے کہ سوائے رسول اور نبی صادق کے آئندہ زمانوں کی اخبار کسی کو معلوم نہیں ہو سکتی فلا یظھر علیٰ غیبہ احدا الا من ارتضیٰ من رسول۔ اور جو اسباب معینہ یا ذرایع معلومہ سے آئندہ کے واقعات کی خبر منجمین وغیرہم بیان کیا کرتے ہیں وہ صرف ظن و تخمین ہوتا ہے نہ علم غیب کا۔ اور وہ بھی حساب لگا کر بیان کیا جاتا ہے جیساکہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے لتعلموا عدد السنین والحساب ایضاً فرمایا ذٰلک تقدیر العزیز العلیم مثلاً ہم منازل قمر یا شمس کا حساب لگا کر کہہ سکتے ہیں کہ فلاں تاریخ فلاں وقت میں چاند گرہن ہوگا یا سورج گرہن واقع ہوگا اسکو علم غیب نہیں کہتے کیونکہ اسمیں تو بذریعہ چند معلومات کے مجہولات کا علم حاصل کیا جاتا ہے لاغیر فقط

یہاں تک جو ہم نے بیان کیا اگرچہ بظاہر اثبات حقیت کتاب اللہ اور نبوت محمدیہ کے لیے صرف ایک دلیل ہے لیکن اگر بنظر انصاف و غور کے بلا تعصب اور عناد اس کل بیان میں نظر کیجاوے تو تیس ۳۰ دلایل حقیت کتاب اللہ اور نبوت محمدیہ کے بیان ہو چکے کیونکہ ۲۹ سورتوں کے جو مقطعات ہیں اور نیز اُنمیں سے ہر ایک مقطعات ایک نشان الٰہی ہے جو حقیت کتاب اللہ اور نبوت محمدیہ کو ثابت کر رہا ہے اور آیات فواتح سورہ نساء کو بھی ہم نشان حقیت کتاب اللہ و نبوت محمدیہ کا ثابت کر چکے ہیں اور دو عدد دلایل حقیت کی ریویو جلد ۵ نمبر ۱۱ میں بیان ہو چکے ہیں پس یہ سب ۳۲ عدد دلایل حقیت کے بیان ہو چکے خصوصاً جبکہ آپکی اُمیت پر بھی لحاظ کیا جاوے جیساکہ اول رسالہ میں۔ آئندہ نمبر ۳ سے انشاء اللہ تعالیٰ دلایل حقیت شروع کیے جاوینگے۔ بحولہ و قوتہ تعالیٰ۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

(احسن البیان)

مبارک احمد کی والدہ اُس سانپ کی طرف دوڑی اور ایک چاقو سے اُسکی پتلی ٹانگ کاٹ دی۔ پھر وہ اژدہا مکان کی دوسری طرف آگیا۔ اور مَیں اُسکی طرف گیا اور میرے ہاتھ میں ایک چاقو تھا مَینے بڑی ٹانگ اس اژدہا کی اُس چاقو سے کاٹ دی۔ بہت آسانی سے کٹ گئی جیسے مولی یا گاجر۔ اور بہت کچھ پانی زہریلہ اس سانپ کا چاقو کے ساتھ آلودہ رہا۔ مَیں نے اس چاقو کو ایک آگ میں جو قریب ہی سلگ رہی تھی ڈالدیا اور اُس سے بڑی بدبو آئی۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ اسکے زہر سے مجھے کوئی نقصان نہ پہنچے۔ مگر کوئی نقصان نہ پہنچا۔ مگر بہرحال اس اژدہا کا کام تمام کر دیا۔ اور پھر ہم تینوں اس مکان سے جب باہر آئے۔ تو ڈاکٹر عبد اللہ سامنے آتے نظر آئے۔ جب قریب پہنچے تو مسکرا کر مجھے کہنے لگے۔ کہ تار آئی ہے کہ دو پُل ٹوٹ گئے۔ مَینے دریافت کیا کہ کون کونسا پُل اور کس کس مقام کا پُل ٹوٹا ہے اُنہوں نے جوابدیا کہ یہ تو معلوم نہیں مگر یہ معلوم ہے کہ وہ دو پُل جو ٹوٹے ہیں وہ پنجاب کے پُل ہیں پھر بعد اس کے الہام ہوا (۹) العید الاٰخر تنال منه فتحًا عظیمًا۔ ترجمہ ایک اور عید ہے۔ جس میں تُو ایک بڑی فتح پائیگا۔ (۱۰) زندگی کا آرام ہوجانا پہلی زندگی سے۔ ۱۰۔ فروری ۱۹۰۷ء دعنی اقتل من اٰذاك۔ ان العذاب مربع ومدوّر۔ ترجمہ۔ مجھے چھوڑ۔ تا مَیں اُس شخص کو قتل کروں جو تجھے ایذا دیتا ہے دشمنوں کے لیے عذاب ہر چہار طرف سے ہے اور ارد گرد سے گھیرے ہوئے ہے (۲) وضعنا عنك وزرك الذی انقض ظهرك۔ لك رحمةٌ یعنی ہم نے تیرا وہ بوجھ اُتار دیا۔ جس نے تیری کمر توڑ دی تھی۔ تیرے لیے ایک رحمت ہے۔ ۱۲۔ فروری ۱۹۰۷ء (۱) ایک اور خوشخبری (۲) نثنی علیك۔ الخیر والبرکة۔ ترجمہ۔ ہم تیری ثنا کرتے ہیں۔ خیر اور برکت۔ (۳) آسمان ٹوٹ پڑا ساسا۔ کچھ معلوم نہیں کہ کیا ہونیوالا ہے (یہ انسان کا مقولہ ہے گویا اللہ تعالیٰ انسان کی طرف سے فرماتا ہے کہ کچھ معلوم نہیں کہ کیا ہونیوالا ہے) (۴) اولٰئك قوم لا یشقی جلیسهم۔ ترجمہ۔ یہ ایک ایسی قوم ہے کہ انکا ہم نشین خدا کی رحمت سے محروم نہیں رہ سکتا۔ ۱۵۔ فروری ۱۹۰۷ء۔ ایک ہفتہ تک ایک بھی نہیں رہیگا

٭ فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی دہشتناک آسمانی امر ہے اور محاورہ عرب میں آسمان سے مراد بادل بھی ہوتا ہے مگر ہم کسی خاص پہلو پر زور نہیں دے سکتے کہ کیا مراد ہے۔

حاجی حکیم فضل دین صاحب نے اللہ تعالیٰ انکو جزائے خیر دے اپنے مطابع اور کتب خانہ صدر انجمن احمدیہ کے نام ہبہ کر دیئے ہیں لہذا تمام احباب آیندہ ایسی کتب مہتمم بُک ڈپو تعلیم الاسلام قادیان سے طلب کریں۔
کتاب لغات القرآن کی دوسری جلد چھپکر تیار ہوگئی ہے وہ بھی اسجگہ سے ملیگی۔

المعلن۔ خاکسار محمد علی سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان۔

۱۷۔ فروری ۱۹۰۷ء کل فتح بعدہٗ۔ ترجمہ۔ بعد اسکے ایک فتح ہوگی۔

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۳

ضروری ہدایتیں

خط وکتابت کیلیے یا روپیہ بھیجتے وقت ان چند ہدایتوں کو سب احباب مدنظر رکھیں۔ (۱) ہر قسم کا روپیہ جسکا تعلق صدر انجمن احمدیہ سے ہے۔ مثلاً مدرسہ یا میگزین یا مقبرہ یا زکوٰۃ یا مسکین فنڈ یا یتیم فنڈ یا رسالہ تعلیم الاسلام کا روپیہ صرف بنام محاسب صدر انجمن احمدیہ قادیان آنا چاہیئے اور کوپن میں یا الگ خط میں اسکی تفصیل ہونی چاہیئے کہ کس شخص کیطرف سے کس مد کا روپیہ ہے (۲) ہر ایک رقم کی باضابطہ رسید دفتر محاسب سے دیجاویگی اور جس شخص کو رسید دفتر کی نہ پہنچے اسی سے خط وکتابت کر کے دریافت کرنا چاہیئے (۳) لنگرخانہ کا روپیہ حضرت اقدسؑ کے نام آنا چاہیئے۔ لیکن جہان اور مدات کا چندہ ساتھ ہو تو محاسب صدر انجمن احمدیہ کے نام بھیجیں اور تفصیل ساتھ دیں۔ وہ حضرت اقدسؑ کیخدمت میں پیش کر دینگے (۴) میگزین کے متعلق کل خط وکتابت منیجر یا نایب ناظم میگزین سے کریں اور کسی شخص کے نام پر خط وکتابت نہ کریں مگر مضامین کے متعلق ایڈیٹر میگزین سے خط وکتابت کریں (۵) مدرسہ کے متعلق کل خط وکتابت ہیڈ ماسٹر یا نائب ناظم مدرسہ تعلیم الاسلام سے اور بورڈنگ ہوس کے متعلق سپرنٹنڈنٹ بورڈنگ ہوس سے کریں (۶) مقبرہ بہشتی کے متعلق کل خط وکتابت نایب ناظم مقبرہ بہشتی سے کریں اور ایسا ہی وصیتیں وغیرہ بھی اسی کے نام بھیجیں (۷) چونکہ وقتاً فوقتاً عہدہ داران میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں اس لیے جو احباب قادیان میں خط وکتابت کرتے ہیں۔ انکی اپنی سہولت جواب کے جلدی ملنے میں اور کام کرنیوالونکی سہولت اسی میں ہے کہ دستخط کنندہ کے نام پر کبھی خط وکتابت نہ کریں بلکہ صرف عہدہ پر کریں جیساکہ اوپر ہدایت کیگئی ہے ایک دفتر کا خط دوسرے دفتر میں چلے جانیسے یا کسی خاص آدمی کے نام پر چلا جانیسے جواب میں عموماً بہت توقف ہوجاتا ہے اور خط کے ضایع ہونیکا اندیشہ بھی ہوتا ہے۔ (۸) جو حصہ آمدنی کا احباب رسالہ الوصیت کے مطابق بھیجتے ہیں چونکہ اسکا حساب رکھنا ضروری ہے اس لیے آیندہ وہ تمام روپیہ محاسب صدر انجمن احمدیہ کے نام آنا چاہیئے اور اسکی تقسیم جو لنگرخانہ و مدرسہ و میگزین و مقبرہ میں ہوتی ہو اسکی اطلاع بھی محاسب کو دیں وہ خود ان مدات میں تقسیم کر دیگا۔ **المعلن محمد علی سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان۔**

آنکھوں کے بیماروں کو مژدہ

میاں ڈاکٹر عبد اللہ صاحب ساکن راہوں ضلع جالندھر جنہوں نے لنڈن اسٹریلیا افریقہ میں آنکھوں کے علاج سے بہت شہرت حاصل کی ہے۔ اور ان کے پاس بہت کثرت سے سارٹیفکٹ بھی موجود ہیں انگریزی اور یونانی دو طرح سے آنکھیں بناتے ہیں ہماری جماعت کے مخلص ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ لوگوں کو انسے نفع پہنچیگا۔ دستخط (نور دین)

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ✽ لو تمہیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد (۶) بابت ماہ مارچ ۱۹۰۷ء نمبر (۳)

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰- مارچ ۱۹۰۷ء کو منیجر میگزین کے اہتمام سے شایع ہوا۔ چندہ ۵ سالانہ

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۱۵۔ فروری ۱۹۰۶ء۔ (۱) من ذاالذی ھو اسعد منك۔ ترجمہ۔ وہ کون ہے جو تجھ سے زیادہ سعادتمند ہے۔ (۲) ایک ہفتہ تک ایک بھی باقی نہیں رہیگا۔ (۳) ویل لکل ھمزۃ لمزۃ۔ ترجمہ۔ ہر ایک چغلخور اور عیب گیر پر لعنت ہے۔
۱۸۔ فروری ۱۹۰۶ء۔ (۱) کل الفتح بعدہ۔ سب فتح اس کے بعد ہے۔ (۲) مظھر الحق و العلاء۔ کان اللہ نزل من السماء۔ ترجمہ۔ وہ حق اور غلبہ کا مظہر ہوگا گویا خدا آسمان سے اتریگا یعنی ایک نشان ظاہر ہوگا جو تمام فتوحات کا مجموعہ ہوگا گویا خدا آسمان سے اُتریگا۔ ۲۰۔ فروری ۱۹۰۶ء (۱) انّی مع الرسول اقوم و الوم من یلوم۔ ترجمہ۔ میں اپنے رسول کے ساتھ کھڑا ہونگا۔ اور اس کے ملامت کنندہ کو ملامت کرونگا۔ (۲) پس پاشندہ ہجوم۔ (اڑھائی بجے بعد آدھی رات) افسوسناک خبر آئی ہے۔ فرمایا اس الہام پر ذہن کا انتقال بعض لاہور کے دوستوں کی طرف ہوا مگر یہ انتقال ذہن بیداری میں ہوا۔ الہام بھی شاید اس کے متعلق ہو۔ (۴) بہتر ہوگا کہ اور شادی کر لیں۔ فرمایا معلوم نہیں کہ کس کی نسبت یہ الہام ہے۔ ۲۵۔ فروری ۱۹۰۶ء۔ (۱) "من الناس و العامۃ" یعنی من خواص الناس و العامۃ۔ یہ طاعون کی طرف اشارہ ہے کہ اس مرتبہ طاعون کے حملہ میں کچھ خاص لوگ بھی مرینگے جو معزز ہوتے ہیں یا سفید پوش ہوتے ہیں اور عام لوگوں میں بھی مری پڑیگی۔ (۲) لولا الاکرام۔ لھلك المقام۔ ترجمہ۔ اگر تیری عزت کا پاس نہ ہوتا۔ تو میں تمام قادیان کو ہلاک کر دیتا۔ اس الہام سے معلوم ہوتا ہے کہ قادیان میں سے بھی کچھ لوگ طاعون سے مریں گے اور یہ مرنا الہام انّہ اوی القریۃ کے منافی نہیں کیونکہ اوی سے مراد الہام الٰہی میں یہ ہے کہ آخر قادیان کے لوگ بچائے جائیں گے بکلی استیصال نہیں ہوگا۔ ۲۶۔ فروری ۱۹۰۶ء۔ تحفۃ الملوك۔ اس کے معنے ابھی نہیں کھلے۔ بہرحال ملوک سے اسکو کچھ نسبت ہے۔ ۲۳۔ فروری ۱۹۰۶ء۔ وان یروا ایۃ یعرضوا و یقولوا سحر مستمر۔ ترجمہ جب کوئی نشان دیکھیں گے تو کہیں گے کہ یہ معمولی بات ہے کوئی خارق عادت امر نہیں یا کوئی فریب ہے۔ سیھزم الجمع و یولون الدبر۔ ترجمہ۔ عنقریب یہ لوگ بھاگ جائیں گے اور پیٹھیں پھیر لیں گے یہ اس طرف اشارہ ہے کہ وہ وقت آتا ہے کہ خدا کے نشانوں سے انکار کی گنجائش نہیں رہیگی اور نشان ایسے کھلے کھلے ظاہر ہونگے کہ منہ بند ہو جائیں گے۔ رؤیا میں گویا میں کہتا ہوں یا کسی نے کہا ہے کہ یہ جنازہ جا رہا ہے جسے گویا کسی کا جنازہ ہے جو پڑھا جاویگا۔ لا تحزن انّ اللہ معنا۔ ترجمہ غم نہ کر خدا ہمارے ساتھ ہے کبھی دوست کو اس میں تسلی دیگئی ہے گویا میں تسلی دونگا۔ ۲۸۔ فروری ۱۹۰۶ء سخت زلزلہ آیا اور آج بارش بھی ہوگی۔ چنانچہ اسی دن بارش ہوگئی اور ۲۔ مارچ ۱۹۰۶ء کی بعد رات کو سخت زلزلہ آگیا جس کی خبر تمام اخباروں میں بھی چھپی ہے۔ ۲۔ مارچ ۱۹۰۶ء۔ روز شنبہ۔ (۱) انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

آخری زمانہ کا مصلح

دنیا میں جتنے بڑے بڑے مذاہب موجود ہیں وہ سب آخری زمانہ میں ایک مصلح۔ شفیع۔ مہدی یا مسیح کی آمد کے منتظر ہیں۔ اس انتظار کی بنا ان پیشگوئیوں پر ہے جو خود بانیٔ مذہب کے مُنہ سے نکلی ہوئی ہیں اور ابتک اصلی صورتیں یا کسی قدر بدلی ہوئی صورت میں مشہور چلی آتی ہیں اگرچہ بعض صورتوں میں یہ پیشگوئیاں مفصل اور واضح ہیں اور بعض حالات میں مجمل اور مبہم لیکن یہ عجیب بات ہے کہ مختلف مذاہب میں جتنی پیشگوئیاں اس بارہ میں آئی ہیں وہ سب کی سب موعود مصلح کے نزول کے زمانہ اور مقام کے بارے میں باہم متفق ہیں۔ اور اگرچہ حقیقی اور واقعی طور پر مفصل اور واضح وہی پیشگوئی ہے جو بانیٔ اسلام علیہ الف الف صلوٰۃ والتحیات والسلام کے مبارک دہن سے نکلی ہوئی ہے۔ لیکن دوسرے مذاہب نے بھی جو نقشہ دیا ہے خواہ وہ کیسا ہی مجمل اور مبہم کیوں نہ ہو وہ بھی اسی نتیجہ پر ہمیں پہنچاتا ہے جس پر اسلامی پیشگوئیاں نہایت صفائی اور وضاحت سے دلالت کرتی ہیں۔ اولاً دربارہ وقت نزول کچھ ذکر کیا جاتا ہے اس موعود مصلح کے نزول کی وقت کے بارہ میں قریباً سب مذاہب کی پیشگوئیوں کا لب لباب یہ ہے کہ وہ "آخری دنوں"، یا "آخری زمانہ"، یا "زمانہ کے خاتمہ" پر نازل ہوگا۔ چنانچہ زردشتی پیشگوئی اس زمانہ کا نام "وقت کا خاتمہ" رکھتی ہے۔ یہودی اور عیسوی اور اسلامی پیشگوئیوں میں "آخری ایام" لکھا ہے۔ اور اہل ہنود میں اس زمانہ کا نام "کلجگ" رکھا ہے۔ ان تمام الفاظ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس سے مراد وہ زمانہ ہے جو آدم سے چھ ہزار برس بعد آنیوالا ہے۔ اور خود طبیعتیں بتا رہی ہیں کہ یہ وہی آخری دن ہیں جن کا وعدہ دیا گیا تھا۔ ان کے ماسوا ہر ایک مذہب میں اور بھی بعض علامات اور قرائن ایسے پائے جاتے ہیں جن سے یہ زمانہ معیّن کیا جاسکتا ہے۔ یہ تمام پیشگوئیاں اس امر میں متفق ہیں کہ پیغمبر آخر زمان کا نزول ایسے زمانہ میں ہوگا جبکہ دنیا پرستی اور طرح طرح کے مفاسد کی افواج ایسے زور شور سے جمع ہو جائیں گی جس کی نظیر کسی پہلے زمانہ میں نہ گذری ہو۔ اور ہر ایک مذہب بیان کرتا ہے کہ موعود پیغمبر کے نزول کے ساتھ نیکی اور بدی اور خدا پرستی اور دنیا پرستی کے درمیان اسوقت ایک سخت خطرناک جنگ ہوگا اور آخر کار حق پرستی اور راستی کی افواج فتح پائے گی۔ چنانچہ زردشتی مذہب کی پیشگوئیوں کی رو سے

اس موعود مسعود کے نزول کے وقت شیطان قطعی اور آخری طور پر مغلوب ہو کر تباہ کیا جائیگا۔ اور دنیا ایک نیا رنگ اختیار کریگی۔ اور اس نئے دور میں ابدی خوشی کی حکومت تمام دنیا پر قایم ہوجائے گی۔ اور شیطان اور اس کے چیلے چانٹے سب نیست و نابود ہو جائیں گے۔ اسی طرح عیسائیوں کی مذہبی کتابوں میں لکھا ہے کہ "جب ہزار سال ہو چکیں گے شیطان اپنی قید سے چھوٹیگا۔ اور نکلیگا کہ اُن قوموں کو جو زمین کے چاروں کونوں میں ہیں یعنی جوج و ماجوج کو فریب دے۔ اور انہیں لڑائی کیلیے جمع کرے۔ وے شمار میں سمندر کی ریت کی مانند ہیں۔ اور وے زمین کی وسعت پر چڑھ گئے۔ اور انہوں نے مقدسوں کی چھاونی اور عزیز شہر کو گھیر لیا۔ تب آسمان پر سے خدا کے پاس سے آگ اُتری۔ اور ان کو کھا گئی۔ اور شیطان جس نے انہیں فریب دیا تھا آگ اور گندھک کی جھیل میں ڈالا گیا"۔ (دیکھو مکاشفہ ۲۰ : ۸ - ۱۰)۔ ایسا ہی ہندوؤں میں جو آخری زمانہ کا اوتار مانا جاتا ہے اُس کی نسبت یہی انکا اعتقاد ہے کہ "وہ ان سب کو برباد کر دیگا جو شریر اور بدکار ہیں"۔ اسی طرح اسلامی پیشگوئیوں سے بہت واضح طور پر ظاہر ہو رہا ہے کہ مسیحؑ اور دجّال کے درمیان ایک جنگ عظیم ہوگا۔ بعض نادان لوگوں نے جنہوں نے اسلامی پیشگوئیوں کو بنظر غائر تو کیا سرسری نظر سے بھی مطالعہ نہیں کیا اس جنگ کو جسمانی جنگ سمجھا ہے۔ اور اپنے خون آشام دلوں کی ہوسیں نکالنے اور جہلا کو دھوکہ دینے اور اسلام سے دشمنی کا بر رنگ دوستی اظہار کرنے کے ارادہ سے اس کی اصلیت پر ایک مکروہ پردہ ڈال رکھا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس سے ایک روحانی جنگ مراد ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اسلامی عقاید کی رو سے ثابت ہے کہ مسیح علیہ السلام نے کہیں یہ تعلیم نہیں دی کہ وہ آپ ہی خدا اور خدا کا بروز تھے۔ بلکہ وہ یہی کہتے تھے کہ مَیں خدا کا ایک عاجز بندہ اور مخلوق ہوں۔ لفظ دجّال کا انگریزی میں انٹی کرائیسٹ ترجمہ کرتے ہیں اور اس کے لُغوی معنے ہیں مخالف مسیح۔ جبکہ حقیقی طور پر یہ بات ثابت ہے کہ مسیحؑ خدا کا ایک بندہ تھا تو جو لوگ یہ اعتقاد رکھنے والے ہیں کہ وہ "خدا" اور "خدا کا بیٹا" تھے وہی درحقیقت مخالف مسیحؑ ہیں یعنی دجّال ہیں۔ اسی لیے اسلامی پیشگوئیوں میں جب موعودؑ کے پہلے کام کا ذکر کیا گیا ہے جو دفع شر ہے تو یہ کہا گیا ہے وہ دجّالی فتنہ کو دور کریگا۔ اور جب اس کے دوسرے کام کا ذکر کیا گیا ہے جو جلب خیر ہے تو یہ کہا گیا ہے کہ وہ ایمان کو از دنیا میں لائے گا۔

ان تمام پیشگوئیوں سے متفقہ طور پر یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ آخری ایام جن میں مسیح موعودؑ کا ظہور ہوگا ان میں بدی کا بہت سخت غلبہ ہوگا۔ اس میں شک نہیں کہ اسلام کے سوائے اس بدی کی کیفیت کسی مذہب نے بیان نہیں کی۔ مگر عیسائی مذہب کی پیشگوئیوں سے بھی کسی قدر اس کا پتہ لگتا ہے۔ مثلاً جیسے مسیحؑ کہتا ہے "جب ابن آدم آئیگا تو کیا دنیا پر ایمان پائے گا؟" اس سے صاف طور پر عیاں ہوتا ہے کہ جس زمانہ میں مسیح موعودؑ کا نزول ہوگا وہ خطرناک طور پر ایمانی زوال کا زمانہ ہوگا۔ ایسا ہی ۲ تمطاؤس ۳ : ۱ میں لکھا ہے کہ "تو یہ جان رکھ کہ آخری دنوں میں بُرے وقت آویں گے۔ کیونکہ آدمی خود غرض زردوست۔ لاف زن۔ گھمنڈی۔ کفر کرنیوالے۔ ماں باپ کے نافرمانبردار۔ ناشکر۔ ناپاک۔ بیدرد۔ کینہ ور۔ تہمتی۔ بدپرہیز۔ بیرحم۔

نیکی کے دشمن۔ دغاباز۔ بے لحاظ پھولنے والے۔ خدا کے چاہنے کی بہ نسبت عشرت کے زیادہ چاہنے والے۔ اور دینداری کی صورت میں ہو کے اُس کی قدرت کا انکار کریں گے۔ تُو ایسیوں سے دور رہ۔ کیونکہ ان میں سے وہ ہیں جو گھروں میں گھسا کرتے ہیں۔ اور ان چھچھوری رنڈیوں کو جو گناہوں تلے دبی ہیں۔ اور طرح طرح کی شہوتوں کے بس میں پھنس گئی ہیں۔ اور ہمیشہ تعلیم پاتی ہیں۔ اور سچائی کی پہچان تک ہرگز نہیں پہنچ سکتیں گرفتار کرتے ہیں" یہ تمام مفاسد معمولی قسم کے ہیں لیکن جس زور شور کے ساتھ جمع ہو کر اس زمانہ میں انکا غلبہ ہوا ہے جس کی نظیر کسی پہلے زمانہ میں پائی نہیں جاتی۔ اس سے یہ صریح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ مسیح موعودؑ کے نزول کا یہی زمانہ ہے۔ اسلامی پیشگوئیوں میں اس زمانہ کے خاص قسم کے فتنۂ عظیم کا ذکر بہت وضاحت سے اور کھلے طور پر آیا ہے۔ بعض پیشگوئیوں میں اس فتنۂ عظیم کا نام فتنۂ دجّال رکھا گیا ہے اور بعض میں صلیب پرستی کا غلبہ ظاہر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر اس بات کا ذکر کر آئے ہیں یہ دونوں نام ایک ہی فتنۂ عظیم کے ہیں۔ کیونکہ قرآن شریف کے مطالعہ سے بیّن طور پر ثابت ہوتا ہے کہ صلیبی مذہب ہی ایسا دین ہے جو حضرت مسیح کی اصلی تعلیم کے سخت مخالف ہے۔ اس لیے آخری زمانہ جس میں نزول مسیح موعودؑ ہونا مقدر تھا اس کی سب سے بڑی اور پہلی علامت یہی تھی کہ مسئلہ تثلیث اور کفارہ جو صلیب پرستی کی روح رواں ہیں دنیا پر محیط ہو جائیں گے۔ یہ ایسی علامت ہے کہ جس میں کوئی غلطی واقعہ نہیں ہو سکتی کیونکہ موعودہ فتنہ کی حقیقت اسی سے منکشف ہوتی ہے جس زمانہ میں حضور سرور کائنات فخر موجودات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اسوقت عیسائی مذہب میں اس جوش کا کچھ بھی اثر نظر نہ آتا تھا جو محض قیاس سے اس کے کسی آیندہ زمانہ میں غلبہ کی پیشگوئی کیجا سکتی۔ اور پھر اس کے بعد بھی مدت تک یہ مذہب اسی حالت میں پڑا رہا پھر اس آخری زمانہ میں جیسا کہ مقدر تھا اور پیشگوئیوں میں درج تھا صلیب پرستی کا دخان تمام قطعات عالم پر محیط ہو گیا اور ہر اقلیم میں جوق جوق مشنیں پھیل گئیں اور طرح طرح کے حیلوں سے دنیا کو اس باطل پرستی میں پھنسانیکے پھندے لگا دیئے گئے۔ صلیب پرستی کے مذہب کی گذشتہ تواریخ پر نگاہ ڈالنے سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ جو غلبہ اس نے اس زمانہ میں پایا ہے وہ کسی گذرے ہوئے زمانہ میں کبھی اسکو نصیب نہیں ہوا۔ اس لیے یہی وہ سب سے بڑا فتنہ ہے جس کے ساتھ مصلح موعود کو اس آخری زمانہ میں سابقہ پڑنا تھا۔ اور چونکہ یہ فتنہ ہر چہار اکناف عالم پر پھیل چکا ہے اس لیے یہی وہ آخری زمانہ ہے جس میں موعود نبی کا نزول مقدر تھا۔ اس سے بڑھکر بڑا فتنہ اور کونسا ہو گا کہ یسوع مسیح جیسے عاجز انسان کو خالق الارض والسمٰوات حیّ و قیوم قادر مطلق خدا مانا جاتا ہے۔ قرآن شریف سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے نام پر جو ایسی گندی تعلیم دنیا پر شائع کیجاتی ہے اسکی انکو کچھ بھی خبر نہ تھی جبکہ قرآن شریف جیسی مقدس شہادت موجود ہو تو مسلمانوں کے لیے اس بات کا سمجھنا کیسا آسان ہے کہ فتنۃ الدجّال سے مراد وہ حقیقت صلیبی مذہب کے باطل عقاید کا ہی دنیا پر پھیلنا ہے جو تمام دینی حقایق و معارف کے سراسر مخالف اور معارض ہے۔ قرآن شریف کی سورۃ المائدہ آیت ۱۱۷ میں مسیح کی تعلیم لکھی ہے کہ ما قلت لھم الا ما امرتنی بہ ان اعبدوا اللہ ربی وربکم یعنی مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اے میرے خدا میں نے ان لوگوں کو وہی بات

کہی جو تو نے مجھے امر کیا کہ تم سب اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے۔ قرآن شریف سے تو مسیح کی تعلیم یہ نظر آتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو خدا کا بندہ سمجھتے ہیں اور لوگوں کو خدائے واحد لاشریک کی عبادت کی تاکید کرتے ہیں۔ اور موجودہ عیسائی مذہب اسکو پیش کرتا ہے کہ وہ آپ ہی خدا تھا۔ اب مقام انصاف ہے کہ اگر یہ فتنہ عظیم دجالی فتنہ نہیں تو اور کونسا فتنہ ایسا ہو سکتا ہے جس کو دجالی فتنہ کہا جائیگا۔ اسلام میں تو یہ بات بہت کھول کھولکر بیان کیگئی ہے اور اس کے علاوہ اور بھی کئی علامات ایسی ہیں کہ جن سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ دجال کے فتنہ کے متعلق جتنی اسلامی پیشگوئیاں ہیں ان سب سے مراد عیسائی دین کے باطل عقاید کی اشاعت اور غلبہ ہے۔ منجملہ ان امور کے ایک یہ امر قابل غور ہے کہ معتبر احادیث میں لکھا ہے کہ فتنہ دجال کے اثر سے بچنے کے لیے سورہ کہف کی پہلی دس آیات کو پڑھتے رہنا چاہیئے۔ جیساکہ عام طور پر ایک حکیم نسخہ سے مرض تشخیص کر سکتا ہے اسی طرح جس مرض کا علاج ان دس آیات میں کیا گیا ہے وہ مرض ان آیات کے پڑھنے سے معلوم ہو سکتا ہے جب ان دس آیات کو غور سے پڑھا جاتا ہے تو صاف طور پر عیاں ہوتا ہے کہ ان آیات میں سب سے بڑا زور الوہیت مسیح کے ابطال پر دیا گیا ہے۔ جیساکہ کلام الٰہی کے ان فقرات سے ظاہر ہے۔ وینذر الذین قالوا اتخذ اللہ ولدا مالھم بہ من علم ولا لاٰبائھم کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا۔

ترجمہ:۔ اور ان لوگوں کو ڈرانے کیلیے جو کہتے ہیں کہ خدا نے بیٹا بنا لیا۔ نہ انہیں اس بات کا کوئی صحیح علم ہے اور نہ ہی ان کے باپ دادوں کو کچھ پتہ ہے۔ ان کے منہ سے یہ بہت بڑی بات نکلی ہے۔ وہ سوائے جھوٹ کے اور کچھ نہیں کہتے۔"

غرض ان آیات سے بھی یہی ثابت ہے کہ فتنہ الدجال سے مراد یہی صلیب پرستی ہے جس نے عاجز انسان کو خدا بنا دیا ہے۔ اگر عیسائی مذہب کے دلدادہ لوگ اس بات سے غصہ مناتیں کہ انکے مذہب کو کیوں فتنہ الدجال کہا جاتا ہے تو یہ غصہ انکا بیجا ہے کیونکہ ہم تو یہ امر واقعہ بیان کر رہے ہیں حقیقت میں رنج تو ہمارا بجا ہے کہ جب وہ ہم خدا کی توحید کے ماننے والوں کے سامنے ایک عاجز انسان کو خدا بیان کرتے ہیں جو ہر طرح سے انسانی خواص اور حالات کے ماتحت پیدا ہوا اور پرورش پائی۔ بلکہ توحید پر ایمان رکھنے والوں کو تو اس عقیدہ کے سننے سے بہت ہی رنج پہنچتا ہے۔ اور انکی پرلے درجہ کی دل شکنی ہوتی ہے۔ یہ مسئلہ کہ مسیح ابن مریم خدا تھا ایسا دل شکنی کرنیوالا کفر ہے کہ جس سے بڑھکر اور کوئی دل شکن کفر کبھی بولا ہی نہیں گیا۔ اگر مسیح ہی خدا تھا تو پھر ساری انبیاء کی تعلیمات باطل اور بیفایدہ ٹھہرتی ہیں۔ یہ تو ایسا بڑا باطل عقیدہ ہے کہ خود انجیل بھی اس کی تائید نہیں کرتی۔ کیونکہ جب کسی شخص نے مسیح کو کہا کہ "اے نیک استاد" تو مسیح اس بات سے بہت جھنجلایا کہ مجھے نیک کیوں کہتا ہے۔ کوئی نیک نہیں ہو سکتا مگر وہ ایک ہی نیک ہے جو خدا ہے۔ یہ ایسی روشن بات ہے جس کی تشریح کی کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ مسیح "وہ ایک" نہ تھا۔ علاوہ بریں الفاظ "خدا کا بیٹا" کوئی ایسے مخصوص نہیں کہ صرف یسوع مسیح پر ہی بولے گئے ہوں۔ بلکہ یہ بائبل کا محاورہ ہے کہ اس میں ہر ایک نیک بندہ خدا پرست کو "خدا کا بیٹا" کہا گیا ہے۔ خود مسیح نے ہی اسکی تشریح کر دی ہوئی ہے چنانچہ۔ یوحنا ۱۰/۳۳ میں لکھا ہے۔ "یہودیوں نے اسے جواب دیا کہ ہم تجھے اچھے کام کیلیے نہیں

بلکہ اس لیے تجھے پتھراؤ کرتے ہیں کہ تُو کفر کہتا ہے اور انسان ہو کر اپنے تئیں خدا بناتا ہے۔ یسوع نے انہیں جواب دیا کیا تمہاری شریعت میں یہ نہیں لکھا کہ مَینے کہا تم خدا ہو؟ جبکہ اس نے انہیں جن کے پاس خدا کا کلام آیا خدا کہا اور ممکن نہیں کہ کتاب باطل ہو۔ تم اسے جسے خدا نے مخصوص کیا اور جہان میں بھیجا کہتے ہو کہ تُو کفر بکتا ہے کہ مَینے کہا کہ میں خدا کا بیٹا ہوں۔" یہاں صاف مذکور ہے کہ مسیحؑ نے اپنے لیے ان الفاظ کو دوسرے برگزیدوں کی طرح ہی بیان کیا ہے بلکہ کہا ہے کہ بعض دوسروں کو تو خدا کہا گیا ہے اگر خدا کا بیٹا کہلانے سے کوئی شخص خدا ہو سکتا ہے تو خدا کہلانے سے خدا کا بھی کوئی بزرگ سمجھنا پڑیگا۔ اگر مسیح کی نسبت یہ الفاظ کوئی خاص معنے رکھتے تو اُسکا یہ بیان بالکل غلط اور عبث ہوتا غرض یہ تمام باتیں ثابت کرتی ہیں کہ مسیح نہ اپنے آپ کو خدا سمجھتے اور نہ خدا بنائے جانے میں خوش تھے۔ اور آجکل صلیب پرست لوگ جو جبراً اُن کو خدا بنانے پر اتنا زور لگا رہے ہیں وہ اُن کی تعلیم اور منشا کے بالکل برخلاف کرتے ہیں اور یہی مخالفت فتنۃ الدجّال کے نام سے موسوم ہوئی ہے۔ کیونکہ دجّال مسیح کے خلاف کارروائی کرنیوالے کا نام ہے۔

مسلمانوں میں جو پیشگوئیاں مسیح موعودؑ کے نزول کے متعلق ہیں ان سے پایا جاتا ہے کہ اُس کے نزول سے پہلے ایمان دنیا سے اُٹھ جائیگا اور جب وہ آئیگا تو دوبارہ ایمان کو قایم کریگا۔ اسی مضمون کی بعض پیشگوئیاں عیسائیوں کی کتب مقدس میں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے کہ آخری زمانہ میں لوگوں کے دلوں سے ایمان گم ہو جائیگا اور تمام لوگ حُبّ دنیا کیطرف ہی جھک پڑے ہوں گے۔ یہ امر بھی اُن معیاروں میں سے ایک مضبوط معیار ہے جس سے ثابت ہو سکتا ہے کہ نزول مسیح موعودؑ کی پیشگوئیوں کے ظہور کا یہی زمانہ ہے۔ غور کا مقام ہے کہ یہ وہ زمانہ ہے جس میں تمام دنیا کے اکثر لوگ بلکہ تمام لوگ ہی خداپرستی اور دینداری کو ترک کر بیٹھے ہیں۔ خدا پر ایمان سلب ہو گیا ہے۔ اور جب دنیا ایسی غالب آگئی ہے کہ دین کی طرف سے غفلت اور بے پرواہی عام چھاگئی ہے۔ دہریت اور مادہ پرستی نے دلوں پر ایسا غلبہ پالیا ہے کہ کوئی پہلا زمانہ اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتا۔ اگرچہ اُن لوگوں کی تعداد دن بدن بڑھتی جارہی ہے جو علی الاعلان دہریہ اور مادہ پرست کہلاتے ہیں لیکن اصل بات یہ ہے کہ جو لوگ خدا پر ایمان رکھنے کے مدعی ہیں وہ بھی نرے ظاہر ہی میں پرخداپرست ہیں اُن کے دل سچے ایمان اور اطمینان سے بالکل خالی اور معرا ہیں۔ دنیا کی محبت میں لوگ ایسے مجنون اور سرگردان ہو رہے ہیں کہ نہ کسی کے خدا پر ایمان رکھنے والا کا پتہ لگتا ہے اور نہ کوئی منکر خدا کی تمیز ہو سکتی ہے بعضوں کے ہونٹوں پر ایمان کا نام گو جاری نظر آتا ہے۔ مگر وہ ایمان حلق سے نیچے اُترا ہی نہیں۔ حقیقت میں زمین پر سے ایمان بالکل اُٹھ گیا ہے۔ بلکہ جیسا کہ ہمارے مقدس نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہوا ہے کہ آخری زمانہ میں ایمان ثریا پر چلا جائیگا اور مسیح موعودؑ اس کو واپس لائیگا ایمان ثریا میں اُٹھ گیا ہے۔

ان کے ماسوا ایک اور قسم کے آثار عیسائی اور اسلامی پیشگوئیوں میں پائے جاتے ہیں جن سے مسیح موعودؑ کے نزول کے زمانہ کی شناخت ہو سکتی ہے۔ مگر دونوں مذہبوں کی پیشگوئیوں میں فرق اتنا ہے کہ عیسائی پیشگوئیاں جب

معمول کچھ مبہم سی ہیں۔ اور اسلام میں ان کا بہت واضح اور معین رنگ ہے چنانچہ انجیل میں لکھا ہے کہ مختلف ملکوں میں قحط اور مری پڑے گی۔ اور زلزلے آئیں گے۔ اور متی باب ۲۴ میں لکھا ہو کہ اُن دنوں کی مصیبت کے بعد تُرت سورج اندھیرا ہو جائیگا۔ اور چاند اپنی روشنی نہ دیگا'' وغیرہ وغیرہ۔ تواریخ عالم اس بات سے لبریز ہے کہ دنیا میں ہمیشہ قحط اور مری پڑا کرتی ہے اور زلزلے آیا کرتے ہیں۔ اور کوئی سال خالی نہیں جاتا کہ جس میں سورج اور چاند کو گرہن نہ لگتا ہو۔ اگر مسیح کا کلام ان معمولی امور کو بیان کرنے تک ہی محصور ہوتا تو اسکو لغو اور مہمل ماننے میں کوئی شبہ نہ تھا۔ مگر ان پیشگوئیوں کو پیشگوئیاں سمجھکر یہ ماننا پڑتا ہے کہ اس کلام سے مراد کوئی ایسے خاص قسم کے واقعات اور حوادث ہیں جو غیر معمولی ہیں۔ ان کے مقابلہ میں اسلامی پیشگوئیاں بہت واضح اور اجلیٰ ہیں جو نہ صرف ان نشانات پر روشنی ہی ڈالتی ہیں بلکہ ان کے علاوہ اور بھی کئی علامات بیان کرتی ہیں۔ جیسے متی نے لکھا ہے کہ سورج اندھیرا ہو جائیگا اور چاند اپنی روشنی نہ دیگا۔ اب ظاہر ہے کہ یہ بہت مجمل اور مہمل الفاظ ہیں۔ لیکن اسلامی احادیث میں آیا ہے کہ مہدی کے زمانہ کی ایک یہ علامت بھی ہوگی کہ اسوقت ماہ رمضان کی تیرھویں تاریخ کو چاند کو اور اٹھائیسویں کو سورج کو گرہن لگے گا۔ اور یہ ایک ایسی علامت ہوگی کہ جو دنیا میں اس سے پہلے کبھی واقعہ ہی نہیں ہوئی ہوگی۔ اور جسکو اپنے مطلب کے موافق بنا لینے پر کوئی انسان قادر نہیں ہوگا۔ اب یہ ایک ایسی واضح پیشگوئی تھی کہ جو اپنے ظاہری الفاظ میں نہایت صفائی کے ساتھ ۱۸۹۴ء میں پوری ہوئی۔ اس کے مطابق ہی ۱۳ تاریخ ماہ رمضان کو چاند کو گرہن ہوا اور ۲۸ تاریخ اسی ماہ رمضان کو سورج گرہن ہوا۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے اصل الفاظ جو دارقطنی میں بروایت محمد الباقر بن زین العابدین درج ہیں ان لمھدینا اٰیتین لم تکونا منذ خلق السمٰوٰت والارض ینکسف القمر لاول لیلۃ من رمضان و تنکسف الشمس فی النصف منہ والخرج مثلہ البیھقی وغیرہ من المحدثین۔ ترجمہ۔ ہمارے مہدی کیلیے دو نشان ہیں جو کبھی کسی دوسرے کے لیے آفرینش دنیا سے ہی واقعہ نہیں ہوئے۔ اور وہ یہ ہیں کہ ماہ رمضان کے چاند کو گرہن لگنے والی راتوں میں سے پہلی رات چاند کو گرہن لگے گا اور سورج گرہن لگنے کے ایام کے نصف میں سورج گرہن ہوگا۔ اور اسی کی مانند بیہقی اپنی کتاب میں اور بعض دوسرے محدثین حدیثیں لائے ہیں۔ ہمارے ناظرین غالباً اس بات سے واقف ہوں گے کہ سورج اور چاند کو گرہن لگنے کے لیے قدرت نے وقت مقرر کیے ہوئے ہیں۔ اور ان اوقات کے شمار کا انحصار قمری مہینوں پر ہوتا ہے۔ چاند کو گرہن اس وقت ہوتا ہے جبکہ وہ پورا مدور ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵ قمری مہینے کی تاریخیں ایسی ہوتی ہیں کہ جن میں چاند کا دائرہ پورے طور پر گول ہوتا ہے۔ اور قانون الٰہی ایسا ہی ہے کہ ہمیشہ انہیں تین تاریخوں میں چاند کو گرہن ہوتا ہے انکے سوائے نہیں ہو سکتا۔ ان تاریخوں میں سے ۱۳ تاریخ پہلی تاریخ ہوتی ہے۔ اسی طرح سورج ہمیشہ قمری مہینے کی ۲۷۔ ۲۸۔ ۲۹ تاریخوں میں گرہن میں آتا ہے۔ اور ان تاریخوں کی درمیانی تاریخ ۲۸ ہوتی ہے پس

اس حدیث کے موافق ۱۳ ماہ رمضان چاند کے گرہن کیلیے اور ۲۸ ماہ رمضان مذکور سورج گرہن لگنے کیواسطے مقرر تھی۔ جو اسی کے مطابق واقعہ ہوگیا۔

اس کے علاوہ زمانہ نزول مسیح موعودؑ کی ایک اور علامت لکھی ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ خطرناک طاعون اُس زمانہ میں پھیلکر لوگوں کو تباہ کریگی۔ اب غور کا مقام ہے کہ جس شدت کے ساتھ طاعون مسلط ہوکر اس ملک ہندوستان میں مخلوق کو ہلاک کر رہی ہے وہ اس بات کیلیے کافی گواہ ہے کہ یہی زمانہ آخری موعود زمانہ ہے۔ چالیس لاکھ سے زیادہ انسان اس مہلک وبا کا شکار ہو چکے ہیں۔ اگرچہ ہندوستان جیسے وسیع ملک کی آبادی کے سامنے یہ تعداد ۱/۷۵ حصہ کے قریب ہوتی ہے لیکن اگر اتنی تعداد انسانوں کی کسی دوسرے ملک میں بھیجی جائے تو اس سے وہ ملک ہی آباد ہوجائے جن جن علاقوں میں طاعون کا دور دوران ہوا ہے ان میں اکثر دیہات تو اس نے اسی طرح بالکل ویران کردیئے ہیں کہ ان میں ایک متنفس بھی زندہ نہیں رہا۔ اور تمام در و دیوار لاوارث ہوگئے۔ اور بے شمار قریوں اور بستیوں میں ایسی تباہی ہوئی کہ آبادی کا دسواں حصہ بھی باقی نہ بچا۔ ابھی اسکا خاتمہ نہیں ہوا ابھی تو شروع ہی ہوئی ہے اور دن بدن ترقی کرتی جاتی ہے تنزل کا نام تک نہیں آیا۔ خدا معلوم کیا کرکے رہیگی۔ اس خطرناک نشان کی رو سے بھی ثابت ہوتا ہی کہ زمانہ موعودہ یہی زمانہ ہے۔

اس کے علاوہ قرآن شریف میں وارد ہوا ہے کہ اس آخری زمانہ میں ایسے متواتر اور خطرناک زلازل ہوں گے کہ لوگوں پر ظاہر ہو جائیگا کہ وہ معمولی زلزلے نہیں۔ بلکہ غیر معمولی ہیں۔ اگرچہ ابھی تک وہ خطرناک زلزلہ جس کی طرف قرآن شریف کا خاص اشارہ ہے واقعہ نہیں ہوا جس کی نسبت لکھا ہے کہ زمین بہت خطرناک شدت سے جنبش دیجائیگی۔ لیکن ابتدائی زلزلے ہی جو رونما ہو رہے ہیں ان کی شدت اور غیر معمولیت ایسی نمایاں ہو رہی ہے کہ تمام عالم کی توجہ انہیں کی طرف مبذول ہوگئی ہے۔ دنیا کے تمام باخبر لوگ اور اہل جرائد اور اہل قلم اس بات پر متفق ہیں کہ یہ زلزلے دنیا میں غیر معمولی طور پر واقعہ ہوئے ہیں۔ چنانچہ پاؤنیر جیسے معتبر اخبار نے بھی کچھ عرصہ گذرا ہے کہ بہت صفائی کے ساتھ لکھا تھا کہ یہ ایسے شدید اور خطرناک اور تباہ کن زلزلے واقعہ ہوئے ہیں کہ جن کی مثال اگر ممکن ہوسکتی ہے تو شاید پہلی عیسوی صدی میں ہوگی۔ ورنہ تاریخ دنیا نظیر پیش کرنے سے ساکت ہے۔ اور حال میں ہی اخبار سول میں یہ لکھا گیا ہے کہ تمام سمجھدار آدمی یہ سوال کرتے ہیں کہ زمین کو کیا ہوگیا کیونکہ تاریخی زمانہ میں ایسے تباہی افگن زلازل کی کثرت اور کہیں نظر نہیں آتی۔ اس نشان کی رو سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ موعودہ آخری زمانہ یہی زمانہ ہے۔ اس کے ماسوا اس زمانہ کا یہ بھی ایک نشان لکھا ہوا تھا کہ مکہ معظمہ کا حج روکا جائیگا۔ اسی طرح اونٹ جو کہ باربرداری اور سواری کیلیے سب سے اعلیٰ درجہ کی سواری شمار ہوتی تھی اس کا معطل ہونا اور اس کی بجائے نئی قسم کی سواریوں کا ایجاد ہوجانا۔ دریاؤں کا پایاب ہونا اور کثرت سے نہریں بنائی جانا۔ علوم اور صحایف کا زور سے انتشار ہونا وغیرہ نشانات آخری زمانہ کے ہیں جس میں مسیح موعود کا نزول مقدر تھا۔ اور یہ سب نشانات پورے ہوگئے ہیں جن سے صاف ثابت ہوتا ہی کہ یہی زمانہ موعودہ آخری زمانہ ہے

جس میں مسیح موعودؑ نے نازل ہونا تھا۔

ان تمام مذکورہ بالا نشانات کے علاوہ ایسی پیشگوئیاں بھی ہیں کہ جن کی رو سے زمانہ کے شمار کی بنا پر ثابت ہوتا ہے کہ مسیح موعودؑ کے نزول کا زمانہ شروع ہو گیا ہے۔ مسیح موعودؑ آخری زمانہ کا مرسل اور آدم ثانی کے ناموں سے بھی مخاطب کیا گیا ہے اور آدم اول سے آدم ثانی تک جو زمانہ گذر رہا ہے وہ چھ حصوں میں منقسم ہے۔ جو ہر ایک حصہ ایک ہزار سال کا ہوتا ہے پھر آدم ثانی کے نزول سے ساتواں ہزار شروع ہو گا یعنی ساتواں حصہ دنیا کے وقت کا شروع ہو گا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس زمانہ کی ابتدا مسیح موعودؑ کے نزول کا زمانہ مقدر تھی۔ عیسائیوں اور یہودیوں کی الہامی کتب میں اس آخری حصہ کے بارہ میں بہت ساری پیشگوئیاں ہیں۔ اگرچہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ان میں اکثر امور میں باہم اتفاق نہیں۔ لیکن باوجود ان اختلافات کے ان تمام پیشگوئیوں میں یہ امر مشترک ہے کہ اس آخری دَور دنیا میں بدی کی طاقت قطعی اور آخری طور پر تباہ کیجائیگی۔ یہ امر عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاں بڑے زور سے مانا جاتا ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ اس کی بنا کوئی سچی پیشگوئی ہے۔ ایسا ہی اہل مذہب زردشت بھی اسی قسم کا عقیدہ رکھتے ہیں (دیکھو جیوئش انسائیکلو پیڈیا ضمن مضمون بعنوان ملینیم) حقیقت میں یہ خیال ہر ایک مذہب میں ایسا شہرت یافتہ ہے اور ایسی مضبوط بنا رکھتا ہے کہ جس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچنے کیلئے مجبور ہیں کہ اس کی اصل سچی الہامی پیشگوئی ہے اب ہم دیکھتے ہیں کہ قمری حساب کی رو سے حضرت آدم علیہ السلام سے آجتک چھ ہزار سال گذر چکے ہیں۔ اسلام میں یہ پیشگوئی اور بھی واضح الفاظ میں موجود ہے۔ چنانچہ قرآن شریف سورۃ السجدۃ میں لکھا ہے یدبر الامر من السماء الی الارض ثم یعرج الیہ فی یوم کان مقدارہ الف سنۃ مما تعدون۔ ترجمہ "آسمان سے زمین تک امر کا انتظام کرتا ہے۔ پھر یہ امر اس کی طرف ایک دن میں چڑھیگا جسکی مقدار تمہاری گنتی کے مطابق ایک ہزار سال ہوگی"۔ یہاں امر سے مراد دنیا کی اصلاح ہے کہ جس میں ایمان جو دنیا سے اُٹھ گیا تھا دوبارہ زندہ ہوا۔ اور اس آیت کریمہ کی منشا یہ ہے کہ وہ ایمان جو دنیا پر دوبارہ قایم ہوا ہے اسپر ایک ایسا زمانہ آئیگا کہ وہ بھی دنیا سے رخصت ہو جائیگا اور آسمان پر اُٹھا لیا جائیگا۔ صحیح احادیث میں لکھا ہے کہ راستی کا یہ غلبہ تین قرنوں تک رہیگا جو تخمیناً تین سو برس کے قریب ہوتے ہیں۔ یعنی حضرت سلطان الانبیاء شہنشاہ مرسلین سیدنا محمد مصطفےٰ صلعم کے بعد تین سو برس تک راستبازی کا دنیا پر غلبہ رہے گا۔ پھر اس کے بعد ایک ایسا تاریکی کا زمانہ آئیگا جو ایک ہزار برس تک رہیگا۔ جس میں شیطان کے زنجیر کھولے جائیں گے۔ اور بدی راستبازی پر غالب آ رہیگی۔ اس زمانہ کے لوگوں کو اصطلاح شرعی میں فیج اعوج کہا گیا ہے جس کے معنے ہیں بگڑی ہوئی جماعت۔ اس ایک ہزار سال کی ایک تاریک رات کے بعد جب دجالی فتنوں کا اثر حد نہایت کو پہنچ چکیگا اور لوگ گمراہ ہو چکیں گے۔ تو پھر صداقت کا آفتاب دنیا پر طلوع فرما کر اندھیرے کی افواج کو پس پا کریگا۔ اور نور وہدایت کی شعاعوں سے عالم کو منور فرمائیگا۔ اسطرح گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تیرہ سو برس بعد مسیح موعودؑ کا ظہور ثابت ہوتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ وہ تیرہ سو برس گذر کر

ہجری سنہ چودھویں صدی شروع ہوگئی ہوئی ہے۔ اب ان دونوں حسابوں کے شمار کی رو سے یہی بات قرار پاتی ہے کہ نزول وظہور مسیح موعودؑ کا یہی زمانہ ہے۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ کسی مامور و مرسل کے ظہور و نزول کے زمانہ اور اس کی صداقت کی معرفت کیلیے صرف ایسی پیشگوئیاں ہی اکیلا معیار نہیں۔ پیشگوئیاں عموماً استعارہ کے رنگ میں ہوتی ہیں۔ اور عوام الناس اس حقیقت کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔ وہ ان کے لفظی طور پر پورے ہونیکے منتظر رہتے ہیں۔ اور اس باعث سے سخت غلطی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور نفس مطلب کو پانیسے محروم رہ جاتے ہیں۔ اسلیے ہم نے اس بحث میں پیشگوئیوں کی تفصیل پر نہیں کیا۔ بلکہ ان کی تفصیل میں داخل نہیں ہوئے۔ ہم نے وہ موٹے امور بیان کرنیے پر یہاں اکتفا کیا ہے جو مختلف مذاہب میں متفق علیہ ہیں۔ اور انہیں امور کا تذکرہ کیا ہے جو ہر مذہب میں قریباً ہر رنگ مانے جاتے ہیں۔ اور جو متفق علیہ ہونیکی وجہ سے حقیقی طور پر نفس امر کا مغز۔ اور اصل اصول ہیں۔ اور دوسرے تمام امور ان کی تفاصیل اور تشریحات ہیں۔ آخری زمانہ کے مصلح کے ظہور اور نزول کے زمانہ کے متعلق ہم نے چند ایسے اصولی امور بیان کر دیئے ہیں جن پر ہر مذہب کو مشترک طور پر اتفاق ہے ہم نے ایسے امور کو ترک کیا ہی نہیں جن میں اختلاف موجود تھا۔ اسی طرح اب ہم ذیل میں یہ امر دکھائیں گے کہ اس آخری مصلح کا ظہور و نزول پیشگوئیوں کی رو سے اسی ملک میں ہونا ضروری تھا یسعیاہ ۱۴۱ میں مامور آخر زمان کے نزول کے متعلق لکھا ہے "کس نے اُس راستباز کو پورب کی طرف سے برپا کیا" اسی طرح مشہور و معروف فارسی مصلح زردشت موعود مصلح آخر زمان کے متعلق کہتا ہے کہ وہ مشرقی علاقہ میں ہی پیدا ہوگا۔ ایسا ہی حضرت مسیح علیہ السلام بھی اپنی استعاروں اور تماثیل سے بھری ہوئی زبان میں یہی فرماتے ہیں کہ وہ موعودؑ پورب ہی میں نازل ہوگا۔ کیونکہ آپ نے کہا ہے کہ مسیح کا آنا بجلی کی چمکار کی طرح ہوگا جو مشرق میں چمکتی ہے جس سے صاف یہی پایا جاتا ہے کہ مسیح موعودؑ کا نزول مشرق ہی میں ہوگا۔ ایسا ہی حضور فخر موجودات سرور رسل محمد مصطفےٰ صلعم نے مشرق ہی کی طرف اپنی مبارک انگلی سے اشارہ کرکے فرمایا کہ مسیح موعودؑ اور دجّال کے درمیان اسی طرف سے جنگ شروع ہوگا۔ اور اسپر اور وضاحت سے فرمایا کہ مسیح موعودؑ ایک ایسی مقام میں نازل ہوگا جو دمشق سے مشرق کی سمت واقعہ ہے۔ لیکن اب سوال یہ ہے کہ ان تمام پیشگوئیوں میں مشرق پر اتفاق کے معنے کیا ہیں؟ اس کے متعلق ہم اتنا لکھنا چاہتے ہیں کہ عہد نامہ عتیق کی رو سے جو علاقہ دریائے دجلہ اور فرات سے پار مسوپوٹامیہ آرمینیا اور ایران سے ورے واقع ہے وہ مشرق ہے۔ ایسا ہی حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت رسول کریم محمد مصطفےٰ صلعم کی پیشگوئیوں میں عرب اور شام سے مشرق کی طرف کے ممالک پر مشرق کا لفظ چسپاں ہوسکتا ہے۔ لیکن زردشت کی پیشگوئی میں بھی جو خود ایران کا رہنے والا ہے اس آخری موعودؑ کے نزول کی جگہ مشرق ہی بیان کی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موعود کے نزول کیلیے کوئی ایسی سرزمین مقدر ہے جو فارس سے بھی مشرق ہی کو واقع ہے۔ غرض ہندوستان سے مغرب کی طرف اقالیم میں جس قدر پیشگوئیاں اس موعودؑ کے متعلق موجود ہیں اُن سب میں مقام

نزول موعود مشرق ہی قرار دیا ہے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ہندوستان میں جو یہ پیشگوئی کی گئی ہے کہ کلجگ کے خاتمہ پر ایک عظیم الشان اوتار نازل ہوگا اس میں اس کے نزول کیلئے ہندوستان سے باہر کسی ملک کا اشارہ نہیں کیا گیا۔ اُن تمام پیشگوئیوں میں مشرق کا ذکر موجود ہونا اور ہندی پیشگوئی میں کسی غیر ملک یا سمت کا ذکر نہ پایا جانا اس بات کو صاف طور پر ثابت کر رہا ہے کہ اس بلند مرتبت مصلح آخر زمان کے نزول کیلئے یہی ملک ہندوستان ازل سے مقدر تھا۔ اس مختصر بحث کا فایدہ یہ حاصل ہوتا ہے کہ مختلف قوموں کی مختلف پیشگوئیوں میں جو بطور اجمال مصلح آخر زمان کا ذکر موجود ہے اس سے اس کے نزول کے زمانہ اور مقام کا سمجھنا بہت مشکل نہیں رہتا۔

ہم اس بات سے انکار نہیں کرتے کہ کوئی صاحب ان مسیح موعود کے نزول کی متعلقہ پیشگوئیوں سے کوئی اور نتیجہ ایسا نکال سکتا ہے جو ہمارے نتیجہ پیش کردہ سے مختلف ہو۔ لیکن یہ یقینی اور قطعی امر ہے کہ اگر ان متفرق پیشگوئیوں کے عام مفہوم اور متفقہ نتیجہ کو لیا جاوے تو وہی نتیجہ نکلیگا جو ہم نے پیش کیا ہے۔ تمام انبیاء کی تاریخ اس بات پر شہادت دیتی ہے کہ پیشگوئیوں کے معنے کرنے میں انکے عام مفہوم کو مدنظر رکھنا چاہیئے اور پیشگوئیوں کی تفصیلات پر زیادہ زور نہیں دینا چاہیئے۔ اگر ہم تمام مذاہب کی متفرق پیشگوئیوں میں سے قدر مشترک نتیجہ نکالنا چاہیں تو سوائے اس نتیجہ کے جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے اور کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ غور طلب امر یہ ہے کہ آخری زمانہ میں ایک مصلح کے آنیکی پیشگوئی متفقہ مفہوم کے ساتھ بہت ساری اقوام میں مروج ہے۔ اس پیشگوئی کا اس طریق سے اکثر مذاہب میں موجود ہونا اور اسلام میں اس کے متعلق نشانات کا معین ہونا دو ایسے اہم اور ضروری امور ہیں جن سے کوئی اور نتیجہ نکالنا ممکن ہی نہیں۔ ہم نے ابھی ذکر کیا ہے کہ اس نتیجہ کے سوا کوئی اور نتیجہ اس پیشگوئی کا تراشنا پر از خطر راہ ہوگی۔ کیونکہ اس کی بنا نہ صرف پیشگوئی کی سرسری شہادت پر ہی ہوگی بلکہ ایسے خیالات پر ہوگی جو تمام ایسے حقایق اور واقعات سے جدا ہونگے جو علی الاطلاق ان پیشگوئیوں کے معنوں پر روشنی ڈالنے والے ہیں یہ بات اس مثال سے اور بھی واضح ہو سکتی ہے۔ کہ اس زمانہ میں کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام ابھی دنیا پر تشریف نہ لائے تھے تو بنی اسرائیل مسیح کی انتظار میں تھے۔ پھر جب مسیح آئے اور انہوں نے اپنے دعوئے نبوت کی منادی کی تو وہی منتظر بنی اسرائیل اُسے کذاب اور مفتری علی اللہ سمجھنے لگ گئے۔ اس تکذیب کی وجہ یہ نہ تھی کہ بنی اسرائیل مصلح کی ضرورت سے بیخبر تھے۔ اور اس بات سے ناواقف تھے کہ قدیمی پیشگوئی کے عام مفہوم کی رو سے وہ زمانہ ہی نزول مسیح کا زمانہ تھا بلکہ اسکی وجہ یہ تھی کہ وہ پیشگوئی کی بعض خاص باتوں پر بہت زور دیتے تھے۔ مثلاً بہت ساری پیشگوئیوں میں سے ایک پیشگوئی جو مسیح کے نزول کی خبر دیتی تھی اُس میں یہ شرط لگی ہوئی تھی کہ گذشتہ نبیوں میں سے حضرت الیاسؑ (ایلیا) آسمان سے دنیا پر پھر تشریف لاویں گے۔ اور مسیح اُس وقت نازل ہونگے جب الیاسؑ آچکیں گے۔ چونکہ ابھی تک یہ شرط اُن کے نزدیک پوری نہ ہوئی تھی یعنی الیاسؑ آسمان سے نہ اُترے تھے اسلیے وہ حضرت مسیح علیہ السلام کو

جھوٹا مدعیٔ نبوت سمجھتے تھے۔ اور اُن کا خیال تھا کہ یہ بھی اُن بہت سارے جھوٹے مسیحوں میں سے ایک مسیح ہے جن کی نسبت لکھا تھا کہ بہتیرے جھوٹے مسیح آئیں گے۔ اسی طرح مسیح کے متعلق اور پیشگوئیوں میں بھی اسی قسم کے کئی اور پہلو تھے جو لفظی طور پر یسوع کے متعلق پورے نہ ہوئے تھے۔ اور اس لیے یہودی لوگ اُن کی مخالفت پر تُلے ہوئے تھے یہودیوں نے اس غلط فہمی سے بہت خطرناک ٹھوکر کھائی۔ اور بڑی تباہی اُٹھائی۔ بلکہ کثیر حصّہ اُس نکبت اور ذلّت اور بدنصیبی کا جو انکو قومی طور پر ملا ہوا ہے وہ سب اسی ایک غلطی کی بدولت ہے کہ وہ ہر شق سے پیشگوئی کے لفظاً پورا ہونے پر اعتقاد جمائے ہوئے تھے۔ اس لیے کسی مدعیٔ نبوت کے دعوے کے صدق وکذب کی شناخت اور فیصلے کیلیے سب سے محفوظ طریق یہ ہے کہ یہ امر دیکھ لیا جائے کہ بہ ہیئت مجموعی کیفیت عامہ کے ساتھ وہ پیشگوئی اس کے حالات کے ساتھ موافق ہے یا نہیں۔ یہانتک تو اصول عامہ مشترکہ ومسلمہ سے ہمارے بیان کی ترجیح ثابت ہے۔ اب دوسرا امر یہ ہے کہ حضرت میرزا غلام احمد صاحب کے دعوئے مسیحیت ومہدویت کے بارہ میں اندرونی شہادت دیکھی جاوے۔ لیکن قبل اس کے کہ اس امر کی تفصیل کیطرف رجوع کیا جائے یہ ضروری ہے کہ عوام الناس میں جو یہ خیال بیٹھا ہوا ہے کہ یہ پیشگوئیاں لفظی طور پر پوری ہونی چاہئیں اور اس کی وجہ سے وہ کئی قسم کی غلط فہمیوں میں پڑے ہوئے ہیں انکو دُور کیا جائے۔ عیسائی اور مسلمان دونوں اس دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ کہ اس پیشگوئی سے مراد یہی ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم ناصری اسرائیلی ہی دنیا پر آخری زمانہ میں آسمان سے اُتریں گے جہاں وہ اتنے عرصہ سے چڑھے بیٹھے ہیں۔ اور زندہ ہیں۔ یہ خیال ایسا ہے کہ نہ اس کی بنیاد ہی صحیح ہے اور نہ اس کی بالائی عمارت ہی راست ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام آسمان پر ہرگز نہیں چڑھے! وہ انسان تھے اور برگزیدہ انسانوں کی طرح عزت کے ساتھ اسی زمین پر راہیٔ ملک بقا ہوئے۔ اور اسی زمین کو اپنے مدفن بننے کی عزت بخشی۔ چنانچہ اُنکی مزار منور محلہ خانیار واقع شہر سری نگر ملک کشمیر میں اس وقت تک محفوظ اور موجود ہے۔ مسیح علیہ السلام کے خاکی جسم کے ساتھ آسمان پر زندہ اُٹھایا جانیکا اعتقاد جیسا کہ بے بنیاد اور بعید از حقیقت ہے اسی طرح اُسکا آسمان سے اُترنا بھی وہمی قصہ ہے۔ جس کی تہ میں حقیقت کچھ بھی نہیں۔ لوگوں کی عادت ہوگئی ہے کہ جہاں کہیں مسیح کا نام آجائے اور اس کے متعلق کسی واقعہ یا پیشگوئی کی تشریح کی ضرورت ہو تو وہ اُسوقت تک صبر نہیں کرتے جبتک کہ اُسپر کوئی ایسا رنگ نہ چڑھالیں جو اُنکی اپنی نظر میں دائرہ انسانی سے فائق ہو۔ اُسی طرح مسیح آخر زمان کے متعلق یہ عقیدہ گھڑا ہوا ہے کہ پہلا مسیح ہی آسمانپر زندہ چڑھ گیا تھا اور اس زمانہ میں وہی آسمان سے اُتریگا۔ پھر حضرت مسیح علیہ السلام ہی نے خود اس مسئلہ کا فیصلہ کیا کہ نزول ثانی سے کیا مراد ہوتی ہے۔ یہودی جو الیاسؑ کے نزول ثانی کے لیے آسمان کی طرف تاک لگائے بیٹھے تھے اُنکو مسیح نے کھول کھولکر بیان کرسنایا کہ اس نزول سے مراد یہ نہیں کہ فی الحقیقت وہی الیاسؑ دوبارہ نازل ہونگے بلکہ مراد اس سے یہ تھی کہ کوئی شخص حضرت الیاسؑ کی قوت قدسی اور روحانیت سے بہرہ اندوز ہوکر آئیگا۔

اور یہ پیشگوئی حضرت یحییٰ ؑ (یوحنا بپتسمہ دینے والے) کے وجود میں پوری ہوگئی ہے جو حضرت الیاسؑ کی روحانیت اور قوت قدسی لیکر تشریف لائے ہیں۔ حضرت مسیحؑ نے نزول الیاس سے کبھی انکار نہیں کیا۔ لیکن وہ ہمیشہ اس کی یہی تشریح کرتے تھے کہ اس سے مراد نزول حضرت یحییٰ تھی۔ غرض حضرت مسیحؑ مقدس تواریخ میں پہلے بزرگ ہوئے ہیں جنہوں نے مسئلہ بروز کی حقیقت اور الہامی اصطلاح میں نزول ثانی کے فلسفہ کو منکشف فرمایا۔ اور یہ ضروری تھا کہ ان کے منہ سے ہی یہ مسئلہ بھی صاف ہو جاوے کیونکہ لوگوں نے اسی قسم کی غلط فہمی اُن کی ذات خاص کے متعلق بھی کرنی تھی۔ پھر جبکہ وہ آپ ہی ان اصطلاحات کا فیصلہ کر چکے تھے اور ان سے مراد جو اصلی ہے اسکی تشریح بیان فرما چکے تھے تو جب انہوں نے یہ کہا "کہ مسیح دوبارہ آئیگا" تو اس کا مطلب ان کی بیان کردہ تشریح سے جدا کیونکر سمجھا جانا ممکن ہے جب انہوں نے ایک طرف الیاسؑ کے نزول ثانی کی یہ تشریح کی اور دوسری طرف اپنے نزول ثانی کی خبر دی تو اگر انکی منشاء میں اپنے نزول کے یہ معنے ہوتے کہ وہ خود آسمان سے نازل ہونگے تو ضرور تھا کہ وہ اپنے حواریوں کو کھلے الفاظ میں فرما دیتے کہ اگرچہ الیاسؑ کے دوبارہ نزول کی خاص تشریح پر میں نے اتنا زور دے رکھا ہے لیکن میرا نزول ثانی ایسا نہیں ہوگا۔ بلکہ میں آپ ہی آؤنگا جب تک کہ یہ ثابت نہو کہ مسیح علیہ السلام نے اپنے نزول ثانی کے متعلق واضح الفاظ میں کہیں فرما دیا تھا کہ اس سے مراد یہی ہے کہ میں آپ ہی دوبارہ آسمان سے نازل ہونگا۔ اور میرا آنا الیاسؑ کے آنیکی طرح نہیں ہوگا اس وقت تک ہم پابند ہیں کہ نزول ثانی کے وہی معنے لیں جو اس نے الیاسؑ کے معاملہ میں آپ بیان کیے ہوئے ہیں۔ جب یسوع مسیح نے اپنے حواریوں کو یہ یقین دلایا کہ وہ سچا نبی ہے۔ اور اپنے صدق کی دلیل یہ ٹھہرائی کہ ایک شخص کے نزول ثانی سے مراد یہ ہے کہ کوئی دوسرا شخص اس کی روحانیت اور قوت قدسی پاکر مبعوث کیا جائیگا تو یہ لازمی امر ہے کہ اپنے نزول ثانی کی پیشگوئی کی بھی وہی مراد انہوں نے رکھی ہو۔

بعض عیسائی اخباروں نے اس دقت کو حل کرنیکے لیے ایسی تشریحات پیش کی ہیں جنہیں دیکھکر ہنسی آتی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ چونکہ الیاسؑ ایک بشر تھا اسلیے اُسکا دوبارہ آنا محال اور ناممکن **تھا اور اس لیے** ضروری تھا کہ اس کے نزول ثانی کی پیشگوئی سے مراد کسی اور شخص کا نزول ہو جو اسکی روحانیت **اور قدسی قوت** لیکر آئے۔ لیکن خداوند یسوع مسیح تو خدا تھے۔ اُنکا دوبارہ دنیا پر آنا عین احاطہ امکان **کے اندر ہے**۔ اور یہ ممکن نہیں ...... کہ کوئی بشر اُس کی روحانیت اور قدسی قوت سے حصہ پا سکے اور پھر اُس کی **بجائے نازل ہو سکے** عیسائیوں نے جو جدت طبع اس موقع پر دکھلائی ہے وہ کسی پہلو سے قابل تحسین و تعریف نہیں ہو سکتی بلکہ مضحکہ خیز ہے یہاں مسیح کی الوہیت اور عدم الوہیت کا تو مسئلہ ہی نہ تھا بلکہ سوال یہ تھا کہ خود مسیح نے اپنے نزول ثانی کی کیا تشریح کی۔ جب مسیح کی اپنی تشریح موجود ہے تو کسی عیسائی کو اُسکے مقابلہ میں کوئی اور تشریح پیش

کرنیکا کیا حق ہے۔ اگر اپنے نزول ثانی سے مسیح کے دل میں کوئی اور مطلب ہوتا تو اسکا فرض تھا کہ وہ کم ازکم اپنے شاگردوں ہی کو جمع کرکے انہیں سمجھاتا کہ "اے میرے دوستو! تمہیں اس امر کیطرف توجہ کرنی چاہیئے کہ میں نے تمہارے سامنے کئی مرتبہ الیاسؑ کے نزول ثانی کی تشریح بیان کی ہے۔ کہ اس سے مراد کسی دوسرے شخص کا نزول ہے جو الیاس کی روحانیت اور قوت قدسی پر آئے گا۔ یہ تشریح میرے دعوئے مسیحیت کی حقیقت ثابت کرنیکے لیے ازبس ضروری تھی۔ کیونکہ اگر یہ تشریح نہ کیجاتی تو میرے دعوے کا سارا تانا بانا ہی غلط اور اکارت ہو جاتا۔ لیکن یہ نہ سمجھنا کہ میرے نزول ثانی سے مراد بھی یہی ہے کہ کوئی دوسرا شخص میری بجائے نازل ہوگا۔ اے میرے عزیزو! الیاس صرف ایک انسان تھا اور اس لیے اسکا دوبارہ نازل ہونا ناممکن محض تھا۔ لیکن میں خدا ہوں اور میرا دوبارہ اس وجود میں آنا ممکن ہے۔ اور اگر تم یہ کہو کہ اُس وقت الیاس کے نزول ثانی کی پیشگوئی کیوں کی گئی تھی تو اسکا جواب یہی ہے کہ میرا قیاس ہے کہ اُس نبی نے بھی پیشگوئی کرنیکے وقت گمان کر لیا ہوگا کہ الیاس بھی خدا ہے اور اُسکا دوبارہ آنا ممکن ہے"! علاوہ بریں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ جب مسیح نے الیاسؑ کے نزول ثانی کی پیشگوئی کی تشریح کی تو اُس نے کبھی نہیں کہا کہ الیاس آیا ہی نہیں۔ بلکہ وہ کہتا ہے "اور الیاس جو آنیوالا تھا یہی ہے۔ چاہو تو قبول کرو" (متی ۱۱/۱۴) "اور اُس کے شاگردوں نے پوچھا پھر فقیہہ کیوں کہتے ہیں کہ پہلے الیاس کا آنا ضروری ہے؟ یسوع نے انہیں جواب دیا کہ الیاس البتہ پہلے آویگا اور سب چیزوں کا بندوبست کریگا پر میں تمہیں کہتا ہوں کہ الیاس تو آچکا لیکن انہوں نے اُسکو نہیں پہچانا۔ بلکہ جو چاہا اس کے ساتھ کیا۔ اسی طرح ابن آدم بھی اُنسے دکھ اُٹھاویگا۔ تب شاگردوں نے سمجھا کہ اُس نے اُن سے یوحنا بپتسمہ دینے والے کی بابت کہا" (متی ۱۷/۱۰-۱۳) اس حوالہ سے ثابت ہے کہ یسوع مسیح کو الیاس کے آنیکی ضرورت کی بڑی قدر تھی مگر اُس نے یہ نہیں کہا کہ الیاس چونکہ محض بشر تھا اس لیے وہ دوبارہ نازل نہیں ہوا۔ یا اس لیے کہ اس کے منصب کا کام کوئی دوسرا آدمی کر سکتا تھا۔ اس نے تو اسی بات پر بار بار زور دیا کہ حضرت یوحنا بپتسمہ دینے والا (یحییٰؑ) ....

حضرت الیاس کی روحانیت اور قوت قدسی لے کر آیا اور وہی الیاس تھا۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ روحانی طور پر وہی الیاس تھا۔ اوپر جو بائبل کی دوسری آیت درج کی گئی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ مسیح کا اپنا نزول ثانی بھی اسی کیفیت کے ساتھ ہوگا۔ کیونکہ اُس نے کہا ہے کہ "الیاسؑ تو آچکا۔ لیکن انہوں نے اُسکو نہیں پہچانا۔ بلکہ جو چاہا اس کے ساتھ کیا۔ اسی طرح ابن آدم بھی اُن سے دکھ اُٹھاویگا" جسکا مطلب یہ ہے کہ الیاس کو دوسرے نزول کے وقت دُکھ دیا گیا تھا۔ کیونکہ اُسوقت لوگوں نے نہ جانا کہ وہ الیاس تھا۔ اس لیے انہوں نے اُس کو دُکھ دیئے اور ستایا۔ اسی طرح مسیح کو بھی دوسرے نزول کے وقت دُکھ دیئے جائیں گے۔ کیونکہ لوگوں کو یہ معلوم نہ ہوگا کہ وہ مسیح ہے۔

ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کہ عیسائیوں کی طرح مسلمانوں نے بھی یہ اعتقاد باطل پکا رکھا ہے کہ مسیح ناصری اسرائیلی ہی دوبارہ نازل ہوں گے۔ عیسائی تو انسان پرستی میں گرفتار تھے ہی لیکن تعجب کی بات ہے کہ اس خدا پرست مسلمان قوم کے افراد بھی اس بد اعتقادی میں مبتلا ہو گئے۔ جن کی مقدس کتاب قرآن شریف باواز بلند پکار پکار کر مسیح علیہ السلام کی وفات بیان کر رہی ہے۔ اور اس کے آسمان پر چڑھنے کو غلط قرار دے رہی ہے۔ قرآن شریف کی سورۃ المائدہ کے اخیر میں لکھا ہے۔ واذ قال اللہ یا عیسیٰ ابن مریم ءانت قلت للناس اتخذونی وامی الٰھین من دون اللہ قال سبحانک مایکون لی ان اقول مالیس لی بحق ان کنت قلتہ فقد علمتہ تعلم ما فی نفسی ولا اعلم ما فی نفسک انک انت علام الغیوب ۔ ما قلت لھم الا ما امرتنی بہ ان اعبدوا اللہ ربی وربکم وکنت علیھم شھیدا مادمت فیھم ۔ فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم وانت علیٰ کل شیء شھید ۔ ترجمہ۔ جب خدا پوچھیگا کہ اے مریم کے بیٹے عیسیٰ کیا لوگوں کو تو نے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو خدا کے سوا معبود بنالو۔ تو عیسیٰ جواب دیں گے اے خدا جو تیری ذات ہر عیب سے پاک ہے میرے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ میں انہیں ایسی باتیں تعلیم کرتا جو مجھے حق نہیں پہنچتا۔ اگر میں نے کچھ کہا ہوتا تو اس کو تو جانتا ہے۔ کیونکہ جو بات میرے جی میں ہے اسکو تو جانتا ہے اور جو تیرے جی میں ہے میں اسکو نہیں جانتا۔ تو تو ہر غیب کو بہت اچھی طرح جاننے والا ہے۔ میں نے انہیں کوئی ایسی بات نہیں کہی جو تو نے مجھے نہ فرمائی ہو۔ اور جو کہا وہ یہی تھا کہ اللہ جو میرا اور تمھارا رب ہے اس کی ہی بندگی کرو۔ اور جب تک میں ان میں تھا تو میں انپر شاہد تھا۔ مگر جب تو نے مجھے وفات دیدی تو پھر انپر تو ہی نگہبان تھا۔ اور تو ہی ہر شے پر شاہد ہے۔

مسیح علیہ السلام کے اس جواب سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ اس کو لوگوں نے اس کی زندگی میں خدا نہیں بنایا۔ بلکہ اس کے مرجانیکے بعد اسے خدا بنایا گیا۔ اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ خود دوبارہ واپس دنیا پر نہیں آسکتے۔ کیونکہ اگر وہ دنیا میں واپس آئے ہوتے تو ان کا یہ کہنا کہ میں نہیں جانتا کہ میرے مرنیکے بعد لوگ کن غلط راہوں اور گمراہیوں میں مبتلا ہو گئے (غلط اور بیجا قرار پاتا ہے۔ ایسی صورت میں ضرور تھا کہ وہ اس جگہ بھی اپنی معمولی راستبازی سے ایسا بیان دیتے کہ جس سے ان کا علم پایا جاتا۔ مسیح کی الوہیت کے اعتقاد کی ابتدا مسیح کی موت کی دلیل ہے۔ یعنی جب یہ ثابت ہو جائے کہ مسیح کو لوگوں نے اللہ سمجھ لیا ہے تو اسوقت اس آیت شریفہ کے منشار کے موافق یہ سمجھنا لازمی ہوگا کہ حضرت مسیح فوت بھی ہو گئے ہیں اس کے ماسوا اور بھی ثبوت اس قسم کے موجود ہیں جن سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ مسیح ابن مریم۔ اسرائیلی نبی کا

دوبارہ دنیا پر تشریف لانا ناممکن ہے۔ ہر ایک مرسل و مامور الٰہی جو دنیا میں تشریف لاتا ہے تو اسکی بعثت کے دو بڑے اغراض ہوتے ہیں ایک دفع شر اور دوسری جلب خیر۔ وہ دنیا سے ہر قسم کے باطل۔ باطل خیالات۔ باطل رسوم۔ باطل عقاید۔ باطل اصول وغیرہ کو منہدم کرکے ان کی بجائے راستبازی نیک عملی اور اصول و عقاید و رسوم صحیحہ قایم کرتا ہے۔ کوئی نبی الله صرف دفع شر ہی کیلیے مامور و مبعوث نہیں کیا گیا۔ بلکہ دفع شر ایک ابتدائی مرحلہ ہوتا ہے جس کے بعد اعلیٰ اصول نہایت برجستگی اور مضبوطی کے ساتھ قایم کیے جاتے ہیں۔ اور اگر دفع شر سے یہ مقصود حاصل کرنا مد نظر نہ ہو تو پھر یہ بالکل بے حیثیت اور بیقدر بات ہے۔ اسی طرح مسیح موعود کا حال بھی ہے وہ اس قانون الٰہی سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتا۔ جب ہم پیشگوئیوں کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھتے ہیں تو ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ مسیح موعودؑ کی بعثت کی پہلی غرض یہ ہے کہ وہ کسر صلیب کریگا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ فتنہ دجّال کو پاش پاش کریگا۔ اس پیشگوئی میں مسیح کو عیسیٰ کے نام سے پکارا گیا ہے۔ اس پیشگوئی میں اس دوسری اہم شق یعنی جلب خیر کا بیان نہیں ہوا جو مسیح موعودؑ کی دوسری بعثت کی غرض رکھی گئی ہے اسکا ذکر دوسری پیشگوئی میں ہے جس میں لکھا ہے۔ لو کان الایمان معلقاً بالثریا لناله رجل من ابناء فارس۔ یعنی اگر ایمان ثریا پر بھی معلق ہو گیا ہوگا تو ایک فارسی الاصل مرد اُسے پھیر لادیگا۔ اس پیشگوئی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آخری زمانہ میں دنیا سے ایمان مفقود ہو جاویگا اور مسیح موعود اس گم شدہ ایمان کو بحال کرنیکے لیے مبعوث ہوگا۔ اسی کے مطابق مسیح نے بھی کہا ہے۔ "جب ابن آدم آویگا تو کیا وہ دنیا پر ایمان پاویگا؟" ان الفاظ سے بھی وہی مطلب نکلتا ہے جو مندرجہ بالا حدیث سے سمجھ میں آتا ہے اور مسیح کے مبعوث ہونیکی وہی غرض معلوم ہوتی ہے جو اس حدیث سے مفہوم ہوتی ہے۔ یعنی یہ کہ وہ دنیا پر ایمان از سر نو بحال کرکے دنیا کی اصلاح کریگا۔ اس طرح مسیح موعودؑ کی زندگی کا اصلاحی حصہ دنیا پر ایمان بحال کرکے دنیا کی اصلاح کرنا ہے۔ اس پیشگوئی میں اس مصلح کو فارسی الاصل کہا گیا ہے۔ دو مختلف خطابوں کے وجود سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ ان دو پیشگوئیوں سے مراد دو مختلف شخص ہیں۔ حقیقت میں یہ دونوں پیشگوئیاں ایک دوسری کا تکملہ ہیں۔ ان میں سے ایک اکیلی پیشگوئی مسیح موعودؑ کے منصب کے سارے فرائض کی تفصیل نہیں کرتی بلکہ ہر ایک صرف ایک حصہ کو بیان کرتی ہے جو ایک دوسرے کے متوافق ہے اور در اصل دونوں کے ملنے سے ایک پیشگوئی مبنی ہے۔ اسی مصلح کو پہلے مسیح کہکر یہ بتایا گیا ہے کہ وہ کسر صلیب کریگا اور پھر فارسی الاصل کہکر یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ دنیا پر ایمانی قوت کو پھر بحال کریگا۔ اب ایمان اسوقت تک بحال نہیں ہو سکتا جس وقت تک زمانہ موجودہ کے غالب فتنہ کو جو صلیبی اور دجالی فتنہ ہے پہلے فرو نہ کر لیا جائے۔ اور ایسے فتنہ اور باطل مسائل کا تباہ کرنا اُس وقت تک

بالکل بے سود ہوتا ہے جبتک کہ خدا تعالیٰ پر علیٰ وجہ البصارت اور سچا ایمان بحال نہ کیا جاوے۔ غرض ان دو پیشگوئیوں میں ایک ہی مصلح کے منصب کے دو حصوں کا بیان ہے۔ اس کے علاوہ اُس پیشگوئی میں جو مسیحؑ کے مُنہ سے نکلی ہوئی ہے لکھا ہے کہ مسیح آپ آنکر دنیا میں ایمان بحال کریگا۔ اس سے صاف طور پر عیاں ہوتا ہے کہ "رجل من ابناء فارس" اور مسیح دونوں ایک ہی شخص کے نام ہیں۔

فارسی الاصل (رجل من ابناء فارس) کے متعلق جو پیشگوئی وارد ہوئی ہے اسکی جڑھ قرآن شریف میں موجود ہے۔ چنانچہ سورۃ الجمعہ میں آیا ہے۔ ھوالذی بعث فی الامیین رسولا منہم یتلوا علیہم اٰیاتہ ویزکیہم ویعلمہم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین۔ واٰخرین منہم لمّا یلحقوا بہم وھو العزیز الحکیم۔ ترجمہ۔ خدا تو وہ ہے کہ جس نے اُمّی لوگوں میں سے یہ رسول مبعوث کیا۔ کہ انہیں اس کی آیات سنائے اور اُنہیں پاک بنائے اور کتاب وحکمت کی انکو تعلیم دے۔ گو وہ پہلے عیاں طور پر غلطی میں پڑے ہوئے تھے۔ اور نیز آخری زمانہ میں ایک ایسی قوم ہوگی جو ابھی ان میں شامل نہیں ہوئی وہ قوم بھی انہیں لوگوں کے ہمرنگ ہوگی اور ان میں بھی اسی طرح نبی مبعوث ہوگا جو انہیں خدا کی آیات سنائے گا۔ اور اُنہیں پاک بنائے گا۔ اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیگا۔ اور خدا غالب اور حکمت والا ہے۔ زمخشری نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو لوگوں نے عرض کی کہ یارسول اللہ یہ اٰخرین منہم سے کونسی قوم مراد ہے۔ اسپر آنحضور پُرنور صلعم نے سلمان فارسیؓ کے کندھو نپر ہاتھ رکھکر فرمایا۔ لو کان الایمان معلقاً بالثریا لنالہ رجل من ابناء الفارس۔ یعنی اگر ایمان اُٹھایا جاکر ثریا میں معلق ہوگا تو ان فارسی لوگوں میں سے ایک شخص ایسا اُٹھیگا کہ وہ وہاں سے بھی ایمان واپس لے آویگا۔ آیت کریمہ میں جن لوگوں کے درمیان اس فارسی الاصل نبی کی بعثت لکھی ہے اُنہیں اٰخرین کہا گیا ہے۔ اور یہی وہ لفظ ہے جو بجنسہٖ یا جس کے مترادف الفاظ اُن تمام پیشگوئیوں میں لکھے ہوئے ہیں جو مسیح موعودؑ کے نزول کے متعلق ہیں۔ ان تمام باتوں سے اور نیز اس آیت کی اُس تفسیر سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے ۔ صاف طور پر عیاں ہوتا ہے کہ شخص فارسی الاصل جو اسلامی پیشگوئیوں میں لکھا ہے وہ مسیح موعودؑ یا خاتم الخلفاء کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا۔

اس موقع پر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بیان کہ "ایمان ثریا پر معلق ہوگا" سے صریح اشارہ پایا جاتا ہے کہ یہ واقعہ اُنسے بہت عرصہ بعد ہوگا۔ اسلیے "شخص فارسی الاصل" سے مراد حضرت امام ابو حنیفہ یا امام بخاری رحمہما اللہ نہیں ہوسکتے۔ اسکی ایک تو یہ وجہ ہے کہ اس شخص کیلیے

لازمی ہے کہ وہ خدا کا مامور ہو لیکن ان دونوں بزرگوں میں سے کسی سے مامور من اللہ ہونیکا دعویٰ ثابت نہیں۔ اور اس کے علاوہ انکا زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے ایسا قریب تھا کہ جس میں یہ ممکن نہیں خیال کیا جا سکتا کہ ایمان دنیا کر اٹھ گیا ہو۔ اور خصوصاً ایسی حالتمیں جبکہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہوا ہے کہ میرے بعد تین سو برس تک قوت ایمانی اور نکوکاری اور تقویٰ کا غلبہ ہیگا اور اس کے بعد فیج اعوج کا زمانہ شروع ہو جائیگا۔ جو ایک ہزار سال کی اندھیری رات ہوگی۔ اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں حضرات رضؓ خیر القرون کے اندر ہی گذرے ہیں۔ خدا انکی مساعی جمیلہ کو ادرتکی بہرہ مند کرے اور ان پر بڑی رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین۔ جیسا کہ تین سو برس بعد آنحضرت سرور کائنات تک کوئی بزرگ اس " فارسی الاصل " کا مصداق نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح ایک ہزار سال اس کے بعد تک بھی ایک ایسے زمانہ کی پیشگوئی ہے کہ جو فیج اعوج کا زمانہ ہوگا اور ایمان میں ایسے رخنے دن بدن پڑتے جائیں گے کہ آخر وہ دنیا سے قریباً اٹھ ہی جائیگا۔ اس لیے اس ایمانی زوال کے زمانہ میں کوئی شخص اس پیشگوئی متعلقہ "شخص فارسی الاصل" کا مصداق نہیں ہو سکتا۔ اب یہ بات دیکھتے ہیں کہ اس پیشگوئی کا مصداق کون صحیح طور پر قرار پا سکتا ہے جبکہ گذشتہ بحث میں قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ زمانہ بعثت مصلح آخر زمان یہی زمانہ ہے۔ اور مسیح و مہدی اور "شخص فارسی الاصل" وغیرہ سب اسی مصلح کے نام ہیں۔ اور ٹھیک وقت پر حضرت میرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے خدا تعالےٰ کیطرف سے مامور ہو کر دعویٰ بھی کر دیا ہے۔ تو اب اسبات کا فیصلہ کرنا ضروری ہے کہ آیا ان تمام امور پر غور کرنیسے اس پیشگوئی کا صحیح مصداق یہ مدعی ہو سکتا ہے یا نہیں۔ جب واقعات صحیحہ پر کامل غور اور انصاف سے نظر ڈالی جاتی ہے تو صاف ثابت ہو جاتا ہے کہ عیسوی پیشگوئی "مسیح نزول ثانی" کی بابت اور اسلامی پیشگوئی جو "شخص فارسی الاصل" کی بعثت کے متعلق لکھی ہے وہ دونوں اسی مدعی کے وجود میں پوری ہوتی ہیں۔ اس بات کو ذرا زیادہ صفائی کے ساتھ سمجھنے کے لیے ہم پہلے اُس زمانہ پر نظر ڈالتے ہیں جبکہ ابھی انہوں نے دعویٰ نہ کیا تھا۔ ۱۸۸۰ء میں انہوں نے ایک ضخیم کتاب لکھی جسکا نام براہین احمدیہ رکھا۔ یہ کتاب دعوے سے قریباً دس برس پہلے کی لکھی ہوئی ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے مسیح کے نزول ثانی کے عقیدہ میں کچھ اختلاف نہیں کیا۔ بلکہ عام عقیدہ کے مطابق یہ بیان کیا ہے کہ اس سے یہی مراد ہے کہ وہ خود ہی آئیں گے۔ لیکن اسی کتاب میں انہوں نے اپنے رؤیا اور مکاشفات درج کیے ہیں جن سے انکی روحانی مماثلت حضرت مسیح کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ اور ایسے الہامات بھی لکھے ہیں جن میں انکو "مسیح" اور "شخص فارسی الاصل" کے خطابوں سے مخاطب کیا گیا ہے اگرچہ بادی النظر میں بعض لوگوں کے لیے یہ شہادت کچھ متعارض سی معلوم ہوتی ہے لیکن درحقیقت اس موعود کے صاف گوئی اور صدق دعوے پر ایک قطعی اور فیصلہ کن شہادت ہے۔ یہی بے بناوٹی اور صفائی طبع پر دلیل ہے کہ ایک شخص جو خود مسیح موعود بننے کا دعویٰ کرتا ہے وہ جب ابھی اپنے اس منصب پر مامور نہیں ہوا۔ نہیں جانتا کہ کل کو مجھے کیا عزت بخشی جاویگی۔ نہایت سادگی اور بے تکلفی سے وہی اعتقاد بیان

کرتا ہے جو عام طور پر مسلمانوں میں مروج ہے۔ خود بے تکلفی اور سچائی سے ایک طرف یہ عقیدہ بیان کرتا ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ الہامات درج کرتا ہے جو اُسے خدا کی طرف سے ہوئے اور جن کا مصداق ابھی تک نہیں سمجھا یا گیا۔ ایکطرف اس اعتقاد کا اظہار اور دوسری طرف یہ الہامات جو اعتقاد کے مخالف تھے ایک ہی کتاب میں لکھے موجود ہونا اس بات کی قطعی شہادت ہے کہ یہ الہامات ملہم کے دل کے بنائے ہوئے نہیں۔ بلکہ کسی ایسے زبردست کی طرف سے القا ہوئے ہیں جو کلام میں اپنے غالب ہے۔ اگر ایسا ہوتا کہ انکے دل میں خود مسیح موعود بننے کی اُمنگ ہوتی اور یہ الہامات اسی مقصود کو حاصل کرنیکے لیے خود تراشیدہ ہوتے۔ اور اس دعوے کی پٹڑی جمانیکے لیے پہلے منصوبہ بازی کا پیش خیمہ ہوتے تو اتنی احتیاط تو ضرور ہی کیجاتی اور کم از کم اتنا تو نہ لکھا جاتا کہ وہ مسیح ناصری ہی وقت موعودہ پر خود دوبارہ نازل ہوگا۔ یہ ایک ایسی زبردست بات ہے کہ جس سے الہام اور ملہم کی صداقت کا بڑا پختہ اور مضبوط ثبوت بہم پہنچتا ہے۔

ہم نے ابھی ذکر کیا ہے کہ ان الہامات میں صاحب الہام کو مسیح ابن مریم کا روحانی طور پر مثیل کہا گیا ہے۔ جس کی نسبت لکھا ہوا ہے کہ وہ آخری زمانہ میں آئیگا۔ اور چونکہ یہ شہادت اس وقت بیان کی گئی تھی جس وقت انہیں خود مسیح موعود بننے کا ذرہ خیال بھی نہ تھا اس لیے اس کے امر واقع اور قطعی ہونیکا بڑا زبردست ثبوت ہے۔ براہین احمدیہ (جسکو شایع ہوئے چوتھائی صدی گذر چکی ہے) کے مندرجہ بعض الہامات اور رؤیا کو ہم ذیل میں لکھدیتے ہیں۔

ایک رؤیا یہ ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ "ایک موقعہ پر مسیح نے میرے ساتھ بیٹھکر ایک ہی برتن میں اور ایک ہی دسترخوان پر گائے کا گوشت کھایا۔ یہ کشفی حالت کا واقعہ تھا اور ایسا صاف کشف تھا جو بیداری کے ہمرنگ تھا اور بڑی غربت اور محبت سے اُس نے مجھے کہا کہ میں تمہارا بھائی ہوں"۔ اسی طرح ایک اور رؤیا بیان کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ روحانی حالت میں یہ اور وہ ایک ہی تھے۔ ایک الہام میں انہیں مخاطب کرکے کہا گیا ہے کہ "یا عیسیٰ انی متوفیک" یعنی اے عیسیٰ میں تجھے طبعی موت دیکر دنیا سے اُٹھاؤنگا۔ جس میں یہ بات مرکوز ہے کہ تجھے لوگوں کے ہاتھوں سے قتل نہ ہونے دونگا۔ ایک اور الہام میں لکھا ہے۔ لو کان الایمان معلقاً بالثریا لنالہ رجل من ابناء فارس یعنی اگر ایمان ثریا میں معلق ہو گیا ہوگا تو ابنائے فارس سے ایک مرد اسی پھیر لاویگا اس میں ملہم کو رجل من ابناء فارس کے نام سے مخاطب کیا گیا ہے۔ اور پیشگوئی کے بیان میں اوپر یہ ذکر آچکا ہے کہ نبی آخرزمان کا ایک نام رجل من ابناء فارس بھی ہے۔ ایک اور الہام میں ہے خذوا التوحید التوحید یا ابناء فارس یعنی خدا کی توحید کو اے ابنائے فارس بہت محکم طور پر اختیار کرو۔ پھر ایک اور الہام یوں ہے۔ الذین یکفرون ویصدون عن سبیل اللہ رد علیہم رجل من فارس شکر اللہ سعیہ یعنی جو لوگ ایمان نہیں لائے اور خدا کی راہ سے لوگوں کو ہٹاتے ہیں۔ اُنکو ایک فارسی الاصل نے شکست دیدی۔ ان ساری پیشگوئیوں میں اس ملہم کو رجل من ابناء فارس اور فارسی الاصل کہا گیا ہے

اس کے متعلق ہم اس موقعہ پر اسی بات کے بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ حضرت میرزا غلام احمد صاحب کے آبا و اجداد فارس ہی سے آکر اس ملک میں آباد ہوئے تھے۔ جس پر تاریخ شاہد ہے۔

ان ابتدائی اور خارجی امور کے فیصلہ سے ہم اب اس حالت میں ہو گئے ہیں کہ اس نبی آخر زمان کے دعوے کی تصدیق کو سمجھنے کیلیے اندرونی شہادت پر غور کریں تا کہ ہر ایک منصف مزاج بلا لحاظ مذہب و ملت اس امر کو مان سکے واضح ہے کہ ایسی شہادت جو ہر حق جو کو اطمینان دلا سکے وہ معجزہ ہی ہو سکتا ہے۔ اس لیے اس غرض کیلیے ہم ایک معجزہ ہی پیش کرنیکے لیے منتخب کریں گے۔ جس پر ایسا اعتراض نہیں عاید ہو سکتا جو عام طور پر مسلمہ معجزات پر وارد ہو سکتا ہے۔ ڈیوڈ ہیوم نے معجزات پر ایک مضمون لکھا ہے اس مضمون میں کہتا ہے "ساری تواریخ کے صفحات میں کسی معجزے کے مصدق کافی تعداد میں ایسے انسان نہیں پائے جاتے جنکی عقل تحصیل علمی۔ اور لیاقت اعتراضوں کے داغوں سے ایسی صاف ہو کہ جس سے ہمیں اُنکی ذات کی نسبت کسی طرح کی غل و غش کا احتمال نہ ہو۔ اور ایسا بے ریب خلوص اور صدق نیت رکھتے ہوں جس سے یقین ہو سکتا ہو کہ وہ دوسرے لوگوں کو گمراہی اور دھوکہ میں ڈالنے کے لیے حیلہ بازیوں کے ہر قسم کے اشتباہ سے بالاتر ہیں۔ اور لوگوں کی نظروں میں ایسی صاحب قبولیت اور عزت ہوں کہ اگر اُنکا کوئی ایک جھوٹ بھی معلوم ہو جائے تو اس سے انکی اس وقعت میں بہت فرق آنیکا اندیشہ ہو۔ اور ساتھ ہی اس کے ان واقعات کی شہادت دیتے ہوں جو ایسے پبلک طور پر اور ایسے مشہور حصہ دنیا میں واقع ہوئے ہوں کہ جہاں انکے نقصوں کا معلوم ہونا ناممکن نہ ہو۔ یہی سب وہ ضروری حالات ہیں کہ جن سے کسی انسان کی شہادت پر ہمیں پورے طور پر اطمینان ہو سکتا ہے"۔ یہ فقرات ایک ایسے شخص کے قلم سے نکلے ہوئے ہیں جو معجزات کا بڑا منکر ہے۔ اور انہیں اُسنے وہ تمام وجوہ جمع کر دیے ہیں جن سے کسی معجزہ پر اعتراض اور انکار عاید ہو سکتا ہے۔ معجزات کی حقیقت کا انکار کرنیکے لیے یا ان کے غلط ثابت کرنیکے لیے ان سے بڑھکر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ عام طور پر جتنے مسیحی معجزات عیسائی دنیا میں مانے جاتے ہیں انہیں یہ تمام نقص بھی موجود ہیں اور پھر بھی وہ برابر اعجازی عزت دیے جاتے ہیں۔ لیکن ہم انجملہ ایک ایسا معجزہ بیان کرتے ہیں جس کے برخلاف کوئی بھی ایسا اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ اور جس سے ان دعاوی کی حقیقت بوجہ احسن ثابت ہوتی جس معجزہ کے بیان کرنیکا ہم نے ذکر کیا ہے اسکا ثبوت ہر قسم کے اعتراض سے بری ہے۔ کیونکہ جس شہادت پر اس کی بنیاد ہے وہ ایسے آدمیوں کی گواہی نہیں .... جن کی نسبت کسی حیلہ یا دوسروں کو گمراہ کرنے یا دھوکہ دینے کا منصوبہ بنانیکا گمان ہو سکے۔ یہ ایک مشہور و معروف کتاب میں لکھی ہوئی گواہی ہے جو پچیس برس سے زیادہ عرصہ ہوا ہے کہ ہزارہا لوگوں میں شایع ہوئی۔ اور اب تک اسکی اشاعت روز افزوں ترقی پر ہے۔ اس کتاب کا نام براہین احمدیہ ہے اور حضرت میرزا غلام احمد صاحب کی تصنیف ہے۔ اور چار دفعہ چھپ چکی ہے۔ اس کتاب کی چار جلدیں جو ۱۸۸۴ء

سے ۱۸۸۴ء تک کے عرصہ میں چھپیں۔ تیسری جلد ۱۸۸۲ء میں چھپی تھی اور اس کے صفحہ ۲۳۶ پر مصنف صاحب نے الہام الٰہی کی حقیقت کا بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ کامل الہام وہ ہوتا ہے جس میں امور غیبی پر بطور پیشگوئی انسان خدا کی طرف سے مطلع کیا جاتا ہے۔ اور صفحہ ۲۳۸ پر لکھا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس قسم کے الہامات سے مجھے شرف بخشا ہے۔ چنانچہ ان کے اپنے الفاظ یہ ہیں۔ "اس الہام کی مثالیں ہمارے پاس بہت ہیں۔ لیکن وہ جو ابھی اس حاشیہ کی تحریر کے وقت یعنی مارچ ۱۸۸۲ء میں ہوا ہے۔ جس میں یہ امر غیبی بطور پیشگوئی ظاہر کیا گیا ہے کہ اس اشتہاری کتاب کے ذریعہ سے اور اس کے مضامین پر مطلع ہونے سے انجام کار مخالفین کو شکست فاش آئیگی۔ اور حق کے طالبوں کو ہدایت ملیگی۔ اور بدعقیدگی دُور ہوگی۔ اور لوگ خدا تعالیٰ کے القا اور رجوع دلانے سے مدد کرینگے۔ اور متوجہ ہونگے اور آئیں گے وغیرہا من الامور" اور اُن الہامی کلمات میں سے بعض اسجگہ لکھے جاتے ہیں۔ الرحمٰن علم القراٰن لتنذر قوماً ما انذر اٰباؤھم و لتستبین سبیل المجرمین قل انی امرت و انا اول المؤمنین ...... ھوالذی ارسل رسوله بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہ ..... یریدون ان یطفؤا نوراللہ واللہ متم نورہٖ ولوکرہ الکٰفرون۔ سنلقی فی قلوبھم الرعب اذا جاء نصراللہ والفتح وانتھیٰ امر الزمان الینا۔ الیس ھٰذا بالحق۔ ..... ویمکرون ویمکر اللہ واللہ خیرالماکرین۔ ..... الا ان روح اللہ قریب۔ الا ان نصراللہ قریب۔ یاتیك من کل فج عمیق۔ یاتون من کل فج عمیق۔ ینصرك اللہ من عندہ ینصرك رجال نوحی الیھم من السماء۔ ..... لا الٰہ الا اللہ فاکتب و لیطبع و لیرسل فی الارض۔ .... واتل علیھم ما اوحی الیك من ربك۔ ولا تصعر لخلق اللہ ولا تسئم من الناس۔ اصحاب الصفة وما ادرٰك ما اصحاب الصفة۔ تریٰ اعینھم تفیض من الدمع۔ یصلون علیك۔ ربنا اننا سمعنا منادیا ینادی للایمان وداعیاً الی اللہ وسراجاً منیرا۔ املوا۔ ترجمہ۔ رحمٰن خدا نے خود تجھے قرآن اس لیے سکھلایا ہے۔ کہ تُو ان لوگوں کو ڈر سنائے جنکے باپ دادوں کو ڈر نہیں سنایا گیا۔ اور کہ تو مجرموں کی راہ کھولکر بیان کرے۔ کہدو! مجھے خدا نے اس منصب پر مامور فرمایا ہے۔ اور مَیں خدا کے حکم کو ماننے میں سب سے اول ہوں.... خدا ہی وہ پاک ذات ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق دیکر مبعوث کیا۔ کہ تا اُسکا دوسرے تمام دینوں پر حجج قاطعہ اور براہین ساطعہ سے غلبہ قایم کرے .... منکر لوگ آرزو کریں گے کہ اُس نور کو جو خدا نے روشن کیا ہے اپنے مُنہ سے بجھا دیں۔ لیکن خدا ضرور ضرور اپنے نور کو کامل کریگا۔ ہم انکے دلوں میں بہت جلد رُعب القا کریں گے۔ جب خدا کی نصرت اور فتح آئیگی اور تمام معاملہ ہماری طرف پُہنچیگا تو پھر کہا جائیگا کہ کیا یہ سچ نہیں؟ .... تیری مخالفت کیلیے وہ باریک تدبیریں کرینگے اور خدا انکی ہلاکت

کے بیے حکمت اور تدبیر کو کام فرمائیگا اور یہ یقینی بات ہے کہ ہر مدبر سے خدا بڑھ کر تدبیر کرنیوالا ہے۔ دیکھو! خدا کی رحمت یقیناً قریب ہے۔ دیکھو! خدا کی نصرت یقیناً بہت جلد پہنچنے والی ہے۔ ہر ایک دور و دراز راہ سے تیری طرف نصرت آئیگی۔ ہر ایک دور و دراز راہ سے لوگ تیری طرف اُمڈے چلے آئیں گے۔ خدا اپنے پاس سے تیری نصرت کریگا وہ لوگ جنہیں آسمان سے خدا وحی کریگا تیری مدد کیلیے آئیں گے ..... خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسلیے ان باتوں کو لکھ لو اور چھپوا کر تمام ملکوں میں شایع کر دو ..... اور جو کچھ تیرے خدا نے تجھ پر وحی کی ہے وہ لوگوں کو سنادو۔ اور خلق اللہ سے چیں بجبیں نہ ہونا نہ ہی ان سے جب وہ جوق جوق تیرے پاس آویں تھکنا۔ تجھے اصحاب صُفہ بھی دیے جائیں گے اور تجھے کیا ادراک ہے۔ کہ اصحاب صُفہ کیا ہونگے۔ وہ ایسے لوگ ہونگے کہ جنکی آنکھوں سے تُو آنسو بہتے دیکھے گا۔ اور وہ تیرے پر درود بھیجیں گے اور کہیں گے کہ اے ہمارے خدا ہم نے ایک بلانیوالے کی آواز سُن لی ہے۔ جو ہمیں ایمان کی طرف دعوت کرتا ہے۔ اور ایک داعی الی اللہ کی دعوت سُن لی ہے جو چمکتا ہوا آفتاب ہے۔ یہ سب باتیں لکھ لو۔"

مصنف براہین احمدیہ کے کثیر التعداد الہامات میں سے تھوڑے سے الہام ہمنے اسجگہ بطور نمونہ لکھے ہیں۔ جو انہیں خدا کی طرف سے ۱۸۸۲ء میں وحی ہوئے تھے اور اُس سال اُسی کتاب میں شایع بھی کر دیے گئے تھے۔ ان الہامات کا اردو میں ترجمہ بھی کر دیا گیا ہے۔ انکے پڑھنے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے۔ کہ مُلہم کی آیندہ زندگی کا دوران کیسا ہوگا۔ ایسا ہی کتاب مذکور کی چوتھی جلد میں کئی پیشگوئیاں، اسی قسم کی لکھی ہوئی موجود ہیں۔ یہ جلد اُس سے دو سال بعد یعنی ۱۸۸۴ء میں شایع ہوئی تھی۔ اس موقعہ پر ہمیں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس میں سے بھی چند پیشگوئیاں یہاں نقل کر دیں۔ چنانچہ اس کتاب کے صفحہ نمبر ۴۸۵ پر ذیل کی عبارت لکھی ہوئی موجود ہے۔ "چنانچہ کسیقدر عربی الہامات جو بعض عظیم الشان پیشگوئیوں اور احسانات الٰہیہ پر مشتمل ہیں۔ ذیل میں مع ترجمہ لکھے جاتے ہیں۔ تاکہ اگر خدا چاہے۔ تو طالب صادق کو ان سے فایدہ ہو اور نامخالفوں کو بھی معلوم ہو کہ جس قوم پر خداوند کریم کی نظر عنایت ہوتی ہے اور جو لوگ راہ راست پر ہوتے ہیں۔ انسے کیونکر خداوند کریم اپنے مکالمات اور مخاطبات میں بہ مہربانی پیش آتا ہے۔ اور کیونکر ان تفصیلات سے پیش از وقوع اطلاع دیتا ہے جن کو اُس نے لطیف راہ سے اپنے وقتوں پر تیار کر رکھا ہے۔" اس تمہیدی عبارت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مصنف کتاب کو کامل یقین ہے۔ کہ جو جو وعدے اُس کے ساتھ خدائے تعالیٰ نے کیے ہوئے ہیں۔ وہ سب ضرور پوری ہو کر رہیں گے۔ پھر اس کے بعد کتاب مذکور میں الہامات شروع ہوتے ہیں اور یہ حاشیہ نمبر ۳ میں مندرج ہیں۔ جو صفحہ ۵۶۲ تک جاتا ہے۔ ذیل میں ہم ان میں سے تھوڑے سے الہام مع اصل ترجمہ درج کرتے ہیں۔ ۱۔ انت منی بمنزلة توحیدی و تفریدی فحان ان تعان و تعرف بین الناس۔ ۲۔ ھل اتی علی الانسان حین من الدھر لم یکن شیئاً مذکوراً (صفحہ ۴۸۹)

ترجمہ۔ تو مجھ سے ایسا ہے جیسا کہ میری توحید اور تفرید سو وہ وقت آگیا جو تیری مدد کیجائے اور تجھ کو لوگوں میں مشہور و معروف کیا جائے۔ کیا انسان پر یعنی تجھ پر وہ وقت نہیں گذرا کہ تیرا دنیا میں کچھ بھی ذکر و تذکرہ نہ تھا۔ یعنی تجھ کو کوئی نہیں جانتا تھا کہ تو کون ہے۔ اور کیا چیز ہے اور کسی شمار و حساب میں نہ تھا یعنی کچھ نہ تھا۔ یہ گذشتہ تلطفات و احسانات کا اشارہ ہے۔ تا محسن حقیقی کے آیندہ فضلوں کیلیے ایک نمونہ ٹھہرے اور ثبات ثابت کرے کہ ملہم جو اسوقت بالکل گمنام اور کس مپرسی کی حالت میں پڑا ہوا تھا اور اُسکو اپنے گاؤں سے باہر کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ اُسپر ایک ایسا وقت آنیوالا ہے۔ کہ اُسکی شہرت اور عزت اور اُس کی تعلیمات کا غلبہ تمام دنیا پہ پھیل جائیگا۔ پھر صفحہ ۴۹۰ پر ہے۔ "نصرت بالرعب واحییت بالصدق ایہا الصدیق۔ نصرت وقالوا لات حین مناص۔ اردت ان استخلف فخلقت ادم۔ انی جاعل فی الارض۔ یعنی تو رعب کے ساتھ مدد کیا گیا اور صدق کے ساتھ زندہ کیا گیا اے صدیق! تو مدد کیا گیا۔ اور مخالفوں نے کہا کہ اب گریز کی جگہ نہیں۔ یعنی امدادِ الٰہی اس حد تک پہنچ جائیگی کہ مخالفوں کے دل ٹوٹ جائیں گے اور انکے دلوں پر یاس مستولی ہو جائیگی اور حق آشکارا ہو جائیگا۔ میں نے اپنی طرف سے خلیفہ کرنیکا ارادہ کیا سو میں نے آدم کو پیدا کیا میں زمین پر کرنیوالا ہوں۔ یہ اختصاری کلمہ ہے۔ یعنی اُسکو قایم کرنیوالا ہوں۔ اِسجگہ خلیفہ کے لفظ سے ایسا شخص مراد ہے کہ جو ارشاد اور ہدایت کے لیے بین اللہ و بین الخلق واسطہ ہو۔ خلافت ظاہری کہ جو سلطنت اور حکمرانی پر اطلاق پاتی ہے مراد نہیں ہے۔ اور نہ وہ بجز قریش کے کسی دوسرے کے لیے خدا کی طرف سے شریعت اسلام میں مسلم ہو سکتی ہے بلکہ یہ محض روحانی مراتب اور روحانی نیابت کا ذکر ہے۔ اور آدم کے لفظ سے بھی وہ آدم جو ابوالبشر ہے مراد نہیں۔ بلکہ ایسا شخص مراد ہے۔ جس سے سلسلہ ارشاد اور ہدایت کا قایم ہو اور روحانی پیدایش کی بنیاد ڈالی جائے گویا وہ روحانی زندگی کی رو سے حق کے طالبوں کا باپ ہے۔ اور یہ ایک عظیم الشان پیشگوئی ہے۔ جس میں روحانی سلسلہ کے قایم ہونیکی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ایسے وقت میں جبکہ اُس سلسلہ کا نام و نشان نہیں" پھر اس کے بعد روحانی آدم کا روحانی مرتبہ بیان فرمایا (صفحہ ۴۹۲-۴۹۳) اس مشہور و معروف کتاب کے صفحوں کے صفحے ایسے الہامات سے بھرے ہوئے ہیں۔ جو اس ملہم کی عظیم الشان آیندہ کامیابیونکی پیشگوئی کرتے ہیں۔ لیکن اس موقع پر ہم نے انہیں چند الہامات کے لکھنے پر اکتفا کیا ہے کیونکہ ہماری غرض یہ نہیں تھی کہ ہم سارے الہاموں کو اس موقع پر جمع کریں ہم امید کرتے ہیں کہ یہ دو اقتباس ہی اس بات کے لیے کافی ہونگے کہ ہمارے ناظرین کو یہ بات ثابت ہو جائے کہ کس گمنامی کے زمانہ میں کیسی بڑی اور عظیم الشان کامیابیونکی پیشگوئی ظاہر کیگئی ہے۔ ان واقعات کی بنا پر ثابت ہوتا ہے کہ یہ پیشگوئیاں ایسی عظیم الشان اور واضح اور صاف ہیں کہ جن کی نظیر موجود نہیں۔ وہ سب حقایق ہیں۔ اور یہ حقایق ایسے ہیں۔ کہ جو شخص انکی صداقت کا ثبوت سمجھنے کیلیے ذرا بھی کوشش کرے تو اُسپر اُسکا کھل جانا بہت آسان ہے۔

یہ اُس قسم کا معجزہ نہیں کہ جسکے دیکھنے اور تصدیق کرنیوالوں پر کسی قسم کے اعتراضات ہوسکیں۔ کیونکہ اسکی شہادت اور تصدیق زبانی نہیں بلکہ نہایت صاف اور واضح الفاظ میں تحریری تصدیق اور شہادت ہے جو چوتھائی صدی سے چھپکر شایع ہوچکی ہے۔ اور جسکے بیان و الفاظ میں کوئی تغیر نہ واقعہ ہوا ہی اور نہ ہوسکتا ہے۔ اور نہ ہی کسی غالی اور مداح کے مبالغہ کا رنگ کارگر ہوسکتا ہے۔ کتاب براہین احمدیہ جس میں یہ پیشگوئیاں درج ہیں اسکی ہر جلد کے ٹائٹل پیج پر اور اسکے ہر اشتہار پر تاریخ اشاعت لکھی ہوئی موجود ہیں۔ اور یہ ایک ایسی ثابت شدہ بات ہے کہ جس سے کوئی سمجھدار انسان انکار نہیں کرسکتا۔ لیکن اگر کسی صاحب کے انکار کا جنون بیانتک بڑھ گیا ہو اور اس کی اشاعت کے زمانہ کا مزید ثبوت حاصل کرنیکے درپے ہو تو وہ سرکاری کاغذات میں سے تسلی کرلیوے۔ اور شہر لنڈن کے برٹش میوزیم میں دیکھ لیوے جہاں اسکی جلدیں موجود ہیں۔ براہین احمدیہ کوئی ایسی گمنام کتاب نہ تھی کہ جس کی اشاعت بھی ہوگئی ہو اور پبلک نے اسکو دیکھا بھی نہ ہو۔ بلکہ یہ ایک ایسی مشہور کتاب ہے کہ شایع ہوتے ہی سارے ہندوستان میں اسکی دھوم مچگئی۔ اور کئی مخالف و موافق ریویو اسپر شایع ہوئے۔ یہ تو ایک پہلوان کی طرح ملک کے میدان میں کھڑے ہوکر سارے اہل مذہب کو للکار للکار کر پکار رہی تھی کہ جو کوئی چاہے میرا مقابلہ کرے اور اسلام کی تائید میں جو دلایل قرآن شریف سے مجھ میں لکھے ہیں اُنہیں توڑنے اور اپنے مذہب کی تائید میں اُسی قسم کے زبردست دلایل دکھلانے میں کامیاب ہو تو دسہزار روپیہ کا انعام مصنف سے پائے۔ پھر طرفہ یہ کہ اس مضمون کے ہزارہا اشتہارات اردو و انگریزی میں چھاپکر سارے ہندوستان بلکہ ساری دنیا کے ہر ملت و مذہب کے لوگوں کو پہنچائے گئے۔ ان ساری باتوں سے پایا جاتا ہے کہ یہ کوئی معمولی کتاب نہیں تھی اور یہ بات بھی ثابت شدہ ہے کہ یہ اسی زمانہ میں شایع ہوچکی ہے جو اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ اور مذکورہ بالا عظیم الشان پیشین گوئیاں بھی اسی زمانہ کی شایع شدہ ہیں۔ اسلیے اس بات سے انکار کی کوئی گنجایش نہیں ہوسکتی کہ یہ پیشین گوئیاں اسی طرح اسکے ساتھ ہی بکثرت شایع ہوئیں۔ اور ہر دشمن و دوست اور اپنے پرائے کے ہاتھ میں پہنچیں اور ایسے زمانہ میں پہنچیں جو آج سے پچیس سال پیشتر تھا۔ امر اشاعت کے بعد دوسرا امر دیکھنے والا ان پیشگوئیوں کا نفس مضمون ہے۔ ان میں خبر دیگئی ہے کہ ملہم پر ایک ایسا زمانہ آنیوالا ہے کہ جب ہر دور کی راہ سے لوگ اُس کے پاس جوق جوق آئیں گے۔ اور ان زایرین کی اتنی کثرت ہوگی کہ وہ تھکا دینے والی ہوگی۔ یہ بھی خبر دیگئی ہے کہ اسکی سخت مخالفت کیجائیگی۔ اور تمام مخالفت خدا کے دست قدرت سے دُور کردیجائیگی۔ یہ پیشگوئیاں ایک معجزہ ہیں۔ اور اس امر کے مزید ثبوت کے لیے یہ امر دکھانا ضروری ہے کہ جسوقت ملہم نے اسکو بیان کیا تھا اسوقت نہ تو اسکا کوئی مرید ہی تھا اور نہ ہی کوئی مخالف ایسا تھا جو اُسے تباہ کرنے اور نیست و نابود کرنے پر تلا ہوا ہو۔ اب اس پیشگوئی کے پورا ہونے اور معجزہ کی تکمیل کو ثابت کرنیکے لیے ضروری ہے کہ یہ تمام باتیں جیسی کہی گئی ہیں اُسی طرح انکا پورا ہونا بھی ثابت کیا جائے۔ اس لیے

ہم اب اس بارگراں عہدہ برآ ہونیکی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اور سب سے پہلے امر اول کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ اس امر کے ثبوت میں جو شہادت موجود ہے وہ صرف چند ایسے آدمیوں کی شہادت نہیں جن کو اس کے ساتھ کسی نہ کسی قسم کا ذاتی تعلق ہے۔ نہ ہی وہ لوگ گواہی میں پیش کیے جاتے ہیں جن کی نسبت کسی طرح سے ایسا گمان ہو سکتا ہو کہ انکی نیت میں دوسروں کو دھوکہ اور گمراہی میں ڈالنا مرکوز تھا۔ یہاں تو کسی دوست کی شہادت پیش ہی نہیں کیجاتی بلکہ دشمنوں کی شہادت دیجاتی ہے۔ حضرت ممدوح کے خطرناک جانی دشمن اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ جسوقت کتاب براہین احمدیہ اور اُس کے مندرجہ مذکورہ بالا الہامات شایع کیے گئے تھے اُس زمانہ میں وہ کنج خلوت میں تنہا اور گمنام انسان تھا۔ اور یہ ایسا مسلمہ امر ہے کہ لاکھوں لوگوں نے طرح طرح سے مخالفت میں حیلہ سازیاں اور منصوبے کیے اور بہت کچھ ناحق باتیں بھی بنائیں۔ لیکن اس امر کا کسی طرح سے انکار نہ کر سکے۔ علاوہ بریں جو الہامی عبارات اوپر درج کی گئی ہیں اُن سے صاف طور پر یہی عیاں ہو رہا ہے کیونکہ ان پیشگوئیوں کی اشاعت سے پہلے ایک عبارت موجود ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ ان مبارک پیشگوئیوں میں اللہ تعالیٰ جو اپنے بندہ کو اسکی تائید کی خبریں پیش از وقوع بتلاتا ہے اور بڑے بڑے عمیق رازوں اور اسرار عالیہ کا بہت حیرت انگیز طور پر انکشاف فرماتا ہے یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ جو شخص ان باتوں کو غور سے دیکھتا ہے اور صاف اور پاک نظر سے اُنکی عظمت اور وقوع پر غور کرتا ہے اسکو بلا اختیار ایک ضروری اور جازم یقین سے اقرار کرنا پڑتا ہے کہ یہ خدا کے مُنہ کی باتیں ہیں۔ اور اُسی کی عطا کردہ تائیدیں ہیں۔ اور یہ کہ یہ تمام مواہب لدنیہ اور برکات و انوار الٰہیہ جن سے ہر ایک مذہب محروم ہو چکا ہے صرف اسلام ہی میں موجود اور محصور و محدود ہیں۔ اور اسکے سوائے کہیں پائی نہیں جاتیں۔ ان کشوف اور الہامات کے اسقدر عرصہ دراز قبل از وقوع لکھنے کا یہ باعث تھا کہ جسوقت یہ آیندہ زمانہ میں پورے ہوں تو اسکی حقیقت حقہ کو ہر ایک آدمی بہ یقین کامل سمجھ لے اور یہ بات عیاں ہو جائے کہ یہ خدا کا کلام ہے۔ اور اُس کے بزرگ مُنہ کی باتیں ہیں۔ پس اس رنگ میں ان امور کا لکھنا خود ثابت کرتا ہے کہ یہ پیشگوئیاں بطور ایک معجزہ کے پیش کیگئی تھیں۔ اور اگر انکا پورا ہونا معجزہ نہ ہوتا تو اسیوقت یہ اعتراض کیا جاتا۔ انہی پیشگوئیوں میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ اُس کی سخت مخالفت کیجائیگی۔ اور یہ امر محتاج بیان نہیں کہ حضرت میرزا غلام احمد صاحب کی جسقدر مخالفت کیگئی ہے اسکی نظیر صرف انبیاؑ کے حالات میں مل سکتی ہے کوئی پہلو مخالفت کا مخالفوں نے نہیں چھوڑا۔ اور انپر الزام لگانیمیں جھوٹ کی کسی شق کو اٹھا نہیں رکھا۔ اگر ان پیشگوئیوں کی اشاعت کے وقت حضرت ممدوح کا کوئی بھی مرید ہوتا تو کیونکر ممکن ہو سکتا تھا کہ مخالف اس امر سے خاموش بیٹھے رہتے۔ لیکن وہ اسوقت ایسی گمنام تھی کہ جس جس مخالف نے اس وقت ان پیشگوئیوں کو دیکھا یا سنا اُس نے مضحکہ اُڑایا اور ٹھٹھا مارا۔ کیونکہ وہ ان کو امر محال اور ناممکن سمجھتے تھے۔ اور قیاس کیونکر ایسی باتونکی کسیوقت پورا ہونیکو مان سکتا تھا۔ کیونکہ معمولی اس

بات کا وجود بھی نہ تھا۔ قادیان جیسے گمنام گاؤں میں جہاں نہ کوئی دینی مکتب مدرسہ تھا اور نہ کوئی ذریعہ حصول علوم موجود تھا اور نہ ہی وہ کسی مشہور و معروف شہر کا کوئی حصہ ہی تھا وہاں بیٹھے ہوئے ایک گمنام خلوت نشین درویش مزاج للکار کر کہہ رہا ہے کہ عنقریب ایک وقت آنیوالا ہے کہ میری زیارت کیلیے میری خدمت کے لیے مجھ سے فیض حاصل کرنیکے لیے چار اطراف عالم سے لوگ بھاگے چلے آوینگے۔ اور بہت کثرت سے آوینگے۔ ایسی حالت میں اسپر مضحکہ نہ اُڑایا جاتا تو اور کیا کیا جاتا۔ کون مان سکتا تھا کہ ایسی باتیں کبھی پوری ہو سکیں گی، اور ایک تیسری بات بھی ہے جس سے پایا جاتا ہے کہ ان پیشگوئیوں کے بیان کرنیکے وقت حضرت ممدوح ایک گمنام انسان تھے جنہیں شہرت جانتی ہی نہ تھی۔ اور کوئی انکا مرید اور ساتھی نہ تھا۔ یہ وہ شہادت ہے جو خود مضمون الہامات سے ملتی ہے۔ ہم نے ابھی کچھ حصہ اسکا اوپر دونوں پیشگوئیوں کے ذکر میں لکھدیا ہے جنمیں سے ایک میں لکھا ہے کہ وہ وقت قریب آرہا ہے کہ جب لوگوں میں تو پہچانا جائیگا جسکا ماحصل یہ ہے کہ اُسوقت لوگ آپکو نہ جانتے تھے۔ اور ایک اور الہام سے آپکا تنہا اور گمنام ہونا ثابت ہوتا ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہے ھل اتی علی الانسان حین من الدھر لم یکن شیئا مذکورا الخ یعنی کیا تجھ پر وہ وقت نہیں آیا کہ جب تیرا ذکر ہی دنیا میں نہ تھا" یعنی کوئی نہ جانتا تھا کہ تُو کون ہے۔ اس الہام میں ہم کو اپنی موجودہ حالت آیندہ کامیابی کی زمانہ میں یاد کرائی گئی ہے ایسا ہی ایک اور الہام ہے جس میں بطور دعا یہ پیشگوئی درج ہے اور وہ یہ ہے۔ رب لا تذرنی فردًا وانت خیر الوارثین یعنی کہ میرے خدا مجھے تنہائی کیحالت میں رہنے دیجو۔ اور تُو تو خیر الوارثین ہے" اس سے ثابت ہے کہ اُسوقت ملہم تنہا اور گمنام تھا۔ اب صرف ایک اس بات کو ثابت کرنا باقی ہے کہ آیا فی الحقیقت یہ پیشگوئیاں وقوع میں آئیں اور پوری ہوئیں یا نہیں؟ یہ ایک ایسی عیاں بات ہے کہ جو مزید ثبوت کی محتاج نہیں۔ حضرت ممدوح نے جس سلسلہ کو قایم کیا ہے اسکا نام سلسلہ عالیہ احمدیہ ہے۔ اور یہ سلسلہ قریباً دنیا کے ہر گوشہ میں پھیلا ہوا ہے۔ اور ہر ایک آدمی اس سے واقف ہے اگر کسی صاحب کو اس بات پر اطمینان نہ ہو اور وہ اس آفتاب کی طرح عیاں حقیقت پر مزید ثبوت چاہتے ہوں۔ وہ خود اسکی تحقیقات کرکے اطمینان حاصل کرلیں۔ اس گمنام اور تنہا شخص کے مریدوں کی تعداد اب کئی لاکھ ہوگئی ہے اور دن بدن ترقی پر ہے لوگ جوق درجوق اطراف عالم سے ہر روز قادیان میں حضور ممدوح کی خدمت میں چلے آتے ہیں اور برکت صحبت اور دیدار سے شرف فیض حاصل کرتے ہیں۔ اور کئی مرتبہ سال میں اسقدر جم غفیر جمع ہو جاتا ہے کہ مصافحہ کیلیے ہاتھ بڑھاتے بڑھاتے ہی انسان تھک جاتا ہے۔ اور یہ حال دیکھ دیکھ کر خدا کے کلمات لا تصعر لخلق اللہ ولا تسئم من الناس آفتاب نصف النہار کی طرح چمکتے نظر آتے ہیں۔ اور انہیں پورا ہوتے دیکھ کر ایمان و عرفان بڑھتا ہے۔ اگر بنظر عمیق غور کیا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ یہ پیشگوئی بہت ہی عظیم الشان اور بہت ہی قابل قدر ہے۔ اور یہ ایسا زبردست اور صریح الثبوت معجزہ ہے کہ جس کے برابر ثبوت کی صفائی کے پہلو سے انبیائے بنی اسرائیل کی تواریخ میں کوئی نظیر نہیں پائی جاتی۔ اس الہام میں یہ پیشگوئی ہے کہ ملہم ایک عظیم الشان انسان ہوگا۔ اور سخت ترین مخالفتوں کی بوچھاڑ میں

اسکی فتوحات اور کامیابیاں کامل ہوجائینگی۔ اس سے صاف طور پر عیاں ہورہا ہے کہ خطرناک مقابلہ حق و باطل کا ہوگا۔ اور اہل باطل اس ملہم کو نیست و نابود کرنیکے لیے کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھیں گے۔ یہی مطلب الہام یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ سے پایا جاتا ہے۔ ایک دوسرے الہام کا یہ مضمون ہے کہ آخر کار جب باوجود خطرناک مخالفتوں کے خداتعالیٰ کی نصرت یہانتک اسکا ساتھ دیگی کہ وہ کامیاب اور ناصر و منصور ہوجائیگا۔ تو دشمن ان کامیابیوں کو دیکھ کر مایوسی میں گرفتار ہوجائیں گے۔ اور اُنکو اسوقت معلوم ہوجائیگا کہ انکی مخالفتوں نے اُنہیں کچھ بھی فایدہ نہ دیا۔ بلکہ خدا کے زبردست ہاتھ نے ملہم کی تائید ایسی زبردستی سے کی کہ انکے سب منصوبے خاک میں مل گئے۔ غرض براہین احمدیہ میں بہت سارے الہامات سے پتہ ملتا ہے کہ اس ملہم کی سخت مخالفت کیجائیگی۔ اور انجام کار تمام مخالفین خاک میں مل جائیں گی۔

واضح رہے کہ اس کتاب کے شایع ہونیسے آٹھ برس بعد تک ملہم ایسی ہی حالت میں رہا۔ نہ کوئی سلسلہ ہی قایم ہوا اور نہ ہی کوئی مخالفت پیش آئی۔ پھر اسکے بعد خداتعالیٰ کے حکم سے ایک نیا سلسلہ جسکا نام اوپر سلسلہ احمدیہ بیان کردیا گیا ہے قایم کیا گیا۔ اس سلسلہ کے قایم ہوتے ہی مخالفوں میں عداوت کا ایسا جوش پیدا ہوا کہ چاروں طرف سے بہت زور کی مخالفت اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اور اس کی یورش ایسے زور آور طور پر ہوئی کہ کسی انسان کا بجز تائید ربانی کے اس کے مقابل میں کامیاب ہونا تو درکنار کھڑے رہنا بھی ممکن نہ تھا۔ سارا ہندوستان ایک سرے سے دوسرے سرے تک مخالفت پر تل پڑا۔ مولوی لوگوں نے قلمیں اُٹھا کر مسیح موعودؑ کی تکفیر کے فتوے دیکر جاہلوں میں جوش پھیلایا۔ اور حضرت ممدوح کے مریدوں کو بھی کافر ٹھہرا کر ہر قسم کے جور و غضب و افترا کو انکے برخلاف کام لانیکو جائز قرار دیا۔ اس بیچاری غریب اور تھوڑی سی جماعت کو طرح طرح کے مظالم کا نشکار بنایا۔ انہیں اپنی سوسائٹی سے کاٹ دیا۔ اور انکا مسجدوں میں داخل ہونا منع کردیا۔ اور فتویٰ دیدیا کہ ان کے مسجد میں داخل ہونے سے مسجد ناپاک ہوجاتی ہے۔ اور انکی میتوں کو مسلمانوں کے قبرستانوں میں دفن ہونے سے روکنے کا فتویٰ دیا اور اعلان کردیا کہ یہ ناپاک ہیں۔ اور انکے دفن ہونے سے قبرستان ناپاک ہوجاتے ہیں۔ یہ بھی فتویٰ دیا گیا کہ انکے نکاح نکاح نہیں ہر ایک مسلمان پر جائز بلکہ واجب ہے کہ انکی عورتیں اور انکے اموال و املاک ہر طرح سے چھین لے۔ اور یہ بھی فتویٰ دیا گیا کہ جو شخص اس مدعی مسیحیت و مہدویت کو قتل کریگا اسکو بہت بڑا ثواب ملیگا۔ اور یہ بھی فتویٰ دیا گیا کہ انکو نقصان پہنچانیکے لیے ہر قسم کا جھوٹ۔ فریب۔ دغا۔ خیانت بدنیتی وغیرہ جائز بلکہ کار ثواب ہیں۔ القصہ اسطرح جہلا کو مخالفت پر آمادہ کرنے اور انکے غیظ و غضب کو بھڑکانے میں کوئی بات اُٹھا نہ رکھی۔ یہ ایسی حالت ہوگئی تھی کہ اگر انسان ہی کا منصوبہ ہوتا تو یہ سلسلہ کبھی کا تباہ ہوگیا ہوتا۔ لیکن یہ خدائی ہاتھ اور خدائی وعدے تھے کہ جس نے یہ ساری مخالفت تہ خاک ملادی۔ اور اس سلسلہ کی ترقی شروع ہوگئی۔ اور اسکی قوت و تعداد روز افزوں ہوتی گئی۔ یہانتک کہ آج تک تین لاکھ سے زیادہ انسان حلقہ بیعت میں داخل ہوچکے ہیں۔ یہ تمام باتیں اس بات کا صریح ثبوت ہیں کہ یہ ایک عظیم الشان

معجزہ ہے جس سے اس مدعیٔ مسیحیت و مہدویت کے دعاوی کی تصدیق اور خداوند قادر مطلق اور علام الغیوب کی ہستی کا ثبوت کامل طور پر ملتا ہے۔ آج سے پچیس بلکہ اس سے بھی زیادہ برس پہلے جبکہ ملہم اکیلا اور بے یار و مددگار تھا۔ نہ اُسکو کچھ شہرت ہی حاصل تھی اور نہ کوئی مرید ہی رکھتا تھا۔ تو اس حال میں اُسکو بشارت دی گئی کہ تُو اکیلا نہیں چھوڑا جائیگا۔ بلکہ تجھے متبعین کی جماعت کثیر دیجائیگی۔ اور دنیا کے ہر اطراف و اکناف اور دُور دُور سے لوگوں کا اتنا ہجوم تیرے پاس آتا رہیگا کہ تُو تھک جائیگا۔ اور وہ تیرے سلسلہ کی اشاعت میں تیری مدد کریں گے۔ پھر ایک اور امر جو پیشین گوئی میں درج تھا یہ تھا کہ مخالف لوگ اپنی کوششوں اور حیلہ بازیوں سے اُس نور کو بجھانا اور مٹانا چاہیں گے جو خدا تعالیٰ نے تیرے ہاتھ سے منور کرایا ہے۔ لیکن انکی تمام کوششیں رائیگاں جائیں گی اور سب منصوبے نیست و نابود کیے جائیں گے۔ ان پیشگوئیوں کی اشاعت اور انکے پورے ہونے کے ثبوت پر ایسا کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا جو عام طور پر معجزات کی صداقت سمجھنے پر ہو سکتے ہیں۔ کوئی عقلمند انسان کبھی باور نہیں کر سکتا کہ یہ حیرت انگیز انکشاف اسرار غیبیہ جن کے سمجھنے سے قیاس و وہم قطعی طور پر عاجز ہیں۔ کسی انسانی تخمینہ و اندازہ سے بیان کیے جا سکتے ہیں بلکہ صرف اُس علام الغیوب قادر مطلق خدا کے الہام ہی کے ذریعہ سے ایسے امور قبل از وقت بیان کیے جانے ممکن ہیں۔ اُسوقت کوئی سبب ایسا موجود نہ تھا کہ جس سے کوئی فہیم سے فہیم یا دانا سے دانا انسان بھی ایک لحظہ کے لیے قیاس کر سکتا کہ ایسا گمنام اور خلوت نشین بے یار و مددگار انسان جسے دنیا میں کوئی جانتا بھی نہ تھا اور جو ایک گمنام گاؤں میں بگوشۂ عزلت پڑا ہوا تھا کسی دن لاکھوں انسانوں کا امام و پیشوا ہو سکے گا۔ اگر انسانی طاقت ایسے امور اس طرح منکشف کر سکتی ہے تو پھر اسکی اور مثالیں بھی موجود ہونی ضروری ہیں۔ یہ ایسی عظیم الشان پیشگوئی ہے کہ جس کے ہر پہلو پر نگاہ ڈالنے سے اس کی عظمت ہی ثابت ہوتی ہے۔ جب ہم اس پیشگوئی پر نظر کرتے ہیں کہ لوگ اس کے پورا ہونے کی راہ میں مخالفت کی وجہ سے طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالیں گے۔ اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کا وعدہ یہ تھا کہ ان تمام رکاوٹوں کو پس پا کر کے وہ اپنے وعدوں کو پورا کر کے چھوڑیگا۔ اور وقوع میں بھی اسی طرح آیا۔ تو کیا کسی انسان کی طاقت ہے کہ وہ ساری دنیا کو ایسا چیلنج کرے اور پھر یقیناً کامیاب ہو؟ ہرگز نہیں! بلکہ انسان تو یقین کے ساتھ اتنا بھی نہیں کہہ سکتا کہ وہ کل تک زندہ رہیگا۔

یہاں تک تو ہم نے مختصر طور پر ثبوت پیش کر دیے ہیں۔ اب انہیں بیان کرنیکے بعد ہم ہر ایک راستی کے طلبگار۔ دہریہ عیسائی۔ ہندو۔ مسلمان یا دوسرے مذاہب کے ماننے والیکی خدمت میں اپیل کرتے ہیں۔ جو لوگ خدا کو مانتے ہیں اور اُسکی ہستی اور قدرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ انکی خدمت میں اس کے بزرگ نام سے ہم اپیل کرتے ہیں۔ اور جو لوگ اُسکو نہیں مانتے اور اُسکی ہستی پر یقین نہیں رکھتے اُنکی خدمت میں انصاف اور راستی کے نام سے ہم اپیل کرتے ہیں۔ اور اُن سے استفسار کرتے ہیں کہ بحالات مندرجہ بالا یہ شہادت جو ہم نے لکھی ہے اس بات کے ثبوت کے وجوہ پیدا کرنیکے لیے کافی ہے کہ نہیں کہ ان پیشگوئیوں کے پورا ہونے سے جو معجزہ ظاہر ہوا ہے وہ انسانی طاقت اور قیاس سے باہر ہے؟

ہر ایک حق جو حق پسند پر لازم ہے کہ اس شہادت کا موازنہ کرے اور ان واقعات پر غور کرے۔ اور اس غور و خوض کے بعد اگر کوئی معقول وجہ اُسے ایسی نظر آوے کہ جس سے کوئی معقول اعتراض اس نتیجہ کے یقینی ہونے پر عاید ہو سکتا ہے تو از راہ انصاف پروری و حق جوئی اُس سے مجھے اطلاع دیں کہ مَیں اُسکے دُور کرنیکی اور انکو اطمینان دلانے کی کوشش کروں۔ بہت لوگ مسیح موعودؑ کے متعلق بہت کچھ لکھ چکے ہیں اور بہت لکھیں گے۔ لیکن ہم معقول پسند لوگوں کے انصاف کو اپیل کرتے ہیں کہ سب سے پہلے وہ ان امور کی تحقیقات کر لیں۔ اور اس معجزہ پر اپنا فیصلہ ظاہر کرنیکے بعد کسی اور طرف متوجہ ہوں۔

قرآن کریم کی حفاظت اور جمع

(۱) قرآن کریم کی حفاظت کا الٰہی وعدہ

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون (سورۃ الحجر آیت ۹) یعنی اُس قرآن کو ہم نے آپ ہی نازل کیا ہے اور اسکی حفاظت ہم خود ہی کرینگے"۔ خداوند کریم جو عیب اور نقص سے پاک ہے اس کے وعدوں کو جب دیکھا جاتا ہے اور پھر اُنکے پورا ہونے پر غور کیا جاتا ہے تو اسکی عظمت اور جلال پر دل اور بھی زیادہ ایمان اور عرفان سے معمور ہوتا ہے۔ اور جس عیاں اور زبردست طور پر اُسکے وعدے پورے ہوتے ہیں انکا اعتراف نہ صرف مومن ہی کو ہوتا ہے بلکہ غیر مومن بھی طوعاً و کرہاً اُسپر گواہی دینے کیلیے مجبور ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم کی حفاظت کا وعدہ الٰہی جو آیت مندرجہ عنوان میں دیا گیا تھا جس عظمت اور صفائی کے ساتھ اُس کے پورا ہونیکی حقیقت دنیا پر آجتک ثابت اور ظاہر ہوئی ہے وہ ایسی روز روشن کی طرح چمکتی ہے کہ بڑے بڑے مخالفان قرآن کریم بھی انکی واقفیت اور حقیت پر بے ساختہ شہادت دے اُٹھے ہیں۔ ہم اسجگہ ایک بڑے پرلے درجہ کے دشمن اسلام کے الفاظ ہی نقل کرنے پر کفایت کرینگے جسکا نام سر ولیم میور ہے اور جس نے پادریوں کو صلیب پرستی کی مسلمانوں میں ترویج اور تبلیغ و اشاعت کی امداد اور اسلام کی مخالفت کیلیے کتاب لائف آف محمدؐ لکھی اور شایع کی تھی۔ اس کتاب کے دیباچہ کے صفحہ ۲۱ (طبع سوم) پر اس نے قرآن کریم کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "جہانتک ہماری معلومات ہیں دنیا بھر میں ایک بھی ایسی کتاب نہیں جو اس (قرآن کریم) کی طرح بارہ[12] صدیوں تک ہر قسم کی تحریف سے پاک رہی ہو"۔ اور پھر ایک دوسرے عیسائی وان ہیمر کا قول نقل کرتا ہے کہ "ہم ایسے ہی یقین کے ساتھ قرآن (شریف) کو بعینہٖ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مُنہ سے نکلے ہوئے الفاظ سمجھتے ہیں جیسا کہ مسلمان اسی

خدا کا کلام سمجھتے ہیں"۔ جس میں صاف اعتراف اس بات کا پایا جاتا ہے کہ جو قرآن شریف اسوقت مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے یہ بلا کم وکاست وہی قرآن کریم ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا۔ اور اسکی کسی عبارت یا کسی لفظ میں کسی قسم کی تحریف نہیں ہوئی۔

یہاں قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسے اسباب اور حالات تھے جن کی وساطت سے یہ مقدس ترین کتاب ہمیں بغیر کسی تحریف اور آمیزش کے ٹھیک اسی طرح پہنچی جس طرح ہمارے سید و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلعم پر نازل ہوئی تھی؟ ان اسباب کا تعلق مذہب اسلام کی تاریخ کے دو مختلف زمانوں کے ساتھ ہے یعنی اول زمانہ حیات نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور دوسرا زمانہ خلفائے راشدین جنہوں نے کمال دیانت اور امانت کے ساتھ اس مقدس کلام کو آئندہ نسلوں تک ٹھیک اسی طرح پہنچایا جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے چھوڑا تھا۔ ۱۹۰۵ء میں پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی لاہور کی طرف سے ایک کتاب مسمّی بہ تاویل القرآن اُردو زبان میں شایع ہوئی تھی جس کے مصنف نے اپنا نام ظاہر نہیں کیا۔ اس کتاب میں گمنام مصنف نے آیت مذکورہ عنوان کے متعلق بھی خامہ فرسائی کرنیکی جرأت کی ہے اور لکھا ہے کہ اس آیت میں الذکر سے مراد مطلق قرآن شریف نہیں بلکہ تمام کتب سماوی مراد ہیں پس قبل ان اسباب کو بیان کرنے کے جنکا ذکر اوپر ہوا ہے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مصنف تاویل القرآن کی غلطی کو ظاہر کیا جاوے۔ اس میں شک نہیں کہ لفظ ذکر جیسا قرآن شریف کے لیے بولا گیا ہے دوسری کتب سماوی کے لیے بھی بولا گیا ہے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ آیا اس خاص موقعہ پر جہاں آیت زیر بحث میں یہ لفظ آیا ہے وہاں مراد اس سے قرآن کریم ہے۔ یا جملہ کتب سماوی۔ سو خود قرآن کریم کے پڑھنے سے اور آیت زیر بحث کے ماقبل اور مابعد پر غور کرنیسے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ آیت مذکورہ سورہ حجر کی نویں آیت ہے، اور سورہ شریفہ اسطرح پر شروع ہوتی ہے۔ الٓر۔ تلك اٰيات الكتٰب و قراٰن مبين۔ اور پھر چھٹی آیت سے آیت زیر بحث تک کلام الٰہی میں یوں وارد ہوا ہے و قالوا يا ايها الذى نزل عليه الذكر انك لمجنون۔ لوما تاتينا بالملئكة ان كنت من الصٰدقين۔ ما ننزل الملائكة الا بالحق وما كانوا اذاً منظرين۔ انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحافظون

ترجمہ "اور کافروں نے کہا کہ اے شخص جس پر الذکر اُتارا گیا ہے تُو تو دیوانہ ہی۔ اگر تُو سچا ہے تو فرشتوں کو ہمارے سامنے کیوں نہیں لا کھڑا کرتا۔ سو ہم فرشتوں کو نہیں بھیجا کرتے مگر فیصلہ کے لیے۔ اور (جب فرشتے نازل ہونگے تو) پھر انکو مہلت بھی نہ ملیگی۔ بیشک ہم ہی نے الذکر اُتارا ہے اور بیشک ہم ہی اسکی حفاظت بھی کرینگے"۔ ان چار آیتوں میں دو جگہ لفظ الذکر آیا ہے۔ اور سلسلہ کلام سے ظاہر ہے کہ جو کچھ الذکر سے پہلی یعنی چھٹی آیت میں مراد ہے وہی مراد آخری یعنی نویں آیت یا آیت زیر بحث میں ہے۔ لیکن پہلی جگہ لفظ الذکر سے صاف مراد قرآن شریف ہی وہی قرآن مبین جسکا ذکر شروع سورۃ میں ہے۔ کیونکہ کافروں کا خطاب صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

سے ہی پس الذکر سے مراد قرآن شریف ہی ہوا نہ جملہ کتب سماوی - اور یہی مراد اس لفظ سے دونوں جگہ ہے۔
اسی بات کی تائید قرآن کریم کی اور آیات سے بھی ہوتی ہے مثلاً سورۃ حٰم السجدہ کی آیات ۴۱-۴۲ میں بعینہ اسی مضمون کو دوہرایا گیا ہے۔ ان الذین کفروا بالذکر لما جاءھم وانہ لکتاب عزیز۔ لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید۔ ترجمہ:"جن لوگوں کے پاس (قرآن جیسی) نصیحت آئی اور انہوں نے اسکو نہ مانا (وہ بھی اپنا انجام کار دیکھ لیں گے) اور یہ (قرآن) تو بڑے پایہ کی کتاب ہے۔ کہ جھوٹ نہ تو اس کے آگے (ہی کیطرف) سے اُسکے پاس پھٹکنے پاتا ہے اور نہ اس کے پیچھے (کیطرف) سے (کیونکہ) حکمت والے سزاوار حمد (و ثنا یعنی خدا) کی اُتاری ہوئی ہے" ایسا ہی اور بھی کئی آیات ہیں جو صاف طور سے اعلان کر رہی ہیں کہ قرآن شریف میں شروع ہی سے یہ الٰہی وعدہ ہے کہ خدا تعالیٰ اس کو ہر قسم کی تحریف۔ آمیزش۔ تغیر و تبدل اور بربادی سے ہمیشہ کے لیے محفوظ رکھے گا۔ ابتدائی زمانہ سے ہی مسلمانوں کا یہ اعتقاد چلا آتا ہے کہ ان آیات میں خدا تعالیٰ نے قرآن شریف کو ہر قسم کے حملوں اور تصرف سے محفوظ رکھنے کا وعدہ فرمایا ہوا ہے۔ حضرت مجاہد اور قتادہ جو تابعین میں سب سے پہلے مفسران قرآن ہیں وہ بھی اسپر اتفاق رکھتے ہیں کہ آیت انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحٰفظون۔ اور آیت لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید سے یہی مطلب ہے کہ اس کلام پاک میں کوئی ایسا لفظ نہیں ڈالا جائے گا جو کلام الٰہی نہ ہو۔ اور نہ ہی کوئی حصّہ کلام الٰہی اس میں درج ہونے سے رہ جائیگا یا درج ہونیکے بعد نکالا جا سکیگا۔ ایسا ہی یہ دونوں بزرگ اور انکے علاوہ تمام مفسرین قرآن کریم اس بات پر متفق ہیں کہ الذکر سے مراد ان دونوں آیات میں قرآن کریم ہی ہے۔ دیکھو تفسیر ابن جریر جلد ۱۴ صفحہ ۶ و جلد ۲۴ صفحہ ۷۱-۷۲۔ غرض یہ ایک ایسی بیّن اور ثابت شدہ حقیقت ہے کہ قرآن کریم کے پہلے اور پچھلے مفسرین ان آیات حفاظت قرآن کریم کے متعلق وہی اعتقاد رکھتے تھے جو آجکل مسلمانوں میں متفقہ طور پر مروّج و مسلّم ہے۔ اور اس امر کی کافی شہادت موجود ہے۔ اب ایسی صریح اور ثابت شدہ حقیقت پر جو آفتاب نصف النہار کی طرح چمک رہی ہے بے اعتباری کا پردہ ڈالنا ایک بیہودہ اور احمقانہ کوشش نہیں تو اور کیا ہو سکتا ہے۔ مصنف تاویل القرآن نے یہ بھی لکھا ہے۔ کہ کسی وعدے کا وجود اس بات کو ثابت نہیں کر سکتا کہ اُسکا ایفا بھی ہو گیا۔ اور اس لیے وعدہ خود ثبوت نہیں ہو سکتا۔ ان کے اس خیال کے ساتھ تو ہم اتفاق کرتے ہیں۔ لیکن انہیں اس بات پر غور کرنا چاہیئے کہ اس وعدے کے ساتھ ایسے واقعات موجود ہیں جن پر نگاہ انصاف ڈالنے سے صاف طور پر عیاں ہوتا ہے کہ اس وعدہ کا ایفا نہایت صفائی اور عمدگی کے ساتھ ہوا ہے۔ کیونکہ اگر یہ وعدہ پورا نہ ہوا ہوتا تو اور قرآن کریم میں کسی قسم کے تغیر و تبدل کو دخل ہو گیا ہوتا۔ تو یہ ضروری تھا کہ ان دو باتوں میں سے ایک ضرور واقعہ

ہوتی یعنی یا تو جن لوگوں نے ان تصرفات و تغیرات کو دیکھا تھا یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم وہ اس کے کلام الٰہی ہونے کا انکار کرتے۔ یا ان آیات بینات کی جن میں حفاظت قرآن کا وعدہ ہے موجودہ تفسیر کے سوا کوئی اور تعبیر تاویل کرتے لیکن یہ یقینی اور قطعی بات ہے کہ اس وجہ پر کسی نے قرآن شریف کے کلام الٰہی ہونے سے انکار نہیں کیا۔ بعض لوگ مرتد ضرور ہوئے مگر اس بنا پر کہ یہ وعدہ پورا نہیں ہوا کوئی مرتد نہیں ہوا اور نہ ہی کسی صحابی نے آیات وعدہ حفاظت قرآن کی کوئی اور تفسیر یا تاویل کی۔ بلکہ سب کے سب بالاتفاق اسی اعتقاد پر جمے رہے اور ایک صحابی کا نام بھی نہیں بتایا جا سکتا جس نے ان دو شقوں میں سے کوئی ایک اختیار کی ہو۔ بلکہ جن معنوں کا پتہ ہمیں تابعین سے ملتا ہے جن کے معلم اجلہ صحابہ تھے وہ وہی معنے ہیں جو ہم نے اوپر اختیار کیے ہیں اور جن کی بنا پر شروع سے لیکر آجتک تمام مسلمان قرآن کریم کی حفاظت کے الٰہی وعدے کو سچا یقین کرتے چلے آئے ہیں۔ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان لفظوں کے یہی معنے کرتے تھے۔ انکے سوا کوئی اور مطلب ان الفاظ کا ان سے کہیں ثابت نہیں۔ اگر وہ ان الفاظ کے کوئی اور معنے کرجاتے تو ضرور تھا کہ وہ ہم تک بھی پہنچتے۔ جیسا کہ ایک اور پیشگوئی کی تفسیر اور معنے بیان کرنے میں ہوا اور وہ واقعہ یہ ہے کہ ایکدفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو مخاطب کرکے فرمایا۔ اسرعکن لحوقا بی اطولکن یدا جس کے ظاہر معنے یہ ہیں کہ تم میں سے مجھے بعد وفات وہی پہلے ملے گی جس کے لمبے ہاتھ ہیں۔ چنانچہ وہ حدیث جو صحیح مسلم میں بروایت حضرت عائشہ اُم المومنین درج ہے۔ ذیل میں نقل کیجاتی ہے عن عایشۃ اُم المؤمنین قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسرعکن لحاقا بی اطولکن یدا فکن یتطاولن ایتھن اطول یدا قالت فکانت اطولنا یدا زینب لانھا کانت تعمل بیدھا وتصدق

ترجمہ: حضرت اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے مجھ کو جلدی وہ ملے گی۔ جس کے ہاتھ لمبے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ یہ بات سُنکر تمام ازواج مطہرات اپنے اپنے ہاتھ اِس بات کے دریافت کرنیکے لیے ناپنے لگیں کہ کس کے سب سے لمبے ہاتھ ہیں۔ پھر آخر کار زینب رضی اللہ عنہا کے ہاتھ اُنکی سخاوت کی وجہ سے اس حدیث کی منشاء کے مطابق سب سے لمبے ثابت ہوئے" ان مقدس بیبیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سُنکر اس کے یہی معنے سمجھے کہ گویا اِس سے مراد جسمانی طور پر لمبے ہاتھ ہیں۔ اور اسی غلط فہمی سے ایکدوسرے سے ہاتھوں کو ناپنا شروع کردیا۔ لیکن احادیث کی کتابیں ایسی احتیاط اور امانتداری سے لکھی گئی ہیں کہ کسی قسم کی رعایت کے بغیر تمام امور کو درج کردیا گیا ہے۔ اُنکی یہ غلطی بھی حدیثوں میں صاف طور پر درج ہے اور اس کے صحیح معنے بھی کھلے طور پر لکھے ہوئے موجود ہیں چنانچہ امام نودی نے اِس حدیث کے معنے یہ لکھے ہیں۔ معنی الحدیث انھن ظنن ان المراد بطول الید طول الید الحقیقیۃ وھی الجارحۃ

فکن یذرعن ایدیھن بقصبۃ فکانت سودۃ اطولھن جارحۃ وکانت زینب اطولھن یدا فی الصدقۃ و فعل الخیر فماتت زینب اولھن فعلموا ان المراد طول الید فی الصدقۃ والجود قال اھل اللغۃ یقال فلان طویل الید وطویل الباع اذا کان سمحا جوادا۔ یعنی اس حدیث کے یہ معنے ہیں کہ حضرت رسول کریم صلعم کی بیویوں نے یہی سمجھا تھا کہ لمبے ہاتھوں سے مراد فی الحقیقۃ لفظی طور پر لمبے ہاتھ ہی ہیں۔ اور اس لیے انہوں نے اپنے ہاتھوں کی لمبائی کو ناپنا شروع کردیا۔ ناپنے سے معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ کی بیوی سودہ ؓ کے ہاتھ جسمانی طور پر لمبے تھے۔ اور حضرت زینبؓ صدقہ وخیرات میں سب سے دست دراز رکھتی تھیں۔ اور وہ ہی سب سے پہلے فوت ہوئیں۔ اُسوقت انکو معلوم ہوگیا کہ اس حدیث کے اصل معنے یہ تھے کہ لمبے ہاتھوں سے مراد سخاوت اور خیرات اور صدقہ میں سب سے سبقت اور فوقیت تھی نہ کہ جسمانی پیمایش۔ اہل لغت ایسے فقرات کے یہی معنے کرتے ہیں چنانچہ جب کہتے ہیں کہ فلان طویل الباع یا فلان طویل الید تو اس سے یہی مراد ہوتی ہے کہ فلاں شخص بہت بڑا سخی اور فیاض طبع ہے۔ (دیکھو نووی حاشیہ مسلم) ایسا ہی حضرت امام بخاری اور مشہور ومعروف صاحب فتح الباری بھی اس امر پر متفق ہیں کہ اس حدیث کے معنے ازواج مطہرات نے پہلے ہی سمجھے تھے۔ لیکن بعد میں اُنپر منکشف ہوگیا کہ اسکے معنے وہ نہیں جو انہوں نے سمجھے ہوئے تھے بلکہ سخاوت اور فیاضی میں سبقت مراد تھی۔ (دیکھو بخاری باب صدقات)

غرض اسلامی لٹریچر میں دین کو ایسا مقدم رکھا گیا ہے کہ کسی شخص نے کسی کی کبھی کچھ رعایت نہیں کی اور نہ ہی کسی۔ کا پاس خاطر سے کبھی کسی امر کا اخفا یا کم و بیش کر کے لکھا گیا۔ یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں نے ایک حدیث کے سمجھنے میں غلطی کھائی تو اکثر معتبر کتابوں میں اسکا ذکر موجود ہے۔ یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشگوئی تھی اگرچہ یہ پیشگوئی قرآن کریم کا کوئی حصہ نہ تھی لیکن آنحضرت صلعم کی فرمائی ہوئی تھی اس لیے وہ اپنے صحیح منطوق کے ساتھ پوری ہوئی۔ یعنی حضرت بیوی زینبؓ جو جود وسخا اور کرم وفیض میں سب بیویوں سے بڑھی ہوئی تھیں سب سے پہلے فوت ہوئیں اور سودہ ؓ پہلے فوت نہ ہوئیں جنکے ہاتھ جسمانی طور پر لمبے تھے جبکہ ایسی معمولی درجہ کی باتوں کے اختلافات اور معانی احادیث میں اسقدر دیانتداری اور احتیاط کے ساتھ درج ہیں تو قرآن کریم کی حفاظت کے وعدوں کی آیات جو ایک پہلو سے اصول اسلام میں شمار ہوتی ہیں اور ایسی اہم اور ضروری ہیں کہ ہر ایک کو انکے معانی کے ساتھ بڑا بھاری تعلق ہے تو ایسے اہم امر کی متعلقہ آیات کے لفظی معنوں اور اس عظیم الشان وعدہ کے ظاہری رنگ میں پورا ہونے میں ذرہ بھی اختلاف اور انحراف واقعہ ہوتا تو نہایت ضروری تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت کثیر اس طرف جاتی کہ اس پیشگوئی سے مراد اسکا ظاہری الفاظ میں پورا ہونا نہیں بلکہ اس سے کچھ اور مطلب ہے۔ اور وہ مطلب بیان کرتے اور آیندہ نسلوں کو اس سے مطلع کرتے۔ لیکن حدیث کے کتنے بڑے ذخیرہ میں

کہیں کبھی جگہ صحیح اور مستند تو کیا کوئی ضعیف سی ضعیف حدیث بھی اس بات کی تائید میں نہیں ملتی جس میں صراحتہً نہ سہی کنایتہً ہی یہ اشارہ ہو کہ یہ وعدہ الٰہی اپنے ظاہری معنوں میں پورا نہ ہوا تھا اور اسکی تاویل یہ کی گئی تھی کسی حدیث میں اس بات کا صراحتاً یا کنایتاً ذکر نہ ہونا ایک ایسی زبردست دلیل قرآن کریم کے محفوظ رہنے کی ہے کہ اسکے بعد کسی دلیل کے دینے کی حاجت نہیں رہتی۔ اور اس سے قطعی اور یقینی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے اور ان کی زندگیوں میں ایک حرف کی بھی تحریف یا تغیر تبدل یا کمی زیادتی نہیں ہوئی بلکہ صحابہ رضؓ کرام کے بعد بھی ہم یہی بات دیکھتے ہیں چنانچہ وہ بزرگ قوم تابعین جنہوں نے بڑی محنتوں اور مشکلات سے محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور دین کی خاطر صحابہؓ سے قرآن شریف سیکھا تھا اور احادیث حاصل کی تھیں اور انکی صحبت سے بہرہ اندوز ہوئے تھے اس امر پر متفق ہیں کہ ان آیات سے یہی مراد ہے کہ قرآن شریف میں کوئی تصرف اور آمیزش کبھی راہ نہ پائے گی۔ اور خدا اس کی خود نگہبانی کرتا رہے گا۔ اس تمام تحریر سے یہ بات بہت اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے کہ آنحضرت صلعم کے اصحابؓ قرآن شریف کی حفاظت کی پیشگوئی مندرجہ قرآن کریم کا پورا ہونا ظاہری الفاظ کے موافق مانتے تھے۔ اور اسپر یقین کامل رکھتے تھے کہ یہ کلام الٰہی ہے۔ اور یہ وعدہ الٰہی ہے۔ اگر کسی طرح سے وہ اس وعدہ الٰہی میں تجاوز محسوس کرتے اور اس بات کو دیکھ پاتے کہ قرآن شریف میں کوئی تصرف اور تحریف کسی طرح سے واقعہ ہو گیا ہے تو ایسے جوانمرد راستبازی کے عاشق سچائی کے حامی اور شیدائی کبھی خاموشی اختیار نہ کرتے۔ لیکن ساری اسلامی تواریخ کے اوراق دیکھ لو کہیں ایک حرف بھی ایسا نہ پاؤ گے کہ جس سے صراحتاً نہ سہی اشارتاً ہی اس کی تائید ہوتی ہو۔ کہیں یہ نہیں دیکھو گے کہ صحابہ رضؓ کی جماعت بلکہ ان کے کسی ایک فرد متنفس نے بھی اس وجہ پر آنحضرت صلعم کی صداقت پر حرف رکھا ہو۔ اسلامی تاریخ دوسرے مذاہب کی تاریخ کی طرح مخفی اور تاریک نہیں بلکہ نہایت مکمل اور مفصل اور معتبر تاریخ موجود ہے۔ اسلیے یہ خیال کرنا سراسر غلط اور دھوکہ دہ ہو گا کہ ایسا عظیم الشان اور اہم امر واقعہ ہوا ہو اور چھوڑ دیا گیا ہو یا وہ متاخرین کی نظروں سے ہی اٹھا رہا ہو۔ صحابہ رضؓ کے حالات دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسے لوگ نہ تھے کہ اس پیشگوئی کو بظاہر ناکام دیکھ لیتے اور خاموش بیٹھے رہتے۔ وہ ایسے دلیر اور سچائی کے لیے شجاع تھے کہ اگر کہیں ذرہ سا شک بھی انکی طبیعت میں کسی امر پر پیدا ہوتا تو وہ بہت آزادی سے بیان کرتے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شبہ یا وسوسہ ان کے دلوں میں کسی وقت رہگیر ہوتا تو وہ آنحضرت سرور کائنات صلعم کے حضور میں بھی آزادی تمام پیش کر دیتے۔ اور کبھی نہ رکتے۔ ہم اُن کی اس جرأت کے متعلق بطور مثال ایک واقعہ کو پیش کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے رؤیا میں دیکھا کہ آپ (صلعم) مع جماعت طواف بیت اللہ کر رہے ہیں۔ چونکہ یہ رؤیا منجانب اللہ تھا۔ اس لیے چودہ سو سے کچھ زیادہ جماعت صحابہ رضؓ لے کر آپ (صلعم) مدینہ سے مکہ معظمہ کیطرف بارادہ حج روانہ ہو پڑے۔۔۔۔۔۔ جب آپؐ مع جماعت حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو قریش مکہ اپنی جمعیت لیکر مقابلہ کیلیے آگئے

اور مزاحم ہوئے اور کہا کہ ہم اس سے آگے تمھیں بڑھنے نہیں دینگے۔ بہت ساری قیل و قال کے بعد اس مقام پر فریقین کے درمیان صلح تجویز ہوئی جس کا نام صلح حدیبیہ ہے اس صلح کی رو سے نہ صرف آنحضرت صلعم کو وہیں سے مدینہ کی طرف واپس ہونا ہی پڑا بلکہ اور بھی بعض ایسی باتیں منظور کرنی پڑیں جو صحابہؓ کو ناگوار گذریں۔ یہ شرائط عام طور پر مسلمانوں پر شاق گذریں کیونکہ انہیں حج کرنے کے بغیر وہیں سے واپس جانا پڑا۔ اسپر حضرت عمرؓ حضور رسالت مآب صلعم میں حاضر ہوئے اور مسلمانوں کے خیالات کو بدیں الفاظ پیش کیا۔ فقال عمر بن الخطاب فاتیت نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلت الست نبی اللہ حقا؟ قال بلی! قلت السنا علی الحق وعدونا علی الباطل؟ قال بلی! قلت فلم نعطی الدنیۃ فی دیننا اذا۔ قال انی رسول اللہ ولست اعصیہ وھو ناصری قلت اولیس کنت تحدثنا انا سناتی البیت فنطوف بہ؟ قال بلی!! فاخبرتک انا ناتیہ العام قال قلت لا قال فانک اٰتیہ ومطوف بہ۔ یعنی حضرت عمرؓ ابن الخطاب نے فرمایا۔ پس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ کیا آپ خدا کے برحق رسول نہیں؟ آپنے فرمایا ہاں بیشک میں خدا کا رسول برحق ہوں! پھر مینے عرض کیا کہ کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں؟ آپنے فرمایا ہاں بیشک! پھر مینے عرض کیا تو پھر کیا وجہ ہے کہ ہم ایسی مضر شرائط کو قبول کریں جو ہمارے دین کو نقصان پہنچانیوالی ہیں۔ اسپر آپنے فرمایا کہ اس میں کچھ شک نہیں کہ میں خدا کا رسول ہوں اور میں اسکے حکم کی نافرمانی نہیں کرتا اور وہی میرا مددگار ہے مینے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپنے یہ نہ فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ میں پہنچیں گے اور طواف کرینگے؟ آپنے فرمایا ہاں! لیکن کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ ہم اسی سال وہاں پہنچیں گے؟ پھر مینے جواب دیا نہیں! پھر آپنے فرمایا کہ بیشک تم بیت اللہ میں پہنچوگے اور طواف کروگے (بخاری کتاب الشروط)۔ اب جائے غور ہے کہ جو جرأت اور استقلال اور ہمت خدا تعالیٰ نے حضرت عمرؓ ابن الخطاب کو عطا کی ہوئی تھی اس سے دنیا میں کوئی شخص بے خبر نہیں ہو سکتا۔ اور جس طرح وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فدائی خادم تھے وہ بھی تمام جہان کو معلوم ہے۔ ایسا جلیل القدر انسان اپنے مکرم معظم مخدوم کی خدمت میں صرف اتنی بات پر اتنی بڑی جرأت سے بھرے ہوئے سوال کرتا ہے۔ اور وہ بات ہی کیا تھی صرف یہی کہ آنحضرت صلعم نے کفار مکہ کے روکنے سے حج کے ارادہ کو سال آیندہ پر ملتوی کر دیا تھا۔ اور صلح کے شرائط منظور کر کے حدیبیہ ہی سے مدینہ کی طرف مراجعت کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ جب ہم حضرت عمرؓ کا ایمان آنحضرت صلعم پر دیکھتے ہیں اور انکی اس بات پر غور کرتے ہیں کہ وہ سچے دل سے آپ کو خدا کی طرف سے سمجھتے تھے اور یہ بھی جانتے اور مانتے تھے کہ وہ جو کام کرتے ہیں خدا ہی کے حکم سے کرتے ہیں۔ پھر ایسے ایمان کے باوجود ایسے سوال انکے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ حق کیلیے ایسے بہادر تھے کہ ذراسی بات کو بھی فروگذاشت نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اسوقت تک صبر نہ کیا جبتک کہ انکی

خاطر خواہ تسلّی نہ ہوگئی اور امرِ حق اُنکو نہ معلوم ہوگیا کہ حضور سرورِ کائنات صلعم کا رؤیا بالکل صحیح اور حق تھا لیکن اسمیں یہ شرط نہ تھی کہ حج اسی سال میں ہوگا بلکہ اس میں صرف حج کا وعدہ دیا گیا تھا جسکا وقت اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم تھا۔ اور محض حدیبیہ سے لوٹ جانے اور اس سال میں حج کرنیسے قاصر رہنے سے یہ نہیں قرار دیا جاسکتا کہ وہ رؤیا غلط تھا۔ وہ رؤیا ضرور پورا ہوا لیکن آیندہ سال میں۔ صحابہؓ نے جبتک اس تسلّی بخش تفسیر رؤیا سے خبر نہ پالی اُسوقت تک خاموش نہ ہوئے اور انکے دلوں کی بےچینی دُور نہ ہوئی۔ اگر انصاف سے کام لیا جائے تو یہ ایک ہی حدیث اسبات کے ثبوت کیلیے کافی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو جب کبھی کسی امر میں شبہ یا وسوسہ پیدا ہوتا تو انکی عادت تھی کہ نہایت آزادی کے ساتھ اسکو حضرت رسالت مآب صلعم کے حضور میں پیش کر دیتے۔ اور جب تک تسلّی نہ ہوتی خاموش نہ ہوتے اسلیے یہ یقینی بات ہے کہ اگر قرآن شریف میں ایک ذرہ تحریف یا تغیر و تبدل یا تصرف بھی واقعہ ہوتا تو اس پیشگوئی کی صداقت پر بہت زبردست اعتراض انکی طرف سے وارد ہوتے۔ اور یہ ضروری تھا کہ ایسے اعتراضات آیندہ نسلوں میں بھی مشتہر اور معروف ہوتے۔ لیکن تمام اسلامی کتب میں کہیں کوئی ایسی روایت موجود نہیں۔ اس سے صاف طور پر پایا جاتا ہے کہ کبھی کوئی وسوسہ قرآن کریم کی تحریف و تصرف کی بابت پیدا ہی نہیں ہوا۔ اور اس سے یہ بات صریح طور سے ثابت ہوتی ہے کہ قرآن شریف ہر قسم کے تصرفات و تحریفات و تغیرات سے پاک رہا ہے اور جس طرح آنحضرت صلعم صحابہؓ نے سیکھا تھا اسی طرح بلا کم و کاست آجتک موجود ہے۔ جس سے اس پیشگوئی کا منجانب اللہ ہونا اور اس کی صداقت ثابت ہے۔

مصنف تاویل القرآن نے محض بے سمجھی سے ابن ماجہ کی ایک حدیث نقل کی ہے جسکا مطلب اس نے یہ لکھا ہے کہ قرآن شریف پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ جب یہ سب کا سب اُٹھا لیا جائیگا یہانتک کہ ایک آیت بھی باقی نہ چھوڑی جائیگی۔ اور اس مطلب سے اُس نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ جبکہ یہ جایز ہے کہ سارا قرآن شریف دنیا سے اُٹھ جائے اور ایک آیت بھی اسکی روئے زمین پر باقی نہ رہے تو پھر بھی وعدہ انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحفظون میں کچھ فرق نہیں آسکتا تو پھر اگر قرآن شریف کا کوئی حصہ گم ہوجائے یا اسمیں کوئی تصرف اور تحریف کر لیجائے تو اس وعدہ حفاظت میں کیونکر فرق آنا جایز تسلیم ہوسکتا ہے۔ اول تو اس پردہ نشین عیسائی مصنف نے اتنا بھی نہیں سمجھا کہ ابن ماجہ مسلمانوں میں اُن کتب میں سے نہیں مانی جاتی جن کی سند پر انکو سب سے اول درجہ پر ایمان ہے مسلمان اس کی روایات کو قرآن شریف کی آیات اور صحیح بخاری وغیرہ کی صحیح احادیث پر حاکم نہیں سمجھتے قرآن شریف کے وعدہ کے مقابلہ میں ایسی بات کو لکھ کر اپنے اس دعوے کی تائید کرنا کہ حفاظت الذکر سے قرآن شریف کی حفاظت مراد نہیں راقم کی مطلق حماقت اور بےسمجھی پر دلیل بیّن ہے۔ ماسوائے اسکے یہ امر سمجھنا اسکو بہت ضروری تھا کہ قرآن شریف کے اُٹھائے جانیسے مراد یہ نہیں کہ اسکی عبارت اور الفاظ کسی زمانہ میں دنیا

سے اُٹھالیے جائیں گے۔ یہ تو نہایت لغو تعبیر ہے۔ اس کا صاف اور مسلم مطلب یہی ہے کہ صرف قرآن جہان ہی اُٹھ جائیگا۔ یعنی ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ جب لوگوں کی زبان پر قرآن ہوگا مگر انکی عملی زندگیوں سے وہ خارج ہوگا۔ بخاری اور مسلم میں جو احادیث صحیحہ اس مضمون پر آئی ہیں انسے صاف پایا جاتا ہے کہ علم قرآن علما کے نہ ہونیکی وجہ سے قبض کرلیا جائیگا نہ کہ اس کے الفاظ کے قبض کرلیے جانیکی وجہ سے۔ چنانچہ مشکوٰۃ کتاب العلم میں یہ حدیث آئی ہے۔ عن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لا یقبض العلم انتزاعا ینتزعہ من العباد ولکن یقبض العلماء یعنی عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ علم کو لوگوں میں سے چھین کر نہیں لے جائیگا بلکہ علماء کے قبض کرنیسے علم قبض کریگا۔ ایسا ہی بیہقی نے ایک حدیث روایت کی ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئیگا جب اسلام سے کچھ نہ رہیگا مگر صرف اسکا نام۔ اور قرآن سے کچھ نہ رہیگا مگر اس کے الفاظ۔ چنانچہ مشکوٰۃ کتاب العلم میں یہ حدیث آئی ہے۔

عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوشک ان یاتی علی الناس زمان لا یبقی من الاسلام الا اسمہ ولا یبقی من القرآن الا رسمہ مساجدھم عامرۃ وھی خراب من الھدی۔ علماءھم شر من تحت ادیم السماء من عندھم تخرج الفتنۃ وفیھم تعود۔ یعنی حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ جب اسلام میں سے کچھ نہ رہیگا مگر اسکا نام۔ اور قرآن میں سے کچھ نہ رہیگا مگر اسکے الفاظ۔ انکی مسجدیں معمور ہونگی لیکن ہدایت کے نہ ہونیکے سبب سے حقیقت میں ویران ہونگی۔ اور انکے علماء بگڑ کر ایسے خراب ہوگئے ہونگے کہ پردۂ آسمان کے نیچے اُنسے بڑھکر بُرا کوئی نہ ہوگا۔ اُنسے ہی فتنہ نکلیگا اور انہیں میں عود کرکے داخل ہوگا۔

اب صاف ظاہر ہے کہ قرآن اُٹھائے جانیسے یہ مراد نہیں ہوسکتی کہ گویا جسقدر قرآن لوگوں کے گھروں میں لکھے ہوے چھپے پڑے ہیں یا جسقدر قرآن کتب خانوں اور دکانوں اور مسجدوں اور مقدس مقامات میں موجود ہیں وہ سب کے سب کسی روز دنیا سے اُٹھا لیے جاویں گے۔ اور جن لوگوں نے بڑی محنتوں سے اسکو کلًا یا جزًا حفظ کیا ہوا ہے انکے حافظوں سے بھی اسکو سلب کردیا جائیگا جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسلامی عبادات بھی دنیا سے معدوم ہوجائیں گی اور اسوجہ سے اسلام ہی دنیا سے رخصت ہوجائیگا۔ ایسا کبھی ممکن نہیں ہوسکتا۔ اور نہ ہی کبھی ابن ماجہ کی یہ منشا ہوسکتی ہے۔ خدا تعالیٰ تو اپنے اس دین قویم کو ابدالآباد تک زندہ رکھے گا۔ اور اب تو جو ہزار سال کی نحوست کی کالی رات کی گھٹائیں اسپر منڈلا رہی تھیں وہ بھی گذر گئی ہیں اور آفتاب نصف النہار ہدایت و معرفت الٰہی چڑھ آیا ہے اور وہ دن آگئے ہیں کہ جب ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ کی پیشگوئی اپنا اصلی رنگ دکھائیگی۔ مصنف تاویل القرآن کے برا ماننے اور اپنے دل کی معاندانہ ہوائی امنگوں کو

اس رنگ میں بیان کرنیسے کیا ہو سکتا ہے کاش وہ حدیث ابن ماجہ کے ان الفاظ کا مطلب سمجھنے کے لیے اپنے ناقص علم پر ہی حصر نہ کرتا بلکہ اگر انصاف اور حق پژوہی سے اُسے غرض تھی تو کسی واقف کار سے پوچھ لیتا اور مذکورہ بالا احادیث کے سواد ذرا ترمذی - احمد حنبل - اور دارمی سے اسی امر کی شہادت لے لیتا - تو پھر اس کو اچھی طرح معلوم ہو جاتا کہ تمام محدثین کا اس کے کونسے معنو پر اتفاق ہے - اور کون شخص مصنف تاویل القرآن کے ساتھ متفق ہے - مشکوٰۃ کتاب العلم میں ایک حدیث لکھی ہے جو ذیل میں نقل کیجاتی ہے - عن زیاد بن لبید قال ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم شیئاً فقال ذاك عند اوان ذھاب العلم - قلت یارسول اللہ کیف یذھب العلم ونحن نقرأ القراٰن ونقرئہ ابناء نا ویقرئہ ابناء نا ابناء ھم الی یوم القیامۃ فقال ثکلتك امك زیاد ان کنت لاراك من افقہ رجل بالمدینۃ اولیس ھذہ الیھود والنصاریٰ یقرؤن التوراۃ والانجیل لایعملون بشیئ مما فیھما یعنی زیاد بن لبید سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ کسی امر کے واقعہ ہونیکے متعلق فرمایا کہ وہ علم کے گم ہو جانیکے زمانہ میں واقعہ ہوگا - مینے اسپر عرض کیا کہ یارسول اللہؐ! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ علم مفقود ہو جاویگا جبکہ ہم قرآن پڑھتے ہیں اور اپنے بیٹوں کو پڑھاتے ہیں - اور ہماری اولاد اپنی اولاد کو پڑھائے گی اور یہ سلسلہ روز قیامت تک چلا جائیگا - یہ بات سُنکر آنحضرت صلعم نے فرمایا اے زیاد! تیری ماں تجھ سے محروم ہو جائے!! میں تو سمجھتا تھا کہ مدینہ میں تُو ایک بڑا دانا آدمی ہے - کیا یہ یہود اور نصاریٰ تورات وانجیل کو نہیں پڑھتے لیکن وہ انکی کسی بات پر عمل نہیں کرتے" اب اس حدیث سے ہمارے مقصود پر اور بھی زیادہ روشنی پڑتی ہے - کہ جب آنحضرت صلعم نے بیان فرمایا کہ کسی زمانہ میں علم گم ہو جائیگا تو معاً ایک صحابی نے یہ سمجھکر کہ علم کے معنے صرف پڑھنے پڑھانے کے ہیں عرض کیا کہ جبکہ ہم خود قرآن کریم پڑھتے ہیں اور اپنی اولاد کو پڑھاتے ہیں اور ہماری اولاد میں یہ سلسلہ تعلیم وتعلم قرآن شریف تا قیامت جاری رہیگا تو پھر علم گم کیونکر ہو جائیگا - چنانچہ اسکی تشریح خود آنحضور صلعم نے یہود اور نصاریٰ کی مثال پیش کرکے فرمادی - یعنی علم سے مراد یہ نہیں کہ کتاب الٰہی کو طوطی کی طرح پڑھتے ہیں بلکہ مراد اس سے یہ ہے کہ اسپر عمل کیا جائے - اور علم گم ہونے سے یہی مطلب ہے کہ گویا لوگوں میں عمل قرآن اُٹھ جائیگا نہ کہ اسکے الفاظ اور عبارات -

مصنف تاویل القرآن نے ہماری تائید میں اپنے ذاتی نمونہ سے ایک بیّن ثبوت دیدیا ہے - کہ جبکہ انجیلی تعلیم کی رو سے اُسکا فرض تھا کہ وہ ایسے امور میں خصوصیت کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی حق پژوہی اور انصاف اور دیانتداری اور تقوے سے کام لے - اور دجل ومکر سے نہ اپنے نفس کو دھوکہ دینے کی کوشش کرے اور نہ دوسروں کو گمراہی اور فریب میں ڈالنے کی طرف متوجہ ہو - تو اس تعلیم کے موجود ہوتے ہوئے بھی اس نے اسپر عمل نہیں کیا - ہم اُسکی نسبت

اتنی بدظنی تو نہیں کرسکتے کہ وہ اس تعلیم سے ناواقف ہوگا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ وہ ضرور واقف ہوگا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اُس نے اسپر عمل کیا ہے؟ اسکا جواب یہی ہے کہ ہرگز نہیں! ہرگز نہیں!! اس نے اس معاملہ میں انصاف اور دیانت سے کام نہیں لیا بلکہ اپنے نفس کو بھی دھوکہ میں ڈالا اور دوسرے لوگوں کو بھی دھوکہ دینے کی کوشش کی۔ کیا کوئی منصف مزاج انسان ایک لمحہ کے لیے بھی گمان کرسکتا ہے کہ ابن ماجہ کی روایت سے وہی مطلب قطعی طور پر نکلتا ہے جو مصنف تاویل القرآن نے لکھا ہے۔ کیا اسکی حق جوئی اور انصاف پسندی اسی میں تھی کہ ایک اہم کی بغیر علم اور بغیر تحقیقات اور بغیر مسلمات اپنی طرف سے منگھڑت تاویل کردیتا۔ اور دوسری کتب میں اُسی حدیث کو نہ دیکھتا اور اگر دیکھا تھا تو عمداً لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے اغماض کرتا۔ دراصل اُس حدیث کے یہی معنے ہیں کہ لوگ جانتے ہونگے اور پڑھتے اور لکھتے اور سنتے ہونگے مگر عمل نہیں کریں گے۔

جو باتیں اوپر لکھی جاچکی ہیں اُنسے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ تمام صحابہؓ بہت واضح طور سے آیت انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحٰفظون کے یہی معنے سمجھتے تھے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہوا ہے کہ وہ قرآن کریم کو اُن ہر قسم کے تصرفات اور تحریفات سے محفوظ رکھیگا جو پہلی کتابوں کی تباہی کا موجب ہوئے۔ کوئی انسان کسی طرح سے اسمیں سے نہ کچھ نکال سکیگا اور نہ اس میں ایک نقطہ بڑھانے پر قادر ہوسکیگا بجنسہٖ جیسا کہ نازل ہوا ویسا ہی تاقیامت موجود رہیگا۔ اور اس اہم اور زبردست وعدہ الٰہی کے متعلق کسی نے کبھی کوئی ذرا سا وسوسہ بھی پیش نہ کیا۔ آجتک جو کئی صدیاں گذرچکی ہیں بجنسہٖ وہی قرآن مجید ہم تک پہنچا ہے جو آنحضرت صلعم پر نازل ہوا تھا اور جسطرح آپنے اپنے صحابہؓ کو تعلیم کیا تھا۔ اس میں ایک سرمو کا فرق نہیں ہوا۔ ایک طرف اس زبردست وعدہ کا وجود اور دوسری طرف تواریخ کی سچی شہادت سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ قرآن شریف پر کسی قسم کا تصرف نہیں ہونے پایا اور اسکی تحریف و تبدیل ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی نہیں ہوئی۔ ان صریح شہادتوں کے علاوہ اور بھی بہت ساری باتیں ایسی ہیں جن سے یہ بات بطور نتیجہ دکنایہ ثابت ہوتی ہے۔ بطور مثال اسجگہ ہم ایک امر کا ذکر کرتے ہیں کہ اُسی زمانہ میں جب قرآن شریف کی حفاظت کا وعدہ کیا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی وعدہ دیا گیا تھا کہ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس۔ ترجمہ۔ اے رسول! جو کچھ تم پر تمھارے رب کی طرف سے اُترا ہے وہ لوگوں کو پہنچا دو۔ کیونکہ اگر تم اس کی تبلیغ نہ کروگے تو سمجھا جائے گا کہ تم نے اپنا منصب پیغام رسانی پورا نہیں کیا اور اللہ تمھیں لوگوں سے محفوظ رکھیگا۔ اس قسم کا وعدہ اور بھی بہت ساری آیات میں پایا جاتا ہے پس آنحضرت صلعم سے یہ بھی ایک وعدۂ الٰہی تھا کہ تمھارے دشمنوں کے بُرے خیالات اور گندے منصوبوں

اور ظالمانہ حملوں سے تمہاری حفاظت ہم خود کریں گے۔ اور اسی زمانہ میں حفاظت قرآن کا وعدہ بھی ہوا تھا۔ اور دونوں وعدے ایک ہی زبردست اور بے عیب ہستی کی طرف سے تھے جو تمام جہان کا مالک و خالق ہے۔ پہلے وعدہ کے پورا ہونیکا تعلق تو آنحضرت صلعم کی زندگی تک ہی تھا۔ اور دوسرے وعدہ کی ایفاء آپ کی وفات کے بعد سے شروع ہونیوالی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مشن کو دو خطرناک خطرات کا سامنا تھا۔ اول یہ کہ آپ دشمنوں کے منصوبوں اور حملوں کا شکار ہو کر قتل ہو جاتے سو اگر یہ واقعہ اسطرح ہو جاتا تو پھر آپکا سارا کاروبار اور تمام سلسلہ اور کتاب الٰہی جو آپؐ پر نازل ہو رہی تھی ناقص اور ناتمام رہ جاتے۔ اور دوسرا خطرہ یہ تھا کہ آپ کی وفات کے بعد اس مقدس کتاب میں بھی پہلی کتابوں کی طرح انسانی تصرفات سے تحریف و تبدل واقعہ ہو جاتا اور اسطرح اسلام تباہ ہوتا۔ آپ سے پہلے بعض انبیا کو لوگوں نے قتل بھی کر ڈالا تھا اور وہ کتابیں جو آپ سے پہلے انبیا پر لوگوں کی ہدایت کے لیے نازل ہوئی تھیں وہ اُنکے بعد محرف و مبدل ہو گئیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آنحضور صلعم کے مشن کو ان دو وعدوں سے نہایت مکمل کر دیا۔ اُنکی جان کی حفاظت ایسی کر دکھائی کہ باوجود دشمنوں کی اسقدر زور آوری اور جمعیت اور قوت کے اور باوجود آنحضورؐ کی جمعیت کی قلت اور کمزوری کے خدا تعالیٰ نے اُنہیں ہر ایک حملہ و منصوبہ سے بچائے رکھا۔ اور کسی قاتل و غاصب کا اُنپر کوئی حملہ و منصوبہ پیش نہ جا سکا۔ جب انصاف اور غور سے اُس زمانہ کے حالات پر نظر کیجاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس وعدہ کا پورا ہونا کتاب کی حفاظت کے وعدہ کے ایفا سے بہت مشکل تھا۔ لیکن اس بات سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ یہ وعدہ بلا کم و کاست پورا ہو چکا۔ مکہ میں بھی مخالفوں نے طرح طرح کے منصوبوں سے آنحضرت صلعم کی جان پر حملے کیے اور مدینہ میں بھی آپ کو قتل کرنیکے منصوبے کیے گئے۔ لیکن وہ سب میں ناکام و نامراد رہے۔ جب اس ایک وعدہ کا پورا ہونا اپنی آنکھوں کے سامنے صحابہؓ نے دیکھ لیا کہ خدا تعالیٰ نے کیسی حکمتوں سے دشمنوں کو اُنکے منصوبوں اور حملوں میں پس پا کیا۔ اور ایک تنہا اور بیکس یتیم کی اسقدر مخالفتوں اور زبردست منصوبوں اور حملوں کے مقابلہ میں کسطرح جان بچائی اور اس کا کام پورا کرایا تو اُن کا یقین اور ایمان اس بات پر اور بھی زیادہ ہو گیا کہ ایسا زبردست خدا دوسرا وعدہ بھی ضرور پورا کریگا۔ چنانچہ وہ بھی آجتک پورا ہوتا رہا۔ اور اسی طرح ہوتا رہیگا۔ اور ان وعدوں کے پورا ہونے سے اسلام کے منجانب اللہ ہونیکا بیّن ثبوت ملتا ہے۔ اس کے بعد اب میں ان اسباب کو بیان کرونگا جو قرآن کریم کی حفاظت کا ذریعہ بنے مگر اس پہلے حصہ کے خاتمہ پر ایک بات کا بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ توریت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا تھا کہ تم نے اسے نہ گھٹانا اور نہ بڑھانا۔ مگر شریعت میں جسقدر احکام انسانوں کو دیے گئے بعض نے انکی خلاف ورزی بھی کی۔ اور یہ ایک مسلّم امر ہے۔ ایسا ہی توریت کی

حفاظت بھی چونکہ خدا نے انسانوں کے سپرد کی اس لیے ضروری تھا کہ اس میں گھٹ یا بڑھایا جاتا اور تحریف بھی ہوتی۔ مگر قرآن شریف کی حفاظت کو خدا تعالیٰ نے کسی انسان کے سپرد نہیں کیا بلکہ وہاں حفاظت کی ذمہ داری خود اٹھائی۔ اور یہی فرمایا کہ ہم خود ہی اس کی حفاظت کریں گے جس سے الٰہی منشا صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کسی قسم کی تحریف یا تغیر تبدل دخل نہ پائے۔ اگر کوئی صاحب دل ہو تو اس کے لیے تو یہ ایک نکتہ ہی کافی ہے کہ توریت کی حفاظت کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے سپرد کیا اور قرآن کریم کی حفاظت اپنے ذمہ لی۔ یہ کوئی بے معنی امتیاز نہیں اور خدا اور انسان برابر نہیں ہو سکتے۔ پس اس سے قیاس کر لینا چاہیئے کہ توریت میں کیوں تحریف ہوئی اور قرآن شریف کیوں ہر ایک قسم کی تحریف سے ایسا پاک رہا کہ اس کا اقرار ایک سخت ترین دشمن اسلام کو بھی کرنا پڑا۔ اگر مصنف تاویل القرآن کے دل میں کچھ بھی خوف خدا ہو اور وہ اس بات پر تدبر کرے اور اس کی نیت میں حق طلبی ہو تو وہ دیکھ سکتا ہے کہ اکیلی یہی بات ہی اس کی ساری تاویل القرآن کا شافی اور اطمینان بخش جواب ہے۔ (باقی آیندہ)

طاعون کی ترقی

گذشتہ سال میں طاعون کی رفتار اسقدر سست ہوگئی تھی کہ بہت لوگ امید کرنے لگ گئے تھے کہ اسکا دورہ ختم ہوگیا ہے۔ مگر خدا تعالےٰ اپنے مرسل سے یہ وعدہ کر چکا ہے کہ ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتّٰی یغیروا ما بانفسھم یعنی جبتک لوگ ایک تبدیلی پیدا نہ کرینگے اسوقت تک وہ اپنے عذاب کو دُور نہ کریگا۔ سو عین اس وعدے کے مطابق ہم دیکھتے ہیں کہ طاعون کی ترقی اس دفعہ گھبرا دینے والی ہے۔ ایک جنوری کے مہینہ میں پینسٹھ ہزار کے قریب انسان ہندوستان میں اس مرض سے مرا ہے۔ اور ماہ فروری کے صرف چار ہفتوں میں ایک لاکھ سے بھی زیادہ انسان شکار طاعون ہوا یعنی ۲۔ فروری سے لیکر ۲۔ مارچ تک ایک لاکھ ایک ہزار اڑسٹھ انسان مر چکے ہیں اور یہ ابھی وہ موتیں ہیں جو سرکاری رپورٹوں میں آئیں اسکے علاوہ بہت سی موتیں طاعون کی ایسی بھی ہوتی ہیں جنکو دوسری بیماریاں ظاہر کیا جاتا ہے۔ طاعون کی اس خطرناک ترقی میں یہ امر بھی قابل تذکرہ ہے کہ سب سے زیادہ حصہ اموات کا پنجاب میں واقعہ ہوتا ہے مثلاً فروری کے ایک لاکھ طاعونی اموات میں سے اُنتالیس ہزار پانچسو سترہ اموات طاعونی یا چالیس ہزار کے قریب صرف پنجاب میں ہوئیں۔ جو کل کا ⅖ حصہ ہے۔ اس نسبت کو دیکھ کر ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ پنجاب میں یہ مرض دیگر صوبوں کی نسبت بہت زیادہ ترقی پر ہے۔ اور یہی حالت ہر سال رہتی ہے یعنی حالانکہ طاعون ہندوستان کے تمام صوبوں میں پھیلی ہوئی ہے مگر جو ترقی پنجاب میں اس نے کی ہے اور کسی جگہ نہیں کی۔ اس سے کیسا اس رُویا کا منجانب اللہ ہونا ثابت ہوتا ہے جس میں حضرت مسیح موعودؑ نے دیکھا تھا (اور یہ اس وقت کا رُویا ہے کہ جب ابھی اس ملک میں برائے نام ہی طاعون تھا) کہ سیاہ رنگ کے پودے جو طاعون کے درخت ہیں پنجاب کے مختلف مقامات

مَیں خدا ہوں صاحب جود اور بخشش جسپر چاہتا ہوں رحمت نازل کرتا ہوں۔ ۱۳ مارچ ۱۹۰۶ء (۱) لاہور میں ایک بے شرم ہے۔ (۲) ویل لك ولافكك۔ ترجمہ اے مخالف تیرے پر لعنت اور تیرے جھوٹ پر۔ (۳) انی نعیت۔ ترجمہ یعنے ایک شخص کی موت کی خبر دی۔ (۴) انّی انا اللّٰہ لا الٰہ الّا انا۔ ترجمہ۔ مَیں ہی خدا ہوں میرے سوا اور کوئی خدا نہیں۔ (۵) انّ اللّٰہ مع الصادقین۔ ترجمہ۔ خدا سچوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ (یہ پیشگوئی آج پوری ہو گئی کہ آج ہی سول میں خبر آئی ہے کہ ڈوئی جس کے عذاب کے بارے میں خبر دی تھی مر گیا یہ وہی ڈوئی ہے جسکو مباہلہ کے لیے بلایا گیا تھا) (۶) ایک امتحان ہے بعض اُس میں پکڑے جائیں گے اور بعض چھوڑے جائینگے۔ (۷) انما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔ ترجمہ خدا نے ارادہ کیا ہے اے اہل خانہ کہ تمھاری پلیدی کو دُور کرے اور تمھیں پاک کرے جیسا کہ حق ہے پاک کرنیکا۔ (یہ تیسری مرتبہ الہام ہوا واللہ اعلم بالصواب) (۸) اعجبنی موتکم۔ ترجمہ تمھاری موت نے مجھے تعجب میں ڈالا۔ (۹) یورپ اور دوسرے عیسائی ملکوں میں ایک قسم کی طاعون پھیلے گی جو بہت ہی سخت ہوگی (۱۰) ریاست کابل میں قریب پچاسی ہزار کے آدمی مرینگے۔ (۱۱) واستوت علی الجودی۔ یہ اس آیت کی طرف اشارہ ہے وغیض الماء وقضی الامر واستوت علی الجودی۔ یعنی پانی خشک کیا جائیگا اور جو کچھ ہمارا ارادہ ہے ہم پورا کرلینگے اور کشتی جودی پر ٹھہر جائے گی۔

لغات القرآن جلد دویم۔ یہ قیمتی کتاب اب مکمل ہو گئی ہے۔ قرآن شریف کا ترجمہ سمجھنے کیلیے ایسی کتاب کا پاس ہونا نہایت ضروری ہے۔ یہ کتاب اب صدر انجمن احمدیہ کے کتب خانہ میں ہے کیونکہ حکیم فضلدین صاحب نے جن کی شراکت سے عرب عبد الحیی صاحب نے اس کتاب کو چھاپا تھا اپنا تمام کتب خانہ صدر انجمن احمدیہ کے نام ہبہ کر دیا ہے۔ اس کتاب کے ایک کالم میں معتبر عربی لغاتوں سے قرآن کریم کے عربی لغات اور دوسرے کالم میں اس کا اردو ترجمہ ہے۔ عربی جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں اس سے فایدہ اُٹھا سکتے ہیں بلکہ نہ جاننے والوں کو علم عربی کے حاصل کرنے میں بھی مدد ملتی ہے۔ قیمت حصہ اوّل عہ حصہ دویم عہر مکمل عگر علاوہ محصولڈاک۔ صرف ایک ہی جگہ سے مل سکتی ہے۔ یعنی دفتر مقبرہ بہشتی صدر انجمن احمدیہ قادیان سے۔ تعمیل بذریعہ وی پی ہوگی۔ حضرت اقدس ع کی بعض دیگر تصانیف بھی اس جگہ سے مل سکتی ہیں۔

آنکھوں کے بیماروں کو مژدہ میاں ڈاکٹر عبد اللہ صاحب ساکن راہوں۔ ضلع جالندھر۔ جنہوں نے لنڈن۔ آسٹریلیا افریقہ میں آنکھوں کے علاج سے بہت شہرت حاصل کی ہے۔ اور ان کے پاس بہت کثرت سے سارٹیفکٹ بھی موجود ہیں۔ انگریزی اور یونانی دو طرح سے آنکھیں بناتے ہیں۔ ہماری جماعت کے مخلص ہیں۔ مَیں امید کرتا ہوں کہ لوگوں کو انسے نفع پہنچے گا۔ دستخط (نور دین)

مطبع میگزین قادیان دار الامان میں بہ اہتمام منیجر میگزین کے طبع ہوا

اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔ تفہیم یہ ہوئی کہ اے اہل خانہ خدا تمہارا امتحان کرنا چاہتا ہے تا معلوم ہو کہ تم اسکے ارادوں پر ایمان رکھتے ہو یا نہیں۔ اور تا وہ اے اہل بیت تمہیں پاک کرے جیسا کہ حق ہے پاک کرنیکا۔ اور پھر انہیں کی طرف اشارہ کرکے الہام ہوا۔ (۲) ہے تو بھاری مگر خدائی امتحان کو قبول کر۔ اور پھر الہام ہوا۔ (۳) یاایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم۔ اے لوگو تم اپنے رب کی پرستش کرو۔ وہ خدا جس نے تمہیں پیدا کیا اس میں تفہیم یہ ہوئی کہ اے اہل بیت کسی دوسرے کو تکیہ گاہ مت بنا وہی خدا تیرا متکفل اور رازق ہے جس نے پیدا کیا۔ اور پھر الہام ہوا۔ (۴) یاایھا الناس اتقوا ربکم اللہ خلقکم ترجمہ یہ ہے کہ اے اہل بیت خدا سے ڈرو۔ اور اسکی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کرو۔ اور نہ کوئی بات منہ سے نکالو۔ وہی خدا ہے جس نے تمہیں پیدا کیا۔ اور پھر میری طرف سے بطور حکایت الہام ہوا۔ (۵) اے میرے اہل بیت خدا تمہیں شر سے محفوظ رکھے۔ اور پھر مجھے مخاطب کرکے الہام ہوا۔ (۶) انت منّی وانا منک انت الذی طار الیّ روحہ۔ یعنی تو مجھ سے ظاہر ہوا۔ اور میں اس زمانہ میں تجھ سے ظاہر ہونیوالا ہوں۔ تو وہ ہے جسکی روح نے میری طرف پرواز کیا۔ ۷۔ مارچ ۱۹۰۷ء (۱) ربنا افتح بیننا وبینھم۔ (۲) اتعجبتم ان تموتوا۔ (۳) ان کی لاش کفن میں لپیٹ کر لائے ہیں۔ (۴) پچیس دن (یا یہ کہ پچیس دن تک) (۵) من الناس والعامۃ (ای من خواص الناس والعامۃ)۔ ترجمہ۔ اے خدا ہم میں اور ہمارے دشمنوں میں فیصلہ کر۔ کیا تم تعجب کرتے ہو کہ تم موت کا شکار ہو جاؤ۔ ...... طاعون خاص لوگوں میں بھی پڑیگی اور عام لوگوں میں بھی۔ ان کی لاش کفن میں لپیٹ کر لائے ہیں۔ معلوم نہیں کہ یہ کن لوگوں کی طرف یا کس کی طرف اشارہ ہے۔ اور پچیس دن کے الہام میں یہ اشارہ ہے کہ ۷ مارچ سے پچیس دن پورے ہونیکے سر پر یا ۷ مارچ ۱۹۰۷ء سے پچیس دن تک کوئی واقعہ ظاہر ہوگا اور ضرور ہے کہ تقدیر الٰہی اس واقعہ کو روک رکھے جب تک کہ ۷۔ مارچ ۱۹۰۷ء سے پچیس دن گذر نہ جاویں یا یہ کہ ۷۔ مارچ ۱۹۰۷ء سے پچیس دن تک یہ واقعہ ظہور میں آجائیگا اگر صرف پچیس دن کے لحاظ سے معنے کیے جائیں۔ تو اس طور سے ضرور ہے کہ اس واقعہ کے ظہور کی یکم اپریل سے امید رکھی جائے۔ کیونکہ الہام الٰہی کے رو سے ساتویں مارچ پچیس دن کے شمار میں داخل ہے اس صورت میں پچیس دن مارچ کی اکتیس تاریخ تک پورے ہو جاتے ہیں تو اس طور پر پیشگوئی کے ظہور کا مہینہ اپریل ٹھہرتا ہے مگر یہ سوال کہ وہ واقعہ کیا ہے جس کی پیشگوئی کیگئی ہے اسکا ہم اس وقت کچھ بھی جواب نہیں دے سکتے۔ بجز اس کے کہ یہ کہیں کہ کوئی ہولناک یا تعجب انگیز واقعہ ہے کہ ظہور کے بعد پیشگوئی کے رنگ میں ثابت ہو جائیگا اور ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ واقعہ ہماری ذات کے متعلق ہے یا ہمارے دوستوں کے متعلق یا دشمنوں کے متعلق۔ جس امر کو خدا نے پوشیدہ کیا ہے ہم ظاہر نہیں کر سکتے۔

بعد اس کے ۱۲۔ مارچ ۱۹۰۷ء کا مکرر یہ بھی الہام ہے۔ (۱) یا عیسیٰ انّی متوفیک ورافعک الیّ۔ (۲) انت منّی وانا منک۔ (۳) ظھورک ظھوری۔ (۴) انت الذی طار الیّ روحہ (۵) انّی انا اللہ ذوالجود والعطا۔ (۶) انزل الرحمۃ علیٰ من اشاء۔ ترجمہ۔ اے عیسیٰ میں تجھے تیری طبعی موت سے وفات دونگا اور اپنی طرف اٹھالونگا۔ تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے۔ تیرا ظہور میرا ظہور ہے۔ تو وہ ہے جسکی روح نے میری طرف پرواز کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

قرآن کریم کی حفاظت اور جمع

{ (۲) وہ دلایل جن سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کل قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور آپ کی ہدایت کے مطابق لکھا گیا تھا }

اب جبکہ یہ بات ثابت ہو چکی کہ آیت کریمہ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحٰفظون وغیرہ میں خدا تعالیٰ نے جو وعدہ حفاظت الذکر کا کیا ہے وہ صرف قرآن شریف ہی کی حفاظت کے متعلق ہے اور اس کے سوائے کسی دوسرے نبی کی کوئی کتاب اس وعدہ میں شامل نہیں۔ اور تمام مسلمانان سابقین و متاخرین کا بلا اختلاف یہی اعتقاد رہا ہے تو اب یہ دکھانا ضروری ہے کہ قرآن کریم کی حفاظت کا وعدہ کس طرح پورا ہوا۔ اس لیے اسجگہ ہم وہ ظاہری اسباب بیان کرتے ہیں جو خدا تعالیٰ نے اپنے اس وعدہ کو پورا کرنیکے لیے پیدا کر دیے تھے۔ سب سے پہلے اور نہایت ضروری بات یہ تھی کہ جس شخص پر یہ کلام الٰہی نازل ہوتا تھا اس کے سامنے ہی ضبط تحریر میں بھی آجائے تا بعد میں کسی قسم کا اختلاف پیدا نہ ہو۔ چنانچہ جب کوئی حصہ قرآن شریف کا نازل ہوتا تھا اُسی وقت اسکو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم لکھوا دیتے اور مشتہر کرا دیتے اور اکثر صحابیوں کو حفظ کرا دیتے۔ یہانتک کہ اس انتظام کے ساتھ سارے کا سارا قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کی زیر حفاظت اور زیر نگرانی لکھا گیا۔ اگرچہ اہل عرب میں قوت حافظہ بہت بڑھی ہوئی تھی۔ اور ہزارہا اشعار اور بڑے بڑے نسب نامے زبانی یاد رکھنا اُن میں عام طور پر مروج تھا۔ مگر رسم تحریر اُنمیں اسلام سے پہلے موجود تھی۔ اور بعض وقت ایسا بھی ہوتا تھا کہ جب کبھی کوئی شاعر اعلیٰ درجہ کی نظم کہتا یا کوئی اعلیٰ درجہ کی نثر تصنیف کرتا تو اُسے لکھ کر کسی نمایاں پبلک مقام پر معلق کر دیتا کہ اُسی اس کے ہموطن دیکھ سکیں اور اُس کی تعریف کریں۔ چنانچہ مشہور معلقات جو آجتک سبعہ معلقہ کے نام سے موسوم ہیں۔

اسی طرح لٹکائے گئے تھے۔ عربی زبان میں سبعہ سات کو کہتے ہیں اور ان کو سبعہ معلقہ اس لیے کہتے ہیں کہ دراصل یہ سات نظمیں ہیں جو سات مختلف شعراء زمانہ جاہلیت کی کہی ہوئی ہیں۔ جن کو یکے بعد دیگرے انکے مصنفوں نے لکھکر کعبہ کی دیوار پر معلق کر دیا۔ جہاں بہت عرصہ تک وہ لٹکی رہیں۔ بہت سے واقعات جو احادیث کے ذریعہ سے محفوظ ہو کر ہم تک پہنچے ہیں ثابت کر رہے ہیں کہ سارا قرآن شریف حضور فخر موجودات سرور کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ضبط تحریر میں آچکا تھا۔ بلکہ خود قرآن شریف میں ہی بہت سے ایسے حوالے موجود ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اسی زمانہ میں لکھا بھی گیا تھا۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم ان دو ذرایع شہادت کے متعلق کچھ ذکر کریں ہم سر ولیم میور کی لائف آف محمدؐ کے دیباچہ کے صفحہ ۲۸ سے ذیل کی عبارت کا اقتباس کرتے ہیں جس میں عیسائی مصنف نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ اس امر کی شہادت کثرت سے موجود ہے کہ قرآن شریف حضور رسالت پناہ محمد مصطفےٰ صلعم کی آنکھوں کے سامنے لکھا جا چکا تھا۔ اور یہ ایسی زبردست شہادت ہے کہ جس کو قبول کرنے سے اسلام کے ایسے خطرناک مخالف کو بھی گریز کی جگہ نہ مل سکی۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے "لیکن اس بات کو ماننے کیلیے بہت زبردست وجوہ موجود ہیں کہ (حضرت) رسول (کریم صلعم) کی زندگی میں متفرق طور پر قرآن شریف کے نسخے لکھے ہوئے صحابہؓ کے پاس موجود تھے اور ان نسخوں میں سارا قرآن یا قریباً سارا لکھا ہوا موجود تھا۔ اس میں شک نہیں کہ (حضرت) محمد (مصطفےٰ صلعم) کے دعوے نبوت سے بہت پہلے مکہ میں فن تحریر مروج تھا۔ اور مدینہ میں جاکر تو خود پیغمبر (خدا صلعم) نے اپنے مراسلات لکھوانیکے لیے کئی صحابی مقرر کیے ہوئے تھے ..... جو لوگ بدر میں گرفتار ہوکر آئے تھے انہیں اس شرط پر وعدہ رہائی دیا گیا تھا کہ وہ بعض مدنی آدمیوں کو لکھنا سکھلا دیں۔ اور اگرچہ اہل مدینہ اہل مکہ کے برابر تعلیم یافتہ نہ تھے لیکن وہاں بھی بہت سے ایسے لوگ موجود تھے جو اسلام سے پہلے لکھنا جانتے تھے۔"

خود قرآن شریف میں بھی بہت کثرت سے اس امر کی شہادت موجود ہے کہ یہ اسوقت لکھا ہوا موجود تھا۔ پہلے تو لفظ کتاب ہی قابل غور ہے جو بار بار مختلف صورتوں میں قرآن کریم کی نسبت آیا ہے۔ اور کتاب کے معنے لکھی ہوئی کے ہیں۔ ایسا ہی قرآن شریف کو صحف بھی کہا گیا ہے جس کے معنے لکھے ہوئے کاغذ کے ہیں۔ چنانچہ سورۃ البینہ میں ہے رسول من اللہ یتلوا صحفاً مطہرۃ ۰ فیہا کتب قیمۃ۔ یعنی اللہ کا رسول مقدس اوراق پڑھ کر سناتا ہے جن میں مضبوط کتابیں موجود ہیں۔ اب یہ اوراق مقدس قرآن شریف کے اوراق ہیں اور کتب قیمہ اسکی سورتیں ہیں۔ کیونکہ نہ صرف کامل قرآن شریف ہی کو الکتاب کہا گیا ہے۔ بلکہ اسکی ہر ایک سورۃ کو بھی کتاب کا نام دیا گیا ہے۔ ایسا ہی سورہ عبس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کلا انہا تذکرۃ ۰ فمن شاء ذکرہ ۰ فی صحف مکرمۃ ۰ مرفوعۃ مطہرۃ ۰ بایدی سفرۃ ۰ کرام بررۃ ۰ ترجمہ۔ قرآن تو سراسر نصیحت ہے پس جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے اور (وہ قرآن) اوراق میں (لکھا) ہے جن کی تعظیم کیجاتی ہے

(اور وہ) اونچی جگہ رکھے ہوئے (ہیں اور) پاک (ہیں) (اور ایسے) لکھنے والوں کے ہاتھوں میں (رہتے ہیں) جو بزرگ (اور) نیکو کار ہیں"۔ لفظ صحف جو یہاں استعمال ہوا ہے وہ صحیفہ کی جمع ہے۔ اور یہ وہی لفظ ہے جو ان تمام مجموعوں کیلیے بولا جاتا ہے جو زید نے حضرت عثمان اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما کے عہد خلافت میں جمع کیے تھے۔

بس یہ امر نہایت صفائی سے ثابت ہے کہ خود قرآن کریم نے اپنے لیے لفظ کتاب اور صحیفہ استعمال کیے ہیں اور ان دونوں لفظوں کے عربی زبان میں "لکھی ہوئی کتاب" معنے ہیں۔ جو ہر ایک لغت عرب سے ثابت ہے۔ اور آج تک عام طور پر لفظ مصحف کا قرآن کریم کے لیے بولا جاتا ہے۔ جو وہ بھی صحیفہ سے ماخوذ ہے۔ اور اس کے معنے ایک ایسی کتاب ہیں جسمیں بہت صحیفے جمع ہوں۔ یعنی لکھے ہوئے اوراق ہوں۔

قرآن شریف کے دیگر مقامات سے بھی اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ اسکی سورتیں ابتدائی زمانہ میں ہی لکھی ہوئی تھیں۔ چنانچہ سورۃ الواقعہ میں جو ابتدائی مکی سورتوں میں سے ہے اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی نسبت فرماتا ہے انہ لقرآن کریم فی کتاب مکنون۔ لا یمسہ الا المطھرون۔ یعنی یہ (قرآن) بڑی قدر و منزلت کا قرآن ہے ایک محفوظ کتاب میں لکھا ہوا۔ اسے وہی چھوتے ہیں جو پاک ہیں۔ ان آیات سے دو باتیں پایہ ثبوت کو پہنچتی ہیں ایک تو یہ کہ قرآن ایک محفوظ کتاب ہے یعنی یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ جسے کوئی محرف و مبدل نہیں کر سکتا۔ دوسرا یہ کہ قرآن کریم اسی ابتدائی زمانہ میں لکھا جا چکا تھا کیونکہ ناپاکوں کو اسے چھونے سے منع کیا گیا ہے۔ یہ ایک بڑی موٹی بات ہے کہ مس کرنے کیلیے کسی شے کا وجود جسمانی رنگ میں ہونا ضروری ہے الفاظ کو مس نہیں ہو سکتا۔ اگر وہی الفاظ ضبط تحریر میں آکر کتاب کی صورت بن جائیں تو وہ ایک جسم بنجاتا ہے اور چھوا جا سکتا ہے۔ اس سے صاف ثابت ہے کہ قرآن کریم اسی ابتدائی زمانہ میں لکھا جا چکا تھا اور کتاب کی صورت میں تھا۔ اگر یہ لکھا ہوا نہ ہوتا تو اسپر لفظ مس کا اطلاق ہی نہ ہوتا۔*

راڈول ایک یورپین ہے جس نے قرآن شریف کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ اس نے اپنے انگریزی ترجمہ میں اس موقعہ پر مفصلہ ذیل حاشیہ دیا ہے جو ہمارے ناظرین کے لیے دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا اور وہ یہ ہے "اس جملہ سے کم از کم اتنا تو پتہ ملتا ہے کہ قرآن شریف کی سورتوں کے لکھے ہوئے نسخے اُسوقت عام طور پر زیر استعمال تھے۔ حضرت عمرؓ کی ہمشیرہ فرماتی ہیں کہ جب وہ مسلمان ہونے لگے تو انہوں نے مجھے کہا کہ سورہ طٰہٰ کا نسخہ میرے ہاتھ میں دیدو۔ آیات ۷۷-۷۸ جنکا اوپر ذکر ہوا ہے وہ بحکم خلیفہ محمد ابوالقاسم بن عبد اللہ قرآن کریم کی تمام جلدوں پر لکھی جانی شروع ہوئیں" (دیکھو ترجمہ قرآن راڈول صفحہ ۴۵) یہ بات صحیح نہیں کہ اس جملہ سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ قرآن شریف کے صرف بعض حصے ہی لکھے گئے تھے۔ اس عبارت سے کسی طرح یہ نہیں پایا جاتا کہ کوئی حصہ قرآن شریف کا ایسا بھی رہ گیا تھا کہ جو لکھا نہ بھی گیا ہو۔ اس میں صاف لکھا ہے کہ سارا قرآن لکھی ہوئی کتاب تھی نہ کہ بعض حصے اُسکے لکھنے سے رہ گئے یا چھوڑے گئے تھے۔ پس ان آیات میں یہ شہادت صریح طور پر موجود ہے

* [illegible] نمبر ۱۱۔ منہ

کہ سارا قرآن شریف لکھا ہوا تھا۔ اور اگر کوئی شخص اس کے برخلاف یہ کہے کہ بعض حصے لکھے ہوئے تھے اور بعض نہیں تو اسکا فرض ہے کہ اپنی بات کو ثابت کرنیکے لیے اس کے مخالف شہادت پیش کرے۔ لیکن ساری قرآن کریم اور ساری احادیث شریفہ میں کہیں اس قسم کی مخالف شہادت کا ایک شمہ بھی نہیں پایا جاتا۔ بلکہ تمام مسلمان قرآن شریف کے ہر ایک لفظ کی برابر وہی تکریم و تعظیم کرتے اور اس کے منجانب اللہ منزل ہونے پر ایمان رکھتے تھے اسلیے ایسا گمان کرنا کہ کوئی حصہ اسکا لکھا گیا تھا اور کوئی نہ لکھا گیا تھا سراسر نادانی اور نامعقولیت ہے۔ ساری اسلامی تاریخ میں کہیں ایک بھی ایسا واقعہ نہیں نظر آتا کہ جس سے یہ نتیجہ نکالنے کا کسی کو حق پہنچ سکے کہ قرآن شریف کی بعض سورتوں کو بعض سے متفاوت اور مختلف سمجھا جا سکے۔ اور یہ خیال کیا جا سکے کہ بعض سورتیں لکھی گئی تھیں اور بعض کو اس لایق نہیں سمجھا گیا تھا کہ وہ لکھی جاتیں۔ یا یہ کہ ساری سورتوں کی مساوی احتیاط نہیں کی گئی۔ یا یہ کہ قرآن شریف کے ہر ایک لفظ کی حفاظت کے لیے مساوی خواہش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ اور بزرگان دین نے نہ کی تھی بعض کی کی اور بعض کی نہ کی یا کچھ کم کی۔ قرآن شریف خود فرماتا ہے کہ وہ ایک کتاب ہے مقدس اوراق میں لکھی ہوئی ہے۔ جسے پاکوں کے سوا کوئی چھو نہیں سکتا۔ اور یہ الفاظ قرآن کریم کے ہر ایک لفظ کے متعلق ہیں۔ نہ کسی خاص حصہ یا خاص سورت کے متعلق۔

ماسوائے اسکے ایک اور دلیل جو قرآن شریف کے لکھا ہوا ہونے پر خود قرآن کریم سے ہی ملتی ہے یہ ہے کہ کفار مکہ کہتے تھے کہ یہ قرآن گویا (نعوذ باللہ منہا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ ہی بنا لیا ہوا ہے۔ خدا کی طرف سے الہامی نہیں۔ ایسے لوگوں کو چیلنج کیا گیا تھا۔ ام یقولون افترٰىه ۔ قل فاتوا بعشر سور مثله مفتریات وادعوا من استطعتم من دون الله ان کنتم صٰدقین۔ یعنی (اے پیغمبر) کیا (کافر) کہتے ہیں کہ اس (شخص یعنے تم) نے قرآن کو اپنے دل سے بنا لیا ہے تو (ان لوگوں سے) کہو کہ اگر تم سچے ہو تو تم بھی (اہل زبان ہو) اسی طرح کی بنائی ہوئی (زیادہ نہیں) دس (ہی) سورتیں لے آؤ اور خدا کے سوا جسکو (مدد کے لیے تم سے بلاتے بن پڑے بلالو۔" یہ آیتیں سورۃ ہود میں ہیں۔ اور سورۃ ہود مکہ میں اُسوقت نازل ہوئی جبکہ ابھی ہجرت بھی نہ ہوئی تھی۔ ایسے ہی سورہ بنی اسرائیل جو اس سے بھی پہلے کی نازل شدہ ہے اسکی ۹۱ آیت میں یہ چیلنج درج ہے۔ قل لئن اجتمعت الانس والجن علٰى ان یاتوا بمثل هٰذا القرآن لا یاتون بمثله ولو کان بعضهم لبعض ظهیرا۔ یعنی (اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہو کہ اگر آدمی اور جن جمع ہو کر (اس بات پر) آمادہ ہوں کہ اس قرآن کی طرح کا (اور کلام) بنا لائیں تو وہ کبھی اس جیسا نہیں بنا لا سکتے اگرچہ انمیں سے ایک کی پشتی بر ایک (کیوں نہ) ہو۔" پھر سورۃ البقرہ کی آیات ۲۱-۲۲ میں یہ تحدی درج ہے۔ وان کنتم فی ریب مما نزلنا علٰى عبدنا فاتوا بسورة من مثله وادعوا شهداءکم من دون الله ان کنتم

صٰدقین۔ فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ اعدت للکٰفرین۔ یعنی اور وہ جو ہم نے اپنے بندے (محمد) پر (قرآن) اُتارا ہے اگر تم کو اس میں شک ہو (اور یہ سمجھتے ہو کہ یہ کتاب خدا کی نہیں بلکہ آدمی کی بنائی ہوئی ہے) اور (اپنے اس دعوے میں) سچے ہو تو اس جیسی ایک ہی سورۃ (تم بھی بنا) لاؤ۔ اور سا اللہ کے سوا جو (تمھاری حمایت کو) آموجود ہوں اُنکو بھی بلالو پس اگر (اتنی بات بھی) نہ کرسکو اور ہرگز نہ کرسکوگے تو (دوزخ کی) آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہونگے۔ جو منکروں کے لیے تیار ہے"

یہ آیت مدنی ہے۔ اب ان مکی اور مدنی سورتوں میں کہیں یہ چیلنج ہے کہ اس قرآن جیسی دس سورتیں بنالاؤ اور کہیں یہ تحدی ہے کہ ایک ہی سورۃ اس کے مقابلہ میں بنالاؤ۔ ان باتوں سے صاف طور پر عیاں ہو رہا ہے کہ قرآن شریف کی سورتیں ان چیلنجوں کے وقت لکھی ہوئی تیار تھیں۔ کیونکہ سورتیں لکھی موجود نہ ہوتیں تو ایسا چیلنج بے معنے ہوتا۔ اور کوئی بات بالفعل مقابلہ کے لیے موجود نہ ہوتی۔ کفار کو کیا پڑا تھا کہ وہ قرآن شریف سالم کو یا اسکی بعض سورتوں کو زبانی حفظ کرتے اور پھر مقابلہ کیلیے بلائے جاتے۔ جب تک کہ لکھا ہوا قرآن موجود نہ ہوتا اسوقت تک انکو مقابلہ کیلیے بلایا نہ جاسکتا تھا کیونکہ ضروری ہے کہ جس چیز کا مقابلہ کرنیکے لیے کسی کو تحدی کیجائے تو وہ چیز بھی اس کے سامنے رکھی ہو ورنہ وہ مقابلہ ہی کیا کرسکتا ہے اور اگر قرآن شریف کی سورتیں لکھی ہوئی موجود نہ ہوتیں تو یقیناً کفار کیطرف سے یہی جواب دیا جاتا کہ پہلے ہمیں وہ سورتیں تو دکھاؤ جنکا مقابلہ چاہتے ہو۔

قرآن شریف کی شہادت کے علاوہ اعلیٰ طبقہ کی صحیح احادیث میں بہت سارے واقعات ایسے درج ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جب حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی ہوتی تھی تو وہ اسی وقت لکھ لی جاتی تھی صحیح بخاری میں ایک حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب پہلے پہل آپؐ کو وحی ہوئی تو اُسوقت آپ غار حرا میں تھے۔ جبرائیل آپؐ کے پاس آیا۔ اور کہا اقرأ یعنی پڑھو آپنے جواب دیا کہ مَیں نہیں پڑھ سکتا۔ تین دفعہ جبرائیل نے یہی کہا۔ اور اس کے بعد پھر آپ کو سورۃ علق کی ابتدائی آیات پڑھائیں۔ اب فرشتہ کا یہ کہنا کہ تم پڑھو اور آنحضرتؐ کا یہ جواب دینا کہ مَیں پڑھ نہیں سکتا صاف بتا رہا ہے کہ یہ وحی آپ کو کسی قرطاس پر لکھی ہوئی دکھائی گئی تھی۔ اور گو آنحضرت صلعم خود نہ لکھ سکتے اور نہ پڑھ سکتے تھے۔ سب سے پہلی وحی کا لکھی ہوئی دکھایا جانا۔ اور یہ کہا جانا کہ پڑھو! اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ جو وحی تم پر ہوگی اسکو احتیاط سے لکھتے رہنا تاکہ ہر ایک اسکو پڑھ سکے یہ تو صرف ایک لطیف اشارہ ہے مگر اسکے علاوہ کثرت سے احادیث پائی جاتی ہیں جنمیں صراحت سے یہ ذکر ہے کہ قرآن کریم کی ہر ایک آیت یا سورۃ جیسے کہ وہ نازل ہوتی فوراً اُسی وقت حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھ لی جاتی۔ چنانچہ حدیث ذیل میں حضرت عثمانؓ نے قرآن شریف کی آیات کے لکھے جانیکا طریق بیان کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں وہ کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ ایسے اوقات میں جب آپ پر چند سورتیں ایک ہی وقت میں نازل

ہوتی رہتی تھیں جب کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ ان شخصوں میں سے جو قرآن کریم کو لکھا کرتے تھے کسی ایک کو بلا بھیجتے اور اسکو فرما دیتے کہ یہ آیت فلاں سورۃ میں جہاں ایسا ایسا ذکر ہے لکھو"۔ فتح الباری میں (جلد ۹ صفحہ ۱۹) اس حدیث کے متعلق لکھا ہے۔ وروی احمد واصحاب السنن الثلثۃ وصححہ ابن حبان والحاکم من حدیث عبداللہ بن عباس عن عثمان بن عفان قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مما یاتی علیہ الزمان ینزل علیہ من السور ذوات العدد فکان اذا انزل علیہ الشئ یدعو بعض من یکتب عندہ فیقول ضعوا ھذا فی السورۃ التی یذکر فیھا کذا۔ اس حدیث سے یہ نہیں پایا جاتا کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسطرح صرف ایک ہی دفعہ عمل کیا۔ بلکہ اس بات کا کھلے طور سے بیان ہے کہ آپ کا ہمیشہ یہی عمل تھا کہ جب کبھی کوئی آیت یا سورۃ نازل ہوتی تو کسی کاتب الوحی کو بلوا کر فوراً لکھوا لیتے۔ جو شخص اس عمل حضرت رسالت پناہ صلعم کی روایت کرتا ہے وہ حضرت عثمانؓ جیسے جلیل القدر صحابی ہیں جو ابتدائی زمانہ میں ہی اسلام لے آچکے ہوئے تھے اور آنحضرت صلعم کے ساتھ بہت قریبی رشتہ بھی رکھتے تھے یعنی آپ کے داماد بھی تھے پس یہ امر نہایت صفائی سے ثابت ہے کہ ہر ایک سورۃ قرآن شریف کی اور ہر ایک آیت قرآن شریف کی آنحضرت صلعم کے حکم و ہدایت سے آپ کے سامنے اسی وقت لکھ لیجاتی جبکہ وہ نازل ہوتی۔ اور مزید احتیاط آپ یہ فرماتے کہ جب کبھی دو یا دو سے زیادہ سورتیں ابھی غیر مکمل ہوتیں تو جس مقام اور سورۃ اور موقعہ پر وہ آیت لکھنی چاہیئے تھی اسی جگہ لکھنے کی ہدایت فرماتے تاکہ کاتب ایک سورۃ کی آیات کو کسی دوسری سورۃ کی آیات سے مخلوط نہ کر سکیں۔ ایک طرف قرآن کریم کے لکھا جانیکے متعلق ایسی زبردست شہادت موجود ہے اور دوسری طرف اسکے نہ لکھا جانیکے متعلق کوئی کمزور سے کمزور روایت بھی پیش نہیں کیجاتی۔ ان تمام امور سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ سارے کا سارا قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی لکھا گیا تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت اس امر پر اکیلی ہی نہیں بلکہ اور بھی بہت ساری روایات صحیح احادیث میں ایسی موجود ہیں جو اس گواہی کی تائید کرتی ہیں۔ مثلاً بخاری باب کاتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں براءؓ کی روایت سے یہ حدیث ہے قال لما نزلت لا یستوی القاعدون من المؤمنین والمجاھدون فی سبیل اللہ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ادع لی زیدا ولیجئ باللوح والدواۃ والکتف او الکتف والدواۃ ثم قال اکتب لا یستوی القاعدون الخ یعنی جب آیت لا یستوی القاعدون من المؤمنین والمجاھدون فی سبیل اللہ (سورۃ النساء آیت ۹۵) نازل ہوئی تو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زید کو میرے پاس بلا لاؤ اور کہو کہ دوات اور لوح ساتھ لا دے۔ پھر جب وہ آپہنچا تو اُسے حکم دیا کہ لا یستوی الخ۔ ساری آیت لکھو۔ ایسے ہی بخاری کے اسی باب میں ایک اور حدیث آئی ہے جس میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے زید کو مخاطب کر کے فرمایا کہ انک کنت تکتب الوحی

لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی بیشک تو آنحضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی لکھا کرتا تھا۔ اس مکرم عہدہ کتابت وحی پر حضرت زیدؓ تو مامور ہی تھے اور اس ماموریت کی وجہ سے کثیر حصہ مدنی وحی کا انہوں نے ہی لکھا تھا۔ لیکن انکے سوا اور بھی وحی نبوت لکھنے والے اصحاب تھے۔ جنہوں نے کی سورتیں مکہ میں لکھیں اور بعض مدنی آیات کو جب کبھی حضرت زید موجود نہ ہوتے تو انکی غیر حاضری میں اوروں نے لکھا۔ ان معظم اور مقدس بزرگوں کے اسمار کی فہرست میں حضرت ابو بکر صدیق۔ حضرت عثمان۔ حضرت عمر۔ حضرت علی۔ عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح (جو ایک وقت میں مرتد بھی ہوگیا تھا اور فتح مکہ کے بعد پھر مسلمان ہوا تھا) حضرت زبیر بن عوام۔ حضرات خالد و ابان ابنائے سعید۔ ابی بن کعب حنظلۃ بن الربیع۔ معیقیب بن ابو فاطمہ۔ عبد اللہ بن ارقم۔ شرحبیل بن حسنہ۔ عبد اللہ بن رواحہ۔ رضی اللہ عنہم اجمعین کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ دیکھو فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۱۹ باب کاتب وحی رسول اللہؐ۔ اس بات سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ آنحضرت صلعم کے اصحاب میں صرف اتنے ہی لکھے پڑھے لوگ تھے۔ اور صرف انہوں نے ہی قرآن شریف کی نقلیں بھی کیں۔ یہ تو صرف ان لوگوں کے نام ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحی لکھنے کیلئے بلا لیا کرتے تھے اور جن کے نام کاتبان وحی کی حیثیت سے احادیث میں موجود ہیں۔ مگر احادیث میں بھی اُن سب بزرگوں کے اسمار درج نہیں جو وحی نبوت کی کتابت کا کام کرتے تھے۔ بلکہ صرف چند نام درج ہیں رضی اللہ عنہم اجمعین۔ یہ تو وہ احادیث ہیں جن سے یہ بات صریح طور سے ثابت ہوتی ہے کہ قرآن شریف کی ہر ایک آیت اُسی وقت ضبط تحریر میں لائی جاتی تھی جس وقت نازل ہوتی تھی۔ لیکن انکے ماسوا بہت سارے ایسے واقعات موجود ہیں۔ جو دوسرے طور پر اس ثبوت کو اور بھی مضبوط کرتے ہیں۔ مثلاً صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ آنحضرت صلعم نے اپنی اصحاب سے مخاطب ہوکر فرمایا لا تکتبوا عنی شیئاً غیر القرآن۔ یعنی مجھ سے سوائے قرآن کوئی شے مت لکھو۔ یہ ہدایت اس غرض سے احتیاطاً حفظ ما تقدم کے طور پر کیگئی تھی کہ قرآن شریف کے ساتھ حضور سرور کائنات صلعم کی اپنی باتیں کہیں لوگ نہ ملا دیں۔ اور یہ بات بھی اس سے ثابت ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن شریف کے نہایت احتیاط اور صحت کے ساتھ لکھے جانیکا کیسا انتظام کیا ہوا تھا۔ اس ہدایت کا ماحصل یہی ہے کہ قرآن شریف لکھا جاتا تھا۔ اور سارے کا سارا لکھا گیا۔ اگر قرآن شریف کی ہر ایک آیت اور سورۃ لکھنے کا دستور نہ ہوتا تو اس ہدایت کی ضرورت ہی کیا ہوسکتی تھی۔ اور آنحضرت صلعم کی دوسری باتوں کے لکھے جانے میں اعتراض ہی کیا ہوسکتا تھا۔ اور انکے قرآن شریف سے مخلوط ہونے سے احتیاط کی ضرورت ہی کیا ہوسکتی تھی بخاری کی کتاب العلم کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جن مقامات پر لکھنے والوں کی طرف سے کسی اختلاط کا اندیشہ نہ تھا وہاں بعض احادیث لکھ لینے کی اُنہیں اجازت دیگئی۔ جس سے یہ بات اور بھی مضبوط ہوتی ہے۔

پھر جب حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا تو اُسوقت کی سرگذشت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن شریف اُس زمانہ

میں ہی لکھا جاتا تھا۔ چنانچہ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ زمانہ جاہلیت میں بہت غضبناک اور پُرجوش طبیعت رکھتے تھے اور غالی بت پرست تھے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ آنحضرت صلعم شرک اور بت پرستی کے مذہب کی بیخ اکھاڑنے کے درپے ہیں تو اس جوش میں آکر یہ ارادہ کیا کہ میں آنحضرتؐ کو ہی جان سے مار دونگا۔ ایک دن یہ بات دل میں ٹھان کر گھر سے ہی برہنہ شمشیر نکالے ہوئے آنحضرتؐ کی طرف روانہ ہوئے کہ جہاں کہیں وہ ملیں گے وہیں اُنکو قتل کر دونگا۔ راستے میں جاتے ہوئے اُنکو یہ خبر بھی ملی کہ انکی اپنی ہمشیرہ فاطمہ اور اسکا خاوند سعید بن زید مسلمان ہو گئے ہیں۔ یہ بات سُنکر وہ اور بھی غصہ میں بھڑکے اور وہیں سے سیدھے اپنی بہن کے گھر پہنچے کہ تا پہلے انکا کام ہی تمام کیا جائے۔ حضرت عمرؓ اپنی بہن کے گھر پہنچے تو اُسوقت اُن کے گھر میں ایک تیسرا آدمی بھی موجود تھا جسکا نام خباب تھا۔ اور جسکو حضرت عمرؓ جانتے تھے کہ وہ مسلمان ہے۔ خباب کے پاس اُسوقت ایک جلد موجود تھی جس میں سورہ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی۔ اور وہ اُسوقت حضرت عمرؓ کی ہمشیرہ اور اسکے خاوند کو سورہ طٰہٰ پڑھا رہا تھا جب اُنکو معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ آ رہے ہیں تو فوراً خباب تو ایک گوشہ میں جا چھپے اور فاطمہ ہمشیرہ حضرت عمرؓ نے وہ جلد اُٹھا کر اپنے پاس چھپا لی لیکن انکا چھپنا چھپانا بالکل بے سود تھا کیونکہ حضرت عمرؓ انکے نزدیک ایسے مقام پر پہنچ گئے ہوئے تھے کہ انہوں نے خباب کا پڑھانا اور انکا پڑھنا سُن لیا تھا۔ پس جب آپ کمرہ کے اندر داخل ہوئے تو اندر قدم رکھنے کے ساتھ ہی پہلا سوال یہ کیا کہ تم کیا پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ آپنے کچھ نہیں سُنا ہوگا حضرت عمرؓ نے جواب دیا نہیں میں نے سُنا ہے اور مجھے یہ بھی اطلاع ملی ہے کہ تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین قبول کر لیا ہے۔ یہ بات کہتے ہی انہوں نے اپنے بہنوئی کو پکڑ لیا کہ اسکا کام تمام کریں۔ یہ ماجرا دیکھتے ہی انکی ہمشیرہ اپنے خاوند کو چھڑانے کیلئے آن چھپٹی اس ہنگامہ میں فاطمہ کو سخت زخم لگا۔ حضرت سعید اور فاطمہ دونوں بیوی میاں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے اب تمہاری مرضی ہے جو چاہو ہم سے سلوک کرو۔ جب حضرت عمرؓ نے اپنی ہمشیرہ کا خون بہتے دیکھا تو اپنی اس حرکت پر بہت پشیمان ہوئے۔ اور انہیں کہا کہ جو کتاب تم پڑھ رہے تھے وہ لاؤ اور مجھے بھی دکھاؤ۔ کہ میں بھی دیکھوں تو سہی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کیا لا کر دیا ہے۔ حضرت عمرؓ خود لکھے پڑھے تھے جب انہوں نے باصرار طلب کیا تو انکی ہمشیرہ ڈریں کہ مبادا کہیں لیکر وہ اس کتاب کو ضایع ہی نہ کر دیں۔ اس لیے اس نے حضرت عمرؓ سے عہد لیا اور انہوں نے اپنے بتوں کی قسم کھائی کہ میں یہ کتاب ضایع نہیں کرونگا۔ بلکہ دیکھکر واپس کر دونگا۔ پھر اُس نے کہا کہ تم مشرک نجس ہو اس لیے اسکو چھونے کے لیے طہارت کی ضرورت ہے۔ اسپر حضرت عمرؓ نے غسل کیا اور پھر انکی ہمشیرہ نے وہ جلد اُنکے ہاتھ میں دیدی جس میں سورہ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس میں سے کچھ حصہ پڑھا اور بہت تعجب کیا کہ یہ ایسی عجیب کتاب ہے اور بہت ہی عزت کی۔ پھر خباب نے انکا میلان دیکھکر کہا کہ آپ اسلام قبول کر لیں۔ یہ ایک لمبی واردات ہے ہم اسکو اسی جگہ تک لکھکر چھوڑتے ہیں اس سے صاف ثابت ہے کہ

اس ابتدائی زمانہ میں ہی مسلمانوں میں عام طور پر لکھے ہوئے قرآن شریف مستعمل تھے۔ البتہ بعض وقت نادان لوگ بے سمجھی سے یہ اعتراض کر دیا کرتے ہیں کہ اس میں شک نہیں کہ بعض سورتیں اسوقت لکھی گئی تھیں لیکن یہ نہیں کہ سارا قرآن لکھا ہوا تھا یعنی جسقدر نازل ہوتا جاتا ہو سب ہی لکھ لیا جاتا ہو۔ یہ اعتراض لغو ہے۔ اوّل تو یہ بیان کہ سورہ طٰہٰ اسوقت یعنی حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کرنیسے پہلے لکھی ہوئی موجود تھی اس لیے نہیں کیا گیا کہ سورہ طٰہٰ کی کسی خاص فضیلت کا اظہار مقصود تھا۔ تاکہ کوئی شخص یہ خیال کرسکے کہ راوی نے اس واقعہ کو سورۃ مذکور کی خاص فضیلت کے ظاہر کرنے کی نیت سے بیان کیا تھا۔ قصّہ تو ایک اور غرض کیلیے بیان کیا گیا تھا اور یہ ذکر اتفاقی طور پر درمیان میں آگیا۔ اس لیے اس سے یہ بات بہت واضح طور سے عیاں ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کا ابتدائی زمانہ میں کیا عمل تھا۔ قرآن شریف کے ابتدائی زمانہ سے ہی لکھے جانیکے متعلق یہ واقعہ ہی ایک ایسا ثبوت ہے کہ اگر اس کے سوا کوئی اور شہادت نہ بھی موجود ہو اور یہی ایک شہادت موجود ہو تو اس سے ہی یہ بات کافی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ جتنی سورتیں اُسوقت تک نازل ہو چکی تھیں وہ سب لکھی ہوئی موجود تھیں۔ اور انکے لکھنے کی رسم اُنمیں جاری تھی۔ یہ بات کسی طرح مانی نہیں جاسکتی کہ صرف سورہ طٰہٰ ہی لکھی گئی اور باقی کوئی سورۃ اُسوقت تک نہ لکھی گئی تھی۔ سورہ طٰہٰ کو کوئی ایسی خصوصیت حاصل نہ تھی جس ترجیح کی وجہ سے یہ تو لکھی جاتی اور دوسری سورتوں کو نہ لکھا جاتا۔ بلکہ یہ تو ایک ایسی سورۃ ہے جو نمازوں میں بعض اور سورتوں کی طرح عام طور پر نہیں پڑھی جاتی تھی۔ اور اس کے سوا کئی ایسی سورتیں ہیں جن میں کئی تو اس سے لمبی اور کئی اس سے چھوٹی ہیں جن کو عام طور پر نمازوں میں پڑھا کرتے تھے۔ اس لیے یہ بات سمجھنی بہت آسان ہے کہ جب ایسی سورۃ کا لکھے ہوئے موجود ہونا ثابت ہے تو دوسری سورتوں کا ضبط تحریر میں اُسی وقت سے محفوظ ہونا بطرز اولیٰ ماننا پڑتا ہے۔ کیونکہ انکی لکھی ہوئی جلدیں تو بکثرت استعمال میں آتی ہونگی۔ اس لیے سورہ طٰہٰ کے لکھے ہوئے موجود ہونے اور اس لکھی ہوئی سورۃ کے حضرت عمرؓ کی ہمشیرہ فاطمہ کے خاندان میں موجود اور مستعمل ہونے سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام مسلمان اس سورۃ کو اور اس کے علاوہ تمام سور تمائے نازل شدہ کو اسطرح استعمال کرتے تھے۔ ایسا ہی حضرت عمرؓ کی ہمشیرہ کا انکو یہ کہنا کہ نجس ہونیکی حالت میں کوئی شخص قرآن شریف کو ہاتھ نہیں لگا سکتا یہ بھی اس بات پر شہادت ہے کہ لکھے ہوئے نسخے قرآن کریم کے اس کثرت سے استعمال میں تھے کہ ایک نئے مسلمان شدہ شخص کو بھی یہ پتہ تھا کہ نجاست کیحالت میں قرآن شریف کو مس کرنا منع ہے۔ ان تمام باتوں سے بہت صاف ثبوت اس بات کا ملتا ہے کہ قرآن شریف کی ساری سورتیں اُسی زمانہ میں لکھی ہوئی مسلمانوں میں استعمال ہوتی تھیں۔ جس زمانہ میں مسلمانوں کی تعداد ابھی بہت کم تھی۔ اور وہ مکہ میں تھے۔

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قرآن شریف کو جمع کیا

تو اسوقت کے واقعات سے بھی جو پیش آئے تھے اور جو کتب میں صحیح اور مستند طور سے درج ہیں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قرآن شریف کی ہر ایک آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہی لکھی جا چکی تھی۔ اُسوقت سورہ توبہ کی دو آیتوں کے متعلق یہ واقعہ پیش آیا کہ باوجود حضرت زید کو یہ علم ہونیکے کہ وہ آیات قرآن شریف کی ہیں انکو نہ لیا گیا جب تک وہ لکھی ہوئی نہ ملیں۔ چنانچہ حضرت زید خود یہ واقعہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں جو صحیح بخاری میں موجود ہیں۔ فتتبعت القراٰن اجمعه .... حتّٰی وجدت اٰخر سورة التوبة مع ابی خزیمة الانصاری لم اجدها مع احد غیرہ لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیه ما عنتم حتّٰی خاتمة براءة۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ”میں نے قرآن شریف کو تلاش کرکے جمع کرنا شروع کیا یہانتک کہ سورہ توبہ کا آخری حصہ مجھے ابو خزیمہ انصاری کے پاس سے ملا جو اور کسی کے پاس نہ تھا اور وہ یہ ہے لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیه ما عنتم۔ خاتمہ سورہ براءة تک۔“ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زید کو یہ علم تھا کہ یہ آیتیں سورہ توبہ کے آخر میں ہیں اور پھر انکو تلاش کرتے تھے جس سے سوائے اسکے کچھ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ تلاش تحریر کی تھی۔ (دیکھو صحیح بخاری باب جمع القرآن) جس حدیث کا یہ ایک حصہ ہے اس کی تشریح مصنف فتح الباری نے ان الفاظ میں لکھی ہے۔ فلم یأمر ابوبکر الابکتابة ما کان مکتوبًا ولذٰلك توقف زید عن کتابة الاٰیة من اٰخر سورة براءة حتّٰی وجدها مکتوبة مع انه کان یستحضرها هو ومن ذکر معه اور پھر لکھتا ہے۔ وکان القراٰن مکتوبًا فی الصحف ولکن کانت مفرقة فجمعها ابوبکر فی مکان واحد۔ ترجمہ۔ حضرت ابوبکر صدیق رض سوائے اُس کے جو لکھا ہوا موجود تھا کسی اور شے کے لکھنے کا حکم نہ دیتے تھے یعنی انہوں نے قرآن شریف جمع کرانے میں اتنی بڑی احتیاط فرمائی کہ جس طرح اور جو کچھ آنحضرت صلعم کی حیات میں لکھا جا چکا تھا وہی لکھنے دیا۔ اسی وجہ سے زید کو جو سورۃ توبہ کے آخری حصہ کی آیات کو جانتا تھا کہ یہ بھی قرآن ہی کا حصہ ہیں ان کے درج کر لینے میں بہت تامل رہا جب تک کہ اسے وہ لکھی ہوئی نہ مل گئیں۔“ ”اور سارا قرآن قلمی لکھا ہوا تھا۔ مگر قلمی لکھے ہوئے حصے متفرق لوگوں کے پاس تھے۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رض نے کوشش کرکے انہیں ایک جگہ اکٹھا کر دیا۔“ ایک اور روایت ابن ابی داؤد سے یوں آئی ہے۔ قال قام عمر فقال من کان تلقی من رسول الله صلی الله علیه وسلم شیئًا من القراٰن فلیأت به وکانوا یکتبون ذٰلك فی الصحف والالواح والعسب قال وکان لا یقبل من احد شیئًا حتّٰی یشهد شاهدان۔ ترجمہ۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رض نے قرآن شریف کو جمع کرنیکا کام ہاتھ میں لیا تو حضرت عمر رض نے عام طور پر اعلان کر دیا کہ جس کسی کے پاس قرآن شریف کا کوئی حصہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچا ہوا ہے وہ لے آوے۔ اُن دنوں میں لوگ قرآن شریف کو کاغذ اور الواح اور کھجور کی ٹہنیوں پر لکھا کرتے تھے۔ کسی شخص سے کوئی حرف بھی لکھا ہوا منظور نہ کیا جاتا تھا جب تک کہ دو گواہوں کی گواہی نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ خالی تحریر بھی کافی نہ تھی جب تک دو گواہ یہ گواہی نہ دیں کہ وہ تحریر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو لکھی گئی تھی۔ جیسا کہ فتح الباری میں بھی لکھا ہے۔ وکان غرضهم ان لا یکتب الا من عین ماکتب بین یدی النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا من مجرد الحفظ۔ یعنی اسقدر احتیاط سے غرض انکی یہ تھی کہ سوائے اس کے کچھ نہ لکھا جاوے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کے سامنے لکھا گیا تھا اور مجرد حافظہ سے کچھ نہ لکھا جاوے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والقرآن فی العسب والقضم یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُسوقت دنیا سے اُٹھائے گئے جب قرآن شریف صرف کھجور کے پتوں اور کھالوں پر لکھا ہوا تھا۔ ان تمام روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قرآن شریف کی ہر ایک آیت اور ہر ایک سورۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے ماتحت آپ کی زندگی میں اور آپکے سامنے لکھی گئی تھی۔ یہ ایسی متفقہ اور مضبوط شہادت ہے کہ اس کے برخلاف ایک بھی حدیث ایسی نہیں ملتی کہ جس میں یہ ذکر ہو کہ فلاں سورۃ یا فلاں حصہ قرآن شریف کا لکھا نہ گیا تھا۔ جیسا کہ ان دشمنان حق و راستی کی علی العموم عادت ہوتی ہے اسی طرح مصنف تاویل القرآن نے بھی نہایت ظالمانہ عناد اور فساد نیت سے راستی اور تحقیق سے آنکھیں بند کر کے قرآن شریف کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں لکھے جانے کی ثابت شدہ حقیقت پر پردہ ڈالنے کی عبث کوشش کی ہے۔ اور قرآن شریف کے لکھا جانے کی اسطرح بے اعتباری کرنا چاہتا ہے کہ گویا صحابہؓ میں ایسے آدمی ہی موجود نہ تھے جو لکھنا جانتے ہوں۔ چنانچہ یہ باطل پرست دشمن حق محض دجل اور دھوکہ دہی کی راہ سے لکھتا ہے کہ "صحابہؓ میں لکھے پڑھے النادر کالمعدوم تھے" اور پھر لکھتا ہے کہ "جب ہم زید بن ثابت کی قابلیت تحریر کی کیفیت معلوم کرتے ہیں تو یہ عقدہ بھی حل ہو جاتا ہے۔ زید مدینہ میں اگر مسلمان ہوئے اور بالکل صاحبزادہ تھے قلم پکڑنا بھی نہ جانتے تھے۔ حضرت کی جو کچھ کتابت کا کام تھا وہ یہود کرتے تھے۔ پس بتاؤ کہ چودہ پندرہ برس اس سے پہلے وحی قرآن کس نے لکھی" پھر "عبداللہ بن ابی سرح" کا ذکر کر کے کہ وہ مرتد ہو گیا تھا۔ یہ دشمن حق محض کذب اور افترا کے طور پر لکھتا ہے کہ "جب مومنوں میں اہل قلم کا یہ توڑا ہوا اور ایسی ایسی ناکامیاں ہوئیں تو مصلحت اسی میں دیکھی گئی کہ قرآن لکھا ہی نہ جاوے ایمانداروں کے سینہ میں محفوظ ہے اور ایسا ہی ہوا" اگرچہ وہ دین جس کی بنا ہی اتنے بڑے جھوٹ پر ہے کہ گویا ایک عورت کے پیٹ سے پیدا شدہ انسان خدا ہے۔ اور اُسی خدا کے ملعون ہو جانے میں نجات کی کلید ہے۔ راستبازی نہیں سکھلا سکتا۔ اور اس لیے اس کے ماننے والے دینی امور میں افترا اور جھوٹ سے کام لینے کے عادی ہیں لیکن جس دلیری اور بیباکی سے اس گمنام مصنف نے ایسے ہی پیرا گراف میں جھوٹ کا اتباع کیا

اسکی نظیر عیسائی صاحبان میں بھی نہیں ملتی۔ اور یہ شخص ان سب جھوٹ پوجنے اور بولنے والوں سے بڑھ چڑھ کر نکلا ہے۔ اسکی تحریر کا یہ مطلب ہے کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں کوئی لکھا پڑھا نہ تھا۔ صرف زید کچھ پڑھا ہوا ہوگا لیکن وہ کم عمر بچہ تھا اور فن تحریر سے ایسا ناواقف تھا کہ اُسے قلم پکڑنا بھی نہ آتا تھا۔ اور دوسرا شخص عبداللہ بن ابی سرح کچھ لکھا پڑھا تھا مگر وہ مرتد ہی ہو گیا۔ چونکہ انکے سوا کوئی شخص ایسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود نہ تھا جو قرآن لکھ سکتا اسلیے اسکا لکھنا ہی موقوف کر دیا گیا۔ یہ ایسی جاہلانہ اور نامعقول بات ہے کہ ہر ایک انسان جو اسلامی تاریخ سے تھوڑی سی بھی واقفیت رکھتا ہے خوب سمجھ سکتا ہے کہ اس شخص نے کیسی بے حیائی سے کام لیا ہے۔

ہم نے بطور اختصار اس رسالہ میں کچھ ثبوت اس امر کا دیا ہے کہ قرآن شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آپ کی حیات اور آپ کی زیر نگرانی نزول ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت احتیاط اور حفاظت سے لکھا جاتا رہا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ شہادت بھی ناظرین کے اتنی بات سمجھنے کے لیے تو کافی ہو گی کہ اس شخص نے جھوٹ بولنے میں کیسی دلیری کی ہے۔ عیسائی مصنفوں نے آجتک جتنے اسلام کی دشمنی میں جھوٹ بولے ہیں اور بڑی بڑی تصانیف پُر از عناد لکھی ہیں کوئی پہلو جھوٹ کا اُنسے اُٹھا نہ رہا جو انہوں نے لکھا نہ ہو۔ لیکن مسئلہ زیر بحث کی شہادت ایسی زبردست اور آفتاب نصف النہار کی طرح روشن اور مشہور تھی کہ انہیں ہرگز اس بات کی جرأت نہیں ہو سکی کہ اسکے مخالف کوئی جھوٹ بنا کر مُنہ کالا کریں۔ اور کسی نے بھی ان حقایق کا انکار نہیں کیا۔ لیکن یہ گمنام صاحب ایسے نکلے ہیں کہ اپنے سب بڑے مصنفوں کے لکھنے کے سر خاک ڈالدی اور خود کسی گمنامی کے مقام میں جا چھپے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسکے اس کام پر اُسکی اپنی فطرت بھی اسکو ملامت اور لعنت کرتی ہو گی - اسی وجہ سے اپنا نام کتاب پر نہیں لکھا۔

اس مختصر رسالہ میں ہم نے چند ایسے بزرگ صحابیوں رض کے گرامی نام بطور نمونہ لکھ دیے ہیں جو پڑھنے اور لکھنے میں مہارت کامل رکھتے تھے۔ صحابہ رض میں اس کثرت سے پڑھے لکھے حضرات موجود تھے کہ کاتبان وحی میں بعض لوگوں نے بیالیس صحابیوں رض کے نام لکھے ہیں۔ اس کے علاوہ عام طور پر مسلمانوں میں انہیں ایام میں قرآن شریف کے مختلف حصص مختلف لوگوں میں لکھے ہوئے موجود تھے۔ چنانچہ حضرت عمر رض کے اسلام لانیکا ایک ہی واقعہ اسکے ثبوت کے لیے کافی گواہ انصافاً سمجھا جا سکتا ہے۔ جہاں صرف ایک قرآن شریف کے لکھنے میں بیالیس لکھے پڑھوں کی تعداد کام میں لگائی گئی ہو تو کیا قیاس ہو سکتا ہے کہ اُس جماعت میں لکھے پڑھے لوگ موجود نہ تھے یا شاذ و نادر تھے۔

قرآن کریم کا لکھنا درکنار رہا تو جو کلمات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے نکلے۔ یا جسطرح آپ عمل کر کے دکھلاتے وہ باتیں بھی لکھ لیجاتیں۔ چنانچہ بخاری کتاب العلم میں اسکا ذکر موجود ہے اور عبداللہ بن عمرو و دیگر اصحاب کے نام اس ضمن میں قابل ذکر ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی احادیث کو لکھ لیا کرتے تھے پھر اسکے ماسوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بادشاہوں اور دوسری قوموں کی طرف مراسلات لکھکر ارسال

کیسے جانتے تھے جسکو خود عیسائی لوگ جانتے ہیں بلکہ انہی کے گھروں سے ایک ایسا مراسلہ آنحضرت صلعم کے سامنے کا لکھا ہوا بھی نکل آیا ہے جس کا ہم نے بھی اپنے کسی گذشتہ رسالہ میں فوٹو چھاپ دیا تھا۔ اس کے ماسوا حدیبیہ میں جب صلحنامہ لکھا گیا تھا تو وہ بھی مسلمانوں نے ہی لکھا تھا چنانچہ اس کے کاتب حضرت علی کرم اللہ وجہ تھے۔ اسکے علاوہ یہودی اقوام سے عبرانی زبان میں خط وکتابت بکثرت ہوتی رہتی تھی۔ چنانچہ اسکا ذکر حدیث میں بروایت ابو داؤد باب روایت حدیث اہل الکتاب میں آیا ہے۔ جو کتاب العلم کا ایک باب ہے۔ اور کتابۃ العلم کا باب الگ ہے جسکی حدیثوں سے صاف پایا جاتا ہے کہ بہت سے صحابی لکھنا جانتے تھے۔ مرد تو درکنار وہاں عورتیں بھی پڑھی لکھی تھیں چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہرات میں بھی پڑھی لکھی عورتیں تھیں۔ اکثر صحیح احادیث سے پایا جاتا ہے کہ حضرت عایشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما وغیرہ پڑھی لکھی تھیں۔ اب ایسے روز روشن کی طرح چمکتے ہوئے ثبوت کی موجودگی میں مصنف تاویل القرآن کا یہ کہنا کہ صحابہؓ میں کوئی لکھا پڑھا ہی نہ تھا دو باتوں سے خالی نہیں ہوسکتا۔ یا تو اسکی وجہ یہ ہے کہ اس بات کے کہنے والا مجہول اور نادان مطلق ہے۔ اور یا یہ کہ وہ جان بوجھکر عناد اور شرارت کی وجہ سے ان واقعات کو مخفی کرنا اور لوگوں کو دھوکہ دینا چاہتا ہے۔ اور ہمارا قیاس ہے کہ وہ ایسا مجہول مطلق تو نہیں ہوگا ہاں حق پوشی اور دجل جو ان لوگوں کا عام شیوہ ہے اسپر عمل کیا ہوگا۔ اس نے یہ بھی چالاکی کی ہے کہ دیدہ ودانستہ ان تمام تاریخی واقعات کے لکھنے سے اعراض کیا ہے جن سے اسکی اپنی باتوں کی تغلیط ہوتی ہے۔ اس نے اپنے دعوے کی بنا صرف ایک حدیث پر رکھی ہے۔ اور وہ بنا بھی حدیث کے اصل معنوں پر نہیں بلکہ ایک معاندانہ خیال پہلے اپنے دماغ میں قایم کرکے اس نے ایک حدیث نقل کردی اور اسکے معنے اپنے پاس سے اپنے خیال کے مؤید بنا لیے ہیں۔ وہ حدیث جس کو مصنف تاویل القرآن نے نقل کیا ہے اور جسپر اپنے دعوی کی بنا رکھی ہے کہ زید صرف ایک بچہ ہی تھا اور اتنا بھی نہ جانتا تھا کہ قلم کسطرح پکڑا جاتا ہے یہ ہے قال زید بن ثابت امرنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فتعلمت لہ کتاب یہود وقال انی واللہ ما امن یہود علی کتابی فتعلمتہ فلم یمر بی الا نصف شہر حتی حذقتہ فکنت اکتب لہ اذا کتب واقرا لہ اذا کتب الیہ۔ اسکا لفظی ترجمہ یہ ہے۔ زید بن ثابت سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا پس میںنے آپکے لیے یہودیوں کی کتابت کو سیکھا۔ اور آپنے فرمایا کہ قسم بخدا مجھے اپنے خطوط لکھوانے میں یہودیوں پر اعتبار نہیں۔ پس مینے اسکو سیکھا اور نصف ماہ کے عرصہ ہی میں اس میں خوب ماہر ہوگیا۔ پس جب کبھی کوئی مراسلہ آپکے لکھنا ہوتا تو میں ہی لکھتا اور جب کوئی مراسلت کہیں سے آتی میں ہی پڑھ کر سناتا"۔ یہاں زید نے بیان تو یہ کیا ہے کہ اس نے کسطرح عبرانی رسم تحریر سیکھی۔ اور اس کو سر ولیم میور نے بھی اپنی لایف آف محمدؐ کے دیباچہ کے صفحہ ۱۴ کے حاشیہ میں تسلیم کیا ہے۔ لیکن مصنف تاویل القرآن نے الفاظ کو توڑ مروڑ کر اس کے

یہ معنے بنانے چاہے ہیں کہ گویا یہ زید کا اپنا اقبال ہے کہ وہ عربی لکھنا نہیں جانتا تھا اور یہودیوں سے عربی لکھنی سیکھی تھی۔ کیسی عیاری سے عمداً اس نے کتاب یہود کے اصل معنے بدل کر من گھڑت معنے کیے ہیں یعنی اصل معنی اسکے تو تھے "عبرانی میں لکھنا" لیکن اس نے اسکے معنے کیے ہیں "یہودیوں سے لکھنا سیکھا" اور اس جملہ کے معنے جو معنے انکو لیے "عبرانی لکھنا سیکھا" تھے انہیں تبدیل کر کے "یعنے انکی خاطر یہودیوں سے لکھنا سیکھا" بنا دیئے۔ افسوس تو یہ آتا ہے کہ یہ لوگ دنیا میں صلاحیت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن انہیں حق پوشی اور جھوٹ سے کام چلانے سے ذرا شرم نہیں آتی۔ جو شخص عربی زبان میں تھوڑی سی بھی مہارت رکھتا ہو وہ خوب جانتا ہے کہ "کتاب یہود" کے معنے کسی حالت اور کسی طریق میں "یہودیوں سے لکھنا سیکھنے" کے نہیں ہو سکتے۔ اسکے معنے تو صاف طور پر یہی ہیں کہ "یہودی یعنی عبرانی رسم خط سیکھا" علاوہ بریں خود متن روایت سے کہیں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ زید اس میں قرآن شریف کے لکھنے کا ذکر کر رہا ہے کیونکہ قرآن شریف کے لکھنے کے کام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی یہودیوں کو متعین نہیں کیا۔ ظاہر ہے کہ کثیر حصہ قرآن شریف کا مکہ معظمہ میں نازل ہوا۔ اور یہ بھی واضح ہے کہ وہاں کوئی یہودی نہ تھا۔ اور یہ بات بھی ثابت ہے کہ ہجرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مکہ معظمہ میں جتنا قرآن شریف نازل ہو چکا تھا وہ سب کا سب متفرق طور پر لکھا ہوا لوگوں کے پاس موجود اور انکے استعمال میں تھا۔ اور زید تو مدینہ کے باشندہ تھے اور ہجرت کے بعد وہ مسلمان ہوئے تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ کون شخص تھے جنہوں نے مکہ معظمہ میں قرآن شریف کو لکھا؟ وہاں یہود تو موجود نہ تھے پس یہود کے سپرد یہ کام کیونکر ہو گیا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہود پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بے اعتباری ظاہر فرمائی وہ قرآن کریم کے لکھنے کے متعلق نہ تھی اور نہ ہی حدیث میں کتابت وحی کا ذکر ہے بلکہ آپ نے یہ فرمایا کہ ما امن یہود علی کتابی۔ یعنی میں اپنی خط و کتابت میں یہود کا اعتبار نہیں کرتا۔ اصل بات یہ ہے کہ یہودیوں سے عبرانی میں بعض خطوط آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھوانے پڑتے تھے اور انہی کا ذکر اس حدیث میں ہے اور کتابت وحی یعنی قرآن کریم کے لکھنے کا اس میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ پھر اس روایت میں صریح طور سے یہ بھی لکھا ہے فکنت اکتب لہ اذا اکتب واقرأ لہ اذا کتب الیہ جس سے سارا عقدہ اسبات کا کھل جاتا ہے کہ اس بیان سے غرض کیا تھی۔ اول تو یہاں عبرانی لکھنے کا ذکر ہے اور قرآن کریم زبان عربی میں تھا پھر اس عبارت سے یہ بات عیاں ہے کہ یہ مراسلات کے متعلق تھی۔ یعنی اگر کوئی مراسلت عبرانی میں لکھنی پڑتی یا جب کوئی مراسلت عبرانی زبان میں آئی سیکھنے کا حکم دیا۔ اور اس نے اسکی تعمیل کی۔ اسکے سوا اور کونسا مطلب اس ساری عبارت سے نکل سکتا ہے؟ کچھ شرم تو چاہیئے! کوئی دیانتدار مصنف ایسی شرارت نہیں کر سکتا جو معنے کی تحریف میں اس روپوش مصنف نے دکھائی ہے۔ لفظ تو صرف اسقدر ہیں کہ جب آپ لکھنا چاہتے تو میں آپ کی طرف سے لکھتا اور جب آپکی طرف کچھ لکھا جاتا تو میں پڑھکر سناتا۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ذکر خط و کتابت کا ہے۔ اور وحی یا قرآن کریم کے لکھنے کا اس حدیث میں اشارہ بھی نہیں۔ ایسا ہی جس باب کے

نیچے یہ حدیث بیان کیگئی ہے اس سے بھی ظاہر ہے کہ اسے کتابت وحی سے کچھ تعلق نہیں۔ اب رہا یہ امر کہ زید نے اتنے تھوڑے سے یعنی پندرہ دن کے عرصہ میں کیونکر عبرانی زبان کا لکھنا سیکھ لیا۔ سو سمجھنا چاہیئے کہ عبرانی اور عربی ایسی ملتی جلتی زبانیں ہیں کہ ایک کے آتے ہوئے دوسری کا سیکھنا نہایت آسان کام ہے۔ عبرانی صرف عربی کی ایک بگڑی ہوئی صورت ہے پس جس صورت میں ایک شخص عربی زبان کی رسم الخط سے پورا واقف ہے اُسکے لیے عبرانی کا رسم الخط سیکھنا کچھ بھی مشکل نہیں۔ عربی اصل اور عبرانی اس میں سے مشتق زبان ہے۔ پس جو شخص عربی زبان میں مہارت کامل رکھتا ہو اسکے لیے عبرانی کا سیکھنا بہت آسان ہو جاتا ہے سو اتنے قلیل عرصہ میں زید کا عبرانی زبان میں مہارت حاصل کر لینا اس بات پر بھی دلیل ہے کہ وہ عربی زبان کے لکھنے پڑھنے میں کامل مہارت اور ید طولے رکھتے تھے۔ اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ بہت ذہین اور بڑی قوت حافظہ رکھتے تھے۔ اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت نے اس منزل کو زید کیلیے بہت آسان کر دیا تھا۔ اگر انصاف سے کام لیا جائے تو مصنف تاویل القرآن کی قلعی کھولنے کے لیے یہی ایک امر کافی ہے کہ اس نے اس ایک ہی روایت کے معنوں میں کیسی تحریف سے کام لیا ہے۔ اس ایک ہی واقعہ سے اُس کی نیت اور اسکے ارادہ کے فساد کا پتہ لگ جاتا ہے یہ کتاب مشنری پادریوں کو اسلام پر حملہ کرنے میں مدد دینے کے لیے لکھی گئی ہے۔ اور پادریوں کی سوسائٹی ہی کی طرف سے شایع بھی ہوئی ہے۔ اس سے عیسائی دین کے مشنریوں کی ناگفتہ بہ حالت اور انکے خیالات اور ان کی دیانت و امانت و تقوی و طہارت اور حق پوشی بہت اچھی طرح واضح ہوتی ہے اور یہ بات بھی روشن ہوتی ہے کہ دوسرے مذاہب کی نسبت علی العموم اور اسلام کیلیے خصوصاً یہ لوگ کیسے درندگی کے خیالات رکھتے ہیں کہ اس کی مخالفت میں حق کی کچھ بھی پروا نہیں کرتے۔ در اصل عیسائی لوگ اس عظیم الشان نعمت کو جو خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں کو عطا ہوئی ہے کہ انکی مقدس کتاب سیکڑوں سالوں کے گذرنے سے بھی ویسی ہی بے عیب اور بے تعرفات پاک انکے پاس موجود ہے جیسے کہ آنحضرت صلعم نازل ہوئی تھی اور جسطرح آپنے لکھوائی تھی۔ دیکھکر حسد کی آگ میں جل رہے ہیں۔ وہ تو اس بات سے ہی محروم ہیں کہ انکی کتاب یسوع کے زمانہ میں لکھی گئی ہو انکے پاس تو کوئی خدا کی انجیل ہی موجود نہیں۔ کوئی انجیل متی کی تصنیف ہے اور کوئی لوقا و مرقس وغیرہ کی۔ اور جس دیانت اور امانت کے ساتھ قرآن شریف کو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو اور پھر آپکے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم نے اور انکے بعد علی التواتر مسلمانوں نے آیندہ نسلوں تک پہنچایا اُس انعام الٰہی سے عیسائی لوگ بالکل محروم ہیں۔ کہاں قرآن شریف اور کہاں متی و مرقس وغیرہ کی اناجیل۔

مصنف تاویل القرآن نے قرآن شریف کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں لکھے جانیکے برخلاف صرف یہی ایک حدیث پیش کی ہے۔ اسی سے ناظرین خوب سمجھ سکتے ہیں کہ عیسائی مشنریوں کے قرآن شریف کی حفاظت

حملے اور اعتراض کیسے لغو اور بودے ہیں۔ اس شخص نے یہیں تک بس نہیں کی بلکہ اپنی عقلمندی کا اور بھی بڑھ کر ثبوت دیا ہے اور لکھا ہے کہ قرآن شریف کے لکھنے کے لیے جو چیزیں استعمال میں لائی جاتی تھیں وہ ایسی تھیں کہ دیر تک محفوظ نہ رہ سکتی تھیں۔ یہ چیزیں کیا تھیں؟ کاغذ۔ الواح سنگ۔ چمڑا کھجور کی تختیاں اور ہڈیاں تھیں جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں۔ یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ کاغذ چمڑے اور الواح سنگین پر لکھا تو دیر تک محفوظ رہ سکتا ہے لیکن دوسری اشیاء پر محفوظ نہیں رہ سکتا۔ لیکن وہ لکھتا ہے کہ ان تین چیزوں پر قرآن شاذ و نادر ہی لکھا جاتا تھا۔ کیونکہ یہ چیزیں بہت کمیاب تھیں۔ اور اس لیے قرآن کا کثیر حصہ صرف ہڈیوں۔ اور کھجور کی تختیوں پر لکھا گیا جو محفوظ نہیں رہ سکتی تھیں۔ اور اسی وجہ سے اکثر حصہ قرآن شریف کا محو اور گم ہو گیا۔ "دروغگو را حافظہ نباشد" ایک مشہور ضرب المثل ہے اور اس جگہ مصنف تاویل القرآن کی حالت پر خوب صادق آتی ہے۔ بحث تو یہ اٹھائی تھی کہ قرآن شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں لکھا ہی نہ گیا تھا۔ اب اس مقام پر وہ کہتا ہے کہ قرآن شریف کا اکثر حصہ ایسی اشیاء پر لکھا گیا جو دیرپا نہ تھیں اور اس لیے وہ گم اور محو ہو گیا۔ یعنی اس امر کو اب مان لیا کہ قرآن شریف لکھا ضرور گیا تھا۔ مگر ایسی چیزوں پر لکھا گیا تھا۔ .... جو دیرپا نہ تھیں یعنی اکثر حصہ ہڈیوں پر لکھا گیا تھا اور اسکی وجہ یہ بیان کی ہے کہ چمڑا۔ کاغذ اور پتھر کی تختیاں بہت کمیاب تھیں۔ یہ بات بھی محض اس نے اپنے دماغ سے اپنے دروغ کو فروغ دینے کے لیے تراشی ہے اور کوئی روایت بیان نہیں کرتا جس سے اسے یہ پتہ لگا ہو کہ درحقیقت قرآن شریف ہڈیوں پر لکھا گیا تھا کیونکہ کاغذ اور چمڑا اور پتھر کی تختیاں ملک عرب میں ملتی نہ تھیں۔ اوّل تو ہڈیاں اور لکڑی کی تختیاں تحریر کے مطلب کے لیے چمڑے یا کاغذ سے ناقص نہیں۔ بلکہ کاغذ کی نسبت زیادہ دیرپا ہیں۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ قرآن شریف کی لمبی لمبی سورتوں کے لکھنے کے لیے یہ چیزیں پورا کام بھی نہ دے سکتی تھیں اور کئی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عموماً کاغذ اور چمڑے پر ہی قرآن شریف لکھا جاتا تھا۔ اور قیاس بھی اسی بات کو چاہتا ہے کاغذ اور چمڑا بکثرت عرب میں ملتے تھے دوسری چیزیں محض ایسی حالت میں استعمال کی جاتی ہونگی جب مثلاً سفر میں ہونے کی وجہ سے یا کسی اور سبب سے کاغذ یا چمڑا نہ مل سکے۔ اسکے مؤید وہ روایت ہے جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا ذکر ہے۔ وہاں جب حضرت عمرؓ اپنی ہمشیرہ کے گھر پہنچے تو اس وقت حضرت فاطمہؓ ہمشیرہ حضرت عمرؓ سورہ طٰہٰ پڑھ رہی تھیں حضرت عمرؓ کو دیکھتے ہی انہوں نے اسکو اپنے کپڑوں میں فوراً چھپا لیا۔ اگر اتنی لمبی سورۃ کسی ہڈی یا لکڑی پر لکھی ہوتی تو اسکا اس طرح کپڑوں میں چھپانا ممکن نہ تھا۔ کیونکہ اسقدر لمبی سورۃ ایک ہی ہڈی یا لکڑی پر تو لکھی نہ جا سکتی تھی بلکہ اسکے لیے بہت سی ہڈیاں اور لکڑیاں بکار ہوتیں جن کا یکایک اپنے پاس ہی چھپا کر رکھ لینا ممکن نہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اکثر حصہ قرآن شریف کا کاغذوں پر یا چمڑے پر جو کاغذ کی طرح بنایا جاتا ہے لکھا جاتا تھا ہاں بوقت ضرورت دوسری چیزوں پر بھی لکھ لیا جاتا تھا۔ پس تمام شہادت مذکورہ بالا سے یہ امر نہایت

صفائی سے ثابت ہے کہ کامل و مکمل قرآن شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپکے سامنے اور آپکی ہدایت کے مطابق لکھا جا چکا تھا اس کے بعد ہم وہ دلایل بیان کریں گے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ سارا قرآن شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے صحابہ رضی اللہ عنہم نے حفظ بھی کر لیا تھا۔

ڈوئی کی موت میں خدائی فیصلہ کا اظہار

ایک عظیم الشان پیشگوئی پوری ہوئی۔

ذیل میں اس اشتہار کا ترجمہ ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے جو حال میں ڈوئی کی تباہی اور ہلاکت کی پیشگوئی کے پورا ہونے پر امریکہ اور یورپ میں شایع کیا گیا ہے۔ چونکہ یہ ایک ایسی پیشگوئی تھی جو قبل از وقوع بکثرت بلاد غربی میں شایع ہو چکی تھی اسلیے اس کے پورا ہونے پر دوبارہ ان لوگوں کو اس نشان کی طرف توجہ دلانا از بس ضروری تھا تاکہ سعید طبیعتوں کے لیے حق کی طرف رہنمائی کا ایک ذریعہ بن سکے۔

ہم نے بہت دفعہ طالبانِ حق کو ان عجیب و غریب پیشگوئیوں کی طرف توجہ دلائی ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ سے کھلے طور پر ظاہر ہو رہی ہیں اور جن کا پورا ہونا ایسا نشان ہے جو قوت ایمانی کو بڑھاتا اور اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اسکی صفات کاملہ پر یقین کامل پیدا کرتا ہے بشرطیکہ انسان دل کو تعصب سے خالی کر کے اسپر پورا غور کرے اور سوچے کہ آیا یہ امور انسانی طاقت کے اندر ہیں؟ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ابتک ان بلاد میں کسی شخص نے یہ خواہش ظاہر نہیں کی کہ وہ ان پیشگوئیوں کے متعلق پوری تحقیق کر کے ان نتایج سے جنپر وہ خود پہنچے دنیا کو فایدہ پہنچاوے۔ ایک طرف جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کسطرح بلاد غربی کے رہنے والے چھوٹی چھوٹی اور بے حقیقت باتوں کے پیچھے پڑکر اپنا روپیہ اور وقت ضایع کرتے ہیں جیسا کہ سپر یچولزم میں جنوں اور بھوتوں کے تماشوں کے دیکھنے اور دیگر ایسی لغویات میں۔ اور دوسری طرف مذہب کے متعلق جب کوئی بات پیش کیجاتی ہے تو کیسی عدم توجہی سے پیش آتے ہیں تو ہمیں بڑی حیرت ہوتی ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ کوئی شخص بلا تحقیق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیوں پر آمنا و صدقنا کہدے بلکہ ہم صرف انہیں اسبات کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں کہ وہ ان پیشگوئیوں پر محققانہ نظر سے غور کریں اور انکے متعلق پوری تحقیق اور اعلیٰ درجہ کی غور و پرداخت کو کام میں لاویں۔ دوسری طرف ہم اس بات کو بھی خوب سمجھتے ہیں کہ بُعد مکانی کا اثر بھی بُعد زمانی کی طرح ہوتا ہے اور دُور کے واقعات بھی گذشتہ زمانہ کے واقعات

کی طرح انسان کی توجہ پر اسقدر اثر نہیں کرتے جیسا قریب کے واقعات۔ مثلاً جو ہلاکت اور تباہی ہندوستان میں طاعون سے واقع ہو رہی ہے اور جس طرح طاعون زدہ علاقوں کے لوگ اس سخت عذاب الٰہی کو محسوس کرتے ہیں دُور کے رہنے والے اسقدر اس سے متاثر نہیں ہو سکتے۔ مگر ان اوراق میں جس پیشگوئی کا ذکر ہم کرنا چاہتے ہیں وہ ایسی نہیں جس میں بُعد مکانی کا کچھ اثر ہو۔ کیونکہ یہ پیشگوئی مغربی بلاد میں بکثرت شایع ہو چکی ہے اور نہ صرف ہم نے ہی اشتہارات کے ذریعہ سے اس پیشگوئی کو یورپ اور امریکہ میں شایع کیا بلکہ خود ان بلاد کے بڑے بڑے اخباروں نے اسی لاکھوں انسانوں کے اندر شایع کیا۔ نہ صرف اشاعت پیشگوئی کے لحاظ سے ہی اسکا وقوع بلاد غربی میں ہوا بلکہ جو شخص اس پیشگوئی کی رو سے ہلاکت کا نشانہ تھا وہ خود انہی ملکوں کا رہنے والا اور ایسا مشہور آدمی تھا کہ یورپ اور امریکہ میں کوئی شخص اسکے نام سے ناواقف نہ ہو گا اور اس کے ہزارہا مرید امریکہ اور دوسرے عیسائی ممالک میں موجود تھے۔ اسلیے ان واقعات کو جو اس پیشگوئی کے پورا کرنیوالے ہیں۔ اب ہم بلاد غربی کے طالبان حق کے سامنے ہی پیش کرتے ہیں۔ کہ اس شہادت پر پورا پورا غور کر کے وہ اپنے فیصلہ کو پبلک کے سامنے پیش کریں کہ آیا ان سے پیشگوئی کا سچا اور منجانب اللہ ہونا ثابت ہوتا ہے کہ نہیں۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ ان ممالک میں بہتیرے ایسے سعید لوگ بھی موجود ہیں جو ایک صداقت کی خاطر قومی اور مذہبی تعصبات کی روکوں کی کچھ بھی پروا نہیں کرینگے۔ اور جن میں یہ اخلاقی جرأت موجود ہے کہ جب سچائی کو سمجھ جائیں تو پھر ہر قسم کے مقابلہ کے باوجود اس کے اظہار میں کسی قسم کی بزدلی نہ دکھائیں گے۔ اصل بات یہ ہے کہ صداقت کی محبت فطرت انسانی کے اندر مرکوز ہے۔ اور اگرچہ بسا اوقات یہ تعصبات کے نیچے دبی رہتی ہے مگر آخر کار سب روکوں کو توڑ ڈالتی اور اپنر غالب آجاتی ہے۔ تھوڑے ہی عرصہ کا ذکر ہے کہ جب ہندوؤں کا ایک بڑا مذہبی پیشوا لیکھرام نام حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئی کے مطابق ہلاک ہوا تو بہتیرے ہندوؤں نے اخلاقی جرأت سے کام لیکر اس استفتا پر جو اس غرض کے لیے پبلک کے سامنے پیش کیا گیا تھا اپنی یہ شہادت درج کی کہ واقعی پیشگوئی لیکھرام کے متعلق پوری ہوئی اور یہ پیشگوئی انسانی طاقت سے بالاتر اور منجانب اللہ تھی۔ چونکہ مغربی لوگوں میں تحقیق حق کی روح اور بھی آزادی سے کام کر رہی ہے اس لیے ہم پوری امید رکھتے ہیں کہ ڈوئی والی پیشگوئی کے واقعات اور اس کے پورا ہونیکی شہادت پر غور کامل کر کے بہت سے لوگ حق کی خاطر یہ گواہی دینے کیلیے تیار ہونگے کہ یہ پیشگوئی سچی نکلی اور حضرت مسیح موعودؑ کی دعا جو ڈوئی کے متعلق تھی وہ سُنی گئی۔

قبل اسکے کہ ان واقعات کا ذکر کیا جاوے جن سے پیشگوئی کا پورا ہونا ثابت ہوتا ہے ہم ناظرین کی خدمت میں یہ عرض کرتے ہیں کہ اس اشتہار سے ہماری غرض صرف یہی ہے کہ تائید حق ہو اور لوگ اس حق کو دیکھیں اور اس صداقت کو قبول کریں جو روز روشن کی طرح چمک رہی ہے اگرچہ شپّر چشم اسکا انکار کریں۔ اس پیشگوئی کے پورا ہونے سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور علم کامل کا ایسا قطعی اور صاف ثبوت ملتا ہے اور اسکی ہستی پر ایسا یقین تام پیدا ہوتا ہے

کہ اس ثبوت کو پیش نہ کرنا یا دبا رکھنا ہمارے نزدیک سخت گناہ ہے۔ اور اسی کے اظہار کے لیے ہم جو کچھ لکھتے ہیں لکھتے ہیں۔ ڈوئی کی زندگی کے بعض واقعات کو ہم اس کی موت کے بعد اگر ظاہر کرتے ہیں تو نہ اس لیے کہ ایک ہلاک شدہ حریف کی تباہی پر خوشی ظاہر کریں بلکہ اس لیے کہ حق ظاہر ہو اور لوگ اس سچائی کو دیکھیں اور سمجھیں جن واقعات کو ہم ظاہر کرتے ہیں انہیں ہماری غرض مُردہ کی عیب شماری نہیں بلکہ اصل غرض یہ ہے کہ ان واقعات کے ظاہر ہونے سے صداقت کا اظہار ہو اور سچائی کا بول بالا ہو۔ ڈوئی پر طرح طرح کی تباہیاں لانے اور پھر انجام کار اسے غایت درجہ کے دکھ اور حسرتوں کے ساتھ ہلاک کرنے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فیصلہ کو ظاہر فرمایا ہے جس کی اطلاع اس نے اپنے مرسل کو کئی سال پہلے دی تھی۔ یہ وہ خدائی فیصلہ ہے جو خدا کے ایک سچے مرسل اور مامور کو ایک کذّاب اور مفتری سے الگ کرتا ہے۔ اور صادق اور کاذب مدعیٔ نبوت میں فرق کر کے دکھاتا ہے

جان الگزنڈر ڈوئی سکاٹلینڈ کا اصل باشندہ تھا اور امریکہ میں پہلے پہل ۱۸۸۸ء میں پہنچا اور سان فرانسسکو میں اُترا اس سے پہلے کچھ مدت وہ تسمانیا کے جیلخانہ میں بھی رہ چکا تھا۔ ۱۸۹۲ء میں اس نے وعظ کرنا شروع کیا۔ اور اسکے بعد ایک الگ فرقہ کی بُنیاد رکھنی شروع کی۔ اس کا دعویٰ تھا کہ مَیں لوگوں کو بیماریوں سے شفا دے سکتا ہوں اور اسی دعوی کی وجہ سے کئی زود اعتقاد اور توہم پرست لوگ اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ ان لوگوں کے روپئے سے وہ ایک امیر آدمی بن گیا۔ اور ۱۹۰۰ء میں موجودہ شہر صیہون کی زمین خریدی جس کے ٹکڑے پھر اپنے ہی مریدوں کے ہاتھ ایک بڑے گراں نرخ پر بیچے اور یہ ظاہر کیا کہ عنقریب مسیح موعود اسی شہر میں نازل ہوگا۔ ۲ جون ۱۹۰۱ء کو اس نے یہ دعویٰ اپنا شایع کیا کہ مَیں الیاس ہوں جو مسیح کی آمد کے لیے لوگوں کو تیار کرنے آیا ہوں۔ اس دعویٰ سے اس کے روپئے اور مریدوں میں اور بھی ترقی ہوئی۔ روپئے کی کثرت یہانتک ہوئی کہ سال کے شروع میں وہ دس لاکھ ڈالر یعنی تیس لاکھ سے بھی زیادہ روپیہ اپنے مریدوں سے نئے سال کے تحفے کے طور پر مانگا کرتا تھا۔ اور جب سفر کرتا تو اعلیٰ درجہ کے عیش و عشرت کے سامان اس کے ساتھ ہوتے ۱۹۰۲ء میں اس نے یہ پیشگوئی شایع کی کہ اگر مسلمان صلیبی مذہب کو قبول نہ کریں گے تو وہ سب کے سب ہلاک کر دیئے جائیں گے۔ اور بھی وہ ہر طرح سے اسلام کی ہتک اور توہین نہایت بیباکی سے کرتا۔ جب اس نے اسلام پر ایسے ایسے حملے کیے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ مسیح موعودؑ کے دل میں غیرت کا جوش ڈالا۔ اور آپ نے ستمبر ۱۹۰۲ء میں اسے انگریزی میں ایک چٹھی لکھی جو اسی رسالہ ریویو آف ریلیجنز ستمبر ۱۹۰۲ء کے پرچہ میں شایع ہو چکی ہے۔ جس میں حضرت مسیح موعودؑ نے اسے مباہلہ کے لیے دعوت کی۔ خلاصہ اس ساری چٹھی کا یہ تھا کہ دونوں فریق دعا کریں کہ جو شخص ہم میں سے جھوٹا ہے خدا تعالیٰ اسے سچے کی زندگی میں ہلاک کرے یہ ڈوئی کی اس پیشگوئی کا جواب تھا جو اس نے تمام اہل اسلام کی ہلاکت کے لیے کی تھی۔ یہ چٹھی بڑی کثرت سے امریکہ کے اخباروں میں شایع ہوئی۔ اور انگلستان کے بعض اخباروں نے بھی اسے شایع کیا۔ یہانتک کثرت سے

اسکی اشاعت ہوئی کہ ہمارے پاس بھی ایسی بہت سی اخبار یں پہنچ گئیں جن میں اس مباہلہ کا ذکر تھا۔ ان میں سے چند کے نام مع تاریخ ذیل میں دیئے جاتے ہیں ان میں بہت سی روزانہ اخبار یں ہیں اور جس قدر اخبار یں ہمارے پاس پہنچی ہیں انپر قیاس کرکے یہ کہا جاسکتا ہے کہ امریکہ اور یورپ کی ہزاروں نہیں تو سیکڑوں اخباروں میں یہ مباہلہ شایع ہوا۔ اور لاکھوں انسانوں کے اندر اسکی شہرت ہوئی اور عام طور پر ان ممالک میں اس کا چرچا پھیل گیا۔ صرف چند امریکہ کے اخباروں کے نام ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

نمبر شمار	نام اخبار مع تاریخ و سنہ	خلاصہ مضمون
(۱)	شکاگو انٹر پریٹر ۲۸-جون سنہ ۱۹۰۳ء	عنوان ”کیا ڈوئی اس مقابلہ میں نکلیگا“ دونوں تصویریں پہلو بہ پہلو دیکر لکھتا ہے کہ مرزا صاحب کہتے ہیں ڈوئی مفتری ہے اور میں دعا کرنیوالا ہوں کہ وہ اُسے میری زندگی میں نیست و نابود کردے اور پھر کہتے ہیں کہ جھوٹے اور سچے میں فیصلہ کا یہ طریق ہے کہ خدا سے دعا کیجاوے کہ دونوں میں سے جو جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی میں ہلاک ہو جاوے۔
(۲)	ٹیلیگراف ۵-جولائی سنہ ۱۹۰۳ء	مرزا غلام احمد صاحب پنجاب سے ڈوئی کو چیلنج بھیجتے ہیں کہ ”اے وہ شخص جو مدعی نبوت ہے آ۔ اور میرے ساتھ مباہلہ کر ہمارا مقابلہ دعا سے ہوگا اور ہم دونوں خدا تعالیٰ سے دعا کرینگے کہ ہم میں سے جو شخص کذاب ہے وہ پہلے ہلاک ہو“
(۳)	ارگوناٹ سان فرانسسکو یکم دسمبر سنہ ۱۹۰۲ء	عنوان ”انگریزی اور عربی (یعنی عیسائیت اور اسلام) کا مقابلہ دعا“ مرزا صاحب کے مضمون کا خلاصہ جو ڈوئی کو لکھا ہے یہ ہے کہ ”تم بھی ایک جماعت کے لیڈر ہو اور میرے بھی بہت سے پیرو ہیں پس اس بات کا فیصلہ کہ خدا کی طرف سے کون ہے ہم میں اسطرح ہو سکتا ہے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے خدا سے دعا کرے اور جس کی دعا قبول ہو وہ سچے خدا کی طرف سے سمجھا جاوے“ دعا یہ ہوگی کہ دونوں میں سے جو جھوٹا ہے خدا اُسے پہلے ہلاک کرے۔ یقیناً یہ ایک معقول اور منصفانہ تجویز ہے۔
(۴)	لٹریری ڈائجسٹ نیویارک ۲۰-جون سنہ ۱۹۰۳ء	تصویر دیکر مباہلہ کا مفصل ذکر کرتا ہے یعنی یہ کہ دونوں فریق ڈوئی اور ہم دعا کریں کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں اور اس کے سامنے ہلاک ہو۔
(۵)	نیویارک میل اینڈ ایکسپریس ۲۸-جون سنہ ۱۹۰۳ء	عنوان مباہلہ یا مقابلہ دعا کے نیچے اسی مباہلہ کا ذکر ہے۔
(۶)	ہیرلڈ روچسٹر ۲۵-جون سنہ ۱۹۰۳ء	ڈوئی کو مباہلہ کیلئے بلایا گیا ہے اور پھر مباہلہ کا ذکر ہے۔
(۷)	ریکارڈ بوسٹن ۲۷-جون سنہ ۱۹۰۳ء	مباہلہ کا ذکر ہے۔
(۸)	ایڈورٹائزر بوسٹن ۲۵-جون سنہ ۱۹۰۳ء	مباہلہ کا ذکر ہے۔
(۹)	پائلاٹ بوسٹن ۲۷-جون سنہ ۱۹۰۳ء	ایضاً
(۱۰)	پاتھ فائنڈر واشنگٹن ۲۷-جون سنہ ۱۹۰۳ء	״

نمبر شمار	نام اخبار مع تاریخ و سنہ	خلاصہ مضمون
(۱۱)	انٹراوشن شکاگو ۲۷۔جون ۱۹۰۳ء	مباہلہ کا ذکر ہی پھر ۲۸ جون کے پرچے میں دونوں تصویریں دیکر مفصل ذکر کیا ہے۔
(۱۲)	ڈیموکریٹ کرانیکل روچیسٹر ۲۵۔جون ۱۹۰۳ء	مباہلہ کے بعد دونوں تصویریں بھی دی ہیں اور حضرت کی تصویر کے نیچے یہ لفظ ہیں "مرزا غلام احمد صاحب ہندوستان کا مسیح جس نے ڈوئی کو دعا کی مقابلہ کیلئے چیلنج دیا ہے۔
(۱۳)	شکاگو کا ایک اخبار تاریخ اور نام پھٹ گیا	
(۱۴)	برلنگٹن فری پریس ۲۷ جون ۱۹۰۳ء	مباہلہ کا ذکر ہے۔
(۱۵)	ووسٹر سپائی ۲۸ جون ۱۹۰۳ء	〃
(۱۶)	شکاگو انٹراوشن ۲۸ جون ۱۹۰۳ء	〃
(۱۷)	البنی پریس ۲۵ جون ۱۹۰۳ء	〃
(۱۸)	جیکسنول ٹائمز ۲۸ جون ۱۹۰۳ء	〃
(۱۹)	بالٹی مور امریکن ۲۵ جون ۱۹۰۳ء	〃
(۲۰)	بفلو ٹائمز ۲۵ جون ۱۹۰۳ء	〃
(۲۱)	نیویارک میل ۲۵ جون ۱۹۰۳ء	〃

نمبر شمار	نام اخبار مع تاریخ و سنہ	خلاصہ مضمون
(۲۲)	بوسٹن ریکارڈ ۲۷ جون ۱۹۰۳ء	مباہلہ کا ذکر ہے۔
(۲۳)	ڈیزرٹ انگلش نیوز ۲۷ جون ۱۹۰۳ء	〃
(۲۴)	ہیلینا ریکارڈ یکم جولائی ۱۹۰۳ء	〃
(۲۵)	گروم شایر گزٹ ۱۷ جولائی ۱۹۰۳ء	〃
(۲۶)	نونیٹن کرانیکل ۱۷ جولائی ۱۹۰۳ء	〃
(۲۷)	ہوسٹن کرانیکل ۳ جولائی ۱۹۰۳ء	〃
(۲۸)	سٹونیو ۲۹ جون ۱۹۰۳ء	〃
(۲۹)	پرچسٹر نیوز یکم جولائی ۱۹۰۳ء	〃
(۳۰)	گلاسگو ہیرالڈ ۲۷۔اکتوبر ۱۹۰۳ء	〃
(۳۱)	نیویارک کمرشل ایڈورٹایزر ۲۶۔اکتوبر ۱۹۰۳ء	اگر ڈوئی اشارتاً یا صراحتاً اس چیلنج کو منظور کریگا تو وہ بڑی دُکھ اور حسرت کے ساتھ ہلاک ہوگا اور اگر وہ اس چیلنج کو قبول نہ کریگا تو بھی اس کے صیہون پر
(۳۲)	دی مارننگ ٹیلیگراف نیویارک ۲۸ اکتوبر ۱۹۰۳ء	مباہلہ اور ڈوئی پر بددعا کرنے کا ذکر ہے۔

نوٹ:۔ یہ اخبار صرف وہ ہیں جو ہم تک پہنچے ہیں۔ اس کثرت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیکڑوں اخباروں میں یہ ذکر ہوا ہوگا۔ منہ

مگر با وجود اس کثرت اشاعت پیشگوئی کے ڈوئی نے اس چیلنج کا کوئی جواب نہ دیا۔ اور نہ ہی اپنے اخبار لیوز آف ہیلنگ میں اسکا کچھ ذکر کیا۔ مگر اسلام کے متعلق اس نے وہی بدزبانی کا طریق جاری رکھا چنانچہ ۱۴۔ فروری ۱۹۰۳ء کو اس نے اپنے اخبار میں یہ فقرے شایع کیے "میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ دن جلد ہی آئے جب اسلام دنیا سے نابود ہو جائے اے خدا تو میری اس دعا کو قبول کر اے خدا تو اسلام کو ہلاک کر"* اور پھر ۱۵۔ اگست ۱۹۰۳ء کو اسلام کا ذکر کے لکھا کہ "انسانیت پر اس سخت بدنما دھبہ کو (یعنی اسلام کو) صیہون ہلاک کر کے چھوڑیگا" پس جب وہ نہ تو اسلام کے متعلق دریدہ دہنی سے باز آیا اور نہ ہی کھلے طور پر میدان مقابلہ میں نکلا تو حضرت مسیح موعودؑ نے ایک اور اشتہار جاری کیا جو صرف زبان انگریزی میں ترجمہ ہو کر بلاد یورپ اور امریکہ میں بکثرت شایع ہوا۔ اس اشتہار کا بھی انگریزی اور امریکن اخبارات میں بہت چرچا ہوا۔ چنانچہ بعض ان اخبارات کے اقتباس ہم نومبر اور دسمبر ۱۹۰۳ء کے رسالے میں شایع بھی کر چکے ہیں۔ اور یہ اقتباس ثابت کرتے ہیں کہ اس اشتہار کی اشاعت بھی بکثرت ہوئی۔ اس اشتہار کا عنوان یہ تھا "ڈپگٹ اور ڈوئی کے متعلق پیشگوئیاں" اور جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہوتا ہے اب یہ خالی مباہلہ کی دعوت نہ رہی تھی بلکہ اس میں صراحت کے ساتھ ڈوئی کی ہلاکت کی پیشگوئی بھی کی گئی تھی۔

نوٹ۔ انگریزی میں چونکہ یہ اشتہار پورا پہلے شایع ہو چکا ہے اس مقام پر انگریزی میں ہم نے صرف ایک ہی اخبار کے اقتباس پر اکتفا کیا ہے۔ لیکن اردو میں چونکہ یہ اشتہار پہلے کبھی شایع نہیں ہوا اس لیے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس سارے اشتہار کو ناظرین کے فایدہ کے لیے اس جگہ شایع کر دیں۔ وہ اشتہار یہ ہے۔

"زمین جب گناہ اور شرک سے آلودہ ہو جاتی ہے اور اُس حقیقت سے بے خبر ہو جاتی ہے جو انسان کی پیدائش کی اصل غرض ہے۔ تب خدا کی رحمت تقاضا کرتی ہے کہ ایک کامل الفطرت انسان کو اپنی ذات سے پاک تعلق بخشکر اور اپنے مکالمہ سے اُسکو مشرف کر کے اور اپنی محبت میں اسکو انتہا تک پہنچا کر۔ اُسکے ذریعہ سے دوبارہ زمین کو پاک و صاف کرے۔ انسان خدا تو نہیں ہو سکتا مگر بڑے بڑے تعلقات اُس سے پیدا کر لیتا ہے جب وہ بالکل خدا کیلیے ہو جاتا ہے اور اپنے تئیں صاف کرتا کرتا ایک مصفا آئینہ کی طرح بن جاتا ہے۔ تب اُس آئینہ میں عکسی طور پر خدا کا چہرہ نمودار ہوتا ہے۔ اُس صورت میں وہ بشری اور خدائی صفات میں ایک مشترک چیز بنجاتا ہے اور کبھی اس سے صفات الٰہیہ صادر ہوتی ہیں کیونکہ اُس کے آئینۂ وجود میں خدا کا چہرہ منعکس ہے اور کبھی اُس سے بشری صفات صادر ہوتی ہیں۔ کیونکہ وہ بشر ہے اور ایسے انسانوں کو دیکھنے والے کبھی دھوکہ کھا کر اور صرف ایک پہلو کا کرشمہ دیکھ کر انکو خدا سمجھنے لگتے ہیں اور دنیا میں مخلوق پرستی اسی وجہ سے آئی ہے اور

* نوٹ: فرق صرف اتنا ہے کہ ان الفاظ میں ایک پیشگوئی مخفی تھی مگر اس پیشگوئی کے بعد کے الفاظ میں اسلام کی ہلاکت کے لیے دعا کرنا مباہلہ کا ہی اختیار کرنا تھا کیونکہ وہ حضرت مسیح موعودؑ کو مسلمانوں کی طرف سے وکیل سمجھتا تھا۔ منہ

صدہا انسان اسی دھوکہ سے خدا بنائے گئے ہیں۔ مگر ہمارے اس زمانہ میں جسقدر عیسائیوں کا وہ فرقہ جو حضرت مسیح کو خدا جانتا ہے اس دھوکہ میں مبتلا ہے اسقدر کوئی اور قوم مبتلا نہیں۔ مسیح سے صدہا برس پہلے جو لوگ خدا بنائے گئے تھے جیسے راجہ رام چندر۔ راجہ کرشن۔ گوتم بدھ ہمارے اس زمانہ میں انکے پیرو متنبہ ہوتے جاتے ہیں کہ یہ انکی غلطیاں تھیں۔ مگر افسوس حضرت مسیح کے پیرو ابتک اس زمانہ میں بھی خواہ نخواہ خدائی کا خطاب ان کو دے رہے ہیں اگرچہ اس خیال کا بطلان ایسا بدیہی تھا کہ کسی دلیل کی ضرورت نہ تھی۔ مگر افسوس کہ عیسائی ابھی تک اس زمانہ کی ہوا سے بھی دور بیٹھے ہیں بلکہ بعض لوگوں نے جب دیکھا کہ ایسے لغو خیالات کا زمانہ ہی دن بدن مخالف ہوتا جاتا ہے تو انہوں نے اپنے معمولی طریقوں سے مایوس ہو کر یہ ایک نیا طریق اختیار کیا کہ کوئی ان میں سے الیاس بن گیا اور کسی نے یہ دعویٰ کر دیا کہ مَیں مسیح ابن مریم ہوں اور مَیں ہی خدا ہوں اس تمام فقرہ سے مراد میری یہ ہے کہ لنڈن میں تو مسٹر پگٹ نے خدائی اور مسیحیت کا دعویٰ کیا اور امریکہ میں مسٹر ڈوئی الیاس بن بیٹھے اور پیشگوئی کر دی کہ مسیح ابن مریم پچیس۲۵ برس تک دنیا میں آجائیگا دونوں میں فرق یہ ہے کہ ڈوئی نے تو بزدلی دکھلائی اور الیاس بننے میں بھی اپنی پردہ دری سے ڈرتا رہا اور مسیح نہ بنا بلکہ مسیح کا خادم بنا اور پگٹ نے بڑی ہمت دکھلائی کہ خود مسیح بن گیا نہ صرف مسیح بلکہ خدا ہونے کا بھی دعویٰ کیا۔ اب لنڈن والوں کو کسی بھاری آفت مصیبت کا کیا اندیشہ ہے جن کے شہر میں خدا اُترا ہوا ہے مگر میں نے سنا ہے کہ لنڈن میں کچھ یہودی بھی رہتے ہیں اس لیے بے شک یہ اندیشہ ہے کہ انکو طبعاً یہ خیال پیدا ہو کہ یہ تو وہی مسیح ہے جو صلیب سے بوجہ غشی کے غلطی سے ساتھ زندہ اُتارا گیا اور پھر موقع پاکر مشرقی بلاد کی طرف بھاگ گیا۔ آخر اب ایسے طور سے اسکو صلیب دیں کہ کام تمام ہو جائے اور پھر کسی طرف بھاگ نہ سکے۔ اور ساتھ ہی یہ فکر بھی ہے کہ مبادا عیسائیوں کو بھی خیال آجائے کہ پہلا کفارہ پُرانا اور بودہ ہو چکا ہے اور شراب خوری اور فسق و فجور کی کثرت نے ثابت بھی کر دیا ہے کہ اُس کفارہ کی تاثیر جاتی رہی ہے اس لیے اب ایک نئے خون کی ضرورت ہے۔ سو مَیں ہمدردی سے کہتا ہوں کہ مسٹر پگٹ کو ان ہر دو فرقوں سے چوکس رہنا چاہیئے۔ القصہ ان دنوں میں جبکہ زمین میں ایسے ایسے جھوٹے اور ناپاک دعوے کیے گئے ہیں۔ اس لیے خدا نے جو زمین پر بدی اور ناپاکی کا پھیلنا پسند نہیں کرتا مجھے اپنا مسیح کر کے بھیجا تا وہ زمین کی تاریکی کو اپنی توحید سے روشن کرے اور شرک کی نجاست سے دنیا کو مخلصی بخشے۔ پس مَیں وہی مسیح موعود ہوں جو ایسے وقت میں آنیوالا تھا اور مَیں صرف اپنے مُنہ سے نہیں کہتا کہ مَیں مسیح موعود ہوں بلکہ وہ خدا جس نے زمین و آسمان بنایا میری گواہی دیتا ہے اس نے اس گواہی کے پورا کرنیکے لیے صدہا نشان میرے لیے ظاہر کیے اور کر رہا ہے۔ مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ اُسکا فضل اُس مسیح سے مجھ پر زیادہ ہی جو مجھ سے پہلے گذر چکا ہے۔ میرے آئینہ میں اُس کا چہرہ اُس سے زیادہ وسیع طور پر منعکس ہوا ہے جو اُسکی آئینہ میں ہوا تھا

اگر مَیں صرف اپنے مُنہ سے کہتا ہوں تو مَیں جھوٹا ہوں۔ لیکن اگر وہ میرے لیے گواہی دیتا ہے تو کوئی مجھے جھوٹا قرار نہیں دے سکتا۔ میرے لیے اُسکی ہزار ہا گواہیاں ہیں جن کو مَیں شمار نہیں کر سکتا۔ مگر منجملہ ان کے ایک یہ بھی گواہی ہے کہ یہ دلیر دروغ گو یعنی پگٹ جس نے خدا ہونیکا لنڈن میں دعویٰ کیا ہے وہ میری آنکھوں کے سامنے نیست و نابود ہو جائیگا۔ دوسری یہ گواہی ہے کہ مسٹر ڈوئی اگر میری درخواست مباہلہ قبول کریگا اور صراحتاً یا اشارۃً میرے مقابلہ پر کھڑا ہوگا تو میرے دیکھتے دیکھتے بڑی حسرت اور دُکھ کے ساتھ اس دنیائے فانی کو چھوڑ دیگا یہ دو نشان ہیں جو یورپ اور امریکہ کے لیے خاص کیے گئے ہیں کاش وہ انپر غور کریں اور ان سے فایدہ اُٹھاویں۔

یاد رہے کہ ابتک ڈوئی نے میری اس درخواست مباہلہ کا کچھ جواب نہیں دیا اور نہ اپنے اخبار میں کچھ اشارہ کیا ہے اس لیے مَیں آج کی تاریخ سے جو ۲۳- اگست ۱۹۰۳ء ہے اُسکو پورے سات ماہ کی اور مہلت دیتا ہوں اگر وہ اس مہلت میں میرے مقابلہ پر آگیا اور جس طور سے مقابلہ کرنیکی مَیں نے تجویز کی ہے جسکو مَیں شایع کر چکا ہوں اس تجویز کو پورے طور پر منظور کر کے اپنے اخبار میں عام اشتہار دے دیا تو جلد تر دنیا دیکھ لے گی کہ اس مقابلہ کا انجام کیا ہوگا۔ مَیں عمر میں ستر برس کے قریب ہوں۔ اور وہ جیسا کہ بیان کرتا ہے پچاس برس کا جوان ہے جسے میری نسبت گویا ایک بچہ ہے۔ لیکن مَیں نے اپنی بڑی عمر کی کچھ پروا نہیں کی۔ کیونکہ اس مباہلہ کا فیصلہ عمروں کی حکومت سے نہیں ہوگا بلکہ وہ خدا جو زمین و آسمان کا مالک اور احکم الحاکمین ہے وہ اِسکا فیصلہ کریگا۔ اور اگر مسٹر ڈوئی اس مقابلہ سے بھاگ گیا تو دیکھو آج میں تمام امریکہ اور یورپ کے باشندوں کو اس بات پر گواہ کرتا ہوں کہ یہ طریق اُسکا بھی شکست کی صورت سمجھی جائے گی اور نیز اس صورت میں پبلک کو یقین کرنا چاہیئے کہ یہ تمام دعویٰ اُسکا الیاس بننے کا محض زبان کا مکر اور فریب تھا اور اگرچہ وہ اس طرح سے موت سے بھاگنا چاہے گا لیکن درحقیقت ایسے بھاری مقابلہ سے گریز کرنا بھی ایک موت ہے پس یقین سمجھو کہ اس کے صیہون پر جلد تر ایک آفت آنے والی ہے۔ کیونکہ ان دونوں صورتوں میں سے ضرور ایک صورت اسکو پکڑ لے گی۔ اب مَیں اس مضمون کو اس دعا پر ختم کرتا ہوں کہ اے قادر اور کامل خدا جو ہمیشہ نبیوں پر ظاہر ہوتا رہا اور ظاہر ہوتا رہیگا یہ فیصلہ جلد کر کہ پگٹ اور ڈوئی کا جھوٹ لوگوں پر ظاہر کر دے۔ کیونکہ اس زمانہ میں تیرے عاجز بندے اپنے جیسے انسانوں کی پرستش میں گرفتار ہو کر تجھ سے بہت دُور جا پڑے ہیں سو اے ہمارے پیارے خدا انکو اس مخلوق پرستی کے اثر سے رہائی بخش اور اپنے وعدوں کو پورا کر جو اس زمانہ کے لیے تیرے تمام نبیوں نے کیے ہیں ان کانٹوں میں سے زخمی لوگوں کو باہر نکال اور حقیقی نجات کے سرچشمہ سے انکو سیراب کر کیونکہ سب نجات تیری معرفت اور تیری محبت میں ہے کسی انسان کے خون میں نجات نہیں۔ اے رحیم کریم خدا انکی مخلوق پرستی پر بہت زمانہ گذر گیا ہے اب

انپر تُو رحم کر اور انکی آنکھیں کھولدے۔ اے قادر اور رحیم خدا سب کچھ تیرے ہاتھ میں ہے اب تُو ان بندوں کو اس اسیری سے رہائی بخش اور صلیب اور خون مسیح کے خیالات سے انکو بچالے۔ اے قادر کریم خدا انکے لیے میری دعا سن اور آسمان سے انکے دلوں پر ایک نور نازل کر تا وہ تجھے دیکھ لیں کون خیال کر سکتا ہے کہ وہ تجھے دیکھیں گے کس کے ضمیر میں ہے کہ وہ مخلوق پرستی کو چھوڑ دینگے اور تیری آواز سنیں گے پر اے خدا تُو سب کچھ کر سکتا ہے تُو نوحؑ کے دنوں کی طرح ان کو ہلاک مت کر کیونکہ وہ تیرے بندے ہیں بلکہ انپر رحم کر اور انکے دلوں کو سچائی کے قبول کرنیکے لیے کھولدے۔ ہر ایک قفل کی تیرے ہاتھ میں کنجی ہے جبکہ تُو نے مجھے اس کام کیلیے بھیجا ہے سو میں تیرے منہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں نامرادی سے مروں اور میں یقین رکھتا ہوں کہ جو کچھ اپنی وحی سے مجھے تُو نے وعدے دیئے ہیں ان وعدوں کو تُو ضرور پورا کرے گا کیونکہ تو ہمارا خدا صادق خدا ہے۔ اے میرے رحیم خدا اس دنیا میں میرا بہشت کیا ہے بس یہی کہ تیرے بندے مخلوق پرستی سے نجات پاجائیں سو میرا بہشت مجھے عطا کر اور ان لوگوں کے مردوں اور ان لوگوں کی عورتوں اور انکے بچوں پر یہ حقیقت ظاہر کردے کہ وہ خدا جسکی طرف توریت اور دوسری پاک کتابوں نے بلایا ہے اس سے وہ بیخبر ہیں اے قادر کریم میری سن لے کہ تمام طاقتیں تجھکو ہیں آمین ثم آمین۔

اس اشتہار میں جس کے لیے لمبے اقتباس اخبار گلاسگو ہیرلڈ اور نیو یارک کمرشل ایڈورٹائزر سے ہم پہلے دے چکے ہیں۔ مفصلہ ذیل امور خاص طور پر قابل توجہ ہیں۔

(۱) یہ اشتہار پہلی چٹھی کی طرح صرف ایک چیلنج یعنی مباہلہ کی دعوت ہی نہ تھی بلکہ جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے اس میں ڈوئی کے انجام اور اس کی ہلاکت کی صریح خبر موجود تھی۔

(۲) مندرجہ ذیل الفاظ خاص طور پر توجہ کے قابل ہیں "مسٹر ڈوئی اگر میری درخواست مباہلہ قبول کریگا اور صراحتاً یا اشارتاً میرے مقابلہ پر کھڑا ہوگا تو میرے دیکھتے دیکھتے بڑی حسرت اور دکھ کے ساتھ اس دنیائے فانی کو چھوڑ دے گا"۔ پس پیشگوئی صاف الفاظ میں یہ تھی کہ خواہ صراحتاً یا اشارتاً ڈوئی مقابلہ پر کھڑا ہوا تو اسکا انجام بڑی حسرت اور دکھ کے ساتھ ہوگا اور وہ مسیح موعودؑ کی زندگی میں اور انکی آنکھوں کے سامنے ہلاک ہوگا۔

(۳) خواہ ڈوئی موت سے بھاگنا چاہے مگر وہ بھاگ نہیں سکتا "یقین سمجھو کہ اس کے صیہون پر جلد تر ایک آفت آنیوالی ہے"

(۴) حضرت مسیح موعودؑ نے ڈوئی کی طرف سے مباہلہ کے جواب کا انتظار نہیں کیا بلکہ اپنی طرف سے مباہلہ کر دیا اور خدا کے فیصلہ کے لیے جو ڈوئی کے جھوٹ کو ظاہر کرنیوالا ہو اپنی طرف سے دعا شایع کر دی۔ قبل اس اشتہار کی اشاعت کے امریکہ کے تمام اخباروں میں پہلے چیلنج کے متعلق شور پڑ چکا تھا اور چاروں طرف کے اخباروں میں یہ سوال پوچھا جا رہا تھا کہ ڈوئی نے کیا جواب دیا ہے دوسری طرف ۲۳- اگست کو تازہ اشتہار بھی شایع کیا گیا اور ڈوئی اور اس کے مریدوں کو بھی کثرت سے بھیجا گیا۔ اسپر ۲۶ ستمبر ۱۹۰۳ء کو ڈوئی نے اپنے اخبار میں اپنی عادت کے مطابق بدزبانی کے ساتھ یہ جواب دیا۔ "لوگ

مجھے بعض اوقات کہتے ہیں کہ کیوں تم فلاں فلاں بات کا جواب نہیں دیتے۔ جواب: کیا تم خیال کرتے ہو کہ میں ان کیڑوں مکوڑوں کو جواب دونگا۔ اگر میں اپنا پاؤں ان پر رکھوں تو ایک دم میں انکو کچل سکتا ہوں۔ مگر میں انکو موقع دیتا ہوں کہ میرے سامنے سے دور چلے جائیں اور کچھ دن اور زندہ رہ لیں۔‘‘ پھر اسکے بعد اپنے اخبار میں حضرت مسیح موعودؑ کا ذکر کرکے آپ کو ’’بیوقوف محمدی مسیح‘‘ کے نام سے پکارا۔ اور ۱۲۔ دسمبر ۱۹۰۳ء کو لکھا کہ ’’اگر میں خدا کی زمین پر خدا کا پیغمبر نہیں تو پھر کوئی بھی نہیں۔‘‘ دوسری طرف اسلام کی تباہی کی پیشگوئی پر بھی اسی طرح اصرار رہا چنانچہ جنوری ۱۹۰۴ء کے ایک پرچہ میں اس نے لکھا ’’میرا یہ کام ہے کہ لوگوں کو مشرق اور مغرب سے اور شمال اور جنوب سے نکال کر جمع کروں اور انکو اس صیہون اور دوسرے ایسے صیہون کے شہروں میں آباد کروں یہانتک کہ وہ وقت آجاوے کہ جب تمام مسلمان صفحۂ دنیا سے نابود کر دیئے جاویں۔ اے خدا تو ہمیں وہ وقت دکھا۔‘‘ ایسا ہی ۵ دسمبر ۱۹۰۳ء کو اس نے اپنی یہ خواب شایع کی کہ ایک فرشتہ نے مجھے کہا ہے کہ تو اپنے دشمنوں پر غالب آئیگا۔ یہ خواب اس مفتری نے محض حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئی کے لیے بطور جواب شایع کی تھی۔ کیونکہ اس پیشگوئی میں اسکی ہلاکت کی خبر تھی۔

اب ان تمام امور پر ٹھنڈے دل سے غور کرو۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی طرف سے مباہلہ شایع کر دیا۔ اور یہ پیشگوئی کی کہ اگر ڈوئی اشارتاً بھی اب مقابلہ پر آیا تو وہ بڑی حسرت اور دُکھ کے ساتھ آپ کی آنکھوں کے سامنے نیست و نابود کر دیا جاویگا اور اس کے صیہون پر سخت آفت آویگی۔ دوسری طرف ڈوئی نے بھی اگرچہ کھلے الفاظ میں مباہلہ کو قبول نہ کیا کیونکہ وہ جھوٹا تھا اور اسکا دل اندر سے ڈرتا تھا۔ مگر وہ بے ادبی کے الفاظ میں حضرت مسیح موعودؑ کا ذکر کرتا رہا اور بڑے تحقیر آمیز الفاظ میں کیڑوں اور مکوڑوں کے ساتھ آپ کو مشابہت دیکر یہ کہا کہ میں ایسی باتوں کا کھلے لفظوں میں جواب دینا بھی اپنی ہتک سمجھتا ہوں۔ اور پھر اپنی طرف سے یہ خواب بھی شایع کی کہ میں غالب آؤنگا جو گویا حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئی کا کہ وہ ہلاک ہوگا جواب تھا۔ اور خدا سے یہ دعا بھی مانگی کہ اے خدا تو ہمیں جلد وہ دن دکھا کہ سارے مسلمان ہلاک ہوں جن میں وہ حضرت مسیح موعودؑ کو شامل سمجھتا تھا۔ پس یہ تمام باتیں صفائی سے ثابت کرتی ہیں کہ ڈوئی نے اپنے آپ کو حضرت مسیح موعودؑ کے مباہلہ اور آپ کی پیشگوئی کا نشانہ بنایا اور وہ آپ کے بالمقابل نکل کھڑا ہوا اور آپکی اور تمام مسلمانوں کی ہلاکت کے لیے دعائیں بھی کیں اور ان دعاؤں کو شایع بھی کیا۔ پس پیشگوئی کا امریکہ وغیرہ ممالک میں شایع ہونا بڑی صفائی سے ثابت ہے۔ اب دوسری بات یہ دیکھنی ہے کہ آیا یہ پیشگوئی پوری بھی ہوئی یا نہیں۔ پیشگوئی کا ماحصل یہ تھا کہ ڈوئی جو حضرت مسیح موعودؑ سے عمر میں قریباً گیارہ سال چھوٹا تھا آپ کی زندگی میں مر جائیگا۔ اور کہ وہ شخص جو پیشگوئی کے شایع ہونیکے وقت بادشاہوں کی طرح محلوں میں رہتا تھا اور جس کے اشارہ پر ہزارہا آدمی اسکے آگے جھک جاتے تھے جس کا روپیہ کروڑوں میں گنا جاتا تھا اور جس کی صحت نہایت اعلیٰ درجہ کی تھی اور جس کا نہ صرف یہی دعویٰ تھا کہ میں ہر قسم کی بیماریوں سے محفوظ رہونگا بلکہ وہ یہ بھی کہتا تھا کہ میں لوگوں کو بھی بیماریوں سے شفا دے سکتا ہوں وہ شخص

انجام کار اسی زندگی میں بڑی بڑی حسرتیں اور دُکھ اُٹھائیگا اور وہ صیہون جسے وہ مسیح کے آنیکے لیے تیار کر رہا تھا اسپر آفت آئے گی۔ اب جو حالات ڈوئی کی پیشگوئی کے بعد اخباروں میں شایع ہوتے رہے ہیں وہ نہایت صفائی سے اس پیشگوئی کے پورا ہونیکو ثابت کر رہے ہیں۔ پیشگوئی کے شایع ہونیکے وقت یعنی اگست ۱۹۰۳ء میں ڈوئی کے اس کے اپنے بیان کے مطابق ایک لاکھ سے زیادہ مرید تھے۔ سفر میں اسکی ذاتی ضروریات کیلیے ایک اتنا بڑا عملہ افسروں اور ملازموں کا اسکے ساتھ رہتا تھا جیسے کسی نواب یا راجہ کے ساتھ۔ اس کے واعظ دنیا کی تمام ممالک میں اور خصوصاً عیسائی ممالک میں بکثرت پھیلے ہوئے تھے جنکی تنخواہیں وہ دیتا تھا۔ صیہون میں اس کے کارخانے لاکھوں روپئے کما رہے تھے۔ ایک صیہون کے شہر کا تو وہ واقعی مالک تھا مگر اس کے ساتھ ہی وہ اور بھی کئی اس قسم کے صیہون آباد کرنیکی تجاویز کر رہا تھا۔ وہ ایسا مضبوط تھا اور اس کی جسمانی صحت ایسی اچھی تھی کہ وہ بیماری کو شیطان کی طرف منسوب کر کے کہا کرتا تھا کہ میں کبھی بیمار نہیں ہونگا۔ پیشگوئی کے شایع ہونیکے دو سال بعد تک اسکی دولت اور اسکے سلسلہ میں ویسی ہی ترقی رہی (اگرچہ یہ فوری اثر ہوا تھا کہ وہ انہی دنوں میں یعنی پیشگوئی کے شایع ہونیکے معاً بعد ولدالزنا ثابت ہوا۔ اور اس نے اپنی ماں پر آپ زنا کی تہمت لگائی اور خود اخباروں میں اس بات کو شایع کیا کہ جس شخص کے ساتھ اسکی ماں کا نکاح ہوا تھا وہ اسکا اصلی باپ نہ تھا بلکہ اس کی ماں کا نکاح سے پہلے کسی دوسرے امیر آدمی کے ساتھ ناجائز تعلق تھا اور وہ نکاح کے ایک یا دو مہینہ بعد ہی پیدا ہو گیا تھا مگر چونکہ عیسائی ممالک میں نہ زنا کاری کو عیب سمجھا جاتا ہے اور نہ ولدالزنا ہونیکو کوئی ذلت خیال کیا جاتا ہے اس لیے ہم نے اس بات کا تذکرہ انگریزی اشتہار میں نہیں کیا۔ ان ممالک میں کثرت فسق و فجور سے ان باتوں کو عیب کی باتیں نہیں سمجھا جاتا۔ اس لیے اگرچہ یہ واقعی ایک بڑی بھاری ذلت تھی جو مباہلہ اور پیشگوئی کا فوری اثر تھا مگر ہم نے اس قوم کے اخلاقی حالات کے لحاظ سے اسکا تذکرہ نہیں کیا) سب سے پہلی بڑی مصیبت جو عذاب کے رنگ میں اسپر وارد ہوئی وہ فالج کا گرنا تھا جو یکم اکتوبر ۱۹۰۵ء کو ہوا۔ پھر ایک دوسرا حملہ فالج کا اسپر ۱۹۔ دسمبر کو اسی سال میں ہوا اور اس حملے نے اسے اُٹھنے کے قابل نہ چھوڑا اور نہ ہی وہ کسی کام کے قابل رہا۔ پس جب وہ سخت بیماری سے بالکل لاچار ہو گیا تو صیہون کے کاروبار کو اپنے ماتحتوں کو سپرد کر کے خود ایک جزیرہ میں جس کی آب و ہوا صحت کے لحاظ سے اچھی تھی چلا گیا۔ مگر یہ اس کے دُکھوں اور مصیبتوں کا انتہا نہ تھا بلکہ ابتدا ہی ثابت ہوا۔ اور اسکے بعد وہ دُکھ اور حسرتیں اس نے اُٹھائیں جو اس سے پہلے کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھیں۔ جب وہ صیہون کو چھوڑ کر چلا گیا تو اس کے مریدوں کو معلوم ہوا کہ اس کی اندرونی زندگی نہایت ناپاک اور سیاہ کاری کی تھی۔ اور اسپر نہایت خطرناک الزام لگائے گئے۔ معلوم ہوا کہ جب وہ مریدوں کو شراب بلکہ تمباکو نوشی سے بھی روکتا تھا تو خود گھر جا کر مزے سے شراب پیا کرتا تھا چنانچہ اسکی کوٹھڑی سے جس میں وہ کسی دوسرے کو جانیکی اجازت نہ دیتا تھا شراب برآمد بھی ہوئی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کے تعلقات بعض کنواری لڑکیوں سے مشکوک تھے۔

اور وہ تجویز کرنی چاہتا تھا کہ سات کنواری لڑکیاں اس کی خدمت میں رہا کریں۔ قریب پچاسی لاکھ روپئے کی اسکی خیانت بھی ثابت ہوئی کیونکہ یہ روپیہ صیہون کے حساب میں سے کم تھا۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ ایک لاکھ سے زیادہ روپیہ اس نے صرف بطور تحائف خوبصورت صیہون کی عورتوں کو دیدیا تھا۔ ان الزامات سے ڈوئی اپنی بریت ثابت نہ کرسکا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اسکے مرید سارے کے سارے اسکی ان ناپاک اور گندی کارروائیوں سے اس سے مرتد ہو گئے اور اسکو گالیاں دیتے تھے اور اسکے بیٹے اور عورت نے بھی ان الزامات کی تائید میں اسکی خفیہ کارروائیوں کا اظہار کیا۔ اسطرح چند ماہ کے عرصہ میں ہی اسکی ساری عزت خاک میں مل گئی۔ کروڑوں روپیوں میں سے ایک پیسہ بھی اس کے ہاتھ میں نہ رہا اور سارے مرید یکمرتبہ ہی اس سے بیزار ہو گئے۔ اور اسکی سیاہ کاریاں جو اسکے اپنے مریدوں نے ظاہر اور شایع کیں ساری دنیا نے دیکھیں اور اسپر لعنت بھیجی۔ اس سے بڑھکر دُکھوں اور حسرتوں کا اور کیا نقشہ ہوسکتا ہے؟ ڈوئی نے یہ کوشش کی کہ عدالتوں کے ذریعہ صیہون پر اور روپئے پر قبضہ حاصل کرے مگر اس میں بھی اسے ناکامی ہوئی۔ وہ صیہون کا شہر جہاں ہزاروں آدمی اس کے اشارے پر جُھکا کرتے تھے جب وہ واپس اس شہر میں آیا تو ایک بھی آدمی اس کے استقبال کیلیے موجود نہ تھا۔ اس نے چاہا کہ اپنے مریدوں کے سامنے اپیل کرکے انکو پھر اپنا مطیع کرے مگر چاروں طرف اسکے لیے مایوسی ہی مایوسی تھی۔ جسمانی طور پر اسکی حالت ایسی خراب ہو گئی تھی کہ وہ خود اُٹھکر ایک قدم بھی نہ چل سکتا تھا بلکہ اسکے حبشی ملازم اسے ایک جگہ سے اُٹھاکر دوسری جگہ لیجاتے تھے۔ تین ہی چیزوں پر اسے ناز تھا اور تینوں اسکے پاس نہ رہیں نہ صحت رہی نہ دولت رہی نہ مرید رہے۔ اور اسطرح چند ہی ماہ میں ایک بڑے عروج کی حالت سے وہ سخت ذلت کی حالت میں گر گیا۔ چاروں طرف سے حسرتیں اور دُکھ ہی اسکو نظر آتے تھے اور اسکی یہ حالت تھی کہ اسی دنیا میں وہ دوزخ میں پڑا ہوا تھا۔ دُکھ اور مصیبتیں انتہا کو پہنچ گئیں۔ اس کے بعد وہ دیوانہ ہو گیا اور حواس بالکل جاتے رہے اور یہ اسکی زندگی کی آخری حالت تھی۔ اور اب اسکی موت کے ساتھ اس عظیم الشان پیشگوئی کے پورا ہونے کی تکمیل ہو گئی ہے۔ اسکی موت کا واقعہ ۹ مارچ ۱۹۰۷ء کی صبح کو آٹھ بجے کے قریب ہوا۔

جسقدر شہرت ڈوئی نے حاصل کی وہ بہت بڑی شہرت تھی مگر اسکی ذلت جو پیشگوئی کے بعد ظاہر ہوئی وہ اس پہلی شہرت سے بھی بڑھ گئی۔ اس کا عروج اور ترقی واقعی حیرت انگیز تھے مگر اس سے کہیں بڑھ کر حیرت انگیز اسکا دُکھوں اور مصیبتوں میں گرفتار ہونا تھا۔ اسکا دعویٰ یہ تھا کہ میں الیاس ہوں اور مسیح کی آمد کے لیے راستہ تیار کرنے اور برگزیدوں کو جمع کرنے آیا ہوں اور ایک لاکھ سے زیادہ آدمی اسکے ساتھ بھی ہو گئے مگر جب پیشگوئی کے پورا ہونیکا وقت آیا تو اسکی تمام جماعت نے ہی اسکو مفتری ٹھہرایا اور اسکے خدا کی طرف سے ہونے سے انکار کیا۔ وہ دعویٰ کرتا تھا کہ میں یسوع مسیح کا رسول ہوں اور یسوع مسیح کی طرح میری زندگی بھی گناہوں سے پاک ہے اور دوسروں کیلیے

ویسا ہی نمونہ ہے جیسے مسیح کی زندگی تھی مگر اس کے اپنے بیٹے اور عورت نے اسکی خفیہ سیاہ کاریوں کو طشت از بام کیا اور تمام دنیا نے دیکھ لیا کہ جو کچھ وہ وعظ کرتا تھا خفیہ طور پر اسکے خلاف عمل کرتا تھا۔ وہ دعویٰ کرتا تھا کہ بیماری گناہ ہے اور کہ میں لوگوں کی بیماریاں محض اپنی دعا سے اچھی کر سکتا ہوں مگر نہ صرف اسکی لڑکی ہی اس کی آنکھوں کے سامنے چیخ چیخ کر ہلاک ہو گئی اور وہ کچھ نہ کر سکا بلکہ جب وہ خود مفلوج ہوا تو نہ اسکی اپنی دعائیں اور نہ ہی اسکے ایک لاکھ مریدوں کی دعائیں کچھ اثر کر سکیں حالانکہ اس کے مفلوج ہونے سے اس کے تمام دعووں پر پانی پھر جاتا تھا۔ وہ دعویٰ کرتا تھا کہ تمام مسلمان میری آنکھوں کے سامنے ہلاک ہو جائیں گے۔ مگر وہ خود اسلام کے سچے مسیح کی آنکھوں کے سامنے اسکی پیشگوئی کے مطابق طرح طرح کی حسرتیں اور دُکھ اُٹھا کر ہلاک ہو گیا۔ اسکی موت کے سوال کو الگ رکھ کر بھی اگر غور کیا جاوے تو اسکی نظیر ملنی مشکل ہے کہ ایک انسان اوج ترقی سے یکمرتبہ اس طرح قعر ذلت میں گر گیا ہو۔ یہ تھا ایک برگزیدہ کے مباہلہ کا اثر۔

وہ خدائی فیصلہ جو حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی دعا میں اللہ تعالیٰ سے مانگا تھا کہ ای خدا تو کھلے طور پر ڈوئی کے جھوٹ کو دنیا پر ظاہر فرما وہ فیصلہ ظاہر ہو چکا ہے۔ اور جو پیشگوئی اسکے انجام کے متعلق تین سال پہلے امریکہ اور یورپ میں شایع ہو چکی تھی وہ نہایت صفائی سے پوری ہو چکی ہے۔ پیشین گوئی میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ ڈوئی حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی میں بڑے بڑے دُکھ اُٹھا کر اور بڑی بڑی حسرتوں کے ساتھ ہلاک ہو جائیگا۔ پیشگوئی کے یہ لفظ تھے کہ وہ میری آنکھوں کے سامنے اور میرے دیکھتے دیکھتے حسرت اور دکھ کے ساتھ اس دنیا کو چھوڑ جائیگا۔ یہ ایسے لفظ ہیں جن کے نہ کوئی دوسرے معنے ہو سکتے ہیں اور نہ ہی وہ کسی تشریح کے محتاج ہیں۔ یہ الفاظ ایسے وقت میں شایع کیے گئے تھے جب ڈوئی کے عروج کا ستارہ اوج پر تھا اور یہ وہم بھی نہ ہو سکتا تھا کہ وہ ایسا ذلیل ہو جائیگا ہاں اسکے انجام سے سوائے عالم الغیب خدا کے کوئی واقف نہ تھا۔ اور اس نے جیسا کہ وعدہ فرمایا ہے کہ لا یظھر علیٰ غیبہ احدا الا من ارتضیٰ من رسول اپنے ایک برگزیدہ رسول پر اس انجام کو ظاہر فرمایا اور یہ بھی بتا دیا کہ وہ خدا کے سچے مرسل کے سامنے ہلاک ہوگا۔ فانی انسان اپنے محدود علم سے کبھی ایسی دُور از قیاس بات اور آیندہ کے مخفی اور باریک رازوں پر آگاہی پا سکتا تھا۔ کچھ عرصہ گذرتا ہے جب ڈوئی ان خطرناک مصایب اور ذلتوں کا شکار ہو رہا تھا۔ تو اسوقت بھی ہم نے اس پیشگوئی کا ذکر کیا تھا جس پر امریکہ کے ایک اخبار نے یہ لکھا تھا کہ ڈوئی جیسے مفتری کے لیے ایسے انجام کا بتا دینا کچھ غیر معمولی بات نہیں تھی۔ اور کہ ہر شخص کہہ سکتا تھا کہ ڈوئی کا انجام نہایت بُرا ہوگا۔ ایسا دعویٰ کرنا تو ایک آسان امر ہے مگر اسکو ثابت کر دکھانا محال ہے۔ اگر واقعی ہر شخص ایسا کہہ سکتا تھا تو زیادہ نہیں دو چار آدمیوں کی ہی ایسی شہادت دکھائی جاوے جنہوں نے یہ لکھا ہو کہ ڈوئی بڑی بڑی حسرتوں کے ساتھ اور سخت دُکھ اُٹھا کر ان کے

دیکھتے دیکھتے اور انکی آنکھوں کے سامنے مر جائیگا۔ قیاس سے کوئی انسان اس نتیجہ پر نہ پہنچ سکتا تھا۔ بلکہ باوجود اخباروں کی مخالفت کے اسکا کام دن بدن ترقی پر تھا مریدوں کی تعداد روز بروز بڑھتی چلی جارہی تھی۔ اور روپیہ زیادہ سے زیادہ چلا آتا تھا۔ باوجود مخالفت کے وہ کروڑپتی آدمی اور ایک شہر کا مالک بن گیا۔ باوجودیکہ اخبار والے بہتیرا کچھ اسکی مخالفت میں لکھتے تھے پر اسکا اثر کچھ بھی نہ تھا کیونکہ اسکے مریدوں کی تعداد روزافزوں ترقی پر تھی یہانتک کہ تھوڑے ہی دنوں میں ایک لاکھ آدمی اسکو ساتھ ہوگئے۔ اور چھ کروڑ روپیہ اس کے پاس جمع ہوگیا۔ اور یہ مرید اسکے انہی لوگوں میں سے تھے جو بڑے مہذب اور تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں۔ پس جب تک کہ ڈوئی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقابلہ میں نہیں آیا۔ اسوقت تک وہ ترقی ہی کرتا چلا گیا۔ اگر کوئی اور شخص بھی ہے جس نے اس عروج اور اقبال کے وقت ڈوئی کی نسبت یہ پیشگوئی کی تھی کہ وہ سخت دکھوں اور حسرتوں کیساتھ ہلاک ہو جائیگا۔ اور یہ دُکھ اور حسرتیں پیشگوئی کرنیوالے کی زندگی میں ہی اسکو آئیں گی اور اسکی آنکھوں کے سامنے ہی وہ ہلاک بھی ہو جائیگا تو ہم یہ تسلیم کرلیں گے کہ واقعی اس پیشگوئی میں جو حضرت مسیح موعودؑ نے کی کوئی خارق عادت بات نہ تھی اور یہ محض انسانی عقل کا قیاس تھا۔ لیکن اگر ان ہزار ہا تحریروں میں سے جو ڈوئی کے متعلق لکھی گئی ہیں ایک بھی اس مضمون کی تحریر نہیں نکل سکتی تو ایک سمجھدار آدمی کا جس کے دل میں کچھ بھی خدا کا خوف باقی ہے یہ فرض ہے کہ وہ اس پیشگوئی کے منجانب اللہ ہونے کو تسلیم کرے اور اسکی سچائی کی شہادت کو ادا کرے اور ایسا ہی اس شخص کی صداقت کی شہادت ادا کرے جسپر یہ پیشگوئی اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمائی۔ ایک طالب حق کے لیے اس پیشگوئی کو منجانب اللہ سمجھنے کے لیے یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اسکا پورا ہونا ایسے واقعات کے ذریعہ سے ہوا جو معمولی حالات سے الگ تھے۔ ڈوئی کی ہلاکت کے سامان جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیے انپر غور کرکے ایک سمجھدار آدمی آسانی سے اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ یہ سامان خدائے تعالیٰ نے خاص طور پر پیدا کر دیے تھے۔ اور کسی معمولی واقعہ کا نتیجہ نہ تھے۔ بڑی تباہی جو اسکے صیہون پر آئی وہ یہ تھی کہ اسکے مرید اسکی سیاہ کاریوں پر اطلاع پاکر اس سے برگشتہ ہوگئے اگر وہ مرض فالج میں مبتلا نہ ہوتا تو اسکا سارا کاروبار بھی اپنے ہاتھ میں ہی رہتا اور اسکی مخفی کارروائیاں ظاہر نہ ہو سکتیں۔ پس عذاب الٰہی فالج کی صورت میں اسپر گرا اور اسی سے اسکی تمام تباہی کی بنیاد پڑی جب مرید برگشتہ ہوگئے اور سارا روپیہ اور حکومت اس کے ہاتھ سے جاتی رہی اور تمام دنیا میں اسکی ذلت ہوگئی تو اس صدمہ سے وہ دیوانہ اور آخر کار ہلاک ہوگیا۔ یہ واقعات خود بتاتے ہیں کہ اسکی ہلاکت معمولی طور پر نہیں ہوئی اگر ایسا ہوتا کہ اس عروج اور اقبال کی حالت میں ڈوئی کسی معمولی مرض سے مر جاتا تو پیشگوئی جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ وہ بڑی بڑی حسرتیں اور دُکھ اُٹھائیگا پوری نہ ہوتی۔ مگر منشاء ایزدی یہی تھا کہ یہ پیشگوئی پوری شدومد کے ساتھ اور نہایت صفائی سے پوری ہو۔ اسلیے یہ تمام غیر معمولی واقعات اور سامان اللہ تعالیٰ نے پیدا کر دیے۔

اب ہم نے وہ تمام واقعات بیان کر دیئے ہیں جن سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ڈوئی کے متعلق پیشگوئی کا شایع ہونا اور پورا ہونا ثابت ہوتا ہے اور اس بات کو ناظرین پر چھوڑتے ہیں کہ ان واقعات سے جو نتیجہ معقولی طور پر اور انصاف کے ساتھ نکل سکتا ہے وہ نکالیں۔ اخبار اسنئہ کا یہ فرض ہے کہ ان واقعات کو اصلی رنگ میں پبلک کے سامنے پیش کریں۔ خصوصاً ان اخبار اسنئہ کا جنہوں نے خود قبل از وقت اس پیشگوئی کو شایع کیا اور اس مباہلہ کا اعلان کیا جو ڈوئی کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا تھا۔ اب اس کے پورا ہونے پر پبلک کو اطلاع دینا بھی انکا فرض ہے۔ صرف اتنی بات سے کہ یہ مباہلہ اسلام اور عیسائیت کے دو وکیلوں کے درمیان تھا اور وکیل اسلام کو خدا نے اس میں غلبہ دیا حق کے اظہار سے رُک جانا جوانمردی کا کام نہیں۔ خدائے تعالیٰ نے اس مباہلہ میں اپنا فیصلہ ظاہر فرمایا ہے اور ہر ایک خدا ترس کو خدائی فیصلہ کی عزت کرنی چاہیئے۔ یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ کسی شخص کو ہلاک کر کے نشان ظاہر کرنا خدائے تعالیٰ کی صفت رحم کے مخالف ہے۔ کیونکہ ایک شخص کی ہلاکت میں ہزاروں کی زندگی ہے اور یہ محض اس کا رحم ہے کہ ایک مفتری اور مجرم کو ہلاک کر کے ہزاروں کو زندگی کی راہ دکھائی۔

اس کے بعد ہم نے اس اشتہار میں حضرت اقدسؑ کی دو تازہ پیشگوئیاں جو یورپ اور امریکہ کے متعلق ہیں بیان کی ہیں یعنی ایک تو بڑے بڑے زلزلوں کے آنیکی پیشگوئی۔ اور دوسری یورپ اور دیگر عیسائی ممالک میں طاعون کے پھیلنے کی پیشگوئی۔ چونکہ یہ پیشگوئیاں اردو رسالے میں الگ سلسلہ الہامات میں شایع ہو گئی ہیں اسلیے یہاں انکے درج کرنیکی ضرورت نہیں۔ مگر ایک اور ضرورت اسجگہ محسوس ہوئی ہے اور وہ یہ کہ بعض لوگوں نے انکار کیا ہے کہ ڈوئی کے متعلق کوئی پیشگوئی شایع نہیں ہوئی سو ذیل میں دو اخباروں سے اقتباس ہم درج کرتے ہیں جن میں ایک انگلستان کا اخبار اور ایک امریکہ کا اخبار ہے۔ جن میں اس اشتہار کی جو اوپر ہم نے نقل کیا ہے بعض عبارتیں نقل کر کے ریمارک کیے گئے ہیں جس شخص میں کچھ بھی شرم و حیا کا مادہ ہے وہ ان اقتباسوں کو پڑھنے کے بعد پیشگوئی کی قبل از وقت اشاعت سے انکار نہیں کر سکتا۔ اخبار گلاسگو ہیرلڈ مورخہ ۲۷۔ اکتوبر ۱۹۰۳ء لکھتا ہے "ڈ زنامہ نگار لنڈن) پچھلے چند ہفتوں میں ایک اشتہار بعنوان "ڈوئی کے متعلق مسیح موعودؑ کی پیشگوئیاں" ممالک یورپ و امریکہ میں مشتہری کی غرض سے قادیان ملک پنجاب سے شایع ہوا ہے۔ یہ ایک عجیب قابل ذکر تحریر ہے جو [illegible] صفحہ کا پرچہ ہے زبان انگریزی میں بمقام لاہور چھپی ہے۔ لیکن مسیح موعودؑ ایشیا کا رہنے والا ہے کیونکہ اس پرچہ میں [illegible] درج ہے اور پیشگوئی کے نیچے مرزا غلام احمدؐ صاحب کے دستخط ثبت ہیں۔

"عیسائی مذہب کی غلطی"۔ یہ امر خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ اس اشتہار کے مضمون کو [illegible] کسی قسم کی رائے زنی کے لکھا جاوے دعوی پیش کردہ میں کسی قسم کے شک کی گنجایش نہیں۔ مرزا غلام احمد [illegible] صاحب [illegible] کی اور تفصیل سے ظاہر کرتے ہیں کہ میں وہی مسیح موعود ہوں جس نے آخری زمانہ میں آنا تھا۔ لیکن مسیح کے [illegible]

خیال کے عیسائیوں کے خیال سے انکا خیال مختلف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ بالکل غیر ممکن ہے کہ انسان خدا بن جائے۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شدید اور گہرا تعلق پیدا کرلے اور اس طرح سے خدائے تعالیٰ کا مظہر ہوجاوے۔ بعض اوقات ایسے انسان سے صفات الٰہی ظاہر ہوجاتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صورت کا عکس اسکے آئینہ دل پڑتا ہے اور ساتھ ہی اس کے انسانی صفات بھی ظہور میں آتی ہیں کیونکہ فطرتاً وہ ایک بشر ہوتا ہے یہی باعث ہے کہ جن لوگوں کی روحانیت میں کم دخل ہے وہ ایسے انسان کے بارہ میں دھوکہ کھاجاتے ہیں کیونکہ انکی ایک جانب نظر ہوتی ہے اور دوسری طرف سے بالکل اندھے ہوتے ہیں ایک انسان میں صفات الٰہی کا انعکاس پاکر اس ظل کو اصل خیال کرنے لگ جاتے ہیں اور ایسے شخص کو واقعی خدا تعالیٰ سمجھتے ہیں لیکن عیسائیوں کا وہ فرقہ جنہوں نے حضرت مسیح کو خدا بنایا ہے جس غلطی میں وہ پڑے ہوئے ہیں اور جو دھوکہ انکو لگا ہے وہ دیگر تمام مشرک قوموں کی غلطی اور دھوکہ سے بدرجہا بڑھ کر ہے۔ مرزا غلام احمد صاحب کے نزدیک جو بات عیسائی مذہب کے متعلق بہت مایوسی پیدا کرنیوالی ہے وہ یہ ہے کہ جب عیسیٰ کی خدائی کا جھوٹا عقیدہ موجودہ ترقی یافتہ زمانہ کی طبایع کے نزدیک قبول کرنیکے قابل نہ رہا تو ایک جھوٹے خیال کو قایم رکھنے کیلیے نئے نئے بیہودہ طریق پیش کیے جاتے ہیں اور ایک جھوٹے عقیدہ کو بحال رکھنے کیلیے نئے جھوٹے دعوی تراشے جاتے ہیں

ڈاکٹر ڈوئی اور مسٹر پگٹ:- مرزا غلام احمد صاحب کے نزدیک سخت قابل نفرت اور نہایت بیہودہ دعاوی وہ ہیں جو ڈاکٹر ڈوئی اور مسٹر پگٹ نے کیے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ یورپ میں مسٹر پگٹ مسیحیت و خدائی کا دعوی کرتا ہے اور اپنے آپ کو زمین و آسمان کا مالک قرار دیتا ہے۔ اور مغربی کرہ میں چکاگو کا ڈاکٹر ڈوئی کھڑا ہوا ہے اور کہتا ہے کہ میں الیاس ہوں جس نے یسوع مسیح سے پہلے آنا تھا۔ اور ۲۵ سال آیندہ کے اندر یسوع مسیح کی آمد کی پیشگوئی کرتا ہے۔ اس کام کے اختیار کرنے میں ان دو جھوٹے دعوے کرنیوالوں نے جو دلیری کی ہے اس میں ایک خفیف سا فرق ہے۔ سکاٹ لینڈ کا مفتری یعنی ڈوئی کمزور دل معلوم ہوتا ہے زیادہ سے زیادہ اسکا یہ دعوی ہے کہ وہ بحیثیت ایک نوکر کے اپنے مالک (مسیح) کے واسطے راستہ تیار کرنے آیا ہے لیکن الیاس ہونیکا دعوی کرنے میں بھی بزدلی دکھلاتا ہے۔ مسٹر پگٹ ڈوئی سے زیادہ دلیر ہے۔ یعنی جھوٹے دعوے کے کرنے میں اسنے زیادہ دلیری اور جرأت دکھلائی ہے اور کہتا ہے کہ میں وہی مسیح ہوں جو پہلے آیا تھا۔ نہیں بلکہ اس سے بھی بڑھکر وہ خود خدا ہونے کا دعویدار ہے یہ تمام اسکی لغویات اور کفر کی باتیں ہیں۔

در صدہا نشانات آسمانی:- مرزا غلام احمد صاحب کہتے ہیں کہ اس لیے کہ زمین بدکاریوں اور جھوٹے عقیدوں اور جھوٹے دعووں سے آلودہ ہوگئی تھی سچا مسیح سرزمین پنجاب میں نازل کیا گیا ہے۔ اگرچہ وہ خدائی کا دعویٰ نہیں کرتا۔ لیکن اسکا مسیحیت کا دعویٰ بھی اپنی طرف سے نہیں ہے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ میری تائید میں جو سیکڑوں نشانات آسمانی ظاہر ہوئے ہیں انکے ذریعے اللہ تعالیٰ نے میری صداقت کی شہادت دی ہے۔ میں سچ سچ کہتا

ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جو برکات و فضل مجھ پر نازل کیے ہیں وہ ان فضلوں سے بدرجہا بڑھکر ہیں جو اس مسیح پر نازل ہوئے تھے جو مجھ سے پہلے گذر چکا ہے۔ میرے وجود کے آئینہ میں اللہ تعالیٰ کے چہرہ کا عکس اس پہلے یسوع کی نسبت بہت زیادہ پڑا ہے۔ اگر یہ تمام میری اپنی ہی لاف وگزاف ہے جس کی اور کوئی سند نہیں تو میں جھوٹا ہوں لیکن اگر اللہ تعالیٰ میری صداقت کی شہادت دیتا ہے تو کوئی نہیں جو مجھے جھٹلا سکے۔

"دعوت مقابلہ:۔ خصوصاً ڈاکٹر ڈوئی اور مسٹر پگٹ کی قسمت کا فیصلہ مسیح موعود کی صداقت کا ایک نشان ہوگا۔ مترجم کے نوٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ ستمبر سال گذشتہ میں بذریعہ ایک ماہواری رسالہ آمی ریویو آف ریلیجنز قادیان کے مسیح موعود کی جانب سے ڈاکٹر ڈوئی کو دعوت مقابلہ کی گئی تھی۔ کیونکہ ڈاکٹر ڈوئی نے پیشگوئی کی تھی کہ تمام مسلمان ہلاک ہو جاویں گے اس لیے کہ وہ یسوع مسیح کو خدا اور ڈوئی کو الیاس نہیں مانتے اس تحریک سے جو دعوت مقابلہ کی گئی اس کے الفاظ یہ ہیں۔ "اس امر کا فیصلہ کہ مسلمانوں کا خدا سچا خدا ہے یا ڈوئی کا خدا سچا ہے ان لاکھوں جانوں کو ضایع کرنیکے بغیر بھی ہو سکتا ہے جن کے ضایع ہونے کی ڈوئی پیشگوئی کرتا ہے وہ طریق فیصلہ یہ ہے کہ عام مسلمانوں کی تباہی کی دھمکی دینے کی بجائے اسکو چاہیئے کہ وہ صرف مجھی حریف مقابل منتخب کرلے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ جو ہم دونوں میں سے جھوٹا ہے وہ پہلے ہلاک ہو جاوے۔ اس تجویز کے قرار دینے میں میں نے خود بخود ابتدا نہیں کی بلکہ ڈوئی کی جرأت کے سبب سے اللہ تعالیٰ کی غیرت نے چاہا ہے کہ ایسا ہی ہو"

"ایک پیشگوئی:۔ اس دعوت مقابلہ کا بظاہر کوئی نوٹس نہیں لیا گیا۔ لیکن بیان کیا جاتا ہے کہ یہ دعوت مقابلہ خالی از نتیجہ بھی نہیں رہی۔ کیونکہ ڈاکٹر ڈوئی نے اپنے فرقہ کے پرچہ نامی "لیوز آف ہیلنگ" کی گذشتہ اشاعت میں عیسائیوں کو تثلیث کے عقیدہ کا الزام دیا ہے اور یہودیوں اور مسلمانوں کے ساتھ جو توحید الٰہی پر ایمان رکھتے ہیں۔ ہمدردی ظاہر کی ہے۔ مرزا غلام احمد صاحب اپنی پیشگوئی مورخہ ۲۳- اگست گذشتہ میں ظاہر کرتے ہیں کہ وہ اپنی دعوت مقابلہ کے جواب کا سات ماہ آیندہ تک انتظار کریں گے۔ اگر اس عرصہ میں ڈاکٹر ڈوئی نے اس مقابلہ کو منظور کر لیا اور اسکی شرائط کو پورا کیا تو تمام دنیا اس مقابلہ کا انجام دیکھ لے گی۔ میری عمر ستر سال کے قریب ہے حالانکہ ڈاکٹر ڈوئی صرف ۵۵ سال کی عمر کا ہے۔ لیکن چونکہ اس امر کا انفصال عمر پر نہیں ہے۔ اسواسطے میں ان عمر کے سالوں کی تفاوت کی کچھ پروا نہیں کرتا۔ مرزا غلام احمد صاحب کہتے ہیں کہ اگر اب بھی ڈوئی مقابلہ سے انکار کریگا تو امریکہ کے پیغمبر کے دعاوی جھوٹ اور افترا ثابت ہو جاویں گے۔ مسٹر پگٹ کے بارے میں مسیح موعود کی پیشگوئی ہے کہ وہ خدائی کا متکبر مدعی میری حیات میں تباہ ہو جاوے گا۔

ایک دلیری کا دعویٰ:۔ شاید اس امر کا لکھنا بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ مترجم اپنے نوٹ کے آخری فقرہ میں ماہ گذشتہ کے رسالہ ریویو آف ریلیجنز کے ایک آرٹیکل کی طرف توجہ دلاتا ہے جس میں درج ہے کہ یسوع صلیب پر نہیں مرا

بلکہ وہاں سے اپنی جان بچا کر بھاگ آیا تھا اور بعد ازاں بمقام سرینگر ملک کشمیر وفات پائی جہاں محلہ خانیار میں اب تک اس کی قبر موجود ہے۔“

اخبار نیو یارک کمرشل ایڈورٹائزر لکھتا ہے ”دُور دراز ملک ہند سے ایک چھپا ہوا اشتہار مرزا غلام احمدؐ کی طرف سے آیا ہے جو پنجاب قادیان سے لکھتے ہیں ...... انہوں نے الیاس ثالث کو مقابلہ میں بلایا ہے کہ وہ اپنے دعوے کو ثابت کر کے دکھاوے مگر ابھی تک صیہون شہر کے مسیح نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اپنے دعویٰ الوہیت٭ کے ثبوت میں ہندوستانی مسیح کہتا ہے کہ جب خدا نے دیکھا کہ زمین پر بدی اور ناپاکی پھیل گئی ہے تو اس نے مجھے پنجاب کی زمین میں مبعوث کیا کیونکہ اس کے کام عجیب ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ ”مَیں وہ سچا مسیح ہوں جو آخری زمانہ میں ظاہر ہونیوالا تھا۔ یہ خدا نے مجھے کہا ہے اور مَیں صرف اپنے مُنہ سے نہیں کہتا کہ مَیں مسیح موعود ہوں بلکہ وہ خدا جس نے زمین و آسمان بنایا ہے میری گواہی دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی یہ شہادت سیکڑوں آسمانی نشانوں کے ذریعے ظاہر ہوئی ہے جو اس نے میری تائید میں دکھائے ہیں۔ مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ اسکا فضل اس مسیح سے مجھ پر زیادہ ہے جو مجھ سے پہلے گذر چکا ہے۔ میرے آئینہ میں اس کا چہرہ اس سے زیادہ وسیع طور پر منعکس ہوا ہے جو اسکے آئینہ میں ہوا تھا۔ اگر یہ صرف میرے مُنہ کی باتیں ہیں اور اور کوئی گواہی میرے پاس نہیں تو مَیں جھوٹا ہوں لیکن اگر خدا تعالیٰ میرے لیے گواہی دیتا ہے تو کوئی مجھے جھوٹا قرار نہیں دے سکتا۔ ہزاروں دفعہ اس نے میرے لیے گواہی دی ہے اتنی دفعہ کہ مَیں شمار بھی نہیں کرسکتا۔ منجملہ ان کے ایک یہ بھی گواہی ہے کہ یہ دلیر دروغ گو یعنی پگٹ جس نے خدا ہونیکا لنڈن میں دعویٰ کیا ہے وہ میری آنکھوں کے سامنے نیست و نابود ہو جائیگا۔ دوسری یہ گواہی ہے کہ مسٹر ڈوئی اگر میری درخواست مباہلہ قبول کرے گا اور صراحتاً یا اشارۃً میرے مقابلہ پر کھڑا ہوگا۔ تو میرے دیکھتے دیکھتے بڑی حسرت اور دُکھ کے ساتھ اس دنیائے فانی کو چھوڑ دیگا۔ یہ دو نشان ہیں جو یوروپ اور امریکہ کے لیے خاص کیے گئے ہیں کاش وہ انپر غور کریں اور انسے فایدہ اُٹھاویں۔

یاد رہے کہ ابتک ڈوئی نے میری اس درخواست مباہلہ کا کچھ جواب نہیں دیا اور نہ اپنے اخبار میں کچھ اشارہ کیا۔ اس لیے آج کی تاریخ سے جو ۲۳۔ اگست ۱۹۰۳ء ہے اسکو پورے سات ماہ کی اور مہلت دیتا ہوں اگر وہ اس مہلت میں میرے مقابلہ پر آگیا۔ اور جس طور سے مقابلہ کرنیکے لیے تجویز کی ہے جسکو مَیں شایع کرچکا ہوں اس تجویز کو پورے طور پر منظور کرکے اخبار میں عام اشتہار دیدیا تو جلد تر دنیا دیکھ لے گی کہ مقابلہ کا انجام کیا ہوگا۔ مَیں عمر میں ستر کے قریب ہوں اور وہ قریباً پچپن سال کی عمر کا ہے۔ اور اس لیے میرے مقابلہ میں گویا ایک جوان آدمی ہے لیکن مَیں نے اپنی عمر کی کچھ پروا نہیں کی۔ کیونکہ اس مباہلہ کا فیصلہ عمروں کی حکومت سے نہیں ہوگا۔ بلکہ وہ خدا جو زمین و آسمان کا مالک اور احکم الحاکمین ہے۔ وہ اسکا فیصلہ کریگا۔ اور اگر مسٹر ڈوئی اس

٭ مسیح کی الوہیت کا غلط عقیدہ جو اب تک اس قوم کے دلوں میں جڑ پکڑ گیا ہے اس کا محض رد ہو۔ ڈوئی کے مسیحیت کے دعوی کی الوہیت بھی باطل ہے۔ منہ

مقابلہ سے بھاگ گیا۔ تو دیکھو آج میں تمام امریکہ اور یورپ کے باشندوں کو اسپر گواہ کرتا ہوں کہ یہ طریق اسکا بھی شکست کی صورت سمجھی جاوے گی۔ اور نیز اس صورت میں پبلک کو یقین کرنا چاہیئے کہ یہ تمام دعویٰ اسکا الیاس بننے کا محض زبان کا مکر اور فریب تھا اور اگرچہ وہ اس طرح سے موت سے بھاگنا چاہیگا لیکن درحقیقت ایسے مقابلہ سے گریز کرنا بھی اس کے لیے موت ہی ہوگا۔ اور یقین سمجھو کہ اسکے صیہون پر جلد تر ایک آفت آنیوالی ہے کیونکہ ان دونوں صورتوں میں سے ایک صورت ضرور اسکو پکڑ لے گی۔"

اس بات کو مدنظر رکھکر کہ احمدؑ نے ڈوئی کو سخت مشکلات میں پھنسا دیا ہے یہ قرین قیاس ہے کہ موخرالذکر ان مشکلات میں پھنسا رہیگا بہ نسبت اس کے کہ کھلے میدان میں مقابلہ پر آئے اور دنیا کو سخت دکھ اور حسرتوں کے ساتھ چھوڑے۔"

ان خلاصوں سے پیشگوئی کا شایع ہونا نہایت واضح طور سے ثابت ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ طالبان حق اس کھلے کھلے نشان سے ضرور فایدہ اٹھائیں گے۔

قرآن کریم کی تفسیر

بہت مدت سے میرا دل اس بات کو چاہتا تھا کہ ریویو آف ریلیجنز کا ایک حصہ قرآن شریف کی ایک تفسیر عام فہم اردو زبان میں ہوتا کتاب الٰہی کا سچا علم اور تعلیم ہمارے احباب میں ترقی کرے۔ مگر حالات اجازت نہ دیتے تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہر امر کے لیے ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔ اور اس آرزو کے پورا ہونیکا یہ وقت آگیا ہے تھوڑے عرصہ سے رسالہ تعلیم الاسلام کا نکالنا تجویز ہوا جس کی اہم غرض قرآن شریف کی ایک تفسیر کا مہیا کرنا تھا۔ اس رسالہ کو شروع ہوئے ۹ ماہ گذر چکے ہیں اور اس عرصہ میں تین سو سے زاید صفحات قرآن شریف کی تفسیر کے اس میں نکل چکے ہیں۔ اس تفسیر کے متعلق صرف اسی قدر لکھنا کافی ہے کہ حضرت مولوی نورالدین صاحب جو کچھ درس قرآن میں فرماتے ہیں وہ معہ شئی زاید اس تفسیر میں موجود ہوتا ہے۔ تفسیر کو ترتیب مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب دیتے ہیں میں نے جہاں تک اس تفسیر کو دیکھا ہے۔ نہایت بیش قیمت پایا ہے اور حضرت مولوی صاحب نے بھی اکثر اوقات اس کی بہت تعریف کی ہے۔ عام فہم ہے۔ اور الفاظ اور ان کے معانی کی پوری تشریح کیجاتی ہے۔ احمدی قوم کی یہ ایک بڑی بھاری ضرورت تھی۔ جو اس رنگ میں پوری ہوئی۔ اب میری غرض اس ذکر کرنے سے یہ ہے کہ یہ رسالہ ایک ایسا قیمتی رسالہ تھا جو ہر ایک فرد کے ہاتھ میں ہونا چاہیئے تھا اسی غرض سے اسکی قیمت صرف عہ سالانہ رکھی گئی تھی۔

مگر اس وجہ سے کہ جماعت کو اس رسالہ کے اغراض اور اس کے مضامین سے کماحقہ آگاہی نہ ہوئی۔ اس کی اشاعت بھی ابتک بہت محدود رہی اس کی توسیع اشاعت کا سوال جبپر دیر سے غور ہو رہا تھا۔ اب اسطرح پر حل کیا گیا ہے کہ اس رسالہ کو رسالہ ریویو آف ریلیجنز کے ساتھ ملا دیا جاوے اور اس کی قیمت میں بھی تخفیف کیجاوے ابتک اس رسالہ میں قریباً تیس ۳۰ بتیس ۳۲ صفحے تفسیر کے علی العموم رہے ہیں مگر آیندہ صرف بیس ۲۰ صفحے ہوں گے مگر چونکہ یہ بیس ۲۰ صفحے میگزین کی لکھائی کے مطابق ہونگے اس لیے ان میں مضمون انشاء اللہ اسی قدر ہوگا جس قدر پہلے تیس ۳۰ یا بتیس ۳۲ صفحوں میں ہوتا تھا اور اس کی لکھائی اور چھپائی پر ویسی ہی محنت صرف کیجاویگی جیسے ابتک میگزین پر کیجا رہی ہے۔ اور یہ حصہ بطور ضمیمہ ریویو آف ریلیجنز ہوگا جس کی قیمت صرف ۱۲ سالانہ ہوگی۔ اور موجودہ خریداران ریویو کو اختیار ہوگا جو صاحب چاہیں اسے بطور ضمیمہ خریدیں اور جو نہ چاہیں نہ خریدیں ریویو کی اصل قیمت وہی ہوگی جو اب تک رہی ہے یعنی صرف عہ سالانہ اور صرف ضمیمہ کے خریداروں سے ۱۲ سالانہ زیادہ لیے جائینگے یہ اتنی تھوڑی قیمت ہے کہ اس میں انجمن کا کوئی فایدہ مدنظر نہیں رکھا گیا۔ بلکہ اس وجہ سے کہ قرآن شریف کا علم حاصل کرنا ہر ایک سچے احمدی کا کام ہے۔ کیونکہ اصل غرض بعثت امام علیہ السلام کی قرآن کریم کی تعلیم دوبارہ دنیا میں زندہ کرنیکی ہے اس لیے انجمن نے پسند کیا ہے کہ جہانتک ممکن ہو۔ رعایت کے ساتھ ایک مکمل تفسیر قرآن کریم کی سب احباب کے ہاتھوں تک پہنچائی جائے۔ ۱۲ میں سے ۴ سالانہ کا خرچ تو صرف ٹکٹ وغیرہ کا ہی ہو جائیگا اسطرح سے صرف ۸ میں ایک دو سو چالیس صفحوں کی گنجان اور خوش خط چھپی ہوئی کتاب سال میں اس ضمیمہ کے خریداروں کو پہنچ جاویگی۔ میں امید کرتا ہوں کہ ریویو آف ریلیجنز کے خریدار اس نادر موقعہ سے فایدہ اٹھائیں گے۔

اس تفسیر میں اس بات کو بھی مدنظر رکھا گیا ہے کہ جو جو اعتراضات قرآن شریف پر کیے گئے ہیں۔ ان کا جواب بھی ساتھ ساتھ دیا جاویگا۔ اسی لیے کسی قدر لمبی بھی ہو جاویگی۔ نیا انتظام ماہ مئی سے شروع ہوگا اور اپریل کا رسالہ غالباً اپنے وقت پر ہی روانہ ہوگا۔ لہذا ۱۹۰۷ء کے آخر تک صرف ۸۔ ماہ باقی ہونگے اور ان ۸۔ ماہ کے لیے ضمیمہ کا چندہ صرف ۸ رہیگا۔ ہم امید کرتے ہیں کہ کم از کم ان آٹھ ماہ کیلیے ہمارے احباب ضرور اس تفسیر کو منگوا کر پڑھیں گے۔ پھر انشاء اللہ وہ خود اسکی قدر کرنے لگیں گے۔ درخواستیں بہت جلد آنی چاہیئیں کیونکہ ضمیمہ صرف اسی قدر چھپوایا جائیگا جس قدر درخواستیں اس کیلیے آئیں گی۔ تفسیر کے پچھلے حصہ کی بھی چند کاپیاں موجود ہیں اگر احباب خریدنا چاہیں تو تھوڑی سی درخواستوں کی تعمیل ہو سکے گی۔ اس حصہ کی قیمت جس میں قریباً ساڑھے تین سو صفحے تفسیر کے ہونگے عہ ہے

نوٹ نمبر ا ضمیمہ الگ بھی جاری کیا جا سکتا ہے یعنی جو لوگ ریویو آف ریلیجنز نہ خریدتے ہوں انکے نام بھی ضمیمہ جاری ہو سکتا ہے۔ مگر ایسے احباب کے لیے اسکی قیمت ایک روپیہ سالانہ ہوگی۔ کیونکہ اس میں اخراجات بڑھ جاتے ہیں ایسا ہی جو لوگ سال ختم ہونے کے بعد اکٹھا خریدیں گے انکو بھی ایک روپیہ قیمت ادا کرنی ہوگی۔

نوٹ نمبر ۲- ضمیمہ کی قیمت میں ان رعایتوں میں سے کوئی رعایت نہ ہوگی۔ جو ریویو کی قیمت میں طلباء وغیرہ کے ساتھ کیجاتی ہے۔ کیونکہ اس قیمت پر بمشکل اصل لاگت ہی واپس آئے گی۔

جملہ درخواستیں بنام نائب ناظم میگزین قادیان اور روپیہ بنام محاسب صدر انجمن احمدیہ آنا چاہیئے۔

چند نتیجہ خیز تازہ واقعات

زیں نشانہا بدرگاں کورو کراند ✽ صد نشاں بینند و غافل بگذرند

(۱) سب سے اوّل قابل ذکر وہ حیرت انگیز اور ہولناک واقعہ ہے جسکو تمام پنجاب اور کشمیر میں لوگوں نے دیکھا۔ یہ واقعہ ۳۱- مارچ کا ہے۔ گذشتہ رسالہ میں ۷ مارچ کی تاریخ کے نیچے حضرت مسیح موعودؑ کی یہ پیشگوئی شایع ہو چکی ہے جس کو ہمارے ناظرین ملاحظہ کر سکتے ہیں کہ الہام کی تاریخ سے پچیس دن تک یا پچیس دن گذرنے پر کوئی ہولناک اور تعجب انگیز واقعہ" ہوگا۔ اب ۷- مارچ سے پچیس دن ۳۱ مارچ کو پورے ہوتے ہیں۔ چنانچہ جب پورے پچیس دن گذر گئے اور پچیسویں دن کا آخری حصہ تھا یعنی ۳۱ مارچ پانچ بجے شام کے قریب اسوقت آسمان پر ایک ایسا حیرت انگیز اور ہولناک واقعہ ظاہر ہوا جسکو سیکڑوں میلوں تک لوگوں نے دیکھا۔ اور سخت حیرت زدہ اور ہراساں ہوئے۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس زمانہ میں اور لوگوں کو تو چھوڑو مسلمانوں کی کیا حالت ہو رہی ہے سیکڑوں نشان اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور پھر ایسے لاپرواہیں کہ گویا کچھ بھی نہیں دیکھا۔ کیا یہ بھی کسی قیاس سے پیش از وقت بتایا جا سکتا تھا کہ ۳۱ مارچ کو ایک نشان ظاہر ہوگا جو تمام لوگوں کو حیرت میں ڈالدیگا اور ہولناک ہوگا؟ آہ! کیسے کھُلے کھُلے نشان خدا کی ہستی کے اور ایک مامور من اللہ کی صداقت کے ان لوگوں کو دکھائے گئے مگر بہت ہی کم ہیں جو فایدہ اُٹھاتے ہیں۔ مگر اس انکار کو خدائے تعالیٰ بے سزا نہیں چھوڑتا جوں جوں لوگوں کا انکار بڑھ رہا ہے اور نشان پر نشان دیکھکر وہ مُنہ پھیر رہے ہیں ویسے ہی قہار خدا کا غضب بھی دن بدن زیادہ تیز ہو رہا ہے۔ خواندہ اور جاہل۔ دہریہ اور خدا ماننے والے سب کی ایک ہی حالت ہو رہی ہے اور فرق کرنا مشکل ہے۔ مگر یہ جو کچھ ظلم لوگ کر رہے ہیں اسکا وبال آخر انہی پر پڑ رہا ہے۔ ایک ایک نشان جو ظاہر ہو رہا ہے کیسا دل کو تسکین بخشنے والا اور اطمینان دینے والا ہے مگر اکثر لوگ عمداً خواب غفلت سے بیدار ہونا نہیں چاہتے۔ اس ہولناک اور حیرت انگیز واقعہ کی جس کے ظہور کا پچیس دن پیشتر وعدہ دیا گیا تھا اور ۳۱- مارچ کی تاریخ بتائی گئی تھی۔ اب تفصیل کی کچھ حاجت باقی نہیں ہے۔ کیونکہ ہر ایک شخص اس سے واقف ہو چکا ہے۔ نہ اس پیشگوئی کی صداقت کے لیے کسی لمبی تفتیش کی ضرورت ہے۔ یہ واقعہ ایسا نہیں کہ اگر کسی کی آنکھوں سے مخفی رہ گیا ہو تو اس کے کانوں نے معتبر ذرایع سے سُن لیا ہو۔ باقی رہی پیشگوئی کی قبل از وقت اشاعت سو جو شخص چاہے اس رسالہ کی گذشتہ

ماہ کی اشاعت میں یعنی ۲۰۔ مارچ کے پرچہ میں سلسلہ الہامات میں اسے دیکھ سکتا ہے اور ایسا ہی اخبار بدر اور الحکم میں اسے دیکھ سکتا ہے۔ اس ستارہ کا گرنا معمولی شہاب کے رنگ میں نہیں بلکہ ایسے ایسے عجیب حالات اس کے بیان کیے گئے ہیں جو کوئی شخص بیان نہیں کر سکتا کہ پہلے بھی اسکی آنکھوں نے کبھی دیکھے ہوں بلکہ اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور کے ۳۔ اپریل کے پرچہ میں یہ لکھا ہے کہ بہت سے نامہ نگار یہ سوال کرتے ہیں کہ ایسے شہاب کے گرنیکی کوئی پہلے بھی نظیر موجود ہے اور نہ ایڈیٹر اخبار نے ہی اور نہ کسی دوسرے شخص نے اسکی کوئی نظیر بیان کی ہے۔ یہ نظارہ ایسا ہولناک تھا کہ بعض جگہ جن لوگوں نے اسے دیکھا وہ بیہوش ہوگئے بعض ڈر کر گھروں کو بھاگ گئے۔ اخبار سول کے ۶۔ اپریل کے پرچہ میں ضلع گوجرانوالہ کے ایک نامہ نگار کا خط چھپا ہو کہ اس ضلع کے تین مواضع میں آسمان سے آگ کے گولے برسے اور لوگ بہت ہی خوف زدہ ہوگئے ہیں ڈلہوزی اور کشمیر سے دو انگریزوں کے خطوط بھی چھپے ہیں ایک ۶۔ اپریل کے پرچہ میں اور دوسرا ۱۰۔ اپریل کے پرچہ میں جو اس واقعہ پر حیرت ظاہر کرتے ہیں۔ ڈلہوزی سے جس انگریز نے لکھا ہے وہ کہتا ہے کہ مختلف بیانات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک شہاب نہیں بلکہ ایک ہی وقت میں شہابوں کی بکثرت بارش ہوئی جن میں سے بعض دیکھے گئے اور بعض نہیں دیکھے گئے۔ کشمیر سے جس انگریز نے لکھا ہے اسنے بھی اس واقعہ پر بہت حیرت ظاہر کی ہے اور وہ کہتا ہے کہ میں ابھی تحقیقات کرونگا کیونکہ یہ معاملہ سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کیا واقعہ تھا۔ خود قادیان میں اس کثرت سے اس واقعہ کے ہولناک اور حیرت انگیز ہونیکے متعلق خطوط پہنچے ہیں کہ ان سب کا حوالہ دینے کے لیے بھی کئی صفحے بکار ہیں۔ مگر ہم مزید شہادت کے لیے پیسہ اخبار کے چند نامہ نگاروں کی تحریریں نقل کرتے ہیں جو روزانہ پیسہ کے ۸ تاریخ کے اخبار میں چھپی ہیں۔

تحصیل جہلم ۔ ۳۱۔ مارچ کو بروز اتوار تقریباً ۴ بجے شام کو ایک شعلہ آتش آسمان پر مغرب سے نمودار ہوکر مشرق کی طرف جاکر غائب ہوگیا اور اخیر ایک بادل سا نظر آیا ...... یہ خدا کی قدرت دیکھکر سب حیران رہ گئے۔

سنگھنتل ریاست جموں ۔ کل شام ۴ بجے عجیب قدرت دیکھنے میں آئی (اور پھر اسی واقعہ کا ذکر کرکے اخیر پر لکھتا ہی ہے۔ لوگ خوف زدہ ہو رہے ہیں۔

ضلع گورداسپور ۔ کل شام ۳۱۔ مارچ بوقت ۴ بجکر ۵ منٹ پر ایک ستارہ یعنی ایک سخت تیز روشنی بشکل ایک مشعل کے جس کے پیچھے ایک گز نہایت ہی سفید و شفاف چاندی کا سا دستہ معلوم ہوتا تھا۔ جنوب سے شمال کو جاتا ہوا معلوم ہوا۔ اور پھر آخر وہ ایک جگہ زمین پر گرتا ہوا بھی معلوم ہوا جس جگہ وہ گرا اسجگہ سے تین مختلف جگہ سے دھواں نمودار ہوا اور اس کے بعد ایک بڑی ہولناک گرج سنائی دی مجھے جہانتک معلوم ہوا ہے سات سات میل کے فاصلہ پر یہی حال ظہور میں آیا ہے۔ لوگ بیچارے دیہاتی اس کیفیت کو دیکھکر سخت حیرت زدہ ہو رہے ہیں۔

ضلع گجرات ۔ عجائبات قدرت حق میں سے ایک کا مشاہدہ ہوا ...... ہزارہا لوگ دیکھکر حیران ہوئے۔

ضلع راولپنڈی ۔ ۳۱۔ مارچ کو دوپہر سے تا بوقت زوال مختلف جگہوں پر اس علاقہ میں آسمان سے شعلے آتش کے

بشکل برج آتشی گرتے نظر آئے۔ اور زمین کے نزدیک آتے ہی دھواں بنکر غائب ہوگئے۔

گڈاری تحصیل جہلم۔ کل ۳۱۔ مارچ کو بوقت ساڑھے تین بجے شام کے ایک شعلہ آتشیں ایسا نظر آیا کہ جس کے سامنے سورج کی روشنی بھی مات ہوگئی تھی ..... دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں ایک دو آدمی نے نہیں دیکھا بلکہ صدہا نے دیکھا ہے لوگ بہت ششدر رہیں شاید یہ بھی قیامت کے مقررہ آثار میں سے کوئی نشان ہو۔

ضلع فیروزپور۔ ۳۱۔ مارچ کی آسمانی آگ نے عوام الناس کو خائف کر رکھا ہے (پھر واقعہ کو بیان کر کے لکھا ہے) اکثر آدمی خوف سے گھروں کو بھاگ آئی۔ اس سے لوگ بہت ہراساں ہو رہے ہیں۔

(۲) یہ نشان تو آسمان سے ظاہر ہوا ہی۔ اب میں ایک ایسے نشان کا ذکر کرتا ہوں جو انہی دنوں میں زمین پر ظاہر ہوا۔ اور اس طرح ان نشانوں نے ملکر حضرت خلیفۃ اللہ کے اس دعوے کی تصدیق کی ہی جو اس شعر میں کیا گیا ہی کہ ؎ آسماں بارد نشاں الوقت میگوید زمیں۔ این دو شاہد از پئے تصدیق من استادہ اند + بعض نا عاقبت اندیش کوتہ نظروں نے یہ کہا ہی کہ منشی الٰہی بخش کی موت پر احمدی بغلیں بجائینگے مگر وہ یاد رکھیں کہ موت ہر ایک انسان پر آنیوالی ہی یہ سراسر نادانی اور حماقت کا قول ہی ہم نے موت کے آنیسے کب انکار کیا اور کب کہا ہی کہ ہم نہیں مرینگے بلکہ میں بصیرت کے ساتھ کہتا ہوں کہ موت کو خود ان لوگوں نے بھلایا ہوا ہی۔ جو خدا کے نشان دیکھتے ہیں اور ان سے مُنہ پھیر کر ایک طرف ہو جاتے ہیں۔ اگر کبھی انکے دلو نمیں یہ خیال گذرتا کہ آخر انہوں نے بھی مرنا ہی تو اسقدر لاپروائی اور غفلت کبھی نہ دکھاتے اور ایسی استہزا کبھی نہ کرتے۔ آہ! دل میں درد پیدا ہوتا ہی کہ کن لفظوں میں انہیں سمجھائیں کہ وہ خود اپنے لیے ہلاکت خرید رہے ہیں۔ اور امن و سلامتی کی راہوں سے مُنہ پھیر رہے ہیں۔ کاش کوئی اہل دل ان میں سے ان واقعات پر غور کرے اور انکو سمجھاوے۔ منشی الٰہی بخش ایک شخص تھے جو ابتدا میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعوے کی تصدیق کرتے تھے اور الہاماً تصدیق کرتے تھے انکی مخالفت کی ابتدا یہ ہوئی کہ جب وہ غالباً ۱۸۹۸ء میں ایکدفعہ قادیان آئے تو حضرت مسیح موعود نے انکو بیعت کے لیے کہا۔ اس موقعہ پر شیطان نے ان کے قدم کو پھسلا دیا۔ اور تعلی میں آکر انہوں نے کہا کہ میں کیوں بیعت کروں تم میری بیعت کرو کیونکہ خدا نے مجھے موسیٰ کر کے بھیجا ہی۔ پھر واپس جاکر یہ کہنا شروع کیا کہ مجھے الہام ہوتے ہیں کہ یہ شخص جھوٹا ہی اسپر حضرت مسیح موعود نے انکو کہا کہ تم اپنے وہ الہام اگر شایع کر دو تو خدائے تعالیٰ مجھ میں اور تم میں فیصلہ کر دیگا۔ چنانچہ یہ الہامات انہوں نے ۱۹۰۰ء میں کتاب عصائے موسیٰ میں شایع کیے جن کا ماحصل یہ تھا کہ مصنف عصائے موسیٰ یعنی الٰہی بخش کو لمبی عمر دیجائیگی اور مرزا صاحب کو اور ان کے سلسلہ کو اس کے سامنے نیست و نابود کیا جاویگا۔ اور کہ الٰہی بخش نہیں مریگا جبتک وہ اپنی غرض کو جو اس سلسلہ کی تباہی ہی پورا نہ کرلے۔ چنانچہ بعض عبارتیں اور الہامات اسکو ذیل میں درج ہیں۔ صفحہ ۱۹ متع المسلمین بطول حیاتک و بطول بقاءک۔ ینفع اللہ المسلمین بطول حیاتک و بطول بقاءک۔ پھر صفحہ ۳۱ پر لکھا ہی "کسی فرعون مجوزہ کے مقابلہ پر یا کسی اور دینی خصومت یا غیرت کے باعث اسم مبارک حضرت موسیٰ وغیرہ استعمال ہوتے ہیں جیساکہ مثل مشہور ہی لکل فرعون موسیٰ"۔ اس عبارت میں اپنے آپ کو موسیٰ ٹھہرایا ہی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نعوذ باللہ فرعون ٹھہرایا ہی جسکا مطلب یہ ہی کہ جس طرح موسیٰ کے سامنے فرعون مع اپنے لشکر کے تباہ ہوا تھا اور موسیٰ نے ایک سلسلہ قایم کیا تھا۔ اسی طرح میرے (الٰہی بخش کے) سامنے مرزا صاحب ہلاک ہونگے اور انکا سلسلہ نیست و نابود ہو جائیگا۔ اور میرا سلسلہ قایم ہوگا۔

چنانچہ اسی کو زیادہ وضاحت سے صفحہ ۶۸ پر لکھا ہے جہاں الہام لکھا ہے کہ ان ترن انا اقل منک مالا و ولدا فعسی ربی ان یؤتین خیرا من جنتک ویرسل علیہا حسبانا من السماء فتصبح صعیدا زلقا۔ اور پھر اس الہام کے متعلق لکھا ہے کہ یہ ضرور پورا ہوکر رہیگا۔ معنے اس الہام کے یہ ہیں کہ اگر مال اور اولاد کے اعتبار سے تو مجھ کو اپنے سے کم سمجھتا ہے تو قریب ہے کہ میرا پروردگار تیری باغ سے بہتر باغ مجھ کو عطا فرمائے اور تیرے باغ پر آسمان سے کوئی ایسی بلا نازل کرے جو وہ چٹیل میدان ہوکر رہ جاوے۔ اس الہام کو حضرت مسیح موعودؑ پر اس طرح چسپاں کیا ہے کہ وہ ایک بڑے سلسلہ کا فخر کرتے ہیں۔ اور پھر یہ پیشگوئی کی ہے کہ وہ مع اپنے سلسلہ کے نیست و نابود ہو جائیں گے اور الٰہی بخش ایک سلسلہ اس سے بھی بڑا قایم کریگا۔ اور پھر اسی صفحہ پر اپنے متعلق یہ الہام لکھا ہے کہ کرمنا بنی آدم یعنی الٰہی بخش دنیا میں ایک مکرم معظم انسان بنجائیگا اور حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق لکھا ہے جعلنٰہ کالرمیم اسکو خاکستر کی طرح کردیا جائیگا۔ اب کوئی شخص خوف خدا کو دل میں لیکر بتائے کہ الٰہی بخش کے اس گمنامی میں جس میں وہ اس کتاب کی تصنیف کے وقت تھا یا اس سے بھی زیادہ گمنامی میں اس شخص کی آنکھوں کے سامنے جسکی ہلاکت کی وہ پیشگوئیاں کرتا تھا طاعون کے ساتھ ہلاک ہوجانیسے کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ اور پھر یہ اکیلی مثال نہیں بلکہ جو شخص اس طرح پر مقابل آیا اسی کو خدا نے ہلاک کیا۔ مگر مخالفت انسان کو ایسا نابینا کردیتی ہے کہ وہ پچھلوں کی موت سے سبق حاصل نہیں کرتا بلکہ اور گستاخی میں بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے ما یفعل اللہ بعذابکم ان شکرتم و اٰمنتم یعنی اگر تم شکر کرو اور اس کے نشانوں پر ایمان لاؤ تو وہ تمھیں عذاب دیکر کیا کریگا۔ مگر افسوس ہے کہ یہ لوگ شکر اور ایمان کی راہوں کو چھوڑ کر خود ہی اپنے آپ کو اس کے عذاب کا مورد بنا رہے ہیں۔ اور نہ صرف الٰہی بخش کی پیشگوئیاں اسپر الٹی پڑیں۔ بلکہ حضرت مسیح موعودؑ نے اسکی ہلاکت کی پیشگوئی کھلے الفاظ میں کی تھی۔ دیکھو اربعین نمبر ۴ صفحہ ۱۲ حاشیہ و دیگر مقامات۔ اس حاشیہ میں لکھا ہے "میں ہرگز یقین نہیں کرتا کہ میں اسوقت سے پہلے مروں جب تک کہ میرا قادر خدا ان جھوٹے الہاموں سے مجھے بری کرکے آپ کا ذلیل ہونا ثابت نہ کرے۔ الا ان لعنۃ اللہ علی الکاذبین اسی کے متعلق قطعی اور یقینی طور پر مجھ کو ۱۱۔ دسمبر ۱۹۰۰ء روز پنجشنبہ کو یہ الہام ہوا۔ برمقام فلک شدہ یارب. گر امیدے دہم مدار عجب" اب اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ آپنے اس کے متعلق یہ پیشگوئی کی ہے کہ تو نے مجھے مسرف و کذاب ٹھہرا کر (جیسا کہ اس نے لکھا تھا کہ مجھے مرزا صاحب کے متعلق الہام ہوا ہے ان اللہ لا یھدی من ھو مسرف کذاب) یہ کہتا ہے کہ میں تیرے سامنے ہلاک کیا جاؤنگا اور تو ایک سلسلہ قایم کریگا۔ مگر میرا خدا مجھے یہ کہتا ہے کہ میں ہرگز نہ مرونگا جبتک کہ تیرا کاذب ہونا ثابت نہ ہوجائے یعنی تو میری آنکھوں کے سامنے نامرادی کے ساتھ ہلاک ہوکر میری صداقت کی شہادت نہ دیجائے۔ اور پھر لعنت کے ساتھ مباہلہ بھی کیا ہے یعنی خدائے تعالیٰ جھوٹے کو عذاب کے ساتھ ہلاک کرے سو طاعون کے ساتھ ہلاک ہوکر الٰہی بخش ایک شہادت دنیا کیلیے دے گیا ہے جسکی آنکھیں ہوں دیکھے اور جس کے کان ہوں سنے۔ یہ کسقدر صاف صاف اور کھلے کھلے نشان تھے کہ جو شخص اس طرح مقابل پر نکلا وہی ہلاکت کے گڑھے میں گرا۔ اور دنیا نے اس کے انجام کو دیکھ لیا ایسی ایک مثال بھی مامور من اللہ کی صداقت کی شہادت کیلیے کافی تھی مگر خدائے تعالیٰ نے اس زمانہ کی بے ایمانی اور قساوت قلبی کو دیکھ کر اسکی بہت سی مثالیں موجود کردیں پر افسوس کہ ابھی لوگ توجہ نہیں کرتے۔ (۴) تیسرا نشان جو میں بیان کرنا چاہتا تھا وہ قادیان کے آریوں کی طاعون سے ہلاکت ہے جو انہی دنوں میں واقعہ ہوئی مگر چونکہ اس رسالہ میں گنجائش نہیں رہی اس لیے اسے آیندہ رسالہ پر ملتوی کیا جاتا ہے۔

ہمن اُسد لیکھا خدا نال چلیا اے (تشریح) یعنی عنقریب میرا دشمن ہلاک ہو جائیگا اور پھر اسکا خدا سے معاملہ پڑیگا۔ ۲۔ میرے دشمن ہلاک ہو گئے۔ ۳۔ ان اللّٰہ مع الابرار۔ یعنی آیندہ عنقریب ہلاک ہوں گے۔ خدا نیکوں کے ساتھ ہے۔

۴۔ کوئی درباری میرے حلقۂ اطاعت سے گذرنے نہ پائے کوئی درباری اس جرم پر سزا سے محفوظ نہیں رہیگا (تشریح) یعنی جو شخص خدا سے تعلق رکھنے والا ہے اسکا تعلق قایم نہیں رہ سکتا جبتک وہ مجھے قبول نہ کرے اور جو شخص اس حکم سے لاپرواہ ہے وہ سزا سے محفوظ نہیں رہیگا۔ ۵۔ سلطان عبد القادر (تشریح) اس الہام میں میرا نام سلطان عبد القادر رکھا گیا کیونکہ جسطرح سلطان دوسرے پر حکمران اور افسر ہوتا ہے اسی طرح مجھ کو تمام روحانی درباریوں پر افسری عطا کی گئی ہے یعنی جو لوگ خدا تعالیٰ سے تعلق رکھنے والے ہیں انکا تعلق نہیں رہیگا جبتک وہ میری اطاعت نہ کریں اور میری اطاعت کا جُوا اپنی گردن پر نہ اُٹھائیں یہ اسی قسم کا فقرہ ہے جیسا کہ یہ فقرہ کہ قدمی ھٰذہ علیٰ رقبۃ کل ولی اللّٰہ یہ فقرہ سید عبد القادر رضی اللہ عنہ کا ہے جسکے معنے ہیں کہ ہر ایک ولی کی گردن پر میرا قدم ہے۔ ۶۔ احل لہ الطیبات قل ما فعلت الا امر من اللّٰہ۔ (تشریح) اس سلطان عبد القادر کے لیے وہ تمام چیزیں حلال کی گئیں جو پاک ہیں کہہ میں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا جو خدا کے حکم کے برخلاف ہو بلکہ وہی کیا جو خدا نے مجھے فرمایا۔ پھر بعد اس کے کشفی رنگ میں وہ مقبرہ مجھے دکھلایا گیا جسکا نام خدا نے بہشتی مقبرہ رکھا ہے۔ اور پھر الہام ہوا کل مقابر الارض لا تقابل ھٰذہ الارض یعنی زمین ہند کے تمام قبرستان اس زمین کے مقابلہ نہیں کر سکتے یعنی اس زمین کو جو برکتیں دی گئیں وہ برکتیں تمام پنجاب اور ہندوستان میں کسی اور قبرستان کو نہیں دی گئیں * پھر میں نے دیکھا کہ ایک راہ پر چل رہا ہوں اور میرے ساتھ میرا لڑکا مبارک احمد اور اس کی والدہ ہے اور مجھے خیال گذرتا ہے کہ مرزا غلام قادر مرحوم بھی (جو میرے بھائی ہیں) میرے ساتھ ہیں اور راہ میں اسقدر زنبور ہیں کہ ٹڈی دل کی طرح زمین پر پھیل رہی ہیں اور ایک میری ناف کے اندر بیٹھ گیا ہے اور پھر اڑ گیا مگر کسی نے ضرر نہیں پہنچایا اور پھر ہم سب ایک مسجد میں داخل ہو گئے ہیں اور مسجد میں بھی کروڑہا زنبور ہیں مگر ہم انکے شر سے محفوظ رہے ہیں۔ ۲۹۔ مارچ ۱۹۰۷ء۔ ۱۔ اے ازلی ابدی خدا۔ مجھے زندگی کا شربت پلا۔ ۲۔ احق اللّٰہ امری ولا تنفکا من ھٰذہ المرحلۃ۔ ترجمہ۔ خدا نے میری بات کو سچا کر دیا۔ اور تم دونو اس مرحلہ سے نہیں چھوٹوگے۔ ۳۔ دولت اعلام بذریعہ الہام بہشتی کمرہ میں نزول ہوگا۔ ۴۔ ھل نریٰ جزاء الاحسان الا الاحسان (ترجمہ) نہیں دیکھتے ہم احسان کی جزا بجز احسان کے۔ یکم اپریل ۱۹۰۷ء لولا الاکرام لھلک المقام یا یہ کہا لولا خیر الانام لھلک المقام۔ ۳۔ اپریل ۱۹۰۷ء۔ ۱۔ انّی مع الرسول اقوم والوم من یلوم واعطیک ما یدوم۔ ترجمہ۔ میں اپنے رسول کے ساتھ کھڑا ہونگا اور جو اسے ملامت کرتا ہے اسے ملامت کرونگا اور تجھے وہ چیز دونگا جو ہمیشہ رہے۔ ۴۔ اپریل ۱۹۰۷ء۔ (۱) لائف آف پین۔ (۲) یا اللہ رحم کر (۳) انّی مع اللّٰہ فی کل حال۔ ترجمہ۔ میں ہر حال میں اللہ کے ساتھ ہوں۔

(۴) اخترطنا سیفہ - ترجمہ - ہم نے اسکی تلوار کو کھینچا ہے - (۵) خدا کے سات نکو کار بندے ہر جگہ پر بیٹھے ہیں -

۵ - اپریل ۱۹۰۷ء (۱) حٰم - تلک آیات الکتاب المبین - (۲) راز کھل گیا - تفہیم - وہ جو حٰم ہے اس میں خدا کے نوشتہ کے کئی نشان ہیں جو ظاہر ہونیوالے ہیں - حٰم مقطعات میں کسی کا نام ہے - یہی تفہیم ہے -

(۳) الذین اعتدوا منکم فی السبت (یہ قوم مخالف کی طرف اشارہ ہے ساتھ کا فقرہ بھول گیا ہے واللہ اعلم) ترجمہ - وہ لوگ جنہوں نے سبت کے معاملہ میں زیادتی کی - ۶ - اپریل ۱۹۰۷ء (۱) مُت ایھا الخوّان ترجمہ - مر اے بڑے خیانت کرنیوالے - (۲) تمت کلمۃ اللہ - ترجمہ - پوری ہوئی اللہ کی بات - (۳) ان اللہ مع الذین اتقوا - ترجمہ - اللہ تعالیٰ اُنکے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کریں - (۴) الذین یذکرون اللہ قیاماً و قعودا - ترجمہ - وہ جو اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے - (۵) رحم اللہ - ترجمہ - اللہ نے رحم کیا - (۶) فضلناک علیٰ ما سواک - ترجمہ - تیرے سوائے جتنے ہیں ان سب پر ہم نے تجھے بزرگی دی -

۷ - اپریل ۱۹۰۷ء (۱) واللہ انی غالب وسیظھر شوکتی - وکلٌ ھالک الا من قعد فی سفینتی اعن از - ترجمہ - بخدا میں غالب ہوں اور عنقریب میری شوکت ظاہر ہو جائیگی اور ہر ایک مریگا سوائے اُسکے جو میری کشتی میں بیٹھ گیا - (۲) الہام کے الفاظ یاد نہیں رہے اور معنے یہ ہیں کہ فلاں کو پکڑو اور فلاں کو چھوڑ دو - یہ فرشتوں کو حکم الٰہی ہے - (۳) ایک اور قیامت برپا ہوئی - ۹ - اپریل ۱۹۰۷ء - بلاد دمشق - سرّک سرّی - ترجمہ - تیرا بھید میرا بھید ہے - ۱۱ - اپریل ۱۹۰۷ء - دہلی میں واصل جہنم واصل خاں فوت ہو گیا - چونکہ واصل خاں دہلی کا تو فوت ہو چکا ہے تفہیم یہ تھی کہ اس کے عزیزوں میں سے کوئی طاعون سے مر جائیگا کیونکہ جہنم کا لفظ اور الہامات میں بھی طاعون کیلیے استعمال ہوا ہے -

لغات القرآن حصہ دوئم چھپکر تیار ہے جو احباب پہلا حصہ منگا چکے ہیں وہ بہت جلد دوسرا بھی طلب کریں قیمت علاوہ محصولڈاک عہ - بک ڈپو مقبرہ بہشتی قادیان سے طلب کریں -

آنکھوں کے بیماروں کو مژدہ

میاں ڈاکٹر عبد اللہ صاحب ساکن راہوں ضلع جالندھر جنہوں نے لنڈن - اسٹریلیا افریقہ میں آنکھوں کے علاج سے بہت شہرت حاصل کی ہے - اور انکے پاس بہت کثرت سے سارٹیفکٹ بھی موجود ہیں - انگریزی اور یونانی دو طرح سے آنکھیں بناتے ہیں - ہماری جماعت کے مخلص ہیں - میں امید کرتا ہوں کہ لوگوں کو انسے نفع پہنچے گا -

دستخط (نور دین)

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ✿ لو تمھیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد (۶) بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۰۷ء نمبر (۵)

فہرست مضامین

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۱۴ اپریل ۱۹۰۷ء۔ اجیب دعوۃ الداع۔ ترجمہ میں دعا کرنیوالے کی دعا کو قبول کرتا ہوں۔ ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء
(۱) فتح ہے تمہاری (۲) تمہارے نام کی (۳) انّ شانئک ھو الابتر (۴) حدّ ظباۃ (۵) انت منّی
بمنزلۃ موسیٰ (۶) احمد غزنوی (نہ معلوم کیا اشارہ ہے) (۷) پھر قرآن مجلّد دیکھا اُس کی جلد پر شیرازہ کے قریب لکھا
ہوا تھا۔ سلامٌ قولاً من ربّ رحیم۔ ۱۷ اپریل ۱۹۰۷ء (۱) خدا دو مسلمان فریق میں سے ایک کا ہوگا
پس یہ پھوٹ کا ثمرہ ہے۔ (۲) انّی مع الافواج اٰتیک بغتۃً (۳) انّی مع اللہ الکریم (۴) طوفان
آیا وہی طوفان۔ شر آئی۔ ۲۱ اپریل ۱۹۰۷ء۔ ساریکم اٰیاتی فلا تستعجلون۔ ترجمہ۔ قریب ہی میں تمہیں اپنے
نشان دکھلاؤنگا۔ پس تم جلدی نہ کرو (۲) یہ دو گھر ہی مر گئے۔ (اسمیں خاص دو گھروں کی طرف اشارہ ہے) ۲۳ اپریل ۱۹۰۷ء
(۱) اصلح بینی وبین اخوتی۔ (۲) سلامٌ قولاً من ربّ رحیم۔ یہ الہام کہ اصلح بینی وبین اخوتی۔ اسکے
یہ معنے ہیں کہ اے میرے خدا مجھ میں اور میرے بھائیوں میں اصلاح کر یہ الہام درحقیقت تتمہ اُن الہامات کا معلوم ہوتا ہے
جن میں خدا تعالیٰ نے اس مخالفت کا انجام بتلایا ہے اور وہ یہ الہام ہیں۔ خرّوا علی الاذقان سجّدًا۔
ربّنا اغفرلنا انّا کنّا خاطئین۔ تاللہ لقد اٰثرک اللہ علینا وان کنّا لخاطئین لا تثریب
علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین۔ یعنی بعض سخت مخالفوں کا انجام یہ ہوگا کہ وہ بعض نشان
دیکھ کر خدا تعالیٰ کے سامنے سجدہ میں گرینگے کہ اے ہمارے خدا ہمارے گناہ بخش ہم خطا پر تھے اور مجھے مخاطب کر کے کہیں گے
کہ بخدا خدا نے ہم پر تجھے فضیلت دی اور تجھے چُن لیا اور ہم غلطی پر تھے کہ تیری مخالفت کی۔ اسکا یہ جواب ہوگا کہ آج تم پر
کوئی سرزنش نہیں خدا تمہیں بخش دیگا وہ ارحم الراحمین ہے۔ یہ اُسوقت ہوگا کہ جب بڑے بڑے نشان ظاہر ہونگے آخر سعید
لوگوں کے دل کھلجائیں گے اور وہ دل میں کہیں گے کہ کیا کوئی سچا مسیح اس سے زیادہ نشان دکھلا سکتا ہے یا اس سے زیادہ
اسکی نصرت و تائید ہو سکتی تھی تب یکدفعہ غیب سے قبول کیلئے ان میں طاقت پیدا ہو جائیگی اور وہ حق کو قبول کرلینگے۔
۲۰ اپریل ۱۹۰۷ء۔ رؤیا میں دیکھا کہ بشیر احمد کھڑا ہے وہ ہاتھ سے شمال مشرق کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے کہ زلزلہ اس طرف
چلا گیا“ ۳۰ اپریل ۱۹۰۷ء۔ سلام علیک۔ یکم مئی و ۳۰ اپریل ۱۹۰۷ء (۱) پوری ہوگئی۔ فلیدع الزبانیۃ
ترجمہ۔ پس چاہیے کہ اپنے حامیوں کو بلالے تا پورا زور لگالیں (۲) اے سیاہ خانہ دشمن کہ تو ویراں کردی (دوبارہ) (۳)
وان شکرتم لازیدنّکم۔ ترجمہ۔ اگر تم شکر کرو تو میں زیادہ دونگا۔ یکم مئی ۱۹۰۷ء (۱) قرب عمر (۲) یاتیک
تحائف کثیرۃ ۲ تا ۷ مئی ۱۹۰۷ء۔ وامّا نرینّک بعض الذی نعدھم او نتوفینّک۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

حفاظت قرآن کریم

۳۔ وہ دلایل جن سے ثابت ہوتا ہے کہ سارا قرآن شریف آنحضرت صلعم کی زندگی میں ہی صحابہ رضی اللہ عنہم حفظ کر چکے تھے

گذشتہ پرچہ میں ہم یہ بات ثابت کر آئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن شریف کی حفاظت کے متعلق بہت احتیاط کو کام فرمایا کرتے تھے اور آپ کی عادت یہ تھی کہ جب کوئی آیت کریمہ نازل ہوتی تو فوراً اُسی وقت اپنے کسی کاتب الوحی کو طلب فرما کر وہ آیت شریفہ اُس سے لکھوا لیتے۔ اسی طرح سارے قرآن شریف کی ایک ایک آیت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک اور مقدس آنکھوں کے سامنے لکھی گئی......علاوہ ازیں روایات معتبرہ متواترہ صحیحہ سے ثابت ہے کہ آپ کا یہ بھی معمول تھا کہ جب کبھی کوئی آیت کریمہ نازل ہوتی تو اسی وقت مجلس میں سب حاضرین کو خواہ وہ دشمن ہوتے یا دوست ضرور سنا دیا کرتے تھے۔ اور آپ کی مقدس جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے بعض تو وہ تھے جو بسبب اکثر آپ کی مجلس میں حاضر ہونے کے تازہ وحی الٰہی کو اسی وقت آپکے دہن مبارک سے سُنکر حفظ کر لیتے۔ اور جو حاضر نہ ہوتے وہ دوسروں سے سُنکر حفظ کر لیتے یا لکھوا کر اپنے پاس رکھکر بتدریج حفظ کر لیتے۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ قرآن کریم صرف چند اخلاقی باتوں اور نیک نصایح یا تمدنی اور فوجداری قوانین کا مجموعہ ہی نہ تھا جس کے مطالب کو یاد رکھنا کافی سمجھا جاتا بلکہ قرآن کریم کے ایک ایک حرف پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اور ان کے بعد آجتک اہل اسلام کا یہ ایمان رہا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے اور اس پاک کتاب کا ایک ایک لفظ خدا کے مُنہ سے نکلا ہوا ہے۔ اور ان کے اس محبوب و مقصود کا کلام ہے جس کو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت پا لیا تھا۔ اور ہر حرف میں بیشمار برکات بھری ہیں۔ انکا ایمان تھا کہ اسکا ہر لفظ ایک بیش بہا آسمانی خزانہ ہے جو اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے انکو عطا کیا ہے۔ اس لیے اسکو نہایت محفوظ ترین مقام یعنی قلب میں محفوظ رکھنے کیطرف اسقدر متوجہ رہتے۔ وہ الٰہی جوانمرد بندگان خدا تھے (خدا کی بے اندازہ برکتیں اور رحمتیں اُنپر ہمیشہ نازل ہوتی رہیں) کہ ہر نوع کی تنگی اور تکلیف کا مقابلہ

کیا۔ اپنے اہل و اقارب سے جدا ہوئے۔ یار و مددگار سے مہجور رہے۔ گھر بار چھوٹے۔ جان و مال قربان کیے۔ غرض جو کچھ تھا سب کچھ اسی پر قربان کر دیا۔ پر اسکی حفاظت کے مقصد کو ادھورا نہ چھوڑا۔ ان کے کانوں میں جب کوئی نئی آیت پڑتی تو اس سے انکی جانوں میں ایک نئی روح نفخ ہوتی۔ اور نئی ہمت اور نیا استقلال شامل حال ہوتا۔ قرآنی آیات انکی پاک روحوں کی غذا تھیں۔ اور ہر نئی آیت ایک نئی لذت بخشتی تھی اس لیے وہ ہمیشہ اسی جد و جہد میں لگے رہتے کہ اپنی روحوں کو اس غذا سے سیر رکھیں۔ چنانچہ اسی لیے وہ ہر آیت کو بڑی احتیاط کے ساتھ یاد کر لیتے تھے وہ آیات کے نزول کا اس طرح انتظار کرتے رہتے تھے جس طرح ایک سخت پیاسا آدمی پانی کا انتظار کرتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں بکثرت اسی لیے رہتے تھے کہ جب کوئی تازہ آیت نازل ہو تو اسکو فوراً سن لیں اور حفظ کرنے میں سبقت کریں۔ انکی حالتوں کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ حضور رسالت مآب صلعم میں رہنے کے کسقدر مشتاق تھے۔ چنانچہ اکثر کا تو یہ حال تھا کہ کسی قدر کاروبار تجارت وغیرہ بطور حصول معاش کر کے باقی تمام وقت اس محبوب حقیقی فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد پروانہ وار گذارتے۔ پھر اس فرخ پے قوم کو اتنا وقت جدائی کا بھی مشکل گذرتا جو اپنے مشاغل ضروریہ کیوجہ سے غیر حاضر رہنے میں ہوتا اس سے اکثروں نے ایک دوسرے سے ملکر یہ انتظام کیا ہوا تھا کہ باری باری ایک اپنا کام کر آوے اور دوسرا حضور میں حاضر رہے اور اگر کوئی آیت نازل ہو تو اسکو محفوظ کر کے اپنے غیر حاضر بھائی کو پہنچا دے۔ اور پھر وہ اپنے کام پر چلا جائے اور دوسرا حضور میں موجود رہے۔ اس طریق سے گویا وہ تمام وقت ہی حاضر بحضور رہتے تھے اور جب کوئی آیت کریمہ نازل ہوتی تو فوراً اسکو محفوظ کر لیتے تھے۔ چنانچہ بخاری میں لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کے مضافات میں ایسے مقام میں رہتے تھے جہاں ایک انصاری انکے ہمسایہ تھے۔ جن کے ساتھ انہوں نے یہ انتظام کیا ہوا تھا کہ دونوں نوبت بہ نوبت آنحضرت سرور کائنات صلعم کے دربار میں حاضر رہیں۔ اور جو کچھ سنیں یا دیکھیں اس سے ایک دوسرے کو مطلع کرتے رہیں۔ یعنی ایک روز ایک اپنے معاش کیلیے کام کرتا اور دوسرا دربار نبوت میں حاضر رہتا اور دوسرے روز وہ اپنے کام میں مشغول ہوتا اور اول الذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "جب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں رہتا تو اس دن کی وحی اور مکاشفات وغیرہ کی تمام خبریں اس دوسرے شخص کو لا سناتا اور جس دن وہ حاضر دربار رسالت رہتا تو وہ اخبار مجھے لا سناتا" (صحیح بخاری) اس کے علاوہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں بعض ایسے بزرگ بھی تھے جنہوں نے ہجرت کے بعد کفار کے دکھ پہنچانے اور اذیت دینے کی وجہ سے تنگ اور مجبور ہو کر اپنے معاش کے کاروبار ہی چھوڑ دیئے تھے۔ ایسے بزرگ اپنا سارا وقت مسجد نبوی ہی میں گذارتے اور ہر وقت اس بات پر آمادہ رہتے کہ جب کوئی آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہو اسی وقت یاد کر لیں۔ انکا شغل تلاوت قرآن ہی تھا۔

یہ طرز حفاظت قرآن شریف کی اس الٰہی وعدے کے ماتحت عمل میں آ رہی تھی جو خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں کیا تھا۔

نری خوش اعتقادی سے ایسی احتیاط پیدا نہیں ہو سکتی خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن شریف کے پڑھنے پڑھانے اور یاد کرنے پر بہت سخت تاکید فرماتے رہتے تھے جیسا کہ مسلم کی حدیث ذیل سے ثابت ہوتا ہے۔ عن عقبۃ بن عامر قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و نحن فی الصفۃ فقال ایکم یحب ان یغدو کل یوم الی بطحان او العقیق فیاتی بناقتین کوماوین فی غیر اثم ولا قطع رحم قلنا یا رسول اللہ کلنا نحب ذٰلک قال افلا یغدو احدکم الی المسجد فیعلم او یقرا ایتین من کتاب اللہ خیر لہ من ناقتین وثلٰث خیر لہ من ثلٰث واربع خیر لہ من اربع ومن اعدادھن من الابل (رواہ مسلم) یعنی عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ ایک روز حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور ہم اسوقت صفہ میں تھے۔ آپ نے پوچھا کہ تم میں سے کون اس بات کی خواہش رکھتا ہے کہ ہر روز بطحان یا عقیق کو جائے۔ اور بڑی کوہان والی دو اونٹنیاں بغیر کسی کو گزند پہنچائے گناہ کیے اور قطع رحم کیے کے لائے۔ ہم نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم سب اس بات سے محبت رکھتے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی صبح کو مسجد میں آکر کتاب اللہ (قرآن کریم) کی دو آیتیں پڑھاتا یا پڑھتا نہیں۔ جو اس کے لیے دو اونٹنیوں سے بڑھکر ہیں اور تین آیتیں تین اونٹنیوں سے بہتر ہیں اور چار آیتیں چار اونٹنیوں سے بہتر ہیں جتنی آیتیں پڑھے پڑھائیگا وہ اتنے ہی اونٹوں سے بہتر ہونگی۔ ایسا ہی بخاری میں یہ حدیث آئی ہے عن عثمان رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ۔ یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سب سے بہتر وہی ہے جو قرآن شریف کو سیکھتا اور سکھاتا ہے۔ ایسا ہی بخاری اور مسلم دونوں میں یہ حدیث صحیح موجود ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ہے۔ عن عایشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الماھر بالقرآن مع السفرۃ الکرام البررۃ۔ والذی یقرا القرآن یتتعتع فیہ وھو علیہ شاق لہ اجران۔ یعنی قرآن کے ماہر اُن فرشتوں کے ساتھ ہونگے ہیں جو بہت عزت والے اور بزرگ ہیں اور جو شخص قرآن شریف کو اٹک اٹک کر پڑھتا ہے۔ اور نہایت مشکل سے اسکے حروف کو ادا کرتا ہے تو اس کے لیے دوچند اجر ہے۔ ایک اور حدیث یہ ہے عن ابن عمر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا حسد الا علی اثنین رجل اٰتاہ اللہ القرآن فھو یقوم بہ اٰناء اللیل واٰناء النھار ورجل اٰتاہ اللہ مالا فھو ینفق منہ اٰناء اللیل واٰناء النھار۔ یعنی ابن عمر سے روایت ہے کہ کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رشک صرف دو آدمیوں کے ساتھ کرنا جایز ہے ایک تو اس شخص کے ساتھ کہ جسے اللہ نے قرآن پڑھایا ہو اور وہ دن رات اس کی تلاوت میں مشغول ہے اور اسپر عمل کرتا ہے۔ دوسرے اس آدمی کے ساتھ جسے خدا نے مال دیا ہو اور وہ رات دن اُسے خدا کی راہ میں خرچ کرتا ہو۔ پھر ابو موسیٰ اشعری کی روایت سے ایک حدیث آئی ہے عن ابی

موسیٰ الاشعری عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال المؤمن الذی یقرأ القرآن کالاترجۃ طعمہا طیب و ریحہا طیب والمؤمن الذی لا یقرأ القرآن کالتمرۃ طعمہا طیب ولا ریح لہا۔ یعنی ابوموسیٰ اشعریؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔ مومن جو قرآن پڑھتا ہے اسکی مثال نارنجی کی طرح ہوتی ہے کہ اسکا ذایقہ بھی خوشگوار اور خوشبو بھی طیب ہوتی ہے اور جو مسلمان قرآن نہیں پڑھتا اسکی حالت کھجور سے مشابہ ہوتی ہے جسکا ذایقہ تو اچھا ہوتا ہے لیکن اُس میں کوئی خوشبو نہیں ہوتی + اب اس آخری حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو گروہوں میں تمیز کردی ہے یعنی ایک تو وہ گروہ علیحدہ بیان کیا ہے جو صرف قرآن شریف پر عمل ہی کرتا ہے اور اسکی تلاوت میں غفلت کرتا ہے ایسے گروہ کو بے خوشبو کہا ہے اور دوسرا دہ گروہ اس پہلے گروہ سے ممتاز کیا ہے جو عمل بھی کرتا ہے اور تلاوت بھی کرتا رہتا ہے اس گروہ کو خوشبودار ثمر سے مشابہت دی ہے اور اسکی ترجیح بیان فرمائی ہے۔ اس سے اور نیز دوسری حدیثوں سے نہایت صفائی سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ وسلم صرف قرآن شریف پر عمل کرنیکی تاکید ہی نہ فرماتے تھے بلکہ تلاوت قرآن شریف کی بھی اسی قدر تاکید فرماتے تھے۔ آنحضرت صلعم کی تعلیم میں حفظ قرآن کو جس احتیاط اور التزام کے ساتھ ملحوظ رکھا گیا ہے اس سے قرآن پر عمل کرنیکے پہلو کو کہیں جدا نہیں کیا گیا۔ اصل علت غائی حفاظت اور تلاوت کی یہی ہے کہ اسکو عملی زندگی میں ہمیشہ زندہ رکھا جاوے۔ اور جذب برکات و نفعات اور کشف و اخذ انوار ربانی اور تزکیہ نفس اور حصول معرفت و قرب الٰہی کیلیے بار بار پڑھکر اسپر تدبر اور تفکر کیا جائے۔

ہم نے اسجگہ مشتے نمونہ از خروارے کی مصداق پر عمل کیا ہے۔ ورنہ جس قدر تاکیدی احکام قرآن شریف کی تلاوت پر مداومت کے متعلق احادیث میں پائے جاتے ہیں اور جتنی اہمیت اس امر کو دیگئی ہے ان صحیح اور مستند روایات کا کتب احادیث میں اتنا بڑا ذخیرہ موجود ہے کہ انکا یہاں نقل کرنا باعث طوالت ناظرین کی ملالت کا باعث ہوگا۔ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں استذکار اور تعاہد قرآن پر ایک علیحدہ باب باندھا ہے۔ اس باب میں بہت سی احادیث اس مضمون کی ہیں کہ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت قرآن پر مداومت کی تاکید فرمائی ہے ایسا ہی ایک اور باب بعنوان "تعلیم الصبیان القرآن" قایم کیا ہے جس میں قرآن کریم کے اولاد کو تعلیم کرنیکے احکام ہیں۔ اور ایک تیسرا باب بعنوان "خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ" قایم کیا ہے یعنی بہترین انسان وہ ہے جو قرآن شریف پڑھتا اور پڑھاتا ہے۔ اور ایک چوتھا باب "القراۃ عن ظہر القلب" یعنی قرآن شریف کو زبانی یاد کرنے کے احکام اور مراتب کے متعلق باندھا ہے + یہ مسلّم امر ہے کہ مسلمانوں میں تنقید و تحقیق وصحت روایات کے لحاظ سے بخاری کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ مانا گیا ہے اور اس کتاب میں ہم اسقدر احادیث پاتے ہیں کہ ان سب کا نقل کرنا مشکل ہے اس لیے بنظر اختصار اسجگہ صرف ابواب کے نام لکھدینے پر ہی اکتفا کرتے ہیں اور ان تمام احادیث کا

مفصلاً ذکر نہیں کرتے۔ ابواب کے نام ہی اس بات کے ثبوت کے لیے کافی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن حفظ کرنے کی ہر مومن کو تاکید اکید فرماتے رہتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسکو یاد کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے اور بہت بڑی ثواب اور اجور کا ذریعہ جانتے تھے۔ انہی احکام کی تعمیل میں پہلے زمانوں کے مسلمان اگر سارا نہیں تو بعض بعض حصص قرآن شریف کے ضرور یاد کر لیا کرتے تھے۔ اگرچہ اس زمانہ میں بھی ہر ایک اسلامی ملک میں ہزارہا حافظ قرآن شریف کے اور قاری موجود ہیں جو سارا قرآن شریف کمال صحت کے ساتھ حافظہ میں یاد رکھتے ہیں جن کی مثال دنیا کی کسی غیر اسلامی قوم میں موجود نہیں۔ لیکن عرب کے خاص حالات ایسے تھے کہ ان کے لیے قرآن شریف کو از بر کرنا بہت ہی آسان تھا چنانچہ ولیم میور جیسا معاند اور مخالف اسلام بھی اپنی کتاب لائف آف محمدؐ کے دیباچہ کے صفحہ ۱۷ پر اسی خصوصیت کو تسلیم کرتا ہوا لکھتا ہے "عرب لوگ نظم کے بہت سرگرم اور جاندادہ مشتاق تھے لیکن ان کے پاس ایسے اسباب موجود نہ تھے کہ جن سے وہ اپنے شاعروں کے کلام کو ضبط تحریر میں لاسکتے۔ اس لیے بہت مدت تک ان میں یہی رواج رہا کہ اپنے شعرا کے کلام اور اپنی قوم اور آباء اجداد کے تاریخی واقعات کو دل کی زندہ الواح پر ہی بہت عمدگی اور صحت کے ساتھ طبع کر لیتے۔ اس طرز سے ان میں قوت حافظہ کمال درجہ ترقی پر پہنچ گئی ہوئی تھی۔ اور یہی قوت حافظہ اس نئی پیدا شدہ روح کے ساتھ پورے اخلاص اور شوق سے قرآن (کریم) کے حفظ کرنے میں کام آئی" ہم نے چند احادیث جو اوپر لکھی ہیں ان سے یہ بات بھی پائی جاتی ہے کہ آنحضرت صلعم یہ بھی چاہتے تھے کہ صحابہ کبار رضی اللہ عنہم علم قرآن میں ایکدوسرے پر فوقیت اور سبقت حاصل کرنیکی کوشش کرتے رہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی چند ایسے اسباب موجود تھے کہ جن کی وجہ سے قرآن شریف کے حفظ کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنیکے لیے صحابہؓ کوشش کرتے رہتے تھے۔ از انجملہ ایک یہ بات تھی کہ نمازوں میں امامت کرانے کے لیے وہ شخص ہی معزز عہدہ امامت کے لیے منتخب کیا جاتا تھا جو دوسروں سے علم قرآن میں بڑھا ہوا ہو۔ چنانچہ اس عزت کو حاصل کرنیکے لیے ایک دوسرے سے بڑھ بڑھ کر قرآن شریف کو یاد کرنے میں محنت کرتا۔ تمام صحیح احادیث اسی بات کو ثابت کرتی ہیں۔ شاید ہمارے بعض غیر مسلم ناظرین آجکل کے بعض ملاؤں کی حالت دیکھ کر حقیقت اور عظمت امامت سے واقف نہ ہوں گے۔ کیونکہ آجکل اکثر جگہوں میں اس منصب کی بہت غلط استعمالی ہو رہی ہے۔ اور اسکا اطلاق بھی نہایت نامعقول طور سے ہوتا دیکھنے میں آرہا ہے۔ اس لیے ہم اتنا عرض کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ اس امامت سے مراد وہ امامت نہیں جو آجکل کے بعض مسجدی ملاں لوگ کما رہے ہیں جس میں مردہ شوی اور روٹیاں وصول کرنا پیشہ کے طور پر دیکھا جا رہا ہے۔ یہ امامت دراصل مسلمانوں میں ایک نہایت عزت کا مقام اور اعلیٰ مرتبہ تھا۔ خود حضور صلعم بھی امام تھے۔ اور شریعت اسلامی میں اس امامت کے معزز اور مقتدر عہدہ پر ماموریت کا قاعدہ اسی شخص کے حق میں بلالحاظ قومیت و وجاہت و عمر آتا

جو علم قرآن میں دوسروں سے بڑھا ہوا ہوتا۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے عن عمرو بن سلمة قال کنا بحاضر یمر بنا الناس اذا اتوا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فکانوا اذا رجعوا مروا بنا فاخبرونا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کذا و کذا وکنت غلاما حافظا فحفظت من ذلک قرآنا کثیرا فانطلق ابی وافدا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی نفر من قومه فعلمهم الصلوٰة وقال یؤمکم اقرؤکم فکنت اقرؤهم لما کنت احفظ فقدمونی فکنت اؤمهم۔

یعنی عمرو بن سلمہ سے روایت ہے کہ ہم (یعنی ہماری قوم) ایکدفعہ کسی مقام پر ڈیرہ افگن ہوئی جو پانی کے قریب تھا۔ اور جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں جاتے تھے وہ اسی راہ سے جاتے تھے جو ہمارے پاس سے گذرتا تھا جب وہ واپس آتے تو ہمیں تمام الہامات جو حضور صلعم سے تازہ سُنکر آتے سنا جاتے تھے۔ میں ابھی بچہ ہی سا تھا (قریب آٹھ سال کے عمر تھی) پر میری قوت حافظہ بہت تیز تھی۔ جو جو میں سُنتا جاتا تھا میں حفظ کرتا جاتا تھا یہاں تک کہ اکثر حصہ قرآن شریف کا اسی طرح ان مہمانوں سے ہی میں نے حفظ یاد کر لیا۔ کچھ عرصہ بعد میرا باپ اپنی قوم کے بہت سارے عمائد کو ساتھ لے کر اسلام قبول کرنیکے لیے حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہاں آنحضرت صلعم نے انہیں داخل اسلام فرمایا اور ان کو نماز کی تلقین فرمائی۔ اور حکم دیا کہ تم میں نماز میں امامت وہ شخص کرایا کرے جو سب سے زیادہ قرآن جانتا ہو۔ چونکہ میں نے قرآن کا بہت حصہ پہلے ہی حفظ کیا ہوا تھا اس لیے امامت کا حق میرا ہی تھا پس مجھے ہی سب نے امام منتخب کیا۔ اور میں ہی نمازوں میں انکا امام ہوتا رہا۔" یہ حدیث ابوداؤد میں درج ہے اور بخاری اور دوسرے محدثین نے بھی اسکو لکھا ہے۔ ایسا ہی جب کبھی کوئی نئی قوم اسلام میں داخل ہوتی تو ان میں امامت کے فرائض ادا کرنے اور مسائل اسلام کی تلقین و تعلیم دینے کے لیے وہی شخص بھیجنے کے لیے منتخب کیا جاتا تھا جو علم قرآن میں فایق اور سابق ہوتا تھا۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ قرآن شریف جاننے والوں کی صرف اسیقدر عزت کیجاتی تھی۔ بلکہ یہ تو انکی اکرام و اعزاز کا صرف ایک ہی شعبہ بیان ہوا ہے۔ اُن لوگوں کی ہر پہلو سے عزت اور توقیر و تعظیم کیجاتی تھی۔ اور ہر موقعہ پر انہیں معزز اور مکرم سمجھا جاتا تھا۔ منجملہ اور وجوہ کے یہ بھی ایک وجہ تھی کہ جس سے صحابہ کبار رضی اللہ عنہم نے قرآن شریف کو اپنے مقدس دلوں کی الواح پر نہایت احتیاط کے ساتھ منقوش کیا ہوا تھا۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خلوت و جلوت میں قرآن شریف کی اکثر تلاوت فرماتے رہتے اور اپنا نمونہ پیش کرتے رہتے تھے۔ ناظرین یہ خیال نہ کریں کہ آنحضور صلعم صرف نمازوں ہی میں لمبی لمبی سورتیں پڑھنے پر اکتفا کیا کرتے تھے۔ بلکہ ہمارے سامنے ایسے کئی واقعات موجود ہیں کہ سفر کو جاتے ہوئے اونٹ پر سواری کیحالت میں آپ کئی سورتیں پڑھ جایا کرتے تھے۔ چنانچہ بخاری میں یہ روایت ہے۔ رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم فتح مکة وهو یقرأ علی راحلته سورة الفتح۔ یعنی

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ کے روز دیکھا کہ جب اپنے اونٹ پر سوار ہی تھے تو آپ نے سورۃ الفتح پڑھی۔" آنحضور صلعم کو دوسروں سے قرآن سننے سے بھی بڑی محبت تھی۔ اور یہ محبت آپ میں ایسی بڑھی ہوئی تھی کہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر بھی صحابہؓ کا قرآن کریم پڑھنا سنا کرتے تھے۔ چنانچہ بخاری باب نسیان القرآن میں اس قسم کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک دفعہ رات کو جب ایک شخص نماز میں قرآن پڑھ رہا تھا تو آپ سن رہے تھے۔ اسی طرح بخاری میں یہ روایت بھی درج ہے عن عبد اللہ قال قال لی النبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقرأ علیّ قلت یا رسول اللہ آقرأ علیك وعلیك انزل قال نعم فقرأت سورۃ النساء حتّٰی اتیت علٰی ھٰذہ الاٰیۃ فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید وجئنا بك علٰی ھٰؤلاء شھیدا۔ قال حسبك الاٰن فالتفت الیہ فاذا عیناہ تذرفان۔ یعنی عبد اللہ سے روایت ہے کہ کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ مجھے فرمایا کہ کچھ قرآن سناؤ۔ میں نے جواب میں عرض کیا کہ حضور! کیا میں آپ کو سناؤں اور آپ پر تو نازل ہوا ہے؟ اسپر آپ نے فرمایا کہ ہاں۔ (اور دوسری روایت میں ہے کہ مجھے یہ اچھا لگتا ہے کہ دوسرے کو پڑھتا سنوں) یہ بات سنکر میں نے سورۃ النساء پڑھنی شروع کی یہانتک کہ جب میں اس آیت پر پہنچا۔ فکیف اذا جئنا الاٰیہ۔ تو آپ نے فرمایا اسوقت بس کرو جب میں نے آپکی طرف دیکھا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو چل رہے تھے۔" یہ چند واقعات جو محض بطور نمونہ درج کیے گئے ہیں بتلا رہے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنا نمونہ دکھا کر صحابہؓ کو قرآن پڑھنے کی رغبت دلایا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں مسلمانوں کا آجکل کے نام کے مسلمانوں جیسا حال نہ تھا۔ وہ تو اپنی زندگیوں کی علت غائی یہی سمجھتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکموں اور آپ کے نمونوں پر عمل کرتے رہیں۔ اسی میں انکی خوشی ہوتی تھی اس لیے آپکی ایسی ترغیبات کبھی بے اثر نہیں جاتی تھیں۔ وہ پاک جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین قرآن شریف کے ایک ایک لفظ کو بڑی امانت اور احتیاط کے ساتھ اپنے دلوں کے خزانوں میں جمع کر لیتے اور اسکی تلاوت اور تعلیم و تعلم پر مداومت فرض اولیٰ سمجھتے تھے۔ قرآن شریف کی تلاوت اور تعلیم و تعلم کا رواج ایسا عالمگیر طور پر مسلمانوں میں ہو گیا تھا کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور پیشگوئی فرمایا کہ ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ علم قرآن جہان سے اٹھ جائیگا تو صحابہؓ کو اس بات سے بہت تعجب پیدا ہوا۔ اور زیاد ابن لبید صحابی اسی تعجب و حیرت میں فوراً بے ساختہ بول اٹھا کہ یا رسول اللہ علم قرآن دنیا سے کیسے مفقود ہو سکتا ہے جبکہ ہم سب خود اسے پڑھتے رہتے ہیں اور اپنی اولاد کو اسکی تعلیم دیتے ہیں اور ہماری اولاد اپنی آیندہ نسلوں کو قیامت کے دن تک قرآن سکھلاتی اور پڑھاتی رہیگی۔" قرآن شریف کی حفاظت کے انتظام کی سمجھ تو صحابیوں کے ایسے کلام سے بخوبی آ سکتی ہے۔ اس سے اس بات کا پتہ لگتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کبار رضی اللہ عنہم قرآن شریف کی حفاظت کے زبردست انتظام میں الٰہی

سرگرمی اور کوشش کرتے تھے کہ انکے خیال میں یہ بات سما سکتی ہی نہ تھی کہ اس حالت کے بعد قرآن پر کوئی زمانہ ایسا آسکتا ہے کہ وہ دنیا سے اُٹھ جائیگا۔ اُن لوگوں میں قرآن شریف کی محبت ایسی بھری ہوئی تھی کہ مارے محبت کے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو بھی اُسوقت نہ سمجھا اور جھٹ عرض خدمت کرنا شروع کر دیا۔ در اصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء یہ نہ تھا کہ دنیا سے قرآن کریم کے الفاظ مفقود ہو جائیں گے۔ بلکہ آپکے ان الفاظ سے مراد یہ تھی کہ ایک زمانہ ایسا آنیوالا ہے کہ جس میں لوگ قرآن شریف پر عمل کرنا چھوڑ دیں گے۔ اس حدیث کو ترمذی اور بعض دیگر محدثین نے بیان کیا ہے اور ہم نے اسکو گذشتہ رسالہ میں نقل بھی کر دیا ہے۔ اس سے یہ بات اچھی طرح عیاں ہوتی ہے کہ قرآن شریف کی ایک ایک آیت صحابہؓ میں ایسی عام طور پر شایع ہو چکی اور سب کو یاد تھی کہ یہ بات انکے دماغوں میں آہی نہ سکتی تھی کہ کسی وقت کُل تو کیا اسکا کوئی حصہ بلکہ کوئی جملہ۔ لفظ حرف یا نقطہ ہی گم ہو سکے گا۔ اور یہ بات بھی انکی سچی تھی اور علاوہ ازیں انکو قرآن اور آنحضرت صلعم نے سکھلایا بھی یہی تھا کہ یہ کبھی گم نہیں ہوگا اور ہمیشہ محفوظ رہیگا۔ پھر وہ اس بات کو کیونکر مان سکتے تھے کہ کوئی زمانہ اس کے گم ہونیکا بھی آسکتا ہے۔ پھر جب اونہیں اصل مطلب حضور سرور کائنات کے کلام کا سمجھ آگیا تو پھر خاموش ہو گئے اور انکی تسلی ہوگئی۔ کہ آپکے کلام سے قرآن شریف کی حفاظت کے اعتقاد میں کوئی نقصان نہیں بلکہ لوگوں کا اسپر عمل میں کمزور ہو جانا مراد ہے۔

یہ بات ظاہر ہو چکی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم قرآن شریف کو حفظ کرنا اور اسکی تلاوت میں لگے رہنا اپنی زندگی کی بڑی بھاری خوشی سمجھتے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن کریم کی تلاوت پر مواظبت کے حکم کی نہایت جوش اور باقاعدگی سے تعمیل کرتے تھے۔ تلاوت میں کثرت کا انہیں اتنا شوق تھا کہ بعض صحابی ہر رات قرآن شریف ختم کر لیا کرتے تھے اور یہ حالت دیکھکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انہیں ایسا طریق اختیار کرنے کی ہدایت دینی پڑی کہ جو انپر بار گراں نہ ہو۔ چنانچہ بخاری میں ایک باب اس مضمون پر ہے کہ کتنے دنوں میں قرآن ختم کرنا چاہیئے۔ اس باب میں ایک حدیث وارد ہوئی ہے کہ ایک صحابی کی نسبت آنحضرت صلعم کو معلوم ہوا کہ وہ ہر رات قرآن شریف کا ختم کرتا ہے۔ اسپر آپنے اُسے بلا کر ہدایت کی کہ قرآن پڑھنے میں اتنی جلدی نہیں کرنی چاہیئے آہستگی سے تلاوت کرنی چاہیئے۔ ایک رات میں نہیں بلکہ سات دنوں میں یا پانچ دنوں میں یا کم از کم تین دنوں میں ختم کرنا چاہیئے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ صحابہؓ میں ایسے بزرگ بھی موجود تھے جنہیں قرآن شریف کے حفظ پر اتنی دسترس تھی کہ وہ ایک رات میں ہی سارا ختم کر لیا کرتے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم دینے سے کہ کم از کم تین دنوں میں قرآن ختم کرنا چاہیئے یہ منشاء تھی کہ قرآن کو طوطے کی طرح بلا مطلب سمجھے نہیں پڑھتے رہنا چاہیئے بلکہ اسکو غور و خوض اور تدبر و تفکر سے پڑھنا چاہیئے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ عبد اللہ بن عمرو نے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! مَیں کتنے عرصہ میں قرآن شریف کو ختم کیا کروں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیس(۳۰) دنوں میں ختم کیا کرو۔ اس نے عرض کیا کہ مَیں تو بہت جلدی ختم کرسکتا ہوں۔ پھر آپؐ نے اس کے کہنے پر اس مدت کو تخفیف کرکے ۲۵ روز کر دیا۔ پھر اس نے عرض کیا کہ مَیں اس سے تھوڑے عرصہ میں ختم کرسکتا ہوں۔ پھر آپؐ نے کچھ کمی کر دی۔ یہانتک کہ ہوتے ہوتے صرف پانچ دنوں کی میعاد کر دی گئی۔ اور اس کو منع کیا گیا کہ ایک رات میں قرآن شریف کو ختم نہ کیا کرے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضور صلعم نے کم از کم میعاد تین روز مقرر کی تھی۔ چنانچہ اس جگہ وہ اصل حدیث جو مسند دارمی میں لکھی ہے درج کیجاتی ہے اور وہ یہ ہے عن عبد اللہ بن عمروؓ قال یا رسول اللہ فی کم اختم القرآن قال اختمہ فی شھر قلت انی اطیق قال اختمہ فی خمسۃ و عشرین قلت انی اطیق قال اختمہ فی عشرین قلت انی اطیق قال اختمہ فی خمس عشرۃ قلت انی اطیق قال اختمہ فی خمس قلت انی اطیق قال لا۔ یعنی عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ اس نے حضور صلعم سے عرض کیا یا رسول اللہ! مَیں کتنے عرصہ میں قرآن ختم کیا کروں فرمایا ایک ماہ میں اس نے عرض کیا کہ مَیں اس سے جلدی ختم کرسکتا ہوں تو فرمایا پچیس(۲۵) دنوں میں ختم کیا کرو اس نے عرض کیا کہ مَیں اس سے بھی جلدی ختم کرسکتا ہوں فرمایا بیس(۲۰) دنوں میں ختم کیا کرو۔ اس نے عرض کیا کہ مَیں تو اس سے بھی جلدی ختم کرسکتا ہوں فرمایا پندرہ دنوں میں ختم کیا کرو۔ اس نے عرض کیا کہ مَیں اس سے بھی .... جلدی ختم کرسکتا ہوں فرمایا دس دنوں میں ختم کیا کرو۔ اس نے عرض کیا کہ مَیں اس سے بھی جلدی ختم کرسکتا ہوں فرمایا پانچ دنوں میں ختم کیا کرو۔ اس نے عرض کیا کہ مَیں اس سے بھی جلدی ختم کرسکتا ہوں تو پھر آپؐ نے فرمایا بس یعنی اب اس سے کم میعاد نہیں ہوسکتی۔ ایسا ہی فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۹ صفحہ ۵۳ پر یہ حدیث منقول ہے۔ عن ابن مسعودؓ اقرؤا القرآن فی سبع ولا تقرؤہ فی اقل من ثلث یعنی قرآن کریم کو سات دنوں میں پڑھا (ختم کیا) کرو۔ اور تین دنوں سے کم مدت میں ہرگز ختم نہ کرو۔ ایسا ہی اسی کتاب میں ایک اور حدیث منقول ہے جو یہ ہے عن عائشۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یختم القرآن فی اقل من ثلث یعنی حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عموماً قرآن شریف کو تین دنوں سے کم عرصہ میں ختم نہیں کیا کرتے تھے۔

اب ان روایات و احادیث معتبرہ سے یہ بات عیاں ہو رہی ہے کہ اصحاب رسول کریم صلعم کو قرآن کریم کے پڑھنے کے ساتھ اتنا شوق بڑھا ہوا تھا کہ وہ ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے رہتے تھے کہ کون جلدی ختم کرتا ہے یعنی کس کو زیادہ صفائی اور صحت کے ساتھ حفظ پر ضبط اور قدرت حاصل ہے۔ اور بعض نے تو ایسا کمال حاصل کیا ہوا تھا کہ صرف ایک ہی رات کے اندر سارا قرآن شریف الحمد سے لیکر الناس تک ختم کر لیتے تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ آنحضرت صلعم کو پڑھنے کی میعاد مقرر کرنی پڑی۔ اور صحابہؓ کو اس کے متعلق بار بار پوچھنے کی ضرورت محسوس ہوتی رہی۔ اور یہ قرآن شریف کے پڑھنے میں ایسی تیز روانی ہی تھی کہ جس کی وجہ سے آنحضور سرورِ کائنات صلعم کو ایسی زود کو روکنے اور میعاد قل

ص عشر قلت انی اطیق قال اختمہ فی

مقرر کرنیکی ضرورت پیش آئی۔ اس سلسلہ دلایل سے یہ بات بدیہی طور پر پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ صحابہؓ کو قرآن شریف عموماً حفظ ہوتا تھا۔ کیونکہ ایسی جلدی پڑھنا حفظ ہی کے ذریعہ سے ہوسکتا ہے۔ دیکھکر پڑھنے سے محال ہے۔ اور جب ہم یہ بات دیکھتے ہیں کہ رات ہی رات میں وہ لوگ قرآن شریف ختم کرتے تھے تو اس سے اور بھی اس بات پر وضاحت سے ثبوت بہم پہنچتا ہے کہ انکو حفظ یاد تھا۔ والّا اگر قرآن شریف انکو یاد نہ ہوتا تو رات ہی رات میں اسکا پڑھ لینا کیسے ممکن ہوسکتا تھا۔

اس کے علاوہ یہ بات اس طرح بھی ثابت ہوتی ہے کہ اکثر معتبر اور صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی کثیر جماعت کو قرآن کریم حفظ تھا۔ چنانچہ قرّا کی ایک بڑی جماعت موجود تھی۔ قرّا کے معنے وہ نہیں جو آجکل لوگ سمجھے ہوئے ہیں کہ کوئی شخص کسی طرز خوش الحانی سے یا بعض قرأتی فنون کے اصول پر قرآن شریف پڑھ سکے اور اسکو ایک سورۃ بھی یاد نہ ہو اسکو قاری کا خطاب دیا جاتا ہے۔ بلکہ قرّا کا اصل مفہوم یہ ہے کہ "قرآن شریف۔ اوروں کو سکھلانے کے لیے حفظ کرنیوالے لوگ" چنانچہ صاحب فتح الباری نے لفظ قرّا کے یہی معنے کیے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ قرّا کے معنے یہ ہیں۔ الذین اشتھروا بحفظ القرآن والتصدی لتعلیمہ۔ "وہ لوگ جو قرآن شریف کو حفظ کرنے اور دوسروں کو قرآن شریف سکھلانے کیلیے مشہور تھے" اس میں شک نہیں کہ اس لفظ کے ذیل میں آنیوالوں کے لیے ضروری ہے کہ انہیں کامل طور پر علم قرآن بھی ہو۔ ہمیں افسوس ہے کہ مسلمانوں میں بعض معزز الفاظ کی اس کثرت سے غلط استعمالی کیجاتی ہے کہ گویا اس لفظ کے اصل مفہوم کی توہین تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ مثلاً یہی لفظ قاری یا قاضی یا علما وغیرہ کوئی موروثی عہدے نہیں بلکہ انہیں ایک حقیقی کمال کی حاجت پڑی ہوئی ہے۔ اور انکے مصداق بننے کے لیے وہ ذاتی جوہر ضروری ہیں جو اصل حقیقت مفہوم لفظ ہیں۔ مگر آجکل تو یہ حال ہے کہ کسی کا بزرگ کسی گذشتہ زمانہ میں ایسا صاحب کمال گذرا ہو جو ان خطابات کا مستحق ہو اور پھر اونکے بعد نسلوں کی نسلیں اور پشتوں کی پشتیں ترقی معکوس کی قعر میں ایسی گرتی چلی آئی ہوں کہ ان اعلیٰ جوہروں کا کوئی شمہ بھی ان میں باقی موجود نہ ہو مگر پھر بھی پھر وہ قاری وغیرہ کہلاتے رہتے ہیں۔ درحقیقت الفاظ کی ایسی بد استعمالی کا اثر ان بزرگان دین کی شان پر جاکر پڑتا ہے جو صحیح طور پر ان کے مصداق تھے اور ہیں۔ کیونکہ جب کسی کا کوئی واقف ایسا ہو کہ جس کی نسبت اسکو علم ہے کہ وہ علم قرآن تو درکنار معمولی نوشت وخواند سے بھی بے بہرہ ہے اور اسکو عام مسلمان لوگ قاری یا قاضی یا علما وغیرہ کہتے ہیں تو جب کسی بزرگ پر یہ لفظ استعمال کیا جائیگا جو حقیقی مصداق ان الفاظ کا تھا تو عوام الناس اس کی شان بھی ویسی ہی ذلیل سمجھیں گے جیسے کہ وہ اپنے سامنے والے دوست کی سمجھتے ہیں۔ ہمیں اتنی بات لکھنے کی اس لیے ضرورت پڑی ہے کہ لوگوں کو اس بات کا علم ہو جائے کہ جن قرّا کا یہاں اس رسالہ میں ذکر ہو رہا ہے وہ معمولی انسان نہ تھے بلکہ وہ ایسے صاحب کمالات ظاہری و باطنی بزرگ تھے کہ جنہوں نے اپنی زندگیوں کو قرآن شریف کے سیکھنے اور سکھانے کیلیے وقف کر دیا ہوا تھا اور اپنی جانوں کو اس پر نثار اور قربان کر رکھا تھا۔ وہ پاک ارواح بزرگ علم قرآن کے فضل سے آراستہ تھے احادیث سے ثابت ہے کہ ستر قرّا کو کفار نے

آنحضرت صلعم کے زمانہ میں بئرمعونہ کے قریب قتل کر دیا تھا۔ یہ کوئی سُنی سُنائی بات نہیں بلکہ نہایت معتبر شہادت سے ثابت ہے جو بخاری اور دیگر کتب احادیث میں درج ہے۔ اب جبکہ یہ امر ثابت ہے کہ صرف ایک ہی مقام پر کفار نے اتنی بڑی تعداد حافظان قرآن شریف کو نہایت بیرحمی اور ظلم کے ساتھ تہ تیغ کیا تو یہ نتیجہ قطعی اور یقینی ہے کہ اس مقدس جماعت صحابہؓ میں کثرت سے قرا موجود تھے۔ "باب القراء من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کی ذیل میں حضرت امام بخاریؒ نے بہت سی احادیث بیان فرمائی ہیں۔ از انجملہ ایک یہ ہے۔ ذکر عبد اللہ بن عمرو عبد اللہ بن مسعود فقال لا ازال احبہ سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول خذوا القرآن من اربعۃ من عبد اللہ بن مسعود وسالم ومعاذ وابی بن کعب۔ یعنی عبد اللہ ابن عمرو نے عبد اللہ بن مسعود کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ میں ہمیشہ اس سے محبت کرتا رہونگا کیونکہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات فرماتے سُنا ہے کہ چار آدمیوں عبد اللہ بن مسعود و سالم و معاذ و ابی بن کعب سے قرآن سیکھو۔ اس حدیث سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ قرآن کا علم اور قرآن کی تعلیم دینا انہیں چار بزرگوں میں محدود تھا اور دوسرے صحابہؓ میں یہ قابلیت پیدا نہ ہوئی تھی۔ اور نہ ہی اس حدیث کے الفاظ میں یہ بات موجود ہے کہ گویا کہ ان چاروں کے سوا کوئی دوسرا صحابی قرآن کو یاد نہ رکھتا تھا۔ اور اسکو پڑھا نہ سکتا تھا۔ یہ بات ثابت ہے کہ تمام صحابہؓ قرآن شریف کا کچھ نہ کچھ حصہ جانتے تھے اور یہ امر بھی عیاں ہے کہ انہیں کثیر التعداد ایسے لوگ تھے جو قرآن شریف کے حافظ تھے۔ یعنی جن کو قرآن شریف از بریاد تھا۔ لیکن قرآن شریف کا معلم بننے کے لیے ضروری ہے کہ اس شخص میں فہم قرآن بھی اعلیٰ درجہ کا ہو اور علم قرآن بھی بہت بڑھکر ہو۔ اس حدیث میں ان لوگوں کی معلمیت کی حیثیت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور انکی اس قابلیت کا اشارہ کیا گیا ہے کہ وہ لوگ اچھی طرح قرآن سکھانیکی قابلیت رکھتے تھے۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ وہ قرآن شریف کی تمام سورتوں کو اچھی طرح سکھا سکتے تھے اس لیے خود پورے قرآن شریف کے حافظ تھے۔ اور ایک یہ وجہ بھی ہے کہ صحابہؓ کی جماعت بہت کثیر تھی اسلیے ہر ایک آدمی کو یہ موقعہ میسر نہیں آسکتا تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے آیات قرآنی سُن سکتا۔ اکثروں نے اگر کچھ حصہ آنحضرت صلعم سے سنا بھی ہوگا تو کثیر حصہ بالواسطہ سیکھا پس شاید ان چار کا نام اسواسطے لیا کہ انہوں نے اکثر حصہ قرآن شریف کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے بلاواسطہ سُنا اور سیکھا تھا۔ چنانچہ ان میں سے ایک عبد اللہ بن مسعود اس سے اگلی حدیث میں کہتے ہیں کہ میں نے ستر سے زیادہ سورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بلاواسطہ حاصل کیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ جس زمانہ کی یہ حدیث ہو اُس زمانہ میں قرآن شریف پڑھانیکی قابلیت انہیں زیادہ ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث درمیانی زمانہ نبوت کی ہے۔ اور اس کے بعد قرآن شریف کی اشاعت بڑھتی گئی اور ہزاروں طبائع اہل قابلیت پیدا ہوتی گئیں۔ غرض اسی قسم کی کوئی خصوصیتیں ہونگی جنکی وجہ سے آنحضرت صلعم نے ان چاروں کا نام اس حدیث میں لیا ہے۔ ورنہ احادیث صحیحہ معتبرہ سے ثابت ہے

کہ صحابہؓ میں بکثرت ایسے لوگ موجود تھے جن کو نہ صرف قرآن شریف از بر یاد ہی تھا بلکہ انکو فہم قرآن بھی اعلیٰ درجہ کا عطا کیا گیا تھا۔ ان لوگوں میں سے بطور مثال ہم حضرت ابوبکر صدیق رضؓ ہی کا نام نامی پیش کرتے ہیں۔ حضرت صدیق رضؓ صاحب کمالات ظاہری و باطنی یار غار رسول کریم صلعم تھے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی قرآن دانی اور قرآن فہمی کا سب سے فائق ہونا کئی موقعوں پر بیان فرمایا۔ مثلاً آپ کے آخری ایام کے ہی چند واقعات لے لو۔ آخری ایام کے واقعات ہم اس لیے لیتے ہیں کہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ شاید بعد میں دوسرے صحابہؓ نے فوقیت حاصل کر لی ہو۔ ان واقعات میں سے ایک واقعہ تو یہ ہے کہ جب سورۃ النصر نازل ہوئی تو ذکر ہے کہ حضرت ابوبکرؓ رو پڑے۔ جب بعض لوگوں نے تعجب کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکر تم سے بہتر قرآن سمجھتا ہے کیونکہ اس سورۃ میں یہ اشارہ تھا کہ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے کوچ کر جانیکا وقت قریب آ گیا ہے۔ اور اسی لیے حضرت ابوبکر رضؓ رو بھی پڑے تھے۔ دوسرا واقعہ یہ ہے کہ اسکے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مسجد میں جسقدر دریچے ہیں وہ سب بند کر دیئے جائیں سوائے حضرت ابوبکر کے دریچہ کے۔ اس میں بھی یہ اشارہ تھا کہ جو دسترس آپ کو علم قرآن میں حاصل ہے وہ کسی دوسرے کو نہیں۔ تیسرا واقعہ یہ ہے کہ آخری بیماری کے دنوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی کو امام مقرر فرمایا۔ اب یہ بات صحیح اور معتبر احادیث سے ثابت ہے کہ نمازوں کے لیے امام وہی شخص منتخب ہونا چاہیئے جو سب سے بڑھ کر علم قرآن میں فوقیت رکھتا ہو۔ جبکہ امامت کے لیے قرآن شریف کے علم میں برتری ایک شرط اولی آپنے ہمیں بتلائی تو جس شخص کو آپنے امامت کے لیے منتخب کیا ضرور ہے کہ اس کو علم قرآن میں تمام جماعت صحابہؓ پر ہر طرح کی فوقیت آپکے نزدیک مسلم ہو۔ یہاں تو ابوبکر رضؓ کو سب صحابہ رضؓ میں سے بڑھکر قرآن جاننے والا مانا گیا۔ لیکن وہاں اس حدیث میں جہاں چاروں کا ذکر کیا گیا ہے انکا گرامی اسم نہ بیان کیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس حدیث میں جن ناموں کا ذکر ہے وہ حصر کے طور پر نہیں بلکہ کسی خصوصیت کی وجہ سے ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جہاں بہت سارے ایسے شخص موجود ہوں جنکا علم قرآن مساوی سمجھا جاتا ہو تو وہاں اس انتخاب کے لیے اس شخص کے دوسرے حالات دیکھنے پڑتے ہیں۔ مثلاً اگر بہت سے لوگ علم قرآن میں مساوی ہوں جیسے مثلاً چند آدمی قرآن شریف حفظ یاد رکھتے ہوں تو وہاں اور معیاروں سے کام لینا پڑتا ہے۔ اب حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی نسبت بھی ثابت ہے کہ انکو قرآن شریف از بر یاد تھا اور اسی طرح قرآن کو یاد رکھنے والے بہت سے اور صحابی وہاں موجود تھے۔ اس لیے محض اس مشترکہ لیاقت کی بدولت قرعہ امامت بنام حضرت ابوبکر رضؓ پڑنا محال تھا۔ ضرور ہے کہ انمیں یہ جوہر بھی موجود ہو کہ قرآن شریف انکو از بر تھا اور یہ قابلیت بھی دوسروں سے بڑھکر تھی کہ قرآن شریف کا فہم انمیں سب سے بڑھکر تھا۔ اس بات میں کسی قسم کے شک کو کوئی گنجائش نہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ قرآن شریف کے حافظ بھی تھے

چنانچہ انہوں نے اپنے گھر کے صحن میں ایک مسجد بھی بنا رکھی تھی جس میں وہ ہر روز بلا ناغہ بیٹھکر قرآن شریف کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ ملکہ کفار نے انکو ایک دفعہ اس سے روکا بھی تھا اور یہ کہا تھا کہ اسطرح قرآن سُنا سُنا کر تم ہماری عورتوں اور بچوں کو مسلمان کرلوگے۔ اور یہ بھی ثابت ہے کہ آنحضور سرور کائنات صلعم کے حضور میں ہر وقت کی حاضر باشی کا شرف انکو سب سے بڑھکر نصیب ہوا۔ ان امور سے صاف طور پر ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رض قرآن شریف کے حافظ بھی تھے۔ اور فہم و علم قرآن میں تمام صحابہؓ سے بڑھے ہوئے تھے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انکو منصب امامت اور جادہ خلافت پر ممتاز نہ فرماتے پھر اسی طرح عبداللہ بن عمرو نے ایک یہ حدیث بیان کی ہے جو نسائی میں موجود ہے اور جس کے راوی معتبر اور صحیح مانے گئے ہیں اور وہ یہ ہے عن عبد اللہ بن عمرو قال جمعت القراٰن فقرأت فی کل لیلۃ فبلغ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اقرأہ فی شہر۔ یعنی عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ میں نے سارا قرآن اپنے حافظہ میں جمع کرلیا یعنی ازبر کرلیا اور میری عادت تھی کہ ہر رات ایک ختم قرآن کر چھوڑا کرتا تھا۔ اس امر کی اطلاع حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوگئی تو آپ نے مجھے ہدایت فرمائی کہ ایسا مت کیا کرو بلکہ قرآن شریف کو ایک مہینے میں ختم کیا کرو۔" غرض اسی طرح صحابہ کبار کی جماعت میں بہت سے صحابی ایسے ثابت ہوتے ہیں جن کو قرآن شریف ازبر تھا۔ اور چاروں خلیفے یعنی حضرت ابوبکر صدیق۔ حضرت عمر فاروق۔ حضرت عثمان۔ حضرت علی اور طلحہ۔ سعد۔ ابن مسعود۔ سالم۔ رضی اللہ عنہم کے نام حافظان قرآن میں صحیح روایات میں موجود ہیں۔ مرد تو خیر قرآن شریف کے حافظ اور عالم تھے ہی صحابیہؓ میں عورتیں بھی اسکے حفظ کرنیکی عزت سے محروم نہ رہیں۔ بلکہ ان میں بھی قرآن شریف کے علم حاصل کرنیکا شوق اور حفظ کا رواج تھا۔ چنانچہ حضرت عایشہ رض حضرت حفصہ رض اور حضرت ام سلمہ رض وغیرہ کے گرامی اسمار تاریخ صحیح کی اس فہرست کو زینت دے رہے ہیں۔ مہاجرین کے علاوہ انصار رض میں بھی قرآن شریف کے لیے ایسی ہی محبت اور شوق تھا۔ لیکن اسجگہ فہرست دینے سے طول ہوتا ہے۔ یہ بھی ڈر ہے کہ کہیں بے سمجھی سے کام لینے والے متعصب لوگ یہی نہ سمجھ لیں کہ قرآن کریم کے حافظ صرف اتنے لوگ ہی تھے جن کے نام لکھے گئے ہیں۔ ایسا گمان واقعات سے بہت بعید ہوگا۔ کیونکہ ابھی ہم دکھلا آئے ہیں کہ صرف ایک ہی موقعہ پر کفار نے ستر قرا کو قتل کردیا تھا۔ جس سے کثرت قرا کا ثبوت کافی طور پر ملتا ہے۔ اسکے علاوہ غزوہ یمامہ میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تھوڑے دن بعد واقعہ ہوا قریباً اسی قدر قرا شہید ہوئے۔ جن میں مذکورین کے زمرہ سے صرف حضرت سالمؓ تھے۔ جب جنگ یمامہ کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ جنگ یمامہ میں ہمارے اکثر قرا کام آگئے۔ اس لیے اب ضروری ہے کہ قرآن شریف ایک ہی جلد میں جمع کردیا جائے۔ اس موقعہ پر انہوں نے صرف سالمؓ کا نام نہ لیا تھا بلکہ کہا تھا کہ قال ابوبکر ان عمر اتانی فقال ان القتل قد استحر یوم الیمامۃ بقراء القراٰن۔ یعنی حضرت ابوبکر رض نے فرمایا کہ حضرت عمر رض میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ غزوہ یمامہ میں قرآن شریف کے قرا بہت سے قتل ہوگئے ہیں۔ اگر صرف وہی لوگ حافظ اور قرا قرآن ہوتے

جن کے نام لکھے گئے ہیں تو حضرت عمرؓ کو چاہیئے تھا کہ صرف سالمؓ ہی کا نام لیتے کیونکہ نامزدہ لوگوں سے تو صرف ایک سالمؓ ہی وہاں کام آئے تھے۔ مگر حضرت عمرؓ کے الفاظ سے یہ بات پائی جاتی ہے کہ وہاں کثرت سے قرا شہید ہوگئے۔ جس سے یہ بات بیّن طور پر ثابت ہوتی ہے کہ قرا و حفاظ قرآن بکثرت تھے۔

بخاری میں یہ ایک حدیث منقول ہے عن انس قال مات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولم یجمع القراٰن غیر اربعۃ ابو درداء و معاذ بن جبل و زید بن ثابت و ابو زید۔ یعنی انس سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور سوائے چار اشخاص ابو درداء و معاذ بن جبل و زید بن ثابت و ابو زید کے کسی نے قرآن جمع نہ کیا۔ اور ایک روایت میں جو بخاری ہی میں ہے بجائے ابو درداء کے ابی بن کعب کا نام ہے جمع کے علم معنے تو احادیث میں کتاب کی صورت میں جمع کرنیکے آئے ہیں پس اگر یہی معنے اس حدیث میں مراد لیے جائیں تو اس سے قرآن شریف کے حافظوں کی تعداد کا حصر نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی تعارض ان احادیث صحیحہ سے واقع ہوتا ہے جو اوپر نقل کیگئی ہیں۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر چار آدمی قرآن شریف کو ایک جا جمع کر چکے تھے اور کتاب کی صورت میں کلام ان کے پاس موجود تھا تو حضرت عمرؓ نے اتنا خوف کیوں ظاہر کیا اور حضرت زیدؓ نے اس کام کو اتنا مشکل کیوں سمجھا سو اسکا جواب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ یا حضرت ابو بکرؓ اور زیدؓ کا منشا ران اصل مسودات کو جمع کرنا تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق آپ کے کاتبوں نے لکھے تھے۔ اس لیے انکا مطلب اس سے حل نہ ہوتا تھا کہ کسی کا اپنے طور پر جمع کیا ہوا قرآن شریف انکو ملجائے۔ اور یہی معنے اس حدیث کے کرنے پڑیں گے جس میں یہ لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور قرآن کسی چیز میں جمع نہ تھا۔ یعنی مطلب اسکا یہ ہوگا کہ وہ مسودات جو آنحضرتؐ کی ہدایت کے مطابق لکھے گئے تھے وہ ایک جگہ جمع نہ کیے گئے تھے اور یہ بالکل صحیح ہے۔ اس سے صحیح اور معتبر احادیث میں کسی قسم کا تعارض باقی نہیں رہتا۔ اور اگر لفظ جمع کے دوسرے معنے مراد لیے جاویں یعنی کل قرآن شریف کا حفظ کرنا تو اس صورت میں حدیث کے معنے سمجھنے کے لیے پہلے واقعات کو دیکھنا چاہیئے۔ اور یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ حضرت انسؓ نے اس روایت کو کس حال اور کس موقعہ اور کس غرض سے بیان کیا تھا۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ یثرب میں (جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے مدینہ منورہ ہو گیا) دو قومیں خزرج اور اوس رہتی تھیں۔ ان قوموں میں عرب جاہلیت کے زمانہ کیطرح باہمی سخت عداوت اور بُغض تھا۔ پھر جب یہ دونوں قومیں مسلمان ہوگئیں تو ان میں سے دشمنی دُور ہوگئی اور سب ایک دوسرے کے بھائی ہوگئے۔ لیکن ترقیات دینی میں رشک ضرور رہا۔ حضرت انسؓ قوم خزرج میں سے تھے۔ ایک موقعہ پر قوم اوس کے بعض افراد نے اپنے چار آدمیوں کی نسبت بڑے فخر سے ذکر کیا۔ اور ان کی شہرت اور عظمت پر بڑا ناز ظاہر کیا۔ اس فخریہ بات کا جواب دوسری رقیب قوم کیطرف سے بھی ہونا ضروری تھا۔ چنانچہ حضرت انسؓ نے اپنی قوم کے چار آدمیوں کے نام لیکر انکی ایک بہت بڑی خدمت

اسلام کی اور بڑا نمایاں کام بیان کیا۔ یعنی قوم خزرج میں سے یہ چار ایسے بزرگ ہوئے ہیں کہ جنہوں نے قرآن شریف کو جمع کیا۔ جس کا مطلب یا تو یہ ہے کہ اُن کو قرآن شریف ازبر تھا اور یا یہ کہ انہوں نے متفرق مسودوں سے خود قرآن شریف کو نقل کر لیا ہوا تھا۔ بغرض بہرحال حضرت انسؓ کا یہ بیان تو صرف ایک رقیب قوم کے مقابل میں بطور جواب تھا۔ جب اس بات پر غور کیجاتی ہے کہ یہ چاروں بزرگ جن کا نام حضرت انسؓ نے اپنی روایت میں لیا ہے انکی ہی قوم میں سے تھے تو اس بات کے ثبوت پر زیادہ وضاحت ہو جاتی ہے ورنہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو عبداللہ بن مسعودؓ اور سالمؓ اور کئی دوسرے مشہور انصار و مہاجرین کے ناموں کو چھوڑ کر انہی چاروں پر حصر کر لینا کہاں درست ہو سکتا تھا۔ وہ تو ایسے بزرگ تھے کہ جنکی قرآن دانی آفتاب عالمتاب کی طرح مسلم اور روشن ہے۔ اور حضرت انسؓ ایسے ناواقف نہ تھے کہ اگر کلیہ طور پر روایت کرتے تو مشاہیر قرآن دانوں اور جامعان قرآن کے اسماء کو ناواقفیت کی وجہ سے چھوڑ دیتے پس ظاہر ہے کہ یہ کلمات انکے اپنی قوم کی عظمت قوم اوس کے مقابلہ پر ظاہر کرنیکے لیے تھے۔

یہانتک تو ہم نے حضرت انسؓ کی روایت کی اصل حقیقت سے اپنے ناظرین کو آگاہ کر دیا ہے۔ لیکن اگر بفرض محال یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ ان احادیث میں باہمی اختلاف اور تناقض ہے تو بھی جس امر کو ثابت کرنیکے لیے ہم نے یہ صفحات لکھے ہیں اسکا ثبوت دینے کے لیے سب باہم متفق ہو جاتی ہیں۔ ہم نے اس دوسرے حصہ مضمون میں یہ ثابت کرنا چاہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی مقدس جماعت میں بعض لوگ موجود تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں آپ سے کل قرآن شریف سیکھا اور اسکو یاد کیا ہوا تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی صحابی اپنے دلوں کی الواح پر قرآن شریف منقوش اور محفوظ رکھتے تھے۔ انکی تعداد کی تعیین نہ ہمارے مضمون کے ساتھ کچھ تعلق رکھتی ہے اور نہ ہم نے اسکا ذمہ ہی اُٹھایا تھا۔ اگر کم سے کم چار ہی صحابی ایسے ثابت ہوں جنکو قرآن شریف پورے طور پر حفظ تھا تو اس حال میں بھی ہم اپنے دعوے میں عہدہ برآ ہو جاتے ہیں۔ اور حضرت انس کی روایت کسی دوسرے امر میں دوسری احادیث سے کچھ اختلاف بھی رکھتی ہے تو وہ اس بات کو تو طرح ثابت کرتی ہے کہ کم از کم (بقول انکے) چار صحابی تو ایسے تھے کہ جن کو قرآن ازبر تھا اور جنہوں نے قرآن جمع کیا ہوا تھا لیکن ہم نے حضرت انس کی روایت کی غرض کو بیان کر کے ناظرین پر واضح کر دیا ہے کہ انکی روایت سے کل حافظان قرآن کی تعداد کا حصر نہیں ہوتا بلکہ صرف ایک قبیلہ کے حافظوں کی تعداد اس میں دی گئی ہے۔ برخلاف اسکے صحیح اور معتبر سندوں سے جماعت کثیر ویسی ثابت ہوتی ہے جنہوں نے اپنے الواح قلوب میں قرآن شریف محفوظ رکھا ہوا تھا۔ اس جماعت کے علاوہ بھی عام صحابہ کو قرآن شریف یاد تھا۔ کیونکہ ان لوگوں کے سوا جنکو سارا قرآن یاد تھا باقی تمام صحابہؓ کو اکثر حصص قرآن شریف کے یاد تھے۔ کسی کو کوئی حصہ اور کسی کو کوئی حصہ۔ اسطرح بھی قرآن شریف تمام صحابہ میں محفوظ تھا۔ تمام صحابہؓ علیٰ قدر استطاعت قرآن شریف کو کلاً یا جزءً یاد کرتے رہتے تھے اور رفتہ رفتہ طور پر اس کے یاد کرنیں

قرآن شریف کے تدریجی نزول نے اسکے لیے بہت آسانی کر دی ..... تھی۔ ایک آیت یا سورۃ کے نزول کے بعد دوسری آیت یا سورۃ کے نزول تک اتنا وقفہ انکو مل جاتا تھا کہ بآسانی وہ پہلی آیت یا سورۃ کو یاد کر لیں۔ یہ ظاہر بات ہے کہ سارا قرآن شریف تئیس سال کے عرصہ میں آہستہ آہستہ نازل ہوا تھا۔ اور اگر آجکل کے زمانہ میں مسلمانوں کے کم سن بچے ایک یا دو برسوں میں قرآن شریف کو بآسانی حفظ کر سکتے ہیں تو وہ عرب (صحابہؓ) جنکی عجیب و غریب قوت حافظہ تمام دنیا میں مسلم تھی اور جو قرآن شریف کو یاد کرنا بڑا ضروری اور اہم فرض سمجھتے تھے انہیں اپنی بڑھی ہوئی عمروں میں بہت تھوڑے عرصہ میں قرآن یاد کر لینا کچھ مشکل نہ تھا اور پھر جبکہ انکو تئیس سال کی لمبی مہلت اسکے یاد کرنے کے لیے دیگئی تو اس بات کے سمجھنے میں کچھ بھی مشکل نہیں رہتی کہ قرآن شریف کا یاد کر لینا ان لوگوں کے لیے نہایت آسان تھا اور اسی لیے اس کثرت سے حافظ ان کے اندر موجود تھے۔

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ قرآن شریف کا یاد کرنا بعض اغراض کے لیے ہر مسلمان کے لیے لازمی تھا خواہ اسکا تھوڑا حصہ یاد کرے یا بہت یا سارا ہی کرے۔ کیونکہ ہر مسلمان پر نماز ایک ضروری فرض ہے اور نماز میں قرآن شریف ضروری طور پر پڑھا جاتا تھا۔ بغیر قرآن شریف کے بعض حصص پڑھنے کے نماز ہوتی ہی نہیں گویا نماز پڑھنے کا حکم من وجہ قرآن کے کل یا جزو کے حفظ کرنے کا حکم ہے۔ جو ہر مسلمان پر مسلمان رہنے کے لیے فرض ہے۔ اور نماز صرف ایک دفعہ ہی نہیں بلکہ دن میں کم از کم پانچ دفعہ پڑھی جاتی ہے اور ہر دفعہ کی نماز میں کئی کئی رکعتیں ہوتی ہیں اور ہر رکعت میں علاوہ معینہ سورۃ قرآن یعنی فاتحہ کے کوئی نہ کوئی حصہ قرآن شریف کا ضرور پڑھنا پڑتا ہے۔ صحابہؓ کی نسبت ثابت ہے کہ وہ عموماً نمازیں دل کے سچے لگاؤ سے پڑھا کرتے تھے اور خشوع و خضوع سے اپنے اس فرض کو ادا کیا کرتے تھے۔ اور نماز کو اپنا ہتھیار اور خدا سے قرب کا وسیلہ سمجھتے تھے۔ انکی نسبت یہ ثابت ہے کہ وہ نمازوں میں دیر تک قیام کیا کرتے اور زیادہ لمبے عرصہ تک قرآن شریف پڑھا کرتے تھے۔ ان پانچوں نمازوں کے علاوہ ایک اور نماز ہے جو رات کے آخری حصہ میں پڑھی جاتی ہے اور جسکو نماز تہجد کہتے ہیں۔ ان لوگوں کو اس خاص نماز کے ساتھ بہت وابستگی اور شوق تھا اور جتنے آجکل کے لوگ غافل ہیں اسی قدر زور کے ساتھ وہ لوگ اس نماز پر مداومت کرنیوالے تھے۔ اس نماز تہجد میں خصوصیت کے ساتھ وہ لوگ بڑے بڑے حصص قرآن شریف کے پڑھا کرتے تھے۔ بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی نماز تہجد میں بہت قرآن شریف پڑھا کرتے یہانتک کہ آپ کی نسبت بعض احادیث میں آیا ہے کہ بعض دفعہ ایک ہی رکعت میں قرآن شریف کے آٹھ نو پارے یعنی ۱/۴ حصہ قرآن شریف کے قریب پڑھ لیا کرتے تھے۔ اور صحابہؓ کی طرز زندگی یہی تھی کہ وہ آنحضرت صلعم کے عمل و فعل کو اپنے مسلک کے لیے نمونہ سمجھتے تھے۔ اور آپ ہی کے نمونہ پر چلتے تھے۔ اور اس لیے وہ بھی تہجد میں قرآن شریف زیادہ

زیادہ پڑھا کرتے تھے چنانچہ بعض صحابہؓ کے تہجد میں قرآن شریف پڑھنے کا جو اتفاقاً ذکر آگیا ہے اس سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ ایک صحابی کی نسبت لکھا ہے کہ انہوں نے ایک رکعت میں سورۃ البقرہ کو پڑھا۔ اور یہ سورۃ قرآن شریف کا بارھواں حصّہ یعنی اڑھائی پارے ہیں۔ تہجد کی نماز کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تو یہ حکم تھا ہی کہ قم الیل الا قلیلا نصفہ الایۃ۔ یعنی نصف رات یا اس کے قریب قیام کیا کرو اور اسی حکم الٰہی کی تعمیل میں آپ اسقدر کھڑے ہوا کرتے تھے کہ صحیح روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے پاؤں بھی سوج جاتے تھے۔ مگر صحابہؓ کو بھی یہ حکم تھا۔ کہ فاقرؤا ما تیسر منہ اور سارے معذوریت کے اسباب گن کر کہ خدا یہ بھی جانتا ہے کہ بعض تم میں سے بیمار ہوں گے اور بعض جہاد کریں گے اور بعض سفر میں ہوں گے پھر بھی حکم دیا کہ قرآن شریف تہجد میں پڑھا ضرور کرو ہاں بیمار مسافر مجاہد کے لیے اجازت ہے کہ بہت نہیں تو تھوڑا ہی پڑھ لے۔ قرآن شریف میں اس تاکید کو پا کر صحابہؓ کہاں غافل رہ سکتے تھے۔ کثرت سے روایات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑا بڑا حصّہ قرآن شریف کا رات کو تہجد میں پڑھا کرتے تھے بلکہ بعض تو اس قدر مبالغہ اس میں کرتے تھے کہ آنحضرتؐ کو یہ ہدایت دینی پڑی کہ اتنے وقت میں کم سے قرآن شریف ختم نہ کیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نمونہ صرف تہجد ہی کی نمازوں تک محدود نہ تھا بلکہ آپ جماعت کی نمازوں میں بھی بہت قرآن کریم پڑھا کرتے تھے چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے جماعت کراتے وقت پہلے سورۃ النساء پڑھی اور پھر اس کے بعد سورۃ آل عمران پڑھی۔ یہ دونوں سورتیں قرآن شریف کا آٹھواں حصّہ ہوتی ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ جبکہ صرف ایک ہی نماز میں قرآن شریف کا اتنا بڑا حصّہ پڑھا گیا تو کسقدر تکرار کا قرآن شریف کے پڑھے جانے میں ثبوت ملتا ہے۔ بہت ساری حدیثیں اس بات کی گواہ ہیں کہ اکثر صبح کی نماز کی ایک رکعت میں سورۃ البقرہ جیسی لمبی سورتیں پڑھی جاتی تھیں۔ شام کی نمازوں کے لیے اتنا وقت نہیں مل سکتا کہ لمبی سورتیں انہیں پڑھی جاسکیں۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ الطور جیسی سورتیں انہیں بھی پڑھا کرتے تھے اور یہ بھی لمبی سورۃ ہے جس میں پچاس کے قریب آیات ہیں۔ اسی طرح جب کبھی صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی کہیں نماز میں امامت کا موقعہ ملتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونہ پر وہ بھی عمل کرتے اور انکی طرح نمازوں میں لمبی لمبی سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ کئی دفعہ انکی لمبی سورتیں پڑھنے کی شکایتیں بھی ہوا کرتی تھیں۔ ایکدفعہ ایک صحابی نے عشاء کی نماز میں سورۃ البقرہ تمام کی۔ مقتدیوں میں ایک شخص تھے جو دن کی محنت سے تھکے ماندے تھے اور وہ جلد آرام کرنیکے واسطے جانا چاہتے تھے انکو اس لمبی قرأت سے تکلیف ہوئی اور اسپر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت کی۔ ایسا ہی یہ بھی ثابت ہے کہ وہ لوگ اپنی تنہائی کی نمازوں میں بھی لمبی سورتیں پڑھا کرتے تھے بلکہ ان نمازوں میں تو جی کھول کھول کر وہ لوگ قرأت لمبی پڑھتے تھے۔ اب اس سے یہ بات بھی پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ وہ لوگ صرف قرآن شریف کو ایک دفعہ یاد ہی نہ کر لیا کرتے تھے بلکہ جتنا قرآن انکو یاد ہوتا تھا اسپر نمازوں میں اور نمازوں سے باہر اس کثرت سے تکرار کی مواظبت اور مداومت کرتے رہتے تھے کہ وہ ہمیشہ حافظہ میں تازہ رہتا تھا۔ اگر قرآن شریف کی ایک آیت بھی لکھی نہ جاتی تو حافظوں کے الواح میں اس کے نقش ایسی

کثرت اور عمق کے ساتھ کندہ تھے کہ ایک نقطہ بھی اس کا ضایع ہونے پاتا۔ قرآن شریف نمازوں میں اور نمازوں سے باہر پڑھنے کی اسقدر کثرت سے آنحضرت صلعم اور صحابہؓ کی عادت تھی کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ بعض سورتیں صحابہؓ نے نمازوں میں باربار پڑھی جاتی سنکر ہی یاد کر لی تھیں۔ اور حق تو یہ ہے کہ اگر تمام دوسرے ذرایعہ حفاظت قرآن شریف کے معدوم بھی کر دیئے جاتے تو صرف نمازوں ہی میں اس کے پڑھے جانیکا رواج اس بات کیلیے کافی تھا کہ اس میں کسی طرح کا تصرف نہ ہونے پائے اور یہ پورے طور پر ہر قسم کی آلایش اور حملہ سے محفوظ رہے۔ پس یہ تمام واقعات جب باہم متفق ہوتے ہیں تو قرآن شریف کے محفوظ رہنے پر ایسے برجستہ دلایل پیدا ہو گئے ہیں کہ جن کی مثال دنیا میں کہیں پائی نہیں جاتی۔ کونسی الہامی کتاب دنیا میں ایسی ہے جس کی حفاظت کیلیے ایسے اسباب قویہ پیدا ہوئے ہوں تمام دنیا کی الہامی کتابوں میں نہ کسی کا ایسا دعویٰ ہے اور نہ ہی کسی کے پاس حفاظت کیلیے ایسے ثبوت ہیں۔

عیسائی مشنوں کے بد اثر

ستمبر ۱۹۰۰ء میں بمقام روم انٹرنیشنل فری تھاٹ کانگرس کا ایک جلسہ منعقد ہوا تھا اور کارروائیوں کے اس جلسہ میں مسٹر ڈبلیو ہی فورڈ نے عیسائی مشنوں پر اپنی رپورٹ پیش کی یہ رپورٹ اصل میں فرانسیسی زبان میں مرتب کی گئی تھی لیکن ایسے صحیح حالات کو منکشف کرنیوالی تھی۔ اور اسے ایسی مقبولیت حاصل ہوئی کہ اکثر یورپین زبانوں میں ترجمہ ہو کر مختلف عیسائی ملکوں میں دست بدست شایع ہو گئی اسی طرح انگریزی زبان میں بھی اس کا ترجمہ ہو کر بعض معزز رسالوں اور اخباروں میں شایع ہوا ہے چنانچہ لٹریری گائڈ کے نومبر۔ دسمبر ۱۹۰۵ء اور جنوری ۱۹۰۶ء کے مسلسل پرچوں میں یہ رپورٹ چھاپی گئی ہے۔ اب مسٹر ہی فورڈ نے ایک کاپی اس رپورٹ کی ہمارے پاس اس غرض سے بھیجی ہے کہ یہ ساری یا اسکا کچھ حصہ ملک ہند میں شایع کیا جائے اس رپورٹ کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ میں تو عیسائی مشنوں کے ضرر کا ذکر کیا گیا ہے اور دوسرے حصہ میں ایسی دنیاوی مجالس کے انعقاد کا مذکور ہے جو مشنوں کے ان گندے اثروں کے روکنے کے لیے تجویز کی گئی ہیں۔

ہماری غرض اس رپورٹ کے شایع کرنے سے یہ ہے کہ ہم ایسے مسلم واقعات کی بنا پر عیسائی مذہب کے کفارہ کے مسئلہ کے اخلاقی اور روحانی بد اثروں کو پبلک کے سامنے پیش کریں۔ جن کو خود عیسائی تسلیم کرتے ہیں۔ اور جن کے ہاتھ سے وہ خود نالاں ہو رہے ہیں۔ عیسائی مشنری اس بات پر بڑے نازاں ہیں کہ عیسائی اقوام کی اخلاقی حالت دنیا کی تمام اقوام سے بڑھکر ہے اور یہی فخر وہ اپنے مذہب کی فوقیت ثابت کرنیکے لیے مجالس میں اور ایسے لوگوں کے

سامنے پیش کیا کرتے ہیں جو انکی ظاہری صورتیں دیکھ کر انکی مختلف قسم کی جائز و ناجائز ترغیبات کے پھندے میں پھنسنے کے لیے آمادہ ہو جاتے ہیں اور جن کی زندگی کی سب سے بڑی غرض چند دنیاوی فواید کے حصول کے سوا کچھ نہیں ہوتی۔ لیکن جب کوئی شخص تعصب سے آزاد ہو کر ان کے اس قسم کے دعووں کو تحقیق کی نظر سے دیکھتا ہے تو اس کو فوراً ہی انکی بیہودگی اور نامعقولیت پر یقین ہو جاتا ہے۔ ہم اس بات کے کہنے میں صرف اکیلے ہی نہیں۔ بلکہ خود وہ لوگ جو نسلاً بعد نسل عیسائی چلے آئے ہیں انہی نتایج پر پہنچے ہیں۔ اور یہی وجہ آخر انکے عیسائی مذہب سے علیحدگی اختیار کرنے کی ہوئی ہے۔ چنانچہ چند نتایج جو اس رپورٹ میں پیش کیے گئے ہیں حسب ذیل ہیں۔ اول۔ یہ کہ یورپین تاثیرات کے جو بد یاں دیسی لوگوں میں سرایت کر گئی ہیں۔ انسے کلیسیا کی اپنے لوگوں کی اخلاقی حالت میں اصلاح پیدا کرنیکی کوششوں پر ناکامی کی ایسی مہر لگ گئی ہے کہ جس سے بادی النظر میں یہ بات یقین کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے کہ وہ دوسری قوموں کی اصلاح کے کام کے کسی طرح لایق نہیں۔ دوم۔ یہ کہ باوجود یورپ کے مہذب ممالک میں عیسائی مذہب کے تنزل اور تدریجاً پگھلتے جانیکے جاہل اقوام میں اس دین کی ترقی نسل انسانی کی باقاعدہ معمولی ترقی کے لیے ایک خطرناک دھمکی ہے۔ اور تمام جہان کی تہذیب اور صلاحیت اور امن کو ہمیشہ کے خطرہ میں رکھنے کا ایک موجب ہے۔ اسی رپورٹ کے مصنف صاحب نے ایک اور ریمارک عیسائی تہذیب کے متعلق بھی لکھا ہے جسکا ناظرین کے ملاحظہ کی غرض سے ذیل میں اقتباس کیا جاتا ہے "آجتک یورپین تہذیب کے تعارف سے دوسرے ممالک کے لوگوں نے یہی سمجھا ہوا ہے کہ یہ انجیل۔ شراب کی بوتل رائفل بارود اور مختلف لباسوں میں طرح طرح کی برائیاں۔ کامل غلامی اور آخر کار ہلاکت کے ہم معنی ہے"

اب ہم اصل رپورٹ کی طرف آتے ہیں اس رپورٹ کا عنوان ہے "عیسائی مشنیں اور ان کے خطرات" ذیل میں اس کا ترجمہ درج ہے (۱) کلیسیائی روح یعنی مشن کی تاثیرات نے دنیا میں شایع ہو کر ایسے مفاسد پھیلائے ہیں کہ اب اس امر کی دو چند ضرورت ہے کہ اس کے کرتبوں کو قطعی طور پر رد کئے اور اونکو نیست و نابود کرنیکے کام کو ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اس زمانہ میں مغربی یورپ کے دلوں کا نور تہذیب اور شائستگی کے اس بلند معراج پر پہنچگیا ہے کہ اب تمام قسم کی کلیسیاؤں کی مذہبی پابندیوں کی تنگنائی کی حدود اسے روک نہیں سکتیں۔ اور سب قسم کے پروہتوں کے جنگل سے خواہ وہ یہودی ہوں یا عیسائی پوپ کے پیرو ہوں یا پراٹسٹنٹ۔ دُور نکل گیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ عیسائی پادری جس وہم پرستی اور سوشل فتنہ و آشوب کی عیسائی زمانہ میں اُن سرزمینوں کے اندر جو عیسائی سرزمینیں مشہور ہیں تخم ریزی کر کے قوم کیلیے دونوں اندرونی اور بیرونی طور پر نہایت مذموم نتایج کے پیدا کرنیکا موجب ہوئے ہیں اور جس سرزمین نے پُرظلم صدیوں کی تاریکی اور تباہی کے زمانہ دراز میں انکی طاقت کے عروج کی ابتدا اور انتہا اور تنزل کو دیکھا اور مشاہدہ کیا ہے وہاں بھی اسی وجہ سے اتنے تجربہ کے بعد اب ان پادریوں کی قطعی طور پر کچھ عزت و وقعت نہیں رہی۔ تہذیب کی حقیقی حمایت اور امن عامہ اور ترقی دنیا کے اسباب کی سچی محافظت کی خاطر یہ امر کچھ کم ضروری نہیں کہ ان

پادریوں کو اسی وہم پرستی اور سوشل فتنہ و آشوب کے غیر عیسائی سرزمین میں لیجانے اور پھیلانے سے باز رکھا جاوے۔ اس امر میں کوشش کرنا ہم پر فرض ہوگیا ہے کیونکہ حماقت اور نامرادی کی مُہر عیسائی مشنوں کی تمام کارروائیوں پر لگ چکی ہے

ریورنڈ جے جانسٹن "اے سنچری آف مشنز" صفحہ ۱۷ پر اپنی ناکامیوں کے بارے میں لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مسلمانوں اور غیر عیسائیوں کی جتنی تعداد گذشتہ صدی میں تھی وہ اس سے اب بیس کروڑ زیادہ ہے۔ اور اسی عرصہ میں جن لوگوں نے دین عیسوی قبول کیا اگر انکو بال بچوں سمیت گنا جاوے، تو انکا شمار زیادہ سے زیادہ تیس لاکھ ہوگا۔ اسپر وہ لکھتا ہے کہ ہمیں ہر ایک حسرت واقعہ پر رونا آتا ہے کہ غیر عیسائیوں کی تعداد شمار اس مشنوں کے عروج کی صدی میں بھی تہ چند گنا زیادہ بڑھی۔

(۲) اب سوال یہ ہے کہ یہ لوگ بھی جو عیسائی مذہب میں داخل ہوئے ہیں وہ نسل انسانی میں کس طبقہ کے لوگ ہیں؟ اسی ریورنڈ جانسٹن نے اس سوال کا بھی جواب دیا ہے اور لکھا ہے کہ "عیسائی لوگوں کے غور کے لیے یہ بہت اچھی بات ہے کہ سوائے معدودے چند کے یہ سارے نومرید عیسائی جاہل اور وحشی اقوام میں سے ہیں۔ جنکا اعلیٰ طبقہ کے لوگوں پر کچھ بھی اثر نہیں۔ انہیں پانچویں حصہ کے قریب اون قوموں کے لوگ ہیں جو نئی تہذیب کی ترقی کے سامنے جس کے لوازمات میں سے بدکاری اور بیماری ہیں صفحہ دنیا سے نابود ہورہی ہیں۔ کیونکہ جہاں عیسائی تہذیب گئی ہے وہاں بدکاری اور بیماری بھی ضرور ساتھ گئی ہیں۔ وہی مصنف مجبور ہو کر ایسی شہادت بھی دیتا ہے جس سے پادریوں کے ان حملوں کی حماقت کا جو وہ غیر مذاہب پر کررہے ہیں پورا پورا ثبوت ملتا ہے۔ یہ شہادت ان رنگروٹوں کے اندرونی حالات اور چال چلن کے متعلق ہے جو بہت سی متفرق اقوام میں سے اکٹھے کیے گئے ہیں اور جنگ آور کلیسیا کے اسقدر متفرق جھنڈوں کے نیچے جمع ہوئے ہیں جنپر صرف فرقہ پراٹسٹنٹ ہی کا خرچ ساڑھے چوبیس لاکھ پونڈ یعنی تین کروڑ ستاسٹھ لاکھ پچاس ہزار روپے ہوتا ہے۔ اور ۶۲۲۴ مشنری بطور ایجنٹ اس خدمت پر مامور ہیں جن کی تعداد کی نسبت ہر ایک لاکھ ستاسٹھ ہزار غیر عیسائیوں کے لیے ایک ایجنٹ ہوتی ہے۔ ان رنگروٹوں کی اس متفرق فوج کی اندرونی وقعت اور اخلاقی حالت کا بیان کرنیکے ضمن میں جانسٹن صاحب نے بیدلی سے جو شہادت دی ہے وہ ہمارے لیے ان مشنری حملہ گریوں کی بیہودگی اور حماقت کو کچھ کم زور کے ساتھ واضح نہیں کرتی۔ "اے سنچری آف مشنز" کے صفحہ ۷ پر پادری صاحب لکھتے ہیں کہ "وقت آگیا ہے کہ خدا کے کلیسیا کو اس امر واقعہ سے گریز نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اسپر غور کرنا چاہیئے کہ کسی ایسے مذہب کی ترقی کو ہماری نئی مشنیں روک نہیں سکتیں جنکے قبضہ میں مقدس کتب ہیں۔ ہندو دھرم۔ بدھ مت اور اسلام صرف اپنے اپنے حال میں قایم ہی نہیں بلکہ ہر سال لاکھوں لوگ ان میں داخل ہوتے رہتے ہیں۔ ان سلسلوں میں سے اگر کہیں کوئی ایک عیسائی ہوجاتا ہے تو اسکی بجائے انہیں ادنیٰ قوموں میں سے ہزاروں لوگ داخل ہوجاتے ہیں"۔ لیکن قابل افسوس نتایج ان ایک سو مشنری سوسائیٹیوں کی کل کارروائیوں کے جو برطانیہ اعظم۔ امریکہ اور یورپین براعظم کی دوسری

حصص کی طرف سے قائم ہیں۔ اور جن کی طرف سے ۲۳۰۰ تنخواہ دار ملازم کام کر رہے ہیں۔ اور جن کے ساتھ ۲۷۰۰۰ دیسی انجیل کی منادی کرنے کے لیے اجیر مقرر ہیں۔ اور ان دیسی جماعتوں کے لیے ۲۵۰۰ پاسٹر یعنی نگران مقرر ہیں۔ اور یہ سب ملکر دو سو سے زیادہ زبانوں میں بائبل کے احمقانہ ترجمے پھیلاتے اور حماقت اور بیوقوفی سے بھرے رسالے جہان میں شایع کرتے پھرتے ہیں۔ اگر پڑھنے والوں کو اطمینان تسلی نہ ہو اور ان کارروائیوں کی قہر سے بھری ہوئی تباہی اور مایوسی خیز جہالت کی مزید وضاحت کی ضرورت سمجھیں تو پادری وی برون ایم ڈی سکرٹری سکاٹش مشن سوسائٹی کا صاف اقبال جو ذیل میں لکھا جاتا ہے کافی سے بھی زیادہ ہوگا۔ اس کے الفاظ ایسے قیمتی ہیں کہ ایک ایک لفظ اُن ایمانداروں کی پیشانیوں پر آب زر سے منقوش ہونا چاہیے جن کی مالی امداد اور سرپرستی کے سہارے یہ مشنری ناؤ غیر عیسائی سمندروں پر تیر رہی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ ”اگر وہی اسباب اور وہی محنت اور مجاہدہ اور وہی دولت جو گذشتہ پچاس سالوں کے درمیان غیر عیسائی لوگوں میں مشنیں بھیجنے پر بے دریغ خرچ کیا گیا ہے عقلمندی سے انگلستان اور امریکہ کے اندر ہی خدا کی معمولہ سنت کے موافق خرچ کیا جاتا تو اسقدر لوگ سیدھی راہ پر آسکتے تھے کہ جسکا سواں یا ہزارواں حصہ بھی بیرونجات میں فایدہ نہیں ہوا۔“ (دیکھو ہسٹری آف دی پروپیگیشن آف کرسچینٹی امنگ دی ہیدن جلد ۳ صفحہ ۳۹۹) اب یہ ایسا قول فیصل جملہ ہے کہ نہ تو اس سے زیادہ تشریح کی حاجت ہے اور نہ اسپر کسی زیادہ حاشیہ کی گنجایش ہے۔

اب اس مرحلہ پر ایک یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس ساری مشنری جدوجہد اور کارروائیوں سے کس قسم کا مصالحہ طیار ہوا ہے؟ جب ہم اس سوال پر غور کرتے ہیں تو ہمیں ثابت ہوتا ہے کہ غیر عیسائی ممالک میں گرجا قایم کرنے سے نہ صرف وقت ہی ناحق ضایع ہوا اور مال ہی بے فایدہ اور رائگان خرچ کیا گیا بلکہ سب سے بڑھکر نہایت دردانگیز اور نوحہ خیز بات جو اس سے پیدا ہوئی ہے وہ ایک نہایت سنگین خطرناک اخلاقی تباہی ہے جو ایک طرف عیسائیوں کی رشوت دہی اور شرآموزی سے اور دوسری طرف دیسیوں کو ریاکاری سے عیسائی بنانیکے لیے طرح طرح کی مضبوط ترغیبیں دینے سے پیدا ہوئی ہے۔ (۳) ہر ایک شخص جس نے پوری بے تعصبی حق جوئی اور انصاف پسندی سے اس طرز عیسائیت کو غور سے دیکھا اور تجربہ کیا ہے جسکی مختلف عیسائی مشنری ایجنسیوں کے ہاتھ سے نئے دیہی میدانوں میں تخم ریزی ہوئی اور جو وہاں نشوونما پا رہی ہے۔ اس کے روزانہ مشاہدوں اور لمبے تجربوں سے اس بات کی کافی اور زبردست شہادت ملتی ہے کہ مشنری لوگوں کی تاثیرات کا دیسی لوگوں کے دلوں پر کیسا مخرب اخلاق اثر ہوا ہے۔ چنانچہ نمونہ کے طور پر میں ایک فاضل بدھ مہنت کا برہما اور سیلون میں مشنری محنتوں کے ثمرات کے متعلق بیان نقل کرتا ہوں۔ ”برہما اور سیلون میں جتنی مختلف عیسائی مشنیں کام کر رہی ہیں اُن سب کے کاموں کے متعلق میرا علم مجھے کوئی اچھی رائے قایم کرنے سے مانع ہے۔ کیونکہ لوگوں کو عیسائی بنانے کے لیے جو جو طریق یہ لوگ کام میں لاتے ہیں۔ وہ ایسے مکروہ ہیں کہ کوئی معقول انسان اپنے اہل ملک کو انکی طرف راغب ہوتے دیکھنا پسند نہیں کرسکتا۔ سیلون میں جو مختلف عیسائی

فرقوں نے لوگوں کو عیسائی بنایا ہے۔ یہ ایک ایسی جماعت بنی ہے کہ جو دونوں طرفوں سے محروم ہیں۔ ادھر خود بدھ لوگ انسے متنفر اور اُدھر اعلیٰ درجہ کے یورپین لوگوں کی نظروں میں قابل حقارت ہیں۔ وہ لوگ اُن کو روٹیوں کے عیسائی کہتے ہیں۔ کیونکہ حقیقت میں یہ لوگ صرف اسی خیال سے عیسائی مذہب میں داخل ہوتے ہیں کہ وہ جانتے ہیں کہ پادری صاحب کی سفارش سے یا انہیں کہیں نہ کہیں کوئی چھوٹی موٹی سرکاری ملازمت ملجائیگی اور یا کسی ادنیٰ درجہ کے تجارتی کاروبار میں انہیں کوئی اسامی ہاتھ آجائیگی۔ ان لوگوں میں جس قسم کی عیسائیت شایع ہورہی ہے وہ ایسی ہے کہ جس کی کسی معقول ملک میں گنجایش نہیں ہوسکتی۔ مشرقی مشنری عموماً اس دلیل کو بڑے زور سے پیش کیا کرتے ہیں کہ مغربی اقوام کو یہ عظمت اور طاقت صرف عیسائی دین ماننے کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے۔ کیونکہ خدا نے ان لوگوں کو تمام دنیا کے انسانوں پر حکومت عطا کی ہے جنہوں نے خدا کی خدمت کی ہے۔ اس امر میں ان لوگوں نے عجیب عیاری اور چالاکی سے کام لیا ہے کہ ہمارے ملک کے نیم تعلیم یافتہ لوگوں سے یہ اصل واقعہ بہت ہشیاری سے مخفی رکھا ہے کہ ان قوموں کو اُسی نسبت سے عظمت اور وجاہت حاصل ہوئی ہے جس نسبت سے انہوں نے اس عیسائیت کے عقاید کو خیرباد کہا ہے۔ اور جس نسبت سے انہوں نے اس دین کے مسئلہ "اپنے ہمسایہ سے ایسا پیار کر جیسا کہ تو اپنے آپ سے پیار کرتا ہے" کو ترک کرکے اسکی جگہ اس کے برعکس ایک منٹ میں تین سو گولیاں چلانے والے ہتھیار تیار کیے ہیں اسی نسبت سے انکو قوت و شان حاصل ہوئی ہے۔ اس سے بڑھکر بڑی بات یہ ہے کہ وہ اس بات کا بھی دعویٰ کیا کرتے ہیں کہ اسی دین عیسوی کی بدولت ہم آج دنیا بھر میں سب سے دانا اور تعلیم یافتہ ہیں۔ اور ہمیں مخاطب کرکے کہتے ہیں کہ اپنے مفلوک الحال جاہل بدھ لوگوں کی طرف دیکھو! تم سب عیسائی دین کو نہیں مانتے جھوٹے مذہب پر عقیدہ رکھے ہوئے ہو۔ اور اس بات پر ایمان رکھتے ہو کہ زمین چپٹی ہے۔ اور اسکی ناف میں ایک بڑا بھاری پہاڑ ہے اور سورج اور چاند اسکے گرد گھومتے ہیں اور اسی وجہ سے دن اور رات پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن ہم خدائے واحد کے ماننے والے حق الیقین کے طور پر جانتے ہیں کہ زمین چپٹی نہیں بلکہ نارنگی کی طرح گول ہے اور سورج کے گرد گھومتی ہے اور ہم انجن بنانا۔ تار لگانا۔ بندوق طیار کرنا اور ایسے ایسے فنون اور ہنر جانتے ہیں یہ سب عیسائی دین کی بدولت ہی ہمکو حاصل ہوا ہے یہ ایسے تجاہل عارفانہ کرنیوالے ہیں کہ ڈارون اور بریڈلا اور ان کے سوا جس شخص نے اس بات کے اظہار کی جرأت کی کہ حق ان اناجیل سے باہر ہے ان سب کو جو جو عقوبتیں اور تکالیف ان زمانہ میں پہنچائی گئیں وہ گویا اس سے بھی واقف نہیں۔ لیکن اب تدریج اور آہستگی سے زمانہ سمجھا رہا ہے۔ اور ترقی کی طرف قدم مار رہا ہے۔ اس سے پہلے پہلے تو مشنری لوگوں کے تاخت و تاراج سے بہت نقصان پہنچ چکا ہے جسکا کثیر حصہ تو سیلون کو برداشت کرنا پڑا اور تھوڑا حصہ برہما والونکو۔ کیونکہ جس نسبت سے اُن کی

تعلیمات کی اشاعت ہوئی ہے اسی نسبت سے نقصان ہوا ہے۔ سیلون کا تو اب یہ حال ہو رہا ہے کہ جو لوگ اعلیٰ درجہ کی چائے کی کاشت کرنیوالے ہیں۔ اب وہ عیسائی اور سببر کو کسی صورت میں رکھنا پسند نہیں کرتے جب میں سیلون میں تھا تو وہ لوگ اکثر مجھے کہا کرتے تھے کہ ہم اپنے ذخیروں میں کسی عیسائی کو گھسنے تک نہ دیں گے۔ ہم کسی بدھ یا ہندو یا مسلمان کو رکھ لیں گے۔ مگر کوئی عیسائی نہ رکھیں گے۔ اب انکو اس بات کا پتہ لگنا شروع ہو گیا ہے کہ طرح طرح کی چھوٹی چھوٹی خیانتیں اور ہر قسم کی دغابازیاں جتنی ان دیسی عیسائیوں سے صادر ہوتی ہیں وہ کسی اور کے ہاتھ سے نہیں ہوتیں۔ اور اسکی وجہ دریافت کرنا کوئی مشکل کام نہیں بلکہ بہت آسان ہے۔ کچھ تو اسکی وجہ یہ ہوتی ہے کہ جو لوگ محض پیٹ کی خاطر اپنا دین فروخت کر دیتے ہیں اس سے بدتر انسان اور کون ہو سکتا ہے۔ لیکن سب سے بڑی وجہ وہ تعلیم ہے جو انکو عیسائی دین میں دیجاتی ہے۔" (۴) ملک سیام میں بھی عیسائی مشنری لوگوں کی غلط کوششوں سے ایسے ہی ثمرات پیدا ہوئے ہیں۔ ایلے بیسٹر کہتا ہے کہ "میں ڈرتا ہوں کہ پراٹسٹنٹ مشنریوں نے اتنا روپیہ سیام میں خرچ کیا ہے پر وہاں فی دس ہزار پونڈ یعنی ڈیڑھ لاکھ روپے کے بدلے ایک نیک سیامی عیسائی نہیں بنا سکے۔ اگر کسی نے اس دین کو قبول بھی کیا ہے تو وہ بہت شاذ و نادر ہے۔ اکثر مشنریوں کی کارروائی رائگان جاتی ہے۔" چین کے روٹیوں کے عیسائی بھی مشہور ہیں۔ لنڈن مشنری سوسائٹی کی رپورٹ بابت ۱۸۹۰ء میں پادری لیبٹل کہتا ہے کہ "ایچانگ میں جتنی انجیلیں فراخ دلی کے ساتھ تقسیم کیجاتی ہیں اکثر ان میں سے جوتوں کے تلوے بنانیکے کام میں لائی جاتی ہیں۔" اور یہ بھی لکھا ہے کہ کوئی معزز چینی کسی مشنری کو اپنے گھر میں گھسنے نہیں دیتا۔ انریبل جج ہیٹن اسٹریلیشیا میں انکے نتائج کے متعلق اس سے بھی زیادہ زور سے لکھتا ہے۔ پہلے یہ بات لکھکر کہ "کوئی انسان وہاں کسی مشنری لڑکے کے ساتھ کسی طرح کا تعلق ہرگز نہیں رکھنا چاہتا۔ ہاں جب کہیں ان کے سوا کوئی مل نہ سکے تو پھر بہت اکراہ کے ساتھ اسے کام پر لگایا جاتا ہے" وہ اسطرح مشنری لوگوں کی محنتوں کے ثمرات کو بطور خلاصہ لکھتا ہے "ایک بڑا کھلا واقعہ باقی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ کسی جنوبی سمندر کے جزیروں میں رہنے والے کو عیسائی بنانے کی کوشش کرنے میں مشنری لوگ ایک معصوم اور محنتی وحشی کو نکما بدمعاش بنا دیتے ہیں۔" اسی طرح اس امر کے متعلق اور بہت سی شہادتیں موجود ہیں لیکن ہمارے خیال میں یہ تھوڑی سی مذکورہ بالا شہادتیں ہی عیسائی مذہب کے دیسیوں کے دلوں پر تاثیرات کا عام خاکہ ظاہر کرنے کے لیے کافی ہونگی۔ (۵) بحرالکاہل کے عیسائیوں کا حال بیان کرتے وقت ایک بڑی مشہور بات بلا تامل سامنے آجاتی ہے۔ جو عیسائی مشنوں کے بد اثر کو خاص طور پر عیاں کرتی ہے۔ ان پُرامن جزیروں میں رہنے والوں میں عیسائی مذہب کے پھیلنے کے ساتھ دیسی ریاست کی قطعی تباہی اور نئے عیسائیوں اور انکے دوسرے ہم وطنوں کے درمیان خطرناک تباہ کن اور خونخوار لڑائیوں کی بنیاد پڑ گئی۔ ٹاہٹی میں مشنری لوگوں نے جس طرح سے

بعض لوگوں کو عیسائی بنایا ہے اسکا ذکر کوٹسز بیو نے کیا ہے اور اس کے ضمن میں لکھا ہے کہ "یہ تبدیل مذہب ایک شرارہ آتش کو بارود کے میگزین میں ڈالنے کی طرح تھا جو آگ لگتے ہی فوراً پھٹ نکلا..... نو مرید بنانیکے شوق میں ان بھیڑیوں کے غضب نے ان لوگوں پر تسلط کر لیا جو کبھی بہت حلیم انسان تھے۔ خون کی ندیاں بہ نکلیں اور ساری قوم تباہ ہوگئی" جو لوگ ان سارے نقصانات کے لیے جو عیسائی مذہب کی تعلیم سے پھیلے ہیں صرف اسی قدر تلافی کافی سمجھتے ہیں کہ اس سے تہذیب اور تعلیم پھیلی ہے۔ انکے لیے میں ذیل کی چند سطور کو جو اسی مصنف کی لکھی ہوئی ہیں یہاں نقل کرتا ہوں "یہ سچ ہے کہ مشنریوں کے مذہب نے جہاں بہت حصہ بدی کا پھیلایا ہے۔ اسکی بدولت غیر عیسائی اوہام پرستی اور نامعقول عبادات دور ہوئیں۔ لیکن انکی بجائے نئی قسم کی غلط کاریوں کو اس نے رواج دیدیا ہے۔ ایک طرف چوری وغیرہ کی خرابیوں کو روکا ہے پر دوسری طرف تعصب اور ریاکاری کو پھیلایا ہے اور دوسرے مذہبوں کی نسبت سخت حقارت اور نفرت کے خیالات پیدا کر دیئے ہیں جو کسی زمانہ میں ٹاہٹیوں کے خوش مزاج اور عالی اور فراخ حوصلہ لوگوں کو معلوم ہی نہ تھے۔ اس نے ایک طرف انسانی قربانی کی رسم کو جڑھ سے اکھاڑا ہے لیکن جتنے انسان بت پرستوں کے دیوتاؤں پر قربان ہوا کرتے تھے۔ انکی نسبت بہت زیادہ جانیں خود عیسائیت پر قربان ہوئیں" (دیکھو نیوا یج جلد نمبر ا صفحہ ۱۶۸) - کوٹسز بیو کا سفر ۲۶-۱۸۲۳ء کے درمیان ہوا۔ اور عیسائی مشنری اس علاقہ میں اس سے تیس سال پہلے پہنچے ہوئے تھے۔ جولائی ۱۸۷۵ء کے ویسٹ منسٹر ریویو میں عیسائی مذہب کے ایک سو سال کے بعد کے نتیجہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ ۱۷۷۴ء میں کک نے دریافت کیا کہ ٹاہٹی میں دو لاکھ انسان آباد ہیں۔ مگر امریکہ کی مہم تحقیقات سے پہلے جب آبادی کا تخمینہ مردم شماری سے کیا گیا تو نوے ہزار تھا۔ سینڈوچ جزائر میں آبادی کی استقدر کمی ہو رہی ہے کہ جس کی نظیر تاریخ میں پائی ہی نہیں جاتی۔ جن لوگوں نے پہلے پہلے اس علاقہ میں سفر کیا تھا وہ چار لاکھ آبادی شمار کرتے تھے۔ اب آبادی پینسٹھ ہزار سے بھی کم ہوگئی ہے۔ تباہی اس حد تک پہنچ رہی ہے کہ ہر پچیس سال میں آبادی نصف کے قریب کم ہو جاتی ہے۔ ان خوشنما جزائر میں جو مشنری شکاریوں کے لیے بہت خوش شکار گاہ ہے۔ عیسائی دین لوگوں کو انسانیت اور تہذیب سکھانے میں جسطرح ناکام اور نامراد ہوا ہے وہ بے شمار لوگوں کے آنسوؤں اور خون سے جو اس مدعی صلاحیت انجیل کے نام پر قربان ہوئے ہیں صفحہ تاریخ پر لکھا ہوا ہے۔

شاید کسی کو یہ خیال گذرے کہ ہم نے جو کچھ ان بیرونی ملکوں کے متعلق لکھا ہے اسپر عیسائی دین کی سخت مخالفت کی وجہ سے بہت کچھ اپنا رنگ چڑھایا ہے۔ اس لیے ہم جان ولیمز کی شہادت کو لکھتے ہیں۔ جو بڑا نامی گرامی مشنری ہے اور جس نے مدت العمر ان لوگوں میں مشن کا کام کیا ہے۔ ہم اس کی وہی بات درج نہیں کریں گے جس سے یہ ظاہر ہو کہ عیسائی وعظ سے کس قسم کی اخلاقی حالت پیدا ہوئی ہے۔ بلکہ ہم اس کی شہادت سے یہ بات

دکھائیں گے کہ عیسائی مذہب کی بدولت کس قسم کے مظالم برپا ہوئے چنانچہ رارا ٹانگا کے باشندوں کے حال کے ضمن میں وہ لکھتے ہیں "اس پیاری جگہ کے باشندے زمانۂ قدیم سے چوری کرنیکے بہت عادی چلے آتے تھے۔ چونکہ اکثر لوگوں نے ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی عیسائی مذہب قبول کیا تھا اس لیے جونہی کہ جوش کا ولولہ جو تبدیل تمدن سے پیدا ہوا تھا کم ہوا تو فوراً وہ اپنی اُنہی عادات کی طرف رجوع کر گئے جو بچپن سے ان میں متمکن ہو رہی تھیں" (دیکھو مشنری انٹر پرائزز ان ساؤتھ سی آئلنڈز ۱۸۳۷ء صفحہ ۱۲۶)۔ غرض تہذیب اخلاق کو یکلخت اختیار کر کے ان پیچھے رہے ہوئے لوگوں کو شائستگی کا مطیع بنانے اور سر توڑ زور اور پوری اخلاقی قدردانی پر کاربند رکھنے کے لیے امانت اور مروت کی راہوں سے مانوس کرنیکی بجائے عیسائی مشنریوں نے انہیں ایک نئی وہم پرستی کے ورطہ میں ڈال دیا جس سے انمیں خونخوار توہم پرستی کا تازہ جوش پیدا ہو گیا۔ اس مضمون پر ہمارا مشنری ایک پُر وحشت بات لکھتا ہے جو ذیل میں درج کیجاتی ہے۔ "یہ بات غور کے قابل ہے کہ کسی بڑے جزیرہ میں عیسائی دین بغیر زور شمشیر کے مروج نہیں ہوا لیکن یہ بات بیان کرنا ٹھیک ہے کہ ہر موقعہ پر حملہ کی ابتدا غیر عیسائیوں کے ہاتھوں سے ہوتی رہی"۔ یہ بات کہ یہ حملے کس قسم کے تھے ذیل کی عبارت سے معلوم ہو سکتی ہے۔ "مقام منگارا میں جنگ کی یہ وجہ ہوئی کہ اتوار کے دن بت پرست لوگ گانے اور کھیلنے کا جشن کیا کرتے تھے۔ اور عیسائیوں کو دھمکاتے تھے۔ اس لڑائی میں عیسائی فتحیاب ہوئے۔ لیکن اپنے دشمنوں سے سخت بے رحمی کا سلوک کیا۔ وہ لوگ رحم کے طلبگار ہوئے انہوں نے انکی ایک نہ سُنی بلکہ بے رحمی کے ساتھ انکو چیر کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا" (۶) دیسی لوگوں کے مستعدانہ ولیت اور بے جا وحشت قبول کرنیوالے دلوں میں مخالف مذہب کے نصب کرنے سے اکثر اور عموماً گندی قسم کی وہم پرستی کا دوبارہ زندہ ہونا مراد ہوتی ہے۔ اگرچہ بہت سی مثالیں اس قسم کی موجود ہیں لیکن ہم اسجگہ صرف ایک ہی واقعہ کو بطور مثال پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ جس سے جزیرہ سینڈوچ کے بدنصیب باشندوں کا حال اور انکے عیسائی ہو جانیکے بعد کی مصیبتیں واضح ہونگی۔ جولائی ۱۸۵۶ء کے ویسٹ منسٹر ریویو میں ایک شخص نے فریاد کی ہے کہ "چند مشنری جوشیلوں کی کوششوں سے سارا ملک عنقریب تباہ ہو جانے کو ہے۔ ہزارہا ایکڑ زمین جس میں بہت عمدہ فصل پیدا ہوتے تھے۔ اب ریگستانی میدان ہو رہے ہیں کھانے کی چیزیں اسقدر گراں ہو گئی ہیں کہ تھوڑا عرصہ گذرا ہے کہ خود بادشاہ نے سفیر امریکہ سے کچھ روٹی منگوا بھیجی۔ ماہی گیری بالکل ترک کر دیگئی ہے۔ اور سوائے مشن سکولوں کے کہیں آبادی اور رونق نظر نہیں آتی۔ ان مدرسوں میں لوگوں کو تعلیم دیجاتی ہے۔ کہ کل کی کچھ فکر نہیں کرنی چاہیئے۔ اور باغ کے خوش رنگ پھولوں کی طرح لباس پہننا اور کوّوں کی طرح کھانا چاہیئے۔ پھر اسکے علاوہ یہ بھی تعلیم دیجاتی ہے۔ کہ سب لوگ آزاد اور مساوی رتبہ پیدا کیے گئے ہیں اس قسم کے خیالات ان لوگوں میں اس حد تک سرایت کر گئے ہیں کہ وہ حمق اور عجب میں غرق ہو گئے ہیں۔ امرا کی خدمت کرنیسے انکار کرتے ہیں اور انکو بنظر حقارت دیکھتے ہیں۔ اور بنگھم (ایک امریکن مشنری) کو

اپنا حقیقی بادشاہ سمجھتے ہیں" اسی طرح ڈاکٹر لیٹورنیو کی شہادت تاہیٹیوں کے متعلق نقل کیجاتی ہے۔ "یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ تاہیٹی میں بہت خطرناک خونخوارانہ جنگیوں سے عیسائی مذہب پھیلایا گیا۔ عیش عشرت میں حد سے ترقی ہوگئی باہم جنگ و جدل اور نفاق بڑھ گیا اور ان تمام بدیوں پر ریاکاری کا برقع ڈالکر پردہ پوشی کیجاتی ہے۔ عورتیں جہاز پر دن کے وقت نہیں جاتیں وہ رات کے وقت جہاز پر خود جاتی یا لوگوں کے ساتھ جاتی تھیں۔ شہوانی عاشقانہ خواہشیں ان لوگوں میں ایسی زور سے پائی جاتی تھیں کہ باوجود انگریزی حکومت کے زبردست انتظام کے عورتیں اور بچے عموماً اس قسم کی گندی اغراض پر عیسائی بنائے جاتے تھے اور مردوں اور عورتوں میں باہمی گفتگو پرلے درجہ کی بے حیائی سے ہوتی تھی"

ان باتوں سے ہمیں صاف نظر آرہا ہے کہ کس طرح عیسائی مذہب کی نو مریدی اور بدچلنی ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ چلتی ہیں جو لوگ روٹی کی غرض سے عیسائی ہوتے ہیں وہ نہ تو دینی پہلو سے اور نہ عقلی پہلو سے سچے عیسائی ہوسکتے ہیں اور ہر زمانہ اور ملک میں جبر اور دغا انجیل کی منادی کے لیے پسندیدہ ذرائع خیال کیے جاتے اور عمل میں لائے جاتے رہے ہیں۔ اور کہیں یہ دونوں ناپاک ذرائع باہم ملکر کام کرتے رہے ہیں اور ان طریقوں کا عملدرآمد کسی ایک زمانہ سے مخصوص نہیں ہے بلکہ کلیسیائی تاریخ کے ذریعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ قسطنطین سے لیکر وحشیانہ ممالک آباد ہونے تک اور پوپوں کے سیاسی اقتدار سے لیکر عیسائی عقیدہ کی یورپ کے مذہبوں پر فوقیت حاصل کر لینے کے زمانہ تک پرلے درجہ کی شرارت اور جہالت اور وحشت سے مسلمانوں یہودیوں اور پراٹسٹنٹوں وغیرہ کے برخلاف یہی طریق عمل میں آتے رہے ہیں۔

(۷)

عیسائی مشنری جس طرح سے دیسی لوگوں کے مذہبوں پر حملے کرتے ہیں وہ حمق اور جہالت سے پر ہے۔ اگر ایک قسم کی بت پرستی اور توہم پرستی کا استیصال کیا جاتا ہے تو ایک دوسری قسم کی بت پرستی اور توہم پرستی کا عقیدہ انکے دلوں میں راسخ کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انکی مذہبی تعلیم باوجودیکہ وہ ایک اعلیٰ قوم کے لوگ ہیں اور جو لوگ انکے زیر مشق ہیں وہ ادنیٰ اور کم تہذیب یافتہ قوموں کے لوگ ہیں انپر کوئی مفید اثر پیدا نہیں کرتی اور نہ انکی ادنیٰ حالت کو اعلیٰ حالت میں بدل سکتی ہے مصنف کانکویسٹس آف دی کراس (فتوحات صلیب) صاف طور پر اس دھوکہ کا بیان کرتا ہے جس میں مشنری باغ میں کام کرنیوالے مزدور مبتلا ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ "بعض لوگ جو مشن میں نہایت ذوق وشوق سے کام کرتے تھے وہ یہ حال دیکھکر بالکل گھبرا گئے اور مایوسیوں سے دلبرداشتہ ہوکر کام ہی چھوڑ بیٹھے۔ اور بستی (نیوزیلنڈ) کو خیرباد کہکر بہتر مقامات کی تلاش میں نکل پڑے۔ انہیں سے ایک نامی گرامی صاحب نے اپنے الوداعی وعظ میں اس بات کو مانا ہے کہ میری شکست کا سب سے زیادہ تلخ پہلو یہ ہوا ہے کہ پچیس سالوں کی لگاتار کوشش اور محنت کے بعد اب مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ نیوزیلنڈ میں اُس سے زیادہ عیسائی نہیں ہوسکے جو اُس دن موجود تھے جبکہ میں پہلے پہل اسجگہ آیا تھا" (دیکھو صفحہ ۸۶)۔ اگر قدنا کار کہیں مشنریوں کی کوششوں میں کچھ کامیابی بھی ہوئی تو اسکی وجہ غیر لوگوں کا عیسائی دین قبول کرنا نہیں ہوئی۔ بلکہ یہ خالص

مادّی امداد حاصل کرنیکا نتیجہ ہے۔ چنانچہ جیمز گلمور اپنی تصنیف "امنگ دی منگولز" (مغلوں کے درمیان) میں لکھتا ہے کہ "اکثر لوگ جو میری انجیل کی منادی سے بہت بڑی دلچسپی ظاہر کیا کرتے تھے اسکی وجہ صرف یہ تھی کہ جب وہ بیمار ہوا کرتے تھے تو میں انہیں طبی امداد دیا کرتا تھا۔ انہیں روحانی آرام اور روشنی کی نسبت جسمانی تندرستی کی بہت جستجو رہتی تھی" ایسا ہی سر ایچ ایچ جانسٹن کی شہادت بھی ایسی ہی پُر زور ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "افریقہ کی مشنوں کا امداد اور شکریہ اور عزت پانیکا کوئی استحقاق اسوجہ سے نہیں کہ انہوں نے عیسائی دین کو پھیلایا ہے۔ خالص عیسائی پہلو سے جب اس معاملہ پر نگاہ کیجاتی ہے تو ماننا پڑتا ہے کہ یہ لوگ کچھ بھی کامیاب نہیں ہوئے۔ اکثر بڑے بڑے اضلاع میں جہاں وہ بیس بیس برسوں سے کام کر رہے ہیں اگر دیانت اور امانت کے ساتھ شمار کیا جائے تو بیس مخلص عیسائی بھی نہیں نکلتے یعنی بیس دیسی بھی ایسے دستیاب نہیں ہو سکتے جو ان نو آموختہ مسائل کو کسی حد تک سمجھتے ہوں اور اپنے اخلاق اور وضع کو انکے موافق بنانیکی کوشش کرتے ہوں۔ افریقہ کے دوسرے حصوں میں اور خصوصاً برٹش مقبوضات میں جہاں کثرت سے برائے نام عیسائی آباد ہیں وہاں انکی بدولت اس مذہب کی بہت بے اعتباری پھیل رہی ہے۔ کیونکہ جسقدر کسی بستی کے بدمست شرابخوار۔ دروغگو۔ بدمعاش اور نجس لوگ ہیں وہ سب کے سب عیسائی مذہب میں شمار ہوتے ہیں ہمارے پُرانے افریقہ کے مغربی مقبوضات میں خاص شہر کے ملدلینی لوگ۔ عیسائی دین کے ماننے والے ہیں۔ یہانتک کہ ایسے لوگ جو فسق و فجور کی وجہ سے سب سے بدنام ہیں وہ بھی اس بات پر ناز کرتے ہیں کہ ہم نے کبھی کمیونین سنڈے کو گرجا جانے سے ناغہ نہیں کیا۔ .... مجھے اس بات کا بیان کرتے ہوئے بہت افسوس آتا ہے کہ سوائے معدودے چند کے افریقہ کے دیسی پادری۔ معلم۔ مناد وغیرہ جو میرے دیکھنے میں آئے ہیں اور جن سے مجھے تعارف ہوا ہے سب کے سب کسی نہ کسی کم و بیش گناہ اور بدکاری میں مبتلا ہیں۔ انکی ساری کوششوں کا ماحصل یہی ہے کہ اپنی بے لگام بدچلنی اور بے حیا ریاکاری پر پردہ ڈالے رکھیں۔ اور ظاہر طور پر مذہب کا دکھاوا کرتے رہیں۔ اور یہ ایسی گندی روش ہے کہ جو ایک سلیم الطبع اور امانت پسند دل کے لیے تمام بدچلنیوں سے زیادہ بدتر ہے۔ یہ ظاہر تھا کہ انکے پتھر دلوں میں مذہب کا ایک ذرہ بھر بھی اثر نہیں ہوا۔ اور یہ بھی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ وحشیانہ بہادری اور تہور کی روح جو انکے وحشی آباء و اجداد میں موجود تھی انکی جھوٹی اور بزدلانہ طبیعتوں میں داخل ہی نہیں ہوئی۔ یہ سخت الفاظ ہیں لیکن یہ سوچے سمجھے بغیر نہیں لکھے گئے" (دیکھو نائنٹینتھ سنچری ریویو بابت نومبر ۱۸۸۷ء)

(۸)

اگر ان عام امور کو علیحدہ رکھکر ہم چین۔ ہندوستان اور جاپان میں عیسائی مذہب کی تاریخ پر ایک نظر ڈالکر دیکھیں تو یہاں بھی وہی قصہ نفاق اور عیاری کا دیکھنے میں آئے گا۔ ان ملکوں میں دیسیوں کو عیسائی مذہبی حریف فرقوں نے ایک آلہ یا کاٹھ پتلی بنایا ہوا ہے۔ یہ تمام فرقے اس بات پر تُلے ہوئے نظر آ رہے ہیں کہ کالے لوگوں کو مغربی یورپ کے روحانی اور سیاسی جوئے کے نیچے لے آویں۔ اس امر سے انکار نہیں ہو سکتا کہ وہ ناجائز حقوق جو یہ مشنری چین میں

تلاش کرنے اور حاصل کر چکے تھے وہی اُس آگ کے بھڑکانیکا موجب ہوئے تھے جو چند سال ہوئے ہیں کہ چینی اور یورپ کی دوسری گورنمنٹوں کے درمیان بھڑک اُٹھی تھی۔ ان مشنری ایجنسیوں نے جس حق حفاظت کا چینی سلطنت کے برخلاف دعوےٰ کیا وہی خطرناک طور پر چینی لوگوں میں بے امنی پھیلانیکا ذریعہ ہوا۔ اور اس حق کی رعایت کو (جو اکثر قابل اعتراض ذرایع سے حاصل کیا جاتا ہے) ان عیسائیوں نے اپنی فوقیت اور عظمت کے ثبوت میں ایک چیتڑا اس کی طرح پہنا ہوا ہے جولائی ۱۸۹۶ء کے کوارٹرلی ریویو میں ایک نامہ نگار نے اس بات کو خوب تشریح سے لکھا ہے کہ ان کارروائیوں کا دیسیوں کے دلوں پر کیا اثر ہوتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "ایک بزدل حاکم کے علاقہ میں جب کسی مشنری کا گذر ہوتا ہے تو وہ اُسے ایک وبا سمجھتا ہے۔ کیونکہ اس کے آنیسے اُس کے انتظام میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔ اُس کے اقتدار اور رعب میں فرق آجاتا ہے۔ یہانتک کہ اُس حاکم کی اپنی تباہی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ موجودہ طرز میں ہر ایک رومن کیتھلک مشنری اور خصوصاً ہر فرانسیسی نژاد سلطنت چین کے لیے ابتلا کا موجب ثابت ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ آئے دن ہمیشہ کہیں نہ کہیں سے کسی فساد کی خبر ہمارے سننے میں آجاتی ہے" مشنریوں کے اس باطل دعویٰ کا کہ انہیں ایک دشمن اور ظلم رسیدہ قوم کے اندر ایک الگ کی الگ حکومت دیجاوے جس کا ملکی حکومت سے کوئی تعلق نہ ہو۔ ان اقوام پر جو فطرتاً متحمل اور بُردبار ہیں یہ اثر ہوا ہے کہ انکا جایز غصہ ان پادریوں کے خلاف جن پر "باہر سے آئے ہوئے شیطان" کا خطاب نہایت عمدہ طور پر چسپان ہوتا ہے اور بھی بھڑک اُٹھا ہے۔ اس وقت یہ سخت ضروری ہوگیا ہے کہ یورپ کی مہذب اور شائستہ قومیں ان کمینہ مشنریوں کے ایسے متکبرانہ اور خطرناک باطل دعووں کی حمایت کو چھوڑ دیں۔ ان مشنریوں کے غیر معتدل جوش سے اکثر جنگوں کی افواہیں سُنی جاتی ہیں اور جنگ برپا ہو جاتے ہیں اور یورپ کی قوموں کو بڑے خرچ سے مہمیں تیار کرنے اور تاخت و تاراج اور لوگوں کے ملک چھیننے پر آمادہ کرنیکا موجب ہوتے ہیں۔ یہ مشہور بات ہے کہ ٹیپنگ کا غدر جس نے پندرہ سال تک چین میں امن قایم نہ ہونے دیا اور سیکڑوں میلوں میں اچھے اچھے آباد قصبے اور خوشنما و زرخیز کھیت تباہ کر دیئے اور کئی بار قتل عام اور محاصرے ہوئے۔ اور ایسے خطرناک مظالم ہوئے کہ جن کا ذکر ہی نہیں ہو سکتا۔ اور قحط پڑے۔ ان سب کا باعث انہیں مشنریوں کے وہ رسایل ہوئے تھے جو جاہل قوموں میں انہوں نے شایع کیے تھے۔ اور پھر مجنونانہ کوشش سے انکے قدیم مذہب کو ترک کرا کے عیسائی مذہب کا بہروپ قایم کرنا چاہتے تھے۔ (فرار پر پیدو مبنرس وغیرہ صفحہ ۲۶۲)

یہ بھی مشہور بات ہے کہ حال میں جو چین کی تقسیم واقع ہوئی اور پھر اس کے بعد روس و جاپان میں خطرناک جنگ چھڑ اٹھا وہ بھی انہیں عیسائی پادری صاحبان کی شرارتوں اور چالاکیوں کا نتیجہ تھا۔ چنانچہ ہر ڈی برانڈ جو کسی زمانہ میں سلطنت جرمنی کی طرف سے چین میں سفارت کے عہدہ پر ممتاز تھا اس نے کرسٹاک ویلیٹ اخبار میں ۲۔ اگست ۱۹۰۰ء کو ایک مراسلت شایع کرائی تھی۔ اس میں اس نے کھلے طور پر کیتھولک اور پراٹسٹنٹ مشنریوں کو اسبات کا مجرم قرار دیا تھا کہ چین میں جو واقعات پیدا ہوئے اور جن سے یورپ کی قوموں کو متفق ہو کر کارروائی کرنی پڑی وہ سب انہی کی

مذہبی بے چینی

آسمان نے کچھ ایسا رنگ بدلا ہے کہ جہاں جاؤ وہیں مذہبی سمندروں میں بے چینی کا جوش پھیلا ہوا ہے۔ لیکن یہ مذہبی شورش اور بے چینی جس قدر زور اور مضبوطی کے ساتھ عیسائیت میں محسوس ہو رہی ہے اس کی مثال دوسری جگہ نہیں ملتی۔ ہمیں ہر دن اس مذہب میں ہی نئے طریقوں اور نئے عقاید کے پیدا ہونیکی خبریں ملتی ہیں۔ اور ہر روز اس مذہب کے پیروؤں کے گروہ میں تخفیف ہوتی چلی جاتی ہے۔ آجکل اخباروں کے کالموں میں نئی تھیولوجی کے بہت زور شور سے تذکرے ہو رہے ہیں۔ ریورنڈ آر جے کیمبل جو سٹی ٹمپل کے بڑے جوشیلے نان کنفارمسٹ پادری ہیں۔ انہوں نے پرانے عیسائی مسائل کی ایک لغو اور نئی تشریح کی ہے جس کو نئی تھیولوجی یعنی نیا علم الٰہی کہا گیا ہے (اسے بائبل کی خوش نصیبی کہو یا بدنصیبی) تمام نئے نئے عقاید جو پرانے عقاید کی بیخکنی کرنیوالے ہیں۔ وہ سب کے سب اسی بائبل سے مستنبط ہوتے ہیں۔ اور جس طریق سے یہ استنباط کیا جاتا ہے وہ اس کتاب کے لیے جو کسی زمانہ میں بہت عزیز تھی بہت دردناک ہے۔ کیونکہ اس کے الفاظ کو توڑ مروڑ کر ان کے ایسے معنے تجویز کرنیکے لیے اسپر سخت عذاب کیا جاتا ہے تو یہ بالکل باطل ثابت ہوتے ہیں لیکن جب مسٹر کیمبل جیسے عالی دماغ اصحاب انکو تشریحات رکیکہ سے معقولیت کے دائرہ میں لانیکی کوشش کرتے ہیں تو پھر ایسی تاریکی میں ڈوبتے ہیں کہ انکے کوئی معنے ہی نہیں بن سکتے۔ مسٹر کیمبل اپنے اس طریق کی (نئی تھیولوجی) کے نام سے منادی کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ یسوع کا کنواری سے پیدا ہونیکا مسئلہ کائنات کی ابتدائی پیدایش کی خام اور گمراہ کن تاویل ہے یعنی اس سے مراد یہ ہے کہ الوہیت کی روح نے مادّہ سے خدائی صفات اپنے اندر رکھنے والے ایک انسان کو پیدا کیا۔ کفارہ سے مراد انسان کی لازمی الوہیت ہے۔ یعنی اسکا خدا تعالیٰ کے ساتھ غیر مقطوع تعلق ہے وغیرہ۔ اخبار انڈین ڈیلی ٹیلیگراف لکھتا ہے کہ یہ نئی تھیولوجی حقیقت میں تھیوصوفی ہے۔ اور یہ بھی لکھتا ہے کہ یسوع کے کلام کے مخفی معنے جو مسٹر کیمبل یا تھیوصوفسٹوں نے دریافت کیے ہیں۔ وہ عمداً یسوع نے اپنے شاگردوں پر واضح نہیں کیے تھے۔ کیونکہ وہ موتیوں کو سؤروں کے آگے ڈالنا مناسب نہیں سمجھتا تھا۔

ہماری غرض یہ نہیں کہ ہم اس نئی تھیولوجی کی کوئی منطقی تعریف بیان کریں اور اسکے اصول اور عقاید کی تفصیل کریں۔ اور نہ ہم یہ چاہتے ہیں۔ کہ اس کا فیصلہ کریں۔ کہ آیا یہ نئی تھیولوجی حقیقت میں تھیوصوفی کا نام ہے۔ ہم اسبات کو بیان کرنیکی کوشش کریں گے کہ اس ساری مذہبی بے چینی کے اصل اسباب کیا ہیں۔ کیونکہ جہاں کھلے طور پر اس مذہبی بے چینی نے دہریت اور مادّہ پرستی کی صورت اختیار نہیں کی وہاں بھی روحوں میں خدا کی ہستی اور الہام الٰہی کے انکار اور شکوک چھپے ہوئے نظر آتے ہیں۔ نئی تھیولوجی منتشر دلوں کو کچھ اطمینان بخش نہیں سکتی۔ کیونکہ جہاں ایک طرف پرانے دینی مسائل کو

باطل قرار دیکر مُسترد کیا جاتا ہے۔ وہ مسائل جو انکی بجائے پیش کیے جاتے ہیں۔ وہ بھی اُسی طرح کے بے دلیل دعویٰ ہیں
مذہبی بے چینی کی اصل وجہ یہ تھی کہ جو عقاید اور اصول مذہبی پیش کیے جاتے ہیں انکا کوئی ایسا ثبوت ساتھ نہیں جو طبیعتوں کو
سیر کردے اور دلوں میں ایک اطمینان اور سکینت کیحالت پیدا کرے۔ پس جتنے نئے عقیدے چاہو تراشتے جاؤ جبتک
انکے ساتھ تسلی بخش ثبوت نہ ہوگا یہ سب محض بیکار اور ایسے ہی لغو اور باطل دعاوی ہیں جیسے وہ جن کی بجائے یہ پیش کیے
جاتے ہیں۔ اور کوئی اصلی تمیز نئے اور پُرانے عقاید میں نہیں۔ لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ دنیا پر مذہبی بے چینی کا ہمیشہ
ایک دَورہ آیا کرتا ہے۔ اُسی قسم کا دَورہ اس زمانہ میں بھی آیا ہوا ہے جو ہم پر گذر رہا ہے۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ جو بے چینی
اس زمانہ میں ہو رہی ہے۔ وہ پہلے سب زمانوں سے بڑھکر ہے۔ بہت لوگ اس غلط وہم میں پڑے ہوئے ہیں کہ جدید
علمی معلومات نے مذہبی اصول کو سخت صدمہ پہنچایا ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ سائنس اور علم نے مذہب کی بنیاد کو مستحکم
کردیا ہے۔ لوگوں کے دل یقین اور ایمان سے اس لیے نہیں خالی ہوئے کہ سائنس نے خدا کی ہستی اور حیات بعدازموت کا
انکار کیا ہے۔ بلکہ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ وہ مذہب جو ان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ اُس کے اپنے اندر اتنی قوت نہیں کہ وہ
اپنے دعووں کا ثبوت دیکر لوگوں کا اطمینان کر سکے۔ جو لوگ اپنے آپ کو دہریہ اور لامذہب کہتے ہیں۔ وہ ان ریاکاروں کی
نسبت زیادہ دیانت دار اور زیادہ صاف باطن ہوتے ہیں جن کے ہونٹوں پر مذہبی عقیدوں کے کلمات جاری ہوتے ہیں
لیکن انکے دل ایمان سے خالی ہوتے ہیں۔ کہتے کچھ اور کرتے کچھ ہیں۔ یہ مسلّم امر ہے کہ جس شے کا کوئی ثبوت نہ ہو وہ بظاہر
خواہ کیسی ہی خوش کن کیوں نہ ہو۔ لیکن وہ عبث ہوتی ہے۔ اور جس چیز کا ثبوت موجود ہو۔ وہ معقول ہوتی ہے سائنس
صرف تسلی بخش ثبوت کا مطالبہ کرتا ہے۔ اور اسکا مطالبہ جائز اور صحیح ہے۔ ہم اس موقعہ پر ایک مثال پیش کرتے ہیں۔
جس سے ان باتوں کی وضاحت ہوتی ہے۔ ہر ایک مذہب کی یہ تعلیم ہے کہ خدا کے حضور دعا کرنی چاہیئے اور یہ کہ خدا دعاؤں کو
سُنتا اور قبول کرتا ہے۔ اب یہ صرف ایک دعویٰ ہے اور دعا کی قبولیت کے ثبوت کا مطالبہ بالکل واجب اور معقول مطالبہ
ہے۔ یہ بات دعا کی قبولیت کا ثبوت نہیں ہوسکتی کہ بعض وقت کوئی امر جس کے لیے دعا کیجاوے حاصل ہوجائے۔ کیونکہ کئی
ایسے امور بھی ہیں جن کی نسبت دعا کیجاتی ہے۔ اور وہ حاصل نہیں ہوتے۔ بلکہ دعا کے بغیر بھی بعض مطالب حاصل ہوجاتے
ہیں۔ اس لیے صرف اس مدعا کا حاصل ہونا ہی جس کیلیے دعا کیجاوے قبولیت دعا کا ثبوت نہیں۔ دعا کی قبولیت کے ثبوت کے لیے
حصولِ مدعا کے علاوہ کچھ اور باتیں بھی ضروری ہوتی ہیں۔ مثلاً جب کوئی انسان کسی امر کے لیے خدا کے حضور میں دعا کرے اور
خدا کے حضور سے اُسکو دعا کا جواب ملے اور بعد کے واقعات اس جواب کی صداقت کا ثبوت دیں اور وہ اسکے مطابق ظہور میں آوے
تو یہ ایک ثبوت ہوگا اس بات کا کہ واقعی دعا قبول ہوگئی۔ جس مذہب میں اس قسم کا ثبوت ملجاوے اسکو کوئی معقول انسان
رد نہیں کر سکتا۔ لیکن جب تک کہ ایسا ثبوت ہم نہ پہنچے اُسوقت تک قصور اس مذہب کا ہے۔ جو اپنے دعووں کے ثبوت
دینے سے عاری ہے۔ اور جو شخص ایسے نامعقول مذہب کو رد کرتا ہے اسکا کچھ قصور نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا عیسائی

دین دعا کی قبولیت کا ایسا ثبوت پیش کرتا ہے؟ اور اگر خود وہ مذہب ہی ثبوت دینے سے عاری اور قاصر ہے تو خدا اور الہام سے منکروں کا مطالبہ کہ کوئی ثبوت بیّن دینا چاہیئے صحیح اور جائز ہے۔ سائنس پر اس بات کا طعن رکھنا صحیح نہیں ہوسکتا کہ اس نے دعا پر سے لوگوں کا ایمان اُٹھا دیا ہے۔ کیونکہ سائنس کا مطالبہ صرف عقلی رنگ میں ہے۔ اگر عیسائی مذہب دعا کی قبولیت کا ثبوت دینے سے قاصر رہ کر سائنس کے مطالبہ کو پورا نہیں کرسکتا تو اس کے بعد یہ سوال ہوگا کہ کیا دنیا میں کوئی ایسا مذہب ہے بھی کہ نہیں کہ جو اس قسم کا بیّن ثبوت اپنے ان دعاوی کی تائید میں پیش کرسکتا ہو؟ ہم نقارہ کی چوٹ سے میدان میں آکر اس سوال کا جواب دیتے ہیں کہ ایسا مذہب دنیا میں موجود ہے اور وہ ایک ہی مذہب ہے جو اس معیار پر اپنے دعووں کا ثبوت دے سکتا ہے۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم اس مذہب کا نام بتائیں اور اس کے پیش کردہ ثبوتوں کا نمونہ پیش کریں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کچھ اس امر کا بیان کیا جاوے کہ خدا تعالیٰ کن کن راہوں سے دین حق کو دنیا میں زندہ رکھتا ہے مذہب کی زندگی سے مراد یہ ہے کہ وہ مذہب اپنے پیرووں میں تقویٰ و طہارت کی روح نفوذ کرنیکی طاقت رکھتا ہو اور انہیں نفس امارہ پر غلبہ پانیکی قوّت بخش سکتا ہو۔ اور اس میں ایک ایسی مقناطیسی جذب ہو کہ ہر قسم کے دنیاوی لالچوں اور غرضوں کو قربان کرکے لوگ اسکی طرف اُڈے چلے آویں۔ اور اپنے دعووں کی تائید میں ایسے نشانات لامعہ اور براہین قاطعہ ساتھ رکھتا ہو کہ جس سے طالبان حق کے دلوں کو سچا اور علیٰ وجہ البصیرت ایمان اور اطمینان حاصل ہوجائے مذہب حقہ کی زندگی کی یہی علامات ہیں۔ اب ان معیاروں پر لگاکر پرکھنے سے عیسائی دین ایک بے جان اور مردہ دین ثابت ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا قانون مستمرہ اور سُنّت جاریہ جو صحیح مذہبی تاریخ سے ثابت ہوتے ہیں اسطرح پر واقع ہوئے ہیں کہ جب کبھی دنیا میں سخت ایمانی ضعف چھا جاتا ہے۔ اور دنیا کے مذہبوں میں الٰہی طاقت و تاثیر اور قوّت جذب اور اعجاز و معجزنمائی اور زوردار براہین نہیں رہتیں تو اسوقت خدا تعالیٰ کمال فضل اور رحم سے کسی نبی کو مبعوث فرماتا ہے کہ جس کے مقدم خیر سے مذہب حقہ میں نئی زندگی کی روح نفوذ پاتی ہے اور مرجھائے ہوئے نخل ایمان پھر تروتازہ ہوجاتے ہیں۔ اسی قانون کے مطابق اللہ تعالیٰ مختلف زمانوں کے اندر مختلف ممالک میں انبیاءؑ نازل فرماتا رہا ہے۔ پھر جب مسیح سے چھ سَو برس بعد عیسائی دین پر اسی قسم کی موت وارد ہوئی جسکو تیرہ سَو برس کا عرصہ گذر چکا ہے تو اسوقت خدا تعالیٰ نے حضرت سرور کائنات خاتم الانبیاء محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ پھر اسی قانون اور ان تمام پیشگوئیوں کے مطابق جو قریباً ہر مذہب میں پائی جاتی ہیں اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں اپنے موعود مسیحؑ کو قادیان میں نازل فرمایا ہے جنکا نام نامی حضرت میرزا غلام احمد صاحب ہے۔ حضرت ممدوح مسیح و مہدی موعود ہونیکا دعویٰ لیکر ہی نہیں آئے بلکہ وہ اپنے ساتھ اصول اسلام کی حقیت اور حقانیت کے انکشاف کے لیے نشانات سماوی اور براہین قاطعہ لائے ہیں۔ انہوں نے دین میں وہ قوّت پیدا کردی ہے کہ جو اس کے ماننے والوں میں نئی زندگی اور تقویٰ و طہارت کی روح پھونکتی ہے۔ انکو اللہ تعالیٰ نے ایسی زبردست مقناطیسی قوّت عطا کی ہے کہ باوجودیکہ دنیا کی تمام قومیں انکی مخالفت میں طرح طرح کے حیلے اور

کوششیں کر رہی ہیں۔ لیکن لوگ انکی طرف کھچنے ہوئے چلے آتے ہیں۔
اب ہم اس کلام کو جو بطور جملہ معترضہ درمیان آپڑی تھی اسجگہ ختم کر کے اصل مدعا کی طرف عود کرتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ دعا کی قبولیت کا ایسا قطعی ثبوت پیش کرتے ہیں جو آج دنیا بھر میں کسی مذہب کا کوئی ماننے والا پیش نہیں کر سکتا۔ اور وہ ثبوت یہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے حضور میں دعا کرتے ہیں۔ اور اس دعا کا جواب پاتے ہیں۔ اور جو کچھ جواب میں انکو بتایا جاتا ہے اسکو قبل از وقت شایع کر دیتے ہیں۔ پھر ان شایع شدہ امور کی بعد کے واقعات تائید کرتے ہیں۔ اور یہ تائید ایسی ہوتی ہے کہ جسپر کوئی انسانی کوشش اور منصوبہ پہنچ ہی نہیں سکتا۔ اور ایسی ہی اعجازی اور فوق الطاقت طور پر وہ امر ظہور پذیر ہوتا ہے۔ وہ مدت سے اس بات کو شایع کر رہے ہیں کہ انکے منجانب اللہ ہونیکا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ انکی دعائیں قبول کیجاتی ہیں۔ اور انکی قبولیت کا ثبوت یہ ہے کہ خدا انہیں قبل از وقت ان امور سے اطلاع دیدیتا ہے جن کیلیے دعا کیجاتی ہے اکثر وہ قبل از وقت ایسی اخبار غیبیہ کو شایع کر دیتے ہیں۔ اور جن اخباروں اور کتابوں میں انہوں نے انکو شایع کیا ہے وہ انکے دعووں کا قطعی ثبوت ہوجاتی ہیں۔ بہت سے ایسے نشانات ہیں کہ جن میں انکے سخت ترین دشمن بھی گواہ ہیں۔ اسجگہ ہم انکی قبولیت دعا کا نمونہ دکھانیکے لیے صرف ایک واقعہ پر کفایت کرتے ہیں اور وہ یہ ہے۔ سر سید احمد خاں مرحوم جو مذہبی خیالات میں یورپ کی مادہ پرستی کے اثر کے نیچے دبے ہوئے تھے انہوں نے ایک رسالہ لکھا جس میں دعا کی قبولیت اور اس کی تاثیر سے انکار کیا۔ حضرت مسیح موعودؑ دعا کی قبولیت اور اس کی تاثیرات پر علیٰ وجہ البصیرت ایمان رکھتے ہیں۔ انہوں نے سر سید مرحوم کے اس خیال کی تردید میں کتاب برکات الدعا لکھی اور اس میں معقولی بحث کے ذریعہ سے انکے خیالات کی غلطی کو بیّن اور زبردست دلایل سے ثابت کر کے پھر بطور نمونہ ایک دعا پیش کی اور اپنی کتاب برکات الدعا کے صفحہ ۲۸ پر لکھا ۔ اے کہ گوئی گر دعا ہا را اثر بودے کجاست ٭ سوئے من بشتاب بنمائم ترا چوں آفتاب ٭ ہاں مکن انکار زیں اسرار قدرت ہائے حق ٭ قصہ کوتہ کن ببیں از ما دعائے مستجاب ٭ آخری مصرعہ میں حضرت ممدوح نے
دیکھو [illegible]
یہ دعویٰ کیا ہے۔ کہ میں دعائے مستجاب کا نمونہ دکھا سکتا ہوں۔ جس سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جائیگی۔ کہ دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اس کے نیچے ایک حاشیہ دیا ہوا ہے جس میں ناظرین کو صفحہ ۲ و ۳ و ۴ ٹائٹل پیج کا ملاحظہ کرنیکی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ جب ہم ان صفحوں کو دیکھتے ہیں۔ تو ہمیں ایک سرخی "نمونہ دعائے مستجاب" لکھی ہوئی نظر آتی ہے۔ اور اس کے نیچے لیکھرام پشاوری آریہ سماج کے ایک لیڈر کی موت کی پیشگوئی لکھی ہوئی ہے۔ یہ کتاب ۹۳ء میں شایع ہوئی تھی۔ اور اسوقت لیکھرام ایک نوجوان صرف ۳۲ سال کی عمر کا تھا۔ اس سے کچھ عرصہ پہلے وہ خود قادیان میں پہنچا تھا۔ اور حضرت مسیح موعودؑ سے آسمانی نشان طلب کیا تھا۔ اُس نے بہت سی چٹھیات لکھی تھیں۔ اور اپنی آخری چٹھی میں اُس نے اپنی موت کے متعلق نشان طلب کیا تھا۔ چنانچہ وہ تحریر حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی کتاب استفتا میں شایع کر دی ہے۔ جس میں اسنے لکھا ہے کہ آسمانی نشان کے لیے اپنے رب العرش

سے دعا مانگو۔ اور وہ نشان میرے متعلق ہو۔ اسپر حضرت ممدوح نے خدا کے حضور میں دعا کی۔ اور خدا تعالیٰ کی طرف سے انکی دعا کی قبولیت میں یہ جواب دیا گیا کہ اس تاریخ یعنی ۲۰۔ فروری ۱۸۹۳ء سے چھ سال کے اندر تیرا دشمن ہلاک ہو جائیگا۔ اس کے متعلق بہت سی پیشگوئیاں تفصیل کے ساتھ شایع کی گئی تھیں۔ اور برکات الدعا میں بھی پیشگوئی کے الفاظ اور اس کی تفہیم درج تھی۔ لیکھرام کی موت کے متعلق مختلف کتابوں میں جو خبریں پیش از وقت شایع کی گئیں۔ وہ اسی وقت سے نہ صرف دوستوں ہی کے قبضہ میں پہنچ گئیں۔ بلکہ دشمنوں کے ہاتھوں میں بھی پہنچائی گئیں جو اس وقت سے ہی ان کے قبضہ میں موجود ہیں۔ اس طرح اسکی قبل از وقت اشاعت میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔ چار سال تک بڑی اشاعت پا جانیکے بعد ۶۔ مارچ ۱۸۹۷ء کو یہ پیشگوئی بڑی آب و تاب سے پوری ہوئی اور لیکھرام پیشگوئی کی تمام تفصیلات کے مطابق مارا گیا۔ اس پیشگوئی کے پورا ہونے سے دعا کی قبولیت کا ثبوت بہت واضح طور پر بہم پہنچتا ہے۔ یہ پیشگوئی ایسی صفائی کے ساتھ پوری ہوئی کہ بیشمار اہل ہنود اور غیر متعلق مسلمان جن کے سامنے یہ واقعہ پیش ہوا۔ بہت صفائی کے ساتھ شہادت دے اُٹھے۔ کہ یہ پیشگوئی ان تمام تفصیلوں کے مطابق کہ جو سالہا سال پہلے سے شایع ہو چکی تھیں پوری ہوئی۔ کوئی معقول انسان جو ان تمام واقعات کو نظر غور سے دیکھتا ہے۔ اس پیشگوئی کی صداقت اور دعا کی قبولیت سے انکار نہیں کر سکتا۔ چونکہ بہت ساری واقعات ثابت شدہ میں سے صرف ایک واقعہ کا بیان کر دینا اثبات دعویٰ کے لیے کافی ہوتا ہے۔ اس لیے ہم حضرت مسیح موعودؑ کی قبولیت دعا کے بیشمار ثابت شدہ واقعات میں سے صرف ایک ہی واقعہ کے لکھنے پر کفایت کرتے ہیں اگر ضرورت ہوئی تو ہم بہت ساری اسی قسم کے امور پیش کر دیں گے جن کی واقعیت آفتاب نصف النہار کی طرح عیاں اور ثابت ہے۔ اسجگہ ہم نے ایک ایسی اصول کا ثبوت پیش کر دیا ہے جو ہر ایک سمجھدار انسان کیلیے اطمینان کا موجب ہو سکتا ہے لیکن اگر ایسا ثبوت کسی اصول مذہب کی حقیت کا موجود نہ ہو۔ تو اُس صورت میں معترض پر الزام نہیں۔ بلکہ ایسی مذہب پر الزام ہے جو ایسی مسائل کو لوگوں کے اندر جبراً ڈالنا چاہتا ہے۔ جن کی حقیت کا ذرا بھی ثبوت موجود نہیں۔ اسی طرح اور بھی بہت سے اصول ہیں جن کو عدم ثبوت حقیت کی وجہ سے رد کیا جاتا ہے۔ اگرچہ ہر ایک نیا مذہب خدا کی ہستی کی تسلیم سے شروع ہوتا ہے۔ لیکن جس بات کا کوئی ثبوت نہ دیا جائے۔ وہ صرف ایک خیالی بات ہوتی ہے۔ اس معاملہ میں اور اسی طرح دوسر مذہبی اصول کے ثبوت میں حضرت مسیح موعودؑ ایسے ثبوت پیش کرتے ہیں جن کو ماننے بغیر کوئی چارہ نہیں ہو سکتا۔ ہم اس مضمون کو زیادہ لمبا کرنا نہیں چاہتے۔ سمجھنے والوں کے لیے ایک اشارہ بھی کافی ہو سکتا ہے۔ البتہ بے چینی کا بادل جو تمام مذہبی دنیا پر چھایا ہوا نظر آرہا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ ان مذہبوں میں اپنے دعاوی اور اصول کی حقیت کا ثبوت موجود نہیں۔ اور وہ چیز جو ایمان اور اطمینان کو واپس لا سکتی ہے۔ وہ خدا کی ہستی اور جزا و سزا اور قبولیت دعا وغیرہ جیسے مذہبی اصول کا قطعی اور یقینی ثبوت ہی ہے۔ اب دنیا میں وہی مذہب کامیاب ہوگا جو بنی نوع انسان کے آگے اپنے حقایق و معارف کا ثبوت بدیہی طور پر رکھ دے گا۔ اور وہ تمام ادیان جن کی محض بے دلیل دعوؤں پر ہی بنا ہے برساتی کیڑوں کی طرح سو جائیں گے۔

اپنی تمام جماعت کے لیے ضروری نصیحت

چونکہ مَیں دیکھتا ہوں کہ ان دنوں میں بعض جاہل اور شریر لوگ اکثر ہندوؤں میں سے اور کچھ مسلمانوں میں سے گورنمنٹ کے مقابل پر ایسی ایسی حرکتیں ظاہر کرتے ہیں جن سے بغاوت کی بُو آتی ہے بلکہ مجھے شک ہوتا ہے کہ کسی وقت باغیانہ رنگ انکی طبایع میں پیدا ہو جائیگا اسلیے مَیں اپنی جماعت کے لوگوں کو جو مختلف مقامات پنجاب اور ہندوستان میں موجود ہیں جو بفضلہ تعالیٰ کئی لاکھ تک انکا شمار پہنچ گیا ہے نہایت تاکید سے نصیحت کرتا ہوں کہ وہ میری اس تعلیم کو خوب یاد رکھیں جو قریباً چھبیس ۲۶ برس سے تقریری اور تحریری طور پر انکے ذہن نشین کرتا آیا ہوں یعنی یہ کہ اس گورنمنٹ انگریزی کی پوری اطاعت کریں کیونکہ وہ ہماری محسن گورنمنٹ ہے انکی ظلِ حمایت میں ہمارا فرقہ احمدیہ چند سال میں لاکھوں تک پہنچ گیا ہے اور اس گورنمنٹ کا احسان ہے کہ اسکے زیر سایہ ہم ظالموں کے پنجہ سے محفوظ ہیں خدا تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت ہے کہ اس نے اس گورنمنٹ کو اس بات کے لیے چن لیا تاکہ یہ فرقہ احمدیہ اس کے زیر سایہ ہو کر ظالموں کے خونخوار حملوں سے اپنے تئیں بچاوے اور ترقی کرے کیا تم یہ خیال کر سکتے ہو کہ تم سلطان روم کی عملداری میں رہکر یا مکہ اور مدینہ ہی میں اپنا گھر بنا کر شریر لوگوں کے حملوں سے بچ سکتے ہو نہیں ہرگز نہیں بلکہ ایک ہفتہ میں ہی تم تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کیے جاؤ گے تم سن چکے ہو۔ کہ کسطرح صاحبزادہ مولوی عبداللطیف جو ریاست کابل کے ایک معزز اور بزرگوار اور نامور رئیس تھے جن کے مرید پچاس ہزار کے قریب تھے وہ جب میری جماعت میں داخل ہوئے تو محض اسی قصور سے کہ میری تعلیم کے موافق جہاد کے مخالف ہو گئے تھے امیر حبیب اللہ خاں نے نہایت بیرحمی سے انکو سنگسار کرا دیا پس کیا تمھیں کچھ توقع ہے کہ تمھیں اسلامی سلاطین کے ماتحت کوئی خوشحالی میسر آئیگی بلکہ تم تمام اسلامی مخالف علماء کے فتووں کی رو سے واجب القتل ٹھہر چکے ہو سو خدا تعالیٰ کا یہ فضل اور احسان ہے۔ کہ اس گورنمنٹ نے ایسا ہی تمھیں اپنے سایہ پناہ کے نیچے لے لیا جیسا کہ نجاشی بادشاہ نے جو کہ عیسائی تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو پناہ دی تھی۔ مَیں اس گورنمنٹ کی کوئی خوشامد نہیں کرتا جیسا کہ نادان لوگ خیال کرتے ہیں نہ اس سے کوئی صلہ چاہتا ہوں بلکہ مَیں انصاف اور ایمان کے رو سے اپنا فرض دیکھتا ہوں کہ اس گورنمنٹ کی شکرگذاری کروں اور اپنی جماعت کو اطاعت کے لیے نصیحت کرتا ہوں۔ سو یاد رکھو! اور خوب یاد رکھو! کہ ایسا شخص میری جماعت میں داخل نہیں رہ سکتا جو اس گورنمنٹ کے مقابلہ پر کوئی باغیانہ خیال دل میں رکھے اور میرے نزدیک سخت بدذاتی ہے کہ جس گورنمنٹ کے ذریعہ سے ہم ظالموں کے پنجہ سے بچائے جاتے ہیں اور اسکے زیر سایہ ہماری جماعت ترقی کر رہی ہے اس کے احسان کے ہم شکرگذار نہ ہوں؟ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے هل جزاء الاحسان الا الاحسان یعنی احسان کا بدلہ احسان ہے اور حدیث شریف میں بھی ہے کہ جو انسان کا شکر نہیں کرتا وہ خدا کا شکر بھی نہیں کرتا یہ تو سوچو کہ اگر تم اس گورنمنٹ کے سایہ سے باہر نکل جاؤ۔ تو تمھارا ٹھکانہ کہاں ہے ایسی سلطنت کا بھلا نام تو لو۔ جو تمھیں اپنی پناہ میں لے لیگی۔ ہر ایک اسلامی سلطنت تمھارے قتل کرنیکے لیے دانت پیس رہی ہے کیونکہ انکی نگاہ میں تم کافر اور مرتد ٹھہر چکے ہو سو تم اس خدا داد نعمت کی قدر کرو اور تم یقیناً سمجھ لو کہ خدا تعالیٰ نے سلطنت انگریزی تمھاری بھلائی کیلیے ہی اس ملک میں

قایم کی ہے اور اگر اس سلطنت پر کوئی آفت آئے تو وہ آفت تمھیں بھی نابود کریگی۔ یہ مسلمان لوگ جو اس فرقہ احمدیہ کے مخالف ہیں تم انکے علماء کے فتوے سن چکے ہو یعنی یہ کہ تم انکے نزدیک واجب القتل ہو اور انکی آنکھ میں ایک کُتا بھی رحم کے لایق ہے مگر تم نہیں ہو۔ تمام پنجاب اور ہندوستان کے فتوے بلکہ تمام ممالک اسلامیہ کے فتوے تمھاری نسبت یہ ہیں کہ تم واجب القتل ہو اور تمھیں قتل کرنا اور تمھارا مال لوٹ لینا اور تمھاری بیویوں پر جبر کرکے اپنے نکاح میں لے آنا اور تمھاری میت کی توہین کرنا اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ ہونے دینا نہ صرف جایز بلکہ بڑا ثواب کا کام ہے سو یہی انگریز ہیں جنکو لوگ کافر کہتے ہیں جو تمھیں ان خونخوار دشمنوں سے بچاتے ہیں اور انکی تلوار کے خوف سے تم قتل کیے جانیسے بچے ہوئے ہو ذرا کسی اور سلطنت کے زیر سایہ رہ کر دیکھ لو کہ تم سے کیا سلوک کیا جاتا ہے۔ سو انگریزی سلطنت تمھارے لیے ایک رحمت ہے تمھارے لیے ایک برکت ہے اور خدا کی طرف سے تمھاری وہ سپر ہے۔ پس تم دل و جان سے اس سپر کی قدر کرو اور تمھارے مخالف جو مسلمان ہیں ہزار ہا درجہ ان سے انگریز بہتر ہیں کیونکہ وہ تمھیں واجب القتل نہیں سمجھتے۔ وہ تمھیں بے عزت کرنا نہیں چاہتے کچھ بہت دن نہیں گذرے کہ ایک پادری نے کپتان ڈگلس کی عدالت میں میری پر اقدام قتل کا مقدمہ کیا تھا اس دانشمند اور منصف مزاج ڈپٹی کمشنر نے معلوم کر لیا کہ وہ مقدمہ سراسر جھوٹا اور بناوٹی ہے اس لیے مجھے عزت کے ساتھ بری کیا بلکہ مجھے اجازت دی کہ اگر چاہو تو جھوٹا مقدمہ بنانے والوں پر سزا دلوانیکے لیے نالش کرو سو اس نمونہ سے ظاہر ہے کہ انگریز کس انصاف اور عدل کے ساتھ ہم سے پیش آتے ہیں۔ اور یاد رکھو کہ اسلام میں جو جہاد کا مسئلہ ہے میری نگاہ میں اس سے بدتر اسلام کو بدنام کرنیوالا اور کوئی مسئلہ نہیں ہے جس دین کی تعلیم عمدہ ہے جس دین کی سچائی ظاہر کرنیکے لیے خدا نے معجزات دکھلائے اور دکھلا رہا ہے ایسے دین کو جہاد کی کیا ضرورت ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت ظالم لوگ اسلام پر تلوار کے ساتھ حملہ کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ اسلام کو تلوار کے ذریعہ سے نابود کر دیں سو جنہوں نے تلواریں اٹھائیں وہ تلوار سے ہی ہلاک کیے گئے سو وہ جنگ صرف دفاعی جنگ تھے۔ اب خواہ نخواہ ایسے اعتقاد پھیلانا کہ کوئی مہدی خونی آئیگا اور عیسائی بادشاہوں کو گرفتار کریگا یہ محض بناوٹی مسائل ہیں جنسے ہمارے مخالف مسلمانوں کے دل سیاہ اور سخت ہو گئے ہیں اور جن کے ایسے عقیدے کسی زمانہ میں جاہلوں کیلیے بغاوت کا ذریعہ ہو سکتے ہیں بلکہ ضرور ہونگے سو ہماری کوشش ہے کہ مسلمان ایسے عقیدوں سے رہائی پاویں۔ یاد رکھو کہ وہ دین خدا کی طرف سے نہیں ہو سکتا جس میں انسانی ہمدردی نہیں خدا نے ہمیں یہ سکھایا ہے کہ زمین پر رحم کرو تا آسمان سے تم پر رحم کیا جائے۔ والسلام

خاکسار مرزا غلام احمد مسیح موعود۔ عافاہ اللہ واید۔ ۷ مئی ۱۹۰۰ء

پادری صاحبان کی تہذیب

افسوس ہے کہ اب تک پادری صاحبان مذہبی مباحثات میں اُنہی کمینہ ہتھیاروں یعنی دریدہ دہنی اور گندہ زبانی سے کام لیتے

میں جن میں ان کے بزرگوں نے ہندوستان میں آکر کمال حاصل کیا تھا۔ کچھ عرصہ کا ذکر ہے کہ رسالہ تجلی کے متعلق ذکر کرتے ہوئے میں نے لکھا تھا کہ یہ لوگ دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ ہم تحقیق سے کام لیتے ہیں اور مباحثات میں نرمی کا طریق اختیار کرتے ہیں مگر جب انکو مخالف کے مقابل کلام کرنی پڑتی ہے تو گندہ کلامی میں اپنی نظیر آپ ہی ہوتے ہیں۔ چنانچہ ابتک ایڈیٹر صاحب تجلی نہایت خوشی سے اکبر مسیح کی گندہ تحریروں کو اپنے رسالہ میں درج کرتے اور اسپر فخر کرتے ہیں اگرچہ ساتھ ساتھ مانتے بھی چلے جاتے ہیں کہ اسکی تحریریں سخت ہیں۔ اکبر مسیح نے جو لکھنے کا طرز اختیار کیا ہے کوئی بھلا مانس آدمی اُسے اختیار نہیں کرسکتا اور نہ ہی کوئی شریف انسان ایسی تحریروں کے شایع کرنے میں مدد دے سکتا ہے۔ بات بات پر ہنسی اور ٹھٹھا کرتا ہے اور بیباک نوآریہ دھرم پال کی طرح ظرافت سے لوگوں کو خوش کرنا چاہتا ہے۔ اس شخص کی غرض تحریر سے احقاق حق نہیں بلکہ یہ ہوتی ہے کہ لوگ اسکے مخالف پر ہنسی اُڑائیں۔ ان باتوں سے وہ خدا کے قایم کردہ سلسلہ کو نیست و نابود نہیں کرسکتا۔ بہتیرے جھک مار کر خود کیڑوں مکوڑوں کی طرح دُور ہوگئے اور جو کچھ آج اکبر مسیح کرنا چاہتا ہے وہ اس سے پہلے جعفر زٹلی بھی کرچکا ہے۔ اسکی تحریروں نے اگر کچھ ظاہر ہوتا ہے تو صرف اسکی اپنی کمینہ خصلتوں کا اظہار۔ یہ لفظ بعض صاحبان کو سخت معلوم ہونگے۔ مگر اس شخص کی تحریر کا ایک ایک فقرہ ایسی شرارت اور گند سے بھرا ہوا ہے کہ میں ان الفاظ کے لکھنے پر مجبور ہوں۔ بات بات میں حضرت مسیح موعود کو کذاب دجّال مفتری کہنا تو اسکا معمولی شیوہ ہے۔ بلکہ نام کی بجائے بھی کذاب اور دجّال کا لفظ استعمال کرتا ہے مگر ان الفاظ پر بھی کفایت نہ کرکے وہ ایک اوباشانہ طریق دریدہ دہنی کا اختیار کرتا ہے۔ فروری و مارچ کے پرچہ تجلی میں وہ ابتدائی مضمون میں ہی لکھتا ہے۔ ”اسی طرح بعض لمبی ڈاڑھی والے فریبی بدمعاش بھولے بھالے عیسائی اور مسلمان دینداروں کی اس انتظاری سے نفع کمانیکی سوچتے ہیں۔ اور اچھے خاصے بجاتے ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھ چکے بیسوں آئے جنہوں نے اپنے آپ کو مہدی آخر الزمان بناکر اپنا اُلّو سیدھا کیا۔“ یہ ایک ہی مثال اس ثبوت کیلیے کافی ہے کہ کیسی بے حیائی کا شیوہ ان لوگوں نے اختیار کیا ہے۔ تجلی کے ایڈیٹر کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اگر وہ اس طریق کو نہیں چھوڑیگا اور چار لاکھ معزز انسانوں کے ایک پیشوا کو اسطرح بیحیائی سے گالیاں نکالنے سے باز نہیں آئیگا تو آخر قلم اور کاغذ ہمارے پاس بھی موجود ہے۔ اور ہم بھی سختی سے لکھ سکتے ہیں۔ لیکن اسکا کچھ فایدہ نہیں۔ میں ابھی اس مضمون کا کوئی جواب نہیں لکھتا صرف ایک بات کا ذکر کرتا ہوں جسپر اکبر مسیح نے بار بار زور دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ گویا اس سلسلہ کے جھوٹا ہونیکا یہی ثبوت کافی ہے کہ عیسائی اور مسلمان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کذاب اور مفتری کہتے ہیں اور ماننے والے صرف چند لوگ ہیں جن کو کسی جگہ تو وہ ”قادیان کے چند احمقوں“ کے نام سے

* یہ شخص اپنے غیظ میں اسطرح جلا ہوا ہے کہ قادیان کو دوسرے کمینہ مخالفوں کی طرح کادیان لکھکر جی خوش کرتا ہے۔ افسوس یہی کچھ پادریوں کے ہاتھ میں رہ گیا ہے۔ موتوا بغیظکم۔ باوجود اس ساری دریدہ دہنی اور غیظ و غضب کے اخیر میں نہایت بیحیائی سے یہ بھی کہتا ہے کہ عیسائیوں کو حکم ہے ”اپنے دشمنوں سے محبت رکھو اور اپنے ستانیوالوں کیلیے دعا مانگو“ محبت کیا اگر تم لوگوں کے ہاتھ میں کچھ طاقت ہو تو تم ٹکڑے ٹکڑے کرنیکے لیے تیار ہو مگر چونکہ طاقت نہیں اسلیے کمزور آدمی کی طرح گالیاں نکال کر دل خوش کررہے ہو۔ کچھ ثبوت محبت کا۔

موسوم کرتا ہے۔ اور کسی جگہ ان کے متعلق لکھتا ہے "عیسیٰ نتواں گشت بتصدیق خرے چند" اور کسی جگہ انکو جاہل اور ابلہ کہتا ہے۔ اور کسی جگہ "مخبوط الحواس" اور "بھاڑے کے ٹٹو" قرار دیتا ہے۔ مگر اس احمق سے کوئی پوچھے کہ یہ باتیں تو آپکے اس فرضی خدا پر صادق آتی ہیں جس کو یہودیوں نے ذلیل اور رسوا کیا اور اس کی کچھ پیش نہ گئی۔ نیز چار لاکھ آدمی کی جماعت کو "خرے چند" کہنا تو محض آپ لوگوں کی حماقت اور خباثت کا ثبوت ہے۔ مگر کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ ایک شخص جسکے آگے تم وحشیوں کی طرح گھٹنے ٹیکتے اور اسے خدا خدا کرکے پکارتے ہو گیارہ ماہی گیروں کی شہادت سے عیسیٰ بن گیا تھا۔ اگر کچھ بھی تمھارے اندر خوف خدا یا خوف بسوع ہے تو بتاؤ کہ چار لاکھ معزز انسانوں کی جماعت پر "خرے چند" کا لفظ صادق آتا ہے یا گیارہ ماہی گیروں پر جو مچھلیاں پکڑتے پکڑتے ساتھ ہو لیے تھے۔ افسوس کہ تم میں کچھ بھی ایمان باقی نہیں رہا ورنہ میں تم سے یہ پوچھتا کہ ایمان سے کہو اگر آج ایک شخص آکر یہ کہے کہ میں خدا ہوں اور گیارہ جاہل ناخواندہ ماہی گیر اسکے ساتھ ہو لیں اور اور کوئی اسے مانے نہیں بلکہ جھوٹا مفتری کذاب کہیں۔ اور اسکی طاقت کا یہ حال ہو کہ عدالتوں میں گھسیٹا جائے اس کے منہ پر تھوکا جائے۔ کوڑے لگائے جائیں۔ اور آخر گلے میں پھانسی کا رسہ ڈالا جاوے تو کیا تم ایسے شخص کو ان چند مچھووں کی شہادت پر مان لوگے۔ افسوس کہ تم لوگ گریبان میں منہ ڈالکر کچھ نہیں سوچتے ورنہ تم تو کبھی کسی مسیحیت کے دعویدار کی تکذیب کا نام نہ لیتے۔ ہاں وہ بات ہے ع بے حیا باش ہرچہ خواہی کن۔ اسی بے حیائی اور دلیری سے دوسری جگہ لکھتا ہے کہ "انجام کار حاکم وقت کے روبرو فریقین کا مچلکہ ہو جاوے اور مسیحیت عیسیٰ کی تیسی مشتبہ رہ جاوے" یہ کتنا بڑا جھوٹ ہے کہ گویا حضرت مسیح موعودؑ کا مچلکہ بھی لیا گیا تھا۔ اگر تم اس دروغگوئی کا کوئی ثبوت پیش نہ کر سکو تو اپنے پر آپ ہی لعنت کرلو۔ مگر یہ بتاؤ کہ "مسیحیت عیسیٰ کی تیسی" وہاں تو "مشتبہ" نہیں رہ گئی تھی جہاں چوروں اور ڈاکوؤں کے ساتھ ایک مسیحیت کے دعویدار کو صلیب پر لٹکانیکا حکم حاکم وقت سے ملا تھا۔ اور اس نے چپکے سے اسے قبول کیا۔ اور اس کے منہ پر تھوکا گیا اور وہ کچھ نہ کر سکا اور کوڑے لگائے گئے اور سارا سلوک بدترین مجرموں کا سا کیا گیا۔ اور آخر ہاتھوں میں کیل ٹھونکے گئے اور صلیب پر لٹکایا گیا اور پھر یاد آیا کہ اے میرے خدا ای میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ اگر کچھ شرم اور حیا باقی ہے تو بتاؤ کہ اسوقت مسیحیت بلکہ بقول تمھارے خدائی عیسیٰ کی تیسی مشتبہ تو نہ رہ گئی تھی۔ خصوصًا اس لیے بھی کہ جب سپاہیوں نے کہا کہ اگر تو سچا مسیح ہے تو صلیب سے زندہ اتر آ۔ پر کچھ نہ کر سکا۔ بتاؤ یہ سلوک عیسیٰ کی تیسی مسیحیت کو مشتبہ کرنیوالا ہے یا مچلکہ کا لینا جو وہ بھی تمھارا جھوٹ ہے جو تم نے اپنی عادت کے مطابق بنالیا ہے مگر اس بیحیائی کا تم میں ہونا کوئی عجیب بات نہیں کیونکہ تم شاید روٹیوں کی خاطر عیسائی ہوئے ہوئے اور شاید روٹیوں کی خاطر اب جو کچھ لکھ رہے ہو لکھ رہے ہو۔ ایک شخص جو چند روٹیوں کی خاطر دین کو فروخت کرتا ہے وہ جو کچھ بھی کرے قابل معافی ہے۔ ہاں جب صاحب متحقیق ہونیکا دعویٰ کرے تو اسکی اصلیت دکھلانی پڑتی ہے۔ اور تم جو بار بار اس بات کا ذکر کرکے خوش ہوتے ہو کہ سب لوگ حضرت مسیح موعود کو کذاب اور مفتری کہتے ہیں بتاؤ تو سہی کہ تمھاری فرضی خداوند کو سب لوگ کیا کہتے تھے۔ بلکہ کذاب مفتری کے علاوہ

شرابی اور کھاؤ پیو اور بدکاروں کا یار ہونیکا بھی خطاب دیتے تھے۔ اور حضرت مسیح موعودؑ کی جماعت کا تسواں حصہ بھی اس کے ساتھ نہ ہوئے تھے۔ تمہارے لیے تو بہتر تھا کہ ایسے گندے عقیدے ایسی لغو شہادت پر رکھتے ہوئے کبھی دوسروں کے عقیدہ پر اعتراض کا نام نہ لیتے۔ ہاں یہ وہ بات ہے۔ اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ اور یہ جو تم کہتے ہو کہ غیر مسلم قوموں میں سے حضرت مسیح موعودؑ پر تھوڑے لوگ ایمان لائے ہیں کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ غیر یہودی اقوام میں سے آپکے فرضی خدا پر اسکی زندگی میں کتنے ایمان لائے تھے۔ اور یہاں تو بفضل خدا غیر مسلم اقوام عیسائیوں سکھوں ہندوؤں میں سے اس سے زیادہ تعداد ہے جتنی آپکے فرضی خدا کے بھگوڑے حواریوں کی تھی۔ تم یہودیوں میں سے ہی اپنے فرضی خدا کے اتنے پیرو دکھا دو جو اس فرضی خدا کو حوالات میں دینے کے وقت بھاگ نہ گئے ہوں اور ایمان پر ثابت قدم رہے ہوں اور انکار نہ کر دیا ہو۔ سب سے بڑا بہشت کی کنجیوں کا مالک تو پطرس تھا وہ بھی لعنت کر چکا۔ شاید وہی لعنت اب تم پر پڑی ہے جو اسقدر بیحیائی سے جھوٹ بولتے ہو۔ اگر تم کسیقدر حیا سے کام لیکر بھلے مانسوں کی طرز تحریر اختیار کرو تو ہم تمہاری سب باتوں کا جواب دینے کے لیے تیار ہیں۔ اور ایڈیٹر صاحب تجلی کو یہ بھی واضح ہو کہ یہ جو انہوں نے لکھا ہے کہ ”ہمارے دوست پر مرزا صاحب یا ان کے خیالات کا ذکر کرتے ہوئے کچھ ایسا مرزائی پرتو پڑ جاتا ہے کہ انکی طرز تحریر انہیں کے طریق پر ڈھل جاتی ہے“ یہ محض ایک ڈھکوسلا ہے جو انہوں نے ایک گندی تحریر کے شایع کرنے اور اپنے غیظ و غضب کے اظہار کیلئے نکالا ہے۔ کیوں یہ نہ کہو کہ یہ حضرت عیسیٰ کی پرتو ہے بلکہ اگر حضرت مرزا صاحب کی تحریروں میں آپکو کوئی سختی معلوم ہو تو اسے بھی اسی بات کا نتیجہ سمجھ لو کہ آخر وہ مثیل مسیح ہیں پس اس پہلے مسیح کی سختی کا بھی کچھ اثر مماثلت میں ظاہر ہونا چاہیئے۔ وہ بڑے بڑے فقیہوں اور فریسیوں کو سانپوں کے بچے اور گدھے اور حرامکار وغیرہ الفاظ سے پکارا کرتے تھے۔ پہلے ابن مریم کے کلام سے سختی کے الزام کو دُور کر لو۔ پھر حضرت مسیح موعودؑ کی سختی پر اعتراض کرو۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو حق طلبی کی خواہش ہو تو وہ دیکھ سکتا ہے۔ کہ اگر حضرت مسیح موعودؑ نے کہیں کچھ سختی بھی کی ہے تو اسکی ابتدا انکی طرف سے نہیں ہوئی۔ بلکہ مدت تک مخالفین سے سخت گالیاں سننے کے بعد آخر کچھ ایسے الفاظ لکھے ہیں جو واقعی ان لوگوں پر جنکے متعلق لکھے گئے ہیں صادق آتے ہیں۔ پس یہ سختی قابل اعتراض نہیں۔ بلکہ خاص مصالح کے لحاظ سے جواب میں بعض سخت لفظ استعمال کیے گئے ہیں اور ایسی سختی سے کسی نبی کا کلام خالی نہیں۔

پنجاب میں طاعون

ہندوستان میں اس سال طاعون کی ترقی حیرت انگیز تھی ہی مگر خاصکر پنجاب میں اسکی تباہی ایسی ہو رہی ہے کہ

جس کی نظیر پہلے نہیں ملتی۔ فروری کے مہینہ میں کل ہندوستان میں طاعونی اموات کی تعداد ایک لاکھ سے کچھ زیادہ تھی۔ اور یہ بھی درحقیقت بڑی تباہی تھی مگر اس ہلاکت کو دیکھکر جو اسوقت پنجاب میں ہو رہی ہے یہ تعداد گویا کچھ بھی نہیں۔ کیونکہ اسوقت فی ہفتہ پچاس ہزار سے زیادہ اموات طاعون کی صرف پنجاب میں ہو رہی ہیں۔ یا پندرہ دنوں میں ایک لاکھ آدمی اسکا شکار ہو جاتا ہے۔ مفصلہ ذیل نقشہ سے پنجاب کی طاعونی اموات کا مقابلہ کُل ہندوستان کی طاعونی اموات سے ظاہر ہوتا ہے

	پنجاب میں طاعونی اموات	کُل ہندوستان میں طاعونی اموات
ہفتہ مختتمہ ۹- مارچ	۱۴۸۵۴	۴۱۶۶۷
" ۱۶- مارچ	۱۹۵۶۵	۴۹۹۴۰
" ۲۳- مارچ	۲۳۴۸۸	۵۴۰۰۳
" ۳۰- مارچ	۲۶۹۰۰	۵۳۶۸۱
" ۶- اپریل	۳۴۶۵۱	۶۲۸۸۶
" ۱۳- اپریل	۳۹۰۸۴	۷۵۴۷۲
" ۲۰- اپریل	۴۷۰۰۰	۷۶۰۰۰
" ۲۷- اپریل	۵۴۲۰۴	۷۶۷۱۱

ان اعداد کو جمع کرنیسے معلوم ہوگا کہ آٹھ ہفتوں میں یعنی ۳- مارچ سے شروع ہوکر ۲۷- اپریل تک ۴۸۹۸۶۰ اموات طاعون سے ساری ہندوستان میں ہوئیں جن میں سے نصف سے زیادہ یعنی ۲۶۰۹۴۶ صرف پنجاب میں ہوئیں۔ حالانکہ پنجاب بلحاظ مردم شماری کے ہندوستان کا گیارھواں حصہ ہے مگر طاعون کی ہلاکت نصف سے زیادہ پنجاب میں ہو رہی ہے۔ موجودہ رفتار اور بھی اس شدت کی خطرناک حالت کو ظاہر کرتی ہے کیونکہ اپریل کے آخری ہفتہ میں ۷۶۷۱۱ ہفتہ وار اموات میں سے جو طاعون سے واقع ہوئی ہیں ۵۴۲۰۴ صرف پنجاب میں ہیں اور باقی ۲۲۵۰۷ کل ہندوستان میں یعنی دو تہائی سے زیادہ صرف پنجاب میں موتیں ہو رہی ہیں۔ ان اعداد کو الگ رکھکر اگر پنجاب کے اکثر شہروں اور دیہات کی حالت کو دیکھا جاوے تو رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ گاؤں کے گاؤں تباہ ہوگئے۔ بعض مقامات بالکل اُجڑ گئے۔ اس دفعہ لاہور اور دہلی میں بھی طاعون کا خطرناک زور رہا۔ چنانچہ لاہور میں تمام کالج اور سکول وغیرہ ایک مہینہ سے بند ہیں۔ اور اکثر لوگ بھاگ گئے باقی جو ہیں وہ سراسیمہ ہیں بہت سے دیگر مقامات میں یہی حال ہو رہا ہے۔ لیکن اتنی ہلاکت اور تباہی جو قیامت کا نمونہ ہو رہی ہے بالکل جائے تعجب نہیں رہتی جب لوگوں کی قساوت قلبی کو دیکھا جاتا ہے جونہی طاعون کا دورہ ذرا کم ہوتا ہے پھر وہی فسق و فجور بلکہ عین طاعون کے دنوں میں بھی فسق و فجور کیحالت ویسی ہی رہتی ہے اور دلوں میں خوفِ خدا کا کچھ اثر نہیں پایا جاتا۔ اگر یہ قساوت قلبی کم ہوگئی ہوتی تو یقیناً ابتک طاعون کی تباہی بھی کم ہو جاتی۔ مگر ایک خدا کا برگزیدہ پنجاب میں طاعون آنیسے پہلے یہ شایع

کرچکا تھا کہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ - یعنی جبتک لوگ اپنے اندر تبدیلی پیدا نہ کرینگے تب تک خدا بھی اس عذاب کو دُور نہیں کریگا آج سے نو سال پہلے پنجاب کی اس خطرناک حالت کا نقشہ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے ایک اشتہار مجریہ ۶- فروری ۱۸۹۸ء میں کھینچا تھا چنانچہ ایک حصّہ اس اشتہار کا بعینہٖ نقل کیا جاتا ہے -

"اور ایک ضروری امر ہے جس کے لکھنے پر میرے جوش ہمدردی نے مجھے آمادہ کیا ہے اور میں خوب جانتا ہوں کہ جو لوگ روحانیت سے بے بہرہ ہیں اسکو ہنسی اور ٹھٹھے سے دیکھیں گے - مگر میرا فرض ہے کہ میں اسکو نوع انسان کی ہمدردی کیلیے ظاہر کروں اور وہ یہ ہے کہ آج جو ۶- فروری ۱۸۹۸ء روز یکشنبہ ہے مَیں نے خواب میں دیکھا کہ خدا تعالیٰ کے ملائک پنجاب کے مختلف مقامات میں سیاہ رنگ کے پودے لگا رہے ہیں اور وہ درخت نہایت بدشکل اور سیاہ رنگ اور خوفناک اور چھوٹے قد کے ہیں - مَیں نے بعض لگانے والوں سے پوچھا کہ یہ کیسے درخت ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ "یہ طاعون کے درخت ہیں جو عنقریب ملک میں پھیلنے والی ہے" میرے پر یہ امر مشتبہ رہا کہ اُسنے یہ کہا کہ آیندہ جاڑے میں یہ مرض بہت پھیلے گا یا یہ کہا کہ اُس کے بعد کے جاڑے میں پھیلیگا - لیکن نہایت خوفناک نمونہ تھا جو مَیں نے دیکھا - اور مجھے اس سے پہلے طاعون کے بارہ میں الہام بھی ہوا اور وہ یہ ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ - اِنَّہٗ اٰوَی الْقَرْیَۃَ - یعنی جبتک دلونکی وبا معصیت دُور نہ ہو تب تک ظاہری وبا بھی دُور نہیں ہوگی - اور درحقیقت دیکھا جاتا ہے کہ ملک میں بدکاری کثرت سے پھیل گئی ہے اور خدا تعالیٰ کی محبت ٹھنڈی ہو کر ہوا و ہوس کا ایک طوفان برپا ہو رہا ہے - اکثر دلوں سے اللہ جلّ شانہٗ کا خوف اُٹھ گیا ہے اور وباؤں کو ایک معمولی تکلیف سمجھا گیا ہے جو انسانی تدبیروں سے دُور ہو سکتی ہے - ہر ایک قسم کے گناہ بڑی دلیری سے ہو رہے ہیں ...... نیک چلنی اور نیک بختی اختیار کرکے اس بلا کے دُور کرنے کیلیے خدا تعالیٰ سے دعائیں کریں تا یہ بلا رک جائے یا اُس حد تک نہ پہنچے کہ اس ملک کو فنا کر دیوے - یاد رکھو کہ سخت خطرہ کے دن ہیں اور بلا دروازے پر ہے - نیکی اختیار کرو اور نیک کام بجا لاؤ - خدا تعالیٰ بہت حلیم ہے لیکن اُسکا غضب بھی کھا جانیوالی آگ ہے اور نیک کو خدا تعالیٰ ضایع نہیں کرتا - مَا یَفْعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُمْ اِنْ شَکَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؎ بترسید از خدائے بے نیاز و سخت قہارے ؏ نہ پندارم کہ بد بیند خدا ترسے نکوکارے ؎ مرا باور نمی آید کہ رسوا گردد آں مردے ؏ کہ می ترسد ازاں یارے کہ غفارست و ستارے ؎ گر آں چیزے کہ می بینم عزیزاں نیز دیدندے ؏ ز دنیا توبہ کردندے بچشم زار و خونبارے ؎ خور تاباں سیہ گشت است از بدکاریٔ مردم ؏ زمیں طاعوں ہمی آرد پئے تخویف و انذارے ؎ بتشویش قیامت ماند ایں تشویش گر بینی ؏ علاجے نیست بہر دفع آں جز حسن کردارے ؎ نشاید تافتن سر زاں جناب عزّت و غیرت ؏ کہ گر خواہد کشد در یکدمے چوں کرم بیکارے ؎ من از ہمدردی ات گفتم تو خود ہم فکر کن بارے ؏ خرد از بہر ایں روز ست اے دانا و ہشیارے ؎ -

(۲) زبردست نشانوں کے ساتھ ترقی ہوگی۔ (۳) انزلنا علیٰ رقیمتہٖ من موسیٰ۔ (۴) انی مهین من اراد اهانتك۔ (۵) سنسمه علی الخرطوم۔ (۶) رب انی مغلوب فانتصر۔ (۷) ساریکم اٰیاتی فلا تستعجلون۔ ترجمہ۔ یاتو ہم بعض وہ اپنی پیشگوئیاں جو وعید کے طور پر کفار کے حق میں ہیں تجھکو دکھلا دیں گے اور یا تجھ کو وفات دیدینگے۔ زبردست نشانوں کے ساتھ ترقی ہوگی۔ ہم نے اس ارادہ کو موسیٰ کی تحریر پر اُتارا ہے یعنی موسیٰ نے بھی ایسا ہی ارادہ بذریعہ تحریر ظاہر کیا سو ہم نے اس سے اتفاق رائے کیا میں اس شخص کی اہانت کرونگا جو تیری اہانت کرتا ہے اسکی ناک پر یا مُنہ پر ہم آگ کا داغ لگائیں گے۔ اے میری خدا میں مغلوب ہوں تو انتقام لے۔ میں تمہیں اپنے معجزات دکھلاؤں گا مجھ سے جلدی مت کرو۔

۱۲ مئی ۱۹۰۷ء۔ ایک شخص مجھے کشفی طور پر دکھلایا گیا۔ مگر میں اسکی شکل بھول گیا۔ صرف یہ یاد رہا کہ وہ ایک سخت دشمن ہے کہ اپنی تقریر اور تحریر میں گالیاں دیتا ہے۔ اور سخت بدزبانی کرتا ہے۔ بعد اس کے الہام ہوا۔ بدی کا بدلا بدی ہے اسکو پلیگ ہو گئی (یعنی ہو جائیگی) پس میں یقین کرتا ہوں کہ جلد یا کچھ دیر سے تم سنو گے۔ کہ کوئی ایسا سخت دشمن پلیگ کا شکار ہو جائیگا۔ اگر ایسا کوئی دشمن جسپر تمہارے دل بول اُٹھیں کہ یہ الہام کا مصداق ہو سکتا ہے۔ طاعون میں مبتلا نہ ہوا تو تمہارا حق ہے کہ تکذیب کرو۔ بعد اس کے مجھے دکھلایا گیا۔ کہ ملک میں بہت غفلت اور گناہ اور شوخی پھیل گئی ہے اور لوگ تکذیب سے باز آنیوالے نہیں جبتک خدا اپنا قوی ہاتھ نہ دکھائے بعد اس کے الہام ہوا۔ اس کا نتیجہ سخت طاعون ہے جو ملک میں پھیلے گی کئی نشان ظاہر ہوں گے۔ کئی بھاری دشمنوں کے گھر ویران ہو جائینگے وہ دنیا کو چھوڑ جائیں گے۔ ان شہروں کو دیکھکر رونا آئیگا۔ وہ قیامت کے دن ہونگے۔ زبردست نشانوں کے ساتھ ترقی ہوگی۔ ایک ہولناک نشان۔ یعنی انہیں سے ایک ہولناک نشان ہوگا۔ شاید وہی زلزلہ ہو جسکا وعدہ ہے۔ یا آسمان سے کوئی اور نشان ظاہر ہو۔ یا طاعون قیامت کا نمونہ دکھلاوے۔ پھر خدا تعالیٰ مجھے مخاطب کرکے فرماتا ہے کہ میری رحمت تجھ کو لگ جائیگی اللہ رحم کریگا۔ اعیینَاك۔ یعنی ہم اسقدر نشان دکھلائیں گے کہ تو دیکھتے دیکھتے تھک جائیگا۔ اور پھر ۱۳ مئی ۱۹۰۷ء روز دوشنبہ کو الہام ہوا۔ سننجیك۔ سنعلیك۔ سنکرمك اکراماً عجباً۔ یعنی عنقریب تجھ کو دشمنوں کے شر سے نجات دینگے۔ اور ہم تجھے ان پر غالب کر دینگے۔ اور ہم تجھے ایک عجیب طور پر بزرگی دیں گے۔

نئی کتابیں

ریویو کے لیے بعض کتابیں بہت دنوں سے آئی ہوئی تھیں مگر بوجہ عدم گنجائش میں اس فرض کے ادا کرنے سے

قاصر رہا ہوں۔ اب بھی صرف مختصر نوٹ ہر ایک کتاب کے متعلق کرونگا۔ سب سے اوّل قابل تذکرہ لاہور کے مشہور پنجابی شاعر میاں ہدایت اللہ کی کتاب **البرہان الصریح فی تائید المسیح** ہے جس میں مصنف نے پنجابی شعروں میں نہایت خوبی سے حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت آخری زمانہ کے علامات وغیرہ کا ذکر کیا ہے اہل پنجاب ایسی کتابوں سے بہت فایدہ اُٹھا سکتے ہیں قیمت ۲؍ دفتر بدر قادیان سے یا خود مصنف سے کوچہ چابکسواراں لاہور سے مل سکتی ہے۔

دوسری کتاب منشی وجاہت حسین کی تالیف **اختلاف اللسان** ہے جس میں زبان اردو کی یہ خدمت کی گئی ہے کہ دہلی اور لکھنؤ کی زبان کے الفاظ اور محاورات کے فرق کو ظاہر کیا گیا ہے اور اس پر بحث کی گئی ہے شائقین زبان کے لیے ایک مفید کتاب ہے قیمت ۱۰؍ ۸۴ صفحے مصنف سے لاہور قاضی خانہ کے پتہ سے مل سکتی ہے۔

تیسری کتاب **الاسماء الحسنےٰ** مؤلفہ شیخ یعقوب علی صاحب ایڈیٹر الحکم ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے اسماء کا ذکر ہے اور علاوہ ننانوے (۹۹) اسمائے مشہورہ کے بہت سے اور اسماء بھی دیئے گیے ہیں جو قرآن شریف یا حدیث سے مستنبط ہو سکتے ہیں۔ سلسلہ دینیات میں ایک مفید کتاب ہے ۔۔۱۰۰ سے زیادہ صفحوں کی کتاب ہے قیمت ۵؍ مؤلف سے طلب کرو۔

چوتھی کتاب **مجربات نور دین** ہے اس میں طبیب حاذق حضرت مولوی حکیم نور الدین صاحب کے بیاض سے نسخے اور آپ کے خاص مجربات مفتی فضل الرحمٰن صاحب نے جمع کیے ہیں۔ حضرت مولوی صاحب کا نام ہی اس کتاب کی عمدگی کو ظاہر کر رہا ہے۔ ابھی اس کتاب کی جلد اوّل ہی شایع ہوئی ہے جو سوا سو (۱۲۵) صفحہ سے زاید ہے قیمت ۱؍ قادیان سے مفتی فضل الرحمٰن سے یا کارخانہ الحکم سے طلب کرو۔

صدر انجمن احمدیہ کا کتب خانہ حکیم فضلدین صاحب کے اپنا کتب خانہ صدر انجمن کے نام ہبہ کر دینے سے وہ تمام کتب جو پہلے حکیم فضلدین صاحب سے مل سکتی تھیں اب نائب ناظم صاحب دفتر مقبرہ بہشتی سے ملیں گی۔ کتاب **لغات القرآن** ہر دو حصے۔ خزینۃ المعارف دو نئی تصنیف شدہ کتابیں ہیں لغات القرآن ہر دو حصص کی قیمت ۸؍ ہے حصہ اوّل ۸؍ حصہ دویم ۸؍۔

آنکھوں کے بیماروں کو مژدہ

میاں ڈاکٹر عبداللہ صاحب ساکن راہوں۔ ضلع جالندھر جنھوں نے لنڈن۔ اسٹریلیا، افریقہ میں آنکھوں کے علاج سے بہت شہرت حاصل کی ہے۔ اور ان کے پاس بہت کثرت سے سارٹیفکٹ بھی موجود ہیں۔ انگریزی اور یونانی دو طرح سے آنکھیں بناتے ہیں ہماری جماعت کے مخلص ہیں۔ مَیں امید کرتا ہوں کہ لوگوں کو انسے نفع پہنچیگا۔ دستخط (نور دین)

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے * لو تمھیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد (۶) | بابت ماہ جون سنہ ۱۹۰۷ء | نمبر (۶)

فہرست مضامین

مندرجہ ذیل کتابیں دفتر مقبرہ بہشتی قادیان ضلع گورداسپور سے بذریعہ قیمت طلب پیکٹ مل سکتی ہیں ان کا مطالعہ مذہبی تحقیقات اور تاریخی معلومات اور مخالفین کے اعتراضات کی تردید کے لیے نہایت ضروری ہے۔ مشرح مفصل فہرست، ۱ر کا ٹکٹ بھیجنے پر ارسال خدمت ہوگی۔

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
انوار اللہ - اردو	۸ر	قاعدہ عربی اردو	ار	تذکرۃ الشہادتین اردو	۵ر	شہادۃ القرآن اردو	۴ر
اجرومیہ - عربی	۰ر	قرآن شریف مترجم مع تفسیر حسینی	عہ	" فارسی	۳ر	صیان القرآن "	۳ر
الذکر یعنی ترجمہ اردو اسماء الٰہیہ	۲ر	مسک العارف اردو	۱۰ر	تحفہ قیصرہ اردو	۲ر	کشف الغطا "	۲ر
پارہ الم عربی	۲ر	نشان آسمانی "	۲ر	تحفۃ الندوہ "	۰ر	لغات القرآن حصہ اوّل	عہ
پنج ارکان اسلام - اردو	ار	واقعات صحیحہ "	۲ر	تقریریں "	۲ر	" حصہ دوم	عہ ۸ر
تفسیر جلالین - عربی	عہ	یسرنا القرآن حصہ اول	ار	تقریروں کا مجموعہ "	۳ر	لیکچر سیالکوٹ، اردو	۱۰ر
تفسیر فوز الکبیر عربی فارسی	۲ر	" دوم	ار	سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب - اردو	۲ر	" لاہور لودھیانہ "	۴ر
تقریر جلسہ مذاہب جس کی تفسیر اردو	۲ر	" سوم	ار	جنگ مقدس عیسائیوں سے مباحثہ "	۶ر	مشکوٰۃ الانوار عربی	۴ر
جام شہادت - اردو	۲ پائی	ہدیۃ الاقب اردو	۲ر	حمامۃ البشریٰ عربی	۸ر	مواہب الرحمٰن "	۶ر
حمائل مترجم - فارسی	عہ	الہدیٰ عربی	۶ر	حجۃ الاسلام - اردو	ار	مبادی الصرف	ار ۹ پائی
رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب اردو	۸ر	الحق - لودیانہ اردو	۴ر	خطوط شیعہ کا جواب "	۲ر	نسیم دعوت - اردو	۳ر
سلسلہ دینیہ - اردو	۹ پائی	" دہلی "	۸ر	خطبہ الہامیہ عربی ترجمہ فارسی اردو	عہ	نور الدین حصہ اول اردو	۲ر
سلاسل القرآۃ - عربی نمبر ۱	۴ر	اعجاز احمدی عربی	۳ر	خلافت راشدہ حصہ اول	۸ر	" " دوم "	۴ر
" " نمبر ۲	۸ر	احسن الکلام اردو	۳ پائی	" " دوم "	۴ر	ہدیہ سعدیہ - عربی	۲ر
" " نمبر ۳	۱۳ر	ابطال الوہیت مسیح "	ار	خزینۃ المعارف حصہ اول دوم	۴ر	نصل حق - اردو	ار
" " نمبر ۴	۱۳ر	آیات الرحمٰن "	۸ر	" " سوم و چہارم	۸ر	سیرۃ المسیح - اردو	۸ر
آریہ دھرم - اردو	۴ر	دعوت الحق - اردو	۵ر			آسمانی فیصلہ "	۲ر ۹ پائی
دینیات کا پہلا رسالہ اردو	ار	شیخ ترمذی ۱	عہ	اعلام الناس حصہ دوم	۴ر	دافع البلاء "	ار
طریق النجات ۱	۸ر	شرح ترمذی ۲	عہ	دعوت دہلی - اردو	ار ۲ پائی	غنیۃ الطالب عربی	عہ
" " ۲	۸ر	احمدی کا من پنجابی	ار	دعوت الندوۃ -	ار ۲ پائی	شفاء السقام "	عہ
" " ۳	۸ر	براہین احمدیہ حصہ اول	۵ر	راز حقیقت - اردو	ار		
" " ۴	۱۵ر	" " دوم	۴ر	سرمہ چشم آریہ "	۱۲ر		
عسل مصفّٰے - اردو	عا ۸ر	" " سوم	۱۰ر	ست بچن "	۱۰ر		
		" " چہارم	۶ر				
		مکمل براہین احمدیہ	۳ے				

نوٹ: براہین احمدیہ کا حصہ چہارم اصل نسخہ ہے جو حضرت اقدس نے ۱۸۸۴ء میں چھپوایا تھا۔ باقی تین حصے بڑے اہتمام سے دوبارہ چھپوائے گئے ہیں۔

نوٹ۔ ان قیمتوں میں محصولڈاک شامل نہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

قرآن کریم کی حفاظت

۴- آیتوں اور سورتوں کی ترتیب

ہم نے پہلے دلایل قویہ سے یہ بات ثابت کر دکھائی ہے کہ قرآن شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ہی لکھا گیا اور آپ کی زندگی میں ہی قرار اور حفاظ نے تمام و کمال حفظ کر لیا تھا۔ لیکن چونکہ یہ مسلّم بات ہے کہ اس مقدس اور مہیمن کتاب الٰہی کا نزول تدریج کے ساتھ ہوتا رہا اور تئیس سال کے عرصہ میں پورا ہوا۔ چنانچہ بعض سورتیں تو ایسی ہیں جو ایک ہی دفعہ اکٹھی نازل ہوئیں اور بہت سی اس قسم کی ہیں کہ جن کا نزول تدریجی ہوا۔ اور بہت لمبے عرصہ میں پوری ہوئیں۔ ایسا بھی ہوتا رہا کہ ابھی ایک سورۃ مکمل نہ ہونے پاتی تھی کہ دوسری سورۃ نازل ہونی شروع ہو جاتی۔ بعض وقت ایسا بھی ہوتا کہ دو مختلف سورتوں کی آیات ایک ہی وقت میں نازل ہو جاتیں۔ غرض قرآن شریف ایک جلد اور ایک وقت میں اکٹھا نازل نہیں ہوا بلکہ آیات اور سورتیں تئیس سال کے عرصہ میں تدریج کے ساتھ نازل ہوئیں۔ اور ترتیب نزولی ایسی نہ تھی کہ جس سے ہر ایک سورۃ کی آیات علی التواتر نازل ہو کر اسکو پورا کرنیکے بعد دوسری سورۃ شروع ہوتی۔ بلکہ حسب اقتضائے منشاء الٰہی مختلف سورتوں کی آیات مختلف اوقات میں نازل ہوئیں۔ اور اسوقت جو قرآن شریف مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے اس میں ترتیب آیات ترتیب نزولی کے موافق نہیں بلکہ یہ وہ ترتیب ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حین حیات بلکہ عین نزول آیات کے موقعہ پر اشارہ وحی الٰہی سے کی تھی۔ اس موقعہ پر ایک معترض یا ایک منتقد یہ سوال کریگا کہ آیا یہ ترتیب قرآنی جو نزولی ترتیب کے مطابق نہیں ہے کس نے کی تھی؟ کیا خود آنحضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی قرآن شریف کو اسطرح ترتیب دیا تھا یا کسی اور نے ترتیب دی تھی؟ پھر اگر قرآن شریف کی کوئی ترتیب حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائی تھی تو کیا یہ موجودہ ترتیب قرآنی وہی ترتیب ہے یا اس سے مختلف؟ یعنی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا موجودہ قرآن شریف بلحاظ ترتیب سور و آیات وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے چھوڑا تھا یا یہ قرآن اس قرآن سے مختلف ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ترتیب دیا تھا؟

اس مضمون میں انہی مذکورہ بالا سوالات پر غور کرنا ہمارا اصل مقصد ہے۔ ہم نے اس امر کے متعلق ہر قسم کی اندرونی اور

خارجی شہادات پر بہت عمیق نظر سے غور کیا ہے۔ اور بڑی گہری تحقیقات اور معقول اور منصفانہ تدبر اور تفکر کے بعد ہم اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ہر قسم کی اندرونی اور بیرونی شہادات اس بات کو قطعی طور پر ثابت کرتی ہیں کہ قرآن شریف کی سورتوں اور آیتوں کی موجودہ ترتیب سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی دوسرے کا کام نہ تھا بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنے خیال کو اس میں کوئی دخل نہ تھا۔ بلکہ آپ نے یہ ترتیب قرآنی وحی الٰہی کی ہدایت کے موافق دی تھی۔ اور موجودہ قرآن شریف بعینہٖ وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ترتیب دیا تھا۔ اس سے ایک سرمو کا بھی فرق نہیں۔ اگرچہ اس امر پر اندرونی شہادت موجود ہے مگر اس مضمون میں اس شہادت کے لیے گنجایش نہیں۔ اس لیے ہم صرف خارجی شہادت کو یہاں پیش کریں گے۔ مگر اتنی بات ہم ضرور کہیں گے کہ یہ محض ایک جھوٹا خیال ہے کہ قرآن شریف کی موجودہ ترتیب ٹھیک نہیں۔ اور اس سے بہتر ترتیب بھی ہو سکتی ہے۔ اس خیال کا ذرہ بھر بھی ثبوت کسی معترض کے ہاتھ میں نہیں۔ اور حق بات یہ ہے کہ اس ترتیب سے بہتر ترتیب قطعاً ناممکن ہے۔ یعنی ہر ایک سورۃ قرآنی اور اسکی ہر ایک آیت ایسی منتظم۔ اور موزون طور سے مرتب اور برمحل رکھی ہوئی ہے کہ یہ ہو سکتا ہی نہیں کہ اس سے بہتر کوئی ترتیب ہو سکے۔ ایک ایک حرف اور ایک ایک لفظ اور ایک ایک جملہ ربط وضبط کلام کے لحاظ سے ایسے اعجازی نظام سے رکھا ہوا ہے کہ ایک لفظ کا تغیر وتبدل بھی ممکن نہیں۔ وہ شخص جو اس نظام قرآنی پر کسی قسم کا حرف رکھتا ہے اور کہتا ہے کہ بعض آیات ماقبل ومابعد میں مضمون کا ربط نہیں یا کوئی مضمون چھوٹا ہوا ہے وہ صرف اپنی جہالت اور حماقت سے ایسی بات منہ سے نکالنے کی جرأت کرتا ہے۔ ایسے لوگ نہ تو عربی زبان کے محاورات سے ماہر نہ ربط کلام کے فن کے واقف ہوتے ہیں اور نہ قرآن شریف کو ہی غور اور تدبر سے پڑھنے کا ملکہ رکھتے ہیں۔ ورنہ یہ تعجیل کار معترض اگر قرآن شریف ہی پر غور وخوض اور تدبر کریں تو انپر یہ بات منکشف ہو جائے کہ انکے اعتراض سب غلط اور بیجا ہیں اور قرآن شریف کی ہر ایک آیت اور سورۃ بلکہ اسکا ہر ایک لفظ صحیح موقعہ اور محل پر منتظم ہے اور کوئی مضمون غیر منسلک اور غیر متفق نہیں مگر اس موقعہ پر اندرونی شہادت کو پیش کرنیکی نہ گنجایش ہے اور نہ ہم اسے اسجگہ پیش ہی کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے صرف ایک حصہ ثبوت یعنی خارجی شہادت کو ہی پیش کیا جائیگا۔ یہ شہادت اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ قرآنی آیتوں اور سورتوں کی موجودہ ترتیب نہ تو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور نہ زید رضؓ نے کی تھی بلکہ یہ وہی ترتیب ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الٰہی کی ہدایت سے کی تھی۔ اس زبردست گواہی سے نہ صرف حدیثیں ہی بھری پڑی ہیں بلکہ خود قرآن شریف بھی اس پر شاہد ہے۔

چنانچہ دیکھو سورۃ القیامہ آیت ۱۹۔ ان علینا جمعہ وقرأنہ فاذا قرأنٰہ فاتبع قرأنہ۔ یہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قرآن کا جمع کرنا اور اسکا تجھکو (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو) پڑھا دینا ہمارا کام ہے پس جب ہم اسے پڑھ چکیں تو تم اسی کے پڑھنے کی پیروی کیا کرو۔ اس آیت کریمہ سے یہ بات پورے طور سے پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ جمع قرآن شریف مع ترتیب آیات وسور صرف اللہ تعالیٰ کی وحی سے عمل میں آئی۔ یہ آیت شریفہ صاف بتلا رہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جس طرح قرآنی آیات وحی کے ذریعہ سے نازل ہوئیں۔ اسی طرح انکی ترتیب اور جمع بھی اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھا دی

یہی وجہ ہے کہ خود قرآن شریف نہ صرف اسی بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ یہ کلام الٰہی ہے بلکہ یہ دعویٰ بھی کرتا ہے کہ اسکا جمع کرنا اور اسکی ترتیب دینا سب امر الٰہی سے ہوا ہے گویا یہ قرآن شریف جیسا کہ خدا کا کلام ہے اسی طرح خدا ہی نے اسکو مرتب اور جمع کیا۔ اور جس طرح اس کلام کو وحی کے ذریعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ میں ڈالا گیا اور انکو اسکی تبلیغ کا شرف بخشا گیا اسی طرح اسکے مرتب اور جمع کرنیکی عزت بھی اسی حقیقی عزت آثار سردار والا تبار محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دیگئی۔ واضح رہے کہ اس آیت میں لفظ جمع جو وارد ہوا ہے اس سے مراد ترتیب اور جمع دونوں ہیں۔ کیونکہ بغیر کسی خاص ترتیب کے جمع ممکن نہیں۔ جمع سے مراد ہی یہ ہے کہ ترتیب دیکر جمع کیا گیا۔ اور اس لفظ کے اسجگہ واقع ہونیسے یہ بات ظاہر ہو رہی ہے کہ قرآن شریف اس ترتیب سے نازل نہیں ہوا تھا جس ترتیب سے وہ جمع کیا گیا۔ یعنی اصل ترتیب قرآنی ترتیب نزولی سے مختلف ہے۔ کیونکہ اس آیت میں جمع اور نزول کو دو الگ الگ امر بتایا گیا ہے۔ اگر ترتیب نزولی ہی وحی الٰہی کا منشا ہوتا تو جمع اور نزول کو الگ الگ بیان نہ کیا جاتا کیونکہ پھر نزول کے ساتھ ساتھ ہی جمع کا کام بھی ہوجاتا اور جمع کی کوئی الگ ضرورت نہ رہتی۔ مگر آیت موصوفہ میں اللہ تعالےٰ نے جمع کو ایک الگ فعل بیان فرمایا ہے اور پڑھنے یعنی نزول کو الگ۔ پس اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وحی الٰہی نے ترتیب جمع اور ترتیب نزول کو الگ الگ رکھا اور نزول اور جمع دونوں کو اپنے ذمہ لیا۔ پس جس طرح وحی الٰہی کا نزول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں سارا ہوچکا اسی طرح اسکی جمع اور ترتیب بھی ضروری تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی یہ کام بھی تکمیل کو پہنچ جاتا اور ایسا ہی ہوا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات قرآن شریف کی صاف صاف اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ترتیب قرآنی وحی الٰہی سے ہوئی جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے وقال الذین کفروا لولا نزل علیہ القراٰن جملۃً واحدۃً کذٰلک لنثبت بہ فؤادک ورتلنٰہ ترتیلا۔ (الفرقان آیت ۳۲) یعنی کافر کہتے ہیں کہ سارا قرآن مکمل اور مرتب ایک دفعہ ہی کیوں نازل نہ کردیا گیا۔ انکو کہدو کہ مصلحت الٰہی یہی ہے تاکہ کلام الٰہی کو جزا جزاً نازل کرنے سے ہم تمہارے دل کو تسکین دیتے رہیں۔ اور ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر اُتارا اور اسکی تالیف بھی نہایت عمدہ کی۔ ترتیل کے معنے کسی لغت عربی کو دیکھو تو اس میں تالیف یعنی ترتیب بھی شامل ہے۔ لسان العرب میں ہے رتل الکلام احسن تالیفہ وابانہٗ وتمہل فیہ یعنی اسکی تالیف یعنی ترتیب کو نہایت عمدہ کیا اور اسے کھول کھول کر اور ٹھہر ٹھہر کر بیان کیا۔ بلکہ سیاق وسباق عبارت خود بتارہا ہے کہ یہاں ترتیب کا ذکر بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کیونکہ کافروں کا اعتراض تھا قرآن سارا ایکدفعہ مرتب ہوکر نازل کیوں نہیں ہوا جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تھوڑا تھوڑا نازل کرنے میں بہت سے مصالح الٰہی ہیں اور یہ بھی کہ کلام الٰہی کے نزول سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو تسکین ہوتی رہے۔ اور یہ جو تم کہتے ہو کہ مرتب کیوں نہیں سو ترتیب و تالیف بھی ہم ہی کررہے ہیں اور کریں گے۔ اور آخیر پر اسکو مکمل اور مرتب بنادیں گے ایسا ہی آیت وصلنا لھم القول سے بھی یہ پایا جاتا ہے کہ اجزائے قرآنی کی ترتیب کا کام بموجب دعویٰ قرآن کریم وحی الٰہی سے ہی ہوا۔

اب ہم حدیث صحیح کی طرف رجوع کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ آیا تاریخ اور حدیث صحیح سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نہیں کہ

موجودہ قرآن شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اُسی ترتیب الٰہی کے ساتھ جسکا ذکر آیات مذکورہ بالا میں ہے ہمارے ہاتھوں تک نہایت امانت اور دیانت کے طریق سے محفوظ پہنچا ہے۔ اس امر کیلیے سب سے پہلے یہ بات دیکھنی ضروری ہے کہ آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قرآن شریف اسی طرح جمع مرتب اور منتظم چھوڑا گیا یا نہیں۔ اس امر کے ثبوت میں صحیح روایات اور معتبر احادیث کا بڑا ذخیرہ موجود ہے اور ہم پہلے آیتوں کی ترتیب اور پھر سورتوں کی ترتیب پر غور کریں گے اور ہر ایک امر تحقیق طلب میں امور ذیل پر بحث کریں گے۔ (۱) کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کبار رضی اللہ عنہم نے قرآن شریف کو کوئی ترتیب دی ہوئی تھی؟ (۲) کیا قرآن شریف جس نہج سے نازل ہوا تھا اُسی طرح اسکو ترتیب دیا گیا یا ترتیب جمع ترتیب نزولی سے مختلف تھی؟ (۳) کیا موجودہ ترتیب قرآن شریف اس ترتیب سے مختلف ہے، یا وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو دی تھی؟ یہ ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ ہی میں مسلمان لوگ نمازیں پڑھتے تھے اور نمازوں میں بڑا حصہ صرف قرآن شریف ہی کا پڑھا جاتا ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہے کہ نمازوں کے علاوہ بھی قرآن شریف کی تلاوت پر مداومت اسوقت سے ہی مسلمانوں میں مروج ہے۔ پھر جبکہ اتنی بڑی کتاب جس میں اتنے مختلف مضامین ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلعم کی حیات میں حفظ کر لی تھی اور باقاعدہ طور پر نمازوں میں پڑھتے تھے اور ایک دوسرے کو پڑھاتے اور سکھاتے تھے تو کسطرح ممکن ہے کہ یہ ساری کام بغیر جمع قرآن کے عمل میں لائے جا سکتے تھے لیکن افسوس عیسائی معترضوں کی بے سمجھی اور ناواقفی پر کہ انہیں جس کو اسلام پر اعتراض کرنیکی سوجھی اُس نے اس بات کو بطور اعتراض ضرور پیش کیا ہے۔ ہر معترض نے وہی دلیلیں اس اعتراض کی تائید میں دوہرائی ہیں جو کسی اول المعترضین نے پیش کی تھیں۔ ان لوگوں نے تاریخ کی قطعی اور ضروری شہادت کو ہمیشہ نظر انداز کر کے اپنے اعتراض کی بنا صرف اسی امر پر رکھی ہوئی ہے کہ انکے زعم باطل میں قرآن شریف کی سورتوں اور آیتوں میں کوئی ربط وضبط موجود نہیں۔ عام معترض عیسائی تو کہیں رہے ولیم میور صاحب جنہوں نے بڑے زور سے دعویٰ کیا تھا کہ میںنے لائیف آف محمد کو بڑی تحقیقات اور تاریخی استناد پر لکھا ہے۔ وہ بھی اس موقعہ پر آکر انہی پرانے عیسائی معترضوں کی اتباع سے الگ نہ رہ سکا۔ اور تاریخ کی سچی اور عیاں شہادت کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھ سکا۔ ہم ذیل میں میور صاحب کی لائیف آف محمد کے دیباچہ سے ایک جملہ نقل کرتے ہیں جس سے ناظرین پر نہ صرف یہ بات ہی عیاں ہو جائیگی کہ عیسائی معترضین کس کس قسم کے اعتراض پیش کرتے ہیں بلکہ یہ بات بھی ظاہر ہو جائیگی کہ خود سر ولیم میور صاحب نے تاریخی شہادت سے کسطرح اغماض اور اعراض کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "بہر حال ہم یہ بات مان نہیں سکتے کہ اس زمانہ میں کامل قرآن شریف کسی معین ترتیب سے پڑھا جاتا تھا۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ موجودہ قرآن شریف کی نسبت مسلمانوں کا ایمان ہے کہ یہ اسی ترتیب کے موافق ہے جو آنحضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کی تھی۔ لیکن ہم اسکو تسلیم نہیں کر سکتے کیونکہ اگر کسی معین ترتیب کا آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) خود فیصلہ کر دیتے اور اسپر آپ عمل کرتے تو ضروری تھا کہ وہی ترتیب آئندہ محفوظ رکھی جاتی۔ مگر جو قرآن شریف ہماری زمانہ تک محفوظ چلا آیا ہے وہ مضامین اور زمانہ کے لحاظ سے اپنے مختلف حصوں میں کسی معقول اور قابل فہم

ترتیب کا متبع نہیں۔ اور یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اس موجودہ ترتیب کے ساتھ اس کے پڑھنے کا حکم کرتے ہوں۔ ہمیں اس بات پر شبہ ہے کہ جتنی تعداد قرآنی سورتوں کی اسوقت موجود ہے انکی یہ تعداد آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خود مقرر کی تھی یا نہیں۔ بہرحال اتنا تو ضرور ہے کہ اکثر سورتوں کی اندرونی ترتیب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہدایت سے نہیں"۔ سر ولیم میور نے اس مضمون پر کچھ حاشیے لکھے ہیں ان حواشی کے پڑھنے سے مصنف کے دل کا وہ اضطراب ظاہر ہو رہا ہے جو مذہبی تعصب اور تاریخ کے صحیح ثبوت کی موجودگی کے جھگڑے سے پیدا ہو رہا ہے۔ کبھی تعصب غالب آجاتا ہے اور دوسرے معترضین کا اتباع کر کے وہ یہ کہدیتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں نہ سورتوں کی کوئی ترتیب تھی نہ آیتوں کی۔ نہ سورتیں الگ الگ تھیں نہ انکی تعداد مقرر تھی نہ ان میں آیتوں کی تعداد کا پتہ تھا مگر پھر جب تاریخ یعنی حدیث صحیح کی طرف دیکھتا ہے تو اسے مجبوراً تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ سب کچھ تھا مثلاً جہاں اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں قرآن شریف کی معین ترتیب کے موجود ہونیکا انکار کیا ہے وہاں ساتھ ہی اس کے میور صاحب کو یہ بات مجبوراً حاشیہ میں تسلیم کرنی پڑی ہے کہ "یہ بات لکھی ہوئی موجود ہے کہ بعض صحابہؓ سارے قرآن شریف کی معین وقت میں تلاوت کر سکتے تھے جس سے یہ بات قرار دینی پڑتی ہے کہ اس میں بعض حصص قرآنی کا باہمی تعلق اور ربط ضرور تھا"۔ ایک اور حاشیہ میں اسنے یہ بات مانی ہے کہ "آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیات میں چار پانچ تو ایسے صحابی موجود تھے جو کامل قرآن شریف کو نہایت صحت کے ساتھ ازبر رکھتے تھے اور اکثر ایسے موجود تھے جو قریباً سارا قرآن ازبر رکھتے تھے"۔ علاوہ ازیں جہاں اس نے سورتوں کی تعداد کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خود مقرر کرنیسے انکار کیا ہے تو تردید کے خیال سے معاً ذیل کا حاشیہ لکھدیا ہے۔ "لیکن اسبات کو ماننے کے وجوہ موجود ہیں کہ بڑی بڑی سورتیں اور انکی آیات جو زیادہ تر مستعمل تھیں وہ معین ہو چکی تھیں اور اپنے اپنے ناموں اور خاص نشانوں سے معروف اور موسوم تھیں۔ اور صحیح حدیثوں سے آنحضرت (محمد مصطفےٰ) صلی اللہ علیہ وسلم کا خود یوں بعض سورتوں کا موسوم اور معروف کرنا ثابت ہے۔ مثلاً جب غزوہ حنین میں بعض لوگ بھاگ گئے تو اسوقت انکو آنحضرت صلعم نے اصحاب بقرہ کر کے پکارا تھا"۔ اور پھر حاشیہ میں ہی لکھتا ہے کہ "احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں اکثر صحابیوں نے قرآن شریف کی بعض سورتیں حفظ کر لی ہوئی تھیں۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعودؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے قرآن شریف کی ستر سورتیں سیکھی تھیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری مرض کے ایام میں سات سورتیں تلاوت فرمائی تھیں جن میں سات لمبی سورتیں تھیں۔ ان حدیثوں سے کم از کم قرآنی سورتوں میں ایک حد تک معین تقسیم ضرور ثابت ہوتی ہے۔ البتہ سورتوں کی ترتیب کا اس سے پتہ نہیں لگ سکتا"۔ اور پھر لکھتا ہے کہ "جبکہ یہ بات ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سور ہائے قرآنی کا استعمال کیا کرتے تھے تو اس سے یہ بات صاف طور پر عیاں ہوتی ہے کہ سورتوں کی ترتیب کا کسی حد تک آپنے ضرور فیصلہ کر دیا ہوا تھا"۔ اسی امر کے متعلق آگے چلکر ایک اور حاشیہ میں ولیم میور صاحب لکھتے ہیں کہ "حدیث مذکورہ بالا میں سورتوں کی وہ تعداد لکھی ہے جو بعض صحابہؓ کو یاد تھیں۔ اور نیز وہ تعداد جو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

آخری وقت میں پڑھی تھیں مذکور ہے اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ سورتیں اسوقت مکمل اور مرتب صورت میں موجود تھیں“

ولیم میور صاحب کے دیباچہ کے متن اور مذکورہ بالا حواشی کو پڑھنے سے صاف پتہ ملتا ہے کہ اُنکے دلی بغض و تعصب نے مجبور کرکے اور انکی آنکھیں حق نیوشی سے بند کرا کے وہ سطور لکھوا دیں جن میں متن میں انہوں نے انکار ترتیب کیا ہے لیکن تاریخ کی سچی شہادت نے ان حواشی کو اسی کے ذیل میں قلمبند کرنے پر اُسے مجبور کیا۔ اب یہ حواشی ایسے ہیں کہ جن سے خود ہی اُس نے اپنے نفسانی جوش سے لکھے ہوئے فقروں کی کُلی طور پر تردید کر دی ہے۔ اگرچہ حواشی کے لکھنے میں بھی مصنف صاحب نے تعصب کی وجہ سے بخل سے کام لیا ہے لیکن انکا تضاد ایسا عیان ہے کہ کوئی احتیاط اور غور سے پڑھنے والا اس پر نوٹس لیے بغیر عبور نہیں کر سکتا۔ اور مصنف کے دل کے اضطراب کی حالت سے ناواقف نہیں رہ سکتا۔ متن میں تو لکھا ہے کہ قرآن شریف کی آیتوں اور سورتوں میں کوئی معین ترتیب اور ربط موجود نہیں تھا۔ اور حواشی میں تاریخی شہادت اس کے موجود ہونیکے ثبوت میں پیش کی گئی ہے۔ متن میں لکھا ہے کہ نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورتوں کے نام ہی مقرر کیے اور نہ ہی انکی تعداد معین فرمائی۔ لیکن حاشیہ میں صاف لکھا ہے کہ اس بات کی تاریخی شہادت موجود ہے کہ سورتوں کی تعیین و تقسیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دی تھی اور انکی صورتوں کو بھی آپ نے معین فرما دیا تھا۔ بعض کلمات جو نفسانی بخل کی وجہ سے مصنف نے انکے ساتھ حاشیہ میں لکھے ہیں جیسے ”بعض حصص“ اور ”کسی حد تک“ وغیرہ یہ صرف انکی طبیعت کے جوش تعصب کا اقتضا تھا۔ یہ غور کا مقام ہے کہ جبکہ حاشیہ میں صاف طور پر اس بات کو ولیم میور جیسے متعصب مصنف نے تسلیم کیا ہے کہ قرآن شریف کی ستر۷۰ سورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں مرتب اور منتظم موجود تھیں جن میں وہ لکھتے ہیں کہ سات لمبی سورتیں بھی شامل تھیں تو پھر باقی کی چوالیس۴۴ سورتوں کی نسبت جو نمازوں میں عام طور پر پڑھی جاتی تھیں کیونکر گمان ہو سکتا ہے کہ وہ اُسوقت اس حالت میں موجود نہ تھیں۔ اور لُطف کی بات یہ ہے کہ خود مصنف نے ان باقی چوالیس۴۴ سورتوں میں ترتیب کے نہ ہونیکے متعلق کوئی شہادت پیش نہیں کی۔ پس اگر اور کوئی شہادت ترتیب سور و آیات پر نہ بھی ہوتی تو ایک مخالف معترض کے اس بیان سے ہی یہ یقین کرنیکے لیے کافی وجوہات پیدا ہوتے ہیں کہ سورتیں اور آیات منتظم اور مرتب صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں موجود تھیں۔ اور پھر اسی نتیجہ کے مؤید اس مخالف مصنف کا یہ اقبال ہے کہ بعض صحابہ ایسے بھی موجود تھے جو نہ صرف بعض حصص کو صرف حافظہ سے دوہرا سکتے تھے بلکہ کل کے کل قرآن شریف کو اسی طرح دوہرا سکتے تھے۔ اور اعلیٰ درجہ کی ”احتیاط صحت“ کے ساتھ وہ یہ کر سکتے تھے۔

عیسائی مصنفوں اور منقدوں کا یہ پرانا لغو اعتراض کہ قرآن شریف کی آیات اور سور میں کوئی ترتیب ملحوظ نہیں رکھی گئی اسکی اصل بنا صرف عربی زبان سے ناواقفیت پر ہے۔ جیسا کہ مَیں نے پہلے کہا ہے اس مختصر مضمون میں اتنی گنجایش نہیں ہو سکتی کہ ہم اس اندرونی شہادت پر غور کر سکیں یا تفصیل سے ترتیب کے متعلق کچھ لکھ سکیں۔ مثال کے لیے مَیں ایک موقعہ پیش

کرتا ہوں جس سے ناظرین کو اتنی بات سمجھ آجائیگی کہ جہاں مخالفین نے ٹھوکر کھائی ہے وہاں ایک بڑی بھاری خوبی پوشیدہ ہے اور جن آیات کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ ان میں کوئی ربط نہیں وہاں دراصل ایک ایسا گہرا تعلق مخفی ہے جو بتا رہا ہے کہ یہ ترتیب انسانی تجویز سے نہیں بلکہ حکیم خدا کی طرف سے ہے۔ سورہ بقرہ کی یہ چار آیتیں لو۔ ولنبلونکم بشیٔ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصابرین ۰ الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون ۰ اولئک علیھم صلوات من ربھم ورحمۃ واولئک ھم المھتدون ۰ ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ فمن حج البیت او اعتمر فلا جناح علیہ ان یطوف بھما ومن تطوع خیرا فان اللہ شاکر علیم۔ خلاصہ مطلب ان آیات کا یہ ہے۔ کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم مومنوں کو کچھ خوف اور بھوک اور مال اور جان اور پھلوں کے گھاٹے سے آزمائیں گے۔ اور خوشخبری دو صبر کرنیوالوں کو (یعنی) ان لوگوں کو کہ جب انکو کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو یہی بات انکے منہ سے نکلتی ہے کہ ہم اللہ کے ہی ہیں اور اسی کی طرف لوٹ جانیوالے ہیں۔ ایسے لوگوں پر انکے رب کی طرف سے صلوات اور رحمت ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں بیشک صفا اور مروہ خدا کے شعائر میں سے ہیں پس جو شخص حج یا عمرہ کرے تو اسپر کچھ گناہ نہیں کہ ان دونوں کا بھی طواف کرے اور بات تو یہ ہے کہ جو کوئی بھی نیکی خوشی اور رغبت سے کرتا ہے پھر اللہ بھی بڑا قدردان اور خوب واقف ہے" اب ایک شخص جو تدبر اور غور سے کام نہیں لیتا یہ خیال کریگا کہ اس آخری آیت کا جس میں صفا اور مروہ کے طواف کا ذکر ہے پہلی آیات سے جن میں مصایب پر صبر کرنیکا ذکر ہے کوئی تعلق نہیں اور وہ جھٹ بول اُٹھیگا کہ یہ کلام بے ربط ہے اور آیات میں کوئی ترتیب نہیں اور درحقیقت اس قسم کی نافہمیوں سے ہی یہ اعتراض پیدا ہوا ہے۔ مگر تدبر سے کام لینیوالا اور کلام الٰہی میں غور کرنیوالا خوب سمجھ سکتا ہے کہ اس آخری آیت کو آیات ماسبق سے ایک ایسا گہرا اور عجیب تعلق ہے جو ظاہر کر رہا ہے کہ یہ ترتیب وحی الٰہی سے ہے نہ کسی انسان کی کوشش اور فکر کا نتیجہ۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ماسبق کی آیات میں ایک اصل کو بیان کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنے مومن بندوں پر بعض وقت اپنے بعض مصالح سے کچھ مصایب بھی کسی کسی قسم کے بھیج دیا کرتا ہے۔ پر جو لوگ ایسے وقت میں صبر کرتے ہیں انکے لیے بڑی بھاری خوشخبری ہے یعنی انپر خدائے تعالیٰ کی بڑی بڑی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی ہیں۔ اب یہ صرف ایک دعویٰ تھا۔ آخری آیت اسی کی دلیل ہے۔ وہاں فرماتا ہے کہ صفا اور مروہ وہ دو پہاڑیاں ہیں جن کے درمیان حضرت ہاجرہ کو ایک مصیبت پیش آئی تھی اور انہوں نے نہایت استقلال اور صبر کے ساتھ اسے برداشت کیا یعنی وہ اسجگہ تنہا ایک بچہ کے ساتھ چھوڑی گئیں مگر انہوں نے رضا بالقضا کا سچا نمونہ دکھایا اور اس ابتلا کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا خوشی سے قبول کیا۔ اسکا اجر خدا تعالیٰ نے اس وعدہ کے مطابق جو پہلی تین آیتوں میں کر چکا ہے یہ دیا کہ انپر بڑی بڑی رحمتیں اور برکتیں نازل کیں۔ اور انکے بچہ حضرت اسمٰعیلؑ کو ایک عظیم الشان قوم کا مورث اعلیٰ بنایا اور انکا نام ہمیشہ کے لیے دنیا میں ایک یادگار چھوڑا اور انکی نسل میں خاتم النبیین کو پیدا کیا۔ بلکہ ان مقامات کو بھی جہاں وہ تنہا چھوڑی گئے تھے

ایسی عزت بخشی کہ وہ ایک دنیا کے لیے مرجع اور طواف گاہ بنے پس یہ ثبوت ہے کہ جو لوگ مصایب پر خدا تعالیٰ کی رضا اور اسکی خوشنودی کیلیے صبر کرتے ہیں ان پر واقعی خدا کی طرف سے رحمتیں اور برکات نازل ہوتی ہیں۔ اور پھر آخر میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ معاملہ کوئی ہاجرہ کے ساتھ یا کسی گذشتہ زمانہ سے مخصوص نہیں بلکہ ابھی جو خدا کی خاطر نیکی کرتا ہے خدا اس نیکی کی بڑی قدر دانی فرماتا ہے۔ اسکا ثبوت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے جان نثار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زندگیوں کے واقعات ہیں کہ انہوں نے مصایب پر صبر کیا تو اللہ تعالیٰ نے کیسے کیسے اجر عظیم انکو عطا فرمائے۔ غرضکہ ان آیات میں جنپر ایک کوتہ اندیش بے ربطی کا اعتراض کر سکتا ہے۔ ایسا عجیب تعلق موجود ہے کہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ آیات کا یہ تعلق اور جوڑ اسی حکیم خدا کی طرف سے ہے جس نے قرآن کریم جیسی عجیب کتاب کو نازل فرمایا ہے۔

مذکورہ بالا بیان سے یہ ظاہر ہے کہ قرآن شریف کی آیات میں بے ترتیبی کا ادعا صرف قرآن کریم کے نکات لطیفہ اور معانی دقیقہ کے نہ سمجھنے پر اور ان سے آگاہ نہ ہونے پر مبنی ہے۔ اور چونکہ صرف اسی ایک فرضی خیال پر تمام تاریخی شہادت کی طرف سے بھی بے توجہی کی گئی ہے اس لیے اس خیال کی غلطی کو ظاہر کرنیکے بعد اب ہم ان تاریخی شہادت کی طرف رجوع کرتے ہیں تاکہ طالبان حق کے دل اس دوہرے ثبوت سے پورا اطمینان اور تسکین پاویں۔ یہ دعویٰ کہ ایک ایک آیت جب نازل ہوتی تھی تو اسے یونہی بلا ترتیب ہستے دیا جاتا تھا اور کوئی نہ جانتا تھا کہ کونسی آیت کس سورۃ کی ہے اور کہاں رکھی جاویگی بدیہی طور پر ایک لغو دعویٰ ہے اور کسی تردید کا محتاج نہیں۔ جبکہ یہ بات ثابت ہے کہ قرآن شریف حفظ کیا جاتا تھا اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کم و بیش کچھ نہ کچھ حصہ حفظ کرتے جاتے تھے تو اگر آیات کی ہی کوئی ترتیب نہ تھی تو یہ کیونکر ممکن تھا کہ کوئی معین حصہ کوئی شخص حفظ کر لیتا کیا یہ قیاس میں آسکتا ہے کہ ہر ایک شخص بجائے خود ایک ترتیب دیکر قرآن شریف کو حفظ کرتا ہو اور اسطرح جتنے صحابی حفظ کرنیوالے ہوں اسیقدر مختلف ترتیبیں آیات کی مروج ہوں؟ پھر یہ بھی ثابت ہے کہ قرآن شریف لکھا بھی جاتا تھا اور بعض سورتوں کے مکمل نسخوں کا عام طور پر استعمال میں ہونا بھی تاریخ صحیح سے ثابت ہے پس ہم پوچھتے ہیں کہ کیا ہر ایک نسخہ ایک جداگانہ ترتیب سے لکھا جاتا تھا؟ یہ کیسا پر از حماقت دعویٰ ہے کہ ایک ہی ترتیب سب صحابی ملحوظ نہیں رکھتے تھے کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ ہر ایک حفظ کرنیوالا ایک الگ ترتیب کا پیرو ہو اور ہر ایک نسخہ جو لکھا جاتا ہو وہ جداگانہ ترتیب سے لکھا جاتا ہو اور نہ کوئی دو پڑھنے والے اور نہ کوئی دو نسخے ایک ہی سورۃ کے باہم کسی ایک ترتیب پر متفق ہوں اور نہ ہی حافظ اور تحریر کا باہم کسی ایک ترتیب پر اتفاق ہو۔ گویا ایک ایک سورۃ کی ہزارہا الگ الگ ترتیبیں موجود تھیں۔ پھر ہم پوچھتے ہیں کہ جب نمازوں میں قرآن شریف پڑھا جاتا تھا تو کیا ہر ایک پڑھنے والا ایک الگ ترتیب سے کوئی حصہ پڑھ دیا کرتا تھا؟ ایسی صورت میں کوئی مقتدی یہ کب کہہ سکتا تھا کہ اس نے کونسا حصہ قرآن شریف کا پڑھا ہے کیا یہ ممکن ہے کہ ایک ایسی ضخیم کتاب جو اسطرح شب و روز عام مجمعوں میں اور گھروں کے اندر پڑھی جاتی تھی وہ ایک ایسی بے ترتیب صورت میں تھی کہ کسی فقرہ کے متعلق کوئی نہ کہہ سکتا تھا کہ یہ کہاں کا فقرہ ہے۔ اور ہزارہا آدمی جو شب و روز

اس کی تلاوت کرتے تھے وہ سب جسطرح کسی کا جی چاہا کوئی فقرہ آگے اور کوئی فقرہ پیچھے پڑھ دیتے تھے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ہر ایک سورۃ کی آیات تو معین تھیں اور اسطرح صحابہؓ کو یہ علم تو دیا گیا تھا کہ فلاں سورۃ میں فلاں فلاں آیات ہیں مگر ہر ایک سورۃ کی آیات کی بجائے خود کوئی ترتیب نہیں تھی تو یہ دعویٰ بھی اس دلیل سے مردود ثابت ہوتا ہے جس سے وہ پہلا دعویٰ کہ سارا قرآن شریف ایک بے ترتیبی کی حالت میں پڑا ہوا تھا غلط ثابت ہوتا ہے۔ ان دعاوی کی لغویت کو ثابت کرنیکے لیے اگر اور کوئی دلیل ہمارے ہاتھ میں نہ بھی ہوتی تو صرف یہی ایک دلیل جس کی بنا معتبر سے معتبر روایات پر ہے کافی تھی کہ قرآن شریف حفظ کیا جاتا تھا۔ کیونکہ بغیر ایک ترتیب کی پیروی کے حفظ کرنا محال تھا۔ مثلاً اسی دعوے پر غور کرو کہ ہر ایک سورۃ میں آیات تو معین تھیں مگر انکی ترتیب معین نہ تھی۔ اب سو سو آیات کی بہت سی سورتیں موجود ہیں۔ پس اگر ان سو آیتوں میں کوئی ایک ترتیب نہ تھی اور ہر ایک لکھنے والا اور ہر ایک پڑھنے والا ایک الگ ترتیب کی پیروی کرتا تھا۔ تو سو آیات کی جداگانہ ترتیبیں اسقدر تعداد تک پہنچتی ہیں کہ لاکھ آدمیوں میں سے کوئی دو بھی ایک ترتیب پر متفق نہ ہو سکتے تھے۔ اس صورت میں ہر ایک سورۃ گویا لاکھوں الگ الگ سورتیں تھیں اور قرآن کریم بھی ایک نہ تھا بلکہ لاکھوں الگ الگ قرآن شریف تھے۔ ایک لمحے کے لیے بھی اگر ایک شخص حق طلبی اور خدا ترسی کو دل میں لیکر غور کرے تو وہ آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ یہ بالکل محال تھا کہ بغیر ایک ترتیب کی پیروی کے قرآن شریف کی تعلیم اور تعلّم کا سلسلہ جاری رہ سکتا۔ نہ ہی ہزارہا صحابیوں میں سے ایک دوسرے کی نسبت یہ کہہ سکتا کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے کونسا حصہ یا کونسی سورۃ پڑھ رہا ہے اور واقعی صحیح پڑھ رہا ہے یا غلط۔ علاوہ ازیں صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ جب ایک شخص کوئی سورۃ یا کوئی حصہ کسی سورۃ کا پڑھتا اور اس سے کوئی غلطی ہو جاتی یا کوئی آیت درمیان سے رہ جاتی تو سننے والے معاً اس کی غلطی کو نکال دیتے۔ حالانکہ اگر ترتیب آیات کوئی نہ ہوتی تو یہ محال تھا کیونکہ کسی دوسرے کی نسبت کسی شخص کو کیا علم ہو سکتا تھا کہ وہ کس آیت کو پڑھتا ہے ایسی صورت میں غلطی کا نکالنا قطعاً ممکن نہ تھا۔

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات صاف طور پر ثابت ہوتی ہے کہ قرآن شریف کی آیات میں ضرور کوئی خاص ترتیب ملحوظ رکھی جاتی تھی جسکے موافق لوگ اُسے پڑھتے تھے اور حفظ کرتے تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا یہ ترتیب ترتیب نزولی کے موافق تھی یا اس سے الگ کوئی اور ترتیب تھی۔ اسکا جواب معتبر تاریخی شہادت سے ہمیں یہی ملتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ترتیب نزولی سے الگ ایک ترتیب آیات کو دیا کرتے تھے۔ نزول آیات کے لحاظ سے ایسا ہوتا تھا کہ بعض وقت ایک سورۃ کی کسی حصہ کے نزول کے بعد دوسری کسی سورۃ کا حصہ نازل ہو جاتا۔ پس ایسی حالت میں نزولی ترتیب ممکن نہ تھی۔ علاوہ ازیں صحیح روایات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ جب کبھی کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ اس آیت کو فلاں سورۃ میں فلاں جگہ رکھا جاوے۔ جیسا کہ حضرت عثمانؓ کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ عن عثمان ابن عفان قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مما یأتی علیہ الزمان ینزل علیہ من السور

ذوات العدد فکان اذا انزل علیہ الشئ یدعو بعض من یکتب عندہ فیقول ضعوا ھٰذا فی السورۃ التی یذکر فیھا کذا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا یہ ہمیشہ کا معمول تھا کہ جب کئی سورتوں کی آیتیں نازل ہوتیں تو آپ صریح طور پر اس موقعہ کی ہدایت فرما دیا کرتے تھے جہاں کوئی آیت بلحاظ ترتیب رکھی جانی ضروری ہوتی پس اس صریح اور بین شہادت سے بھی یہ ظاہر ہے کہ آیات کی ترتیب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تھی۔ ایسی شہادت کی موجودگی میں کوئی سمجھدار آدمی اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ضرور آیات کو ترتیب دیتے تھے اور وہ ترتیب ترتیب نزولی سے جداگانہ تھی۔

اب دو باتیں حل ہو چکیں یعنی ایک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آیات قرآنی کو ترتیب دیتے تھے اور دوسری یہ کہ وہ ترتیب ترتیب نزولی سے الگ تھی۔ اس لیے اب صرف یہ تیسرا سوال حل کرنیکے قابل باقی ہے۔ کہ کیا وہ ترتیب جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی اسی کے موافق موجودہ ترتیب آیات قرآنی کی ہے۔ یا یہ موجودہ ترتیب ترتیب نبوی سے الگ ہے۔ یہ امر تو بین ہے کہ موجودہ ترتیب بھی ترتیب نزولی سے الگ ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ترتیب نزولی سے الگ ترتیب دی تھی۔ پس اگر کوئی شہادت اس امر کی نہ پائی جائے کہ قرآن کریم کی تاریخ میں کسی وقت آیات کی ترتیب کو بدل دیا گیا تھا تو یہ نتیجہ قطعی اور یقینی ہوگا کہ موجودہ ترتیب بعینہ وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ اس سوال کا جواب دینے کے لیے تاریخ قرآن کریم کو ہم دو زمانوں پر تقسیم کرتے ہیں یعنی اول حضرت عثمانؓ سے پہلے اور دوم حضرت عثمانؓ کی خلافت کا زمانہ اور آپکے بعد۔ ان میں سے ایک زمانہ کے متعلق یعنی حضرت عثمانؓ کے زمانہ کے بعد جو زمانہ گذرا ہے اس کے متعلق اسلام کے کسی سخت سے سخت دشمن اور اندھے سے اندھے نکتہ چین نے بھی یہ اعتراض نہیں کیا کہ جو ترتیب حضرت عثمانؓ کے وقت میں اور آپکے شایع کردہ صحیفوں (میں موجود تھی) اس میں آجتک ایک سرمو کا فرق بھی آیا ہے۔ پس اس بات کو ثابت کرنیکے لیے قرآن کریم کی ترتیب آجتک نہیں بدلی۔ اور وہی ترتیب سورتوں اور آیتوں کی اسوقت قرآن کریم میں موجود ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں آپ کی ہدایت کے ماتحت دیگئی تھی۔ اب صرف یہ دکھانا باقی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے لیکر حضرت عثمانؓ کے زمانہ تک کسی موقعہ پر اصلی ترتیب کو تبدیل نہیں کیا گیا۔ اور حضرت عثمان کے زمانہ کے صحیفوں میں وہی ترتیب ملحوظ رکھی گئی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں تھی۔ ایک موٹی سے موٹی سمجھ کا آدمی بھی اتنی بات آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کو ترتیب کے بدلنے کیلیے کوئی چیز محرک نہ تھی۔ یہ بات کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک خاص ترتیب قرآن شریف کی تلاوت میں ملحوظ رکھتے تھے اور اس ترتیب پر صحابہؓ نے قرآن شریف کو حفظ کیا ہم اوپر دکھا چکے ہیں اور یہ بھی ثابت کر چکے ہیں کہ یہ ترتیب ترتیب نزولی سے الگ تھی۔ اب جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے یا کسی اور شخص نے اس ترتیب کو جبکہ صحابہؓ اور حافظان قرآن قایم ہو چکے تھے تبدیل کر دیا تھا۔ یہ بار ثبوت اسپر ہے کہ وہ ایسی تبدیلی کی شہادت پیش کرے۔ اور جبتک کوئی ایسی شہادت نہ ہو اسکا دعویٰ یقینی اور قطعی طور سے باطل ثابت ہوگا مگر

ہم جب حدیث صحیح کی ورق گردانی کرتے ہیں تو ایک شمہ بھر بھی ایسی شہادت ہمیں نہیں ملتی۔ اور نہ ایسا یقین کرنیکے کوئی وجوہات پائے جاتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ کے وقت تک کوئی ایسا زمانہ نہ گذر گیا تھا کہ سارے صحابہؓ کے بالمقابل ایک آدمی کو یہ جرأت ہو سکتی کہ وہ اس ترتیب کو بدلدے جس پر سب قایم تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فوت ہوئے ابھی بارہ سال ہی گذرے تھے۔ اور ہزار ہا صحابہؓ اسوقت زندہ تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے قرآن شریف سُنا ہوا تھا۔ اگر کوئی تبدیلی ترتیب میں اسوقت وقوع میں آتی تو ایسا واقعہ خاموشی سے نہ گذر سکتا تھا بلکہ ایک ایسا شور برپا ہوتا جسکے ذکر سے تاریخ کے صفحوں کے صفحے بھر جاتے۔ اور اوّل تو یہی بات سوچنے کی ہے کہ حضرت عثمانؓ کو غرض کیا تھی کہ وہ ترتیب بدلتے۔ اور کونسی ضرورت پیش آئی تھی کہ ترتیب بدلی جاتی۔ نہ کوئی ضرورت پیش آئی نہ کوئی غرض کسی کو تھی نہ ہی اس امر کا کہ ترتیب بدلدی گئی تھی کسی ضعیف سے ضعیف روایت میں بھی ذکر پایا جاتا ہے۔ پس ایسا دعویٰ کہ حضرت عثمانؓ نے ترتیب کو بدلدیا تھا سراسر حماقت اور لغویت سے پُر ہے۔ اور حد درجہ کی جہالت یا سخت تعصب کا نتیجہ ہے۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو صحیفے نقل کرائے وہ سارا انکا اپنا یا زید کا کام نہ تھا بلکہ دیگر صحابیؓ بھی اس میں شامل تھے۔ اور وہ تمام صحابہؓ جو علم اور حفظ قرآن شریف میں خاص شہرت رکھتے تھے انہی کی زیر نگرانی حضرت عثمانؓ نے یہ کام کرایا تھا۔ اسکو بھی چھوڑو۔ ہم کہتے ہیں کہ کم از کم کوئی یہی دکھادے کہ حضرت عثمانؓ پر اسوقت کسی نے یہ الزام دیا تھا کہ آپنے قرآن شریف کی سورتوں یا آیتوں کی ترتیب بدلدی ہے۔ اگر کوئی الزام آپ پر دیا گیا تو وہ یہ تھا کہ آپنے مسلم قرائت کے سوا بعض اور قرائتوں کو روکا مگر اسکی اصلیت کیا تھی یہ ہمیں دوسرے موقعہ پر دکھاؤنگا جب قرأت مختلفہ کی مضمون کچھ لکھونگا۔ بہر حال آیتوں کی ترتیب کے بدل دینے کی ایک ذرہ بھر بھی شہادت موجود نہیں۔ اور ایسی شہادت کی عدم موجودگی میں یہ ماننا پڑیگا کہ قرآن شریف کی ترتیب آیات وہی رہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں تھی۔

ایک امر کے قطعی ثبوت کیلیے دو ہی قسم کی شہادت ہو سکتی ہے اول یہ کہ اسکے خلاف کوئی شہادت موجود نہ ہو دوسری یہ کہ اسکی تائید میں زبردست شہادت موجود ہو۔ قسم اوّل کی شہادت ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اور یہ دکھا چکے ہیں کہ قرآن کریم کی تاریخ میں کوئی وقت بھی ایسا نہیں آیا کہ جس میں اسکی آیتوں کے موجودہ انتظام میں کوئی ذرہ بھر بھی تغیر و تبدل واقع ہوا ہو۔ اس قسم کے ثبوت کے علاوہ کثرت سے دلایل بدیہیہ یقینیہ قسم ثانی کے بھی موجود ہیں۔ جو اور بھی وضاحت سے اس امر کو پایۂ ثبوت پہنچاتی ہیں۔ یہ وہ دلایل ہیں جو احادیث صحیحہ سے مستنبط ہوتی ہیں۔ جیسے مثلاً حضرت امام بخاری علیہ الرحمۃ نے باب فضل سورۃ البقرہ کے ضمن میں ایک حدیث نقل کی ہے۔ عن ابی مسعود رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من قرأ بالآیتین من آخر سورۃ البقرۃ فی لیلۃ کفتاہ۔ جسکا ترجمہ یہ ہے کہ "حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی رات میں سورۃ البقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھے تو یہ اسکے لیے کافی ہیں"۔ یہ حدیث جسکا یہاں ترجمہ دیا گیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے الفاظ

میں منقول ہے۔ اس سے دو باتیں مستنبط ہوتی ہیں۔ اولاً اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قرآن شریف کی ایک ترتیب کی نگہداشت فرماتے تھے۔ اور وہ ترتیب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے صحابہ کبار رضی اللہ عنہم پر منکشف فرمائی۔ اور پھر ان سب کا اسی ترتیب پر عمل رہا کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کسی سورۃ کی آخری دو آیتوں کی طرف اشارہ نہ فرماتے۔ اور نہ ہی صحابہؓ آپ کے اس اشارہ کو سمجھ سکتے۔ یہ حدیث اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ ہر ایک آیت قرآنی کے لیے ابتدا ہی سے ایک معین اور معروف مقام قرآن شریف میں ہے۔ اور کسی قاری یا حافظ یا عام پڑھنے والے کو حق نہیں پہنچتا کہ انکی ترتیب میں ایک بال کے برابر بھی تبدیل کر سکے۔ ثانیاً۔ اس حدیث شریف سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آج اس زمانہ میں سورۃ البقرہ کا جن آیات پر خاتمہ ہوتا ہے وہی آیات سورۃ البقرہ کے خاتمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد رحمت مہد میں شروع سے لکھی ہوئی تھیں۔ اور اس سے یہ بات بہت اچھی طرح پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ قرآن شریف کی موجودہ ترتیب وہی ترتیب ہے جو شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی۔ اور جو آپکی حیات میں عام طور پر زیر عمل و استعمال تھی۔ اسی کی تائید میں ایک دوسری حدیث میں یوں آیا ہے کہ سورہ بقرہ کی آیت آمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ سے شروع ہوکر اخیر سورۃ یعنی وانصرنا علی القوم الکافرین تک پڑھے۔ جس سے اس بات کی اور بھی واضح طریق سے تعیین ہوتی ہے کہ یہی دو آیتیں جو اب سورہ بقرہ کے اخیر میں ہیں یہی دونوں مسلم اور مشہور طور پر آنحضرتؐ کے وقت میں بھی اسی سورۃ کی آخری آیتیں تھیں۔ ایسا ہی ایک اور حدیث صحیح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ خروج دجّال میں سورۃ الکہف کی پہلی دس آیتیں پڑھنے کا حکم کیا ہے۔ اب اس جگہ غور کا مقام ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں قرآن شریف کی کوئی ترتیب موجود نہ ہوتی یا اصل ترتیب میں کوئی فرق اور تبدل واقع ہونیوالا ہوتا تو خروج دجّال کے متعلق جو کسی آیندہ زمانہ میں ہونیوالا تھا اسوقت کے مسلمانوں کیلیے سورۃ الکہف کی پہلی دس آیتوں کا نشان دینا ایک بے معنی بات ہوتی۔ اور ان آیتوں کا پتہ ہی نہ ملتا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منشا اس حدیث میں تھی۔ یہ حدیث صحیح مسلم میں وارد ہے جسکا جی چاہے دیکھ لے۔ عن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من حفظ عشر آیات من اول الکہف عصم من الدجّال۔ سورۃ الکہف کی ان پہلی دس آیتوں میں مسیح کے ابن اللہ مانے جانیکے اعتقاد کی زور سے تردید درج ہے اور یہی ایک اہم مسئلہ ہے جس سے قرآن شریف کی رو سے دجّال کی شناخت ہوتی ہے۔ جس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد انہی دس آیتوں سے تھی۔ جو اب سورہ کہف کے ابتدا میں موجود ہیں۔ اور یہ کہ انکی ترتیب میں آجتک اسقدر زمانہ گذر جانیکے باوجود بھی کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوسکی۔ اس حدیث سے یہ بات مضبوط طور پر ثابت ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن شریف کی ایک ترتیب موجود تھی اور وہ ترتیب ہی آجتک غیر متبدل طور پر چلی آئی ہے۔ ان کے ماسوا، اور بھی بہت سی حدیثیں اس مضمون پر موجود ہیں۔ لیکن ہمارے

نزدیک اس بات کا قطعی فیصلہ کرنیکے لیے اسی قدر کافی ہیں۔ زیادہ طول ناظرین کی خاطر عاطر کے لیے بارگراں ہو جائیگا
خیال سے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ پھر اگر ضرورت سمجھی گئی تو اور شہادت بھی لکھی جائے گی۔ تمام اسلامی لٹریچر میں
ایک حدیث بھی ایسی نہ پاؤ گے کہ جس میں موجودہ ترتیب آیات قرآنی کے خلاف کسی اور ترتیب کا ذکر تو کیا اشارہ تک ہی
موجود ہو۔ غرض ہر قسم کی سالبہ و مثبتہ و داخلی و خارجی گواہیوں سے یہ بات بلا گنجائش وہم استثنا ثابت اور مبرہن ہے کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن شریف کو خود جمع و مرتب فرمایا تھا اور وہی ترتیب بغیر کسی قسم کے تغیر و تبدل کے
ہمیشہ مسلمانوں میں مستعمل اور مروّج رہی اور آجتک موجود ہے۔ اور زمانہ موجودہ میں نسخہ جات قرآنی اسی ترتیب کے مطابق
نہایت احتیاط کے ساتھ لکھے چھاپے اور شایع کیے جاتے ہیں۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن شریف کو غیر مرتب چھوڑ
جاتے تو ضرور تھا کہ صحابہؓ کی اتنی بڑی جماعت میں مختلف ترتیبیں رواج پا جاتیں۔ اور ان مختلف ترتیبوں کا انکو کثیر التعداد
ذخیرۂ احادیث میں کہیں نہ کہیں حوالہ یا اشارہ و کنایہ ہی موجود ہوتا۔ لیکن احادیث کے سارے دفتر تلاش کرلو۔ اسلامی
تاریخ کی ایک ایک سطر چھان مارو۔ اس بات کا کہیں بھی ذکر تو کیا اشارہ بھی نہ پاؤ گے۔ جبکہ ساری اسلامی کتب احادیث
میں یہ بات بطور اشارہ بھی کہیں موجود نہیں کہ اس ایک مسلمہ ترتیب آیات قرآنی کے سوا کوئی اور ترتیب قرآن شریف
کی آیات کی کبھی کسی نے کی ہو تو یہ امر صریح طور پر ثابت ہے کہ قرآن شریف کی ترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی
اور وہی ترتیب صحابہؓ میں مروّج تھی اور پھر وہی ترتیب نہایت احتیاط سے محفوظ ہو کر تمام اسلامی دنیا میں تا ایندم
مروّج ہے۔ کہیں کسی جگہ کسی تبدیلی و تغیر کا ذکر نہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ ایک حدیث ایسی ہے جسمیں لکھا
ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے قرآن شریف کو ترتیب نزولی کے موافق جمع کیا تھا۔ لیکن اگر ہم فرض کے طور پر
اس حدیث کو صحیح بھی مان لیں تو بھی ہمارے مدعا کے خلاف نہیں بلکہ اسی نتیجہ کی تائید کرتی ہے جسپر ہم پہنچے
ہیں۔ یعنی اسی بات کی مؤید ہے کہ موجودہ ترتیب قرآنی ہی ایک ترتیب ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں
مروّج تھی۔ اگر حضرت علیؓ کا ترتیب نزولی کے مطابق قرآن شریف جمع کرنیکا بیان صحیح بھی ہے تو اسکا مذکور بغرض
بیان واقعہ اختلاف ترتیب ہائے قرآنی نہیں کیا گیا بلکہ اسکی وجہ یہ تھی کہ چونکہ عام طور پر ترتیب نبوی مسلمانوں
میں مسلم اور مروّج ہو چکی تھی حضرت علیؓ کی طرف اس منسوبہ واقعہ کو بطور استعجاب بیان کیا گیا۔ لیکن حضرت علیؓ
کا اس نزولی ترتیب کو کبھی عام طور پر مشتہر کرنیکا منشا نہ تھا اور نہ ہی انکا یہ منشا تھا کہ اس ترتیب سے قرآن کریم کی
تلاوت کیجاوے۔ انکا منشا صرف اسقدر ہوگا کہ ایک تاریخی شہادت نزول کی موجود رہے۔ ہاں اس حدیث سے
یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی تیسری ترتیب بھی موجود ہوتی تو ضرور تھا کہ اسکا ذکر بھی کہیں نہ کہیں کسی پیرایہ میں موجود
ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کی طرف منسوبہ ترتیب پر کبھی عمل نہیں کیا۔ کیونکہ آپنے جو ترتیب
کی تھی وہ الہام الٰہی کی بنا پر ربط و ضبط مضمون اور سیاق و سباق عبارت کے لحاظ سے کی تھی۔ وہ نزول

آیات کے زمانہ کے لحاظ سے نہ تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا ہوگا کہ نزول آیات قرآنی کی تاریخی ترتیب کو محفوظ کر لیا جائے۔ چنانچہ اسی خیال کو دل میں رکھکر انہوں نے ترتیب محولہ بالا کرخصوصی ہوگی۔ یہ بات کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتی کہ حضرت علیؓ نے یہ ترتیب رواج دینے کی نیت سے کی ہو۔ بلکہ وہ خود اسی ترتیب نبوی کے رواج کے مؤید اور قائل تھے۔ چنانچہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا اور یہ تجویز کیا گیا کہ قرآن شریف کے نسخے خاص نگرانی کے ساتھ لکھکر لوگوں میں تقسیم کیے جائیں۔ اور اس کام کا اہتمام ایک منتخب مجلس کے سپرد کیا گیا تو ان تتھموں کی مجلس کے اراکین عظام میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی تھے۔ اور فضیلت قرآن دانی کی وجہ سے آپ کا اس بارہ میں بہت کچھ دخل تھا۔ انہوں نے اسوقت ہرگز ہرگز اس ترتیب کا ذکر بھی نہیں کیا جو انہوں نے وحی الٰہی کی تاریخ محفوظ کرنیکے لیے کی تھی۔ اور نہ ہی کسی اور ترتیب کا سوائے اس موجودہ ترتیب کے کوئی تذکرہ کیا بلکہ نہایت محنت شاقہ اور احتیاط کے ساتھ نبوی ترتیب کے مطابق قرآن شریف کے نسخے لکھوائے اور صحیح کیے اور کرائے۔ اور انکو مسلمانوں میں تقسیم کیا۔ اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خیال میں اس کے سوائے کوئی اور ترتیب بھی ہوتی تو یہ بات انکی شان سے بالکل بعید تھی کہ وہ خاموشی سے اسی ترتیب موجودہ کو اپنی معلومات اور کانشنس کے برخلاف لکھے جاتے اور مروج کیے جاتے بلکہ نہ صرف اجازت ہی دیتے بلکہ خود عقد ہمت باندھکر اسی ترتیب نبوی کے مطابق قرآن شریف لکھاتے اور اسکو عام طور پر مسلمانوں میں رواج دینے کی کوشش کرتے۔ وہ تو ایسے دلیر اور شجاع تھے کہ کسی قسم کا دباؤ اور لحاظ انکے سچے خیالات کے اظہار اور تعمیل سے انکو نہ روک سکتا تھا۔ اس لیے اگر انکو کچھ اختلاف ہوتا تو فوراً اعتراض کر دیتے اور اگر اعتراض نہ کرتے تو کم از کم اس مجلس میں شریک ہونے سے ہی انکار کر دیتے۔ بلکہ برخلاف اسکے جس ترتیب پر تمام جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کا اتفاق اور عمل تھا جو موجودہ ترتیب قرآن کریم کی ہے۔ اسی پر بلا اعتراض حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی متفق اور عامل تھے۔ اور اوپر اسباب کو واضح کر دیا گیا ہے کہ ترتیب نبوی دراصل ترتیب سیاقی ہے اور اس ترتیب سے بالکل مختلف ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ترتیب نزولی کے لحاظ سے وحی الٰہی کی تاریخ کا علم محفوظ رکھنے کے لیے کی تھی۔ قرآن شریف کے نزول کی ترتیب کو بغرض حفظ تواریخ محفوظ کر لینے میں کیا مضایقہ تھا؟ سوال تو صرف یہی تھا کہ آیا انہوں نے اس ترتیب کو ترتیب قرآنی کے نام سے موسوم کرکے عام طور پر مروج کرنیکی کوشش تو درکنار ارادہ بھی کبھی کیا؟ لیکن اُنکے قول وفعل سے نہ انکی اس بارہ میں کوشش ہی ظاہر ہوتی ہے اور نہ ہی انکا ارادہ ثابت ہوتا ہی۔ پس پھر کیونکر یہ ترتیب اس میدان میں ذکر کے قابل ٹھہر سکتی ہے۔ اس ترتیب کو تو قرآن شریف کی ترتیب ہی نہیں کہہ سکتے۔ اگر بالفرض یہ امر کسی طرح مانا جائے کہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں قرآن شریف کو ترتیب موجودہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے رواج دینے پر کسی مصلحت سے سکوت کیا ہوگا۔ اگرچہ انکی شان میں ایسے گمان سے انکی بے ادبی اور ہتک متصور ہے۔ لیکن اگر یہ امر ایسا ہی ہوتا تو پھر اسکی اصلاح اور تلافی اس زمانہ میں بآسانی ہو سکتی تھی جبکہ خدا تعالیٰ نے اُنکے اپنے سر پر خلافت کی عزت و جلال کا

تاج رکھا۔ جب آپ کی خلافت کا زمانہ آیا تو اسوقت تو اُنکے لیے کوئی روک نہ تھی۔ اگر قرآن شریف کی مسلمہ مروجہ ترتیب میں انکو کوئی اختلاف ہوتا تو فوراً سب سے پہلے اسکی اصلاح کرنا انکا فرض تھا۔ انہوں نے تو اپنے زمانہ خلافت میں بھی اسی ترتیب کو رواج دیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کے زمانہ میں مروّج تھی اور پھر جسکے مطابق انہوں نے خود حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں قرآن شریف لکھوائے اور تقسیم کیے تھے۔ لیکن باوجود اتنے بڑے اقتدار اور رسوخ کے انہوں نے نہ تو کبھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اور نہ ہی حضرات عمر و عثمان رضی اللہ عنہما کی خلافتوں میں۔ اور نہ ہی اپنے زمانہ میں اس ترتیب موجودہ پر (جو در اصل ترتیب نبوی ہے) اعتراض کیا۔ اور نہ کبھی خلوت میں، اور نہ کبھی جلوت میں، اس بات کا ذکر ہی کیا کہ موجودہ ترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کی کی ہوئی نہیں ہے۔ نہ ہی کبھی یہ ذکر کیا کہ قرآن شریف کی آیتیں اور سورتیں جس ترتیب کے ساتھ موجود ہیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم نے نہیں کی تھی۔ بلکہ ترتیب نزولی صحیح ترتیب تھی اور اسی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تھا۔

ان تمام حالات سے یہ بات آفتاب کی طرح روشن اور ثابت ہوتی ہے کہ قرآن شریف کی سورتوں اور آیتوں کی وہ ترتیب جسکے مطابق حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں قرآن شریف کے نسخے مسلمانوں میں تقسیم کیے گئے تھے۔ حقیقت میں یہ وہی ترتیب ہے جسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم نے الہام الٰہی سے کیا تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ضرور تھا کہ اس کے متعلق اختلاف موجود ہوتا۔ بعض روایات میں لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کو بعض کلمات کا خاص لہجہ میں پڑھنا بڑا مرغوب تھا لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انکا اسطرح پڑھنا ناجائز قرار دیا۔ اسپر حضرت ابن مسعودؓ حضرت عثمانؓ سے کشیدہ خاطر ہو گئے۔ لیکن باوجود اس کشیدہ خاطری کے انہوں نے کبھی کسی وقت اس ترتیب آیات قرآنی پر کوئی جرح و اعتراض نہیں کیا جسکے مطابق حضرت عثمانؓ کے حکم سے قرآن شریف لکھے اور تقسیم کیے گئے تھے۔ نہ ہی انہوں نے کبھی ظاہر کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کے سوا کوئی اور ترتیب آیات قرآنی مروّج تھی۔

ان مذکورہ بالا واقعات سے یہ امر قطعی طور سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن شریف کی سورتوں کی تقسیم اور ہر ایک سورۃ میں آیتوں کی ترتیب جیسے کہ فی زمانناموجود ہے سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کا معمول تھا کہ جب کوئی نئی آیت نازل ہوتی تو ساتھ ہی آپ اسکے قرآن شریف میں لکھے جانے کے لیے جگہ بھی مقرر فرما دیا کرتے تھے کبھی کسی صحابی نے اپنے خیال کے موافق کسی آیت کو قرآن شریف میں کسی جگہ لکھنے کی جرأت نہیں کی۔ اور نہ کسی کو ایسا کرنیکا حق پہنچتا تھا۔ مثلاً سورۃ البقرہ جسکو قرآن شریف میں دوسرا نمبر حاصل ہے اسکا اکثر حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کی مدنی زندگی کے ابتدائی حصہ میں نازل ہوا تھا۔ لیکن اسکی بعض آیتیں آنحضرت صلعم کی وفات کے زمانہ کے قریب نازل ہوئی تھیں۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ وہ آیات جو ممانعت ربوا کے متعلق ہیں آپکے آخری ایام میں نازل ہوئیں۔ یہ آیتیں ترتیب میں ان آیات کے پیچھے

رکھی گئی ہیں جو خیرات اور صدقات کے متعلق ہیں۔ اب ان آیات کو جن میں صدقات و خیرات کے احکام ہیں۔ اور ان آیات کو جن میں ربوا کی ممانعت ہے، ایک جگہ لکھنے میں حکمت یہ ہے کہ یہ دونوں احکام غربا اور مساکین کے فایدہ اور آسانی کے لیے دئیے گئے ہیں۔ جن سے ایسے لوگوں کی بہبودی منصوّر ہے۔ جس موجودہ سوسائٹی کی قرآن شریف نے اصلاح کرنی تھی اسکی حالت اسوقت ایسی تھی کہ دونوں احکام کا متفرق اوقات میں دیا جانا ضروری تھا جن لوگوں کو اکل ربوا سے منع کرنا تھا ضروری تھا کہ ان میں پہلے اس حکم کے ماننے کی استعداد پیدا کر دیجاتی۔ اس لیے ایک حکم پہلے دیا گیا جو اس راہ میں ایک بڑی بھاری اور پہلی منزل تھی۔ پھر جب اس حکم کے قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کی استعداد انمیں پیدا ہوگئی اور اس پر شرح صدر سے عمل کرنا اُن لوگوں پر آسان ہوگیا۔ تو پھر دوسری منزل انپر منکشف کی گئی یعنی دوسرا حکم انہیں دیا گیا۔ حقیقت میں یہ دونوں احکام آپسمیں بہت گہرا رشتہ رکھتے ہیں اور ضروری تھا کہ بلحاظ ربط مضمون وسیاق عبارت اسی ترتیب کے ساتھ اکٹھے جمع کیے جائیں۔ قرآن شریف کی سورتوں کی تقسیم بھی خود حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ سلم نے فرمائی تھی۔ چنانچہ احادیث صحیحہ میں اکثر سورتوں کے نام اسی زمانہ سے لکھے ہوئے موجود چلے آتے ہیں۔ اور یہ سچی بات ہے کہ قرآن شریف کی سورتوں کی تقسیم اور ہر ایک سورۃ میں آیات کی ترتیب جسطرح کہ اب مسلمانوں کے ہاتھوں میں موجود ہے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کی کی ہوئی ہے۔ اور یہ ایک ایسی صاف بات ہے کہ نہ تو جماعت صحابہ کبار رضی اللہ عنہم میں سے ہی کسی نے کبھی اسمیں اختلاف کیا اور نہ ہی متاخرین میں سے کبھی کسی کو اختلاف کرنیکی گنجایش پیدا ہوئی۔ آجتک کسی شخص کی نسبت یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ اس نے کبھی کہا ہو کہ موجودہ قرآن شریف میں کوئی ایک آیت بھی اپنے اصل مقام اور اصل سورۃ سے ہٹ کر کسی دوسری جگہ یا دوسری سورۃ میں رکھی ہوئی ہے۔ یا یہ ہی کہا ہو کہ فلاں آیت کسی زمانہ میں اس موقعہ پر موجود نہ تھی جہاں کہ وہ اب لکھی ہوئی ہے۔ ایک اور بات اس امر پر زیادہ روشنی ڈالتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اکثر احادیث میں آیات قرآنی کے حوالے بقید نمبر شمار دیے ہوئے ہیں۔ اور یہ ایسی بات ہے جس سے اس بات کا کافی ثبوت ملتا ہے کہ ترتیب آیات قرآنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں مکمل ہو چکی ۔ . . . تھی۔ ہم نے اپنے مدعا کی تائید میں بہت سی مثالیں اور پیش کی ہیں۔ اسجگہ ایک اور مثال اسی ذیل میں پیش کیجاتی ہے تا کہ ہمارے ناظرین پر یہ امر ذرا اور واضح ہو جائے۔ صحیح بخاری میں ایک حدیث وارد ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے ایک دفعہ نماز میں سورۃ انفال کی چالیس آیات پڑھیں۔ پھر اسی حدیث کو محدث عبدالرزاق نے بھی ایک اور سلسلہ رواۃ کی روایت سے نقل کیا ہے فرق دونوں میں صرف اسقدر ہے کہ دوسری روایت میں بجائے اس ذکر کے کہ ابن مسعودؓ نے چالیس آیتیں پڑھیں یہ ذکر ہے کہ سورہ انفال کو اس موقع تک پڑھا جہاں و نعم النصیر ہے (دیکھو فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۲۱۲) اب جب ہم اس سورۃ کی چالیس آیتیں شمار کرتے ہیں تو آخری آیت جن الفاظ پر ختم ہوتی ہے وہ وہی الفاظ ہیں

جو محدث عبد الرزاق نے اپنی حدیث میں لکھے ہیں۔ گویا یہ دونوں بیان باہم متوافق ہیں۔ اس بات سے یہ امر بہت عمدگی سے پایہ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ قرآن شریف جس ترتیب کے ساتھ آجکل ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے وہی ترتیب زمانہ حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں مروج اور معروف تھی۔ ایسے ہی ایک اور حدیث بخاری سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد کے لیے اٹھتے وقت سورۃ آل عمران کی آخری دس آیات پڑھا کرتے تھے۔ اور چونکہ آپ کی پیروی میں مسلمان بھی یہ آیتیں پڑھتے تھے۔ اس لیے تعالٰی نے ہمیں یہ موقعہ دیا ہے کہ اس ترتیب کا مقابلہ موجودہ ترتیب سے کرسکیں۔ اب تعامل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ دس آیتیں جو رات کو اٹھکر پڑھی جاتی ہیں وہ ہیں جو ان فی خلق السموات والارض سے شروع ہوکر اخیر سورۃ تک چلتی ہیں اور جب موجودہ ترتیب کو دیکھتے ہیں تو یہی آیتیں اب بھی آل عمران کی آخری آیتیں ہیں اس بات سے بھی یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن شریف کی یہی ترتیب مروج اور مستعمل تھی جو آجکل مروج ہے۔ اور یہ کہ سورتوں کی تقسیم بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانہ میں ہو چکی تھی۔ اس کے بعد دوسرا مسئلہ جسپر غور کرنیکی ضرورت ہے وہ سورتوں کی ترتیب ہے۔ اس مسئلہ پر بحث کرنیکے لیے سب سے پہلے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ سوائے اُس حال کے جبکہ سارے قرآن شریف کی تلاوت کرنا منظور ہوتا نمازوں میں یا نمازوں کے باہر قرآن کریم پڑھنے کیلیے یہ امر ضروری نہیں خیال کیا جاتا تھا کہ سورتوں کی ترتیب ملحوظ نظر رکھا جائے۔ ہم نے اوپر احادیث کی سند سے ثابت کیا ہے کہ صحابہ کبار رضی اللہ عنہم کی مقدس جماعت میں بہت سارے ایسے بزرگ موجود تھے جنکا سارا قرآن شریف ازبر تھا۔ اور وہ لوگ اسے اپنے حافظوں میں ترو تازہ اور ضبط رکھنے کے لیے ہمیشہ تلاوت کرتے رہتے اور مقررہ مدت میں ختم کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اسی پر صحیح بخاری میں ایک باب باندھا ہوا ہے جس کا عنوان یہ ہے "کتنی مدت میں قرآن شریف ختم کرنا چاہیے" اس باب کے ضمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں دی ہیں جن میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو تین دن سے کم عرصہ میں قرآن شریف کا ختم کرنا منع فرمایا تھا۔ اور ایک دوسرے صحابی کو سات دنوں سے کم عرصہ میں قرآن شریف کا ختم کرنا منع کیا۔ ان حدیثوں سے صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل ظاہر ہوتا ہے کہ جن لوگوں کو سارا قرآن شریف حفظ تھا وہ ہمیشہ اسکی تلاوت کرتے رہتے تھے اور معمولاً سات دنوں میں ختم کیا کرتے تھے۔ قرآن شریف جتنی بڑی کتاب ایسے محتاط طریق سے حافظہ میں جب ہی محفوظ رہ سکتی تھی کہ اس کی تلاوت پر مداومت کیجائے۔ چنانچہ خود سرور کائنات صلعم نے فرمایا کہ قرآن شریف کو یاد رکھنے کے لیے اسکی ہمیشہ تلاوت کرتے رہنا چاہیے ورنہ یہ یاد نہیں رہیگا۔ اسلیئے بھی صحابہ رضی اللہ عنہم قرآن شریف کی تلاوت پر مداومت کرتے تھے۔ اب اس بات کا سمجھنا بہت آسان ہے کہ قرآن شریف کو بار بار پڑھنا اور ہر دفعہ ایک معینہ مدت کے اندر ختم کرنا اس امر کا متقاضی ہے کہ اسکی سورتوں کی کوئی ترتیب اور تقسیم موجود ہو۔ ورنہ مداومت کے ساتھ پڑھنا اور ختم کرنا ممکن نہ تھا۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ یہ سوال ہو سکتا ہے کہ آیا حدیث شریف بھی اسکی تائید کرتی ہے کہ نہیں؟ اس کے متعلق اسقدر لکھنا کافی ہے کہ احمد، ابوداؤد وغیرہم نے ایک

حدیث نقل کی ہے جس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ سورتوں کی تقسیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائی تھی۔ ہم اسجگہ اس حدیث کو نقل کرتے ہیں اور وہ یہ ہے۔ عن اوس ابن ابی اوس حذیفة الثقفی قال کنت فی الوفد الذین اسلموا من ثقیف .... فقال لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طرأ علی حزبی من القراٰن فاردت ان لا اخرج حتّٰی اقضیہ قال فسالنا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قلنا کیف تحزبون القراٰن قال نحزبہ ثلاث سور وخمس سور وسبع سور وتسع سور واحدی عشرة وثلاث عشرة وحزب المفصل من ق حتّٰی نختم ۔ترجمہ۔ اوس فرماتے ہیں کہ ثقیف کے اس وفد میں جو اسلام قبول کرنے آئے تھے میں بھی موجود تھا... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو کہا کہ میں نے اپنی قرآن شریف کی منزل کو پورا کرنا ہے اس لیے میں ارادہ کرتا ہوں کہ جبتک ختم نہ کر لوں اُسوقت تک باہر نہ نکلوں۔ اسپر ہمنے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کس طرح قرآن کو حصوں میں تقسیم کیا ہوا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ تین ۳ سورتوں اور پانچ ۵ سورتوں اور سات ۷ سورتوں اور نو ۹ سورتوں اور گیارہ ۱۱ سورتوں اور تیرہ ۱۳ سورتوں اور ق سے شروع ہو کر اخیر قرآن تک کے جسکو مفصل کہتے ہیں (سات) حصے ہیں۔

معتبر ذرایعہ اور معقول وجوہ سے ثابت ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اس کے رو سے قرآن شریف کے سات حصے یعنی سات منازل ہیں۔ ہر منزل ایک دن میں پڑھی جاتی ہے۔ اور اس طریق سے سارا قرآن شریف سات دنوں میں ختم ہوتا ہے۔ دوسری معتبر صحیح احادیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہؓ کو تاکید فرمائی کہ قرآن شریف سات دنوں میں ختم کیا کریں۔ اس حدیث کے راوی پہلی حدیث کے راویوں سے جدا ہیں۔ ان دونوں مضمون واحد کی حدیثوں کا مختلف راویوں کی روایت سے بیان ہونا ایک دوسرے کی گواہی کے اعتبار پر دلیل ہے۔ اور یہ دونوں حدیثیں ایکدوسری کی سچائی اور استناد کی تصدیق کرتی ہیں۔ اس لیے کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ ان حدیثوں کی صحت میں کسی قسم کے شک کی جگہ دیجاوے۔ اب ہمیں یہ صاف نظر آرہا ہے کہ مذکورہ بالا حدیث سے سورتوں کی ترتیب کا وجود واضح طور پر ثابت ہے کیونکہ وہی منزلیں جن میں قرآن شریف کے اس حدیث کے رو سے حصے کیے ہوئے ہیں آجتک مسلمانوں میں مروّج ہیں۔ اور ساری اسلامی دنیا اسی پر کاربند اور عامل ہے۔ پس اس تعامل سے بھی صاف شہادت اس حدیث کی صداقت کی ملتی ہے۔ ان سات حصوں کو مسلمانوں کی اصطلاح میں سات منزلیں کہتے ہیں۔ اور ہر ایک منزل میں اسی قدر سورتیں ہیں جو اس حدیث میں مذکور ہیں۔ جیسے کہ حدیث شریف میں لکھا ہے ساتویں منزل ٹھیک اس کے مطابق سورة ق سے شروع ہوتی ہے۔ پہلی چھ منزلوں میں کل اڑتالیس ۴۸ سورتیں ہیں اور یہی وہ تعداد ہے جو احادیث سے ثابت ہے۔ اس جگہ ایک بات ناظرین کو یاد رکھنی چاہیے کہ حدیث مذکورة الصدر میں سورة فاتحہ جو قرآن شریف میں سب سے پہلے لکھی ہوئی ہے شمار نہیں کیگئی۔ اور یہ امر کسی غلطی پر مبنی نہ تھا۔ پس سورة بقرہ سے شروع کر کے تین سورتوں کی ایک منزل۔ پھر اس کے بعد کی پانچ سورتوں کی دوسری منزل

پھر اس کے بعد کی سات سورتوں کی تیسری منزل۔ پھر اس کے بعد کی نو سورتوں کی چوتھی منزل پھر اسکے بعد کی گیارہ سورتونکی پانچویں منزل۔ پھر اسکے بعد کی تیرہ سورتوں کی چھٹی منزل اور ق سے (جو انچاسویں سورۃ ہے) شروع ہوکر اخیر تک ساتویں منزل ہوئی۔ اگر فاتحہ کو شامل کرکے شمار کیا جائے تو اس حساب سے سورۃ ق پچاسویں سورۃ ہوتی ہے۔ اور اگر اسکو شامل کرکے شمار نہ کیا جائے تو پھر سورۃ ق انچاسویں سورۃ ہوتی ہے۔ اور اس حدیث میں مؤخر الذکر حساب کو ملحوظ رکھا گیا ہے یعنی پہلی چھ منزلوں میں اڑتالیس سورتیں اور پھر انچاسویں سورۃ ق سے ساتویں منزل شروع ہوتی ہے۔ جسطرح ہم اوپر ثابت کر آئے ہیں کہ آیات قرآنی کی ترتیب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی اسی طرح اس حدیث سے واضح طور پر یہ بات عیاں ہے کہ قرآن کریم کی سورتوں کی ترتیب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کی تھی۔ اور آجتک اُسی ترتیب پر مسلمان قایم ہیں یعنی موجودہ ترتیب جو مسلمانوں میں مروّج اور جاری ہے وہ بجنسہٖ اور بلا تفاوت وہی ترتیب ہے جس میں ایک سرمو بھی فرق نہیں آیا۔

ممکن ہے کہ کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ جبکہ قرآن شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک پورے طور پر نازل نہیں ہوچکا تھا۔ اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے آخری زمانہ تک آیتیں اور سورتیں نازل ہوتی رہی تھیں تو پھر کسی ترتیب کا وجود ہی کیونکر حیطہ امکان میں آسکتا ہے۔ یہ بالکل سچی بات ہے کہ جبتک مورد وحی خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) زندہ ہے اسوقت تک قرآن شریف کا نزول مکمل نہیں سمجھا جاسکتا۔ لیکن اس بات سے آیتوں اور سورتوں کی ترتیب میں کوئی فرق اور ہرج واقع نہیں ہوتا۔ جتنا حصہ قرآن شریف کا نازل ہوچکتا تھا اسکو بھی قرآن ہی کہا جاتا تھا اور لفظ قرآن کے معنوں میں یہ بات آسکتی ہے۔ لیکن اس حدیث میں بنی ثقیف کے اسلام لانیکا حال درج ہے۔ پس یا سوقت کی حدیث ہے جب وہ لوگ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ اب یہ بات ثابت ہے کہ ثقیف ہجری کے نویں سال میں مسلمان ہوئے تھے۔ اور اسی سال میں سورۃ توبہ نازل ہوئی تھی جو تاریخی سلسلہ نزول میں سب سے اخیر سورۃ تھی۔ اس لیے اس حدیث کے زمانہ میں مذکورہ بالا اعتراض باقی نہ رہا تھا کیونکہ جس زمانہ کا ذکر اس حدیث میں ہے اُس زمانہ میں قریباً سارا قرآن شریف نازل ہوچکا تھا۔ اور اس میں جو سورتوں کی تقسیم کے بارہ میں مذکور ہے اس سے تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی سند سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔ اسپر کوئی اعتراض معقول خیال نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ بعض آیات اسکے بعد نازل ہوئیں۔ لیکن جتنی آیات بعد میں نازل ہوئیں وہ سب جہاں الہام الٰہی نے ہدایت کی وہاں رکھدی گئیں ہاں اس میں شک نہیں کہ ایک چھوٹی سی سورۃ جسکا نام سورۃ النصر ہے اس سے بعد نازل ہوئی۔ لیکن یہ ایک چھوٹی سی سورۃ تھی اور اسکو مناسب جگہ رکھدیا گیا تھا۔ ناظرین اس بات کو بھی یاد رکھیں کہ اس حدیث میں صرف چھ پہلی منزلوں کی سورتوں کی تعداد بیان کی گئی ہے۔ لیکن آخری منزل کی سورتونکی تعداد نہیں بیان کی۔ اسکی نسبت صرف اتنا ہی کہا گیا کہ ق سے شروع ہوکر خاتمہ تک ساتویں منزل ہے۔ کیونکہ ابھی اس آخری منزل میں ایک سورۃ شامل ہونا باقی تھی۔ چنانچہ وہ بھی نازل ہوکر یہ منزل ختم ہوگئی۔ اس سورۃ کے نزول اور ساتویں منزل میں شمول سے اس شمار میں ہرگز کوئی فرق نہیں آیا جو پہلی چھ منزلوں کے متعلق بیان ہوا ہے۔

اس بات کی بھی کوئی شہادت موجود نہیں کہ سورتوں کی ترتیب کو آنحضرت صلعم کے بعد حضرت ابوبکر یا عثمان رضی اللہ عنہما نے کسی طرح تبدیل کر دیا ہو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے برخلاف تو کبھی کسی نے کوئی اعتراض اس قسم کا نہیں کیا۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انکی نقش قدم کو اختیار کیا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جو نقلیں قرآن شریف کی کی گئی تھیں وہ اُن بزرگ صحابہ رضی اللہ عنہم کی نگرانی اور اہتمام میں تیار کرائی گئی تھیں جن کو علم قرآن میں زیادہ ماہر اور واقف مانا گیا تھا۔ اور اکثر انمیں حضرت ابی بن کعب جیسے بزرگ تھے جن کو قرآن شریف از بر تھا۔ علاوہ ازیں جو دلایل ہمنے اوپر قرآنی آیات کی ترتیب کے متعلق پیش کی ہیں وہی دلایل مناسب تغیر کے ساتھ قرآن شریف کی سورتوں کی ترتیب پر حاوی ہوتی ہیں۔ لیکن چونکہ بعض حدیثوں میں مختلف ترتیبوں کا بھی ذکر آیا ہے اس لیے اس مضمون کو ختم کرنے سے پہلے ہمیں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسکے متعلق بھی فیصلہ کر دیا جائے۔ اس بارہ میں سب سے پہلے صحیح بخاری کے باب تالیف القرآن کیطرف توجہ کرنا ضروری ہے۔ اس باب میں جو احادیث درج ہیں ان میں سب سے پہلی حدیث یوں ہے عن یوسف بن ماھك قال انی عند عایشة ام المؤمنین رضی اللہ عنہا اذ جاءھا عراقی فقال ای الکفن خیر۔ قالت ویحك وما یضرك۔ قال یا ام المؤمنین ارینی مصحفك قالت لم قال لعلی اؤلف القرآن علیہ فانہ یقرء غیر مؤلف قالت وما یضرك اية قرأت قبل انما نزل اول ما نزل منہ سورة من المفصل فیھا ذکر الجنة والنار حتی اذا ثاب الناس الی الاسلام نزل الحلال والحرام ولو نزل اول شئ لا تشربوا الخمر لقالوا لا ندع الخمر ابدا ولو نزل لا تزنوا لقالوا لا ندع الزنا ابدا لقد نزل بمكة علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم وانی لجارية العب بل الساعة موعدھم والساعة ادھی وامر وما نزلت سورة البقرة والنساء الا وانا عندہ قال فاخرجت لہ المصحف فاملت علیہ ای السور۔ اس حدیث کا ماحصل جہانتک ہمارے مضمون سے تعلق ہے یہ ہے کہ حضرت ام المومنین عایشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک شخص عراق سے حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اپنے قرآن شریف کی مجھے زیارت کرائیں۔ حضرت ام المومنینؓ نے سوال کیا کہ تمھاری غرض اس سے کیا ہے؟ اس نے جواب میں گذارش کیا کہ قرآن شریف کی تلاوت میں کسی ترتیب کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔ اور مَیں آپکا قرآن اس لیے دیکھتا ہوں کہ مَیں اس مقدس کتاب کی صحیح ترتیب سے آگاہ ہو جاؤں۔ اسپر حضرت ام المومنین نے اسے ملامت کی اور کہا کہ اس میں کیا حرج ہے کہ کوئی حصہ پہلے پڑھا جائے حقیقت میں اسکا جو حصہ پہلے نازل ہوا تھا وہ مفصل سورتوں میں سے ایک سورة تھی جس میں بہشت اور دوزخ کا مذکور تھا۔ لیکن جب اسلام کا چرچا بڑھا اور لوگ داخل ہونے شروع ہوئے تو پھر جواز اور ممانعت کے احکام نازل ہونے لگے۔ اگر سب سے پہلے ہی حکم نازل ہوتا کہ شراب مت پیو تو لوگ کہتے کہ ہم شراب کبھی نہیں چھوڑیں گے اور اگر سب سے پہلے یہ نازل ہوتا کہ زنا مت کرو تو وہ انکار کرتے..... یہ باتیں

کر کے پھر حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا اپنا قرآن نکال لائیں اور بعض سورتوں کی آیتیں اسکو پڑھ کر سنائیں۔" اس حدیث سے ظاہر ہے کہ ترتیب قرآن کے متعلق ایک عراقی نے حضرت عایشہ کے سامنے اپنا اعتراض پیش کیا۔ یہ شخص صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت میں سے نہ تھا اور نہ ہی کوئی دیر کا مسلمان تھا بلکہ ایک نو مسلم تھا جسے ابھی قرآن شریف سے چنداں واقفیت ہی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ اسی حدیث میں حضرت عایشہ رضی اللہ عنہا کا جواب بھی درج ہے۔ عراقی کی یہ بات کہ قرآن شریف کی کوئی ترتیب تلاوت میں ملحوظ نہیں رکھی جاتی محض ایک بیہودہ بات تھی اور اسکی نادانی کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی۔ اسی لیے حضرت عایشہ رضؓ اُسے ملامت کرنے پر مجبور ہوئیں۔ پھر اُسے اس بات کی ضرورت کو سمجھایا کہ کیوں ترتیب نزولی کے مطابق قرآن شریف نہیں لکھا گیا بلکہ اس سے مختلف ترتیب رکھی گئی۔ حضرت عایشہ رضؓ کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ سائل نے یہ سوال کیا تھا کہ کیوں قرآن شریف نزولی ترتیب کے مطابق نہیں لکھا جاتا۔ کیونکہ حضرت عایشہ رضؓ نے اس کے سوال کا جواب یہ دیا کہ اس میں کوئی ہرج کی بات نہیں کہ کوئی آیت جو پہلے نازل ہو چکی ہو کسی مابعد کی آیت کے پیچھے رکھی جائے۔ جو جلد قرآن شریف کی حضرت عایشہ رضؓ نے اس عراقی کو دکھلائی تھی اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اسکی ترتیب نزولی ترتیب سے مختلف تھی۔ اور یہ بات اس امر سے بھی زیادہ واضح ہوتی ہے کہ اپنی بات کی تائید میں حضرت عایشہ رضؓ نے کئی سورتوں میں سے مختلف آیتیں اسکو پڑھ سنائیں۔ اور اتنی دیر تک اس کو سمجھاتی رہیں کہ اس عراقی کے ذہن نشین ہو کر اسکی خوب تسلّی ہو گئی۔ اور حضرت عایشہ رضؓ کے قرآن شریف کو دوسرے قرآنوں کے موافق پاکر اُلٹا خالی پھر گیا اور قرآن شریف ساتھ نہ لے گیا۔ کیونکہ اگر دوسرے مروجہ قرآنوں سے اسکی ترتیب مختلف ہوتی تو ضرور تھا کہ وہ شخص اس قرآن شریف کو ساتھ لے جاتا۔

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ قرآن شریف کی سورتوں کی ترتیب جسکا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ صرف ساری قرآن کی تلاوت کے موقع پر ملحوظ رکھی جاتی تھی۔ اور نمازوں میں قرآن شریف پڑھنے کے وقت یا نمازوں کے باہر جب تھوڑا تھوڑا حصہ پڑھنا منظور ہوتا تھا تو اسوقت اس ترتیب کے لحاظ رکھنے کی چنداں ضرورت نہ سمجھی جاتی تھی۔ مثلاً نمازوں میں اس ترتیب کی نگہداشت کی ضرورت نہیں اگر ایک پہلی رکعت میں کوئی سورۃ یا کسی سورۃ کا کوئی حصہ پڑھا جائے[1] بلکہ جہاں کہیں سے جس سورۃ یا سورۃ کے حصہ کو پڑھنے پر جی چاہے پڑھ لیا کرتے تھے۔ حدیثوں میں اس کی کثرت سے شہادت موجود ہے۔ اسی طرح دو یا دو سے زیادہ سورتیں کسی ایک رکعت میں پڑھ لی جاتی تھیں اور بعض حالات میں نمازوں میں پڑھنے کے لیے ایسی سورتوں کو جمع کر لیا جاتا تھا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نمازوں میں عموماً بیس[2] سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ جن میں اٹھارہ[3] تو آخری منزل قرآن کی چھوٹی چھوٹی سورتیں تھیں جن کو مفصل کہتے ہیں۔ یہ مفصل سورتیں سورۃ قٓ سے شروع ہوتی ہیں۔ اور دو سورتیں حٰمٓ کی تھیں یعنی جو حٰمٓ سے شروع ہوتی ہیں یعنی تہجد کی دس[1] رکعتوں میں یہ بیس[2] سورتیں اس طرح پڑھا کرتے تھے کہ ہر رکعت میں دو دو سورتیں پڑھتے تھے۔

[1] تو دوسری رکعت میں اس بات کی پابندی نہیں کی جاتی تھی کہ وہ حصہ اس سے آگے کا مسلسل طور پر پڑھا جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاص تالیف فرمائی تھی جو حضرت ابن مسعودؓ کے ذریعہ سے ہمارے تک محفوظ ہو کر پہنچی ہے اور جسکو تالیف ابن مسعود کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس تالیف کو قرآن شریف کی سورتوں کی ترتیب سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ اور نہ ہی اسپر ہمیشہ عملدرآمد کیا جاتا تھا۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ اس ترتیب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد کی نماز میں ایک یا ایک سے زیادہ مرتبہ ان سورتوں کو پڑھا اور چونکہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپکے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نمازوں میں قرآن شریف کی معمولی ترتیب کو ملحوظ نہ رکھا کرتے تھے تو اس خاص تالیف سے اصل ترتیب قرآنی کی قدر و منزلت میں کچھ بھی کمی واقع نہیں ہوتی۔ بلکہ اسکا ذکر ہی اس لیے کیا گیا کہ یہ اصل ترتیب سے علیحدہ تھی اور یہ علیحدہ ذکر قرآن شریف کی ترتیب معمولہ کے وثوق کی ایک اور شہادت کا کام دیتا ہے۔ نہ صرف تہجد کی نمازوں تک ہی یہ بات محدود تھی بلکہ عام نمازوں میں بھی سورتوں کی ترتیب معمولہ کا لحاظ نہیں رکھا جاتا تھا جیسے مثلاً ایک دفعہ آنحضرت صلعم نے قرآن شریف کی تیسری سورۃ یعنی سورۃ النساء پہلی رکعت میں پڑھی۔ اور دوسری رکعت میں دوسری سورۃ یعنی آل عمران پڑھی۔ اس واقعہ کے درج کتب ہونیکی بھی یہی وجہ ہے کہ اصل ترتیب سے اختلاف کی مثال محفوظ رہے۔ اس قسم کی بہت ساری مثالیں کتابوں میں لکھی ہوئی موجود ہیں۔ اور چونکہ یہ امر لازمی نہ تھا کہ نمازوں میں قرأت کے وقت مسلسل ترتیب کے موافق ہی قرآن کریم کی سورتیں پڑھی جائیں۔ اس لیے ان واقعات کے تحریر میں مقید اور محفوظ کیے جانیسے اس حقیقت کی تصدیق کا مزید ثبوت ملتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ہی سارے قرآن کی تلاوت کے وقت وہی ترتیب سور تہائے قرآن کریم مروّج اور مستعمل تھی جسپر آجکل مسلمانوں کا عمل ہے ابھی ذکر کیا گیا ہے کہ تالیف ابن مسعود کی بیس سورتیں جنہیں مفصل کہا جاتا ہے کبھی کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نمازوں میں پڑھا کرتے تھے۔ اس بات کو دیکھکر بعض لوگوں نے بے سمجھی سے یہ خیال کر لیا ہے کہ گویا حضرت ابن مسعودؓ کے پاس جو نسخہ قرآن شریف کا تھا اس میں سورتوں کی ترتیب دوسرے نسخوں سے مختلف تھی۔ اس بات کی تائید میں صرف یہی ایک حدیث پیش کیجاتی ہے جو اوپر بیان کی گئی ہے۔ اور جس میں بیس چھوٹی چھوٹی سورتوں کے نماز تہجد میں پڑھے جانے کی تالیف کا ذکر ہے۔ لیکن جب ہمیں اس بات کا ثبوت صاف صاف ملتا ہے کہ سورتوں کی ترتیب مروجہ کا لحاظ نمازوں میں ضروری نہیں سمجھا گیا تھا تو اس شہادت کا کچھ اثر اصل ترتیب قرآنی پر نہیں پڑتا۔ اور اگر فرض محال کے طور پر اس بات کو مان بھی لیں کہ حضرت ابن مسعودؓ کا کسی اور ترتیب سور قرآنی پر عمل تھا۔ اور اسی اپنی ترتیب کے مطابق ہی انہوں نے اپنا قرآن شریف لکھا ہوا تھا۔ تو اس سے یہ بات نہیں پائی جاتی کہ انکی ترتیب ہی صحیح تھی۔ اور قرآن شریف حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے پاس تھے اور عام طور پر مسلمانوں میں مروّج تھے انہیں غلط ترتیب سے مدون [illegible] نہیں۔ اگر ابن مسعودؓ کی کوئی جدا ترتیب تھی تو وہ انہیں تک محدود رہی کسی صحابی نے اس کی طرف کبھی التفات ہی نہیں کیا۔ بلکہ سارے صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت نے اسی بات پر اتفاق کیا کہ حضرت

عثمان رضی اللہ عنہ نے جو نسخے قرآن کریم کے لکھوائے جو حضرت ابوبکر کے وقت میں جمع کیے ہوئے صحیفے سے نقل کیے گئے تھے وہ اس ترتیب کے مطابق تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی۔ اور جس پر حضور ممدوح صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تھا۔ پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں قرآن شریف کی نقلیں کرنیکا اہتمام کیا گیا تو اس اہتمام کو حضرت علی کرّم اللہ وجہ اور حضرت ابی بن کعب اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما وغیرہم جیسے اولوالعزم اور بلند شان قرآن دان صحابہؓ نے اپنے ذمہ لیا ہوا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس عالی خدمت کے لیے بارہ صحابی منتخب کیے جنکا مفصل ذکر آگے آئیگا۔ یہ وہ بزرگ منتخب کیے گئے تھے جو سارے مسلمانوں کی قوم میں قرآن فہمی اور قرآن دانی میں سب سے بڑھے ہوئے اور مسلم تھے۔ اور ہر قسم کے شک و شبہ سے پاک اور منزہ تھے۔ ان دوازدہ بزرگوں نے نہایت احتیاط اور جانفشانی سے اس خدمت کو ادا کیا۔ وہ اس بات سے بے خبر نہ تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نمازوں میں چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ وہ اس بات پورے طور پر ماہر تھے کہ نمازوں میں قرآن شریف کی مروجہ اور مسلمہ ترتیب کی رعایت رکھنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نمازوں میں سورتوں کی ترتیب کا لحاظ نہ رکھتے تھے۔ ایسے بزرگوں کی یہ معظم اور مکرم جماعت جنکو قرآن دانی میں کمال دسترس رکھنے کی وجہ سے اس عظیم الشان خدمت کے لیے صحابہؓ کی متفقہ رائے سے انتخاب کیا گیا تھا انکی نسبت یہ گمان کرنا کہ جس بات کو حضرت ابن مسعودؓ جانتے تھے اس سے وہ بیخبر تھے۔ ایک نہایت ہی عبث بات ہے جو کسی عقلمند دماغ میں گنجایش نہیں پا سکتی اور طرفہ اسپر یہ کہ اس امر کے جاننے والے صرف اکیلے حضرت ابن مسعودؓ ہی ہوں۔ اور اتنی قوم صحابہؓ میں سے ایک بھی انکی تائید یا تصدیق کرنیوالا نہ ہو۔ البتہ اگر سورتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ترتیب نہ کر جاتے اور انکی ترتیب شخصی اختیار پر چھوڑی جاتی تو اس حال میں اس قیاس کو جگہ ہو سکتی تھی کہ وہ ترتیب جو بزعم معترضین حضرت ابن مسعودؓ نے کی تھی اسکی صحت اور عدم صحت پر غور کیا جاتا اور اس بات کو بھی پیش کیا جا سکتا تھا کہ انکی ترتیب دوسرے صحابہؓ کی ترتیب کی نسبت صحیح ہے یا کہ انکی ہی صحیح ترتیب ہے اور دوسری ترتیب صحیح نہیں۔ لیکن اس قضیہ کا فیصلہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر ہونا تھا۔ نہ کہ شخصی آراء پر۔ اب اس بات کا کوئی ثبوت موجود نہیں کہ مذکورہ بالا تالیف ابن مسعودؓ سے علاوہ حضرت ابن مسعودؓ نے قرآن شریف کی باقی سورتوں کو کسی اور طریق سے ترتیب دیا تھا۔ اور ان چند سورتوں میں بھی انہوں نے صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تہجد کی نمازوں میں پڑھتے خیال کر لیا کہ یہ بھی صحیح ترتیب ہے مگر یہ خیال انکا غلط تھا نہ تو یہ ہی ثابت ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کو تحقیق ہی کیا اور نہ کسی اور صحابی سے ہی پوچھا۔ صرف اپنے خیال کو دخل دیکر ایک بات کا یکطرفہ فیصلہ کر لیا۔ اور اسی لیے انکے نام سے ہی یہ تالیف منسوب ہے۔ لیکن اس قیاس کو جگہ دینے میں انہوں نے غلطی کھائی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو نمازوں میں سورتوں کی معینہ ترتیب کی رعایت نہ رکھتے تھے اور صحابہ کبارؓ اس بات سے بہت اچھی طرح واقف تھے کہ نمازوں میں

جس ترتیب سے قرآن شریف کی سورتیں پڑھی جاتی ہیں وہ صحیح ترتیب قرآنی نہیں۔ انہیں بزرگوں کی روایت سے ایسی صحیح احادیث موجود ہیں جن میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک رکعت میں کسی سورۃ کا کوئی حصہ پڑھ لیا کرتے تھے اور پھر اسکے بعد کی دوسری رکعت میں کسی اور سورۃ کا کوئی حصہ پڑھ لیتے تھے۔ اور اس بات کا مضایقہ نہیں رکھا جاتا تھا کہ پچھلی رکعت میں جو سورۃ یا اسکا حصہ پڑھا جاتا وہ اصل ترتیب آنی کے موجب پہلی رکعت میں پڑھے ہوئے حصہ سے آگے کا حصہ ہوتا یا پیچھے کا۔ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے بخوبی آگاہ تھے کہ کسی صحابی نے جب کسی مسجد میں نماز میں امامت کی اور اس نے پہلی رکعت میں پہلے سورۃ اخلاص پڑھی اور پھر کوئی اور سورۃ پڑھی اور یہ ماجرا آنحضرت صلعم کے حضور پہنچا تو آپ خاموش رہے اور اسپر کوئی اعتراض نہ کیا۔ انہیں اس بات کا بھی علم تھا کہ جمعہ کے روز صبح کی نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلی رکعت میں سورۃ السجدہ جو بتیسویں سورۃ ہے اور دوسری میں الدہر جو چھتریں سورۃ ہے پڑھا کرتے تھے۔ اس سے یہ تو نہیں پایا جاتا کہ ایک سورۃ کے بعد دوسری رکعت میں وہی سورۃ پڑھی جائے جو ترتیب مسلمہ کے سلسلہ میں اُس سے آگے آتی ہے۔ وہ بزرگ لوگ خدا انپر بیحد رحمت کی بارش برساوے۔ اصل ترتیب قرآنی سے واقف تھے۔ اور اسی پر انکا عمل تھا۔ حضرت ابن مسعودؓ نے کسی ایسی تالیف پر ایک جدا ترتیب کی بنا رکھدی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض وقت کی نمازوں میں ظاہر ہوئی۔ انہوں نے اپنے فیصلہ کی اسکو بنا ٹھہرانے میں سخت غلطی کھائی۔ لیکن عام اصولی لحاظ سے انکی ترتیب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قرآن کی ترتیب سے کچھ چنداں مختلف نہ تھی جیسے حضرت عثمانؓ کے قرآن میں طوال یعنی لمبی سورتیں ابتدا میں لکھی ہوئی تھیں اسی طرح انہوں نے بھی انکو پہلے ہی لکھا ہوا تھا البتہ اتنا فرق بتایا جاتا ہے کہ انہوں نے سورۃ النسا کو سورۃ آل عمران سے پہلے رکھا تھا۔ گویا تیسری سورۃ کو چوتھی اور چوتھی کو تیسرے نمبر پر لکھا۔ اب یہ بھی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں سورۃ نسا کو آل عمران سے پہلے پڑھا تھا سو غالباً اسی سے حضرت ابن مسعودؓ نے رائے قایم کرلی ہوگی۔ اب صرف یہی دو اختلاف ہیں جو انکی ترتیب میں پائے جاتے ہیں جنپر معترض شور مچاتے ہیں یا اگر کوئی اور اختلاف ہوگا تو وہ بھی اسی قسم کا ہوگا۔ پس یہ ایسی غلطی ہے کہ جو یا تو حضرت ابن مسعودؓ کی طرف منسوب کیجاسکتی ہے اور یا اس کے ذمہ وار وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس بات کو فرض کرلیا ہے کہ قرآن شریف کی سورتوں کی ترتیب جو حضرت ابن مسعودؓ نے کی تھی وہ ان دو باتوں میں اس اصل ترتیب قرآنی سے مختلف تھی جو باضابطہ اور مستند طور پر امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لکھوا کر مسلمانوں میں شایع کی تھی۔ حقیقت میں اگر دیکھا جائے کہ ترتیب کے متعلق اس قسم کا اختلاف ہوا اور اس اختلاف پر بحث وتنقید بھی ہوئی اور پھر وہی ایک ترتیب جاری وساری ہوئی جو آجتک مسلمانوں میں مروج ہے تو اس سے اس بات کے ثبوت پر اور بھی

اور بھی زیادہ روشنی پڑتی ہے کہ وہی ترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی جو حضرت عثمانؓ کے صحیفوں میں ملحوظ رکھی گئی۔ اصول میں تو حضرت ابن مسعودؓ اور دوسرے صحابی رضی اللہ عنہم باہم متفق ہیں۔ اور جو اختلاف ہوا وہ حضرت ابن مسعودؓ کے قیاس کی غلطی سے پیدا ہوا۔ اگر حضرت ابن مسعودؓ کی ترتیب میں کوئی اختلاف تھا تو وہ صرف اسی وجہ سے تھا کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض نمازوں میں قرآن شریف کی سورتیں کسی اور ترتیب سے پڑھتے دیکھکر انپر اپنی رائے کو محصور کر لیا۔ شاید انہوں نے نظر عمیق اور غور و تحقیق سے اس بات کو نہ دیکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح بعض نمازوں میں سورتیں پڑھتے سنکر انہوں نے گمان کر لیا کہ شاید ان چند سورتوں کی ترتیب ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بدل دی ہو۔ لیکن دوسرے تمام صحابہ اس بات کو جانتے تھے کہ نمازوں میں ترتیب اصلی کا لحاظ رکھنا ضروری نہیں تھا۔ ہم اسجگہ یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر قرآنی سورتوں کی ترتیب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکمل نہیں کی تھی تو پھر حضرت ابن مسعودؓ کو کیا ہو گیا تھا کہ انہوں نے بھی اسی ترتیب کو مان کر اسپر عمل شروع کر دیا جو حضرت عثمانؓ اور دوسرے صحابہؓ کے زیر عمل تھی؟ ۱۱۴ سورتوں کی ترتیب میں اس طرح سے انکا اتفاق بجز اس صورت کے کبھی ممکن نہ تھا کہ وہ دونوں صرف اس ایک ہی شخص کی ہدایت پر کاربند ہوتے جس نے سورتوں کو ترتیب دیا تھا۔ اور ایسی سند جسپر دونوں بزرگ متفق ہو سکتے تھے وہ صرف ذات مبارک حضرت سرور کائنات صلعم تھی۔ لیکن جہانتک تحقیقات صحیحہ کا دائرہ وسیع ہوتا ہے ہم اس بات کے ماننے پر زیادہ زور سے مجبور ہوتے جاتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ نے کسی ترتیب خلاف ترتیب نبوی پر عمل نہیں کیا۔ اور جس ترتیب کی طرف معترض اشارہ کرتے ہیں وہ بھی معنوی اور حقیقی طور پر ترتیب نبوی کے موافق تھی۔ ہم ایسی باتیں قیاسات کی بنا پر نہیں لکھتے بلکہ ہمارے ہاتھ میں بدیہی ثبوت موجود ہیں۔ جیسے حضرت امام بخاریؒ نے ایک حدیث کو نقل کیا ہے جس میں ابن مسعودؓ نے سورۃ بنی اسرائیل۔ الکہف طٰہٰ مریم۔ اور انبیاء کو درمیان قرآن شریف میں ٹھیک اسی ترتیب سے بیان فرمایا جس ترتیب سے یہ سورتیں اصل ترتیب قرآنی میں واقع ہیں۔ اس قسم کی شہادتوں سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ حضرات ابن مسعود اور عثمان رضی اللہ عنہما کے نسخوں کی ترتیب ایک ہی تھی۔ اور اگر فرض کے طور پر کسی اختلاف کو بھی مانا جائے تو وہ اختلاف نہایت ہی خفیف اور چھوٹا سا تھا۔ اور اسکی وجہ صرف حضرت ابن مسعودؓ کی غلط فہمی تھی۔

ایسے لوگ جو قرآن شریف کی موجودہ اور مسلمہ ترتیب پر حملہ کرنے کے شایق ہیں انہوں نے صرف حضرت ابن مسعودؓ کا نام ہی نہیں لیا۔ بلکہ اس اختلاف کو ثابت کرنیکے لیے دو اور بزرگوں کا نام نامی بھی لیتے ہیں۔ ان دو بزرگوں میں ایک تو حضرت ابی بن کعب اور دوسرے حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔ حضرت ابی بن کعب کو انہوں نے مفت میں اس ذیل میں لا ڈالا ہے کیونکہ کسی طرح سے اعتبار کے قابل شہادت موجود نہیں جس سے اس امر کا ادنیٰ سا ثبوت بھی مل سکے کہ وہ کسی مختلف ترتیب کے قایل اور عامل تھے۔ انکی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ وہ چوتھی سورۃ یعنی النساء کی جگہ آل عمران کو جو تیسری سورۃ ہے رکھتے تھے۔ اور تیسری کی جگہ چوتھی رکھتے تھے۔ اگر یہی اختلاف تھا تو یہ نہایت خفیف سی بات تھی۔ اور ممکن ہے کہ انہوں نے بھی حضرت ابن مسعودؓ کی طرح

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نمازوں میں پڑھتے سنکر ایسا سمجھ لیا ہو۔ لیکن ہم آگے چلکر ثابت کریں گے کہ حضرت ابی بن کعب اس اختلاف کے مرتکب نہیں ہوئے۔ اور اگر کبھی انہوں نے اس قسم کا اختلاف کیا بھی تھا تو واقعات پر مطلع ہوتے ہی وہ اس پر قایم نہ رہے اور اپنے ہی عمل سے ثابت کر دیا کہ ترتیب نبوی وہی ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے صحیفوں میں ملحوظ رکھی گئی۔ ایسا ہی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے قرآن شریف کو نزولی ترتیب کے موافق جمع کیا تھا چنانچہ اسکی تائید میں ایک حدیث پیش کیجاتی ہے جس میں انکا قول اس مضمون کا نقل کیا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد انہوں نے اسوقت تک آرام نہ کیا تھا جبتک کہ سارے قرآن شریف کی سورتوں کو تاریخی یعنی نزولی ترتیب دیکر جمع نہ کر لیا۔ لیکن یہ حدیث مجروح ہے۔ کیونکہ باوجودیکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد سریر خلافت پر بھی رونق افروز ہوگئے پر کوئی ایسا قرآن جسکا اس حدیث میں ذکر ہے نہ شایع ہوا اور آیندہ نسلوں کے ہاتھوں میں نہ پہنچایا گیا اسکے علاوہ صحیح احادیث جن کا اعتبار بہرحال اس حدیث سے بہت زیادہ ہے انسے اس واقعہ کی صحت کے خلاف ثبوت ملتا ہے۔ فتح الباری کے صفحہ ۱۰ پر خود حضرت علیؓ کی روایت سے ایک حدیث درج ہے عن عبد خیر قال سمعت علیا یقول اعظم الناس فی المصاحف اجرا ابو بکر رحمۃ اللہ علی ابی بکر ھو اول من جمع کتاب اللہ۔ یعنی "قرآن شریف کے جمع کرنیوالوں میں سب سے بڑے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہی سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے قرآن جمع کیا" ایک طرف وہ حدیث جس میں یہ لکھا ہے کہ بعد وفات حضرت سرور کائنات صلعم حضرت علیؓ کو اسوقت تک چین نہ آیا جب تک انہوں نے قرآن جمع نہ کر لیا اور دوسری طرف یہ حدیث حضرت علیؓ کی اپنی روایت سے اسکی تردید کرتی ہے کیونکہ اسکے رو سے ابو بکر صدیقؓ ہی ایک شخص تھے جنہوں نے سب سے پہلے قرآن کریم کو جمع کیا۔ اور یہ حدیث اپنے ثبوت میں اکیلی نہیں بلکہ دوسرے تاریخی واقعات اسکے مؤید اور مصدق ہیں۔ جن میں ایک بات تو یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں بھی کسی دوسری ترتیب کا نہ ذکر ہی کیا اور نہ ہی موجودہ اور مسلمہ ترتیب سے مختلف ترتیب والا قرآن کسی سے قبول ہی کیا۔ لیکن اس کے ماسوا بھی ایک اور ایسی زبردست بات ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نہ تو حضرت علی اور نہ حضرت ابی رضی اللہ عنہما اس ترتیب سے مخالف کسی دوسری ترتیب پر عملدرآمد رکھتے تھے جو حضرت عثمانؓ کے صحیفوں میں ملحوظ رکھی گئی تھی کیونکہ حضرت ابی بن کعب اور حضرت علی رضی اللہ عنہما دونوں بزرگوں کی سرپرستی میں قرآن کریم کی نقلوں کا کام بعہد خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سرانجام پایا تھا۔ اور اسوقت انکو اس کام میں حضرت عثمانؓ کے برابر دسترس حاصل تھی اور جسطرح انہوں نے ہمکو موجودہ قرآن مجید پہنچایا اسی طرح اگر کوئی اور ترتیب ان کے خیال میں ہوتی تو بجائے اس کے اسکو بآسانی ہم تک پہنچا سکتے تھے۔ اور کوئی مانع نہ تھا۔

اس موقعہ پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث پر نظر ڈالی جاوے جو قرآن شریف کی سورتوں کی ترتیب کے متعلق برعکس نتایج کے ساتھ پیش کیجاتی ہے۔ اور وہ حدیث یہ ہے عن ابن عباس قال قلت لعثمان ما حملکم علی ان عمدتم الی الانفال وھی من المثانی والی براءۃ وھی من المئین فقرنتم بھما ولم تکتبوا بینھما سطر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ووضعتموھما فی السبع الطوال فقال عثمان کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثیرا ما ینزل علیہ السورۃ ذات العدد فاذا نزل علیہ الشیٔ یعنی منہا دعا بعض من کان یکتب فیقول ضعوا ھٰؤلاء الاٰیات فی السورۃ التی یذکر فیھا کذا وکانت الانفال من اوائل ما نزل بالمدینۃ وبراءۃ من اٰخر القراٰن وکان قصتہا شبیھۃ بھا فظننت انھا منھا فقبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولم یبین لنا انھا منھا۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمانؓ سے پوچھا کہ آپ نے کیوں سورۃ انفال کو سورۃ برات کے ساتھ ایسے متصل طور سے لکھا ہے کہ انکے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی ہی نہیں۔ اور اس طرح ان دونوں سورتوں کو سات لمبی سورتوں میں شامل کر دیا ہے۔ اسپر حضرت عثمانؓ نے جواب میں فرمایا کہ آنحضرت صلعم کی عادت تھی کہ جب بہت سورتیں اپر نازل ہوتیں اور انمیں کی کسی سورۃ کی آیت کا نزول ہوتا تو کسی کاتب وحی کو بلوا لیتے اور اسکو حکم دیتے کہ وہ آیت فلاں سورۃ کی فلاں موقع پر لکھدے۔ سورۃ انفال مدینہ میں ابتدائی زمانہ میں حضور صلعم پر نازل ہوئی تھی اور برات کا نزول آخری زمانہ میں ہوا تھا۔ اور ان دونوں کا مضمون باہم متوافق اور ملتا جلتا تھا۔ اس لیے میں نے یہ یقین کیا کہ دوسری سورۃ پہلی سورۃ میں سے ہی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم وفات پا گئے اور انہوں نے ہمیں واضح طور سے یہ نہ فرمایا تھا کہ یہ سورۃ اسی میں سے ہے۔"

بعض لوگ غلط فہمی سے اس حدیث سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ گویا جمع اور ترتیب قرآن حضرت عثمانؓ نے اپنے اختیار اور سمجھ کے موافق کی ہے۔ اور اس لیے اس حدیث کو اس دعوے کی تائید میں بطور ثبوت پیش کرتے ہیں۔ لیکن اس سے قطعاً یہ بات مستنبط نہیں ہوتی کہ حضرت عثمانؓ کی رائے کو ترتیب قرآنی میں کوئی دخل تھا۔ بلکہ اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن شریف کی آیات کی طرح سورتوں کی ترتیب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے کی ہوئی تھی اور اس کے علاوہ حضرت عثمانؓ کی وہ کمال درجہ کی احتیاط ثابت ہوتی ہے کہ جس سے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کے فرمان اور عمل کو نہایت امانت کے ساتھ اس کام میں برتا۔ حالانکہ ساری سورتوں کی ابتدا میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے کا عام طور پر قاعدہ تھا مگر اس سورۃ کے ساتھ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ پاکر اپنی رائے کو اتنا بھی دخل نہ دیا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہی اسپر لکھدیتے۔ اس حدیث سے صاف ثابت ہے کہ اس میں ذکر کردہ واقعہ کے سوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک لفظ اور ایک ایک سورۃ کے متعلق واضح طور سے حکم دیدیا ہوا تھا کہ اسکو فلاں موقعہ پر قرآن میں رکھا جائے۔ اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ آنحضرت صلعم نے ربط وضبط عبارت اور سیاق وسباق مضمون کے لحاظ سے قرآن شریف کی سورتوں اور آیتوں کی ترتیب فرمائی تھی۔ اور نوعیت مضمون میں ہمرنگی کے لحاظ سے ہی سورۃ انفال اور براءۃ کو ایک دوسرے سے ایسا متصل رکھا گیا تھا۔ درحقیقت اگر سورۃ براءۃ کے معاملہ کو علیحدہ رکھکر غور کیا جائے تو اس حدیث سے نہ صرف صاف طور پر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ آنحضرت صلعم نے ہر آیت کی نسبت کھلے طور پر حکم دیا تھا کہ اسکو کس موقعہ پر رکھا جائے۔ بلکہ آپ صلعم نے

صحابہ کبارؓ کو ہر ایک سورۃ کا موقعہ اور ترتیب بھی کھلے طور سے بتادیے تھے۔ اور یہ بھی عیاں کر دیا کہ کونسی سورۃ کس سورۃ کے بعد لکھنی چاہیئے۔ اور آپ ہی نے ربط مضمون کے لحاظ سے سورتوں کی ترتیب کی تھی۔

اب ہم اس حدیث کے اُس حصہ پر غور کرتے ہیں جو ان دونوں سورتوں کے متعلق ہے اور یہ دیکھتے ہیں کہ کیا اس سے یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ آنحضرت صلعم نے انکی ترتیب کے متعلق مطلقاً کچھ نہیں فرمایا تھا؟ یہ امر ثابت ہے کہ سورۃ براءۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ایک سال پہلے نازل ہو چکی تھی اس لیے یہ کہنا کہ آپ کو اسکا موقعہ بتانیکی مہلت نہ مل سکتی تھی غلط قرار پاتا ہے اصل واقعہ یہی ہے کہ آنحضرت صلعم کی اپنی منشا ہی ایسی تھی کہ ان دونوں سورتوں کو ایک دوسری کے ساتھ اسی طرح متصل رکھا جاوے اور انکے درمیان بسم اللہ الرحمن الرحیم جو ہر سورۃ کے پہلے لکھی جاتی تھی نہ لکھی جاوے۔ یہ دونوں سورتیں گو بظاہر الگ الگ رکھی گئی ہیں اور دو مختلف ناموں سے موسوم ہیں۔ لیکن ایک طرح سے یہ دو حصے ایک ہی سورۃ کے ہیں۔ سورۃ براءۃ کی پہلی اسی آیات کا حج کے موقعہ پر جو لوگ جمع ہوئے تھے انہیں اعلان کیا گیا تھا۔ اس طرح سے براءۃ ایک جدا سورۃ بھی ہو گئی۔ اس لیے آنحضرت صلعم نے کبھی کسی وقت کھولکر صحابہؓ سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ سورۃ براءۃ سورۃ انفال کا حصہ ہے۔ اور دوسری طرف کبھی اسپر بسم اللہ بھی نہیں پڑھی۔ کیونکہ مضمون کے ہمرنگ ہونیکی وجہ سے گویا یہ اور سورۃ انفال ایک ہی سورۃ کے قائم مقام تھیں یہی واقعات ہیں جن کو حضرت عثمانؓ نے تشریح کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے بیان کیا۔ اور یہ سمجھایا کہ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے متعلق فرمایا و عمل کیا اسی طرح ہم عمل کرتے ہیں۔

ان تمام حالات اور واقعات سے یہ بات ایسے یقینی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ جس سے انکار ممکن نہیں کہ قرآن شریف کی سورتوں کی تقسیم اور ہر سورۃ میں آیتوں کی ترتیب آنحضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی کی تھی۔ اگرچہ جس قدر شہادت بیان ہو چکی ہے وہ اس امر کے ثبوت میں کافی سے بھی زیادہ ہے۔ لیکن اس کی تائید میں اندرونی شہادت کا بہت بڑا ذخیرہ اس کے سوا بھی موجود ہے۔ جس طرح کہ ہر آیت کا دوسری آیت سے تعلق اور ربط ہے اسی طرح سورتیں بھی ربط اور تعلق مضمون کے سلک میں باہم منسلک ہیں۔ لیکن چونکہ یہ بذات خود ایک لمبا مضمون ہے اور علیحدہ بحث چاہتا ہے اسلیے ہم اسکو اسجگہ نہیں چھیڑتے۔ البتہ اس موقعہ پر یہ اعتراض پیدا ہوگا کہ جس حال میں قرآن شریف کامل طور پر آنحضرت صلعم کی حیات میں ہی قید تحریر اور الواح حافظہ پر محفوظ اور مضبوط ہو چکا تھا۔ اور اگر اس کی آیات اور سورتوں کی ترتیب اور تنظیم آپ (صلعم) ہی نے کر دی تھی تو پھر حضرات ابوبکر یا عثمان رضی اللہ عنہما کے زمانوں میں اس کے جمع کرنیکے کیا معنے ہو سکتے ہیں؟ اس کا جواب ہم اگلے رسالہ میں دیں گے۔
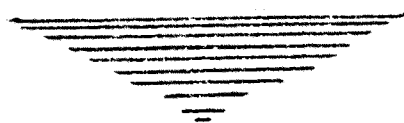
بابی یا بہائی مذہب (۱)

ہماری اکثر ناظرین اس بات سے آگاہ ہوں گے کہ ملک ایران میں ایک نیا مذہبی سلسلہ نکلا ہوا ہے جو بابی یا بہائی مذہب کے نام سے موسوم ہے۔ مگر اکثر مسلمانوں نے غلط فہمی سے اس مذہب کو بھی اسلام ہی کے دائرہ کے اندر سمجھ لیا ہوا ہے جسکی وجہ صرف یہ ہے کہ اس مذہب کے مشنریوں نے عوام الناس کو دھوکہ میں ڈالنے کے لیے عجیب نفاق اور دورنگی کی طرز اختیار کی ہوئی ہے۔ انکی اصل حالت یہ ہے کہ جب مسلمانوں میں جاتے ہیں تو وہاں انہیں اپنے حال و قال کو مسلمانوں کا سا ظاہر کرتے ہیں اور انکے سامنے شعار اسلامی ادا کرتے ہیں۔ اور اس بھیس میں ہو کر اُن لوگوں کو اپنی طرف مائل کرتے ہیں اور اپنی مخفی تعلیمات کو ایسے طریق سے لوگوں کے دلوں میں جانشین کرتے ہیں کہ وہ معلوم ہی نہیں کر سکتے۔ لیکن جب سے بہائی مشنری لوگ مغربی ممالک میں پہنچے ہیں تو انہوں نے یہ دیکھکر کہ وہ طرز جو سپر اسلامی ملکوں میں وہ عمل کرتے ہیں وہاں کچھ سود بخش نہیں ہو سکتی اور لوگوں کو دام میں لانیکے قابل نہیں ایک اور ہی طریق اختیار کیا ہے۔ وہاں وہ عیسائیوں میں اس سلسلہ کو مؤثر بنانیکے خیال سے عیسائیوں کے قالب میں ڈھل جاتے ہیں۔ اور علی الاعلان کہتے ہیں کہ ہمارے سلسلہ کو اسلام سے کوئی تعلق اور سروکار نہیں۔ لیکن جہاں کہیں مشرقی ممالک میں مسلمانوں کے ساتھ انکو سابقہ پڑتا ہے وہاں ابتک برابر یہ لوگ مسلمانوں کے سامنے ایسے پیرایہ میں بابی مذہب کا ذکر کرتے ہیں جس سے یہ سمجھا جائے کہ بابی مذہب صرف اسلام ہی کی ایک شاخ ہے۔ اور طرفہ یہ کہ ظاہر میں تو مسلمانوں کو اپنا گرویدہ بنانیکے لیے انکے مطاع اور مخدوم حضرت سرور کائنات صلعم کی بہت تعظیم و تکریم دکھاتے ہیں لیکن اس بھیس میں دراصل انکی غرض اسلام کے اصولی مسائل کی بیخ اُکھاڑنا ہوتی ہے۔ چنانچہ ابھی تھوڑا عرصہ ہوا ایک بابی یہاں بھی آیا تھا اور وہ کئی دن تک برابر نمازیں اور جمعہ ہمارے ساتھ پڑھتا رہا۔ حقیقت میں یہ ایک منافقانہ سلسلہ ہے جس میں حقیقی اور اصلی مسائل سے لوگوں کو عام طور پر بے خبر رکھا جاتا ہے اور اہم مذہبی تالیفات کو پبلک کی نظر سے مخفی رکھنے میں سعی بلیغ کیجاتی ہے۔ اور اسکے مشنری مسلمانوں میں مسلمان بنکر بود و باش رکھتے ہیں۔ یہ ایک ایسا دھوکہ دینے والا طریق ہے جس سے کھلے طور پر عقاید اور مسائل کی تبلیغ کی نسبت بہت زیادہ لوگ اس دام میں پھنس جاتے ہیں۔ اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ باب اور بہاء اللہ کی سوانحعمری بہت مختصر طور پر لکھکر انکی تعلیمات پر غور کریں اور اُن امور پر بحث کریں جو انکی مشن کی تائید میں پیش کیے جاتے ہیں۔ اور اس مذہب کے آغاز کے اسباب کا کچھ ذکر کریں۔ واضح رہے کہ اصل بانی اس مذہب کا ایک شخص محمد علی باب نامی ہوا ہے۔ جس نے اپنے نام سے اس مذہب کو نسبت دیکر بابی مذہب اس کا نام رکھا۔ پھر اس کے بعد اُسکا ایک خلیفہ جانشین ہوا جس نے اپنا نام بہاء اللہ اختیار کیا۔ اور اس سلسلہ کا دوسرا نام اس شخص کے نام سے منسوب ہو کر بہائی مذہب ہو گیا۔ پہلے پہل تو عرصہ تک اس مذہب کے ماننے والے بابی کہلاتا

اپنا فخر سمجھتے تھے لیکن آجکل کے زمانہ میں وہ لوگ بہائی کہلانے کو ہی پسند کرتے ہیں۔ گویا انکے نزدیک باب کے سلسلہ پر بہار اللہ کا سلسلہ غالب آگیا ہے۔ اسجگہ ہم ان کے مختصر حالات ناظرین کی اطلاع کے لیے لکھتے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں اس مذہب کے بانی کا نام میرزا علی محمد تھا۔ جو شہر شیراز ملک ایران کا رہنے والا ایک تاجر کا بیٹا تھا۔ اسکے سن ولادت کی نسبت اختلاف ہے۔ کونٹ گوبینو کی تحقیقات کے مطابق اسکی پیدایش کا سال ۱۸۲۴ء ہے۔ لیکن خود بابیوں کی بعض تحریروں کے مطابق اسکی پیدایش ۱۸۱۹ء میں ہوئی تھی۔ اس بات کو ہمارے ناظرین اچھی طرح جانتے ہیں کہ شیعہ مذہب اسلام کا ایک فرقہ ہے اور اب ملک ایران اس مذہب کا گھر ہو رہا ہے۔ اہل تشیع حضرت علی خلیفہ چہارم کی خاص طور پر تکریم کرتے ہیں اور انکی خاص تقدیس وعصمت کے قایل ہیں۔ اور اُن کی اولاد کے بارہ بزرگوں کو علی الاطلاق معصوم مانتے ہیں۔ ان لوگوں کا مذہب ہے کہ انمیں سے گیارہ امام تو انسانوں کی طرح زندگی بسر کرکے دنیا سے گذر چکے ہیں لیکن بارھواں امام جسکا نام امام مہدی ہے اور جو کئی صدیوں سے پیدا ہو چکا ہے وہ کسی غار میں اسوقت زندہ چھپا ہوا ہے۔ وہ آخری دنوں میں نکلے گا اور شیعہ مذہب کو ساری دنیا میں پھیلائے گا۔ شیعہ مذہب کے بھی کئی فرقے بنے ہوئے ہیں جن میں ایک غالی فرقہ شیخی کے نام سے مشہور ہے۔ اس فرقہ کے بانی کا نام شیخ احمد تھا اور اس نے انتہائی درجہ کا غلو اس مذہب کے لوگوں میں پھیلایا علی محمد باب نہ صرف شیعہ ہی تھا بلکہ اس نے سید کاظم رشتی کی مریدی بھی اختیار کی ہوئی تھی جو اُن دنوں میں فرقہ شیخی کا پیشوا تھا۔ اس فرقہ میں دوسرے شیعہ فرقوں کی نسبت خصوصیت یہ ہے کہ اس فرقہ کے لوگ امام مہدی معہود کی تعظیم کرنے میں حد و نہایت سے بڑھے ہوئے ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ انکے منتظر امام مہدی اور مومنین کے درمیان ہمیشہ ایک شخص ایسا ضرور ہوتا ہے جو دونوں کے درمیان واسطہ ہوتا ہے۔ جب سید کاظم فوت ہونے لگا تو اُس نے اپنی جانشینی کے لیے کسی شخص کے حق میں فیصلہ نہ کیا اور صرف اتنا کہکر ہی چلدیا کہ حق خود ہی ظاہر ہو جائیگا۔ علی محمد بڑا ہشیار آدمی تھا اُس نے اپنے پیر سید کاظم کے ان مبہم الفاظ کو لیکر انسے یہ فایدہ اُٹھایا کہ اپنا ایک سلسلہ قایم کر لیا اور ان الفاظ کو پیش کر کے لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنیکا عجیب رستہ نکال لیا۔ اور پھر ایسے ہی لفظ جو علی محمد باب نے کہے بہار اللہ کے ہاتھ آکر اسکے دعاوی کی بنیاد اور مؤید بن گئے۔ سید کاظم کی وفات کے موقعہ پر علی محمد شیراز میں تھا۔ اسکی موت کے تھوڑے دنوں بعد ملا حسین نامی اس کے پاس پہنچا۔ یہ ملا حسین بھی سید کاظم کا مرید اور علی محمد کا پیر بھائی تھا اور اس فرقہ میں ایک بڑا بارسوخ آدمی تھا۔ جب دونوں باہم ملکر اپنے مرشد کے حالات اور اسکی وفات کا ذکر کر رہے تھے تو اُسی گفتگو کی اثنا میں علی محمد نے اپنا دعویٰ پیش کر دیا کہ دراصل "حق" سے مراد سید کاظم مرحوم کی میرا ظہور ہی تھا اور وہ وسیلہ جسکے واسطے سے امام مہدی کے ساتھ لوگوں کا تعلق قایم ہو سکتا ہے وہ باب ہے اور باب میں ہی ہوں۔ یہ امر واضح طور پر کھل نہیں سکا کہ اس دعوے کا اعلان کرنیکے ابتدائی زمانہ میں علی محمد اپنے فرقہ شیخی کے عقاید سے کسقدر تجاوز اور بُعد اختیار کیا۔ لیکن جب یہ بات دیکھی جاتی ہے کہ اس فرقہ کے اکثر لوگوں نے اسے بلا قیل وقال اپنا پیشوا تسلیم کر لیا۔ تو پھر یہ گمان غالب یقین کے مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے کہ ابتدا میں اس نے فرقہ شیخی کے عقاید سے کچھ

انحراف نہ کیا تھا اور اگر کوئی اختلاف کیا بھی تھا تو وہ ایسا خفیف تھا کہ جو اُن لوگوں کو محسوس نہ ہو سکا۔ اسمیں کلام نہیں کہ علی محمد جیسا کہ موقعہ گیری میں ہشیار تھا ویسے ہی طلاقت لسان اور فصاحت بیان مین بھی ید طولیٰ رکھتا تھا۔ چنانچہ اسکی جادو بیانی کا پہلا کرشمہ یہ ظاہر ہوا کہ ملّا حسین نے اس دعوے کو وہیں تسلیم کر لیا۔ فرقہ شیخی میں ملّا حسین بڑی وجاہت اور رسوخ رکھتا تھا اور اپنی قوم کی متفقہ تعظیم و تکریم پر ایسی ملکیت رکھتا تھا کہ سارے لوگ سید کاظم کی خلافت کے لیے اسی پر آنکھ رکھے ہوئے تھے۔ لیکن جب اسی شخص نے علی محمد کے دعوے کو مان لیا۔ اور اسکے سلسلہ میں داخل ہونیمیں سبقت کر دی تو پھر اسکی دیکھا دیکھی سارا فرقہ کا فرقہ ہی علی محمد کی طرف اُمڈ پڑا۔ اور جوق در جوق لوگ اسکی مریدی میں داخل ہونے شروع ہو گئے۔ چونکہ علی محمد کو فرقہ شیخی نے باب مان لیا تھا اور عام طور پر اسکو باب کے نام سے مخاطب کیا جانا شروع ہو گیا اس لیے ہم آیندہ جہاں باب کا ذکر کریں گے اس سے مراد مرزا علی محمد باب ہی ہوگا۔ باب کی ہشیاری اور زمانہ فہمی نے یہیں تک اسکو چین نہ لینے دیا۔ بلکہ رفتہ رفتہ وہ اپنے مورث کے عقاید سے قوم کو پرے لیجاتا رہا اور بڑھتے بڑھتے بڑے بڑے دعووں کو اپنی خواہشات کے پرواز کا آماجگاہ بنایا۔ چنانچہ باب سے بڑھکر اس نے یہ ظاہر کیا کہ میں ”نقطہ“ ہوں۔ اس سے اسکی مراد یہ تھی کہ میں وہ نقطہ ہوں جس میں مجھسے پہلے کے سارے سلسلے جمع ہو گئے ہیں۔ درحقیقت باب کے دعوے ایسے مہمل ہیں کہ دیوانوں کی بڑ سے زیادہ کچھ بھی انہیں سے سمجھا نہیں جا سکتا۔ اور اس لیے کوئی معین اور نتیجہ خیز بات انسے سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ پھر یہ کہ جو مصطلحات انہوں نے اختیار کیے ہوئے ہیں وہ خود وضاحت اور فہم کے دشمن ہیں۔ حال میں ایک عورت مسماۃ ایزابیلا ڈی برننگھم نے ایک رسالہ ”مکاشفات بہاء اللہ“ کے مضمون پر شایع کیا ہے۔ اس رسالہ میں جو دعوے باب کی طرف اس مصنفہ نے منسوب کیے ہیں انکو ذیل میں لکھا جاتا ہے ”باب کے وجود سے اسلامی پیشگوئی جو بارھویں امام کے ”واپس آنیکے“ متعلق تھی پوری ہوئی۔ اسی طرح زردشتیوں کے ہاں جو پیشگوئی مشہور ہے کہ ”جب تین برگزیدہ ظاہر ہونگے تو زمانہ جدید کی ’صبح‘ ہوگی“ وہ پیشگوئی بھی باب کے آنیسے پوری ہوئی۔ ”باب ہی اسرائیلی ایلیا تھا۔ ایلیا کے روحانی معنے ہیں اور ایک مشن کی علامت اور پیشرو کا پیغام ہے“ ”باب ہی کے آنیسے عیسائیوں کے ہاں کی ’اس فرشتہ‘ والی پیشگوئی پوری ہوئی۔ جو نرسنگے کی آواز کے ساتھ ابن آدم کے آنیسے پہلے آئیگا۔ نرسنگے کی آواز سے مراد وہ بروزی کلام تھا جو باب کے ذریعہ سے بولا گیا“ غرض کچھ تو باب کے دعووں میں تعلّی تھی ہی لیکن بمصداق مریدان مے پرانند۔ اسکے مریدوں نے سارے جہان کے سلسلوں کی پیشگوئیوں کا مصداق بنانے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ باب کے اپنے ہی دعوے اور کلام ایسے مجمل اور بے معنی ہیں کہ کسی پیشگوئی مزعومہ کا پورا ہونا اسکی ذات سے قیاس کرنا ہی غلط ہے۔ ایک طرف یہ ابہام اور دوسری طرف اپنے قیاسی مکاشفات کو لوگوں کی نظروں سے مخفی رکھنے میں جہد بلیغ کام میں لائی جاتی ہے چنانچہ اس سلسلہ کی سب سے اہم کتاب ’بیان‘ ہے جسکو بابی لوگ باب کی الہامی کتاب سمجھتے ہیں۔ یہ کتاب آجتک بابیوں کے سوا کسی کو دکھائی نہیں جاتی۔ بلکہ بابیوں میں بھی اُنہیں لوگوں کو دکھائی جاتی ہے جو انکے نزدیک منتخب اور انکی طرز پر قابل اعتبار لوگ ہیں۔ جو لوگ اس کتاب کو

دیکھنے کا حق رکھتے ہیں یا جنہوں نے اسکو دیکھا ہے وہ باب کے کسی دعوی کا اسکی طرف سے کوئی ثبوت پیش نہیں کرتے۔ اس لیے جن پیشگوئیوں کا مصداق باب کے مرید اسکو بنانیکی کوشش کرتے ہیں انکی نسبت ذرہ بھر بھی ثبوت موجود نہیں کہ انمیں سے کوئی ایک بھی اس کے ذریعہ سے پوری ہوئی ہو۔ اور اس کمی کو باب کے حامی پورا کرنے سے بالکل عاجز اور ناکام ہیں۔ کسی پیشگوئی کا پورا ہونا صرف ایک شخص کا یہ دعوی کرنے سے تو مانا نہیں جا سکتا۔ کہ میں اسکو پورا کرنے آیا ہوں۔ بلکہ کسی شخص کا کسی پیشگوئی کا مصداق ثابت ہونیکے لیے ضروری ہے کہ کھلے کھلے نشانات اور صاف اور بیّن علامات اس پیشگوئی کے مصداق کی تائید میں پیش کیے جائیں۔ اور براہین قاطع وساطع سے ثبوت دیا جائے۔ لیکن باب کے متعلق صرف اتنا ہی نہیں کہ اس کی تصدیق کے لیے کوئی نشان اور دلیل موجود نہیں بلکہ اس کے برخلاف صریح علامات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اسکے وجود سے کوئی بھی ان پیشگوئیوں سے پوری نہیں ہوئی۔ اور اس سے بھی زیادہ تر غور کرنیکی بات یہ ہے کہ اسکے مرید فرط شوق اور غلبہ وہم پرستی میں پھنسکر اسکی نسبت ایسی ایسی باتیں پیش کرتے ہیں جن کا اس نے دعوی ہی کبھی نہ کیا تھا۔ جیسے مثلاً مریدوں نے اسکی نسبت یہ مشہور کر رکھا ہے کہ وہ "ایلیا" تھا یا وہ "مکاشفات والا فرشتہ" تھا۔ لیکن یہ صرف مریدوں کی بے اعتدالی کی باتیں ہیں۔ خود اس نے تقریر و تحریر میں کبھی ایسا دعوی نہیں کیا۔ اُسکا دعوی صرف اسقدر تھا کہ وہ "باب" تھا یعنی امام مہدی اور شیعوں کے درمیان واسطہ تھا جسکے وسیلہ سے امام مہدی کی بارگاہ تک شیعہ لوگ پہنچ سکتے ہیں۔ اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ اس نے آپ مہدی بننے کا کبھی دعوی کیا تھا تو پھر کہیں ثابت نہیں کہ اس نے اس دعوے کا کبھی ثبوت بھی دیا ہو۔ اس میں شک نہیں کہ امام مہدی کی پیشگوئیوں سے اسلامی کتب اسقدر لبریز ہیں کہ کوئی معتد فرقہ ایسا نہیں جو اسکے ظہور کا قائل یا منتظر نہ ہو۔ سُنّیوں اور شیعوں کی حدیثوں کی کتب میں اتنا بڑا اختلاف ہے جسکو ناظرین جانتے ہیں۔ لیکن باوجود اس اختلاف کے مہدی کے ظہور کے دونوں قائل ہیں۔ اور گو دونوں میں اسکی شناخت اور اوصاف کے متعلق اختلاف ہے لیکن اسکے ظہور کے متعلق ایک زبردست نشان کے صدور کی پیشگوئی کے بیان میں دونوں فرقوں کی کتابیں باہم متفق ہیں۔ چنانچہ دونوں گروہوں کی مسلمہ کتب حدیث میں مہدی کے ظہور کی بڑی علامت یہ لکھی ہے کہ ماہ رمضان میں اُن مقررہ تاریخوں پر جن کا ذکر حدیثوں میں موجود ہے چاند اور سورج کو گرہن لگے گا۔ اس نشان کی ظہور مہدی کے زمانہ کے ساتھ خصوصیت ظاہر کرنے کے لیے حدیثوں میں لکھا ہوا ہے کہ ابتدائے آفرینش عالم سے ایسا اجتماع کسوفین کبھی کسی مدعی کے وقت میں واقع ہی نہیں ہوا۔ اب یہ زبردست نشان جو ظہور مہدی کے لیے ایک زبردست شہادت تھی باب کی زندگی میں واقع نہیں ہوا۔ یعنی باب کے ظہور کے زمانہ میں نہیں ہوا۔ بلکہ یہ نشان ۱۸۹۴ء مطابق سنہ ۱۳۱۱ ہجری میں واقع ہوا۔ اور باب اس زمانہ سے بہت پہلے مارا جا چکا تھا۔ بلکہ باب تو درکنار بہائی سلسلہ کا مزعوم مسیح یعنی بہاء اللہ بھی اس کے صدور سے پہلے اس جہان سے کوچ کر چکا تھا۔ غرض اسباب سے صاف روشن ہے کہ نہ صرف باب کے دعاوی کی تصدیق کا کوئی ثبوت ہی موجود نہیں ہے بلکہ یہ کہ اُسکے دعوی صریح طور پر غلط

اور بے بنیاد تھے۔ ہمارے ناظرین اس بات کے مشتاق ہوں گے کہ دعوے کو اعلان کرنیکے بعد باب کا جو حال ہوا اسے سنیں۔ اس لیے ہم اسجگہ تھوڑا سا وہ حال بھی لکھ دیتے ہیں کہ باب نے جب اپنا دعویٰ مشتہر کردیا تو اس کے بعد اسکا اپنا کیا حال ہوا ابتدا میں کچھ عرصہ تک تو نئے مدعی کے نئے دعووں کے ساتھ یہ نیا فرقہ ترقی کرتا رہا۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ پہلے پہل باب اور اسکے مرید شعائر و احکام اسلام پر چلتے تھے۔ یہ بات محض قیاسی نہیں بلکہ بہت مضبوط وجوہ سے ثابت ہے۔ چنانچہ دعویٰ کا اعلان کرنیکے تھوڑا عرصہ بعد ہی وہ حج بیت اللہ کرنے گیا۔ اور پھر باب اور اس کے مرید ہر جگہ سنیوں اور شیعوں کے مولویوں اور مجتہدوں کے ساتھ مباحثات کرکے اپنا مسلمان ہونا ثابت کرنیکی کوششوں میں مشغول رہے۔ حقیقت میں بابی مذہب ابتدا سے ہی دو رخی چال پر بنا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ جس کے ظاہر اور باطن کو ایک دوسرے سے بالکل جدا اور مختلف صورتوں پر رکھنے کی کوشش اسکے اہمیات میں ابتدا ہی سے داخل ہے۔ چنانچہ زمانہ آغاز میں جب بابی لوگ اپنے مسلمان ہونیکو ثابت کرنے کیلیے مباحثات کے جنون میں پڑے ہوئے تھے تو اُسوقت بھی اس میں اباحت پسند لوگوں کا ہجوم بڑھتا گیا۔ چونکہ اہل زمانہ کا میلان عام طور پر دینی پابندیوں سے گریز اور ادائے شعائر میں آسانی اور اباحت پسندی کی طرف زیادہ ہوتا ہے۔ اس لیے ابتدا ہی میں باب نے اپنے دو رخی سلسلہ کے ظاہر و باطن کو بڑی ہشیاری سے جدا کردیا تھا۔ چنانچہ گو ظاہر میں اس کی اور اس کے مریدوں کی کوششوں کا سارا مدار انکے اپنے آپ کو مسلمان ثابت کرنے پر ہی معلوم ہوتا تھا۔ جس سے انکی غرض ایک تو یہ تھی کہ موجودہ سوسائٹی سے اپنے تعلقات میں انقطاع واقع نہ ہو۔ اور دوسرے اس التباس آمیز پیرایہ میں لوگوں کو اپنے دام تزویر میں لانیکے لیے اجنبیت سلسلہ کی دقتیں پیش نہ آئیں۔ لیکن دراصل اندرونی طور پر باب کی تعلیم اسلام اور اُس کے احکام کی اتباع سے جدا کرنیکے مقصد پر مبنی تھی۔ البتہ اس اصلی غرض کو بڑی کوشش سے مخفی رکھنے کا سبق بڑی احتیاط سے دیا جاتا تھا۔ بظاہر تو باب اور اس کے مرید پبلک اور حکام پر اپنا مسلمان ہونا اور دائرہ اسلام کے اندر رہنا ہی ثابت کرنیکی کوششوں میں سرگردان معلوم ہوتے تھے لیکن یہ انکے حالات کی اصل حقیقت نہیں اصل مذہب مخفی رکھا جاتا تھا اور وہ اسلامی فرایض اور احکام سے لوگوں کو پرے ڈالنا اور اس کی بجائے اباحت پھیلانا تھا اور اب بھی ہے اس کے ماسوا انکے مذہب میں پولٹیکل اور سوشل بے اعتدالی پھیلانیکے اجزا ایسے مخفی طور پر بھرے ہوئے تھے کہ حکومت ایران اور پیشوایان مذہب اہل تشیع اور خود اہل تشیع اسکو بہت خطرناک سمجھتے تھی۔ اس لیے باب کو اپنے مذہب کی اشاعت اور اپنے اصول و عقاید کی تبلیغ سے منع کردیا گیا۔ مگر وہ ایسا ہشیار آدمی تھا کہ بظاہر تو سیاست ملکداری کے رعب سے ایسا نظر آتا تھا کہ اُس نے اس فرمان کی اطاعت کرلی ہے۔ لیکن مخفی طور پر اس نے اسکی کوئی پروانہ کی اور برابر اپنے عقاید و اصول کی اشاعت میں لگا رہا۔ آخر اُس کے اصرار اور نافرمانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت کو قاہری پہلو اختیار کرنا پڑا۔ بابی لوگ اعتدال سے ایسے بڑھے کہ امن عامہ میں انکے وجود سے خلل پیدا ہونے لگا یہانتک کہ حکام کے ساتھ بھی وہ لوگ اُلجھ پڑے۔ آخر دولت ایران کے مدبروں نے اس بے امنی کو روکنے اور امن عامہ

قایم رکھنے کے خیال سے یہی مناسب سمجھا کہ باب کو زندان میں بھیجدیا جائے۔ چنانچہ اسکو قیدخانہ میں بھیجدیا گیا۔ لیکن جسوقت اسکو قید کیا گیا وہ ایسا زمانہ تھا کہ اسکا فرقہ خاصی ترقی کرچکا تھا۔ اور اس کے سلسلہ کے جوشیلے واعظ بڑی سرگرمی کے ساتھ مختلف حصص ملک میں اس نئے مذہب کے پھیلانے میں مصروف تھے۔ ان واعظوں میں سے تین ایسے ہوئے ہیں جنہوں نے بڑی شہرت حاصل کی۔ ان میں سے ایک وہی ملّا حسین بشرا و یہ تھا جس کی نسبت ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کہ سید کاظم کی وفات پر فوراً علی محمد کے پاس یہ خبر لیکر پہنچا کہ ہمارے پیر نے اپنی خلافت کا کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ بلکہ یہ کہکر فوت ہو گیا کہ حق خود ہی ظاہر ہوگا اور جس کی بات سُنتے ہی علی محمد نے اپنے دعوے کی پٹڑی جمالی اور سب سے پہلے وہی اسکے دعوے کا مصدق ہو گیا تھا۔ چونکہ علی محمد نے "باب" سے شروع ہوکر "نقطہ" انتہائی تک اپنے دعووں میں پرواز کرلیا تھا۔ اور اس سے آگے بڑھ جانیکی وجہ سے "باب" کا عہدہ خالی تھا اس لیے ملّا حسین اسکے شاگرد اوّل نے عہدہ "باب" کی خالی گدّی پر اپنے آپ کو بٹھادیا۔ دوسری ایک عورت تھی جس کا نام "زرّین تاج" تھا یہ عورت حسن وجمال میں ایسی شہرۂ آفاق تھی کہ اس کے کمال حُسن کی وجہ سے بابی اسکو قرۃ العین کہتے تھے۔ نہ صرف خوبی صورت ہی کی وجہ سے اس عورت میں کشش تھی بلکہ اسکی زبان میں بھی ایسی طلاقت اور ملاحت تھی کہ جب تقریر کرتی تو سامعین کے دل کھینچ لیتی۔ چنانچہ جب حکومت کے تشدّد کی وجہ سے اکثر بابیوں نے اپنے مذہب کو چھوڑ کر توبہ کرنیکا مصمم ارادہ کرلیا تو اسکی تقریروں نے انکے دلوں میں اسی مذہب پر جمے رہنے کے لیے ازسرنو آمادگی کی روح پھونک دی۔ اور انکی ہمت کے عقدوں کو مضبوط کردیا۔ اسکی آتش بیانی کے شعلوں نے اُن کے تذبذب کو جلاکر استقلال اور عزیمت کو اس کی جگہ نصب کردیا۔ تیسرے شخص کا نام محمد علی بالفروشی تھا۔ جو نیز اپنے سلسلہ کے واعظین میں بہت مشہور و معروف تھا۔ غرض علی محمد کے قید ہوجانیسے اسکے مذہب کی اشاعت میں کوئی فرق نہ آیا۔ جابجا بابی لوگ اسکے پھیلانے میں طرح طرح کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں بےامنی بڑھ گئی اور حکومت سے خانہ جنگی شروع ہوگئی جس میں بہت سے بابی کام آئے۔ لیکن اس طرح بابیوں کے مرنیسے فتنہ و فساد میں تخفیف نہ ہوئی۔ بلکہ بڑھتے ہی گئے۔ اس لیے دولت ایران کے مدبّروں نے یہی مصلحت مقتضائے وقت قرار دی کہ ان مفاسد کو قطعی طور پر روکنے کا علاج یہی ہے کہ انکی جڑھ یعنی علی محمد کو ہی ہلاک کردیا جائے۔ چنانچہ اسی قرارداد کے رو سے اسکو چہریک سے جہاں وہ تین سال سے قید تھا تبریز میں پابجولان پہنچایا گیا۔ اور اسے اپنے پُرفتن دعوے سے باز آنیکی ہدایت کی گئی۔ لیکن اسنے توبہ سے انکار کیا اور یہی کہتا رہا کہ میں "نقطہ" ہوں۔ آخرکار اسکو دونوں ہمراہیوں سمیت توپ سے اُڑا دیے جانیکا حکم نافذ کیا گیا۔ ان میں سے ایک نے تو یہ حکم سُنکر توبہ کرکے اپنی جان بخشی کرالی اور دوسرا اپنے پیشوا کے ساتھ ۱۸۵۰ء میں مارا گیا۔ اسوقت علی محمد ایک تیس سالہ نوجوان تھا۔ اور اس کے سلسلہ کی عمر چھ سال سے زیادہ نہ تھی۔ ابھی اسکے پرواز کی اُمنگیں دل ہی میں تھیں اور حصول عروج کی متفاوت منصوبوں کی ہوائیں اور انکے حصول کی انتہائی تجویزیں اور ارادے دماغ ہی کے صندوقچہ میں مقفل تھے کہ اُس غیور خدا نے جو ایسے جھوٹے مدعیوں کے دعووں کو پختہ ہونیکے آخری مرحلہ تک نہیں پہنچنے دیتا۔ اور جو ہمیشہ ایسے

منصوبہ بازوں کی راہ ہی میں رگ جان کاٹ لیتا ہے۔ اس نے عیار مدعی کاذب کو بھی اُٹھتے ہی حلق سے پکڑا اور اسکی رگ جان کاٹ دی۔ اسکی جوانان مرگ موت جو دعوے سے تھوڑے سال بعد واقع ہوگئی اسکے گستاخیوں سے بھرے ہوئے ادعائے الہیوں سے لبریز اترائو اور تکبر سے پُر دعووں کے بدلے میں آسمانی سزا تھی۔ جو اسکے کذاب اور مفتری علی اللہ ہونے پر آسمانی مُہر ہے۔ یہ بات قرآن شریف میں بھی لکھی ہے اور بائبل میں بھی درج ہے کہ نبوت اور الہام کا جھوٹا مدعی بہت جلد مارا جاتا ہے۔ چنانچہ کتاب استثناء ۱۸/۲۰ میں لکھا ہے "پر وہ نبی جو میرے نام سے کوئی بات کہنے کا دعویٰ کریگا۔ جو میں نے اس کو کہنے کا حکم نہیں دیا۔ یا جو دوسرے معبودوں کے نام پر بولے گا وہ نبی قتل کیا جاویگا" اور قرآن شریف کی سورۃ الحاقہ ۶۹ کی آیات ۴۴-۴۷ میں لکھا ہے ﴿ولو تقول علینا بعض الاقاویل ○ لاخذنا منہ بالیمین ○ ثم لقطعنا منہ الوتین ○ فما منکم من احد عنہ حاجزین﴾۔ یعنی اگر یہ نبی ہمپر کوئی جھوٹی بات بناتا تو یقیناً ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے اور اسکی رگ جان کاٹ ڈالتے۔ اور تم میں سے کوئی ہم کو اس سے باز رکھنے والا نہ ہوتا" اس آیت کے مضمون سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سچے اور جھوٹے نبی کی شناخت کے لیے یہ مابہ الامتیاز مقرر کیا ہوا ہے کہ جو شخص اس دعوی میں کذاب اور مفتری علی اللہ ہوتا ہے اسکو جلد ہلاک کیا جاتا ہے چونکہ علی محمد اس بات کا مدعی تھا کہ گویا اسکو اللہ کیطرف سے الہام ہوتا ہے (اگرچہ اسکا مفہوم الہام الگ تھا) اور اس دعوے میں مفتری علی اللہ اور کذاب تھا۔ اس لیے اسکو بائبل اور قرآن شریف کے مندرجہ مابہ الامتیاز کے روسے ہلاکت نصیب ہوئی۔ اسکی بیوقت جوانان مرگ موت اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ وہ اپنے دعووں میں حق پر نہ تھا۔ جب علی محمد "باب" اور "نقطہ" اپنے ہوا و ہوس کے سلسلہ کو ادھورا چھوڑ کر بہزار حسرت و ذلت اس طرح بیوقت مارا گیا تو ایک شخص میرزا یحییٰ نامی ساکن نور بابیوں کا پیشرو مانا گیا۔ بابی لوگ عتاب سلطنت دیکھکر مرعوب ہوئے تھے انہوں نے اسکی پیروی کو قبول کرنے میں کوئی اعتراض نہ کیا۔ بلکہ ایسے خوف کے وقت میں غنیمت سمجھا۔ بابی فرقہ کے پیشرووں میں نئے نئے لقب اختیار کرنیکا بڑا شوق رہا ہے چنانچہ میرزا یحییٰ نے بھی پیشوائی کے جادہ پر بیٹھتے ہی "صبح ازل" کا لقب اپنے لیے اختیار کیا۔ اس کے دو سال بعد ۱۸۵۲ء میں بابیوں کی پولٹیکل اصلیت جسکو وہ بڑی کوشش سے چھپاتے رہتے تھے کسیقدر عیاں ہوگئی۔ انہوں نے مخفی در مخفی منصوبہ بازیوں سے شاہ ایران کی جان پر حملہ کیا۔ لیکن بادشاہ کی خوش قسمتی سے انکو کامیابی نصیب نہ ہوئی بلکہ بہت سارے بابی موقع پر گرفتار ہوگئے۔ اور خطرناک پولٹیکل منصوبہ انکا ظاہر ہوا جسکی وجہ سے بہت سارے بابی ماخوذ ہو کر قتل کیے گئے۔ اور وہ مشہور قرۃ العین بھی اسی منصوبہ باز گروہ کے ساتھ اپنی گستاخیوں کی سزا کو پہنچی یعنی ہلاک کیگئی۔ یہ حالات دیکھکر اور اپنے سلسلہ کے منصوبوں کو اس طرح ناکام ہوتا پاکر صبح ازل کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ اور وہاں رہنا اسکو دوبھر معلوم ہونے لگا۔ آخر وہاں سے کسی دوسرے ملک میں بھاگ جانیکی ٹھان لی۔ چنانچہ وطن سے بھاگ کر شہر بغداد میں آٹھہرا۔ اور اسی جگہ اپنا قیام اختیار کیا۔ اور وہیں اپنے مذہب کی اشاعت امن سے کرتا رہا۔ اس شخص پر کچھ ایسا رُعب طاری ہوا تھا کہ بغداد میں آکر بھی اس نے خلوت نشینی اختیار کی

اور اشاعت و ترقی سلسلہ کا کام اپنے چھوٹے بھائی مرزا حسین علی کے سپرد کر دیا۔ مرزا حسین علی بابی برادری میں ایک ادنیٰ حالت میں تھا۔ اور باب کے مرنیکے دس سال بعد تک وہ اسی حال پر قانع رہا۔ ۱۸۵۹ء ۱۸۵۸ء میں اس نے اس مذہب کی تائید میں ایک کتاب لکھی جسمیں مباحثات درج تھے اس کتاب میں اسنے مرزا یحیٰی صبح ازل کی روحانی حکومت تسلیم کی۔ باب کی کتابوں میں ایک اور موعود کی پیشگوئی درج تھی جسکو اس نے من یظہرہ اللہ کے نام سے موسوم کیا ہوا تھا۔ باب نے اسکے ظہور کا کوئی زمانہ معین نہیں کیا تھا۔ اور اسکی آمد کے کوئی نشان بھی مقرر نہ کیے تھے البتہ اتنا لکھا ہوا تھا کہ جب وہ آئیگا تو سب اسکو قبول کریں گے۔ اب باب کے ان لفظوں کی زہر کا اثر حسین علی کے دماغ میں سرایت کرنے لگا۔ اپنے بھائی صبح ازل کی خلوت نشینی اور اسکی نیابت کی پوزیشن سے فایدہ اُٹھانیکا خیال پیدا ہو گیا چنانچہ ۱۸۶۳ء میں موقعہ پاکر اعلان کر دیا کہ وہ موعود من یظہرہ اللہ جسکے آنیکی باب نے اپنی کتابوں میں خبر دی تھی وہ یہی ہوں۔ پھر پیشوایان سلسلہ بابی کے معمولی مذاق اور شوق کے مطابق اسنے بھی اپنا لقب "بہاء اللہ" اختیار کر لیا۔ اس سلسلہ کو صبح ازل کی پیشوائی میں چنداں فایدہ نہ ہوا تھا۔ اور عام طور پر بابیوں کو محسوس ہو رہا تھا کہ باب اور قرۃ العین کیطرح کا کارکن اور زبان آور شخص سلسلہ کی پیشوائی کیلیے ہونا چاہیئے خلوت نشین پیشوا انکے نزدیک مفید نہ تھا۔ حسین علی اپنے بھائی کی نیابت کے زمانہ میں لوگوں کو اپنی کارروائیوں کا ثبوت دے چکا تھا۔ اور عام ہمدردی حاصل کر چکا تھا۔ جب اسکی طرف سے دعوے کا اعلان ہوا تو سب نے بڑی خوشی سے اسکو قبول کیا۔ جب حسین علی کو دعوے کے قبول کرانے میں اسقدر فوری کامیابی ہوگئی تو خلوت نشین صبح ازل کی بھی آنکھیں کھلیں۔ وہ حجرہ سے باہر نکلا اور حسین علی کے دعوے کا انکار کیا۔ اگرچہ بہت بڑی جماعت حسین علی کے ساتھ ہو چکی تھی لیکن کچھ حصہ بابی لوگ صبح ازل کے ساتھ بھی ہو گئے۔ اسوقت سے بابی سلسلہ دو فرقوں میں تقسیم ہو گیا۔ ایک بہائی فرقہ اور دوسرا ازلی فرقہ کہلانے لگا۔ یعنی ایک وہ لوگ جو بہاء اللہ (حسین علی) کے دعووں کے مصدق ہوئے اور دوسرے وہ لوگ جو صبح ازل کے ساتھ ملے رہے۔ ان دونوں فرقوں میں باہمی عناد بڑھتا گیا اور جھگڑے فساد اس حد تک بڑھتے گئے کہ آخر ترکی حکومت کو یہ انتظام کرنا پڑا کہ یہ دونوں فرقوں کے پیشوا علیحدہ علیحدہ دور جگہوں میں سکونت رکھیں۔ چنانچہ ۱۸۶۸ء میں بہاء اللہ کو شہر عکہ علاقہ شام میں اور صبح ازل کو نا گستہ جزیرہ سائپرس میں بھیجدیا گیا۔ بہاء اللہ تو اسی جگہ ۱۶ مئی ۱۸۹۲ء کو فوت ہوا۔ اور اسی جگہ اسکا مدفن بنایا گیا۔ بہاء اللہ کے مرنیکے بعد اس کا بیٹا عباس افندی اسکا گدی نشین ہوا۔ لیکن ایک دوسرا بیٹا محمد علی اپنے بھائی عباس آفندی کی کامیابی کو پسند نہ کر کے آپ گدی نشینی کا مدعی ہوا۔ عباس آفندی کا سکہ پہلے بیٹھ چکا تھا اسلیے محمد علی کی دال گلنی مشکل ہو گئی لیکن تاہم اپنی ایک جماعت قلیل اسکی طرفداری پر بھی استادہ ہو گئی اور اس کے دعوے کو تسلیم کیا۔ اگرچہ عباس آفندی کا رسوخ بیرونی جماعت میں بہت بڑھا ہوا ہے لیکن خاص عکہ میں محمد علی کا رسوخ زیادہ ہے اور بہاء اللہ کے مدفن کی حفاظت اور گدی نشینی اسی کے حصہ میں آئی ہوئی ہے۔ بہائی سلسلہ مشرق ہی تک محدود نہیں رہا بلکہ مغرب میں جا پہنچا ہے۔ خیر اللہ نامی بہائی مشنری ریاستہائے متحدہ امریکہ میں بھی اپنے مذہب کے مسائل کی اشاعت و منادی کیلیے پہنچگیا۔ اور ۱۹۰۰ء میں امریکہ میں تین ہزار کے قریب لوگ اس سلسلہ میں داخل ہو چکے تھے۔ اور اگر اسکی ترقی کی رفتار آجتک یہی رہی ہوگی تو اس میں داخل ہونیوالے لوگوں کی تعداد آجتک بہت ترقی کر گئی ہوگی۔

مسلمان اور جہاد

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۷ مئی ۱۹۰۷ء کو ایک اشتہار بعنوان "اپنی تمام جماعت کے لیے ضروری نصیحت" شایع فرمایا تھا جو انگریزی میں بھی سول اینڈ ملٹری گزٹ اور پایونیر اور بعض دیگر اخبارات میں شایع ہوا۔ اس اشتہار کو پڑھکر ایک صاحب سید محمد نام نے ایک چٹھی اخبار سول مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۰۷ء میں شایع کی ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ مرزا صاحب نے جو مولوی عبد اللطیف کی سنگساری کے متعلق لکھا ہے کہ امیر کابل نے انکو جہاد کی تعلیم کی مخالفت کی وجہ سے سنگسار کرایا یہ غلط ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ "اگر مرزا صاحب کا ایسا لکھنے سے یہ منشاء ہے اور انکے اشتہار کے مفہوم عامہ سے یہی منشا ان کا ثابت ہوتا ہے کہ جہاد کے متعلق جو عقیدہ امیر حبیب اللہ یا عام مسلمانان ہند یا دیگر ممالک کے مسلمانوں کا ہے وہ کسی وقت مسلمانان ہند کی وفاداری میں خلل اندازی کا باعث ہو سکتا ہے تو ہم زور سے یہ کہیں گے کہ یہ بات بالکل بے بنیاد ہے" اور پھر لکھتا ہے کہ "پبلک کی اطلاع کے لیے اس امر کا ظاہر کر دینا بھی ضروری ہے کہ عبد اللطیف کا اصل قصور جسکے سبب سے اسکی جان جاتی رہی یہ تھا کہ وہ مرتد ہو گیا اور یہ ایسا جرم ہے جسکی سزا شریعت اسلامی میں موت ہے۔ مرتد وہ اس طرح سے ہوا کہ وہ مرزا غلام احمد کا جو مسلمانوں کے نزدیک مسلّم مرتد ہے مرید ہو گیا تھا"

اس کوتہ اندیش اور جہاد کے فدائی نامہ نگار کے جواب میں حضرت مسیح موعودؑ نے ایک چٹھی اخبار سول میں شایع کرنیکے لیے بھیجی جو ۲۸ مئی ۱۹۰۷ء کے اخبار میں چھپی ہے اس چٹھی کا عنوان جو خود اخبار سول نے تجویز کیا ہے وہ وہی عنوان ہے جس کے نیچے مَینے یہ مضمون لکھا ہے یعنی "مسلمان اور جہاد" اصل چٹھی جسکا ترجمہ سول میں چھپا ہے یہ ہے۔ "۷ مئی ۱۹۰۷ء کو مَینے اپنی جماعت کے لیے ایک اشتہار شایع کیا تھا جس کا خلاصہ مطلب یہ تھا کہ اگرچہ گورنمنٹ انگریزی کی اپنی رعایا کے ہر ایک فرقہ پر حقوق ہیں کیونکہ تمام لوگ اُسکی پُر امن سلطنت کے نیچے زندگی بسر کرتے ہیں اور اسکے سایہ حمایت کے نیچے ہر ایک ظالم کے پنجہ سے محفوظ ہیں اور سب پر واجب ہے کہ اُس کا شکر کریں اور عملی طور پر اپنی اطاعت کو دکھلاویں۔ لیکن سب سے زیادہ میری جماعت پر فرض و واجب ہے کہ اس گورنمنٹ کو سایہ عنایت و حمایت کا قدر کریں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت نے آسمان کے نیچے اس جماعت کے محفوظ رہنے کیلیے صرف یہی گورنمنٹ مقرر کر رکھی ہے جسکی ظل حمایت میں یہ جماعت ہر ایک ظالم کے پنجہ سے محفوظ ہے ورنہ اگر مکہ اور مدینہ میں بھی یہ لوگ رہنا چاہیں تب بھی انکی جان کی خیر نہیں۔ کیونکہ ہر ایک ملک کے مُلّانوں کی طرف سے انپر واجب القتل ہونیکا فتویٰ ہے اس تحریر میں نظیر کے طور پر مَینے یہ بھی بیان کیا تھا کہ مولوی عبد اللطیف صاحب کا امیر کابل کے حکم سے سنگسار ہونا میرے اس بیان کا شاہد ناطق ہے کہ وہ میری بیعت کرنیکی وجہ سے کس بیرحمی سے سنگسار کیے گئے اور صرف جہاد کا منکر ٹھہرا کر پتھروں کے ساتھ انکو ہلاک کیا گیا۔ یہ ہی خلاصہ میرے اشتہار ۷ مئی ۱۹۰۷ء کا۔ اس میرے بیان کے رد کرنیکے لیے ایک صاحب سید محمد سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۰۷ء میں لکھتے ہیں کہ عبد اللطیف کا اصل قصور جس کی وجہ سے وہ سنگسار کیا گیا یہ تھا کہ وہ مرتد ہو گیا تھا اور

ارتداد ایک ایسا جرم ہے جس کی سزا شریعت اسلامی کی رو سے قتل ہے۔ اس کا مرتد ہونا اس وجہ سے تھا کہ وہ مرزا غلام احمد کا پیرو بن گیا جو تمام مسلمانوں کے درمیان مرتد تسلیم کیا گیا ہے (یعنی مرزا غلام احمد بھی واجب القتل ہے کیونکہ مرتد ہے) اب میں مختصر طور پر اپنی محترم گورنمنٹ کو اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ صاحب راقم نے اپنی اس تحریر میں قبول کر لیا ہے کہ ہم سب لوگ جو اس عادل گورنمنٹ کے سایہ کے نیچے کئی لاکھ تک پہنچ گئے ہیں انکی شریعت کے رو سے واجب القتل ہیں پس جبکہ یہ حال ہے تو ہم اس گورنمنٹ کا سچے دل سے قدر کریں یا نہ کریں اور اسکو چھوڑ کر کہاں جائیں اور کدھر جائیں۔ اسوقت میں امیر حبیب اللہ خان پر کوئی حملہ مولوی عبد اللطیف کے مارے جانیکی وجہ سے نہیں کرتا کیونکہ انہوں نے اپنی شریعت کی رو سے انکو واجب القتل سمجھا سو قتل کر دیا اور اپنے زعم میں بڑے ثواب کا کام کیا کہ انکو سنگسار کر دیا اور انکے عیال و اطفال جلاوطن کر کے ہمیشہ کے لیے قید میں ڈالے گئے۔ لیکن اس تمام تحریر سے میری غرض تو یہ تھی کہ ہماری اس عادل گورنمنٹ نے ایسا فتویٰ نہیں دیا کہ ان سب کو قتل کر دینا چاہیئے پس ہم اس گورنمنٹ کے کیونکر شکر گذار نہ ہوں۔ اس لیے میں نے لکھا تھا کہ میری تمام جماعت کے لوگ اس بات کو حفظ کر لیں کہ اگر وہ بھی مولوی عبد اللطیف کی طرح اس گورنمنٹ کے سایہ عاطفت سے باہر قدم رکھیں گے تو وہ بھی ایسے ہی سنگسار کیے جائیں گے۔ پس انکو چاہیئے کہ نہ کسی بناوٹ سے بلکہ سچے دل سے اس گورنمنٹ کی اطاعت کریں اور ہر ایک وقت پر خدمت کے لیے تیار رہیں۔ یاد رہے کہ میں امیر حبیب اللہ خاں کی کوئی شکایت نہیں کرتا اور خاص طور پر انپر کوئی الزام نہیں لگاتا انہوں نے ملّانوں کے فتووں پر عمل کر دکھایا اور ہر ایک اسلامی سلطنت اس فتوے پر عمل کرنیکے لیے تیار ہے امیر حبیب اللہ خاں کی کوئی خصوصیت نہیں اسی وجہ سے میں اپنے اس شایع کردہ اشتہار میں لکھ چکا ہوں کہ اگر ہماری یہ جماعت مکّہ اور مدینہ میں بھی ہوتی تب بھی وہ ایسی ہی سنگسار کیجاتی جیسا کہ کابل میں مولوی عبد اللطیف کیا گیا۔ رہا جہاد پس ہم جو ان مخالف مسلمانوں کی نظر میں مرتد اور واجب القتل ٹھہرے تو اسکی یہ وجہ نہیں کہ ہم خدا اور اس کے رسول اور قرآن شریف سے منکر ہیں جسکو شک ہو ہماری کتابیں دیکھ لے بلکہ اصل وجہ یہی ہے کہ ہم اس بات سے منکر ہیں کہ اب بھی کسی جہاد کی ضرورت ہے اور یا کسی ایسے مہدی اور مسیح کی ضرورت ہے کہ کسی وقت خونریزی کر کے اسلام کو پھیلائیگا۔ اور اسمیں کچھ شبہ نہیں کہ ایسے اعتقاد جاہلوں کے لیے خطرناک ہیں انہیں اعتقادوں نے سرحدی وحشیوں کا ستیاناس کیا ہے جس نے مہدی ہونیکا دعویٰ کیا اور تلوار اٹھائی اسکی مدد کی اسی عقیدے جو پہلے سے جاہل لوگوں کے دلوں میں ہوتے ہیں خواہ نخواہ وحشی لوگوں کو ایسے مہدی کی طرف کھینچتے ہیں اسلام کی پاک تعلیم اور اس کے روشن نشان کسی جہاد کے محتاج نہیں یہ محض غلطیاں ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ عقلمند لوگ ایسے اعتقادوں سے دن بدن دست بردار ہوتے جاتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہمارے مخالف مسلمان گورنمنٹ کے سچے مطیع نہیں ہیں بلکہ بلاشبہ مطیع ہیں مگر کاش اگر ایسا اعتقاد نہ ہوتا تو اچھا تھا۔

طاعون سے حفاظت

ذیل کا اعلان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے اخبارات میں شایع ہوا ہے ہم بھی اہل ملک کے فایدہ کیلیے اسے

یہاں درج کرتے ہیں تا کوئی طالب حق اور کوئی سعید دل اس سے فایدہ اُٹھائے - یہ اعلان متعلق اس الہام الٰہی کے ہے جو مدت ہوئی کتابوں اور اخباروں میں شایع ہو چکا ہے یعنی انی احافظ کل من فی الدار جس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اس گھر یعنی تیرے گھر کی چار دیواری کے اندر ہے میں اسکی حفاظت کرونگا اور اسی طاعون سے محفوظ رکھونگا - اس اعلان کے شایع ہونے پر بعض مخالفین نے کم فہمی سے اور بعض نے حسب عادت محض لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے یہ اعتراض کیا ہے کہ کشتی نوح میں کل من فی الدار سے مراد کل پیرو لیے گئے ہیں - اور اسکے ثبوت میں کشتی نوح کے یہ الفاظ پیش کیے ہیں "پس جو شخص میری تعلیم پر پورا پورا عمل کرتا ہے وہ اس میرے گھر میں داخل ہو جاتا ہے جس کی نسبت خدا تعالیٰ کے کلام میں یہ وعدہ ہے انی احافظ کل من فی الدار یعنی ہر ایک جو تیرے گھر کی چار دیوار کے اندر ہے میں اسکو بچاؤنگا - اسجگہ یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ وہی لوگ میرے گھر کے اندر ہیں جو میرے اس خاک و خشت کے گھر میں بود و باش رکھتے ہیں بلکہ وہ لوگ بھی جو میری پوری پیروی کرتے ہیں میرے روحانی گھر میں داخل ہیں" چنانچہ اس عبارت کو نقل کر کے ایک معترض جو جھوٹ کو شیر مادر سمجھتا ہے لکھتا ہے "اس تشریح سے اس الہام کا مطلب صاف کھل گیا کہ مرزا صاحب کا کوئی پیرو طاعون سے نہیں مریگا" افسوس ہے کہ ان لوگوں کی کجدلی یہانتک بڑھگئی ہے کہ راستی اور حق کی مطلق کچھ پروا نہیں کرتے - ہم ایسے شخص کو بجز لعنۃ اللہ علی الکاذبین کے اور کیا کہیں یہ کہاں سے نتیجہ نکلا کہ کوئی پیرو بھی نہیں مریگا - پھر جہاں سے اس چالاک معترض نے یہ فقرہ لیا ہے اس سے پہلے بڑی وضاحت کے ساتھ سب کچھ بیان کیا گیا ہے دیکھو کشتی نوح کے ابتدا میں ہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لکھا ہے "خدا نے چاہا ہے کہ اس زمانہ میں انسانوں کے لیے ایک آسمانی رحمت کا نشان دکھاوے سو اسنے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ تو اور جو شخص تیرے گھر کی چار دیوار کے اندر ہوگا اور وہ جو کامل پیروی اور سچے تقویٰ سے تجھ میں محو ہو جائیگا وہ سب طاعون سے بچائے جائیں گے ..... لیکن وہ جو کامل طور پر پیروی نہیں کرتا وہ تجھ میں سے نہیں" اب اس عبارت سے صاف طور پر ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ تین قسم کے لوگوں کے متعلق ہے اوّل خود مورد وحی علیہ الصلوٰۃ والسلام - دوم - جو شخص اسکے گھر کی چار دیوار کے اندر ہوگا - سوم - اور وہ جو کامل پیروی اور سچے تقویٰ سے اس میں محو ہو جائیگا - تیسری قسم کے لوگوں کے متعلق کامل پیروی اور اطاعت اور سچے تقویٰ کی شرط ہے - اور پھر تھوڑا آگے چلکر اسکی اور بھی تشریح کی ہے "اور نسبتاً اور مقابلۃً اس سلسلہ پر اسکا خاص فضل رہیگا گو کسی کی ایمانی قوت کے ضعف یا نقصان عمل یا اجل مقدر یا کسی اور وجہ سے جو خدا کے علم میں ہو کوئی شاذ و نادر کے طور پر اس جماعت میں بھی کیس ہو جائے" پس کشتی نوح میں دونوں وعدے الگ موجود ہیں - مگر یہ دعویٰ کہیں نہیں کیا گیا کہ جو شخص بیعت کریگا اسکو طاعون نہیں ہوگی - اس میں شک نہیں کہ الدار کے روحانی معنے بھی ہیں اور جسمانی بھی مگر روحانی معنوں کے لیے یعنی اس صورت میں جب بیعت کرنیوالے اس وعدے میں شامل کیے گئے ہیں تو انکے ساتھ یہ شرط موجود ہے کہ وہ کامل طور پر تعلیم پر چلنے والے اور کامل پیروی اور اطاعت کرنیوالے ہوں اور کھلے الفاظ میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ "ایمانی قوت کے ضعف یا نقصان عمل یا اجل مقدر یا کسی اور وجہ سے جو خدا کے علم میں ہو" ان میں سے بعض لوگ اس بیماری سے مر بھی جائیں گے - پس جہانتک دار کے جسمانی معنے ہیں اللہ تعالیٰ نے کھلے رنگ میں اس پیشگوئی کو

پورا فرمایا اللہ کوئی شخص نہیں جو کہہ سکتا ہو کہ باوجود قادیان میں کئی دفعہ طاعون کے نمودار ہونیکے اس دار کے رہنے والوں میں سے جو قریب ستّر کے پہنچ جاتے ہیں ایک شخص بھی مرا۔ باقی رہے دار کے روحانی معنے سو اسکا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے کہ کون وہ شخص ہے جو اس وعدہ میں آتا ہے۔ ہاں جس رنگ کے معنے لو اسی رنگ میں پیشگوئی پوری ہوئی۔ اب ہم اس اعلان کو نقل کرتے ہیں:

’’من اظلم ممّن افتریٰ علی اللّٰہ کذبًا او کذّب باٰیٰتہٖ۔ افسوس کہ اس ملک کے اکثر لوگ جو مولوی کہلاتے یا ملہم ہونیکا دم مارتے ہیں جب خدا تعالیٰ کا کلام اُن کو سنایا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ وہ افترا ہے انہیں لوگوں پر اتمام حجت کرنیکے لیے میں نے کتاب حقیقۃ الوحی تالیف کی ہے کب تک یہ لوگ ایسا کرینگے۔ آخر ہر ایک فیصلہ کے لیے ایک دن ہے اور ہر ایک قضا و قدر کی نزول کے لیے ایک رات ہے اسوقت میں نمونہ کے طور پر خدا تعالیٰ کا ایک کلام ان لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہوں اور بالخصوص اسجگہ مخاطب میرے مولوی ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری اور مولوی عبدالجبار اور عبدالواحد اور عبدالحق غزنوی ثم امرتسری اور جعفر زٹلی لاہوری اور ڈاکٹر عبدالحکیم خاں اسسٹنٹ سرجن تراوڑی ملازم ریاست پٹیالہ ہیں اور وہ کلام یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا ہے انّی احافظ کلّ من فی الدار واحافظک خاصّۃً۔ ترجمہ اس کا بموجب تفہیم الٰہی یہ ہے کہ میں ہر ایک شخص کو جو تیرے گھر کے اندر ہے طاعون سے بچاؤنگا اور خاصکر تجھے۔ چنانچہ گیارہ برس سے اس پیشگوئی کی تصدیق ہو رہی ہے اور میں اس کلام کے منجانب اللہ ہونے پر ایسا ہی ایمان لاتا ہوں جیسا کہ خدا تعالیٰ کی تمام کتب مقدسہ پر اور بالخصوص قرآن شریف پر۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ خدا کا کلام ہے پس اگر کوئی شخص مذکورہ بالا اشخاص میں سے یا جو شخص انکا ہمرنگ ہے یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ یہ انسان کا افترا ہے تو اُسے لازم ہے کہ وہ قسم کھا کر ان الفاظ کے ساتھ بیان کرے کہ یہ انسان کا افترا ہے خدا کا کلام نہیں۔ ولعنۃ اللّٰہ علی من کذّب وحی اللّٰہ۔ جیسا کہ میں بھی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ خدا کا کلام ہے ولعنۃ اللّٰہ علی من افتریٰ علی اللّٰہ۔ اور میں امید رکھتا ہوں کہ خدا اس راہ سے کوئی فیصلہ کرے۔ اور یاد رہے کہ میری کسی کلام میں یہ الفاظ نہیں ہیں کہ ہر ایک شخص جو بیعت کرے وہ طاعون سے محفوظ رہیگا بلکہ یہ ذکر ہے کہ والّذین اٰمنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلمٍ اولٰئک لھم الامن وھم مھتدون۔ پس کامل پیروی کرنیوالے اور ہر ایک ظلم سے بچنے والے جس کا علم محض خدا کو ہے۔ بچائے جائیں گے اور کمزور لوگ طاعون سے شہید ہو کر شہادت کا اجر پاویں گے اور طاعون انکے لیے تمحیص اور تطہیر کا موجب ٹھہریگی۔ اب میں دیکھوں گا کہ اس میری تحریر کے مقابل پر بغرض تکذیب کون قسم کھاتا ہے مگر یہ امر ضروری ہو کہ اگر ایسا مکذّب اس کلام کو خدا کا کلام نہیں سمجھتا تو آپ بھی دعویٰ کرے کہ میں بھی طاعون سے محفوظ رہونگا اور مجھے بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ الہام ہوا ہے تا دیکھ لے افترا کی کیا جزا ہے۔

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔ الراقم میرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعودؑ

تازہ وحی ۲۸ مئی ۱۹۰۶ء۔ شریف احمد (حضرت مسیح موعودؑ کا تیسرا صاحبزادہ) سخت بیمار تھا۔ الہام ہوا عمّرہ اللّٰہ علی خلاف التوقع (خدا اسکو امید سے بڑھ کر عمر دیگا) امّرہ اللّٰہ علی خلاف التوقع (خدا اسکو امید سے بڑھکر امیر کریگا) ءانت لا تعرفین القدیر (کیا تو خدائے قادر کو نہیں پہچانتی۔ مخاطب اسکی والدہ ہے) مرادک حاصل۔ اللّٰہ خیر حافظا وھو ارحم الراحمین۔

صدر انجمن احمدیہ قادیان

(۱) صدر انجمن احمدیہ کی اہم اور اصلی غرض اشاعت اسلام ہے۔

(۲) صدر انجمن احمدیہ کے متعلق اسوقت حسب ذیل کام ہیں۔

اوّل۔ ایک ہائی سکول کا انتظام جس میں انٹرنس تک دنیوی تعلیم دیجاتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ عربی اور دینیات کی اسقدر تعلیم دیجاتی ہے جس سے ایک باقاعدہ تعلیم پانیوالا طالب علم قرآن شریف کا ترجمہ اور دین کی بہت سی ضروری باتیں سیکھ لیتا ہے اور اسلام کی صداقت اور غیر مذاہب کے بطلان کے بہت سے دلایل سے آگاہ ہوجاتا ہے۔ اس مدرسہ کے متعلق ایک بورڈنگ ہوس ہے جس میں ۱۲۵ سوا سو کے قریب لڑکے ہیں علاوہ ازیں ایک گرلز سکول اور دیہات میں تین برانچ سکول ہیں۔

دوم ایک دینیات کے مدرسہ کا انتظام جس میں زیادہ تر تعلیم عربی اور دینیات کی دیجاتی ہے اور اس کے ساتھ طب اور تھوڑے تھوڑے مروجہ مضامین پڑھائے جاتے ہیں کتابت بھی سکھائی جاتی ہے۔ جو لوگ صرف انگریزی اور عربی دینیات کی تعلیم حاصل کرنا چاہیں ان کے لیے بھی انتظام کیا گیا ہے۔

سوم۔ ایک میگزین ماہوار کا انتظام جو انگریزی میں بلاد یورپ اور امریکہ اور بعض دیگر ممالک میں کئی سو مفت بغرض اشاعت اسلام تقسیم ہوتا ہے۔ اور اردو میں قریب دو ہزار کے اشاعت اسکی ہندوستان میں ہے۔ اس رسالہ کے اردو حصہ کے ساتھ ایک ضمیمہ تفسیر القرآن کا بھی ہے جو اصل رسالہ سے الگ ہے جس میں ہر قسم کے مشکلات اور اعتراضات کو نہایت صفائی سے حل کیا جاتا ہے۔

چہارم۔ ایک کتب خانہ جس میں بہت سی حضرت مسیح موعودؑ کی تصنیفات اور بعض دیگر اسلامی تصنیفات اور مدرسہ کی مروجہ کتابیں اور بعض احمدی احباب کی تصنیفات ملتی ہیں انکی ایک مختصر فہرست دوسری جگہ دیگئی ہے۔

پنجم۔ ایک قبرستان کا انتظام اور اس کے متعلق وصایا وغیرہ کا اہتمام۔

ششم۔ ایک یتیم فنڈ جس سے حسب گنجایش بعض یتامیٰ کی مدد کیجاتی ہے۔ ایسا ہی ایک مساکین فنڈ ہے جس سے بعض مساکین کو جو مدرسہ میں پڑھتے ہیں مدد دیجاتی ہے اور زکوٰۃ کا روپیہ بھی حسب منشائے شریعت اسلامی جسقدر جمع ہو تقسیم کیا جاتا ہے۔

صدر انجمن احمدیہ کی ضروریات سب سے اول لنگرخانہ ہے۔ اس کا انتظام براہ راست حضرت مسیح موعودؑ کے ہاتھ میں ہے۔ ہم بیعت کرنیوالوں کے لیے ضروری ہو کہ کچھ نہ کچھ چندہ لنگرخانہ ادا کریں اور اس سلسلہ کی اعانت کریں۔ اسکی اخراجات میں نہ صرف مہمانوں کی آمد و رفت کے اخراجات ہی ہیں بلکہ تعمیر اور خط و کتابت حضرت اقدسؑ اور طبع کتب وغیرہ کے اخراجات کثیر بھی ہیں۔

دوسری۔ ضرورت ہائی سکول اور مدرسہ دینیات کے متعلق ہے۔ اسکے لیے بھی تمام بیعت کنندگان کے لیے چندہ دینا لازمی قرار دیا گیا ہے۔ ماہوار مستقل خرچ ایک ہزار روپے کے قریب ہے اور عمارت کا کثیر خرچ درپیش ہے۔

تیسری ضرورت یہ ہے کہ تمام احمدی احباب اور ایسے غیر احمدی احباب جو تعلیم کے ساتھ تقویٰ بھی چاہتے ہیں کہ انکے بچے دیندار ہوں انہیں

اس مدرسہ میں تعلیم کے لیے بھیجیں۔ **چوتھی** ضرورت میگزین کے متعلق ہے اسکا چندہ اردو میں عہ سالانہ ہے اور ضمیمہ یعنی تفسیر القرآن کا چندہ ۱۲ سالانہ ہے۔ اصل میگزین ۴۰ صفحوں پر ضمیمہ ۲ صفحوں پر ہے۔ انگریزی رسالہ کی قیمت للعہ سالانہ ہے۔ سب احباب کے لیے ضروری ہے کہ خود اسکے خریدار بنیں۔ اور چونکہ رسالہ مفت تقسیم کیا جاتا ہے اس میں بھی حسب استطاعت اعانت کرکے اشاعت اسلام کے لیے انجمن کی مدد کریں۔ **پانچویں** ضرورت یتیم فنڈ اور مسکین فنڈ میں مدد کی ہے۔ قربانی کی کھالوں کی قیمت اور ہر قسم کے صدقات اس مد میں بھیجے جاویں قابل استعمال کپڑے وغیرہ بھی بہت کام آسکتے ہیں۔ **چھٹی** ضرورت زکوٰۃ کے روپیہ کے یہاں بھیجنے کی ہے۔ اس روپیہ سے بہت مفید کام ہو رہا ہے تمام احمدی مرد اور عورتیں جو صاحب نصاب ہیں سالانہ اپنی زکوٰۃ کا حساب کرکے اسجگہ بھیجدیں۔ **ساتویں** ضرورت یہ ہے کہ جو کتابیں انجمن کے کتب خانہ سے مل سکتی ہیں وہ یہاں سے منگوائی جاویں اس سے بھی انجمن کو مدد پہنچتی ہے۔ بعض احباب نے اپنی کتابیں انجمن کے نام ہبہ کر دی ہیں ایسی مثالیں بھی قابل تقلید ہیں۔

نوٹ۔ مقبرہ بہشتی کے شرائط کو جو لوگ پورا کرنا چاہیں وہ اپنی آمد کا دسواں حصہ دیں یا اپنی جائداد کے دسویں حصہ کے متعلق وصیت کریں۔

ضروری ہدایات

(۱) ہر ایک قسم کا روپیہ جسکا تعلق صدر انجمن احمدیہ کی کسی مد سے ہو بنام محاسب صدر انجمن احمدیہ قادیان آنا چاہیئے مگر لنگر خانہ کا روپیہ حضرت مسیح موعودؑ کے نام بھیجیں اگر دوسری مدات کے ساتھ ملا ہوا ہو تو محاسب کے نام بھیجکر اسے اطلاع دیں کہ وہ حضرت اقدسؑ کی خدمت میں پیش کردے۔ (۲) منی آرڈر کے کوپن میں پوری رقم اور اسکی تفصیل کہ کن کن اغراض کے لیے ہے (یا اگر لمبی تفصیل ہو تو علیحدہ خط میں دیں) اور فریسندہ کا نام اور پتہ خوشخط درج ہوں۔ (۳) ہر ایک رقم کی رسید باضابطہ دفتر محاسب سے دیجاویگی۔ پس جس شخص کو رسید دفتر کی محاسب کے دستخطی وقت پر نہ پہنچے اسے خط و کتابت کرکے دریافت کرنا چاہیئے ایسی رسیدیں حتی الوسع کچھ مدت کے لیے محفوظ رکھی جاویں۔ نوٹ۔ ۴ر سے کم رقم کی رسید نہ دیجاویگی۔ (۴) مدرسہ کے متعلق ہر ایک قسم کی خط و کتابت نائب ناظم مدرسہ یا ہیڈ ماسٹر مدرسہ سے کریں اور بورڈنگ ہوس کے متعلق سپرنٹنڈنٹ بورڈنگ ہوس سے۔ (۵) جو احباب مدرسہ میں اپنے لڑکے بھیجیں انکا ایک ماہ کا خرچ پیشگی ہیڈ ماسٹر صاحب یا سپرنٹنڈنٹ صاحب کے نام بھیجیں اور یہ یاد رکھیں کہ خرچ ہمیشہ سپرنٹنڈنٹ صاحب کے پاس بھیجا جاوے لڑکے کو نہ دیا جاوے سپرنٹنڈنٹ صاحب حسب ہدایت اور حسب ضرورت لڑکے کی بہتری کے لیے خرچ کریں گے اور ماہوار حساب بھیجتے رہیں گے۔ (۶) میگزین کے متعلق کل خط و کتابت منیجر میگزین یا نائب ناظم میگزین کے نام ہو کریں۔ اور ایڈیٹر کے نام سوائے ان خطوط کے جنکا تعلق مضامین رسالہ سے ہو اور کوئی خط و کتابت نہ کریں۔ (۷) مقبرہ بہشتی کے متعلق اور وصیت وغیرہ کے متعلق نائب ناظم مقبرہ بہشتی سے خط و کتابت کریں اور انہی سے رسالہ الوصیت طلب کریں مفت بھیجا جاویگا۔ وصیت کی فارمیں بھی انہی سے طلب کریں اور انہی کے نام وصایا بھیجیں۔ (۸) کتابیں بھی نائب ناظم مقبرہ بہشتی سے طلب کی جاویں جو بذریعہ وی پی مطلوبہ کتب بھیجینگے اور جگہ سے طلب نہ کی جاویں۔ (۹) امور متعلقہ صدر انجمن میں سکرٹری صدر انجمن احمدیہ سے خط و کتابت کریں (۱۰) وظایف مسکین فنڈ کے متعلق درخواستیں صرف دو دفعہ سال میں پیش ہونگی یعنی نومبر اور مئی میں پس جنکو صاحب درخواستیں بھیجیں وہ اسبات کو محفوظ رکھیں کہ انکا جواب سوائے ان دو اوقات کے نہیں مل سکیگا۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ بدون منظوری ناظم کے جلسی کی تعلیم کے کسیکو وظیفہ کے لیے درخواست کی گئی ہے یا کرنیکا منشاء ہو بیان نہ بھیجیں۔ المعلن خاکسار محمد علی سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان۔

اعلان :- ہر ایک سامان کرکٹ ٹینس فٹ بال جمنیسٹک وغیرہ مستری نظام الدین احمدی شہر سیالکوٹ سے مل سکتا ہے مکمل فہرست مفت۔

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے
لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۶ بابت ماہ اگست سنہ ۱۹۰۷ء نمبر ۸

فہرست مضامین

مندرجہ ذیل کتابیں دفتر مقبرہ بہشتی قادیان ضلع گورداسپور سے بذریعہ قیمت طلب پیکٹ مل سکتی ہیں ان کا مطالعہ مذہبی تحقیقات اور تاریخی معلومات اور مخالفین کے اعتراضات کی تردید کے لیے نہایت ضروری ہے۔ مشرح فہرست ۱ر کا ٹکٹ بھیجنے پر ارسال خدمت ہوگی

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
انوار اللہ اردو	۸ر	قاعدہ عربی اردو	ار	تذکرۃ الشہادتین اردو	۵ر	شہادۃ القرآن اردو	۴ر
اجرومیہ عربی	۰ر	قرآن شریف مترجم مع تفسیر حسینی	عـہ	〃 فارسی	۳ر	صیان القرآن 〃	۳ر
الذکر یعنی ترجمہ نماز و اسمائے الٰہیہ	۲ر	مسک العارف۔ اردو	۱۰ر	تحفہ قیصرہ اردو	۲ر	کشف الغطا 〃	۲ر
پارہ الم عربی	۲	نشان آسمانی 〃	۲ر	تحفۃ الندوہ 〃	۰ر	لغات القرآن حصہ اول	عہ
پنج ارکان اسلام اردو	ار	واقعات صحیحہ 〃	۲ر	تقریریں 〃	۲ر	〃 حصہ دوم	۸عہ
تفسیر جلالین عربی	۸عہ	یسرنا القرآن حصہ اول	ار	تقریروں کا مجموعہ 〃	۳ر	لیکچر سیالکوٹ اردو	۱۰ر
تفسیر فوز الکبیر عربی فارسی	۲ر	〃 دوم	ار	سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب 〃	۲ر	〃 لاہور مہوتسو 〃	۴ر
تقریر جلسہ [illegible] اردو	۲	〃 سوم	ار	جنگ مقدس عیسائیوں سے مباحثہ 〃	۶ر	مشکوٰۃ الانوار عربی	۴ر
جام شہادت اردو	۰ر	ہدیہ ثاقب اردو	۲ر	حمامۃ البشریٰ عربی	۸ر	مواہب الرحمٰن 〃	۴ر
حمائل مترجم۔ فارسی	عہ	الہدیٰ عربی	۶ر	حجۃ الاسلام اردو	ار	مبادی الصرف	۱۰ر
رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب اردو	۸ر	الحق لودیانہ۔ اردو	۶ر	خطوط شیعہ کا جواب 〃	۲ر	نسیم دعوت۔ اردو	۳ر
سلسلہ دینیہ۔ اردو	ـر	〃 دہلی۔	۸ر	خطبہ الہامیہ مع ترجمہ فارسی اردو	عہ	نور الدین حصہ اول 〃	۲ر
سلاسل القراۃ۔ عربی نمبر۱	۴ر	اعجاز احمدی۔ عربی	۳ر	خلافت راشدہ حصہ اول اردو	۸ر	〃 〃 دوم 〃	۴ر
〃 نمبر۲	۸ر	احسن الکلام اردو	ـر	〃 〃 دوم 〃	۴ر	ہدیہ سعدیہ عربی	۲ر
〃 نمبر۳	۱۳ر	ابطال الوہیت مسیح 〃	ار	خزینۃ العارف حصہ اول دوم	۴ر	فضل حق۔ اردو	ار
〃 نمبر۴	۱۳ر	آیات الرحمٰن 〃	۸ر	〃 〃 سوم و چہارم	۸ر	سیرۃ المسیح 〃	۸ر
آریہ دھرم۔ اردو	۴ر	دعوت الحق۔ 〃	۵ر	اعلام الناس حصہ دوم	۴ر	آسمانی فیصلہ 〃	۲ر
دینیات کا پہلا رسالہ 〃	ار	شرح ترمذی۔ نمبر۱ / 〃 نمبر۲	۸عہ / ۸عہ	دعوت دہلی۔ اردو	۱۰ر	دافع البلاء 〃	ار
طریق النجات۔ نمبر۱	۸ر	احمدی کا من نظم پنجابی	ار	دعوت الندوہ۔ 〃	۱۰ر	غنیۃ الطالب عربی	عہ
〃 〃 نمبر۲	۷ر	براہین احمدیہ حصہ اول	۵ر	راز حقیقت۔ 〃	ار	شفاء السقام 〃	عہ
〃 〃 نمبر۳	۸ر	〃 〃 دوم	۴ر				
〃 〃 نمبر۴	۱۵ر	〃 〃 سوم	۱۰ر	سرمہ چشم آریہ۔ 〃	۱۲ر	نوٹ۔ ان قیمتوں میں	
مسل مصطفےٰ اردو	۸عہ	〃 چہارم / مکمل براہین	عا / ہے / ۲ر	ست بچن۔ 〃	۱۰ر	محصول ڈاک شامل نہیں۔	

مکمل براہین احمدیہ جس میں جلد چہارم بار اول کی چھپی ہوئی ہے ۔۔۔ کو دفتر مقبرہ بہشتی سے مل سکتی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

حفاظت قرآن کریم

۶ - اعتراضوں کے جواب

اگرچہ جسقدر شہادت پہلے پانچ عنوانوں کے نیچے دیجاچکی ہے وہ اس بات کے ثابت کرنیکے لیے کہ قرآن کریم ہر ایک قسم کی تحریف اور تصرف سے محفوظ ہم تک پہنچا ہے اعلیٰ درجہ کی قطعی اور یقینی شہادت ہے۔ اور کسی قسم کا شبہ باقی نہیں رہ جاتا۔ لیکن چونکہ اس سوال کے تمام پہلوؤں پر بحث کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے اس لیے ذیل میں ہم ان تمام اعتراضوں کو جو عیسائیوں نے قرآن کریم کے محفوظ ہونے پر کیے ہیں نقل کرکے انکا جواب دیتے ہیں تاکہ کسی مخالف کو یہ کہنے کی گنجایش باقی نہ رہے کہ فلاں اعتراض کا جواب نہیں دیا گیا۔ جہاں تک مَیں نے مخالفین کی تحریروں پر غور کیا ہے مندرجہ ذیل اعتراضات پر زور دیا گیا ہے۔

(۱) یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ موجودہ قرآن شریف میں بعض فقرے ناقص اور ٹوٹے ہوئے ہیں اور کہ اصل میں وہ فقرے مکمل تھے۔ پس ضرور ہے کہ بعض حصے ضایع ہو گئے ہوں۔

(۲) ایک اور اعتراض یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے قرآن کے بعض نسخوں کو جو بعض صحابہؓ کے پاس تھے اور جن کی قرأتیں حضرت عثمانؓ والے صحیفہ سے مختلف تھیں تلف کرا دیا یا اُن کی اشاعت کو روکدیا۔ پس ان نسخوں کے تلف کرانے سے ضرور قرآن شریف کے کچھ حصے ضایع ہو گئے ہوں گے۔

(۳) ایک اعتراض یہ ہے کہ بعض حصوں کو ہمیشہ کے لیے قرآن شریف میں داخل کرنیکا منشاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ ہوگا یا نہ تھا یا بعض حصے منسوخ ہو گئے ہونگے اور ممکن ہے کہ زید نے ان امور پر اطلاع نہ پانیکی وجہ سے انکو قرآن شریف میں داخل کر دیا ہو۔

(۴) چوتھا اور بڑا بھاری اعتراض یہ سمجھا جاتا ہے کہ بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

وقت میں بعض عبارتیں قرآن شریف میں پڑھی جاتی تھیں جو اب نہیں پڑھی جاتیں جس سے موجودہ قرآن کریم کے ناقص ہونیکا نتیجہ نکالا جاتا ہے۔

(۵) پانچواں اعتراض یہ ہے کہ مسلمانوں میں بعض فرقے ایسے موجود ہیں (جس سے معترض کی مراد فرقہ شیعہ ہے) جو اس بات کو مانتے ہیں کہ قرآن شریف محفوظ نہیں رہا بلکہ ناقص ہے اور اس میں سے بعض حصے نکال دیئے گئے ہیں۔ مختلف مضامین کو پڑھکر جو قرآن کریم کی جمع پہ لکھے گئے ہیں ہمنے یہ چند اعتراض مختصر الفاظ میں بطور خلاصہ ان مضامین سے نکالے ہیں۔ اور ان میں تازہ سے تازہ تصانیف جو اسلام کے خلاف لکھی گئی ہیں شامل ہیں۔ اب ہم اسی ترتیب کے ساتھ ان اعتراضوں کا ایک ایک کرکے جواب دینگے۔ اعتراض اوّل کا بڑا حامی ایک مضمون نویس ہے جس نے اسلام (محمڈنزم) پر انسائکلو پیڈیا برٹینیکا میں مضمون لکھا ہے۔ یہ مضمون نویس لکھتا ہے کہ حضرت عثمانؓ والے نسخے مکمل نہیں تھے کیونکہ ان میں بعض فقرے ایسے پائے جاتے ہیں جو کھلے طور پر ناقص اور ادھورے ہیں اور بتاتے ہیں کہ ان عبارتوں کا کچھ حصہ جس سے انکی تکمیل ہوتی تھی ضایع ہو گیا ہے۔ ایک طالب حق اور ایک سمجھدار انسان بڑی آسانی سے اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ قرآن کریم کی حفاظت کی اُس مضبوط اور قطعیۃ الدلالت شہادت کے بالمقابل جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں ایسا وہم کچھ بھی وقعت نہیں رکھتا بلکہ اسکو دعویٰ بلادلیل کی ذیل میں رکھکر رد کرنا پڑتا ہے۔ چونکہ قرآن شریف کا کوئی فقرہ ایک شخص کی نظر میں ادھورا دکھائی دیتا ہے اس لیے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ اصل فقرہ ضرور کچھ اور ہوگا اور کچھ حصہ اس کا ضایع ہو گیا ہوگا۔ ہم تو تاریخی شہادت پیش کرتے ہیں کہ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ و سلم نے سکھایا وہ سب صحابہؓ نے حفظ کر لیا اور مردوں اور عورتوں نے اپنے سینوں میں محفوظ کر لیا اور اس کے جواب میں یہ وہم پیش کیا جاتا ہے کہ چونکہ کسی صاحب کو کوئی فقرہ مکمل معلوم نہیں ہوتا اس لیے کچھ حصہ ضایع ہو گیا ہوگا۔ معتبر تاریخی شہادت کے خلاف ایسے توہمات کو پیش کرنا پرلے درجہ کی حماقت ہے۔ اب یہ بھی ثابت ہے کہ جسوقت حضرت زیدؓ نے تحریری جمع کے کام کو شروع کیا تو آپنے نہ صرف قرآن شریف کے حافظوں سے ہی مدد لی بلکہ ان تمام تحریروں کو بھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کی ہدایت سے لکھی گئی تھیں جہاں جہاں وہ تھیں وہاں سے ہی جمع کیا۔ اور اسطرح پر ہر ایک آیت اور ہر ایک لفظ کے متعلق پوری پوری تحقیقات کرکے اسکو صحیفوں میں لکھا۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ بعض فقرے ادھورے ہیں یہ خود مخالفین کی عربی زبان سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے جہاں کمال فصاحت و بلاغت کسی فقرہ میں پائی جاتی ہے اسکو بوجہ اپنی ناواقفیت کے وہ ادھورا کہدیتے ہیں اور جہاں نہایت باریک اور گہرا تعلق آیات میں ہے وہ بوجہ ایک سطحی نظر سے اسکو دیکھنے کے یہ کہدیتے ہیں کہ ان آیات میں کوئی ربط نہیں ہے۔ پھر ایسے ایسے توہمات کو جو ناواقفیت سے پیدا ہوتے ہیں اعلیٰ درجہ کی تاریخی شہادت کے بالمقابل اعتراضوں کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔

پھر گویا اسی بات کی تائید میں کہ بعض فقرے ناقص پائے جاتے ہیں وہی مضمون نویس انسکلوپیڈیا میں لکھتا ہے کہ "چند چھوٹے چھوٹے اور الگ الگ ٹکڑے اب تک ایسے پائے جاتے ہیں جو کہ اصل میں قرآن شریف کے حصے تھے مگر زیدؓ نے انکو شامل نہیں کیا" اب ان احادیث پر مفصل بحث چوتھے نمبر کے اعتراض میں آئے گی یہاں مَیں صرف یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ اعتراض اوّل کے ساتھ اسکو چسپاں کرنیسے معترض کا منشا یہ ظاہر کرنیکا ہے کہ جو فقرے ناقص پائے جاتے ہیں انہیں کے ٹکڑے اب تک حدیثوں میں موجود چلے آتے ہیں۔ اگر یہ ثابت کر دیا جاوے کہ بعض فقرے جنکو معترضین ادھورے سمجھتے ہیں وہ ان ٹکڑوں کے ساتھ شامل کرنیسے جو ایسی حدیثوں میں پائے جاتے ہیں درحقیقت کامل ہو جاتے ہیں تو پھر یہ مضمون بھی قابل بحث ہو جاتا ہے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ اعتراضوں کی بنا صرف توہمات پر ہے اور کوئی مثال پیش نہیں کیجاتی کہ مثلاً قرآن شریف کا فلاں فقرہ ناقص ہے اور فلاں حدیث میں جو یہ کہا گیا ہے کہ فلاں ٹکڑہ کسی وقت قرآن شریف کا جزو تھا۔ اگر اس ٹکڑہ کو اس ناقص فقرہ کے ساتھ ملا دیا جائے تو انکے ملنے سے ایک کامل فقرہ بن جاتا ہے۔ اگر ایسی کوئی مثال پیش کی جائے تو پھر اعتراض کی صورت بھی بنتی ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ وہ ٹکڑے جو احادیث میں بیان کیے گئے ہیں انکے لیے کوئی ایسی جگہ قرآن شریف کے اندر نہیں ملتی کہ جہاں انکو رکھا جاسکے اور اسی سے ان ٹکڑوں کی اصل حقیقت کا پتہ لگتا ہے۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ اگر ان تمام اعتراضوں پر یکجائی نظر سے غور کیا جاوے تو وہ خود ہی ایک دوسرے کا بطلان کرتے ہیں بات یہ پیش کیجاتی ہے کہ قرآن شریف کے بعض حصے گم ہو گئے اور اسکی تائید میں یہ واقعات پیش کیے جاتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے سوائے ان صحیفوں کے جو اپنی نگرانی میں تیار کرائے تھے باقی تمام صحف قرآنی کو جلا دیا اور انکی نقلیں شایع نہ ہونے دیں اور کہ بعض احادیث میں یہ ذکر ہے کہ بعض ٹکڑے اصل میں قرآن شریف میں پائے جاتے تھے جو اب اس میں داخل نہیں ہیں اور کہ بعض فقرے موجودہ قرآن میں ناقص ہیں اور کہ شیعہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ بعض حصے جن میں حضرت علیؓ کے فضائل کا ذکر تھا وہ قرآن سے نکالدیئے گئے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت عثمانؓ نے مصحف تیار کرا کے اطراف میں بھیجے اور دوسرے نسخوں کو جلانیکا حکم دیا تو اسکے بعد وہ اختلاف جو صحف عثمانی اور دیگر صحایف میں بتلائے جاتے ہیں یا تو موجود رہے اور یا قطعاً نابود ہو گئے اگر ایسے اختلاف صحف عثمانی کی اشاعت سے قطعاً رک گئے تھے تو پھر وہ احادیث جن میں یہ ذکر ہے کہ فلاں ٹکڑہ قرآن شریف میں داخل تھا بالکل غلط ثابت ہوتی ہیں۔ اور اگر ایسے اختلاف بعد میں بھی کچھ نہ کچھ محفوظ چلے آئے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے نسخے قرآن کریم کے دنیا سے کیوں نابود ہو گئے۔ حضرت عثمانؓ کی سلطنت میں اگر یہ ممکن نہ تھا تو اس کے بعد کون روکنے والا تھا۔ جن لوگوں نے ان اختلافات کو نسلاً بعد نسل محفوظ رکھا تھا کیوں کچھ وقت گذرنے کے بعد جب اسلام کی سلطنت متفرق ہو گئی انہوں نے انکو اپنے نسخوں میں درج نہ کر لیا اور کون مانع ہوا۔

پھر ایک دوسری مشکل اس میں یہ پیش آتی ہے کہ اگر وہ حصص جنکو کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمان نے چھوڑ دیا تھا محفوظ رہیں یا کل نہیں تو ان میں سے بعض ہی محفوظ ہے تو چاہیئے تھا کہ وہ یا تو اعتراض نمبر اوّل اور یا اعتراض نمبر پنجم کے مطابق ہوتے۔ یعنی ان سے یا تو فرضی نقص بعض فقرات کا دُور ہوتا یا حضرت علیؓ کی فضیلت ان میں پائی جاتی۔ مگر تعجب یہ ہے کہ یہ ٹکڑے جنکا ذکر احادیث میں ہے نہ تو فرضی نقص کو پورا کرتے ہیں نہ ہی حضرت علیؓ کی فضیلت کی بو تک انہیں پائی جاتی ہے۔ جو حصص گم ہوئے تھے انکا تو نام و نشان تک نہیں ملتا۔ اور جو حدیثوں میں ٹکڑے پائے جاتے ہیں وہ گم شدہ حصص میں سے نہیں ہیں۔ کیا یہ عجیب بات نہیں اور اس سے ایک دانشمند آدمی ایک مفید نتیجہ پر نہیں پہنچتا؟ ایک چیز کے گم ہونیکا دعویٰ کیا جاتا ہے اور اس کی تائید میں یہ پیش کیا جاتا ہے کہ فلاں جگہ سے وہ چیز یا اس کے کچھ اجزا برآمد ہوگئے ہیں مگر جب اس برآمد شدہ مال کو دیکھا جاتا ہے تو یہ قطعاً اس مال کا کوئی حصّہ ثابت نہیں ہوتا جس کے گم ہونیکا دعویٰ کیا گیا تھا۔ پس اس دعویٰ کے بطلان پر یہی ایک دلیل کافی ہے۔ پھر کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ حضرت علیؓ کی فضیلت کے بعض حصص قرآنی حضرت عثمانؓ نے چھوڑے اور حضرت علیؓ خود ہی حضرت عثمانؓ کے بعد خلیفہ ہوئے مگر وہ اپنی فضیلت کے حصص کو دوبارہ قرآن شریف میں درج نہ کر سکے۔ پس یہ تمام اعتراض خود ہی ایک دوسرے کی بیخکنی کرنیوالے ہیں۔ مگر ہم اپنے ناظرین کی مزید اطمینان کے لیے ان میں سے ہر ایک اعتراض پر الگ الگ بحث کر کے بھی انکا جھوٹا ہونا دکھاویں گے۔

اب ہم دوسرے اعتراض کو لیتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے یہ حکم دیا کہ سوائے ان اصلی صحف کے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے وقت میں تیار ہوئے تھے۔ اور ان مصحفوں کے جو ان صحف سے خود حضرت عثمانؓ نے نقل کرائے تھے باقی تمام نسخے قرآن شریف کے جلا دیئے جاویں۔ اب ان مصحفوں میں سے جو جلائے گئے یعنی جن کے جلانیکا حکم دیا گیا دو مصحفوں کو صحف عثمانی کے بالمقابل معترضین خاص وقعت دیتے ہیں یعنی حضرت ابن مسعودؓ کا مصحف اور حضرت ابی بن کعبؓ کا مصحف۔ ان مصحفوں اور عثمانی مصحفوں میں جو اختلاف بتایا جاتا ہے اس کے متعلق انسکلوپیڈیا برٹینیکا کے مضمون نویس کی رائے اس قابل ہے کہ اسے مخالفانہ نکتہ چینی کا جہاں تک ایسی نکتہ چینی مجنونانہ رنگ اختیار نہیں کرتی بہترین وکیل سمجھا جاوے یہ وہی مضمون نویس ہے جس کے مضمون محمدؐ ازم کا میں پہلے بھی حوالہ دے چکا ہوں۔ وہ لکھتا ہے۔

"ساتھ ہی اس بات کو یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن شریف کی دوسری صورتیں فی الفور نابود نہیں ہو گئی تھیں خصوصیت سے ہمیں ابی کے نسخہ کے متعلق کچھ اطلاع ملتی ہے۔ جو فہرست اس کی سورتوں کی دیگئی ہے اگر وہ صحیح ہے تو یہ ماننا پڑیگا کہ ابی کے نسخہ میں وہی کچھ تھا جو ہمارے موجودہ قرآنوں میں ہے اس صورت میں یہ ماننا پڑتا ہے کہ ابی کے مصحف کی بنا بھی انہی اصل صحف پر ہو گی جو حضرت زیدؓ نے جمع کیے تھے۔ یہی بات ابن مسعود کے مصحف پر بھی صادق آتی ہے اور اسکی فہرست مضامین بھی ہم تک پہنچی ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ لمبی سورتوں یعنی طوال کو پہلے رکھنے کے اصول پر ابن مسعود

نے زید سے بھی بڑھکر عمل کیا۔ اس کے مصحف میں پہلی سورۃ یعنی فاتحہ اور ایک سو تیرھویں اور ایک سو چودھویں سورتیں یعنی معوذتین نہیں لکھی گئیں۔ اس کے برخلاف ابی نے اپنے مصحف میں دو دعائیہ فقرے زیادہ لکھ رکھے تھے جن کو ہم (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سمجھ سکتے ہیں یہ بات آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے کہ اس قسم کے اختلاف ہوئے ہونگے کہ آیا ایسے دعائیہ جملے قرآن شریف کا جزو ہیں یا نہیں۔ ان دونوں مصحفوں کی بعض قرأتیں جو مصحف عثمانی کی قرأتوں سے مختلف ہیں محفوظ رہی ہیں اور انکے پرانے اختلافات قرأت کی بھی ایک بڑی تعداد محفوظ ہو کر ہم تک پہنچی ہے۔ ان میں سے ایک کثیر حصہ قرأتوں کا ایسا ہے جو موجودہ قرأت سے بہت کم درجہ کا ہے لیکن بعض قرأتیں ایسی بھی ہیں جو مروجہ قرأت کے ہم پلہ ہیں اور چند ایک ایسی ہیں جنکو موجودہ قرأت پر ترجیح دیجا سکتی ہے"

لیکن اس مضمون نویس کی صحیح صحیح رائے ناظرین کے سامنے پیش کرنیکے لیے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسی جگہ سے ایک اور فقرہ کا ترجمہ بھی ہدیہ ناظرین کیا جاوے اس فقرہ میں جو منقولہ بالا فقرہ کے ساتھ ملحق ہے اور جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے وہ دلایل دیے گئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اصل قرآن شریف وہی ہے جو عثمانی مصحفوں اور انکی نقلوں میں موجود ہے۔ "صرف ایک ہی شخص ایسا معلوم ہوتا ہے جس نے واقعی طور پر حضرت عثمانؓ کے مصحفوں کے جاری ہونیکے وقت کچھ مخالفت کی اور یہ ابن مسعود تھا۔ وہ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سب سے پرانے مریدین میں سے تھا۔ اور بہت موقعوں پر اس نے آپ کی خدمات بھی کی تھیں۔ لیکن اسکے خیالات کا دائرہ وسیع نہ تھا۔ اگرچہ وہ اسلامی مذہبی علم کلام میں ایک بڑا رکن مانا جاتا ہے پر اس کی مخالفت کا کچھ اثر نہیں ہوا۔ اب جب ہم اس بات پر غور کرتے ہیں کہ اس وقت بہت سے ایسے مسلمان زندہ موجود تھے جنھوں نے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے منہ سے قرآن شریف سنا ہوا تھا۔ اور پھر جب اس بات کو بھی دیکھتے ہیں کہ کمزور خلیفہ عثمان کی بعض دوسری تجاویز کی مذہب کے متعصب حامیان نے بڑی سخت مخالفت کی۔ اور کہ ان لوگوں کا مخالفانہ جوش عثمان کے بعض حریص پرانے رفیقوں کے سبب سے اور بھی تیز ہو گیا یہانتک کہ آخر کار انہوں نے خلیفہ کو قتل کر دیا۔ اور بالآخر اس بات پر غور کرتے ہیں کہ خلیفہ کی موت کے بعد جو خانہ جنگیاں ہوئیں ان میں مختلف فریق اس بات کی تلاش میں لگے رہتے تھے کہ کوئی ایسی وجوہ انکے ہاتھ میں آجائیں جنسے وہ اپنے مخالفین پر کفر کا فتویٰ لگا سکیں۔ جب ہم ان تمام باتوں پر غور کرتے ہیں تو انسے صاف طور پر مصحف عثمانی کے اصل قرآن ہونیکا نتیجہ نکلتا ہے کیونکہ کسی فریق نے یہانتک کہ حضرت علیؓ کے فریق نے بھی اس معاملہ میں حضرت عثمانؓ پر اعتراض نہیں کیا۔ اور نہ اس مصحف کو چھوڑا جو زید نے تیار کیا تھا جو حضرت عثمانؓ اور انکے خاندان کا مخلص وفادار تھا"

مینے یہ لمبے فقرے اس غرض سے نقل کیے ہیں تاکہ ناظرین خود اعتراض کی وقعت کو دیکھ سکیں اور معلوم کر سکیں کہ مخالفین اگر سوچ سمجھکر چلیں تو موجودہ قرآن کے اصل قرآن ہونے پر کہانتک اعتراض کر سکتے ہیں۔ میں یہ بھی کہہ چکا ہوں

کہ اس مضمون نویس کی رائے مخالف نکتہ چینی کو عمدہ سے عمدہ پیرایہ میں بیان کرتی ہے اور اس لیے اس کی تردید سے ان تمام اعتراضوں کا قلع قمع ہو جاتا ہے جو معترضین نے کیے ہیں میرے خیال میں کیا انگریزی اور کیا اردو تحریروں کو جہاں تک پڑھا جائے اس سے باوقعت اعتراض کوئی معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن اس بات کا ظاہر کرنا بھی ضروری ہے کہ اسلام پر بعض دیسی عیسائی صاحبان نے مجنونانہ اعتراض بھی کیے ہیں۔ یہ لوگ جو پیٹ کی خاطر عیسائی ہوتے ہیں صرف اسی بات کو اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح پادری صاحب کو خوش کریں اور اس کے لیے انہیں بہتر سے بہتر طریق یہی معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے مذاہب پر اعتراض بنائے جاویں۔ ایسی ایک تحریر کی مثال تاویل القرآن ہے جس کا مصنف قرآن کریم کی حفاظت کے دعویٰ کو سُنکر مجنون وار اعتراض شروع کر دیتا ہے اور اسکے ایک ایک لفظ سے غیظ ٹپکتا ہے وہ اس دعویٰ کو سُن بھی نہیں سکتا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ہاتھ پاؤں پر رعشہ پڑ جاتا ہے۔ اور اس غیظ میں وہ مجنونوں کی طرح بلا سوچے سمجھے لکھتا چلا جاتا ہے۔ اس کی ایمانداری کا حال مَیں پہلے بتا چکا ہوں کہ کس طرح صریح تحریف معنوں میں کرتا ہے۔ یہ شخص اپنے تاریخ قرآن کو ان الفاظ سے شروع کرتا ہے۔ ’’میری زندگی کی برسوں کے دن تھوڑے رہے اور برے‘‘ اور پھر تشریح دعویٰ کرتا ہوا لکھتا ہے کہ ’’اس امر کا کہ قرآن شریف کا کوئی بڑا حصہ ساقط ہو گیا اور جو بچ گیا وہ بدنظمی سے مرتب ہوا اکثر محققین کو اعتراف کرنا پڑا‘‘ اور پھر اخیر پر لکھتا ہے کہ ’’جو قرآن اب ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے وہ اصل قرآن کا ایک ایڈیشن ہے اس وقت اس سے زیادہ بہتر اور معتبر ایڈیشن بھی موجود تھے۔ جیسے نسخہ ابوبکر یا نسخہ عبد اللہ بن مسعود یا نسخہ ابی بن کعب یا نسخہ علی یا ان سب کے علاوہ کوئی اور.... حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے اہتمام سے جو نسخہ قرآن تیار ہوا تھا وہ حضرت عثمان کے نسخہ سے ضرور افضل تھا۔ گو ابن مسعود یا ابی بن کعب یا حضرت علی کے قرانوں کی ٹکر کا نہ تھا.... ہم بھی ان سب مصاحف قرآن کی نسبت جو حضرت عثمان کے ہاتھوں شہید ہو گئے یہی کہتے ہیں کہ اگر آج کو وہ یا انکی نقول بھی ہم تک پہنچتی تو ان سب سے بہت بڑا ذخیرہ علم دین کا حاصل ہوتا ایسا کہ جس کے مقابل صحیفہ عثمانی دریا کے مقابل گڑھا متصوّر ہوتا‘‘ اور پھر ایک دوسری جگہ یہی شخص یوں بڑ ہانکتا ہے ’’یہ بالکل مبالغہ نہیں کہ جو بدنظمی و بے احتیاطی قرآن کے حق میں ابتدائً سرزد ہوئی۔ دنیا میں کسی کتاب کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کیا گیا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ گو وہ صحیفہ قرآن جو حضرت عثمان نے جمع کرایا ہم تک بے کم و کاست پہنچا۔ مگر وہ قرآن جو آنحضرتؐ چھوڑ گئے گم ہو گیا۔ اور یہ جو باقی ہے صرف اُسکی یادگار ہے کچھ بے ترتیب حصص جو اپنی قسمت سے بچ رہے‘‘ اور پھر ایک جگہ سبعہ احرف کی بحث کرتا ہوا لکھتا ہے ’’پس ہم کو یہ ماننا پڑا کہ وہ قرآن جو حضرت پر نازل ہوا وہ ہفتگانہ قرآن تھا۔ اور لفظ قرآن کا اطلاق حقیقت میں ان ساتوں حروف کے مجموعہ پر ہوتا تھا۔ اور اب جو قرآن موجود ہے یعنی صحیفہ عثمانی وہ زیادہ سے زیادہ صرف کسی ایک حرف پر مشتمل ہے اور اس لیے اگر بہت رعایت کریں تو اسکو

صرف ایک ساتواں حصہ سالم قرآن اصلی کا کہہ سکتے ہیں۔" ایسے شخص کا جواب صرف یہی کافی ہے کہ وہ معترضین جن کی مخالفت کیحالت اس مصنف کی طرح جنون کی حد تک نہیں پہنچ گئی وہ خود اس کے ان تمام لایعنی دعووں اور مجنونانہ بڑوں پر لعنت بھیجتے ہیں اور یہ گواہی دیتے ہیں جیساکہ میور نے اور انسکلوپیڈیا برٹینیکا کے مضمون نویس نے دی کہ جس حفاظت سے قرآن کریم ہم تک پہنچا ہے اس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی اور کہ تمام واقعات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اصل قرآن وہی ہے جو آج ہمارے ہاتھوں میں ہے اور جو مصحف ہائے عثمانی کی نقل ہے۔ اور کہ مصحف عثمانی ہی اصل قرآن تھا۔ اور اس میں کسی قسم کی کمی بیشی یا تغیر تبدل نہیں ہوا۔

اب ہم اصل اعتراض کی طرف واپس آتے ہیں۔ اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے کہ ابن مسعود اور ابی بن کعب کے مصحف بلحاظ ترتیب اور بلحاظ عبارتوں کے عام طور پر مصحف عثمانی کے مطابق ہی تھے۔ اور یہ مطابقت یہانتک تھی کہ راقم مضمون اس نتیجہ تک پہنچتا ہے کہ ابن مسعودؓ اور ابیؓ نے اپنے مصحف ان صحف کی بنا پر تیار کیے تھے جو زیدؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے وقت میں جمع کیے تھے۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ قرآن کریم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ہی جمع ہو چکا تھا اور اسی بنا پر ابن مسعود یا ابی بن کعب یا زید کے مجموعے تیار ہوئے تھے۔ یہی وجہ انکی مطابقت کی تھی کیونکہ وہ سب ایک ہی سرچشمہ سے لیے گئے تھے ہاں فرق صرف اسقدر تھا کہ حضرت زیدؓ نے جو صحف میں قرآن شریف کو جمع کیا تو اس میں حد درجہ کی احتیاط سے کام لیا گیا اور تمام اصل تحریریں اکٹھی کی گئیں۔ اور تمام صحابہؓ کے اتفاق اور مشورہ سے یہ جمع وقوع میں آئی لیکن ابن مسعودؓ اور ابی بن کعبؓ کی کوششیں صرف ذاتی تھیں اس لیے انکا کسی موقعہ پر غلطی کھا جانا بھی ممکن تھا۔ بہرحال جو اختلاف ان مصحفوں کو مصحف عثمانی سے بتائے جاتے ہیں وہ صرف دو قسم کے تھے۔ یعنی اول یہ کہ ابن مسعودؓ کے مصحف میں معوذتین اور فاتحہ قرآن کریم کے اندر نہ لکھی گئی تھیں اور ابیؓ کے مصحف میں دو دعائیہ فقرے زاید لکھے ہوئے تھے۔ اور دوم کچھ قرأتوں کا اختلاف تھا۔ لہٰذا میں ان دو اختلافوں کی حقیقت پر غور کرونگا۔ اور تاویل القرآن کے مصنف کے بے سروپا اور لایعنی دعوے اس قابل نہیں ہیں کہ انکی طرف توجہ بھی کیجاوے اور خود اس کے ہم مذہبوں کی تحریریں اسکے مجنونانہ دعووں پر نفرین بھیجتی ہیں۔ حضرت عثمانؓ کے مصحف صرف صحف ابی بکر کی نقل تھے۔ اور نقل کرنیوالے بھی خود وہی حضرت زیدؓ تھے جنہوں نے حضرت ابوبکرؓ کے وقت صحف کو جمع کیا تھا۔ اور حضرت علیؓ کے مصحف کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے وہ بھی واقعات کے سامنے باطل ثابت ہوتا ہے اگر حضرت علیؓ کے پاس ایسا کوئی مصحف تھا تو کیوں کبھی اسکی اشاعت نہ ہوئی بالفرض اگر حضرت عثمانؓ مانع ہوئے تھے تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے وقت میں کون مانع ہوا تھا۔ اور کم از کم یہ تو ضرور تھا کہ اگر اور کبھی موقعہ اس کی اشاعت کا نہ ملا تھا تو حضرت علیؓ اپنی خلافت میں ہی اسکو شایع کرتے اور دنیا میں پھیلاتے۔ اور عجیب تر یہ کہ حضرت عثمانؓ

کے وقت میں مصحف نقل کرانے میں خود حضرت علیؓ بھی مددگار ہوئے اور اپنے مصحف کا کبھی نام تک نہ لیا۔

ہمارے سامنے اب اس اعتراض کے متعلق یہ سوالات حل طلب ہیں۔ کیا ابیؓ اور ابن مسعودؓ کے پاس اپنے اپنے مصحف الگ تھے۔ کیا انکا مصحف عثمانی سے کوئی اختلاف تعداد سور اور قرأتوں میں تھا اور اگر تھا تو کسقدر۔ پہلے ابی کو لو۔ کوئی معتبر حدیث ایسی نہیں ملتی جس سے یہ ثابت ہو کہ ابی کا مصحف الگ تھا جسکا مروجہ قرآن سے اختلاف تھا یا یہ کہ اس مصحف میں علاوہ قرآن شریف کی ایک سو چودہ سورتوں کے دو دعائیہ جملے اخیر میں زائد لکھے ہوئے تھے۔ ایسی احادیث جلال الدین سیوطی کی اتقان میں ملتی ہیں۔ اور اس لیے سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ سیوطی کی احادیث پر ہم کہاں تک اعتبار کر سکتے ہیں۔ اس کے لیے میں ناظرین کو شاہ عبدالعزیز دہلوی کے عجالہ نافعہ کا حوالہ دیتا ہوں جو اصول علم حدیث پر ایک مختصر سا مگر نہایت قیمتی رسالہ ہے۔ شاہ صاحب نے احادیث کو چار طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔ طبقہ اوّل میں جو سب سے زیادہ معتبر ہے وہ موطا امام مالک اور بخاری اور مسلم کو رکھتے ہیں۔ دوسرے طبقہ میں ابو داؤد ترمذی اور نسائی کو رکھا ہے۔ اور انکو بلحاظ اعتبار کے طبقہ اوّل سے کم درجہ کی تسلیم کیا گیا ہے۔ تیسرے طبقہ میں ایسی کتابیں رکھی گئی ہیں جن کی عام طور پر قبولیت نہیں ہوئی اور نہ ایسی احادیث کو محض ان کتابوں میں ذکر کیا جانیکی وجہ سے قابل سند مانا گیا ہے بلکہ ان میں ایسی روایتیں بھی ہیں جنکے راویوں کے ثقہ ہونے پر اور انکی راستگوئی پر بڑی جرح ہوئی ہے۔ اس طبقہ میں احادیث کی ایسی کتابیں جیسے طبرانی۔ طحاوی۔ بیہقی۔ مستدرک حاکم۔ مسند ابن ماجہ۔ مسند دارمی اور اور چند کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ سب سے آخری طبقہ احادیث کا چوتھا طبقہ ہے۔ جس کے متعلق شاہ صاحب یوں لکھتے ہیں۔

طبقہ رابعہ۔ احادیثے کہ نام و نشان انہا در قرون سابقہ معلوم نبود و متاخراں انہا را روایت کردہ اند پس حال انہا از دو شق خالی نیست یا سلف تفحص کردند و انہا را اصلی نیافتہ اند تا مشغول بروایت انہا مے شدند یا یافتند و در انہا قدحے و علتے دیدند کہ باعث شد ہمہ انہا را بر ترک روایت انہا۔ و علی کل تقدیر ایں احادیث قابل اعتماد نیستند .... و مایہ تصانیف شیخ جلال الدین سیوطی در رسائل و نوادر خود ہمیں کتابہا است۔ یعنی چوتھے طبقہ کی حدیثیں وہ ہیں جن کا پہلے زمانوں میں کہیں نام و نشان بھی نہیں پایا جاتا اور متاخرین نے ہی انکو روایت کیا ہے پس ایسی حدیثیں دو حال سے خالی نہیں ہیں۔ یا تو پہلے لوگوں نے خوب تحقیق کی اور ان حدیثوں کو اصلی نہ پایا اس لیے انکی روایت نہ کی یا اگر انہوں نے انکو پایا تو ان میں ایسی قدح اور علت دیکھی کہ سب کے سب نے ان روایتوں کو چھوڑ دیا دونوں صورتوں میں یہ احادیث قابل اعتبار نہیں ہیں .... اور شیخ جلال الدین سیوطی کی تصنیفوں کی کل پونجی اپنے رسالوں اور نوادر میں اسی قسم کی کتابیں ہیں۔

پس اول تو اسی سے قیاس کر لینا چاہیئے کہ اتقان کی حدیثوں پر کہانتک اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ یہ حدیثیں محققین کے نزدیک بالکل ناقابل اعتبار ہیں اور یا تو محض وضعی ہیں یا ایسی کمزور اور ناقابل اعتبار کہ کسی محدث نے انکی روایت کو نہیں لیا۔ اب ایک اور امر قابل ذکر ہے۔ اور وہ یہ کہ نہ صرف ان احادیث کو اعلیٰ طبقہ کی احادیث سے کچھ تائید نہیں ملتی بلکہ تردید ہوتی ہے۔ ہم دکھا چکے ہیں کہ احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابی بن کعب بھی اس کمیٹی میں تھے جس کے سپرد حضرت عثمانؓ نے مصحفوں کا نقل کرانا کیا تھا۔ بعض اور احادیث ایسی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے وقت میں بھی ابی بن کعب نے جمع قرآن کے کام میں مدد دی۔ لیکن اگر بفرض محال اس بات کو بھی تسلیم کر لیا جائے کہ ابی کے پاس ایک الگ مصحف بھی تھا جس میں انہوں نے علاوہ قرآن شریف کی سورتوں کے دو دعائیہ جملے بھی لکھے ہوئے تھے تو اس سے یہ کیونکر ثابت ہوا کہ وہ دعائیہ جملے فی الواقع جزو قرآن شریف تھے بلکہ اس سے تو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ ابی بن کعب انکو قرآن شریف کی دو سورتیں سمجھتے تھے۔ اور اگر ابی کا یہ خیال بھی ہو تو بھی اس سے مصحف عثمانی پر کوئی اعتراض پیدا نہیں ہوتا۔ ہزارہا صحابہؓ کی متفقہ شہادت ایک طرف اور ابی کا خیال ایک طرف۔ قبل اس کے جو ابی کے اس خیال کو مصحف عثمانی پر حملہ کرنیکے لیے پیش کیا جاوے ان صحابہؓ کا نام تو معترضین کو لینا چاہیئے جنہوں نے ابی کے اس خیال کی تائید کی۔ ابن مسعودؓ جن کے خیالات بعض امور کی نسبت اجماع صحابہؓ سے الگ تھے وہ بھی ابی کی تائید نہیں کرتے اور ان دو جملوں کو قرآن کریم کا جزو قرار نہیں دیتے۔ اب اگر ایک شخص تحقیق کر کے اعتراض کرتا تو اسے تو یہ لازم تھا کہ پہلے وہ شہادت کا وزن کرتا اور پھر دیکھتا کہ آیا اعتراض کی صورت بھی بنتی ہے۔ قرآن کریم کوئی ایک یا دو شخصوں کی جائداد تو تھی نہیں کہ جو کچھ وہ کہدیں وہی صحیح تسلیم کر لیا جائے اور یہ خیال کر لیا جائے کہ باقی صحابہؓ کو کوئی علم ہی نہ تھا۔ یہ کیونکر ممکن تھا کہ صرف ایک ابی کو یہ معلوم ہوتا کہ فلاں دو دعائیہ جملے قرآن شریف کا جزو ہیں اور باقی ہزارہا صحابی اس سے بالکل بےخبر رہتے اور انکے کانوں تک یہ بات ہی کبھی نہ پہنچتی۔ قرآن کریم کی ہر ایک آیت اس کے نزول کے وقت دشمنوں اور دوستوں کے درمیان کثرت سے شایع ہو جاتی تھی۔ اب ایک شخص سے ایک غلطی بھی ہو سکتی تھی جس کی اصلاح ہزارہا دوسرے شخصوں کی شہادت سے ہو سکتی تھی۔ بلکہ یہ ایک خصوصیت قرآن کریم کو حاصل ہے کہ اس کی ہر ایک آیت ہزارہا لوگوں کے سینوں میں فی الفور محفوظ ہو جاتی تھی۔ اور اس طرح پر قرآن شریف کا محافظ کوئی فرد واحد نہ تھا۔ بلکہ ہزارہا محافظ تھے۔ اور ایک آدمی کی غلطی کی اصلاح دوسروں کی شہادت سے فی الفور ہو سکتی تھی۔ پس تمام صحابہؓ کی متفقہ شہادت ہی ایک ایسا امر ہے جو غلطی کرنے سے بچا سکتا ہے۔ اب اگر مصحف عثمان اور مصحف ابی میں کوئی اختلاف تھا تو اس کی صورت یہ نہ تھی کہ حضرت عثمان ایک بات کہتے ہوں اور ابی اس کے مخالف کوئی دوسری بات کہتے ہوں بلکہ یہ اختلاف ابی کا تمام جماعت صحابہؓ سے تھا۔ حتیٰ کہ ابن مسعود سے بھی

اختلاف تھا۔ پس ایسی صورت میں کسی معترض کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ یہ کہدے کہ ممکن ہے کہ حق ابی کے ساتھ ہو یعنی ابی کی بات سچی ہو۔ کیونکہ ابی کی رائے اکیلی تھی اور اس کے خلاف تمام صحابہؓ کی متفقہ شہادت تھی۔ پس جبکہ یہ بھی ثابت ہے کہ ہر ایک آیت نازل ہونیکے وقت عام طور پر شایع ہوجاتی تھی۔ اور دوسری طرف ابی کے خیال کا مؤید صحابہؓ میں سے ایک آدمی بھی نہیں ملتا بلکہ وہ کھلے طور پر ابی کی بات کو غلط قرار دیتے ہیں تو یہ ماننا پڑیگا کہ ابی غلطی پر تھا کیونکہ یہ تو قرین قیاس ہے کہ ایک شخص سے غلطی ہوجائے اور دوسرے اسکی اصلاح کردیں مگر یہ ممکن نہیں کہ قرآن شریف کا کوئی حصّہ نازل ہو اور اس کا علم سوائے ابی کے اور ایک صحابی کو بھی نہ ہو۔ یہ سب باتیں اس روایت کو جو اتقان میں موجود ہے قابل اعتبار فرض کرکے لکھی گئی ہیں۔ اور دراصل جیسا کہ میں دکھا چکا ہوں یہ روایت ہرگز قابل اعتبار نہیں ہے۔

اب ہم ایک اور پہلو سے اسی معاملہ پر نظر کرتے ہیں۔ اتقان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو جملے جن کو حفد۔ اور خلع کی سورتوں کے نام سے نامزد کیا گیا ہے دعائے قنوت کے دو حصے ہیں۔ اور اسطرح پر ہیں۔ فقرہ اوّل۔ اللّٰھم انا نستعینك ونستغفرك ونثنی علیك الخیر ونخلع ونترك من یفجرك۔ فقرہ دوم۔ اللّٰھم ایاك نعبد ولك نصلی ونسجد والیك نسعی ونحفد ونرجو رحمتك ونخشی عذابك ان عذابك بالکفار ملحق۔ ترجمہ فقرہ اوّل کا یہ ہے۔ اے اللہ ہم تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں اور تیری ہی حفاظت طلب کرتے ہیں اور تیری نیک ثنا کرتے ہیں اور جو شخص تیری نافرمانی کرتا ہے ہم اس سے بیزاری ظاہر کرتے اور اُسے چھوڑتے ہیں + اور دوسرے فقرہ کا ترجمہ یہ ہے اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تیرے ہی لیے نماز پڑھتے اور سجدہ کرتے ہیں اور تیری طرف ہی بھاگ کر آتے ہیں اور تیری ہی خدمت کرتے ہیں اور تیری رحمت کی امید کرتے ہیں اور تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں کیونکہ تیرا عذاب کافروں کو جا لگتا ہے۔

یہ وہی دعائے قنوت ہے جس کو مسلمان نماز میں پڑھتے ہیں اور یہ دعا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سکھائی ہوئی ہے۔ دعائے قنوت کی اور بھی بعض صورتیں صحیح احادیث میں آئی ہیں اور مندرجہ ذیل دعا بہت مشہور ہے۔ اللّٰھم اھدنی فی من ھدیت وعافنی فی من عافیت وتولنی فی من تولیت وبارك لی فیما اعطیت وقنی شر ما قضیت فانك تقضی ولا یقضیٰ علیك انه لا یذل من والیت ولا یعز من عادیت تبارکت ربنا وتعالیت۔ مشکوٰۃ باب الوتر۔ اب یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ دعائے قنوت کی یہ دونوں صورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں میں مروی ہیں اور قرآن کریم سے انکو کوئی تعلق نہیں ہے۔ مسلمانوں میں سے کیا سابقین اور کیا متاخرین سب دعائے قنوت کو پڑھتے رہے ہیں جسطرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا انکو سکھائی تھی۔ پس صحابہؓ کے

علم کی حد صرف اسی بات تک نہ تھی کہ دعائیہ جملے جنکو ابی بموجب روایت اتقان اپنے مصحف میں شامل کرتے تھے۔ انکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی قرآن کا حصہ بتاکر نہیں سکھائے تھے بلکہ انکو یہ بھی علم تھا کہ یہ دعائیہ جملے انکو سکھائے بھی گئے ہیں مگر انکو جزو قرآن قرار نہیں دیا گیا اسطرح پر صحابہؓ کی شہادت برخلاف ابی کے صرف لاعلمی کی شہادت ہی نہ تھی کہ وہ کہتے ہوں ہمیں کبھی یہ جملے سکھائے ہی نہیں گئے بلکہ انکی شہادت یہ تھی کہ یہ جملے تو ہمیں سکھائے گئے ہیں مگر ساتھ یہ بھی بتایا گیا کہ یہ قرآن کا جزو نہیں اسی لیے صحابہؓ میں سے کسی نے ابی کی بات کی تائید نہیں کی بلکہ احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس دعاء القنوت کو پڑھا اور اپنے صحابہؓ کو بھی سکھایا مگر کبھی اسکو جزو قرآن نہیں کہا۔ ممکن ہے کہ ابی کو صرف اس بات سے غلطی لگی ہو کہ یہ جملے نماز میں پڑھے جاتے ہیں مگر اصل بات یہ ہے کہ اور بھی بہت سارے دعائیہ جملے نماز میں پڑھے جاتے تھے جو جزو قرآن نہیں تھے۔ اور یہ جملے بھی قرآن شریف کی آیات کی طرح فاتحہ کے بعد نہ پڑھے جاتے تھے اور نہ کبھی ان باتوں کو کافی سمجھا گیا کہ سورۃ فاتحہ کے بعد آیات قرآنی پڑھنے کی بجائے انہی دو جملوں کو پڑھ لیا جائے۔ پس اگر ابی نے ان دعائیہ جملوں کو مصحف میں لکھا یا قرآن کریم کا حصہ سمجھا تو یہ محض انکا خیال تھا اور غلط خیال تھا اور ہزارہا صحابہؓ کی قطعی شہادت اس کے خلاف بتاتی ہے کہ یہ جملے جزو قرآن ہرگز نہیں تھے کیونکہ اوّل تو حضرت ابوبکرؓ کے وقت جمع قرآن میں کل صحابہؓ اس کام میں شامل تھے۔ اور وہ جمع کسی ایک آدھ آدمی کی رائے سے نہیں ہوئی پھر جب حضرت عثمانؓ نے اسی قرآن کریم سے نئے نسخے لکھوائے تو اس وقت بھی نقل کے اہتمام میں بہت سے صحابہؓ شامل تھے علاوہ ازیں کسی صحابی سے کوئی روایت نہیں پائی جاتی کہ یہ قرآن شریف کا جزو ہیں اور مصحف عثمانی میں یہ نقص رہ گیا ہے کہ انکو داخل نہیں کیا گیا۔ بلکہ اگر ابی کا کوئی اختلاف تھا تو انہوں نے خود حضرت عثمان کے ساتھ انہی نقلوں کے اہتمام میں شامل ہو کر اپنی غلطی کو تسلیم کیا کیونکہ کہیں سے ثابت نہیں ہوتا کہ انہوں نے اس بات پر زور دیا ہو کہ یہ فقرے بھی مصحف کے اندر لکھے جانے چاہئیں اور بموجب ایسی ہی روایات کے آخر اپنا مصحف حوالہ حضرت عثمانؓ کر کے حضرت عثمانؓ کے مصحف کی صحت کو قبول کیا۔ میں نہیں سمجھتا اس سے بڑھکر اور واضح تر شہادت مصحف عثمانی کی صحت کی کیا ہو سکتی ہے۔

اختلاف قرأت کے سوال کو میں بالفعل چھوڑتا ہوں کیونکہ یہ مضمون لمبا ہے اور الگ عنوان کے نیچے بحث چاہتا ہے چنانچہ اسپر اگلے رسالہ میں بحث آئیگی۔ اب ہم ان اختلافات پر غور کرتے ہیں جو ابن مسعود کی طرف منسوب کیے گئے ہیں یعنی یہ کہ وہ معوذتین کو اپنے مصحف میں نہ لکھتے تھے۔ اس کے متعلق بخاری میں حسب ذیل حدیث کتاب تفسیر میں آئی ہے۔ عن زر قال سالت ابی بن کعب قلت ابا المنذر ان اخاك ابن مسعود یقول کذا و کذا۔ فقال ابی سالت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فقال لی قیل لی فقلت قال نحن نقول کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم۔ اور اسی کی دوسری روایت یوں ہے۔ عن زر

بن جیش قال سالت ابی بن کعب عن المعوذتین فقال سالت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال قیل لی فقلت فنحن نقول کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس حدیث کے الفاظ میں کچھ ابہام ہے ترجمہ اس کا یوں ہے کہ زر کہتے ہیں میں نے ابی بن کعب سے پوچھا کہ ابن مسعود معوذتین کے بارہ میں ایسا ایسا کہتے ہیں انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا آپ نے فرمایا مجھے ایسا ہی کہا گیا ہے سو میں نے بتا دیا انہوں نے کہا پس ہم وہی کہتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا۔ اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ابن مسعود معوذتین کے بارہ میں کیا کہتے تھے آیا واقعی اپنے مصحف میں نہ لکھتے تھے اور اگر نہ لکھتے تھے تو کس وجہ سے کیونکہ ممکن ہے وہ اسے کلام الٰہی سمجھتے ہوں مگر یہ کہتے ہوں کہ انکا لکھنا قرآن شریف میں ثابت نہیں یا اور کچھ کہتے ہوں بہر حال حدیث کے الفاظ میں تصریح نہیں۔ ہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا جواب ابی بن کعب نے یہ دیا کہ انہوں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معوذتین کے متعلق دریافت کیا تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب کیا تھا یہ اسی سے معلوم ہو جائیگا کہ ابی ان سورتوں کو قرآن شریف کا جزو سمجھتے اور مصحف میں لکھتے تھے۔ پس یہی جواب انکا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ملا تھا۔ ظاہر الفاظ حدیث کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یہ دونوں سورتیں اسی طرح وحی کی گئی ہیں۔ پس میں نے اس وحی کو لوگوں تک پہنچا دیا۔ مگر بعض دوسری احادیث سے جو کم پایہ کی ہیں یعنی بلحاظ اعتبار کے وہ اس قابل نہیں کہ ہم انکی صحت پر وثوق کر سکیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابن مسعود اپنے مصحف میں ان سورتوں کو لکھتے نہ تھے چنانچہ ایک روایت احمد کی ہے ان عبد اللہ بن مسعود کان لا یکتب المعوذتین فی مصحفہ اور ایک اور روایت ان الفاظ میں ہے کان عبد اللہ بن مسعود یحک المعوذتین عن مصاحفہ ویقول انھما لیستا من کتاب اللہ۔ یعنی عبد اللہ بن مسعود معوذتین کو اپنے مصاحف سے کھرچ ڈالتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ کتاب اللہ میں سے نہیں ہیں۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو معلوم ہوا کہ عبد اللہ بن مسعود کا یہ خیال بعد کا تھا کیونکہ وہ لکھے ہوئے کو کھرچتے تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ فعل انکا کسی علم کی بنا پر نہ تھا بلکہ اجتہاد کی بنا پر تھا۔ بہر حال کسی دوسرے صحابی نے انکے اس فعل کی تائید نہیں کی۔ جیسا کہ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے قال البزار ولم یتابع ابن مسعود علی ذلک احد من الصحابۃ و قد صح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قرأھما فی الصلوۃ۔ بزار کہتے ہیں کہ ایک بھی صحابی نے ابن مسعود کی اس بات میں پیروی نہیں کی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ صحیح طور پر ثابت ہے کہ آپ نے معوذتین کو نماز میں پڑھا۔ صرف اسیقدر نہیں کہ دوسرے صحابہؓ نے ابن مسعود کی بات کی تائید نہیں کی بلکہ خود ابی نے ہی انکی مخالفت کی اور اپنے علم کی بنا پر یہ فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو جزو قرآن ہی بتایا۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ دو ہی آدمی ایسے بتائے جاتے ہیں جن کے مصاحف میں کسی اختلاف کا ذکر بعض روایات میں موجود ہے اور

وہ دونوں لیئے ہیں کہ نہ صرف ایک دوسرے کی تائید نہیں کرتے بلکہ ایک دوسرے کی مخالفت میں انکی رائے عام رائے صحابہؓ کے موافق ہے اور مصحف عثمانی کو صحیح قرار دیتی ہے ابی دعائے قنوت کو قرآن میں لکھتے ہیں تو ابن مسعود باقی صحابہؓ کے ساتھ انہیں غلطی پر قرار دیتے ہیں۔ ابن مسعود معوذتین کو قرآن میں نہیں لکھتے تو ابی دوسرے صحابہؓ کے ساتھ انہیں غلطی پر قرار دیتے ہیں۔ پس ایک اکیلے آدمی کی رائے ہزارہا آدمیوں کی متفقہ شہادت کے خلاف جو علم کی بنا پر مبنی ہے کیا وقعت رکھتی ہے۔

بہت سی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کثرت سے صحابہؓ صحیح علم اسبات کا رکھتے تھے کہ معوذتین قرآن کریم کا حصہ ہیں اور یہ علم انکا بلا واسطہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا۔ ابی کی شہادت کا اوپر ذکر ہو چکا اور بھی بہت سے صحابیوں سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی بار ان سورتوں کو نماز میں پڑھا دعائیہ جملوں کے طور پر نہیں بلکہ قرأت کے طور پر۔ یعنی بجائے کوئی اور حصہ قرآن کا پڑھنے کے انہیں سورتوں کو پڑھا۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ جو دعائیہ جملے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں پڑھا کرتے تھے جیسے دعاء القنوت وہ قرأت کی بجائے نہ ہوتے تھے مگر معوذتین کو قرأت کے طور پر پڑھا۔ اور یہی صحابہؓ کو سکھایا چنانچہ کئی صحابیوں کی شہادت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود انکو ہدایت فرمائی کہ انکو نماز میں پڑھا کرو چنانچہ ایک صحابی سے روایت ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اقرأہ المعوذتین وقال لہ اذا انت صلیت فاقرأھما۔ اب ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ ابن مسعود کو کیا غلطی لگی۔ اصل میں بات یہ ہے کہ یہ دونوں سورتیں قل اعوذ برب سے شروع ہوتی ہیں دوسری طرف قرآن شریف میں یہ حکم ہے اذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ۔ یعنی جب تو قرآن شریف پڑھے تو اللہ کے نام کے ساتھ پناہ مانگ۔ ادھر ان دونوں سورتوں میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ کس طرح پناہ مانگنی چاہیئے۔ ابن مسعود نے یہ خیال کیا کہ اس کلام میں صرف وہ طریق سکھایا گیا ہے جس طرح پناہ مانگنی چاہیئے۔ یہ خیال ہی خیال نہیں بلکہ ایک روایت میں ابن مسعود کے یہ الفاظ موجود ہیں انما امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یتعوذ بھما یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا کہ انکے ساتھ پناہ مانگی جاوے۔ جس سے انہوں نے یہ خیال کر لیا کہ یہ قرآن کریم کا جزو نہیں بلکہ پناہ مانگنے کا طریق سکھاتی ہیں۔ حالانکہ آنحضرتؐ کے اس حکم کا کہ ان کے ساتھ پناہ مانگی جاوے یہ نتیجہ نہیں نکلتا تھا کہ وہ خدا کا کلام یعنی جزو قرآن نہیں ہیں۔ اس سے حضرت ابن مسعود کی غلطی کا صاف پتہ لگتا ہے۔ قاضی ابو بکر باقلانی نے ابن مسعود کے اس فعل کی تشریح یوں کی ہے اور اسی کی تائید قاضی عیاض نے بھی کی ہے۔ کہ ابن مسعود نے انکے جزو قرآن ہونے سے انکار نہیں کیا بلکہ صرف یہی کہا کہ انکو قرآن کریم کے اندر نہ لکھا جاوے جسکی وجہ شاید یہ ہو کہ انہیں آنحضرتؐ سے انکا لکھنا ثابت نہ ہوا ہو۔ خواہ کچھ ہی صورت ہو اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ابن مسعود کے اس خیال کی ایک بھی صحابی نے تائید نہیں کی اور اس لیے چونکہ صحابہ کی متفقہ

شہادت اس کی رائے کے خلاف ہے اس لیے تاریخی طور پر بھی ہمیں اس کے خیال کو قطعاً غلط ٹھہرانا پڑتا ہے۔ اور یہ اعتراض کہ وہ فاتحہ کو بھی اپنے مصحف میں نہ لکھتے تھے اس سے بھی زیادہ کمزور ہے کیونکہ کسی معتبر حدیث سے اسکا کچھ بھی پتہ نہیں لگتا صرف چوتھے طبقہ کی احادیث میں سے جنکا ذکر اوپر ہوا ایک حدیث اس بات کو بیان کرتی ہے۔ جس کا ذکر جلال الدین سیوطی نے اتقان میں کیا ہے اس حدیث میں جو واقعہ ابن مسعود کی طرف منسوب کیا گیا ہے اگر وہ صحیح ہے تو اسکی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ سورہ فاتحہ کو تمام قرآن کے لیے بطور خلاصہ سمجھا جاتا تھا۔ شاید اسی وجہ پر انہوں نے قرآن کے اندر اسے نہ لکھا ہو۔ یا وہ یہ سمجھتے ہوں کہ جس طرح معوذتین صرف قرآن کے ختم کرنیکے لیے ہیں فاتحہ اس کے شروع کرنیکے لیے ہے اور انہیں قرآن کے اندر لکھنے کی ضرورت نہیں۔ بہرحال ایک آدمی کے محض خیال کو ہزارہا آدمیوں کی متفقہ شہادت کے خلاف جو وزن دیا جاسکتا ہے وہی ابن مسعودؓ کی ان باتوں کو صحابہؓ کے اتفاق کے مقابل دینا ہوگا۔ اختلاف قرأت کا سوال جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں الگ حل کیا جاوے گا۔

تیسرا اعتراض صرف ایک وہم ہی وہم ہے۔ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا تھا اسی کے مطابق آپ کا تبان وحی سے لکھواتے اور اسی کے مطابق حافظان قرآن حفظ کرتے۔ اگر جمع قرآن صرف تنہا زیدؓ کا ہی کام ہوتا۔ اور اس میں دوسرے صحابہؓ اس کے معاون نہ ہوتے تو ایسے شکوک کے لیے جگہ مل سکتی تھی کہ ممکن ہے زید سے بعض فقرات رہ گئے ہوں یا بعض فقرات ایسے انہوں نے درج کردیے ہوں جن کو قرآن شریف میں شامل کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا نہ تھا۔ لیکن جیسا کہ بہت سی احادیث کی متفقہ شہادت سے جو مختلف سلسلہ رواۃ سے ہم کو پہنچی ہیں ثابت ہوتا ہے زید کے معاون جمع قرآن کے کام میں کل صحابہؓ تھے جنہوں نے قرآن شریف کو لکھا ہوا تھا وہ اپنے اپنے لکھے ہوئے کاغذ لیکر حاضر ہوئے اور جنہوں نے حفظ کیا ہوا تھا انکے حافظوں سے مدد لی گئی حضرت ابوبکرؓ کے وقت میں بھی صحابہؓ کا جمع قرآن کے کام میں زید کے ساتھ شامل ہونا ثابت ہے۔ اور حضرت عثمانؓ کیوقت میں جب نسخے لکھے گئے اسوقت بھی دیگر صحابہ کا زید کے ساتھ شامل ہونا ثابت ہے۔ پس اس صورت میں جبکہ ابھی بہت سے لوگ ان صحابہؓ میں سے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قرآن شریف کو حفظ کرلیا تھا زندہ تھے۔ یہ بالکل ناممکن تھا کہ کچھ فقرات جو اصل میں قرآن شریف میں شامل تھے غلطی سے شامل ہونیسے رہ جاتے یا بعض فقرات ایسے شامل ہوجاتے جن کے شامل کرنیکا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں دیا تھا۔ ایسی غلطی کا ارتکاب اکیلا آدمی سے ہوسکتا تھا۔ مگر جہاں ایک طرف حفاظ موجود ہوں دوسری طرف کل کی کل تحریریں اکٹھی کی گئی ہوں اور پھر وہ صحابہؓ جو دن رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن شریف سنتے تھے وہ موجود ہوں وہاں ایسی غلطی کا ارتکاب ناممکن ہے۔ کیونکہ جو غلطی ایک شخص کرتا اسکی اصلاح دوسرے کرسکتے تھے۔ ہم اس بات کا انکار نہیں کرتے کہ ایک آدھ صحابی سے کوئی غلطی ہوسکتی تھی بلکہ ہم اس بات کو لکھ چکے ہیں کہ ابی اور ابن مسعود کی مصاحف والی روایتیں

درست ہیں تو ان بزرگوں سے بعض غلطیاں ہو جانیکی وجہ یہی تھی کہ انہوں نے اپنی ہی رائے کے مطابق سب کام کیا۔ مگر ہم جس بات پر زور دیتے ہیں وہ یہ ہے کہ زید کی جمع اور پھر نسخ مصاحف کے وقت ایسی امکانی غلطیوں کی اصلاح کے اتنے بڑے ذرایع موجود تھے کہ غلطی کا امکان بھی باقی نہیں رہتا۔ چہ جائیکہ اسکا وقوع ثابت ہو۔ زید نے بڑی محنت سے قرآن شریف کو جمع کیا جو کامل سورتیں نازل ہوئی تھیں انکو سورۃ سورۃ کر کے جمع کیا اور جہاں متفرق آیتیں نازل ہوئی تھیں ایک ایک آیت کر کے تلاش کیا اور پھر ان تمام تحریروں پر تائیدی شہادت حافظان قرآن کی موجود تھی۔ اگر خالی تحریر کا ہی اعتبار کیا جاتا تو کہا جاسکتا تھا کہ کوئی آیت رہ گئی ہوگی مگر وہاں حافظان قرآن بھی سینکڑوں تھے اور یہ وہ لوگ تھے جو سارا قرآن شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور آپکے سامنے حفظ کر چکے تھے۔ اور اس لیے زید خوب جانتے تھے کہ کس حصہ یا کس آیت کی تلاش ابھی کرنی چاہیئے۔ چنانچہ جمع قرآن کے بارہ میں جو حدیث آئی ہے اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ وہاں زید کہتے ہیں فلاں آیت کو میں نے تلاش کیا یہانتک کہ اسے فلاں شخص کے پاس پایا۔ یعنی آیت کا علم تھا اور تحریر کو تلاش کیا یہانتک کہ تحریر بھی مل گئی۔ پھر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے ایک یا دو حافظوں پر ہی سارا اعتبار نہیں کیا بلکہ کل کے کل کو جمع کیا۔ ممکن تھا کہ ایک حافظ سے کہیں غلطی ہو جائے مگر اسکی اصلاح دوسرے فی الفور کر سکتے تھے۔ اور اس کے ساتھ ہی ایسی غلطی کی اصلاح کا دوسرا ذریعہ تحریر تھی کیونکہ ہر ایک آیت بعد نزول فی الفور ضبط تحریر میں بھی لائی جاتی تھی۔ یہ ایسا پختہ انتظام تھا کہ کسی غلطی کے امکان کو باقی نہیں چھوڑتا کیونکہ باوجود ایک قسم کی قطعی شہادت کے موجود ہونیکے زید مطمئن نہ ہوتے تھے جبتک کہ دوسری قسم کی شہادت نہ ملجائے۔ حافظ کی تائید تحریر سے اور تحریر کی حافظ سے ہوتی تھی۔ اسی دوہری شہادت کی طرف حدیث جمع قرآن میں زیدؓ اشارہ کرتے ہیں جب وہ یہ فرماتے ہیں کہ میں تحریروں اور آدمیوں کے سینوں سے قرآن شریف کو اکٹھا کرنے لگا۔ باقی رہا ناسخ منسوخ کا سوال سو اس کا اس مضمون زیر بحث سے کوئی تعلق نہیں اور چونکہ یہ ایک لمبا مضمون ہے اس لیے اس کو بھی میں الگ عنوان کے نیچے بحث کے لیے چھوڑتا ہوں لیکن جو اعتراض کیا گیا ہے اس کے جواب میں اتنا کہدینا ضروری ہے کہ اگر ہم اس بات کو فرض بھی کریں کہ کوئی آیت کبھی منسوخ کی گئی تو صحابہؓ اس سے بیخبر نہ ہو سکتے تھے کیونکہ جس چیز کو آپنے منسوخ کرنا ضروری سمجھا ہو اس کا اعلان اور اسکی اشاعت بھی اسی طرح کی ہوگی جس طرح کسی آیت کے نزول کی۔

اب ہم چوتھے اعتراض کی طرف آتے ہیں۔ جس میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ بعض احادیث میں ابتک قرآن کریم کے وہ فقرات محفوظ ہیں جو حضرت ابو بکر یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے وقت شامل نہیں کیے گئے۔ حالانکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں جزو قرآن سمجھے جاتے اور قرآن شریف میں پڑھے جاتے تھے۔ درحقیقت یہی اعتراض سب سے بڑا اعتراض ہے۔ اور اسپر کسی قدر مفصل بحث درکار ہوگی۔ ہم اس بات سے تو انکار نہیں کرتے کہ ایسی حدیثیں موجود ہیں

مگر یہ کہتے ہیں کہ وہ قابل اعتبار ہرگز نہیں ہاں بعض مقامات پر بعض الفاظ کے معنوں کی غلط فہمی کی وجہ سے بھی اعتراض پیدا ہوئے ہیں۔ قبل اس کے کہ ان احادیث پر ہم ایک ایک کر کے بحث کریں یہاں چند عام ریمارک کرتے ہیں جو امید ہے ناظرین کو اصل بحث کے سمجھنے میں مدد دیں گے۔ قرآن شریف کی حفاظت کو ثابت کرنیکے لیے ہمیں دو باتیں ثابت کرنی ہیں اوّل یہ کہ قرآن شریف میں کوئی لفظ یا کوئی فقرہ بڑھایا نہیں گیا اور دوم یہ کہ اصل میں سے کچھ چھوڑا نہیں گیا جو موجودہ قرآن میں نہ ہو۔ ان میں سے امر اوّل کے متعلق یہ بات ثابت ہے کہ کوئی حدیث معتبر یا غیر معتبر۔ اصلی یا غیر اصلی ایسی نہیں پائی جاتی جس میں یہ دعویٰ کیا گیا ہو کہ فلاں آیات یا الفاظ جو اسوقت قرآن شریف میں پڑھے جاتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں نہ پڑھے جاتے تھے۔ سوائے اس ایک حدیث کے جس میں یہ ذکر ہے کہ ابن مسعودؓ معوذتین کو مصحف کے اندر نہ لکھتے تھے یا لکھے ہوئے کو کھرچتے تھے۔ اس پر بحث گذر چکی ہے اور میں دکھا چکا ہوں کہ یہ ابن مسعود کی صریح غلطی تھی وہ اکیلے اس خیال میں پڑ گئے تھے حالانکہ سارے کے سارے صحابہؓ حتیٰ کہ ابی بھی اس میں انکی مخالفت کرتے تھے۔ غلطی کی بنیاد اس خیال پر تھی کہ معوذتین صرف تعوذ کے لیے ہیں اور انکو قرآن شریف کے خاتمہ پر پڑھ لینا چاہیئے۔ قرآن شریف کے اندر لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسکی مثال ایسی ہے جیسا کہ بعض لوگوں نے خیال کیا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جس سے ہر ایک سورۃ قرآن شریف کی شروع ہوتی ہے وہ صرف افتتاح کے لیے ہے اور جزو سورۃ نہیں ہے۔ ایسا ہی خیال معوذتین کے متعلق ابن مسعودؓ کا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ایک اکیلے شخص کا خیال جو وہ بھی صریح طور پر واقعات کی غلط فہمی پر مبنی ہو تمام صحابہؓ کی متفقہ شہادت کے بالمقابل کیا وقعت رکھ سکتا ہے درانحالیکہ انکی شہادت کی بنیاد قطعی اور یقینی علم پر تھی نہ ابن مسعود کی طرح محض ایک خیال یا اجتہاد پر۔ اس ایک حدیث کے سوائے اور کوئی حدیث ایسی نہیں جس میں یہ دعویٰ کیا گیا ہو کہ فلاں آیت یا سورۃ قرآن میں شامل نہ تھی اور اس امر کی تو قطعاً کوئی شہادت نہیں کہ زیدؓ یا عثمانؓ نے اپنی طرف سے کوئی آیت یا سورۃ ملا دی تھی۔ اب جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ قرآن شریف میں کچھ بڑھایا نہیں گیا تو دوسری بات کا ثابت ہونا کہ اس میں سے کچھ گھٹایا نہیں گیا نہایت آسان ہو جاتا ہے کیونکہ پہلے امر کا ثبوت بھی اس دوسرے امر کے ثبوت کا ممد ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ نہ بڑھانیکے وجوہات کیا ہوئے اگر قرآن شریف ایسی بے احتیاطی سے جمع کیا جاتا جیسا کہ مخالفین خیال کرتے ہیں کہ اس میں سے سورتوں کی سورتیں یا آیتیں رہ گئیں تو پھر اس بے احتیاطی کا اثر دوسرے پہلو پر بھی ہونا چاہیئے تھا یعنی جیسے کچھ گھٹایا گیا تھا کچھ بڑھا بھی دیا جاتا۔ یا جیسے کچھ حصص رہ گئے تھے کچھ اور بھی داخل ہو جاتے کیونکہ دونوں طرف یکساں ہی اثر ہونا چاہیئے تھا۔ مگر چونکہ قرآن شریف میں بڑھ جانیکی شہادت کسی کمزور حدیث سے بھی نہیں ملتی اس لیے یہ ماننا پڑے گا کہ حضرت زیدؓ نے پرلے درجہ کی احتیاط اور تحقیق سے جمع کا کام کیا۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ جس احتیاط اور تحقیق نے قرآن شریف میں کچھ زیادتی ہو جانیسے اس کلام

پاک کو محفوظ رکھا وہی اس میں سے کم ہو جانیسے بھی اسکو محفوظ رکھنے کا ذریعہ بن گئے۔ اور اصل بات یہی ہے کہ حضرت زیدؓ اعلیٰ درجہ کی تحقیق کو کام میں لائے اور سامان حفاظت بھی سارے موجود تھے یعنی ایک طرف حافظان قرآن جن کو قرآن شریف کا ایک ایک حرف حفظ تھا اور دوسری طرف اصلی تحریریں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھی گئی تھیں۔ پس ایک طرف سامان حفاظت کا پورا پورا موجود ہونا اور دوسری طرف حضرت زیدؓ کی اسقدر احتیاط۔ یہی وہ باعث تھے کہ جن کی وجہ سے قرآن شریف میں نہ کوئی زیادتی ہوئی اور نہ ہی کوئی کمی ہوئی۔

دوسری بات جسکو میں خصوصیت سے بیان کرنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ حدیثوں سے استدلال کا طریق جو یورپین مصنف اختیار کر رہے ہیں بالکل غلط ہے۔ یہ لوگ عموماً اپنے نتائج کی بنیاد حدیث کی مجموعی شہادت پر نہیں رکھتے بلکہ جہاں اعتراض کرنیکی غرض ہو یا پہلے دل میں کوئی خیال بیٹھا ہوا ہو تو ایک کمزور سے کمزور حدیث بلکہ بعض وقت وضعی حدیث کو بنیاد ٹھہرا کر اسپر ایک عمارت کھڑی کر دیتے ہیں۔ خواہ اس حدیث کے خلاف معتبر احادیث میں کتنی ہی وزنی شہادت کیوں موجود نہ ہو۔ اور خواہ وہ نتیجہ جو نکالا گیا ہے حدیث کی مجموعی شہادت کی رو سے کتنا ہی لغو ثابت ہوتا ہو۔ اب جو ذخیرہ احادیث کا ہمارے سامنے موجود ہے اس میں ہر ایک قسم کی احادیث شامل ہیں اور محدثین نے شاقہ محنتوں کے ساتھ معتبر اور غیر معتبر احادیث کو الگ کرنیکی کوشش کی ہے۔ اس لیے ایک محقق یا منتقد کے لیے یہ ہرگز جائز نہیں ہے کہ وہ احادیث کے ملے جلے ذخیرہ میں سے ایک حدیث لیکر جو نتیجہ اس سے نکل سکے نکالے بلکہ قبل ایسا نتیجہ نکالنے کے اسکو کئی امور پر غور کرنا چاہیئے۔ احادیث کے مجموعوں میں سے وہ مجموعہ جو امام بخاری نے جمع کیا اور جو صحیح بخاری کے نام سے موسوم ہے سب سے زیادہ معتبر ہے۔ اور جہاں احادیث سے متضاد شہادت ملتی ہو یعنی بعض احادیث کی شہادت بعض کے مخالف ہو تو مامون طریق ایسی صورت میں یہ ہے کہ بخاری کی حدیث کو مقدم کیا جاوے۔ کیونکہ خود امت کا اجماع اسبات پر ہو گیا ہے کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ بخاری شریف ہے۔ پس احادیث سے شہادت لیتے وقت پہلا قاعدہ جو ایک محقق یا منتقد کو مدنظر رکھنا چاہیئے یہ ہے کہ معتبر اور غیر معتبر احادیث میں فرق کیا جاوے۔ بغیر اس قاعدہ کو مدنظر رکھنے کے ہم صحیح نتیجہ تک کبھی نہیں پہنچ سکتے۔ اس بات کو یاد رکھنا چاہیئے کہ یہاں ہم صرف اس صورت کا ذکر کر رہے ہیں جب بعض احادیث سے بعض کے مخالف شہادت پیدا ہوتی ہو۔ لیکن جہاں حدیث کا اختلاف قرآن سے ہو تو ایسی صورت میں حدیث کو رد کرنا پڑیگا۔ خواہ وہ کسی قسم کی ہو دوسرا قاعدہ جو احادیث کی شہادت کو وزن کرتے وقت مدنظر رکھنا چاہیئے۔ وہ یہ ہے۔ کہ جب احادیث ایک سی ہی معتبر یا غیر معتبر ہوں۔ تو دیکھنا چاہیئے کہ زیادہ شہادت کس طرف ہے۔ مگر سب سے ضروری اور یقینی معیار یہ ہے۔ کہ عملی تواتر کس بات کو صحیح ٹھہراتا ہے۔

اب ہم ان تین معیاروں کی رو سے ان احادیث کو پرکھیں گے۔ جو حفاظت قرآن کریم کے سوال کے متعلق ہیں لیکن اس سے پہلے ان احادیث کا بیان کرنا ضروری ہے جن پر اعتراضوں کی بنا رکھی گئی ہے ان

احادیث کو میں تاویل القرآن سے لیتا ہوں۔ جو سخت معاندانہ رنگ میں لکھی گئی ہے۔ اور جس کے مصنف نے ایسی احادیث کو جمع کرنے میں سخت محنت اٹھائی ہے۔ اگرچہ اوپر میں نے یہ کہا تھا۔ کہ ہم اس کتاب کے مجنونانہ دعووں کی طرف کوئی توجہ نہ کریں گے لیکن تاہم اس مضمون میں ان تمام باتوں کا جواب دیدیا گیا ہے یا دیا جاویگا جن کی بنا ایسے امور پر ہے۔ جو احادیث کی شہادت سے پیدا ہوں۔ خواہ ایسی احادیث معتبر ہوں یا غیر معتبر۔ احادیث پیش کردہ یہ ہیں (۱) صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ میں ابوالاسود سے یہ روایت ہے۔ کہ ابوموسیٰ اشعری نے بصرہ میں حسب ذیل الفاظ قرار کی ایک جماعت کے سامنے بیان کیے۔ انا کنا نقرأ سورۃ نشبهها فی الطول والشدة ببرأة فانسیتها غیر انی قد حفظت منها۔ لوکان لابن اٰدم وادیان من مال۔ لابتغٰی وادیا ثالثا۔ ولا یملاء جوف ابن اٰدم الا التراب۔ وکنا نقرأ سورة کنا نشبهها باحدی المسبحات فانسیتها غیر انی قد حفظت منها یا ایها الذین اٰمنوا لم تقولون مالا تفعلون فتکتب شهادة فی اعناقکم فتسئلون عنها یوم القیٰمة۔

(۲) مسلم کتاب الرضاع میں حضرت عایشہ سے حسب ذیل روایت ہے۔ عن عایشة انها قالت کان فیما انزل من القراٰن عشر رضعات معلومات ثم نسخن بخمس معلومات فتوفی رسول الله صلی الله علیه وسلم وهی فیما یقرأ من القراٰن۔

(۳) مسلم کتاب الحدود میں حسب ذیل روایت ہے۔ عن عبد الله بن عباس رضی الله عنهما یقول قال عمر ابن الخطاب رضی الله عنه وهو جالس علی منبر رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الله بعث محمدا صلی الله علیه وسلم بالحق وانزل علیه الکتاب فکان مما انزل الله علیه اٰیة الرجم قرأناها ووعیناها وعقلناها۔ فرجم رسول الله صلی الله علیه وسلم ورجمنا بعده فاخشی ان طال بالناس زمان ان یقول قائل ما نجد الرجم فی کتاب الله تعالٰی فیضلوا بترک فریضة انزله الله وان الرجم فی کتاب الله حق علی من زنا اذا احصن من الرجال والنساء اذا قامت البینة او کان الحمل او الاعتراف ۔ اور ایسا ہی سنن ابی داؤد کتاب الحدود باب الرجم میں یہ روایت ہے۔ عن عبد الله بن عباس ان عمر یعنی ابن الخطاب رضی الله تعالٰی عنه خطب فقال ..... فالرجم حق علی من زنا من الرجال والنساء اذا کان محصن اذا قامت البینة او کان حمل او اعتراف وایم الله لولا ان یقول الناس زاد عمر فی کتاب الله عزوجل لکتبتها۔

(۴) عن عایشة قالت کانت سورة الاحزاب تقرأ فی زمن النبی صلی الله علیه وسلم

مائتی آیات فلما کتب عثمان المصاحف لم نقدر منها الاما ھو الآن (کتاب الاتقان جلد ۲ صفحہ ۳۰)

(۵) عن مالک ان اولھا لما سقط معہ البسملۃ فقد ثبت انھا کانت تعدل البقرۃ لطولھا۔ و فی مصحف ابن مسعود مائۃ و اثنتا عشرۃ سورۃ لانہ لم یکتب المعوذتین و فی مصحف ابی ستہ عشرۃ لانہ کتب فی آخر سورتی الحفد و الخلع (اتقان جلد اول صفحہ ۸۱)

یہ وہ پانچ حدیثیں ہیں جن کی نسبت یہ اعتراض کیا جاتا ہے۔ کہ بعض آیات یا فقرے یا سورتیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں قرآن شریف میں پڑھی جاتی تھیں۔ اس وقت قرآن شریف میں موجود نہیں۔ اب پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ آیا کوئی ایسی احادیث بھی ملتی ہیں جن سے ان احادیث کی تردید ہوتی ہو۔ اگر ایسی احادیث ملتی ہوں تو پھر دوسرا سوال یہ پیدا ہوگا کہ ان میں سے کونسی احادیث زیادہ قابل اعتبار ہیں شہادت کا وزن زیادہ تر کس طرف ہے۔ اور عملی تواتر اور مسلمہ واقعات تاریخی کونسی احادیث کو صحیح ٹھہراتی ہیں۔ جیسا کہ ہم اس مضمون کے پہلے حصوں میں دکھا چکے ہیں۔ ایسی معتبر احادیث بہت کثرت سے ملتی ہیں جن سے ان احادیث کے بیانات کی تردید ہوتی ہے۔ اس لیے اب ہم ان تین امور پر غور کریں گے۔ جن کا ذکر ابھی ہوا۔ مگر قبل اس کے کہ ہم اس بحث کو چھیڑیں۔ یہ ظاہر کر دینا ضروری ہے۔ کہ اخیری دو حدیثیں جو اتقان میں سے لیگئی ہیں۔ اس قابل نہیں کہ ان پر کوئی توجہ کیجاوے۔ کیونکہ جیسا کہ شاہ عبد العزیز نے اپنے عجالہ نافعہ میں جو اصول علم حدیث پر لکھا گیا ہے۔ یہ بتادیا ہے۔ کہ جلال الدین سیوطی کی تصانیف میں ایسی احادیث پائی جاتی ہیں۔ جنکا نام و نشان ابتدائی زمانہ میں نہیں ملتا۔ اور اس لیے ایسی احادیث کسی طرح قابل اعتبار نہیں۔ پس اگر ان احادیث کی تردید معتبر احادیث سے نہ بھی ہوتی ہو۔ تو بھی یہ اس قابل نہیں کہ انکی بنا پر کوئی اعتراض کیا جاوے۔ بلکہ وہ خود اپنی تردید کیلیے آپ ہی کافی ہیں اسطرح پر اتقان کی دونوں حدیثوں کے رد کرنیکے بعد مسلم کی تین حدیثیں رہ جاتی ہیں۔ پس اصول اول کے مطابق جس کا ذکر اوپر ہوا ہے۔ سب سے پہلے ہم بخاری کو دیکھیں گے۔ کہ آیا اس میں کوئی ایسی حدیث پائی جاتی ہے۔ جو مسلم کی ان احادیث کی تردید کرتی ہو۔ کیونکہ صحیح بخاری وہ کتاب ہے۔ جس کو بالاجماع اصح الکتب بعد کتاب اللہ مانا گیا ہے۔ اور مسلم یا کسی دوسری کتاب کو ایسا مرتبہ حاصل نہیں۔ پس اگر مسلم کی کوئی حدیث یا کسی اور کتاب کی حدیث بخاری کی تردید کرتی ہو۔ تو ہمیں ایسی حدیث کو رد کرنا کرنا پڑیگا۔ لیکن ان احادیث کی شہادت کی تردید نہ صرف بخاری سے ہی ہوتی ہے۔ بلکہ خود انہی کتابوں یعنی مسلم وغیرہ میں کثرت سے ایسی حدیثیں پائی جاتی ہیں۔ جو ان تین حدیثوں کی تردید کرتی ہیں۔ چونکہ حفاظت قرآن کے مضمون میں ہم ان احادیث کا مفصل ذکر اپنی اپنی جگہ کرتے آئے ہیں۔ اور انہی کی بنا پر ہم نے یہ قطعی طور پر یہ ثابت کر دیا ہے۔ کہ قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کے زمانہ سے لیکر آجتک محفوظ چلا آیا ہے۔ اور اس میں کسی قسم کی کمی بیشی یا تغیر و تبدل نہیں ہوا۔ لہذا ان احادیث کے اعادہ کی یہاں کوئی ضرورت نہیں۔

اب ہم ان تینوں حدیثوں کو ایک ایک کر کے لیتے ہیں۔ اور دیکھتے ہیں کہ یہ کہانتک قابل اعتبار ہیں پہلی حدیث میں ابو موسیٰ اشعری کے خطبہ کا ذکر ہے۔ جو اس نے قرار بصرہ کے سامنے دیا۔ اور جس کا ماحصل یہ ہے۔ کہ وہ یعنی ابو موسیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے صحابہؓ دو سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ جن میں سے اب صرف ایک ایک فقرہ ہی اسے یاد رہ گیا۔ اور پہلی سورۃ کے فقرہ کا مضمون یہ ہے۔ کہ اگر ابن آدم کے لیے مال کی دو وادیاں ہوتیں تو وہ ایک تیسری وادی کی تلاش کرتا اور ابن آدم کے پیٹ کو سوائے مٹی کے کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔ اور دوسری سورۃ کے فقرہ کا یہ مضمون ہے۔ کہ اے ایماندارو تم وہ بات کیوں کہتے ہو۔ جو کرتے نہیں۔ اس کی شہادت تمھارے خلاف لکھی جائے گی اور قیامت کے دن تم سے اس کے متعلق باز پرس کیجائے گی۔ خود مسلم سے جو بیرونی اور اندرونی شہادت اس روایت کے متعلق ملتی ہے وہ اسکو مردود ٹھراتی ہے۔ بیرونی شہادت کے لیے سب سے پہلے اس کے سلسلہ رواۃ کو دیکھنا چاہیئے۔ اس روایت کے راویوں کے سلسلہ میں سب سے پہلے سوید بن سعید ہے اور اس لیے سب سے پہلے ہم اسی کو لیتے ہیں۔ کہ اسکی روایت کہانتک قابل اعتبار ہو سکتی ہے۔ راویوں کی جرح پر ذہبی کی میزان الاعتدال سب سے زیادہ معتبر کتاب ہے۔ اس کتاب میں سوید بن سعید کے متعلق یہ لکھا ہے کہ بعض لوگوں نے جن میں سے مسلم بھی ہیں۔ اس کی روایت کو لیا ہے۔ لیکن اکثر نے اس کی روایت کو مردود سمجھا ہے۔ اور اس بات پر قریباً قریباً سب کا اتفاق ہے۔ کہ وہ بہت بوڑھا ہو گیا تھا۔ اور آخر کار اندھا ہو گیا۔ اور اسوقت وہ بعض ایسی حدیثیں بیان کر دیتا تھا۔ جو درحقیقت اس کی حدیثیں نہ تھیں۔ امام بخاری کے اس کے متعلق یہ الفاظ ہیں۔ انہ ضعیف جداً۔ ایسا ہی ایک واقعہ کا اس کتاب میں ذکر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا میلان شیعہ مذہب کی طرف تھا۔ لکھا ہے کہ ایک شخص اس کے پاس کتاب الفضائل لایا تو اس نے علیؓ کو اول اور ابوبکرؓ کو آخر کر دیا۔ بہت سے لوگوں نے اسے متروک الحدیث قرار دیا ہے۔ اور بعض نے اسکو کذاب کہا ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ وہ متہم بالزندقہ ہے۔ یہ اس راوی کا حال ہے۔ جس کے منہ سے مسلم نے اس حدیث کو لیا ہے۔ اور جب اسکی نسبت اسقدر بے اعتباری کی شہادت ملتی ہے۔ تو ہمیں ضرورت نہیں کہ اب ہم اس حدیث کے دوسرے راویوں پر غور کریں۔

ایک اور قسم کی خارجی شہادت خود مسلم سے ملتی ہے۔ جس سے حدیث زیر بحث کی وقعت کچھ بھی نہیں رہتی۔ اس حدیث سے پہلے خود مسلم نے اسی مضمون کی چار اور حدیثیں نقل کی ہیں صرف اس فرق کے ساتھ کہ سوید کی حدیث میں جو الفاظ ابی موسیٰ کی طرف منسوب کیے گئے ہیں۔ انکے متعلق یہ ظاہر کیا گیا ہے۔ کہ وہ قرآن شریف کی

دو سورتوں کے ٹکڑے تھے۔ لیکن ان چاروں حدیثوں میں اس بات کا نام ونشان نہیں پایا جاتا چنانچہ مسلم کتاب الزکوۃ باب لوان لابن اٰدم وادیین لابتغی ثالثا میں سب سے پہلی حدیث یہ ہے۔ حدثنا یحیی بن یحیی وسعید بن منصور وقتیبۃ بن سعید قال یحیی انا وقال الاخران ثنا ابو عوانۃ عن قتادۃ عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوکان لابن اٰدم وادیان من مال لابتغی وادیا ثالثا ولایملاء جوف ابن اٰدم الاالتراب ویتوب اللہ علی من تاب۔ یعنی یحیی بن یحیی اور سعید بن منصور اور قتیبۃ بن سعید ان تینوں نے حضرت انس سے یہ روایت مسلم کو پہنچائی۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اگر آدمی کے لیے دو وادیاں مال کی بھی ہوتیں۔ تو بھی وہ تیسری کی خواہش کرتا۔ اور آدمی کے پیٹ کو سوائے مٹی کے کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔ یعنی آخر موت سے ہی اس کی خواہشات اور حرص کا خاتمہ ہوتا ہے۔ اور جو شخص خدا کی طرف رجوع کرتا ہے خدا بھی اس پر رجوع برحمت کرتا ہے۔ اب اس روایت کے بموجب حضرت انسؓ یہ روایت کرتے ہیں۔ کہ وہی لفظ یعنی لوکان لابن اٰدم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے تھے۔ اور انکو قرآن کا جزو قرار نہیں دیا گیا۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اب مسلم کی یہ دونوں روایتیں ایک دوسرے کے مخالف شہادت دیتی ہیں۔ یعنی ایک طرف تو سوید کی روایت جس کے رو سے لوکان لابن اٰدم الخ کو کسی بھولی ہوئی سورۃ قرآنی کا حصہ قرار دیا گیا ہے۔ اور دوسری طرف یحیی بن یحیی اور سعید بن منصور اور قتیبۃ بن سعید تینوں کی متفق علیہ روایت ہے جس کے رو سے انہی الفاظ کو قرآن شریف کا جزو نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے الفاظ قرار دیا گیا ہے اس لیے ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ ان دونوں روایتوں میں سے ہم زیادہ اعتبار کس پر کر سکتے ہیں۔ سوید کے متعلق جو رائے محدثین کی ہے۔ اسکو ہم اوپر نقل کر چکے ہیں اب ان تینوں راویوں میں سے سعید بن منصور اور یحیی بن یحیی دو کو ذھبی نے میزان الاعتدال میں صریح الفاظ میں ثقہ بیان کیا ہے۔ اور تیسرے یعنی قتیبہ بن سعید کے متعلق لکھا ہے۔ کہ اس کا حال کچھ معلوم نہیں۔ بہر حال اس حدیث کی شہادت پہلی حدیث سے بہت بڑھکر وزنی ہے۔ کیونکہ وہاں تو صرف ایک آدمی کی روایت ہے اور وہ بھی ایسا جسکو اکثر محدثین نے ناقابل اعتبار اور ضعیف اور متروک الحدیث مانا ہے اور بعض نے زندیق اور کذاب تک کہا ہے۔ اور یہاں کم از کم دو ایسے راویوں کی شہادت ہے۔ جن کو سب محدثین نے ثقہ تسلیم کیا ہے اس لیے ہم آسانی سے اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ کہ اس حدیث کی شہادت حدیث زیر بحث سے بہت زیادہ قابل اعتبار ہے۔ پس جب یہ حدیث قابل تسلیم ہے۔ تو حدیث زیر بحث ضرور مردود ٹھہرتی ہے۔ پھر اس کے علاوہ تین اور حدیثیں اسی مضمون کی مسلم نے بیان کی ہیں۔ اور ان سب میں ان الفاظ لوکان لابن اٰدم الخ

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ کے الفاظ اور آپ کی حدیث قرار دیا گیا ہے۔ اور کسی ایک میں بھی یہ نہیں کہا گیا۔ کہ وہ جزو قرآن تھے۔ ان تین میں سے ایک حدیث میں ابن عباس کی طرف جو اس کے پہلے راوی ہیں۔ یہ الفاظ منسوب کیے گئے ہیں۔ فلا ادری أمن القرآن هو ام لا۔ یعنی میں نہیں جانتا کہ یہ قرآن کا جزو ہیں یا نہیں مگر اس کے ساتھ ہی ایک دوسری روایت میں انہی الفاظ فلا ادری أمن القرآن کے تعلق میں ابن عباس کا ذکر نہیں کیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی پچھلے راوی کے لفظ ہیں۔

ان تمام واقعات پر غور کرنیسے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ کہ خود مسلم نے اس ایک حدیث کے خلاف چار اور حدیثیں بیان کرکے اسکو ایک حد تک ناقابل اعتبار قرار دیا ہے۔ اور کم از کم یہ تو ظاہر ہے۔ کہ جب ایک ہی کتاب میں ہم پانچ حدیثیں ایسی پاتے ہیں جن میں چار کی شہادت پانچویں کے مخالف ہے، اور پھر ان چار حدیثوں کو پانچویں حدیث کی نسبت بلحاظ راویوں کے زیادہ قابل اعتبار بھی پاتے ہیں۔ تو ان چار حدیثوں کی شہادت کے بالمقابل پانچویں حدیث کی شہادت کو رد کرنا پڑیگا۔ اس بارہ میں یہ امر بھی قابل تذکرہ ہے۔ کہ خود مسلم نے ان چار حدیثوں کو پہلے اور اس پانچویں حدیث کو جو انکے مخالف ہے سب سے اخیر بیان کرکے یہ جتا دیا ہے۔ کہ یہ حدیث انکے مقابل بہت کم وزن رکھتی ہے۔ یہ صرف قیاس ہی قیاس نہیں بلکہ مسلم نے صحیح مسلم کے دیباچہ میں خود اس بات کو وضاحت سے بیان کیا ہے۔ کہ جن حدیثوں کو اس نے زیادہ قابل اعتبار سمجھا ہے۔ انکا ذکر بھی پہلے کیا ہے اور جن حدیثوں کو کمزور سمجھا ہے۔ انکا ذکر بعد میں کیا ہے چنانچہ انکے اپنے الفاظ یہ ہیں۔ فاما القسم الاول فانا نتوخی ان نقدم الاخبار التی هی اسلم من العیوب من غیرها وانقی من ان یکون ناقلوها اهل استقامة فی الحدیث واتقان لما نقلوا۔ لم یوجد فی روایتهم اختلاف شدید ولا تخلیط فاحش کما قد عثر فیه علی کثیر من المحدثین وبان ذٰلك فی حدیثهم فاذا نحن تقصینا اخبار هٰذا الصنف من الناس اتبعنا ها اخبارًا یقع فی اسانید ها بعض من لیس بالموصوف بالحفظ والاتقان کالصنف المقدم قبلهم .... یعنی امام مسلم کہتے ہیں۔ کہ ہم نے اس قاعدہ کی پیروی کی ہے کہ ان حدیثوں کو پہلے رکھیں۔ جو دوسری حدیثوں کی نسبت عیبوں سے زیادہ محفوظ ہیں۔ اور انکے نقل کرنیوالے حدیث میں اہل استقامت اور اہل اتقان ہیں۔ ان باتوں میں جنکو انہوں نے نقل کیا اور انکی روایت میں اختلاف شدید یا بڑا خلط نہیں پایا جاتا۔ جیسا کہ اکثر محدثین کو انپر اطلاع ہوئی ہے۔ اور پھر لکھتے ہیں۔ کہ جب ہم اس قسم کی حدیثوں کو بیان کر چکتے ہیں۔ تو ان کے بعد اس قسم کی حدیثیں لاتے ہیں۔ جن کی سندوں میں بعض ایسے راوی بھی ہیں جو حفظ اور اتقان میں پہلے راویوں کی طرح نہیں۔ ان الفاظ سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ خود مسلم نے حدیث زیر بحث کو وہ وقعت نہیں دی۔ جو ان حدیثوں کو جن سے اس کے مخالف شہادت پیدا ہوتی ہے۔

حدیث زیر بحث کے بطلان کو اور بھی واضح کرنیکے لیے اب ہم اس اندرونی شہادت پر غور کرتے ہیں۔ جو خود اس حدیث سے پیدا ہوتی ہے۔ اول تو خود اس فقرہ کی عبارت اس طرز کی ہے کہ کوئی شخص جس نے قرآن شریف کو پڑھا ہے۔ اسے قرآن شریف کا جزو قرار نہیں دے سکتا۔ ثانیاً وہ الفاظ جو ابو موسیٰ اشعری کی طرف منسوب کیے گئے ہیں۔ اس حدیث کے جھوٹا ہونے کی شہادت دیتے ہیں۔ ابو موسیٰ اشعری کہتے ہیں۔ کنا نقرأ سورۃً یعنی ہم ایک سورۃ پڑھا کرتے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس حدیث کے مطابق وہ اکیلے ہی ایسے آدمی نہ تھے جنکو وہ سورۃ حفظ یاد ہو۔ بلکہ انکی طرح دوسرے صحابہؓ کو بھی یاد تھی۔ اس لیے یہ ماننا پڑتا ہے۔ کہ یہ سورۃ تمام صحابہؓ میں شہرت رکھتی تھی۔ اب اگر اس بات کو فرض کر لیا جاوے۔ کہ یہ ممکن تھا۔ کہ ابو موسیٰ اشعری ساری سورۃ کو یکایک بھول جائیں۔ اور صرف ایک ہی فقرہ انکو یاد رہ جائے۔ تو یہ کیونکر ہوا۔ کہ باقی تمام صحابی بھی اسکو ساتھ ہی بھول گئے۔ کوئی صحابی نہ اس سورۃ کا ذکر کرتا ہے۔ نہ نام لیتا ہے کہ کبھی کوئی ایسی سورۃ قرآن شریف کا ایک حصہ تھی نہ ہی کسی صحابی نے اور انہی میں ابو موسیٰ اشعری بھی شامل ہے۔ حضرت ابو بکرؓ کے وقت میں جب قرآن شریف جمع کیا جا رہا تھا زید کو یہ اطلاع دی کہ ایسی کوئی سورۃ بھی قرآن شریف میں داخل ہے۔ حالانکہ اسوقت عام طور پر اعلان کیا گیا تھا۔ کہ جس شخص کے پاس کوئی حصہ قرآن کا ہو۔ جو اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا ہو۔ وہ اسے لے آوے پھر نہ معلوم اس وقت ابو موسیٰ اشعری اور وہ دوسرے صحابہؓ جنکو یہ سورۃ حفظ تھی۔ کہاں تھے۔ یا کیوں انہوں نے اسے پیش نہ کیا۔ ایسا ہی حضرت عثمانؓ کیوقت میں جب مصاحف کی نقل بڑے اہتمام سے کرائی گئی اسوقت بھی کسی کی اطلاع میں یہ بات نہ آئی۔ کہ ایسی کوئی سورۃ بھی قرآن شریف میں ہے۔ پھر حضرت ابو بکرؓ کے وقت سے لیکر جب قرآن شریف جمع کیا گیا۔ کسی قاری نے یا حافظ نے باوجود اسکے کہ صحابہؓ میں بہت سے لوگ ایسے موجود تھے۔ کبھی اس بات کو پیش نہ کیا۔ کہ جو قرآن شریف حضرت ابو بکرؓ نے جمع کرایا تھا۔ اس میں ایک اتنی بڑی لمبی سورۃ کا نام و نشان تک پایا نہیں جاتا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ابو موسیٰ اشعری اور دوسرے تمام صحابہؓ جنکو سورۃ حفظ تھی۔ اور ایسا ہی تمام حافظان قرآن اس سورۃ کو حضرت ابو بکرؓ کی جمع سے پہلے ہی بھول چکے تھے۔ اور تمام تحریریں بھی جنپر یہ سورۃ لکھی ہوتی تھی۔ اسوقت سے پہلے تلف ہو چکی تھیں۔ تو کم از کم اتنا تو ہوتا۔ کہ یہ چند لفظ جو ابو موسیٰ اشعری کو یاد رہ گئے تھے۔ یعنی لو کان لابن آدم وادیان من مال الخ قرآن شریف میں درج کر دیے جاتے۔ ابو موسیٰ اشعری صحابہؓ کو یاد دلاتے کہ ہم سب فلاں سورۃ پڑھا کرتے تھے۔ جسکو اب ہم سب بھول گئے ہیں۔ اور یہی ایک فقرہ یاد رہ گیا ہے۔ تو ضرور تھا۔ کہ صحابہؓ کو بھی یہ بات یاد آ جاتی۔ اور عجیب بات یہ ہے۔ کہ ابن مسعودؓ اور ابی کے پاس جو کہا جاتا ہے۔ کہ الگ نسخے قرآن شریف کے تھے۔ انمیں بھی اس سورۃ کا نام و نشان نہیں۔ پھر جب ابو موسیٰ نے اس بات کو بیان کیا۔ تو اسوقت بھی ہزارہا صحابیوں میں

کسی ایک نے بھی اسکی تائید نہ کی۔ اور تعجب پر تعجب یہ کہ وہ لوگ جو ایک ایک حدیث کے لیے مہینوں کے سفر کرتے اور محنت شاقہ اُٹھاتے انہیں سے بھی کوئی ایک اس تحقیق کے درپے نہ ہوا۔ کہ اتنی بڑی لمبی سورتیں قرآن شریف کی جو کہ ابو موسیٰ کو بھول گئی تھیں۔ انکا کہیں پتہ لگاتا۔ بلکہ خود ابو موسیٰ نے بھی کوئی کوشش نہ کی۔ کہ جو سورتیں اسکو بھول گئی تھیں۔ انکو تازہ کرنیکے لیے کچھ محنت اُٹھاتا۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ حدیث میں جو بات بیان کی گئی ہے۔ وہ ایسی لغو اور دُور از قیاس ہے۔ کہ ایک سمجھدار آدمی ایک لمحہ کے لیے بھی اسپر یقین نہیں کر سکتا۔ پس خارجی اور اندرونی شہادت دونوں نہایت صفائی سے اس بات کو بیان کرتی ہیں۔ کہ حدیث زیر بحث سراسر جھوٹی ہے۔ اور اسکی صداقت پر ایک ذرہ بھر بھی شہادت نہیں ملتی۔ اور یہ امر کہ مسلم نے اس حدیث کو اپنی کتاب میں لکھدیا ہے۔ یہ کوئی اس کی شہادت پر صداقت نہیں۔ دراں حالیکہ ہم یہ بھی دکھا چکے ہیں۔ کہ خود مسلم بھی اسکو بہت ضعیف اور کمزور سمجھتا تھا۔ اور دوسری حدیثوں کو جن سے اس کے مخالف شہادت پیدا ہوتی ہے۔ اس سے بہت زیادہ قابل اعتبار سمجھتا تھا۔

باقی دو حدیثیں جو مسلم نے بیان کی ہیں۔ اور جن کو اعتراض کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اگر انہیں سے ہر ایک پر ایسی ہی لمبی بحث کیجائے تو یہ مضمون بہت طول پکڑ جائیگا۔ ہم نے صرف مثال کے طور پر یہ بتا دیا ہے۔ کہ ایسی حدیثوں پر خواہ وہ مسلم میں ہی موجود ہوں۔ کوئی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ اور تحقیق سے ایسی حدیثیں بالکل جھوٹی ثابت ہوتی ہیں۔ پس باقی ماندہ دو حدیثوں کے متعلق ہم صرف انکی اندرونی شہادت کے متعلق ہی مختصر طور پر کچھ ذکر کرینگے۔ انہیں سے ایک حدیث کا جو نمبر ۲ پر دیگئی ہے۔ یہ مضمون ہے کہ حضرت عایشہ نے یہ بیان کیا تھا۔ کہ قرآن شریف میں ایک آیت تھی جسمیں صراحت سے یہ ذکر تھا۔ کہ دس بار دودھ چوسنے سے حرمت رضاعی ثابت ہوتی ہے۔ اور کہ یہ حکم بعد میں منسوخ ہو گیا۔ اور اس کی بجائے ایک اور حکم نازل ہوا جس میں دس بار کی بجائے پانچ بار کا دودھ چوسنا حرمت رضاعی کے لیے کافی سمجھا گیا اور کہ یہ آخری حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت قرآن شریف میں پڑھا جاتا تھا۔ جو کچھ اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایسا حکم حضرت عایشہ کے سوا دوسروں کو بھی معلوم تھا۔ اور وہ اسکو قرآن شریف میں پڑھا کرتے تھے۔ درحقیقت اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اگر کوئی ایسا حکم نازل ہوتا۔ تو اس کی شہرت عام ہوتی۔ کیونکہ یہ حکم ایسا تھا۔ جو روزمرہ استعمال میں آنیوالا تھا۔ عرب میں بچوں کو عموماً دودھ دایا سے پلایا جاتا تھا۔ اور ایسی صورت میں یہ ضرور تھا۔ کہ ہر ایک شخص کو اس بات کا علم ہوتا۔ کہ کون کونسی عورتیں اسپر رضاعت کیوجہ سے حرام ہیں۔ پس اگر ایسی کوئی آیت قرآن شریف میں نازل ہوتی۔ تو اس کا علم کبھی ایک شخص تک محدود نہ رہ سکتا تھا۔ بلکہ اسکی اطلاع اور شہرت عام ہونی چاہیئے تھی۔ محدثین نے یہ اصول قایم کیا ہے۔ کہ اگر کسی حدیث میں کسی ایسے واقعہ کا تذکرہ ہو۔ جسکی اطلاع اور شہرت عام

ہونی چاہیئے۔ مگر وہ لوگ جنکو اس کا علم ہونا چاہیئے تھا۔ اس کے متعلق کچھ اطلاع نہ دیں۔ اور اس سے لاعلمی ظاہر کریں۔ تو ایسی حدیث کے وضعی ہونیکی یہ شہادت کافی ہے۔ درحقیقت اگر غور کیا جائے۔ تو یہ اصول نہایت معقول ہے جب ہم اس کے رو سے حدیث زیر بحث کو پرکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث اصلی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ایسا حکم رضاعت کے متعلق عام طور پر لوگوں کے علم میں آنا چاہیئے تھا اور ضروری تھا کہ کثرت سے روایات اس کے متعلق ہوتیں۔ حدیث میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ ایک آیت عام طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پڑھی جاتی تھی۔ اب جب حضرت ابوبکرؓ نے قرآن شریف کو جمع کرنا شروع کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے صرف چھ ماہ کا عرصہ گذرا تھا۔ مگر باوجود اس کے کہ اسقدر تھوڑا عرصہ گذرا تھا ایک شخص نے بھی حضرت ابوبکرؓ یا زیدؓ کو اطلاع نہ دی کہ ایسی کوئی آیت بھی قرآن شریف میں ہے بلکہ حضرت عایشہؓ نے بھی جنکی طرف یہ روایت منسوب کیجاتی ہے ایسی اطلاع نہیں دی اور بالفرض اگر وہ زیدؓ کو اطلاع نہ دے سکتی تھیں تو کیا اپنے والد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی نہ دے سکتی تھیں پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وقت میں بھی حضرت عایشہ رضی اللہ عنہا زندہ تھیں مگر اسوقت بھی ایسی کسی آیت کا انہوں نے ذکر نہیں کیا۔ کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ عمرہ کو تو کئی سال بعد حضرت عایشہ ایسی آیت کا پتہ بتائیں لیکن خود اپنے والد کو جمع قرآن کے وقت نہ بتائیں اور اسوقت جبکہ عام اعلان کیا گیا تھا کہ جس شخص کے پاس کوئی آیت ہے وہ اسے لے آوے خاموشی اختیار کریں۔ اور پھر یہ بھی عجیب بات ہے کہ حضرت عایشہؓ کے سوا کوئی شخص ایسی آیت کا نام تک نہیں لیتا۔ علاوہ اس کے جیسا کہ پچھلی حدیث کی بحث میں دکھایا جا چکا ہے خود مسلم کے اسی باب کی دیگر احادیث ہی اس حدیث کے جھوٹا ہونیکی شہادت ملتی ہے۔ کیونکہ ان احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی صحابی کو ایسی کسی آیت کی کوئی خبر نہ تھی۔ بلکہ اسی باب میں ایسی احادیث خود حضرت عایشہؓ اور دیگر صحابیوں سے مروی ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیے گئے ہیں کہ کتنی دفعہ کی رضاعت سے حرمت ثابت ہوتی ہے۔ اگر ایسی کوئی صاف آیت قرآن شریف میں وارد ہوتی کہ پانچ یا دس دفعہ دودھ چوسنے سے حرمت قطعی ہو جاتی ہے۔ تو ایسے سوال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیوں پوچھے جاتے۔ نہ ہی یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ انہی سوالوں کے وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی کیونکہ اس کا کوئی تذکرہ حدیث میں نہیں پایا جاتا حالانکہ اگر ایسا واقعہ ہوتا تو اس کا تذکرہ حدیث میں بھی ضرور ہوتا۔

رہی تیسری حدیث سو اس کا بھی اب اسجگہ فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ یہ بات غور کے قابل ہے کہ اگر اس حدیث کے وہی معنے صحیح ہوں جو مخالف معترض کھینچ تان کر بیان کرنیکی کوشش کرتے ہیں تو جو الفاظ حضرت عمرؓ کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں وہ انکی زبان سے نکلے ہوئے کبھی ثابت نہیں ہو سکتے۔

حضرت عمر رضؓ کے الفاظ سے معترض یہی نتیجہ نکالنے کی کوشش کرتے ہیں کہ گویا حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہؓ کو ایک ایسی آیت یاد تھی جس میں زانی مردوں اور عورتوں کی سزا کا ذکر تھا۔ لیکن یہ آیت قرآن میں درج نہیں ہوئی۔ بلکہ کہا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ یہ آیت پڑھی جاتی تھی اور یاد کی جاتی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اور ان کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین اس پر عمل کرتے اور اس کے مطابق حکم کیا کرتے تھے۔ اب اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جبکہ ہم اس بات کو بہت اچھی طرح جانتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا جمع قرآن میں سب سے بڑا دخل تھا اور جمع شدہ قرآن شریف انکی خلافت کے زمانہ میں انکے قبضہ میں ہی تھا تو پھر کیا وجہ پیدا ہوئی کہ انہوں نے اس آیت کو درج فرمایا؟ اس آیت کے متعلق صرف تین قیاس کیے جاسکتے ہیں (۱) یہ قیاس ہوسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہؓ کا باہم اتفاق تھا کہ یہ قرآن شریف کی آیت ہے (۲) یا یہ قیاس ہوسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی یہ رائے تھی کہ یہ قرآن شریف کی ایک آیت ہے اور دوسرے صحابہؓ اس سے متفق نہ تھے (۳) یا یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ نہ حضرت عمرؓ اور نہ دوسرے صحابہؓ ہی اس کے آیت قرآنی ہونے پر متفق تھے۔ ان قیاسات میں سے صرف پہلا قیاس ہی ایسا ہے جس سے معترضین کی نکتہ چینی کو کچھ رونق مل سکتی ہے۔ لیکن اگر ایسا ہی ہوتا کہ حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ اس بات پر متفق ہوتے کہ یہ قرآن شریف کی آیت ہے تو انکو کس بات نے روکا تھا کہ اسے درج قرآن نہ کیا؟ اس لیے یہ قیاس بالکل باطل ٹھہرتا ہے۔ اور خصوصاً جب اُن لوگوں کے اخلاص اور دیانت و امانت اور تقویٰ و طہارت کی طرف توجہ کیجاتی ہے اور انکے اس دخل پر غور کی جاتی ہے جو جمع قرآن میں انکو حاصل تھا۔ اور نیز جب اس بات کو دیکھا جاتا ہے کہ اس حکم کے اخفا سے انکا کوئی ذاتی فایدہ نہ تھا تو ایسی حالتوں کے باوجود اس کا درج قرآن نہ ہونا اس قیاس کے بطلان پر قوی دلیل ہے۔

اسی طرح دوسرا قیاس بھی غلط ہی ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس بات کی کہیں ذرا بھی شہادت نہیں ملتی کہ کبھی حضرت عمرؓ نے ایسا بیان کیا ہو اور صحابہؓ نے انکی تردید کی ہو۔ اور اگر بالفرض یہ مانا جائے کہ واقعی طور پر حضرت عمرؓ کے ایسے بیان کی دوسرے صحابیوں نے تردید کی تھی۔ تو حضرت عمرؓ جب کسی دوسرے صحابی کو اپنا مؤید نہ پاتے تو خود ہی اپنی غلطی سے منحرف ہوجاتے۔ ان دونوں قیاسوں کے بطلان کے بعد صرف تیسرا قیاس ہی ایسا ہے جس پر یہ مقدمہ ٹھہر سکتا ہے۔ لیکن اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ قیاس اس حدیث کے ساتھ کس طرح توافق کھا سکتا ہے۔ کیونکہ ظاہر میں دونوں متضاد بیانات کی طرح نظر آتے ہیں۔ مگر اصل بات یوں نہیں۔ تھوڑا سا غور کرنے سے یہ امر ظاہر ہوجائیگا کہ اگر اس حدیث کے معنے تیسرے قیاس کے ساتھ متوافق نہ ہوں تو یہ حدیث ہی بے معنی اور عبث ٹھہر جاتی ہے۔ حضرت عمرؓ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جب کچھ زمانہ گذر جائیگا تو لوگ یہ کہنا شروع کردیں گے کہ زانیوں کو سنگسار کرنیکا حکم کتاب اللہ میں موجود نہیں۔ حالانکہ زانی مردوں اور زانیہ

عورتوں کو سنگسار کرنیکا حکم کتاب اللہ میں صحیح طور پر موجود ہے۔ اگر کتاب اللہ سے مراد قرآن شریف سمجھا جائے تو یہ ایک صریح تضاد ہی اور اس لیے حدیث مذکور سراسر بے معنی ہے۔ کیونکہ پھر معنے یہ ہوں گے کہ سنگساری کا حکم قرآن شریف میں موجود ہے مگر مرور زمانہ کے بعد لوگ کہنے لگیں گے کہ ایسا حکم قرآن شریف میں نہیں۔ لیکن لفظ "کتاب اللہ" جو اس حدیث میں وارد ہے اگر اس کے مفہوم کو ذرا وسعت دیجاوے تو یہ اختلاف دُور ہو جاتا ہے۔ سو واضح رہے کہ یہ ضروری نہیں کہ "کتاب اللہ" سے مراد قرآن شریف ہی ہو۔ کیونکہ یہی لفظ قرآن شریف میں بھی آیا ہے اور وہاں اسکے معنے احکام الٰہی کے ہیں۔ چنانچہ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَاءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ الخ میں "کتاب اللہ" کے معنے قرآن شریف نہیں بلکہ احکام الٰہی ہیں۔ سو ان معنوں کے رو سے حدیث کے معنے درست ہو جاتے ہیں اور قرآن شریف کی حفاظت پر جو اعتراض بنایا گیا تھا وہ دُور ہو جاتا ہے۔

متذکرہ بالا بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مؤخر الذکر حدیث کے سوا کسی حدیث کی صحت پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ اور آخری حدیث بھی اُن معنوں میں صحیح تسلیم ہو سکتی ہے جو معترضین کے معنوں سے بالکل مختلف اور اوپر لکھے ہوئے معنوں کے موافق ہیں۔ البتہ بعض نکتہ چین لوگ یہ اعتراض پیش کر سکتے ہیں کہ ایسی وضعی حدیثوں کا مسلمانوں میں کیونکر اتنا رواج ہو گیا اور کیونکر انکو مشہور و معروف جامعان احادیث نے اپنی کتب میں درج کر لیا؟ اس امر کا بڑا لحاظ رکھنا چاہیئے کہ حدیثیں اسلام میں لاکھوں تک مروج ہیں اور انہیں اکثر بناوٹی اور موضوع حدیثیں بھی ہیں۔ بہت سی ایسی احادیث زندیقوں نے وضع کیں جو بظاہر اسلام کے قائل مگر درپردہ دشمن تھے اور شیعوں نے بھی بعد میں بہت سی احادیث بنالیں چنانچہ انہیں میں سے ایک حدیث کے راوی اول کے حالات سے ظاہر ہو چکا ہے کہ وہ زندیق قرار دیا گیا تھا اور اس کا میلان رفض کی طرف پایا جاتا تھا۔ لیکن امام مسلم رح نے اس کی روایت پر اگرچہ بہت اعتبار تو نہ کیا لیکن قبولیت میں جگہ دیدی۔ اسکی غالب وجہ یہ تھی کہ جس وقت امام مسلم رح نے اس حدیث کو نقل کیا تھا اسوقت اس شخص کے دل کے اندرونی خیالات دیکھے نہیں گئے تھے۔ اس میں کلام نہیں کہ محدثینؒ نے صحیح اور وضعی حدیثوں کے پرکھنے اور انکے الگ کرنے میں بڑی سعی کی لیکن آخر وہ انسان ہی تھے عالم الغیب نہ تھے جہاں تک انسانی عقل پہنچکر کوشش کرتی ہے انہوں نے اس میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا مگر بشری نقصانوں سے وہ کیونکر بچ سکتے تھے غرض ایسی وضعی احادیث جن میں اسلام پر باریک رنگ میں حملے کیے گئے تھے زندیقوں نے وضع کر کے انکو شہرت دی اور اسطرح مسلمانوں میں وہ رواج پا گئیں۔ اور رواج پا کر معتبر شمار ہونے لگ گئیں۔ علاوہ ازیں اس قسم کی وضعی حدیثوں کے بنانے اور رواج دینے میں شیعوں کا بھی ہاتھ رہا ہے۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ پہلے پہل تو یہ لوگ صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حقوق خلافت کو فوقیت اور ترجیح ہی دیتے تھے۔

لیکن جب انکے سامنے یہ بات پیش کی گئی کہ انکے اس دعوے کی تائید میں کوئی آیت قرآنی نہیں تو پھر انہوں نے خلفائے ثلاثہ کو سنانا شروع کیا اور ان پر جھوٹا الزام لگانا شروع کیا کہ انہوں نے جان بوجھکر وہ آیات قرآن میں درج نہیں کیں جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حقوق کی مؤید تھیں۔ اس عقیدے کو رواج دینے کے لیے اس قسم کی حدیثیں بنائی گئیں جن سے قرآن کریم میں نقصان کا واقع ہونا معلوم ہو۔ تا اسی سے یہ استدلال ہو سکے کہ جب نقصان ہو گیا ہے تو ضرور ہے کہ بعض حصص جن میں حضرت علی رض کی فضیلت تھی نکال دیئے گئے ہوں اور ممکن ہے کہ کسی جامع حدیث نے ایسی باتوں کو صرف اس امر پر محمول کر لیا ہو کہ یہ آیتیں منسوخ ہو چکی تھیں لیکن اس سے ان آیات کا قرآن شریف میں سے منسوخ ہونے یا فروگذاشت سے نہ لکھے جانیکا ثبوت نہیں ملتا۔

اگر بفرض محال ہم یہ بھی تسلیم کر لیں کہ احادیث زیر بحث معتبر ہیں تو اس صورت میں ہمکو اس بات کا دیکھنا ضروری ہوگا کہ آیا کوئی شہادت ان کے متعارض اور مخالف تو موجود نہیں۔ کیونکہ اگر ایسی متعارض اور مخالف شہادت موجود ثابت ہوگی تو پھر اس بات کے جانچنے کی ضرورت ہوگی کہ دونوں میں سے کس طرف کی شہادت زیادہ قابل وثوق واعتبار ہے۔ اس موقعہ پر جب ہم دیکھتے ہیں تو ایک طرف تو اکیلے ابو موسیٰ اشعری کی گواہی ہے کہ دو سورتیں صحابہ رض پڑھا کرتے تھے۔ اور جس وقت اس نے یہ حال بیان کیا تو اسوقت اس کو یاد نہ رہی تھیں۔ اور دوسری طرف ساری جماعت صحابہ کبار رض کی گواہی ہے کہ انکے علم میں ہی کسی ایسی سورۃ کا وجود کبھی نہیں ہوا۔ جو جو لوگ قرآن خوان تھے اور جن جن کے پاس قرآن شریف موجود تھا انہیں سے کوئی بھی ایسا نہیں کہ جس نے اتنا بھی کہا ہو کہ ہم نے ایسی دو سورتوں کی بابت سنا ہی تھا۔ اب ظاہر ہے کہ ایک ابو موسیٰ اشعری کی گواہی اتنی بڑی معتبر جماعت صحابہ رض کی شہادت کے مقابلہ میں کیا وقعت رکھ سکتی ہے۔ اور خصوصاً جبکہ یہ معاملہ ایسا تھا کہ اگر اس کا کچھ بھی وجود ہوتا تو کثیر جماعت کے علم میں اس کا آنا ضروری تھا۔ ایسی صورت میں اکیلے شخص کی گواہی کو تمام صحابیوں کی گواہی پر کوئی ترجیح نہیں دیجا سکتی۔ بلکہ ترجیح کا سوال تو الگ رہا شمار اور موازنہ میں بھی نہیں لائی جا سکتی۔ البتہ اگر اس کے ساتھ بہت نہیں تو دو تین صحابہ رض ہی متفق ہوتے تو کسی منتقد کے دل میں شک پیدا ہونیکی وجہ ہو سکتی تھی۔ لیکن یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جو صرف ایک معمولی درجہ کی خبر رکھنے والے صحابی کی شہادت پر مبنی ہے اور ہزار ہا اصحاب رسول کریم صلعم جو اُس سے زیادہ خبر اور دخل اور حافظہ رکھنے والے تھے اسکا انکار کرتے ہیں۔ اسپر بھی اسکو پیش کرنا اور اسپر ناز کرنا پہلے درجہ کی نادانی اور نامعقولیت ہے یہی حال باقی ان حدیثوں کا ہے جو پیش کیجاتی ہیں۔ ایسی ہر ایک حدیث صرف ایک ہی شخص کی گواہی پر مبنی ہے جس کا کوئی دوسرا مؤید نہیں۔ اکیلے ابو موسیٰ اشعری ہی کی روایت پر بیان کیا جاتا ہے کہ دو سورتیں قرآن شریف کی گم ہو گئی تھیں انکے سوائے ایک بھی ایسا صحابی نہیں ہوا

جس نے انکی ہاں میں ہاں ملائی ہو اور انکے اس غلط خیال کی تائید کی ہو۔

ایسے ہی حضرت عایشہ رض ایک آیت کا گم ہو جانا بیان کرتی ہیں۔ لیکن وہ بھی اپنے بیان کی تائید میں ہزارہا صحابہ رض میں سے ایک گواہ بھی پیش نہیں کرتیں۔ جہاں ابن مسعود ایک امر بیان کرتا ہے تو ابیؓ اور دوسرے تمام صحابی رض اس کی تردید کرتے ہیں۔ اور اگر ابی نے کوئی امر بیان کیا ہے تو ابن مسعود اور دوسرے ساری صحابہ رض اس کے مخالف ہیں۔ غرض جہاں کہیں اس قسم کی کوئی روایت آتی ہے وہ صرف ایک ہی شخص کا بیان ہے اور کوئی بھی دوسرا انکے بیان کا مؤید اور گواہ نہیں۔ اب یہ ظاہر ہے کہ صرف ایک شخص کی گواہی سے یہ بات پایہ ثبوت کو نہیں پہنچ جاتی کہ فلاں آیت قرآن شریف کی تھی۔ کیونکہ یہ امر واقعہ ہے اور کثیر التعداد احادیث اس کی مصدق و مؤید ہیں کہ قرآن شریف کی ہر ایک آیت نازل ہوتے ہی عام طور پر شایع کر دیجاتی تھی اور قراء اور حفاظ اسکو فوراً یاد کر لیا کرتے تھے۔ جس حدیث میں زید کا بعہد خلافت حضرت ابوبکر صدیق رض قرآن جمع کرنیکا ذکر ہے اس کے اخیر میں جو روایت لکھی ہے کہ سورہ براۃ کی ایک آیت گم ہو گئی ہوئی تھی اور وہ صرف ابو خزیمہ کے پاس دستیاب ہوئی تھی اس روایت سے اس نتیجہ کا انکار لازم نہیں آتا۔ کیونکہ ہم پہلے ثابت کر آئے ہیں کہ وہاں صرف تحریر کا ذکر ہے۔ اور دوسری حدیثوں سے ثابت ہے کہ اسی زمانہ میں قرآن شریف کے بہت لوگ حافظ اور قاری موجود تھے جن کو سارا قرآن ازبر تھا اور جو ازبر تلاوت کیا کرتے تھے الغرض کوئی معقول انسان اس بات پر کبھی قایم نہیں رہ سکتا کہ صرف ایک شخص کی شہادت کو تمام جماعت کی شہادت کے مقابلہ میں ترجیح دے اور ان سب کو غلطی پر سمجھے۔

پھر ان احادیث کی صحت پرکھنے کے لیے تیسرا معیار تواتر عملی یا تعامل ہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے عاشق تھے کہ جو بات ان کے مبارک دہن سے سنتے یا جو کام انکو کرتے دیکھتے یا انکے جو فرمان کانوں سے سن لیتے تو فوراً ان کو عمل میں لے آتے۔ اور اسی طرح ان سے انکی اولاد اور توابع نے اور انسے انکی اولاد اور توابع نے لیکر عمل کیا اور نسلاً بعد نسلاً متواتر عمل کرتے چلے آئے ہیں یہاں تک کہ وہ سب کچھ ہم تک پہنچ گیا۔ اسکو تعامل کہتے ہیں جو باتیں تعامل میں آچکی تھیں احادیث کی کتابوں میں نہ بھی لکھی جاتیں تو بھی کچھ حرج نہیں تھا۔ آنحضرت صلعم کے بعد سب سے زیادہ قیمتی چیز مسلمانوں کے ہاتھ میں قرآن شریف تھا۔ اور اس میں شک نہیں کہ ہر ایک مسلمان اس بات پر تلا رہتا تھا کہ اس بیش بہا نعمت کو ہر قسم کے آمیزش اور تصرف سے محفوظ رکھکر آیندہ نسلوں کو پہنچاتا رہے۔

اب اگر بطور محال فرض کر لیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تحکم سے بعض نسخے قرآن شریف کے معدوم کر دیے۔ تو یہ امر دیکھنا ضروری ہوگا کہ آیا اکیلے حضرت عثمان رض کا دخل اتنا بڑھا ہوا تھا اور انکی طاقت ایسی وسیع ہو گئی ہوئی

تھی کہ اتنی بڑی قوم کے قبضہ اور حافظہ سے ہر ایک آیت اور سورۃ مٹا سکیں۔ اور اگر یہ بھی فرض کر لیں کہ ابن مسعودؓ جیسے مشہور لوگوں سے انہوں نے قرآن کے نسخے چھین لیے تھے تو یہ کیونکر سمجھا جا سکتا ہے کہ جو نقلیں عام طور پر ان لوگوں کے قرآنوں کی مسلمانوں میں مشتہر اور مروج ہو چکی تھیں وہ بھی انہوں نے لوگوں سے لے لی تھیں؟ اور یہ ثابت شدہ بات ہے کہ قرآن شریف کی بکثرت نقلیں اسی زمانہ میں مسلمانوں میں عام طور پر مروج ہو چکی تھیں اگر ان لوگوں کو حضرت عثمان والے نسخہ قرآن میں کوئی نقص معلوم ہوتا تو وہ حق کے لیے ایسے دلیر تھے کہ فوراً اسکو عیاں کر دیتے اور کسی کے رعب و سیاست سے نہ دبتے۔ لیکن بطور تنزل اگر اتنا بھی مان لیا جائے کہ اس وقت کسی مسلمان کو حضرت عثمانؓ کے نسخہ قرآن میں کوئی نقص معلوم ہوا تھا تو اتنا تو کوئی ضرور کرتا اور اسکے کرنے میں اسکو کوئی دقت بھی نہ تھی کہ جو نسخہ صحیح اس کے اپنے پاس یا کسی اور کے پاس معلوم ہوتا اسکو حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں چھپا کر ہی محفوظ رکھ لیتا۔ اگر کوئی ایسا کرتا تو حضرت عثمانؓ کے دَورِ خلافت کے ختم ہونیکے بعد ایسے قرآن کی نقلیں فوراً جا بجا پھیل جاتیں۔ اور خصوصاً جب حضرت علیؓ کا زمانہ آیا تھا تو چونکہ انہیں حضرت عثمانؓ کے قرآن شریف کے مختلف نسخوں کو لیکر ایک مکمل نسخہ بنانیکی تدبیر کر کے اپنے زمانہ میں مروج رکھنے کی کوئی خاص غرض نہ تھی اسلیے انکے زمانہ میں ایسا نسخہ قرآن شریف بہت آسانی اور عمدگی کے ساتھ وسیع اشاعت بلا تکلف حاصل کر سکتا تھا۔ اسطرح حضرت علیؓ کے زمانہ میں بہت سارے ایسے قرآنوں کے نسخے مروج ہو جاتے۔ اور اگر انہیں حضرت عثمانؓ کے جمع کردہ نسخہ سے ذرہ بھی اختلاف ہوتا اور اسکی اشاعت و رواج کو روکنے کی جرأت اپنے میں نہ پاتے تو اتنا تو ضرور ہوتا کہ دوسرے جس کسی نسخہ قرآن کو اس نسخہ سے زیادہ اچھا سمجھتے۔ اسکو ہی شایع کرتے۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے ایسی احتیاط اور امانت سے کامل قرآن شریف نقل کرایا تھا کہ تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اسکی صحت پر صاد تھا بلکہ یوں سمجھنا چاہیئے کہ وہ تمام صحابہؓ کا متفق طور پر لکھایا ہوا قرآن تھا۔ یہ ایسا مقبول کام تھا کہ وہ لوگ جو حضرت عثمانؓ سے ایسے ناراض ہوئے تھے اور انہیں آتش غضب ان کے برخلاف اس حد تک بھڑک اٹھی تھی کہ امیر المؤمنینؓ کے خون میں ہاتھ رنگ لیے تھے ان لوگوں نے بھی اس قرآن میں کوئی نقص نہ پایا اور نہ بیان کیا۔ اور نہ ہی انہوں نے اس سے کوئی عمدہ نسخہ قرآن شریف پیش کیا اور نہ ہی کسی سورۃ تو کجا ایک آیت کی کمی بیشی ہی بیان کی۔ بلکہ یہاں تک کہ انہوں نے باوجود اسقدر حرنگیری کے اتنا بھی اشارہ نہ کیا کہ کوئی ایک لفظ بلکہ حرف ہی حضرت عثمانؓ نے بدلا ہے۔ غور کی جگہ ہے کہ جب حضرت عثمانؓ کی طاقت کا خاتمہ ہو گیا یعنی جب وہ باغیوں کے ہاتھوں سے مقتول ہو گئے۔ تو پھر جن حصص قرآن کو حضرت عثمانؓ نے دبا رکھا تھا اور شایع نہ کیا ان کے شایع کرنیمیں کونسی رکاوٹ کسی کو مانع ہو سکتی تھی۔ اگر یہ بھی مانا جائے کہ حضرت عثمانؓ کی سیاست ایسی غالب آئی تھی کہ انہوں نے تمام ایسے نسخے چھنوا کر ضایع کر دیئے تھے تو انکی شہادت کے بعد بھی

بہت سارے قراء اور حفاظ زندہ تھے جن کے دلوں کی الواح پر قرآن شریف کا حرف حرف زمانہ نزول سے ہی منقش اور منضبط تھا۔ انکو حضرت عثمانؓ مٹانے پر کیسے قادر ہو سکتے تھے۔ انکا تو کسی فانی ہاتھ کی کوشش سے محو ہونا ناممکن محض تھا۔ قرآن شریف کے تمام ایسے حصے جن کے دبا رکھنے کا الزام حضرت عثمانؓ پر بیجا اعتراض کرنیوالے لگاتے ہیں وہ سب کے سب حضرت عثمانؓ کی شہادت کے ساتھ ہی رواج عام میں آجاتے۔ اور قرآن میں شامل کر دیئے جاتے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا تاریخ اس گواہی کے لیے طیار ہے کہ کسی اس قسم کی بات کا پتہ دیوے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ تاریخ میں ہرگز ہرگز اسکا کوئی سراغ نہیں چلتا باوجودیکہ مسلمانوں کو اسی ابتدائی زمانہ میں ہی باہمی اختلافات نے علیحدہ علیحدہ کر دیا تھا۔ اور اس کے بعد طرح طرح کے اختلافات انہیں پیدا ہوتے گئے۔ لیکن باوجود ان سب اختلافات کے مختلف لوگوں اور مختلف فرقوں میں صرف یہی ایک قرآن جو حضرت عثمانؓ نے لکھوایا تھا بلا کسی قسم کے اختلاف کے ہمیشہ سے مروج اور مسلم چلا آیا ہے۔ اگر واقع میں کوئی اختلاف موجود ہوتا تو ضرور تھا کہ قرآن شریف کے نسخوں میں کسی نہ کسی طرح اسکو دخل ہو جاتا۔ لیکن تمام مسلمان جن میں بعض ایک دوسرے کے خونی دشمن بھی ہوتے ہیں اور تمام اسلامی فرقے جو بعض بعض کے خون آشام حریف ہیں صرف ایک ہی قرآن شریف ہمیشہ سے مانتے چلے آتے ہیں۔ ان جمہوری اتفاق سے یہ امر پایۂ ثبوت کو زیادہ وضاحت سے پہنچتا ہے کہ اس قرآن شریف میں کسی شخص کو کسی طرح کا اختلاف نہ تھا۔ اور یہ کہ یہی قرآن شریف ہے جو آنحضرت صلعم کے منشا کے موافق جمع کیا گیا تھا۔

بعض شیعہ لوگ اس بارہ میں کسی وقت طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں انکے جواب کے لیے ہم میور صاحب کی "لایف آف محمد" سے چند فقرات اقتباس کرنے پر کفایت کرتے ہیں۔ اس شخص نے خود ہی اعتراض اُٹھایا ہے اور آپ ہی اس کا جواب دیا ہے۔ چنانچہ اس نے لکھا ہے۔ "اس بات کو تسلیم کر کے کہ ہمارے ہاتھوں میں بلا تغیر و تبدل وہی نسخہ موجود ہے جو حضرت عثمانؓ نے شایع کرایا تھا۔ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ نسخہ قرآن شریف زیدؓ والے قرآن شریف کے ساتھ سوائے خفیف اصلاحات کے بالکل مطابق ہے؟ اس بات کے ماننے کیلیے پورے پورے دلایل موجود ہیں۔ کہ واقع میں ایسا ہی ہے۔ کسی پرانی روایت اور معتبر حدیث سے ذرہ بھر بھی شک کرنیکی وجہ پیدا نہیں ہوتی کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے دعوے کی تائید میں قرآن شریف میں ایک ذرہ بھر تصرف کیا ہو اس میں شک نہیں کہ متاخرین شیعوں نے غلطی سے یہ بات گھڑ رکھی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے بعض سورتیں اور بعض آیتیں عمداً درج قرآن نہ کرنے دی تھیں۔ اور وہ سورتیں اور آیتیں ایسی تھیں جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دعاوی کی مؤید تھیں۔ لیکن شیعوں کی یہ بات بالکل اعتبار کے قابل نہیں۔ جب حضرت عثمانؓ کا نسخہ قرآن طیار ہو گیا تو حضرت علیؓ کے پیروؤں اور بنو امیہ میں کوئی ظاہری اختلاف پیدا نہیں ہوا تھا۔ اور

اخوت و وحدت اسلامی میں کوئی فرق واقع نہ ہوا تھا۔ حضرت علیؓ کے دعوے ابھی تک منصۂ ظہور میں آئے ہی نہ تھے۔ کوئی ایسی غرض کافی طور پر نظر نہیں آتی کہ جس نے ایسے وقت میں حضرت عثمان رضؓ کو ایسے مکروہ اور سیاہ جرم کے ارتکاب پر آمادہ کر دیا ہو جو مسلمانوں کے نزدیک سب سے زیادہ تاریک گناہ ہے۔ پھر ماسوا اس کے جب حضرت عثمانؓ نے قرآن جمع کر کے اسکو مستند طور پر شایع کیا تھا تو وہ ایسا وقت تھا کہ جبکہ ابھی ہزارہا ایسے لوگ زندہ موجود تھے جنہوں نے وقت نزول سے ہی قرآن شریف کو سنکر حفظ کر لیا ہوا تھا۔ اور اگر کوئی سورۃ یا آیت ایسی ہوتی جو حضرت علیؓ کے دعوے کے مؤید تھی تو ضرور تھا کہ وہ ہزارہا لوگوں کے ہاتھوں میں محفوظ ہوتی جو حضرت علیؓ کے ساتھ خاص اخلاص اور تعلق رکھتے تھے۔ یہ دونوں ایسی باتیں تھیں کہ انسے اصل قرآن میں کسی قسم کے تصرف و تغییر کا دخل پانا ممکن ہی نہیں تھا۔ پھر اس کے علاوہ حضرت عثمانؓ کے فوت ہوتے ہی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خیر خواہوں کی جماعت کا غلبہ ہو گیا اور ایسی آزاد طاقت حاصل کر لی کہ انکو خلیفہ بنا دینے میں کامیاب ہو گئے۔ کیا یہ گمان صحیح ہو سکتا ہے کہ جب اس طرح ان لوگوں کو قوت اور دولت مل گئی تھی تو اسوقت وہ اسی ناقص قرآن شریف کے رواج کی اجازت دے رکھتے؟ اور ناقص بھی ایسا کہ ان کے اپنے پیشوا حضرت علیؓ ہی کے دعووں کی آیات اور سورے کے اندراج سے ناقص۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ وہ لوگ بھی اسی قرآن کو بلا قیل و قال ہمیشہ استعمال کرتے رہے۔ اور ان کے مخالف بھی اسی قرآن کو پڑھتے رہے اور خفیف سے خفیف اعتراض بھی اس کے خلاف نہیں کیا۔"

اسجگہ یہ بات بھی ذکر کر دینے کے قابل ہے کہ شیعوں کی ساری جماعت ہی ایسا اعتقاد نہیں رکھتی کہ قرآن شریف کے کچھ حصے گم ہو گئے تھے یا وہ سورتیں جو حضرت علیؓ کے دعووں کی مؤید تھیں انکو حضرت عثمانؓ یا زیدؓ نے عمداً چھوڑ دیا تھا۔ ان لوگوں میں بھی زیادہ ایسے ہوئے ہیں اور ہیں جو مانتے ہیں کہ قرآن شریف ہر قسم کی آلایش اور تصرف سے پاک ہے۔ اور یہی قرآن شریف جو بین الدفتین دنیا میں موجود ہے زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور زمانہ صحابہؓ اور زمانہ تابعین میں تھا۔ اور یہی بلا تغیر و تبدل حرفے و حرکتے موجود ہے۔ یہی اعتقاد بڑے بڑے فضلاء اور محققین اہل تشیع کا ہے۔ البتہ جاہل لوگ ایسا اعتقاد رکھتے ہیں کہ بعض حصص قرآن شریف گم ہو گئے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ہم تفسیر صافی میں سے جو اہل شیعہ کی ایک بڑی معتبر تفسیر ہے اور آجکل انکے مدارس میں بطور درس داخل ہے چند فضلائے اہل تشیع کے آرائے لکھتے ہیں۔ جو انہوں نے اس قرآن شریف کی نسبت جو آج کل دنیا میں رائج ہے ظاہر فرمائی ہیں۔ چنانچہ اس تفسیر میں ملا محسن جاہل شیعوں کے خیالات کی تردید کرتا ہے اور لکھتا ہے۔ نقد روی جماعة من اصحابنا و قوم من حشویة العامة ان فی القرآن تغیراً و نقصاناً و الصحیح من مذھب اصحابنا خلافہ و بلغت حد الم تبلغہ

فیما ذکرناہ لان القرآن معجزۃ النبوۃ وماخذ العلوم الشرعیۃ والاحکام الدینیۃ و علماء المسلمین قد بلغوا فی حفظہ وحمایتہ الغایۃ حتی عرفوا کل شی اختلف فیہ من اعرابہ وقرأتہ وحروفہ وایاتہ فکیف یجوز ان یکون مغیرًا اومنقوصًا مع العنایۃ الصادقۃ والضبط الشدید۔ یعنی ہمارے دوستوں کی ایک جماعت اور عوام حشویہ نے یہ روایت کی ہے کہ قرآن شریف میں تغیر اور نقصان ہے اور ہمارے اصحاب کا صحیح مذہب اسکے خلاف ہے اور نیز ان لوگوں کی رائے اس حد تک پہنچی ہے کہ ہم اسکو بیان نہیں کرسکتے اور اصل بات یہ ہے کہ قرآن نبوت کا اعجاز اور علوم شرعیہ اور دینی احکام کا ماخذ ہے اور علمائے اسلام نے یہانتک اس کی حفاظت اور حمایت کی ہے کہ انھوں نے ہر چیز پر جس میں اعراب اور قرأت اور حروف اور آیات کے بارہ میں اختلاف کیا گیا ہے عرفان تام اور واقفیت عام پیدا کرلی ہے۔ پھر کیونکر ممکن ہے کہ ایسے ضبط شدید اور حفاظت صحیحہ کی موجودگی میں کسی قسم کا تغیر یا کمی ہوئے پائی ہو۔ دیکھو تفسیر صافی مصنفہ ملا محسن صفحہ ۱۴۱ پھر آگے چلکر مصنف مذکور اسی صفحہ پر لکھتا ہے۔ ان القرآن کان علی عہد رسول اللہ مجموعًا مولفًا علی ماھو علیہ الاٰن واستدل علی ذٰلک بان القرآن کان یدرس ویحفظ جمیعہ فی ذٰلک الزمان حتی عین علی جماعۃ من الصحابۃ فی حفظھم لہ وانہ کان یعرض علی النبی وتلی علیہ وان جماعۃ من الصحابۃ مثل عبد اللہ بن مسعود وابی بن کعب وغیرھما ختموا القرآن علی النبی عدۃ ختمات وکل ذٰلک یدل بادنی تامل علی انہ کان مجموعًا غیر مبتور ومبثوث وذکر ان من خالفہ فی ذٰلک من الامامیۃ والحشویۃ لا یعتد بخلافھم فان الخلاف فی ذٰلک مضاف الی قوم من اصحاب الحدیث نقلوا اخبارًا ضعیفۃ۔ یعنی یہی قرآن رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں اسطرح جمع شدہ اور اکٹھا تھا جس طرح آجکل ہے اور اسپر یہ دلیل ہے کہ قرآن حمید مکمل و مجموعی طور پر اس زمانہ مبارک میں پڑھا جاتا اور حفظ کیا جاتا تھا۔ اور صحابہؓ کی ایک جماعت مثل عبداللہ و ابی بن کعب وغیرہ نے چند مرتبہ قرآن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ختم کیا۔ اور ان باتوں پر ادنیٰ تامل اور تفکر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قرآن مرتب و مدون تھا۔ تتر بتر نہیں تھا۔ اور یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ امامیہ یا حشویہ میں سے جن لوگوں نے اس رائے کی مخالفت کی ہے انکی اس کے مقابل میں کوئی حقیقت اور شمار نہیں ہے کیونکہ یہ خلاف صرف اصحاب حدیث سے ہوا ہے جنھوں نے ضعیف خبریں نقل کردی تھیں۔

پھر مفسر مذکور اپنی تفسیر میں بہت سارے ایسے بڑے بڑے مسلم اور مستند علما و فضلا و محدثین امامیہ کے

اعتقاد کا اقتباس کرتا ہے کہ جن کی عظمت اور لیاقت کی شہرت کا سکہ تمام شیعہ دنیا میں بیٹھا ہوا ہے۔ اس نے بہت ساری حوالے ایسے نقل کیے ہیں جن میں یہ لوگ صاف اور کھلے الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ یہ قرآن جو بین الدفتین مسلمانوں میں رائج ہے یہ ٹھیک وہی قرآن ہے جو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا تھا اور اس میں کوئی تغیر و تبدل واقعہ نہیں ہوا۔ اس کے علاوہ اس نے ایک حدیث بھی نقل کی ہے جو امامیہ فرقہ میں بہت مستند اور مسلم حدیث ہے۔ اور جس کے استناد پر کبھی کوئی اعتراض نہیں کیا گیا۔ یہ حدیث بھی اسی بات کی تائید کرتی ہے کہ یہی قرآن شریف جو دنیا میں عام طور سے مروج ہے لفظاً لفظاً اور حرفاً حرفاً وہی ہے جو آنحضرت صلعم پر نازل ہوا تھا اور جس طرح آپ نے ترتیب دلائی تھی اور اس میں کسی تبدل و تغیر کو کسی طرح سے دخل نہیں ہوا۔

ان مذکورہ بالا حوالوں سے کافی طور پر ثابت ہے کہ علمائے محققین فرقہ امامیہ کو بھی مسلمانوں کے دوسرے فرقوں کے علماء کے ساتھ اس بات میں اتفاق ہے کہ یہ قرآن شریف جو بین الدفتین مسلمانوں کے ہاتھوں میں موجود ہے ٹھیک وہی ہے جو آنحضرت صلعم پر نازل ہوا تھا۔ اور اس میں کسی قسم کی دسترس کسی غیر کی نہ اسکی ترتیب میں اور آیات و لفظ و حرف میں بلکہ کسی حرکت کے بدلنے میں بھی ہو سکی۔ اگر یہ نادان معترض قرآن شریف کے اس اعجاز کی طرف نظر غور اٹھا کر دیکھتے کہ جبکہ حضرت عثمانؓ کا شائع کردہ قرآن آجتک دنیا میں اسقدر وسیع طور سے مروج اور شائع ہو چکا ہے اور اسلامی قولم اسقدر دور دور پھیل گئی ہیں مگر مختلف ممالک میں رہنے اور مختلف زبانوں کے بولنے کے باوجود جہاں کہیں جاؤ تیرہ سو برس سے یہی قرآن موجود ہے اور اس میں کسی قسم کا اختلاف اور تغیر واقعہ نہیں ہو سکا۔ تو پھر کیونکر ممکن تھا کہ صرف تیرہ برس کے ایسے پاک زمانہ ہی میں اس میں کسی کے دستبرد کو راہ مل جاتی۔ وہ تو ایسا زمانہ تھا کہ آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد صرف تیرہ سال ہی گذرے تھے اور مسلمانوں میں وحدت موجود تھی۔ اور ایک ملک اور قریباً ایک ہی زبان کے سمجھنے والے تھے۔ اور ان میں کثیر التعداد ایسے قراء و حفاظ موجود تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھ کر قرآن حفظ کیا ہوا تھا۔ اور تازہ تازہ زمانہ تھا۔ اور اس کے بعد ہمارے زمانہ تک مختلف قوموں میں ہزارہا اختلافات واقعہ ہوئے۔ ہزارہا قومیں مختلف ملکوں میں رہنے والی اور مختلف زبانیں بولنے والی اسلام میں داخل ہو گئیں پھر جبکہ اس تیرہ سو برس کے لمبے زمانہ میں ایک حرکت بھی بدل نہیں سکی تو اس پہلے زمانہ کی نسبت کسی تبدیلی یا فروگذاشت کا خیال کرنا ہی سراسر حق کا خون کرنا ہے۔ وہ ابتدائی زمانہ ایسا تھا کہ جس میں وہ اسباب جن سے قرآن شریف ہر آلائش اور تصرف سے محفوظ رکھا جا سکتا تھا بہت کثرت سے موجود تھے اصحاب رسول کریم صلعم اور تمام متقدمین اس بات کو علی وجہ البصیرت مانتے اور جانتے تھے کہ قرآن شریف میں سے کچھ بھی کم نہیں ہوا۔ امام بخاری نے ایک حدیث

لکھی ہے اور یہ ایسی حدیث ہے کہ جس کی صحت پر کبھی کوئی جرح واقع نہیں ہوئی۔ اور وہ یہ ہے کہ جب ابن عباس اور محمد بن حنفیہ سے پوچھا گیا کہ آنحضرت صلعم نے کیا چھوڑا ہے تو دونوں نے متفق اللفظ ہو کر جواب دیا کہ ما ترك الا ما بين الدفتين یعنی آپ نے وہی کچھ چھوڑا ہے جو بین الدفتین موجود ہے"۔ واضح رہے کہ بین الدفتین کی اصطلاح وہ ہے جو اس قرآن شریف کے لیے پہلے بولی گئی تھی جو حضرت عثمانؓ نے شایع کیا تھا۔ انکا مطلب یہ تھا کہ یہی قرآن جو حضرت عثمانؓ نے شایع کیا ہے آنحضرت صلعم نے پیچھے چھوڑا ہے۔

پیشگوئی متعلقہ ڈوئی کی تصدیق

ڈوئی کے متعلق جو پیشگوئی حضرت مسیح موعودؑ نے شایع کی تھی اس کی اشاعت زیادہ تر امریکہ کے اخباروں کے ذریعہ سے ہی ہوئی تھی۔ اس لیے اس پیشگوئی کے پورا ہونے پر اس کے پورا ہونیکی تفصیل کو بھی بعض صاحبان اخبارات امریکہ کے پاس بھیجا گیا تا وہ ان واقعات پر غور کریں۔ اور اس کے پورا ہونیکے متعلق اپنی رائے ظاہر کریں۔ اب ان میں سے بعض اخبارات کی رائے ہم تک پہنچی ہے اور اگر اس امر کو مدنظر رکھا جاوے کہ اس رائے کا اظہار کرنیوالے وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں مذہبی اور قومی تعصب کی وجہ سے جو سیکڑوں سالوں سے انکے خونوں میں رچ گیا ہے اسلام اور اس کے بانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف ایک کینہ بیٹھا ہوا ہے جس نے بسبب دیرینہ ہونیکے ایک طبعی رنگ پکڑ لیا ہے۔ غرض اس طبعی تعصب اور عداوت کو مدنظر رکھکر جب ہم ان راؤں کو پڑھتے ہیں جو پیشگوئی کے پورا ہونے پر دی گئی ہیں تو ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ زبردست دلائل اور یقینی واقعات نے ان لوگوں کو مجبور کیا ہے کہ پیشگوئی کی صداقت کو تسلیم کریں۔ افسوس ہے کہ ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں کہ جسقدر رائے زنی ان اخبارات میں ڈوئی والی پیشگوئی کے متعلق ہوئی ہے وہ سب ہم تک پہنچ جاوے۔ صرف معدودے چند اخبار والوں نے اپنے اخبار بھیجدیے ہیں۔ جن سے ہمکو اسقدر اطلاع ملی ہے جس کا حوالہ ذیل میں درج ہے۔

ٹروتھ سیکر نیویارک کا ایک دہریہ اخبار ہے۔ اس اخبار میں قبل اسکے بھی کہ ہماری طرف سے تفصیل واقعات بھیجی جاوے اور توجہ دلائی جاوے اس پیشگوئی کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔ اب جو کچھ اس اخبار میں ۵ اجون ۱۹۰۷ء کے پرچہ میں لکھا گیا ہے اسکو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

"جس پیشگوئی کا ذکر مندرجہ بالا عنوان کے رسالہ میں ہے (اس سے مراد وہ رسالہ ہے جو ڈوئی کی موت

میں خدائی فیصلہ کے عنوان سے لکھکر شایع کیا گیا تھا) اس کی طرف ہم اس سے پہلے بھی اشارہ کر چکے ہیں۔
ڈوئی جو کہ مر چکا ہے (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو (نعوذ باللہ) مفتریوں کا بادشاہ کہا کرتا تھا۔ اس نے
نہ صرف یہ پیشگوئی کی تھی کہ صیہون (یعنی اسکا قایم کردہ سلسلہ) تمام مسلمانوں کو ہلاک کریگا۔ بلکہ وہ ہر روز
خدا سے یہ دعا بھی کیا کرتا تھا کہ وہ وقت جلد آوے جب ہلال (یعنی اسلام) دنیا سے نیست و نابود ہو جاوے۔
جب اس بات کا علم ہندوستانی مسیح کو ہوا تو انہوں نے الیاس ثانی کے نام کا ایک چیلنج عام طور پر دنیا میں
شایع کیا جس میں اس کو اس مباہلہ کی طرف بلایا گیا تھا کہ دعا کیجاوے کہ دونوں میں سے جو جھوٹا ہے خدا اسے
دوسرے کی زندگی میں ہلاک کرے۔ قادیان کے رہنے والے نے یہ پیشگوئی کی کہ اگر ڈوئی چیلنج کو قبول کریگا تو
وہ میری آنکھوں کے سامنے دنیا کو بڑی حسرت اور دکھ کے ساتھ چھوڑیگا۔ مرزا صاحب نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر ڈوئی
نے اس چیلنج کے قبول کرنیسے انکار کیا تو اسکی ہلاکت میں صرف چند روزہ توقف ہوگا۔ موت دونوں صورتوں
میں اسکے لیے تیار ہے اور اس کے صیہون پر جلد تر آفت آویگی۔ یہ تھی عظیم الشان پیشگوئی کہ صیہون تباہ
ہو جائیگا۔ اور ڈوئی احمد کی آنکھوں کے سامنے ہلاک ہو جائیگا۔ الیاس کو اس طرح چیلنج کرنا جس میں موت صداقت
کا معیار تھا مسیح موعود کے لیے ایک خطرہ والا امر تھا کیونکہ چیلنج کرنیوالا شخص دوسرے سے عمر میں پندرہ سال
بڑا تھا۔ اور ایک ایسی سرزمین میں جہاں ایک طرف طاعون زور پر ہو اور دوسری طرف مذہب کی خاطر قتل
کردینے والے لوگ کثرت سے موجود ہوں ظاہری واقعات چیلنج کرنیوالے کے زیادہ دیر تک زندہ رہنے کے
خلاف تھے۔ مگر وہ جیت گیا۔ × × × × × × × × × × × × × × × × ×
×× ×
"نبیوں کی جنگ بعید زمانہ سے چلی آتی ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ جبتک دو بالمقابل میدان میں ہونگے
یہ جنگ جاری رہیگی۔ جس زمانہ کا ذکر بائبل کے لکھنے والوں نے کیا ہے۔ اس زمانہ میں معجزات میں مقابلے
ہوا کرتے تھے۔ ہارون نے جو حضرت موسیٰ کے جانشین تھے ایک اسی قسم کا مقابلہ کیا جس کا انتظام فرعون نے
کیا تھا۔ انہوں نے اپنا عصا فرعون کے سامنے پھینکا تو وہ سانپ بن گیا۔ فرعون نے بھی مصر کے جادوگروں کو بلایا
جنہوں نے یہی کام دوبارہ کر دکھایا یعنی انکی سونٹیاں جب زمین پر ڈالی گئیں تو وہ بھی سانپ بن گئیں مگر ہارون
کامیاب ہوئے کیونکہ انکا عصا جادوگروں کی سونٹیوں کو نگل گیا۔"

اس تحریر کے حصہ اول میں پیشگوئی کے پورا ہونیکو صریح الفاظ میں تسلیم کیا گیا ہے۔ مگر آخری حصہ میں جو کچھ
اس اخبار کے دہریہ ایڈیٹر نے لکھا ہے وہ بھی ایک قابل غور امر ہے۔ اگرچہ اس نے بسبب اپنے دہریہ پن کے اس
جنگ کو جو ہمیشہ سے جھوٹے اور سچے مدعیوں کے درمیان ہوتا چلا آیا ہے استہزا کے رنگ میں بیان کیا ہے۔ مگر اسکی
اس پیرایہ بیان کو چھوڑ کر اگر حقیقت الامر پر غور کیا جاوے تو بات بالکل سچی ہے۔ حضرت موسیٰ اور ساحروں کا

مقابلہ کیا تھا۔ حق اور باطل کی ایک جنگ تھی جس میں حق کامیاب ہوا اور باطل ناکام و نامراد ہوا۔ حضرت موسیٰؑ خدا کے ایک برگزیدہ نبی تھے۔ اور مقابلہ میں انہوں نے اپنی کسی تدبیر پر بھروسہ نہیں کیا بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر آپکا ایمان تھا کہ تو کامیاب ہوگا۔ وہ اکیلے تھے اور ان کے بالمقابل ایک بادشاہ اور اس کے تمام وہ ہتھیار جو اکٹھے کرسکتا تھا۔ یہ ساحر سارا بھروسہ اپنی تدبیروں پر رکھتے تھے۔ پھر خدائے تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو کامیاب اور ساحروں کو ناکام کرکے دکھادیا کہ اسکا زبردست ہاتھ کس کی تائید میں کام کر رہا ہے اگر حضرت موسیٰؑ کا بھروسہ بھی صرف اپنی تدبیروں پر ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ ایک تنہا آدمی ہزاروں آدمیوں کے منصوبوں پر غالب آتا۔ غرض حضرت موسیٰؑ اور ساحروں کا جنگ صادق اور کاذب کا یا حق اور باطل کا جنگ تھا۔ سو اللہ تعالیٰ نے حق کو غالب کیا اور باطل کو ذلیل و خوار کیا اور اسطرح پر اپنے فیصلہ سے دنیا پر یہ ظاہر کردیا کہ اسکی طرف سے کون ہے اور کاذب کون ہے۔ حضرت موسیٰ کی ہی یہ کوئی خصوصیت نہیں بلکہ ہر نبی کی زندگی میں یہی نظارہ حق اور باطل کے جنگ کا دیکھا جاتا ہے اور ہر جگہ اسی کلام الٰہی کا صدق ظاہر ہوتا ہے جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔ یہی نقشہ حق اور باطل کے جنگ کا اس زمانہ کے مصلح خدا کے برگزیدہ مامور جری اللہ فی حلل الانبیاء حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں اللہ تعالیٰ نے اتمام حجت کے لیے کئی دفعہ دکھایا ہے۔ بہتسے باطل پرست اور تاریکی کے فرزند اس حق اور نور کے بالمقابل اٹھے مگر ہر دفعہ حق ہی غالب ہوا اور باطل ہلاک ہوکر اپنی سزا کو پہنچا۔ ڈوئی بھی ایسا ہی ایک باطل کا وکیل تھا جو حق کے مقابلہ پر آگیا۔ اور جیسا کہ اس اخبار کے دہریہ ایڈیٹر نے لکھا ہے ایک طرف حضرت مسیح موعودؑ کا عمر میں ڈوئی سے پندرہ سال بڑے ہونا پھر ایک ایسی سرزمین میں ہونا جہاں ہر روز ہزارہا انسان طاعون کا شکار ہوتے ہیں اور تمام انسانوں کی زندگیاں معرض خطر میں پڑی ہوئی ہیں۔ اور پھر جہاں مذہبی تعصب اس حد تک بڑھا ہوا ہے کہ اختلاف مذہبی کی وجہ سے ایک شخص کا قتل کردینا کچھ بھی مشکل امر نہیں ہے۔ اور دوسری طرف ڈوئی کا نصرف پچاس سال کی عمر کا ایک مضبوط اور تندرست جوان ہونا بلکہ ساتھ ہی اسکے ہر طرح سے آسایش اور راحت کے سامان میسر ہونا اور حفظان صحت کے ہر قسم کے سامانوں کا موجود ہونا۔ یہ ایسے امور تھے جن کے ہوتے ہوئے اس مباہلہ اور پیشگوئی میں کہ جھوٹا صادق کی زندگی میں اور اس کی آنکھوں کے سامنے ہلاک ہوگا ایک دانشمند انسان قیاس سے حکم حضرت مسیح موعودؑ کے خلاف ہی لگاتا۔ مگر جو انسانی تدبیر اور دانش کہتی تھی وہ نہ ہوا بلکہ جو خدا کا وعدہ تھا کہ بڑی حسرت اور دکھ کے ساتھ ڈوئی ہلاک ہوگا اور اس کے صیہون پر ایک خطرناک آفت آئیگی وہی وعدہ پورا ہوکر رہا اور اس اپنے وعدہ کو پورا فرما کر اللہ تعالیٰ نے دنیا کو یہ کھولکر دکھادیا ہے کہ حق کہاں ہے اور باطل کہاں اور صادق کون ہے اور کاذب کون تھا۔ ایسے کھلے کھلے نشان کو

دیکھکر نہ ماننے والا وہی شخص ہو سکتا ہے جو حضرت موسیٰؑ کے ساحروں پر غلبہ کو اور ہر ایک راستباز نبی کے کاذبوں اور مفتریوں پر غلبہ کو ایک بے حقیقت چیز سمجھتا ہو یا یوں کہو کہ ٹروتھ سیکر اخبار کے ایڈیٹر کی طرح محض دہریہ ہے۔ مَیں تو یہ کہونگا کہ اس دہریہ نے بھی ایک سچی بات کہدی ہے یعنی یہ کہ حضرت مسیح موعودؑ کا ڈوئی کے مقابلہ میں کھلے کھلے طور پر کامیاب نکلنا ویسا ہی ہے جیسا حضرت موسیٰؑ کا ساحروں کے بالمقابل کامیاب ہونا۔ پس جو شخص ایک کی کامیابی کو اس کی راستبازی اور صداقت پر دلیل سمجھتا ہے اسے دوسرے کی کامیابی کو بھی اس کی صداقت اور راستبازی پر دلیل سمجھنا چاہیئے۔ کاش اگر یہ لوگ یعنی وہ جو انبیاء علیہم السلام کو ماننے والے ہیں مسلمان یا عیسائی غور کرتے تو اس مقابلہ سے انکے ایمان تازہ ہوتے کہ حضرت موسیٰؑ اور ساحروں کا قصہ بھی ایک کہانی نہیں بلکہ ایک کھلی کھلی حقیقت ہے جس کی ایک زندہ مثال خدا نے اس زمانہ میں ظاہر کرکے بلکہ ایک نہیں کئی مثالیں ظاہر کرکے اس پہلی حقیقت کو بھی تقویت پہنچائی ہے۔ مگر آنکھوں پر پردے ہیں جنکو خدا کا فضل ہی دُور کر سکتا ہے اور دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں جنکو خدا کے رحم کا ہاتھ ہی کھول سکتا ہے۔ ایک دہریہ نے تو ایک سچی بات کہدی مگر یہ لوگ جو خدا کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں انکے مُنہ سے اتنی سچی بات بھی نہیں نکل سکتی۔

اسی پیشگوئی پر ایک رائے اخبار ہیرلڈ۔ بوسٹن کی نیچے درج کیجاتی ہے جو اس اخبار کے ۲۳۔ جون ۱۹۰۷ء کے پرچے میں ظاہر کی گئی ہے۔ اس کا عنوان یوں ہے۔ مرزا غلام احمدؑ مسیح ایک عظیم الشان انسان ہے انہوں نے ڈوئی کی حسرتناک موت کی پیشگوئی کی۔ اور اب طاعون۔ طوفان اور زلزلہ کی پیشگوئی کرتے ہیں۔‘‘ اس عنوان کے نیچے لکھا ہے۔

’’در سال ۱۹۰۳ء میں اگست کے تیئیس ۲۳ دن گذرے تھے۔ جب مرزا غلام احمدؑ قادیانی (ہندوستان) نے الگزنڈر ڈوئی کی موت کی پیشگوئی کی جو الیاس ثالث کہلاتا تھا اور جس کی موت گذشتہ مارچ میں واقع ہوئی اور اب مرزا غلام احمد قادیانی پھر ۲۳۔ جون کو کہتے ہیں۔ کہ اب اس ملک کی باری بھی قریب آگئی ہے۔ ایسے زلزلے آئیں گے جن کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہ ملے گی۔ اور وہ قیامت کا نمونہ ہونگے۔ اور یورپ اور دوسرے عیسائی ممالک میں ایک قسم کی طاعون ظاہر ہوگی جو بہت سخت ہوگی۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے آنیسے خدا تعالیٰ کے غضب کے مخفی ارادے ظہور میں آ گئے ہیں۔ پھر دنیا پر نوح کا زمانہ آئیگا اور جو حالت لوط کی زمین پر گذری تھی اسکو تم اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کروگے × × × × × × × × × یہ صاحب جو ہندوستان کے رہنے والے ہیں دنیا کے مشرقی ممالک میں کئی سال سے مشہور ہیں۔ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ مَیں وہ سچا مسیح ہوں جو آخری زمانہ میں ظاہر ہونیوالا تھا اور خدا نے اپنے فضل کی بارش مجھ پر

کی ہے۔ ریاستہائے متحدہ کی توجہ انکی طرف پہلے پہل سنہ ۱۹۰۲ء میں ہوئی۔ اور اس کی وجہ انکا ایک مباہلہ الیاس ثالث کے ساتھ تھا۔ ڈوئی کی موت کے بعد ہندوستانی نبی کی شہرت بہت بلند ہوگئی ہے کیونکہ کیا یہ سچ نہیں کہ انہوں نے ڈوئی کی موت کی پیشگوئی کی تھی۔ کہ یہ انکی یعنی مسیح کی زندگی میں واقع ہوگی۔ اور بڑی حسرت اور دکھ کے ساتھ اسکی موت ہوگی۔ ڈوئی کی عمر انسٹھ سال کی تھی اور پیشگوئی کرنے والے کی چھتر سال کی۔ یہ وہ لفظ تھے جن میں ڈوئی کی موت کی پیشگوئی کی گئی تھی" (اس کے بعد اصل الفاظ پیشگوئی کے ہیں جو حضرت مسیح موعودؑ کے اشتہار "ڈوئی اور پگٹ کی موت کی پیشگوئیوں" سے لیے گئے ہیں۔ یہ پیشگوئی دعا کے الفاظ تک نقل کی گئی ہے۔ پھر اس کے بعد یہی اخبار والا لکھتا ہے۔

"ڈوئی نے اول اول اس چیلنج کی طرف جو کہ دور مشرق سے آیا تھا کوئی توجہ نہ کی۔ مگر ۲۶ ستمبر سنہ ۱۹۰۳ء کو اس نے اپنے صیہون شہر کے اخبار میں یہ لکھا کہ لوگ بعض وقت مجھے کہتے ہیں کہ تم فلاں فلاں بات کا جواب کیوں نہیں دیتے؟ جواب! کیا تم خیال کرتے ہو کہ میں مچھروں اور مکھیوں کو جواب دوں گا" اس کے بعد ایسے ہی اور فقرات اس کے نقل کیے ہیں۔ پھر لکھتا ہے۔

"ڈوئی ایسی حالت میں مرا جبکہ اس کے تمام دوستوں نے اسے چھوڑ دیا اور اس کی دولت اور اقبال جاتے رہے۔ وہ مفلوج اور دیوانہ ہوگیا۔ اور ایک نہایت ہی بری موت مرا اور اس کا صیہون بھی اندرونی جھگڑوں اور فسادوں کے سبب سے نہایت خراب حالت میں ہوگیا۔

اب مرزا صاحب پھر صفائی کے ساتھ اس بات کو پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس چیلنج یا پیشگوئی میں وہ کامیاب ہوئے ہیں اور ہر ایک طالب حق کو بھی بلاتے ہیں کہ چونکہ حق اسی طرح ظاہر ہوا جس طرح انہوں نے کہا تھا اس لیے طالبان حق کو چاہیئے کہ اسے قبول کریں"

اس کے بعد پگٹ کا کچھ حال لکھا ہے جس نے خدا ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ لکھا ہے کہ اس نے اپنے پیروؤں سے یہ وعدہ کیا تھا کہ ۲۴ اگست سنہ ۱۹۰۱ء کو میں تم سب کو لیکر آسمان پر چڑھ جاؤں گا مقررہ وقت پر وہ سب ایک میدان میں جمع ہوئے اور انتظار کرنے لگے کہ کب یکایک انکو آسمان پر اٹھا لیا جاویگا۔ مگر کچھ بھی نہ ہوا۔ اسکی توجیہ پگٹ نے یوں کی کہ تم نے گناہ کرکے خداوند کو ناراض کردیا ہے اس لیے وہ تمہیں قبول کرنے سے انکار کرتا ہے...... اب اس جگہ میں جو پگٹ کے رہنے کا مقام ہے جسے مکان محبت کہا جاتا ہے۔ نکاح اور شادی کوئی نہیں ہوتی..... اور نہایت فحش اور گندے کام ہوتے ہیں جنکی وجہ سے عام طور پر پگٹ کی تعلیم سے بیزاری پیدا ہوگئی ہے" پھر اس کے بعد ان پیشگوئیوں کو نقل کیا گیا ہے جو زلزلہ وغیرہ کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کی ہیں (باقی آئندہ)

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۱۲- جولائی ۱۹۰۷ء - ایک اشتہار مشتمل بر سب و شتم و فتوی کفر و ارتداد جہلم میں انہوں نے چھپوا کر حضرت اقدس کے پاس بھیجا۔ الہام ہوا۔

حالیا مصلحت وقت دراں مے بینم - فرمایا کہ یہ بات سچ ہے کوئی نبی یا رسول ایسا نہیں آیا جو اسکو ستایا نہیں گیا اور عجیب بات یہ ہے کہ جھوٹوں کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں ہوتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسقدر ستائے گئے اور کوئی دکھ نہیں جو نہیں دیا گیا مگر مسیلمہ کذاب وغیرہ جھوٹے نبی جب اٹھے تو انکو کسی نے نہیں ستایا اور ہزارہا آدمی انکے ساتھ شامل ہو گئے جبتک کہ خدا نے انکو ہلاک کیا۔ پھر حضرت عیسیٰ ہی کے وقت تین شخصوں نے جھوٹے طور پر نبوت کا دعوی کیا۔ مگر کسی یہودی نے انکو صلیب پر نہیں چڑھایا لیکن حضرت عیسیٰ کے ساتھ جو کچھ کیا اس کے بیان کی حاجت نہیں اس سے ثابت ہے کہ یہ اندھی دنیا ہمیشہ سچے سے دشمنی کرتی رہی ہے اور سچوں کو دکھ دیتی رہی ہے۔ بعض ہماری جماعت کے لوگوں نے ارادہ کیا کہ ایسے افترا کرنیوالوں پر گورنمنٹ میں نالش کریں مگر یہ درست نہیں ہے اور ہم نہیں چاہتے کہ دنیا کی عدالتوں کی طرف جاویں ایک ہی ہے جو ہمارے دل پر اطلاع رکھتا ہے وہ جسطرح چاہے کریگا۔ اسقدر کافی ہے جو اس اشتہار کے مقابل پر خدا تعالیٰ نے آج ۱۲ جولائی ۱۹۰۷ء کو میرے پر ظاہر فرمایا۔ اور وہ یہ ہے۔ رب اخرجنی من النار۔ الحمد للہ الذی اخرجنی من النار۔ انی مع الرسول اقوم۔ والوم من یلوم۔ و اعطیک ما یدوم۔ ولن ابرح الارض الی الوقت المعلوم۔ ترجمہ۔ اے میرے رب مجھے آگ سے نکال۔ سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے مجھے آگ سے نکالا۔ میں رسول کے ساتھ کھڑا ہونگا اور اسکو ملامت کرونگا جو اسے ملامت کرے اور تجھے وہ چیز عطا کرونگا جو ہمیشہ رہے اور وقت معلوم تک میں زمین پر رہونگا۔ پھر دیکھا کہ میرے مقابل پر کسی آدمی نے یا چند آدمیوں نے پتنگ چڑھائی ہے اور وہ پتنگ ٹوٹ گئی اور میں نے اسکو زمین کی طرف گرتے دیکھا۔ پھر کسی نے کہا۔ غلام احمد کی جے - یعنی فتح - ۲۰- جولائی ۱۹۰۷ء- (۱) انی مع الرسول اقوم و اروم ما یروم - ترجمہ۔ میں اپنے رسول کے ساتھ کھڑا ہونگا اور اس بات کا قصد کرونگا جس کا وہ قصد کرے (۲) کشفی رنگ میں مغز بادام دکھائے گئے اور کشف کا غلبہ اسقدر تھا کہ میں اٹھا کہ بادام لوں۔ (۳) رب ارنی حقائق الاشیاء۔ ترجمہ۔ اے میرے رب مجھے اشیاء کے حقایق دکھلا۔ (۴) ایسوسی ایشن۔ (۱) ہیضہ کی آمد ہونیوالی ہے (۲) انی مہین من اراد اھانتک۔ انی معین من اراد اعانتک۔ (۳) اور خواب میں دیکھا کہ میں نے ایک عورت کو تین روپے دیئے ہیں اور اسے کہتا ہوں کہ کفن کے لیے میں آپ دونگا گویا کوئی مر گیا ہے اس کی تجہیز و تکفین کے لیے طیاری کی ہے۔ یکم اگست ۱۹۰۷ء (۱) رب اجعلنی غالباً علی غیری۔ ترجمہ۔ اے میرے رب مجھے میرے غیر پر غالب کر۔ (۲) میری فتح - (۳) انی مع الافواج اتیک بغتۃً۔ ترجمہ۔ میں اپنی فوجوں سمیت تیرے پاس اچانک آؤنگا۔

صدر انجمن احمدیہ قادیان

(۱) صدر انجمن احمدیہ کی اہم اور اصلی غرض اشاعت اسلام ہے۔

(۲) صدر انجمن احمدیہ کے متعلق اسوقت حسب ذیل کام ہیں۔

اول۔ ایک ہائی سکول کا انتظام جس میں انٹرنس تک دنیوی تعلیم دیجاتی ہو اور اسکے ساتھ عربی اور دینیات کی اسقدر تعلیم دیجاتی ہو جس سے ایک باقاعدہ تعلیم پانیوالا طالب علم قرآن شریف کا ترجمہ اور دین کی بہت سی ضروری باتیں سیکھ لیتا ہو اور اسلام کی صداقت اور غیر مذاہب کے بطلان کے بہت سے دلایل سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ اس مدرسہ کے متعلق ایک بورڈنگ ہوس ہو جس میں سو۱۲۵ سو کے قریب لڑکے ہیں علاوہ ازیں ایک گرلز سکول اور دیہات میں تین برانچ سکول ہیں۔

دوم۔ ایک دینیات کے مدرسہ کا انتظام جس میں زیادہ تر تعلیم عربی اور دینیات کی دیجاتی ہو اور اسکے ساتھ طب اور تھوڑی تھوڑی مروجہ مضامین پڑھائے جاتے ہیں کتابت بھی سکھائی جاتی ہو جو لوگ صرف انگریزی اور عربی دینیات کی تعلیم حاصل کرنا چاہیں انکے لیے بھی انتظام کیا گیا ہے۔

سوم۔ ایک میگزین ماہوار کا انتظام جو انگریزی میں بلاد یورپ اور امریکہ اور بعض دیگر ممالک میں کئی سو مفت بغرض اشاعت اسلام تقسیم ہوتا ہو۔ اور اردو میں قریباً دو ہزار کے اشاعت اسکی ہندوستان میں ہے اس رسالہ کے اردو حصہ کے ساتھ ایک ضمیمہ تفسیر القرآن کا بھی ہے جو اصل رسالہ سے الگ ہے۔ جس میں ہر قسم کے مشکلات اور اعتراضات کو نہایت صفائی سے حل کیا جاتا ہے۔

چہارم۔ ایک کتب خانہ جس میں بہت سی حضرت مسیح موعودؑ کی تصنیفات اور بعض دیگر اسلامی تصنیفات اور مدرسہ کی مروجہ کتابیں اور بعض احمدی احباب کی تصنیفات ملتی ہیں اس کی ایک مختصر فہرست دوسری جگہ دیگئی ہے۔

پنجم۔ ایک قبرستان کا انتظام اور اس کے متعلق وصایا وغیرہ کا اہتمام

ششم۔ ایک یتیم فنڈ جس سے حسب گنجایش بعض یتامیٰ کی مدد کیجاتی ہو۔ ایسا ہی ایک مسکین فنڈ ہو جس سے بعض مساکین کو جو مدرسہ میں پڑھتے ہیں مدد دیجاتی ہے اور زکوٰۃ کا روپیہ بھی حسب منشائے شریعت اسلامی جسقدر جمع ہو تقسیم کیا جاتا ہو۔

صدر انجمن احمدیہ کی ضروریات | سب سے اول لنگر خانہ ہو۔ اسکا انتظام براہ راست حضرت مسیح موعودؑ کے ہاتھ میں ہو تمام بیعت کرنیوالوں کیلیے ضروری ہو کہ کچھ نہ کچھ چندہ لنگر خانہ ادا کریں اور اس سلسلہ کی اعانت کریں۔ اسکے اخراجات میں صرف مہمانوں کی آمدورفت کے اخراجات ہی نہیں بلکہ تعمیر اور خط و کتابت حضرت اقدسؑ اور طبع کتب وغیرہ کے اخراجات کثیر بھی ہیں۔ **دوسری۔** ضرورت ہائی سکول اور مدرسہ دینیات کے متعلق ہو۔ اس کے لیے بھی تمام بیعت کنندگان کیلیے چندہ دینا لازمی قرار دیا گیا ہے۔ ماہوار مستقل خرچ ایک ہزار روپے کے قریب ہے اور عمارت کا کثیر خرچ درپیش ہے۔ تیسری ضرورت یہ ہے کہ تمام احمدی احباب اور ایسے غیر احمدی احباب جو تعلیم کے ساتھ یہ بھی چاہتے ہیں کہ انکے بچے دیندار ہوں انہیں اس مدرسہ میں تعلیم کیلیے بھیجیں چوتھی ضرورت

میگزین کی متعلق ہی اسکا چندہ اُردو میں عا؎ سالانہ ہے اور ضمیمہ یعنی تفسیر القرآن کا چندہ ۱۲ سالانہ ہی۔ اصل میگزین ۴۸ صفحوں پر ضمیمہ ۲۰ صفحوں پر ہے۔ انگریزی رسالہ کی قیمت للعہ سالانہ ہی۔ سب احباب کے لیے ضروری ہی کہ خود اسکے خریدار بنیں۔ اور جو رسالہ مفت تقسیم کیا جاتا ہی اس میں بھی حسب استطاعت اعانت کرکے اشاعت اسلام کیلیے انجمن کی مدد کریں۔ پانچوین۔ ضرورت یتیم فنڈ اور مسکین فنڈ میں مدد کی ہی۔ قربانی کی کھالوں کی قیمت اور ہر قسم کی صدقات اس مد مین بھیجے جاویں قابل استعمال کپڑے وغیرہ بھی بہت کام آسکتے ہیں۔ چھٹی ضرورت زکوٰۃ کے روپیہ کے یہاں بھیجنے کی ہے۔ اس روپے سی بہت مفید کام ہو رہا ہی تمام احمدی مرد اور عورتیں جو صاحب نصاب ہیں سالانہ اپنی زکوٰۃ کا حساب کرکے اسجگہ بھیجدیں۔ ساتوین ضرورت یہ ہی کہ جو کتابیں انجمن کے کُتب خانہ سے مل سکتی ہیں وہ یہاں سی منگوائی جاویں اس سے بھی انجمن کو مدد پہنچتی ہی بعض احباب نے اپنی کتابیں انجمن کے نام ہبہ کر دی ہیں ایسی مثالین بھی قابل تقلید ہیں۔ نوٹ۔ مقبرہ بہشتی کے شرائط کو جو لوگ پورا کرنا چاہیں وہ اپنی آمد کا دسواں حصہ دیں یا اپنی جائداد کے دسویں حصہ کے متعلق وصیت کریں۔

ضروری ہدایات (۱) ہر ایک قسم کا روپیہ جس کا تعلق صدر انجمن احمدیہ کی کسی مد سے ہو بنام محاسب صدر انجمن احمدیہ قادیان آنا چاہیے مگر لنگر خانہ کا روپیہ حضرت مسیح موعودؑ کے نام بھیجیں اگر دوسری مدات کے ساتھ ملا ہوا ہو تو محاسب کے نام بھیجکر اسی اطلاع دیں کہ وہ حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کردی۔ (۲) منی آرڈر کے کوپن میں پوری رقم اور اسکی تفصیل کہ کن کن اغراض کیلیے ہی دیا اگر لمبی تفصیل ہو تو علیحدہ خط میں دیں) اور فرستندہ کا نام اور پتہ خوشخط درج ہوں۔ (۳) ہر ایک رقم کی رسید باضابطہ دفتر محاسب سے دیجاویگی پس جس شخص کو رسید دفتر کی محاسب کے دستخطی وقت پر نہ پہنچے اسے خط وکتابت کرکے دریافت کرنا چاہیئے۔ ایسی رسیدین حتی الوسع کچھ مدت کیلیے محفوظ رکھی جاویں۔ نوٹ۔ ۸ سے کم رقم کی رسید نہ دیجاویگی۔ (۴) مدرسہ کے متعلق ہر ایک قسم کی خط وکتابت نائب ناظم مدرسہ یا ہیڈ ماسٹر مدرسہ سے کریں اور بورڈنگ ہوس کے متعلق سپرنٹنڈنٹ بورڈنگ ہوس سی۔ (۵) جو احباب مدرسہ میں اپنے لڑکے بھیجیں انکا ایک ماہ کا خرچ پیشگی ہیڈ ماسٹر صاحب یا سپرنٹنڈنٹ صاحب کے نام بھیجیں اور یہ یاد رکھیں کہ خرچ ہمیشہ سپرنٹنڈنٹ صاحب کے پاس بھیجا جاوی لڑکے کو نہ دیا جاوی سپرنٹنڈنٹ صاحب حسب ہدایت اور حسب ضرورت اسے لڑکے کی بہتری کیلیے خرچ کرینگے اور ماہوار حساب بھیجتے رہیں گے۔ (۶) میگزین کے متعلق کل خط وکتابت مینیجر میگزین یا نائب ناظم میگزین کے نام پر کریں۔ اور ایڈیٹر کے نام سوائے ان خطوط کے جنکا تعلق مضامین رسالہ سی ہو اور کوئی خط وکتابت نہ کریں۔ (۷) مقبرہ بہشتی کے متعلق اور وصیت وغیرہ کے متعلق نائب ناظم مقبرہ بہشتی سی خط وکتابت کریں اور انہی سی رسالہ الوصیت طلب کریں جو مفت بھیجا جائیگا۔ وصیت کی فارمین بھی انہی سی طلب کریں اور انہی کے نام وصایا بھیجیں۔ (۸) کتابیں بھی نائب ناظم مقبرہ بہشتی سی طلب کیجاویں جو بذریعہ وی۔پی مطلوبہ کتب بھیجینگے اور جگہ سی طلب نہ کیجاویں۔ (۹) امور متعلقہ صدر انجمن میں سکرٹری صدر انجمن احمدیہ سی خط وکتابت کریں (۱۰) وظایف مسکین فنڈ کی متعلق درخواستیں صرف دو دفعہ سال میں پیش ہونگی یعنی نومبر اور مئی میں پس جو صاحب درخواستین بھیجیں وہ اس بات کو ملحوظ رکھیں کہ انکا جواب سوائے ان دو اوقات کے نہیں مل سکیگا۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ بدون منظوری مجلس کسی طالبعلم کو جسکے وظیفہ کیلیے درخواست کیگئی ہی یاکر نہ بھیجا

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے - لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد (۶) بابت ماہ ستمبر ۱۹۰۷ء نمبر (۹)

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے - ۲۰- ستمبر ۱۹۰۷ء کو منیجر میگزین کے اہتمام سے شایع ہوا - چندہ سالانہ عہ/

مندرجہ ذیل کتابیں دفتر مقبرہ بہشتی قادیان ضلع گورداسپور سے بذریعہ قیمت طلب پیکٹ مل سکتی ہیں انکا مطالعہ مذہبی تحقیقات اور تاریخی معلومات اور مخالفین کے اعتراضات کی تردید کے لیے نہایت ضروری ہی۔ مشرح فہرست ۰ رکا ٹکٹ بھیجنے پر ارسال خدمت ہوگی۔

انوار الله اردو	۸ر	قاعده عربی اردو	۱ر	تذکرة الشہادتین اردو	۵ر	شہادة القرآن - اردو	۴ر
اجرومیہ عربی	۱۰ر	قرآن شریف مترجم مع تفسیر حسینی	ع۵	〃 فارسی	۳ر	صیان القرآن 〃	۳ر
الذکر یعنی ترجمہ نماز و اسمائے الٰہیہ	۲ر	مسک العارف اردو	۱۰ر	تحفہ قیصریہ ۰ اردو	۲ر	کشف الغطاء 〃	۲ر
پارہ الٓمّٓ عربی	۲ر	نشان آسمانی 〃	۲ر	تحفۃ الندوہ 〃	۱۰ر	لغات القرآن حصہ اوّل	عہ
پنج ارکان اسلام اردو	۱ر	واقعات صحیحہ 〃	۲ر	تقریریں 〃	۲ر	〃 حصہ دوم	عہ۸ر
تفسیر جلالین عربی	عہ۸ر	یسرنا القرآن حصہ اوّل	۱ر	تقریروں کا مجموعہ 〃	۳ر	لیکچر سیالکوٹ اردو	۱۰ر
تفسیر فوز الکبیر عربی فارسی	۲ر	〃 دوم	۱ر	سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب 〃	۲ر	〃 لاہور مہوتسو 〃	۴ر
تقریر جلسہ مذاہب جیبی تقطیع اردو	۲ر	〃 سوم	۱ر	جنگ مقدس عیسائیوں سے مباحثہ 〃	۶ر	مشکوٰة الانوار عربی	۴ر
جام شہادت اردو	۱۰ر	ہدیہ ثاقب اردو	۲ر	حمامة البشریٰ عربی	۸ر	مواہب الرحمٰن 〃	۴ر
حمائل مترجم - فارسی	عہ	الہدیٰ عربی	۶ر	حجة الاسلام اردو	۱ر	مبادی الصرف	۱۰ر
رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب اردو	۸ر	الحق لودیانہ اردو	۶ر	خطوط شیعہ کا جواب 〃	۲ر	نسیم دعوت - اردو	۳ر
سلسلہ دینیہ - اردو	۶ر	〃 دہلی 〃	۸ر	خطبہ الہامیہ بی ترجمہ فارسی اردو	عہ	نور الدین حصہ اوّل 〃	۲ر
سلاسل القرأة - عربی نمبر۱	۳ر	اعجاز احمدی - عربی	۳ر	خلافت راشدہ حصہ اوّل اردو	۸ر	〃 〃 دوم 〃	۴ر
〃 〃 نمبر۲	۸ر	احسن الکلام اردو	ــر	〃 〃 دوم 〃	۴ر	ہدیہ سعدیہ عربی	۲ر
〃 〃 نمبر۳	۱۳ر	ابطال الوہیت مسیح 〃	۱ر	خزینة المعارف حصہ اوّل و دوم	۴ر	فضل حق - اردو	۱ر
〃 〃 نمبر۴	۱۳ر	آیات الرحمٰن 〃	۸ر	〃 〃 〃 سوم و چہارم	۸ر	سیرة المسیح 〃	۸ر
آریہ دھرم - اردو	۴ر	دعوت الحق 〃 شرح ترمذی - نمبر۱	۵ر عہ۸ر	اعلام الناس حصہ دوم	۴ر	آسمانی فیصلہ 〃	۲ر
دینیات کا پہلا رسالہ 〃	۱ر	〃 نمبر۲	عہ۸ر	دعوت دہلی - اردو	۱۰ر	دفع البلاء 〃	۱ر
طریق النجات - نمبر۱	۸ر	احمدی کا من نظم پنجابی	۱ر	دعوت الندوہ 〃	۱۰ر	غنیة الطالب - عربی	عہ
〃 〃 نمبر۲	۷ر	براہین احمدیہ حصہ اوّل	۵ر	راز حقیقت 〃	۱ر	شفاء السقام 〃	عہ
〃 〃 نمبر۳	۸ر	〃 〃 دوم	۴ر	سرمہ چشم آریہ 〃	۱۲ر	نوٹ - ان قیمتوں میں	
〃 〃 نمبر۴	۱۵ر	〃 〃 سوم	۱۰ر	ست بچن 〃	۱۰	محصولڈاک شامل نہیں۔	
عسل مصفّیٰ اردو	عہ۸ر	〃 چہارم مکمل براہین	عہ ــے				

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

قرآن کریم کی حفاظت

۷۔ سبعۃ احرف اور اختلاف قرأت

اختلاف قرأت کے متعلق یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس سے دو طرح پر قرآن شریف کی حفاظت میں نقص کا ثبوت ملتا ہے۔ اول اس طرح پر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض قرأتوں کی اجازت دی تھی مگر چونکہ ان کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صفحہ ہستی سے مٹا دیا اس لیے انکے ضایع ہونیسے گویا قرآن شریف کا ایک بڑا حصہ ضایع ہو گیا کیونکہ یہ قرأتیں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بذریعہ وحی بتائی تھیں۔ اور دوسرے اس طرح پر کہ اب جو مختلف قرأتیں موجود ہیں انکو سامنے رکھکر ایک شخص کسی صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتا کہ کونسی قرأتیں اصلی اور حقیقی طور پر کلام الٰہی ہیں اور کہ موجودہ قرآن کریم میں یونہی ایک قرأت کو اختیار کر لیا گیا ہے۔ یہ اعتراض ایک حد تک اسوجہ سے پیدا ہوتے ہیں کہ سبعۃ احرف مذکورہ احادیث سے مراد قرأت منتفرقہ لی جاتی ہیں اور حرف اور قرأت کے معنوں میں امتیاز نہیں کیا جاتا۔ اس لیے سب سے پہلے سبعۃ احرف کی تشریح صفائی بیان کے لیے ضروری ہے۔

جاننا چاہیئے کہ جو اجازت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بذریعہ وحی دی تھی وہ قرآن شریف کو سبعۃ احرف یعنی سات حروف پر پڑھنے کی اجازت تھی۔ اور احادیث صحیحہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ احرف یا حرف کا ہی فرمایا ہے۔ سب سے پہلے اس لفظ کے لغوی معنوں پر غور کرنا ضروری ہے۔ حرف کے معنے عربی لغاتوں میں یہ دیئے گئے ہیں زبان یا محاورہ یا طرز ادا جو بعض عرب اقوام کے ساتھ مخصوص ہو۔ تاج العروس میں مشہور حدیث کے اس ٹکڑے کو کہ نزل القرآن علی سبعۃ احرف بیان کر کے اس کے معنوں کی تشریح یوں کی گئی ہے کہ ای علی سبع لغات من لغات العرب یعنی قرآن شریف نازل ہوا سات لغتوں پر عرب کی لغتوں سے۔ یا اس کے معنے ہیں جیسا کہ بعض دوسری لغت کی معتبر کتابوں میں دیئے گئے ہیں سات طرزوں پر جو الفاظ کے ادا کرنیسے پیدا ہوتی ہیں جیسا کہ مثلاً یہ کہا جائے کہ

فلان یقرأ بحرف ابن مسعود تو مراد ہوتی ہے کہ فلان شخص ابن مسعود کی طرز ادا پر پڑھتا ہے۔ لفظ حرف کے ان معنوں سے یہ ظاہر ہے کہ جن اختلافات حروف کا ذکر بعض حدیثوں میں ہے وہ اختلافات اس وجہ سے پیدا ہوئے تھے کہ عرب کی مختلف قومیں بعض وقت ایک ہی لفظ کو مختلف طور پر ادا کرتی تھیں۔ اور اس کی مثالیں ہر زبان میں موجود ہیں کہ ایک قوم ایک لفظ کو ایک طرح پر ادا کرتی ہے اور اسی ملک کی دوسری قوم اس لفظ کو دوسری طرح پر ادا کرتی ہے۔

اب ہم ان تمام احادیث کو جن میں اختلافات حروف کا ذکر آیا ہے بیان کرتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ آیا واقعی طور پر احادیث کا بھی یہی منشا ہے۔ اسکے متعلق مندرجہ ذیل احادیث معتبر کتب احادیث سے لی گئی ہیں۔

(۱) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اقرأنی جبریل علی حرف فراجعتہ فلم ازل استزیدہ ویزیدنی حتی انتھی الی سبعۃ احرف (بخاری) ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبریل نے مجھے قرآن شریف ایک حرف کے مطابق پڑھایا میں نے اس سے مراجعت کی یعنی بار بار اس بات کو دوہرایا کہ زیادہ حروف میں پڑھے پس وہ تعداد کو بڑھاتا گیا یہانتک کہ سات پر پہنچ گیا۔ یہی حدیث انہی الفاظ کے ساتھ مسلم نے بیان کی ہے مگر اس میں اتنے الفاظ ابن شہاب کی روایت سے اور زیادہ ہیں۔ قال ابن شہاب بلغنی تلک السبعۃ الاحرف انما ھی فی الامر یکون واحدا لا یختلف فی حلال ولا حرام۔ یعنی ابن شہاب نے کہا کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ یہ سات حروف ایسے امر میں ہیں جو ایک ہی ہے (یعنی مختلف حروف میں پڑھنے سے معنوں میں کوئی تغیر نہیں آتا) اور اس سے حلال اور حرام میں کوئی فرق نہیں آتا۔

(۲) عن عمر بن الخطاب یقول سمعت ھشام بن حکیم یقرأ سورۃ الفرقان فی حیاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاستمعت لقرأتہ فاذا ھو یقرأ علی حروف کثیرۃ لم یقرئنیھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکدت اساورہ فی الصلوۃ فتصبرت حتی سلم فلببتہ بردائہ فقلت من اقرأک ھذہ السورۃ التی سمعتک تقرأ قال اقرأنیھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلت کذبت فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد اقرأنیھا علی غیر ما قرأت فانطلقت بہ اقودہ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلت انی سمعت ھذا یقرأ بسورۃ الفرقان علی حروف لم تقرئنیھا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارسلہ اقرأ یا ھشام فقرأ علیہ القرأۃ التی سمعتہ یقرأ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذلک انزلت ثم قال اقرأ یا عمر فقرأت القرأۃ التی اقرأنی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذلک انزلت ان ھذا القرآن انزل علی سبعۃ احرف فاقرؤا ما تیسر منہ

(بخاری) قریباً انہی الفاظ میں یہ روایت صحیح مسلم میں بھی آئی ہے۔ ماحصل اس حدیث شریف کا یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں مَیں نے ہشام بن حکیم کو سورۃ فرقان پڑھتے سنا جب مَیں اس کے پڑھنے کو غور سے سننے لگا۔ تو مَیں نے معلوم کیا کہ وہ بہت سے ایسے حروف پر پڑھتا ہے جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو نہیں پڑھایا۔ قریب تھا کہ مَیں نماز میں ہی اسپر حملہ کرتا۔ مگر مَیں نے اپنے آپکو روکے رکھا یہانتک کہ ہشام رضی اللہ عنہ نے سلام پھیرا۔ پھر مَیں نے انکی چادر انکے گلے میں ڈال لی اور کہا کہ یہ سورۃ جو مَیں نے تمہیں پڑھتے سنا ہے کس نے تم کو پڑھائی انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھکو پڑھائی۔ مَیں نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ان حروف کے غیر پر پڑھایا جن پر تم پڑھتے ہو پھر مَیں انکو اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لیکر چلا گیا اور عرض کیا کہ مَیں نے انکو یعنی ہشام کو ایسے حروف پر سورۃ فرقان پڑھتے سنا ہے جن پر آپ نے مجھ کو نہیں پڑھایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہیں چھوڑ دو اور فرمایا ہشام تم پڑھو انہوں نے وہی قرأت پڑھی جو مَیں نے انہیں پڑھتے سنا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی طرح پر یہ نازل ہوئی۔ پھر فرمایا اے عمر تم پڑھو۔ مَیں نے اسی طرح پر پڑھا جس طرح آپ نے مجھکو پڑھایا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی طرح یہ نازل ہوئی ہے۔ یہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے پس جو تم پر آسان ہو وہ پڑھو۔

(۳) عن ابن مسعود قال سمعت رجلا يقرأ وسمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقرأ خلافها فجئت به النبي صلى الله عليه وسلم فاخبرته فعرفت في وجهه الكراهية فقال كلا كما محسن فلا تختلفوا فان من كان قبلكم اختلفوا فهلكوا (بخاری) ابن مسعود فرماتے ہیں کہ مَیں نے ایک آدمی کو قرآن شریف پڑھتے سنا اور مَیں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور طرح پر پڑھتے سنا تھا پس مَیں اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آیا۔ اور آپ کو اس بات کی خبر دی مَیں نے دیکھا کہ آپکے چہرہ پر ناراضگی کے آثار ہیں۔ آپ نے فرمایا تم دونوں ٹھیک پڑھتے ہو۔ پس اختلاف مت کرو کیونکہ جو تم سے پہلے گذرے ہیں انہوں نے اختلاف کیا تو ہلاک ہو گئے۔

(۴) عن ابی بن کعب قال کنت في المسجد فدخل رجل يصلي فقرأ قرأءة انكرتها عليه ثم دخل آخر فقرأ قرأءة سوى قرأءة صاحبه فلما قضينا الصلوة دخلنا جميعا على رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت ان هذا قرأ قراءة انكرتها عليه ودخل آخر فقرأ سوى قراءة صاحبه فامرهما النبي صلى الله عليه وسلم فقراءا فحسن شانهما فسقط في نفسي من التكذيب ولا اذ كنت في الجاهلية فلما راى رسول الله صلى الله عليه وسلم ما قد غشيني ضرب في صدري ففضت عرقا وكانما انظر الى الله فرقا فقال لي يا ابی ارسل

الی ان اقرأ القرآن علی حرف فرددت الیہ ان ھوِن علیٰ امتی فرد الی الثانیۃ اقرأہ علی حرفین فرددت الیہ ان ھون علی امتی فرد الی الثالثۃ اقرأہ علی سبعۃ احرف (مسلم)

ابی بن کعب کہتے ہیں کہ میں مسجد میں تھا تو ایک آدمی آیا اور نماز پڑھنے لگا اور اس نے قرأت پڑھی جس پر مینے اعتراض کیا۔ پھر ایک اور آدمی آیا اور اسنے پہلے سے بھی اختلاف کے ساتھ قرأت پڑھی۔ جب ہم نماز سے فارغ ہو چکے تو ہم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مینے عرض کیا کہ اس شخص نے ایک قرأت پڑھی جسکے متعلق مینے اسپر اعتراض کیا۔ پھر دوسرا شخص آیا تو اسنے اس سے بھی مختلف قرأت پڑھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو حکم دیا اور انھوں نے پڑھکر سنایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی قرأت کو پسند فرمایا۔ اسپر میرے دل میں ایک ایسا تکذیب کا خیال یکایک گذرا کہ جاہلیت میں بھی ایسا خیال نہ گذرا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ کیسا وسوسہ میرے دل میں گذرا ہے تو آپنے میرے سینہ پر ہاتھ مارا اور میرا پسینہ چلنے لگا۔ گویا مارے خوف کے میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا تھا۔ پھر آپنے فرمایا اے ابی مجھے یہی حکم دیا گیا تھا کہ ایک ہی حرف پر قرآن کو پڑھوں۔ پھر مینے اس بات کو لوٹایا اور عرض کیا کہ میری اُمت پر آسانی کی جاوے پھر دوبارہ مجھے یہ فرمایا گیا کہ دو حرفوں پر پڑھو۔ مینے پھر اس بات کو لوٹایا اور عرض کیا کہ میری اُمت پر آسانی کیجاوے پھر تیسری مرتبہ مجھے اجازت دیگئی کہ سات حرفوں پر پڑھ لو۔

(۵) عن ابی بن کعب قال لقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جبرئیل فقال یا جبرئیل انی بعثت الی امۃ امیین منھم العجوز والشیخ الکبیر والغلام والجاریۃ والرجل الذی لم یقرأ کتابا قط ۔ قال یا محمد ان القرآن انزل علی سبعۃ احرف (ترمذی) ابی بن کعب سے روایت ہے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جبرئیل سے ملے اور فرمایا اے جبرئیل میں اُمّی لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں جنمیں بوڑھی عورتیں اور بوڑھے مرد اور لڑکے اور لونڈیاں اور ایسے آدمی ہیں جنھوں نے کبھی کتاب نہیں پڑھی۔ جبرئیل نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قرآن سات حرفوں پر اُتارا گیا ہے۔

(۶) عن ابی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان عند اضاۃ بنی غفار فاتاہ جبریل فقال ان اللہ یامرک ان تقرئی امتک القرآن علی حرف الحدیث (مسلم) مسلم کی اس حدیث میں بتلایا گیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سات حروف پر پڑھنے کی اجازت ملی تو آپ اضاۃ بنی غفار کے پاس تھے۔ باقی حدیث کا وہی مطلب ہے جو پہلے بیان ہوا۔

(۷) عن جابر قال خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونحن نقرأ القرآن وفینا الاعرابی والعجمی فقال اقرؤا فکل حسن وسیجئ اقوام یقیمونہ کما یقام القدح یتعجلونہ

ولا یتاجلونہٗ (ابوداؤد) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر آنکلے اور ہم قرآن پڑھ رہے تھے اور ہمارے درمیان اعرابی اور عجمی لوگ تھے آپ نے فرمایا پڑھتے جاؤ سبھی ٹھیک پڑھ رہے ہیں اس کے بعد ایسی قومیں آئیں گی جو قرآن کو بڑی صفائی سے پڑھیں گی ایسی صفائی سے جیسا کہ تیر سیدھا کیا جاتا ہے مگر وہ اس کا اجر اسی زندگی میں تلاش کریں گی اور عاقبت کی پروا نہیں کریں گی۔

یہ چند احادیث ہیں جو قرأت مختلفہ کے متعلق آئی ہیں۔ ایک بات جس پر ان ساتوں حدیثوں سے متفقہ شہادت ملتی ہے۔ یہ ہے کہ جو کچھ اختلافات تھے وہ قرآن کریم کی عبارت کے اختلاف نہ تھے بلکہ بعض الفاظ کو مختلف طور پر پڑھنے یا ادا کرنے کے اختلاف تھے۔ اس بات کو صاف کرنے کے لیے ان چند امور کو جو ان احادیث سے پیدا ہوتے ہیں ایک ایک کر کے زیر بحث لانا ضروری ہے۔ سب سے پہلے جو اہم سوال پیدا ہوتا ہے اور جس سے قطعی شہادت ان اختلافات کی حقیقت کے متعلق ملتی ہے وہ وقت کا سوال ہے یعنی اس امر کی تحقیق کرنا کہ سات حروف میں قرآن شریف کو پڑھنے کی اجازت کس وقت دیگئی۔ پس ان احادیث کو آگے رکھکر ہمنے یہ دیکھنا ہے کہ آیا سات حروف میں قرآن شریف کا نزول ابتدا سے ہی تھا۔ یا کسی خاص وقت کسی خاص ضرورت کے لحاظ سے اجازت حروف مختلفہ میں ادا کرنیکی بعد میں دیگئی۔ کیونکہ اگر جب سے نزول قرآن شریف کا شروع ہوا۔ اسی وقت سے سات حروف میں اس کا نزول تھا تو اس میں ایک معترض کو اس اعتراض کی گنجایش نکل سکتی ہے کہ وہی سات حروف ہمیشہ کے لیے چلے آنے چاہیئے تھے اور اگر وہ ساتوں حروف ہم تک نہیں پہنچے تو اس سے یہ نتیجہ نکلے گا کہ کچھ حصہ قرآن شریف کا ضائع ہو گیا۔ لیکن اگر سات حروف کا نزول بعد میں ہوا اور ابتداءً قرآن شریف کا نزول ایک ہی حرف میں تھا تو ایسا اعتراض کسی صورت میں ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سات حروف میں نزول کسی خاص ضرورت کی وجہ سے ہوا۔ اور ان سات حروف کو اصل قرآن شریف سے جیسا کہ وہ ابتدا سے نازل ہو رہا تھا کچھ تعلق نہیں۔ بلکہ بعض ضرورتوں کی وجہ سے ایک وقت کے لیے بعض لوگوں کو ایسی اجازت دی گئی۔

استدلال اول زمانہ اجازت سات حروف کے متعلق چھٹی حدیث سے پیدا ہوتا ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اضاۃ بنی غفار کے قریب تھے جب آپکو سات حروف پر قرآن شریف کے پڑھنے کی اجازت دیگئی۔ اضاۃ بنی غفار ایک مشہور مقام مدینہ میں ہے۔ پس زمانہ کے متعلق اسقدر تو ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ مختلف حروف کی اجازت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد ہوئی اور اسطرح سے مکہ میں جسقدر قرآن شریف آنحضرت پر نازل ہوا وہ ایک ہی حرف پر نازل ہوا اور یہ ایسا قطعی اور یقینی نتیجہ ہے کہ کوئی دلیل اسے توڑ نہیں سکتی۔ مگر یہ امر کہ مدینہ میں کسوقت یہ اجازت ملی اسکی اس حدیث سے کچھ تعیین نہیں ہو سکتی۔ لیکن ایک اور حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ دراصل یہ اجازت اسوقت دیگئی جب فتح مکہ کے بعد کثرت سے عرب لوگ اسلام میں داخل ہونے شروع ہوئے اور

مختلف قوموں کو قرآن کریم کے سکھانے کی ضرورت پیش آئی۔ جس سے اس اجازت کا زمانہ ہجرت نبوی کا نواں سال قرار پاتا ہے۔ یہ حدیث وہ ہے جسکو بخاری اور مسلم دونوں نے قریباً یکساں لفظوں میں بیان کیا ہے اور جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ہشام بن حکیم کے اختلاف کا ذکر ہے۔ حضرت عمرؓ نے ہشام کو قرآن شریف کی ایک سورۃ پڑھتے سنا اور آپ اسکے پڑھنے سے بہت حیران ہوئے کیونکہ انکی قرأت میں اس قرأت سے جو ہمیشہ سے حضرت عمرؓ پڑھتے اور سنتے چلے آئے تھے بعض اختلاف تھے۔ جس تعجب سے حضرت عمرؓ نے حضرت ہشامؓ کی اس قرأت کو سنا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ پہلا ہی موقعہ تھا جو حضرت عمرؓ کو قرأت میں ایسے اختلاف کے سننے کا موقعہ ہوا۔ اب تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ حضرت ہشامؓ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے پس انکا سورۃ فرقان جیسی لمبی سورۃ پڑھنا اسکے بھی کچھ عرصہ بعد کا واقعہ ہونا چاہیئے کیونکہ مسلمان ہوتے ہی وہ ایک آدھ دن میں اتنی اتنی لمبی سورتیں یاد نہ کر سکتے تھے۔ کہ نماز میں انہیں پڑھنا شروع کر دیں۔ پس اسقدر تو یقینی اور قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ یہ واقعہ جس کا حدیث میں ذکر ہے فتح مکہ کے کچھ مدت بعد کا ہے اور اس کا زمانہ نویں سال ہجرت سے پہلے کا نہیں ہو سکتا۔ اب دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ ممکن نہیں کہ سات حروف میں پڑھنے کی اجازت برسوں پہلے ہو چکی ہو مثلاً آنحضرتؐ کی مدنی زندگی کے ابتدا میں ہی ہو چکی ہو؟ یہ بات ظاہر ہے کہ جب ایسی اجازت مل ہوا سیوقت سے اسپر عمل بھی شروع ہو گیا ہو۔ اور اگر مثلاً اجازت ابتدائے مدنی زندگی میں ہی مل گئی ہو اور اسپر عمل نو سال بعد تک نہ ہوا ہو تو اس میں اور اس صورت میں کہ اجازت ہی نویں سال ہجری میں ملی ہو کچھ فرق نہیں۔ پس اب تحقیق طلب یہ امر ہے کہ آیا یہ ممکن ہے کہ قرآن شریف سات حروف پر تو ابتدائی زندگی مدنی سے ہی پڑھا جاتا ہو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر نہ ہوئی ہو؟ اگر حضرت عمرؓ عرب کے کنارے کی قوموں میں سے ایک شخص ہوتے اور ایک آدھ دفعہ آنحضرتؐ کے پاس تشریف لا کر پھر اپنے گھر میں چلے گئے ہوتے تو یہ ممکن تھا کہ اجازت سات حروف کی مدت سے مل چکی ہو اور انکو اطلاع نہ ہوئی ہو۔ مگر حضرت عمرؓ دن رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہنے والے تھے۔ اور اگر کبھی اپنے کاروبار بھی کرتے تھے اور غیر حاضری کا اتفاق ہو جاتا تو آپ نے یہ انتظام کیا ہوا تھا کہ ایک اپنے ہمسائے کو اُسوقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجدیتے جو آپ کو تازہ وحی اور نئے امور سے اطلاع دیدیتے پس ایسے شخص کے متعلق یہ کسی صورت میں خیال نہیں کیا جاسکتا کہ اگر سات حروف میں پڑھنے کی اجازت مل گئی ہو اور اسپر عمل بھی شروع ہو گیا ہو تو وہ برسوں یا مہینوں اس سے بیخبر رہے ہوں۔ ان تمام واقعات پر غور کر کے ہم اس یقینی اور قطعی نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ سات حروف میں پڑھنے کی اجازت نویں سال ہجرت کے قریب ہوئی جب عرب کی مختلف قومیں کثرت کے ساتھ اسلام میں داخل ہونی شروع ہوئیں اور اس سے پہلے یہ اجازت نہ تھی یا اگر اجازت تھی تو اسپر قطعاً عمل نہیں ہوا۔ یعنی فی الواقع قرآن شریف کا مختلف حروف پر پڑھا جانا فتح مکہ سے پہلے ثابت نہیں ہے۔ اور جسقدر حدیثیں اس کے متعلق آئی ہیں انسے اشارتاً

اور کنایتاً بھی یہ معلوم نہیں ہوتا کہ فتح مکہ سے پہلے قرآن شریف سات حروف پر پڑھا گیا ہو۔ چنانچہ جن لوگوں نے سبعۃ احرف پر بحث کی ہے خواہ وہ کسی نتیجہ پر پہنچے ہوں مگر اس امر کے وہ قائل ہیں کہ یہ اجازت اسوقت ملی جب عرب بکثرت کے ساتھ اسلام میں داخل ہونے لگے اور یہ فتح مکہ سے بعد کا زمانہ ہے۔

اس ساری بحث سے ایک اہم نتیجہ پیدا ہوتا ہے جس سے سبعۃ احرف کی حقیقت پر ایسی روشنی پڑتی ہے کہ کسی شک و شبہ کی گنجایش باقی نہیں رہتی۔ تیرہ[۱۳] سال مکہ میں اور آٹھ سال سے زیادہ مدینہ منورہ میں یعنی اکیس سال تک قرآن شریف ایک ہی حرف پر نازل ہوا اور ایک ہی طرز پر پڑھا جاتا رہا اور ایک ہی طرح پر لکھا جاتا رہا۔ نہ کوئی اختلاف قرأت تھا اور نہ قرآن شریف کی کسی عبارت میں مختلف حروف کا وجود تھا۔ یہی اصل قرآن شریف ہے جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ساری عمر پڑھتے رہے پڑھاتے رہے اور لکھواتے رہے یہی وہ قرآن شریف ہے جسے حضرت ابوبکرؓ نے تحریر میں جمع کرایا یہی وہ قرآن شریف ہے جس کی نقلیں حضرت عثمانؓ نے اطراف میں بھیجیں اور یہی وہ قرآن شریف ہے جو آج ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ جسطرح اکیس سال تک کسی دوسرے حرف یا قرأت کا وجود نہ تھا اسی طرح اس قرآن شریف میں جو آج ہمارے ہاتھوں میں ہے اور وہ ایک ہی قرآن شریف ہے جو ساری اسلامی دنیا میں شایع ہو رہا ہے اس میں بھی نہ کوئی اختلاف قرأت ہے اور نہ اختلاف حروف ہے۔ بالفاظ دیگر اس کی عبارت وہی عبارت ہے جو اکیس سال تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں پڑھی جاتی تھی۔ پس جو قرأتیں چھوڑی گئیں وہ اصل میں قرآن شریف کا جزو نہ تھیں بلکہ ایک خاص وقت اور ایک خاص ضرورت کے لیے انکی اجازت دیگئی تھی۔ اس کے متعلق میں اور شہادتیں بھی پیش کرونگا مگر جہانتک نے مانہ اجازت کے سوال سے کوئی نتیجہ پیدا ہو سکتا ہے اس سے صاف شہادت اس امر کی ملتی ہے کہ اکیس سال تک مختلف حروف اور قرأتوں کا سوال ہرگز نہیں اُٹھا۔ ایک ہی حرف پر قرآن شریف نازل ہوتا تھا اور ایک ہی قرأت تھی۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اس اکیس سال کے زمانہ میں قرآن شریف کا بہت بڑا حصہ نازل ہو چکا تھا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ قریباً قریباً سارا ہی قرآن شریف نازل ہو چکا تھا۔ پس ایک ایسے وقت میں جبکہ مختلف اقوام کثرت کے ساتھ دین اسلام میں داخل ہونی شروع ہوئیں مختلف حروف میں قرآن شریف کے پڑھنے کی اجازت دینا صاف بتا رہا ہے کہ یہ اجازت صرف انہی قوموں کی وجہ سے تھی۔ اور اس سے اصل عبارات قرآنی میں کوئی تغیر تبدل نہیں آیا۔ اس سے یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ اختلافات حروف عبارتوں یا جملوں کے اختلاف نہ تھے بلکہ ایسے اختلاف تھے جو ایک ہی لفظ کے بولنے میں مختلف قوموں کے درمیان پیدا ہونے لازمی ہیں۔ یہ قومیں زبان تو عربی ہی بولتی تھیں مگر جیسا کہ ہر ایک زبان کا قاعدہ ہے خصوصاً جہاں علم کا عام رواج نہ ہو اور لوگ پڑھے ہوئے نہ ہوں تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر اصل محاورہ سے کچھ فرق پڑ جاتا ہے ایسا ہی ان قوموں کے محاورہ میں یعنی بعض الفاظ کو ادا کرنیکے طریق میں تھوڑا تھوڑا فرق تھا۔

ایسے اختلافات کی بعض مثالیں پہلے بھی بیان ہو چکی ہیں۔ مثلاً لفظ حتّٰی جو اصل لفظ ہے اور محاورہ قریش کے مطابق ہے اسے ثقیف اور ہذیل عتی پڑھتے تھے۔ ایسے ہی اور بعض اختلافات کی مثالیں دیگئی ہیں (دیکھو فتح الباری) مثلاً اسدی تعلمون ت کے کسرہ کے ساتھ پڑھتے تھے۔ بعض قومیں ماء غیر اٰسن کی جگہ ماء غیر یاسن پڑھتی تھیں اور ایسا ہی بعض قومیں ایسے الفاظ میں ہمزہ پڑھتی تھیں جہاں دوسری نہ پڑھتی تھیں۔ یہ سارے ایسے فرق ہیں جو ہر جگہ پر اور ہر زبان میں اختلاف محاورہ سے پیدا ہو جاتے ہیں۔

اسی کی تائید میں بعض اور شہادتیں بھی ہیں۔ جیسا کہ فتح الباری میں یہ مذکور ہے۔ ونقل ابو شامة عن بعض الشیوخ انه قال انزل القراٰن اولا بلسان قریش ومن جاورهم من العرب الفصحاء ثم ابیح للعرب ان یقرؤه بلغاتهم التی جرت عادتهم باستعمالها علی اختلافهم فی الالفاظ والاعراب ولم یکلف احد منهم الانتقال من لغته الی لغة اخری للمشقة ولما کان فیهم من الحمیة ولطلب تسهیل فهم المراد کل ذٰلك مع اتفاق المعنی۔ یعنی ابو شامہ نے ایک بزرگ سے یہ نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ اول نزول قرآن کریم کا زبان قریش میں اور ان فصیح عربوں کی زبان میں تھا جو انکی ہمسائگی میں رہتے تھے۔ پھر دوسری عرب قوموں کے لیے یہ اجازت دی گئی کہ اسے اپنی لغات یعنی محاورہ میں جس کے استعمال کے وہ شروع سے عادی تھے پڑھ لیا کریں باوجود انکے اختلاف کے الفاظ میں اور اعراب میں اور ان میں سے کسی کو اس بات پر مجبور نہ کیا گیا کہ وہ اپنے محاورہ کو چھوڑ کر دوسرے کا محاورہ اختیار کرے۔ اس لیے کہ ایسا کرنا انکے لیے بہت دشوار تھا۔ اور ان میں اپنے اپنے محاوروں کے لیے حمیت بھی تھی۔ اور اس سے معنوں کے سمجھنے میں بھی انکے لیے آسانی تھی۔ اور یہ سب کچھ اتفاق معنی کے ساتھ تھا یعنی یہ اختلافات محاورہ انکے ایسے نہ تھے جنسے معنوں میں کچھ بھی فرق پڑتا ہو۔ یہ نقل بھی ہمارے اس نتیجہ کی مؤید ہے جو زمانہ اجازت قرأت حروف مختلفہ سے پیدا ہوتا ہے۔

اگر ان احادیث پر جو اور سبعة احرف کے متعلق نقل کی گئی ہیں غور سے نظر کیجاوے تو ان سے بھی اس بات کا پتہ لگتا ہے کہ اس اجازت کے دینے کی غرض کیا تھی۔ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں هون علی امتی۔ میری امت پر آسانی کر جس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ آپ محسوس کرتے تھے کہ بعض لوگوں کو قریش کے محاورہ میں سارے الفاظ ادا کرنے میں مشکلات پیش آتی ہیں انکے لیے آسانی کی درخواست کی کہ وہ اپنے محاورہ میں ہی ان الفاظ کو ادا کریں۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپنے فرمایا ان امتی لا تطیق ذٰلك۔ یعنی میرے لوگ اس بات کی برداشت نہیں کر سکتے کہ وہ سب ایک ہی حرف میں قرآن شریف کو پڑھ سکیں۔ ایک تیسری حدیث میں ہے کہ آپنے فرمایا ان لوگوں میں بعض بوڑھے مرد اور بوڑھی عورتیں اور بچے اور ناخواندہ لوگ ہیں

غرض یہ تھی کہ یہ لوگ ایسے اپنے محاورہ کے عادی ہو گئے ہیں کہ دوسرے محاورہ میں الفاظ ادا نہیں کر سکتے جس طرح ہر ایک لفظ کو بولنے کی عادت ہو گئی ہے اسی طرح پر اسے بول سکتے ہیں۔ اگر وہ تعلیم یافتہ ہوتے تو قریش کی فصیح اور علمی زبان میں ہر ایک لفظ کو آسانی سے ادا کر سکتے مگر چونکہ امی لوگ تھے ایسا نہ کر سکتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے بھی انکو تکلیف میں نہ ڈالا۔ بلکہ یہ اجازت دی کہ جس طرح وہ کسی لفظ کو بولنے کے عادی ہو گئے ہیں اسی طرح پڑھ لیا کریں۔ اور بخاری کی حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں فاقرؤا ما تیسر منہ یعنی جس طرح پر تمہارے لیے آسانی ہو اسی طرح پڑھ لیا کرو اس سے بھی وہی نتیجہ نکلتا ہے۔ پھر ایک پانچویں حدیث ہے کہ اعرابی اور عجمی سب لوگ قرآن پڑھ رہے تھے اور آپ نے فرمایا سب ہی خوب پڑھ رہے ہیں۔ اور ایک ایسی قوم کی مذمت کی کہ لفظوں کو تو بہت سنوار سنوار کر ادا کریں گے مگر معنوں تک نہیں پہنچیں گے۔

ایک اور بات جس سے سبعۃ احرف کی بحث پر روشنی پڑتی ہے یہ ہے کہ جو لوگ ابتدائے اسلام میں مشرف باسلام ہوئے تھے ان میں اس قسم کے اختلافات کا کچھ تذکرہ نہیں پایا جاتا حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم میں کوئی اختلاف قرأت نہیں دکھایا جا سکتا۔ مسلمانوں میں سے سابقین کے اندر ایسے اختلافات کا نہ پایا جانا بھی صاف طور پر یہی بتا رہا ہے کہ اجازت مختلف حروف میں پڑھنے کی خاص اغراض کیلیے تھی اور اس ہی اصل عبارت قرآنی میں کوئی تغیر تبدل نہیں ہوا قرآن کریم کا نزول لسان قریش میں ہوا کیونکہ انہی کی زبان علمی اور پیرایہ فصاحت و بلاغت سمجھی جاتی تھی۔ دوسری قوموں کے محاورے محض اس اصل زبان کا کسی لفظ میں بگاڑ تھا مگر ان لوگوں کے لیے جو ایسے الفاظ کو اپنی قوم کے محاورہ کے مطابق ادا کرنیکے عادی ہو گئے تھے۔ ان الفاظ کو زبان قریش کے محاورہ میں ادا کرنا بہت مشکل تھا۔ اور چونکہ ہر ایک مسلمان کیلیے کچھ نہ کچھ حصہ قرآن کریم کا جاننا ضروری تھا خواہ وہ خواندہ ہو یا ناخواندہ اور خواہ بوڑھا ہو یا بچہ۔ کیونکہ نماز ہر ایک مسلمان پر فرض تھی اور نماز میں قرآن شریف لازمی طور پر پڑھا جاتا تھا۔ اس لیے ان لوگوں کو جو یکایک اپنے محاوروں میں اس قسم کا تغیر پیدا کرنیکے ناقابل تھے کہ ہر ایک لفظ کو صحیح طور سے قریش کے محاورہ پر ادا کر سکیں یہ اجازت دی گئی جس کی بنا وحی الٰہی پر تھی کہ وہ بعض الفاظ کو اسی طرح پر ادا کریں جس طرح اپنے محاورہ میں کرتے تھے۔

یہ سوال کہ مختلف محاورات یالغتیں محاورہ قریش سے اور آپس میں کس قدر مختلف تھیں اب اس پر بحث کرنیکی چنداں ضرورت باقی نہیں رہتی۔ لیکن جیسا کہ کئی مثالیں دیکر پہلے بھی بیان کیا گیا ہے یہ اختلافات نہایت خفیف تھے۔ تاریخی شہادت جہانتک میسر آسکتی ہے وہ بھی اس نتیجہ کی مؤید ہے۔ لیکن ساتھ ہی اس کے ہم اس سے بھی انکار نہیں کرتے کہ جیسا کہ ایسے محاورات میں بعض اوقات ہو جاتا ہے بعض الفاظ ایسے ہوتے ہیں کہ انکا قایم مقام دوسرے محاورہ میں کوئی اور لفظ ہوتا ہے۔ اس لیے جب قرآن کریم کو دوسرے حروف پر یعنی دوسرے محاوروں کے مطابق پڑھنے کی اجازت دیگئی ہوگی۔ تو اس طرح سے کسی لفظ کو دوسرے محاورہ میں اس کے ہم معنی لفظ سے ادا کرنیکی اجازت بھی

دیدی گئی ہوگی۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ مختلف حروف سے مراد ایک معنی کو مختلف الفاظ سے ادا کرنا تھا۔ اگرچہ یہ انہوں نے محض قیاس سے لکھا ہے اور حضرت عمرؓ اور ہشام والی حدیث سے دھوکہ کھایا ہے لیکن ممکن ہے کہ ایسی کوئی مثال بھی انکے ذہن میں ہو۔ کہ ایک محاورہ میں ایک معمولی لفظ کو دوسرے محاورہ میں اسکے ہم معنی لفظ سے جہاں پہلا لفظ اس دوسرے محاورہ میں موجود نہ ہو ادا کرنیکی اجازت دیگئی اور اس سے انہوں نے ایک عام قاعدہ بنا لیا۔ علاوہ ان مثالوں کے جو اوپر بیان ہوئیں اور جو ظاہر کر رہی ہیں کہ اختلاف احرف عموماً نہایت خفیف اختلافات تھے جو بعض الفاظ کو خاص طرز پر ادا کرنیکی وجہ سے یا اعراب میں کسی قدر فرق کی وجہ سے پیدا ہوتے تھے خود قیاس بھی اس بات کو چاہتا ہے کہ یہ اختلاف ایسے ہی معمولی اختلاف تھے جیسے ایک ہی ملک کے رہنے والے اور ایک ہی زبان کے بولنے والے لوگوں میں بعض وقت پائے جاتے ہیں۔ آخر ان سب قوموں کی زبان عربی ہی تھی اور اسی زبان میں وہ شعر کہتے تھے جن میں باہم ایک دوسرے کا مقابلہ کرتے تھے۔ اور باہمی انکا میل جول بھی بہت ہوتا تھا اور میلے لگا کرتے تھے جہاں وہ سب اکٹھے ہوا کرتے تھے۔ یہ سب باتیں اسی نتیجہ کی مؤید ہیں کہ اختلافات احرف نہایت خفیف قسم کے اختلافات تھے۔

اعتراض اسپر یہ کیا گیا ہے کہ اگر واقعی یہ اختلافات ایسے ہی خفیف ہوتے تو صحابہؓ ان اختلافات کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ اسقدر سختی کیوں کرتے جیسا کہ مثلاً حضرت عمرؓ کے متعلق حدیث میں مذکور ہے کہ انہوں نے اول تو نماز میں ہی ہشام کو روکنا چاہا اور پھر آخر انکی گردن میں چادر ڈالکر انکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں لیگئے اور جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم نہیں دیا تب تک انہیں چھوڑا نہیں۔ اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ عمرؓ اور ہشام کی قرأت میں کوئی بہت بھاری اختلاف ہوگا جس سے معنوں میں بھی تغیر آتا ہوگا جو حضرت عمرؓ نے ہشام کے ساتھ اسقدر سختی کا برتاؤ کیا جیسے کسی بڑے مجرم کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ بلکہ بعض نادان یا مجنون معترض تو یہانتک کہنے کیلیے تیار ہو گئے ہیں کہ ہشام کی قرأت حضرت عمرؓ کی قرأت سے اسقدر اختلاف رکھتی تھی کہ دونوں گویا الگ الگ عبارتیں تھیں۔ اگر درحقیقت ایسا ہوتا تو حضرت عمرؓ کو یہ کیونکر پتہ لگ گیا کہ حضرت ہشام سورہ فرقان پڑھ رہے ہیں جیسا کہ انہوں نے انکی قرأت کو سنتے ہی پہچان لیا۔ رہی یہ بات کہ اسقدر اختلاف تھا جس سے معنوں میں بھی اختلاف ہوا ہوگا ورنہ حضرت عمرؓ سختی نہ کرتے۔ یہ قیاس بھی غلط ہے کیونکہ احادیث میں صریح طور پر یہ الفاظ موجود ہیں کہ یہ اختلاف قرأت ایسا نہ تھا جس سے معنوں میں بھی کچھ اختلاف ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم قرآن شریف کے ایک ایک لفظ اور حرف اور حرکت کے لیے ایسے محتاط تھے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ فرق کو بھی وہ برداشت نہ کر سکتے تھے انہوں نے ایک لمحہ کے لیے بھی کبھی یہ خیال نہیں کیا کہ قرآن شریف کے معنے سمجھ لینے ہی کافی ہیں بلکہ وہ اسکے الفاظ اور حروف اور حرکات کو منجانب اللہ سمجھکر اور خدا کا کلام یقین کر کے محافظت کرتے تھے۔ پس وہ اسقدر ادنیٰ اختلاف کو بھی جو اختلاف حروف سے پیدا ہو ابرداشت نہ کر سکے جبتک کہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ سلم سے انہوں نے سن نہیں لیا کہ یہ اجازت محض ایک ضرورت کیلئے دیگئی ہے انہوں نے صبر نہ کیا جبتک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکو یہ سمجھا نہیں دیا کہ ان قوموں کیلئے جو الگ محاورہ بولتی ہیں بعض الفاظ کا قریش کی محاورہ پر ادا کرنا سخت مشکل ہے اس لیئے خود اللہ تعالیٰ نے یہ اجازت دی ہے کہ وہ دوسرے حروف یعنی محاوروں میں بعض الفاظ کو پڑھ لیں۔ غرض حضرت عمرؓ کی ناراضگی کی وجہ صرف یہ تھی کہ اسوقت تک انکو یہ علم نہیں تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض دوسرے حروف پر قرآن شریف کو پڑھنے کی اجازت بھی دی ہے۔ اس لیے وہ کسی تھوڑی سے تغیر و تبدل کو بھی برداشت نہ کر سکتے تھے۔

ایک اور اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ اور ہشام دونوں ایک ہی قبیلہ کے تھے پس اگر اختلاف حروف محض اختلاف محاورہ سے ہی پیدا ہوتے تو حضرت عمرؓ اور ہشام کی قرأت میں کچھ فرق نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ حالانکہ حدیث سے ثابت ہے کہ ان میں اختلاف ہوا اس سے ہمارے بعض علماء نے یہ دلیل پکڑی ہے کہ اختلافات حروف سے مراد ایک ہی معنی کا مختلف الفاظ سے ادا کرنا تھا اور بعض معترضین نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اختلاف حروف قرآن شریف کی عبارتوں کا اختلاف تھا۔ مگر محض عمرؓ اور ہشام کے ہم قبیلہ ہونے اور پھر اختلاف قرأت کے ہوجانے سے ایسے نتایج نکالنا بڑی بھاری غلطی ہے۔ اوّل تو اس بات کو یاد رکھنا چاہیئے کہ جب بذریعہ وحی سات حروف پر قرآن شریف کو پڑھنے کی اجازت ہوگئی تو یہ اجازت خاص خاص اقوام سے مخصوص نہ رہ سکتی تھی۔ قرآن کریم ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تمام صحابیوں کو نہ سکھلاتے تھے بلکہ بعض صحابی بھی بعض کو سکھاتے تھے اور اسطرح ایک قوم کی خصوصیات دوسری قوم میں جاسکتی تھیں دوئم یہ امر قابل لحاظ ہے کہ اگر ایک قوم ایک لفظ کو ایک خاص طرز پر جو دوسری قوم میں مروج ہے ادا نہ کر سکے تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ دوسری قوم بھی پہلی قوم کی طرز پر اس لفظ کو ادا نہیں کر سکتی۔ یہ بات مثال سے آسانی کے ساتھ سمجھ میں آجاویگی۔ ہذیل اور ثقیف حتّٰی کی بجائے عتی پڑھتے تھے۔ حتّٰی قریش کے محاورہ میں تھا اور اسکی بجائے انکو محاورہ میں عتی تھا۔ مگر اس سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ قریش عتی نہ بول سکتے تھے۔ اگرچہ عام طور پر وہ حتّٰی ہی بولتے تھے اور یہی اصل لفظ تھا مگر وہ اگر چاہتے تو عتی بھی پڑھ سکتے تھے۔ چنانچہ ایک حدیث سے یہ ثابت ہے کہ ابن مسعود حتی حین کی بجائے بموجب محاورہ ہذیل اور ثقیف عتی حین پڑھتے تھے اور حضرت عمرؓ نے انکو منع بھی کیا تھا کہ ہذیل کی لغت میں قرآن شریف لوگوں کو مت پڑھاؤ بلکہ قریش کی لغت میں پڑھاؤ۔ اصل بات یہ تھی کہ قریش دوسری اقوام کے محاورات کے مطابق الفاظ کو ادا کرنیکے عادی ہو گئے تھے کیونکہ مکہ معظمہ میں جو انکا صدر مقام تھا مختلف قوموں کے لوگ ہر سال موسم حج میں اور میلوں وغیرہ پر جمع ہوا کرتے تھے۔ اور قریش کو چونکہ ہر ایک قوم اور قبیلہ سے لین دین اور تجارت کا واسطہ پڑتا تھا۔ اور علاوہ ازیں علمی مناظرے اور مقابلے بھی باہمی ہوتے رہتے تھے۔ اس لیئے قریش کو ہر ایک قوم کے محاورہ سے واقفیت پیدا کرنی

لازمی ہوگئی تھی۔ اب ہشامؓ جب مسلمان ہوئے تو یہ وہ وقت تھا جب فتح مکہ کے بعد فوج در فوج عرب کی قومیں اسلام میں داخل ہو رہی تھیں۔ اور غالباً حضرت ہشام نے سورہ فرقان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے وقت سنا جب آپ کسی قوم کو پڑھا رہے تھے۔ اور اسی طرح پر انہوں نے یاد کر لیا اور چونکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اجازت تھی کہ فاقرؤا ما تیسر منہ یعنی جس طرح آسان ہو اسی طرح پڑھ لو اس لیے حضرت ہشام نے قریش کے محاورہ کے مطابق اسے ادا کرنے کی کوشش نہ کی۔ اور نہ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس طرح پر پڑھنے سے منع فرمایا جس طرح وہ پڑھ رہے تھے۔ ان واقعات سے ناظرین آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ کیوں ہشام اور حضرت عمرؓ میں باوجود دیکہ دونوں ایک ہی قبیلہ کے تھے اختلاف ہوا۔ حضرت عمرؓ اس زمانہ میں قرآن شریف کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھ چکے تھے جب ایک ہی حرف پر قرآن شریف پڑھا جاتا تھا۔ اور ہشام نے ایسے وقت سیکھا جب دوسری قوموں کی اسلام میں کثرت کے ساتھ داخل ہونے سے انکو انکے اپنے محاورہ کے مطابق ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن شریف پڑھانے کی ضرورت پیش آتی تھی۔ پس یہی وجہ اختلاف کی تھی۔

سات حروف میں پڑھنے سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ قرآن شریف کا ہر ایک لفظ سات طرز پر پڑھا جاتا تھا۔ بلکہ مطلب قرآن شریف کے سات حروف پر اُتارا جانے کا صرف یہ ہے کہ جن محاورات میں پڑھے جانے کی اجازت تھی وہ سات تھے یا یوں کہو کہ ایک لفظ کی مختلف قرأتیں جو اختلاف محاورہ سے پیدا ہوتی تھیں وہ سات لغتوں میں سے ایک میں ہوتی تھیں۔ یہ اختلافات تعداد میں بھی کچھ زیادہ معلوم نہیں ہوتے کیونکہ حدیث میں جسقدر اختلافات کا ذکر کیا گیا ہے وہ تعداد بہت تھوڑی ہے۔ اگر اختلاف بہت سے ہوتے تو احادیث میں ضرور انکا ذکر زیادہ ہوتا۔ یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ بہت سی قرأتیں بعض مفسرین اسوقت بھی بیان کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ قرأتیں اور سبعۃ احرف ایک چیز نہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ سبعۃ احرف والی قرأتیں بہت تھوڑی اس لیے ہم تک پہنچی ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے انکا قرآن شریف میں لکھنا بند کر دیا تھا۔ تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ جو چیزیں احادیث میں محفوظ ہو کر آئی ہیں ان میں سے کوئی بھی لکھی ہوئی نہ تھی۔ اور ہزارہا واقعات بغیر معرض تحریر میں کبھی آنیکے احادیث میں پوری طرح سے محفوظ ہیں۔ اختلاف کے کم ہونے کی وجہ ان قوموں کا باہمی میل جول تھا جو اکثر میلوں مجلسوں۔ مشاعروں اور تجارت وغیرہ کے ذریعہ ہوتا رہتا تھا۔ اور انہی تعلقات کا یہ نتیجہ تھا کہ انکے اختلاف بڑھنے نہ پاتے تھے۔ سات لغات جن میں قرآن شریف کے بعض الفاظ کو ادا کرنے کی اجازت دیگئی تھی وہ تھیں جو عرب میں افصح ترین تھیں مگر بعض کا خیال یہ ہے کہ سات سے انحصار تعداد مقصود نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ علاوہ محاورہ قریش کے جس میں قرآن شریف کا نزول ہو رہا تھا کچھ اور محاورات بھی ایسے تھے جن میں بعض الفاظ قرآنی کو ادا کرنے کی اجازت دیگئی تھی۔

جسقدر بحث اوپر ہو چکی ہے اس سے ایک بے تعصب انسان کے دل کو تسکین دینے والی شہادت اس امر کی ملتی ہے کہ وہ

اختلافات قرأت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں سبعۃ احرف سے پیدا ہوئے تھے وہ قرآن کریم کا جزو نہ تھے نہ اس کی اصل عبارتوں میں داخل تھے۔ بلکہ جو ضرورت انکی اجازت کے لیے پیدا ہوئی تھی وہ ایک مقامی ضرورت تھی اور تھی بھی عارضی۔ قریباً کل کا کل قرآن شریف اس اجازت سے پہلے نازل ہو چکا تھا جسقدر زیادہ غور ان قرأتوں پر ہم کرتے ہیں اسی قدر زیادہ اطمینان اس نتیجہ کے متعلق حاصل ہوتا ہے کہ سات حروف میں پڑھنے کی اجازت محض بعض قوموں کی آسانی کے لیے تھی۔ اور اس سے اصل قرآن کریم میں کسی قسم کا تغیر تبدل نہیں آیا۔ بلکہ قرآن شریف وہی تھا اور ہمیشہ وہی رہا ہے جو ابتدا سے نازل ہوا تھا۔ یہ بھی ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود جب نماز جماعت میں قرآن شریف پڑھتے تھے تو آپ بھی ان حروف میں نہ پڑھتے تھے جن میں بعض دوسرے لوگ پڑھ لیتے تھے بلکہ آپ ہمیشہ قرآن شریف کو اسی طرح نمازوں میں پڑھتے رہے جسطرح یہ اصل میں نازل ہو چکا تھا۔ اس نتیجہ کو ان واقعات سے بھی تائید ملتی ہے کہ حضرت ابیؓ اور ابن مسعود اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم جیسے صحابیوں نے جب کسی دوسرے حرف پر قرآن شریف کسی کو پڑھتے سنا تو وہ بہت متعجب ہوئے اور گھبرائے کیونکہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازوں میں ان دوسرے حروف میں سے کسی پر قرآن شریف پڑھتے تو ان جلیل القدر صحابہؓ کو جو اکثر پانچوں نمازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھتے تھے خود اطلاع مل جاتی اور پھر دوسرے لوگوں کو پڑھتے سنکر انہیں تعجب نہ آتا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل سے بھی کہ نمازوں میں آپ قرآن شریف کو اسی طرح پڑھتے رہے جسطرح وہ کلام پاک ابتدا میں نازل ہو چکا تھا یہ ثبوت ملتا ہے کہ دوسرے حروف کی غرض محض ایک خاص غرض تھی اور اس سے اصل عبارت قرآنی میں نہ کوئی کمی بیشی ہوئی اور نہ کوئی تغیر تبدل ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ایک اور شہادت بھی اسی کی مؤید ہمیں ملتی ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ قرآن شریف کو جب لکھواتے تھے تو تب بھی اسی نزول کے مطابق لکھواتے تھے جو قرآن کریم کا پہلا اور اصلی نزول تھا۔ اور جو حصص قرآن کریم کے سبعۃ احرف کی اجازت کے بعد بھی نازل ہوئے تو وہ بھی آپ نے لسان قریش کے مطابق ہی لکھائے کیونکہ اصل نزول قرآن شریف کا اسی زبان میں تھا۔ یہی وجہ تھی جو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے جب حضرت زید رضی اللہ عنہ کو جمع قرآن کریم کے کام پر مامور کیا تو انکو یہ ارشاد فرمایا کہ اصلی تحریریں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھی گئی ہیں انہیں اکٹھا کریں کیونکہ وہ مطمئن تھے کہ ان تحریروں میں قرآن شریف کسی دوسرے حرف کے مطابق نہیں لکھا گیا بلکہ جسطرح پر قرآن کریم کو محفوظ رکھنے کا منشا وحی الٰہی کا تھا اسی طرح پر لکھا گیا ہے اور دوسرے حروف کو آپ نے تحریر میں کوئی دخل نہیں دیا۔ قراء سے تو ایسا ممکن تھا کہ باوجود قریش ہونیکے ان میں سے کسی نے کوئی دوسرا حرف کسی موقع پر اختیار کر لیا ہو جیسا کہ ابن مسعود کے حال سے معلوم ہوتا ہے مگر تحریر میں یہ بات ممکن نہ تھی۔ پس ایک طرف تحریر میں قرآن شریف کو اسی طرح محفوظ رکھنا جو اسکا پہلا نزول تھا اور دوسری طرف خود نمازوں میں اسی قرأت کو پڑھنا جو پہلے نزول کے مطابق تھی یعنی لسان قریش

ہیں یہ دو اور نہایت زبردست شہادتیں اس بات پر ہیں کہ مختلف حروف کی اجازت دینے سے آپ کا یہ منشا کبھی نہ تھا اور نہ ہی وحی الٰہی کا یہ منشا تھا کہ وہ دوسری قرأتیں بھی ہمیشہ کے لیے جزو قرآن کریم سمجھی جاویں بلکہ وہ ایک خاص ضرورت تھی اور اصل الفاظ قرآنی وہی تھے جن میں شروع سے یہ پاک کلام نازل ہو رہا تھا۔

اس قدر بحث کے بعد اب ہم اعتراض اول پر غور کرتے ہیں جس کا ذکر شروع مضمون میں کیا گیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن مختلف حروف یا قرأتوں کی اجازت دی ان کی حقیقت ہم کھول کر بیان کر چکے ہیں۔ اور یہ بھی دکھا چکے ہیں کہ یہ صرف ایک وقتی ضرورت کیلیے تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی یہ حکم نہیں دیا کہ انکو تحریر میں لایا جاوے نہ ہی کبھی خود جماعت کراتے وقت ان قرأتوں کو اختیار کیا حالانکہ آپ پر وہ نازل ہوئی تھیں۔ علاوہ ازیں باوجودیکہ قرآن کریم کو سات حروف میں پڑھنے کی اجازت وحی الٰہی سے تھی اور ان سب قرأتوں کو نازل شدہ ہی بیان کیا گیا ہے مگر پھر بھی قرآن شریف کے متعلق جب عام طور پر ذکر کیا جاتا تھا تو یہی کہا جاتا تھا کہ قرآن کریم لسان قریش میں نازل ہوا ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ابن مسعود کو لکھا تھا کہ قرآن شریف کو لغت ہذیل میں مت پڑھاؤ کیونکہ نزول قرآن شریف کا لسان قریش میں ہے۔ اب حضرت عمرؓ خوب اس بات سے اطلاع رکھتے تھے کہ سات حروف پر قرآن شریف کا نزول ہوا ہے کیونکہ خود انہی کو حضرت ہشام کے ساتھ اختلاف کا واقعہ بھی پیش آیا تھا پھر باوجود اس علم کے یہ لکھنا کہ قرآن شریف لسان قریش میں نازل ہوا ہے اسکو لغت ہذیل میں مت پڑھاؤ کیا معنے رکھتا ہے؟ ہر ایک عقلمند سوچ سکتا ہے کہ اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ایسے ایسے جلیل القدر صحابہؓ خوب سمجھتے تھے کہ دیگر حروف میں نزول سے کیا مراد ہے اور کہ وہ ایک خاص وقت اور خاص ضرورت کے لحاظ سے ہے اور اس سے اصل نزول قرآنی میں کچھ فرق نہیں آیا۔ اسی طرح پر جب حضرت عثمانؓ نے قرآن کریم کے نسخے بغرض اشاعت بہ بلاد متفرق لکھوانے شروع کیے تو آپ نے بھی کاتبوں کو یہی ہدایت دی کہ جب کسی لفظ کی طرز تحریر میں اختلاف ہو (کیونکہ کتابت پر کئی شخص مامور تھے) تو اسے لسان قریش میں لکھا جائے کیونکہ قرآن شریف لسان قریش میں نازل ہوا ہے۔ اصل بات یہ تھی کہ حضرت زیدؓ مدینہ کے رہنے والے تھے اور انکی طرز تحریر ممکن تھا کہیں قریش سے اختلاف رکھتی ہو جیسا کہ ان نسخوں کے لکھنے وقت بھی تابوت کی طرز تحریر پر اختلاف ہوا اور آخر اسی طرز پر یہ لفظ لکھا گیا جس طرح قریش لکھتے تھے اور فیصلہ کرتے وقت پھر حضرت عثمانؓ نے یہی فرمایا کہ قرآن شریف لسان قریش میں نازل ہوا ہے۔ اور تمام صحابی اس میں انکے ساتھ متفق تھے کیا یہ گمان ہو سکتا ہے کہ ان تمام صحابہؓ کو یہ پتہ نہ تھا کہ قرآن شریف کا نزول بعض دیگر حروف پر بھی ہوا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اصل بات یہ تھی کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو جانتے تھے کہ دیگر حروف میں قرآن شریف کے کسی لفظ کے پڑھے جانے سے کیا مطلب ہے اور اس کی کیا ضرورت ہے۔ اور اسی لیے آپ نے نہ عام نمازوں میں کسی دوسرے حرف کی قرأت کو اختیار کیا نہ تحریر میں اس کو آنے دیا اسی طرح پر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین بھی ان اختلافات حروف کی حقیقت کو خوب

سمجھتے تھے۔ قرآن شریف جس طرح دیگر حروف کی اجازت سے پہلے ایک ہی تھا اسی طرح اس اجازت کے بعد بھی ایک ہی رہا اور اس میں کوئی فرق کوئی تغیر تبدل نہیں ہوا۔ ایک لمحہ کے لیے بھی کسی صحابی نے خیال نہیں کیا کہ دیگر حروف میں قرآن شریف کے نزول سے نزول اول میں جو لسان قریش میں تھا کچھ ایزادی ہو گئی ہے یا کچھ تغیر تبدل ہو گیا ہے۔ پس وہی قرآن شریف آج ہمارے ہاتھوں میں ہے جو دیگر حروف کی اجازت سے پہلے تمام صحابہؓ پڑھتے اور لکھتے تھے اور جو دیگر حروف کی اجازت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم نے خود نمازوں میں پڑھا اور لکھوایا۔ اسی قرآن شریف کو حضرت ابوبکرؓ نے جمع کرایا اور کوئی قرأت دوسرے حروف کی اس میں اسوقت بھی درج نہیں کی گئی نہ ہی کسی صحابی نے اسوقت یہ اعتراض کیا پھر اسی سے حضرت عثمانؓ نے نقلیں کرائیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ اگر حضرت ابوبکرؓ والے صحف میں دوسرے حروف کی کوئی قرأت نہ تھی تو حضرت عثمانؓ نے یہ حکم کیوں دیا کہ جب جماعت قریش اور زید بن ثابت کسی بات میں اختلاف کریں تو اسے لسان قریش میں لکھیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں طرز تحریر کا ذکر ہے نہ قرأت کا چونکہ اول لکھنے والے زید رضی اللہ عنہ تھے اور وہ مدنی تھے قریش نہ تھے۔ اس لیے اب جو قرآن شریف لکھا گیا جسکی اشاعت تمام بلاد میں ہونی تھی تو اس میں یہ احتیاط بھی کر لی گئی کہ طرز تحریر قرآن کریم کا بھی بالکل قریشی طرز پر ہو۔ چنانچہ ایک ہی اختلاف جو اسوقت زید بن ثابت اور قریشیوں میں ہوا وہ جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے لفظ تابوت کی طرز تحریر کے متعلق تھا۔ لفظ تابوت اس سورۃ میں واقع ہوتا ہے جو مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اور یہ وہ وقت تھا جب حضرت زیدؓ کاتب الوحی کا کام کرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اسے اپنی طرز پر لکھ لیا۔ مکی سورتوں میں کسی ایسے اختلاف طرز تحریر کا ذکر نہیں۔ کیونکہ وہاں لکھنے والے سب وہی لوگ تھے جو قریش میں سے تھے۔ اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زیدؓ نے تمام اصلی تحریریں اکٹھی کی تھیں۔ اسقدر اور بھی دوبارہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ یہ اختلاف جو لفظ تابوت کی طرز تحریر کے متعلق پیدا ہوا صرف اسقدر تھا کہ یہ لفظ لمبی ت کے ساتھ لکھا جاوے یا گول ۃ کے ساتھ اس سے قرأت کا اختلاف ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔

اب ہم قطعی اور یقینی شہادت کی بنا پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان ٹکڑوں کو جلانے کا حکم دینے سے جو بے احتیاطی سے کسی صحابی نے کسی دوسرے حرف پر لکھ لیے ہوں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کوئی حصہ قرآن شریف کا نہیں جلایا یا ضایع کیا۔ اگر انہوں نے اختلافات حروف کو قطعی طور پر نیست و نابود بھی کر دیا تو بھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ انہوں نے قرآن شریف کے ایک حصہ کو ضایع کر دیا کیونکہ یہ حروف قرآن شریف کا جزو کبھی نہیں تھے۔ اور اس لیے کسی ایسے لفظ کے مروج نہ رہنے سے جو قرآن شریف کا جزو کبھی نہ تھا یہ نتیجہ نکالنا کہ قرآن شریف کا ایک حصہ گم ہو گیا یا تاویل القرآن کے مجنون معترض کی طرح یہ بڑ ہانکنا کہ قرآن شریف کا ایک بہت بڑا حصہ ساقط ہو گیا اور جو کچھ رہ گیا وہ اسکی یادگار ہے پرلے درجہ کی نادانی اور حماقت ہے۔ حضرت عثمانؓ نے کونسی نئی کارروائی کی؟ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے

جو کچھ کیا وہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ نے بھی کیا تھا۔ اگر دیگر حروف کی قرأتیں قرآن شریف کا جزو تھیں تو آنحضرتؐ نے خود یہ حکم کیوں نہ دیا کہ جس طرح کاتب اصل نزول قرآن کریم کو لکھتے ہیں اسی طرح دیگر حروف کی قرأتوں کو لکھیں؟ کیوں نمازوں میں جماعت کرانے وقت کبھی کسی حرف کی قرأت اور کبھی کسی کی قرأت نہ پڑھی؟ پھر حضرت ابوبکرؓ نے جب تحریری جمع قرآن کا حکم دیا تو کیوں انہوں نے یا کسی صحابی نے یہ تجویز پیش نہ کی کہ ساتوں حروف پر الگ الگ قرآن شریف جمع ہونے چاہییں یا ساتوں حروف کی قرأتیں ایک ہی مجموعہ میں داخل کی جاویں؟ کیوں اصل تحریریں جمع کرنیکا حکم دیا گیا؟ جس سے یہ غرض تھی کہ مجموعہ صحف میں کوئی دیگر حروف کی قرأت داخل نہ ہو جاوے۔ پھر حضرت عمرؓ کو دیکھا جاتا ہے تو وہ بھی ابن مسعود کو لکھتے ہیں کہ ہذیل کی لغت پر قرآن شریف لوگوں کو مت پڑھائیے کیونکہ قرآن شریف لسان قریش میں نازل ہوا ہے۔ پس انہی کے نقش قدم پر حضرت عثمانؓ چلے اور انہوں نے بھی حروف مختلفہ کی قرأت کو قرآن شریف میں داخل نہ ہونے دیا ہاں ساتھ یہ بھی اہتمام کیا کہ جو ایسے نسخے لوگوں نے خود لکھ لیے تھے جن میں بعض دیگر حروف کی قرأتیں لکھ لی تھیں یا کوئی اور غلطی ... ہو گئی تھی کیونکہ کافی احتیاط نہ کی گئی ان تمام نسخوں کو جلا دیا جاوے اور اس طرح کرنے میں بھی انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے منشا کو پورا کیا۔ جو واقعات اس وقت پیش آئے اور جن کی وجہ سے حضرت عثمانؓ نے یہ کارروائی کی وہ تفصیلاً دوسری جگہ بیان ہو چکے ہیں۔ اسلام اس زمانہ میں عرب سے باہر دُور دراز ملکوں میں پھیل چکا تھا۔ اور بلاد متفرقہ کے لوگ کثرت سے اسلام میں داخل ہو چکے تھے اور ہو رہے تھے۔ ان لوگوں کو قرآن کریم سکھانا عرب کی اقوام کو ابتدائے اسلام میں قرآن کریم سکھانے سے ایک الگ رنگ رکھتا تھا۔ عرب کے لوگوں کی تو بولی ہی عربی تھی اور انکے لیے قرآن کریم سیکھنا ایک آسان امر تھا مگر اس آسانی کے ساتھ ابتدا میں ایک مشکل بھی ملی ہوئی تھی۔ اور وہ یہ کہ بعض ان اقوام کے لہجے الگ تھے اور وہ لوگ بچپن سے بعض الفاظ کو خاص طرح پر پڑھنے کے عادی ہو گئے تھے اور یکایک اپنے لہجہ اور طرز ادا میں تبدیلی کرنا انکے لیے سخت مشکل تھا۔ مگر جو عجمی لوگ اسلام میں داخل ہوتے تھے انکے لیے نہ تو عربوں والی آسانی تھی اور نہ ہی ان جیسی مشکل تھی۔ انکے لیے قرآن کریم کے پڑھنے کے لیے عربی زبان کا سیکھنا بھی ضروری تھا۔ مگر اس طرح پر سیکھنے میں انکے لیے یہ برابر تھا کہ لسان قریش پر پڑھنا سیکھیں یا کسی دوسرے حرف پر۔ اب بعض صحابی جو بعض الفاظ کو کسی دوسرے حرف پر ادا کر لیتے تھے انہی دوسرے حروف پر ان عجمیوں کو بھی قرآن شریف سکھانے لگے۔ اور چونکہ عجمی لوگ اس بات سے تو ناواقف تھے کہ ان اختلافات کی اصل وجہ کیا ہے اور کس ضرورت کے لیے یہ اجازت دی گئی تھی انکے درمیان ان قرأتوں پر اختلاف ہونے لگے یہانتک کہ یہ اختلاف بہت بڑھ گیا اور بعض بعض کی تکفیر اسی وجہ پر کرنے لگے۔ یہ وہ حالت تھی جسے دیکھ کر حذیفہ رضی اللہ عنہ گھبرائے اور حضرت عثمانؓ کے پاس آ کر ذکر کیا کہ اختلاف کی کیا حالت ہو گئی ہے اور اس سے کیا کیا بد نتائج پیدا ہونے شروع ہوئے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا اور یہی صلاح قرار پائی کہ جو نسخے ایسے خود لوگوں نے لکھ لیے ہیں جن میں کہیں دوسرے

حرف کی قرأت بھی داخل ہوگئی ہے انکی اشاعت بند کر دیجاوے تاکہ ان اختلافات کا سرے سے ہی قلع قمع ہوجاوے
آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کا خود بھی یہ منشا کبھی نہ تھا کہ دوسرے حروف کی قرأتیں ہمیشہ مروج رہیں۔ وہ ایک خاص
ضرورت تھی جو اسوقت رفع بھی ہوچکی تھی کیونکہ ان قوموں کے اسلام پر قریباً چودہ پندرہ سال گذر چکے تھے۔ اور وہ بھی
اب اس قابل تھے کہ لسان قریش کے مطابق جس میں قرآن کریم کا اصل نزول تھا کلام الٰہی کو پڑھ سکیں۔ اور نئی
نسل تو شروع سے جس طرح عادی کیجاوی ہو سکتی تھی۔ ان تمام امور پر غور کرکے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ حکم دیا کہ
قرآن شریف کے نسخے بڑی احتیاط کے ساتھ اجلہ صحابہؓ کی نگرانی میں لکھوائے جائیں اور سوائے صحف ابی بکر کے جس سے
نقلیں کرائی گئی تھیں باقی تمام نسخے جلا دیئے جائیں۔ پس دوسرے نسخوں کے جلانے سے اصل غرض حضرت
عثمانؓ کی قرآن کریم کی حفاظت تھی تاکہ وہ غلطیاں جن کا بے احتیاطی سے لکھے ہوئے نسخوں میں راہ پا جانا ممکن تھا اور ایسا
ہی بعض دوسری قرأتیں جو کسی صحابی نے غلطی سے قرآن کریم کے اندر داخل کر دی ہوں قرآن کریم میں مل جائیں
پس حضرت عثمانؓ کا فعل حفاظت قرآن کریم کا محرک تھا جب تک یہ ثابت نہ کیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم نے
دیگر حروف کی قرأتوں کو قرآن کریم کے اندر داخل کرنے اور لکھنے کا حکم دیا تھا اسوقت تک حضرت عثمانؓ کے فعل پر
کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔

اب ہم دوسرے اعتراض کو لیتے ہیں۔ اس اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض قرأتیں جو مفسرین اپنی تفسیروں میں لکھتے
ہیں انکی موجودگی میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اصل الفاظ قرآن کریم کے کون سے ہیں اور دوسری قرأتیں کون سی۔
قبل اس کے کہ ان قرأتوں کی اصلیت پر بحث کیجاوے ایک فیصلہ کن امر ایسا موجود ہے کہ جس سے قطعی طور پر ثابت
ہوتا ہے کہ یہ قرآن شریف جو بین الدفتین موجود ہے وہی کتاب پاک ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم نے اپنی اُمت کے
درمیان چھوڑی۔ اور وہ یہ ہے کہ اتنی وسیع اسلامی دنیا میں اسقدر عرصہ کے درمیان ہر ایک قسم کے اختلاف کے
باوجود یہی ایک ہی قرآن کریم موجود رہا ہے اور موجود ہے اور کوئی نسخہ قرآن شریف کا ایسا نہیں دکھایا جا سکتا جو
اس کے ساتھ کسی حرکت یا حرف یا لفظ کا اختلاف رکھتا ہو۔ اور نہ ہی مزعومہ قرأتوں میں سے کوئی قرأت بجائے
اصل الفاظ کے کبھی قرآن شریف میں لکھی گئی ہے۔ ایک بھی نسخہ قرآن شریف کا ایسا نہیں دکھایا جا سکتا جس میں اس
قرآن کریم کے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے کسی لفظ کو چھوڑ کر کوئی دوسری قرأت اس کی بجائے لکھدی گئی ہو۔ کیا یہ امر اس بات
کی کافی شہادت نہیں ہے کہ قرآن شریف محفوظ اور بلا تغیر تبدل چلا آیا ہے؟ غور کرو کہ تیرہ سو سال کا عرصہ ایک کتاب پر
گذرتا ہے۔ اور اس کے بعض نسخے تو مشرق میں پائے جاتے ہیں اور بعض مغرب میں ایسے ایسے ممالک میں جن میں باہمی
تعلق کوئی نہیں ہے۔ پھر ایسی ایسی مسلمان اقوام کے اندر اس کے نسخے پائے جاتے ہیں جن کو بچھڑے ہوئے ایک
عرصہ بعید گذر گیا اور پھر انکے درمیان کسی قسم کے تعلقات نہیں رہے۔ اور پھر ایسے ایسے مسلمان فرقوں کے ہاتھوں

ہیں اسکے نسخے موجود ہیں جو ایک دوسرے کی جان کے دشمن رہے ہیں اور ہیں۔ مگر باوجود اختلاف زمانہ۔ اختلاف ممالک۔ اختلاف زبان۔ اور اختلاف عقاید کے قرآن شریف ایک ہی رہا ہے اور ایک ہی ہے۔ خارجی شیعہ کی جان کا دشمن اور شیعہ خارجی کی جان کا دشمن۔ باتیں تو ایک شخص کا اختیار ہے جتنی چاہے بنالے مگر کیا کوئی نسخہ قرآن کا بھی کسی کے ہاتھ میں ایسا ہے جو اس قرآن کریم سے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے اختلاف رکھتا ہو؟ اب غور کرو کہ اس سے کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ دوسری قرأتوں کے متعلق جو کچھ کہا جاتا ہے وہ اس سے زیادہ نہیں کہ کوئی بڑا آدمی قرآن شریف کے بعض الفاظ کو دوسری طرح بھی پڑھ لیا کرتا تھا۔ ان روایتوں کو صحیح فرض کر کے بھی یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ یہ قرأتیں واقع میں کلام الٰہی نہیں یا قرآن شریف کا جزو تھیں۔ نہیں بلکہ اس سے اسقدر نتیجہ بھی نہیں نکلتا کہ جو لوگ ان قرأتوں کو پڑھتے تھے وہ در حقیقت انہیں قرآن کریم کا جزو سمجھتے تھے یا یہ کہ جس لفظ کی بجائے وہ کوئی دوسری قرأت اختیار کرتے تھے اس لفظ کو کلام الٰہی کا جزو نہ مانتے تھے اور اس کی بجائے اپنی قرأت کو قرآن شریف کے اصل لفظ مانتے تھے۔ یہ میں اس لیے کہتا ہوں کہ اگر در حقیقت وہ اپنی قرأتوں کو ایسا سمجھتے تو پھر کون شخص مانع تھا کہ وہ اپنے نسخہ جات قرآن میں انہی قرأتوں کو لکھ بھی لیتے اور جو الفاظ اصل نسخوں میں موجود تھے انکو نکال ڈالتے اور اس طرح پر سیکڑوں متفرق نسخے قرآن شریف کے تیار ہو جاتے جن کی اشاعت ہو کر آج اگر ایک اسلامی شہر میں ایک نسخہ ملتا تو دوسرے میں کوئی اور ہی نسخہ ملتا۔ مگر چونکہ ایسے نسخوں کا وجود دنیا میں نہیں پایا جاتا معلوم ہوا کہ ایسا اختلافی نسخہ کبھی کوئی موجود ہی نہ تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ انکو اسلامی حکومت کا ڈر تھا اس لیے وہ ان قرأتوں کو لکھ نہ سکتے تھے اور نہ کسی لفظ میں تغیر و تبدل کر سکتے تھے تو یہ جھوٹ ثابت ہوتا ہے کیونکہ جب وہ کھلے طور سے دوسری قرأتوں کو پڑھ لیتے تھے اور اسوقت حکومت کا ڈر نہ تھا تو لکھتے وقت کہاں سے ڈر آگیا۔ بلکہ پڑھنے سے تو زیادہ تشہیر ہوتی تھی۔ اور نسخہ میں لکھا ہوا سوائے چند راز داروں کے اور کسی کو اطلاع نہ ہو سکتی تھی۔ پس یا تو یہ بھی جھوٹ ہے کہ وہ دوسری قرأتوں کو پڑھتے تھے اور اعتراض دور ہو گیا۔ یا اگر یہ صحیح ہے کہ وہ پڑھ لیتے تھے تو معلوم ہوا کہ ان قرأتوں کو اسقدر وقعت نہ دیتے تھے کہ انہیں جزو قرآن کریم خیال کرتے ہوں اور اسی وجہ سے انکو تحریر کے اندر نہ لاتے تھے اور نہ قرآن کریم کے ان نسخوں میں جو انکے پاس تھے کوئی تغیر تبدل کرتے تھے۔ بہر حال معلوم ہوا کہ قرأت کے اختلاف سے خواہ اسکی کچھ ہی حقیقت ہو یہ مراد لینا کہ قرآن شریف کی اصل عبارتیں محفوظ نہیں رہیں اور بعض لوگ ایک لفظ کو قرآن شریف کا جزو سمجھتے ہیں تو بعض دوسرے کو بالکل غلط خیال ہے بلکہ ایسا خیال کرنا سراسر نادانی ہے۔

اب ان قرأتوں کی اصل حقیقت پر ہم غور کرتے ہیں۔ اس بات کو اچھی طرح یاد رکھنا چاہیئے کہ جن قرأتوں کا ذکر [illegible] روایتوں اور تفاسیر میں پایا جاتا ہے وہ اور سبعہ احرف والی قرأتیں ایک نہیں اگرچہ ان میں کوئی سبعہ احرف والی قرأت موجود ہے۔ مگر دونوں کو بعینہٖ ایک سمجھنا اور سبعہ احرف سے مشہور سات قرأتیں مراد لینا سخت غلطی ہے

اور اس غلطی کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک نو حرف کا لفظ قرأت کی جگہ مستعمل ہونے لگا اور دوسرے قرأتوں کی تعداد بھی سات ہی مشہور ہو گئی اور یہی تعداد احرف کی تھی جسکا ذکر حدیث میں تھا اس سبب سے بعض لوگوں نے کم فہمی سے سبعۃ احرف اور سات قرأتوں کو ایک سمجھ لیا۔ موجودہ قرأتوں کو جہانتک میں سمجھتا ہوں مفصلہ ذیل عنوانوں کے نیچے رکھا جا سکتا ہے۔ اوّل۔ وہ قرأتیں جو سبعۃ احرف سے پیدا ہوئیں۔ حضرت عثمانؓ نے جو منع فرمایا وہ صرف یہ تھا کہ دیگر حروف کی قرأتوں کو قرآن شریف میں لکھا نہ جائے۔ لیکن بعد میں اگر کسی شخص نے انکو پڑھ لیا ہو تو ایسا ممکن تھا اور خصوصاً احادیث میں انکا تذکرہ رہ گیا۔ لیکن موجودہ قرأتوں میں سے سبعۃ احرف والی قرأتوں کو الگ کرنا مشکل کام ہے اور نہ ہی اس کی ضرورت ہے۔ بعض لوگوں نے یہ قاعدہ تجویز کیا ہے کہ جو قرأتیں اپنی طرز تحریر میں قرآن شریف سے نہیں ملتیں وہ سبعۃ احرف والی قرأتیں ہیں مگر یہ محض اٹکل ہے۔ اور اسکی شہادت یا ثبوت ہمارے ہاتھ میں کوئی نہیں۔ اور جیسا کہ دکھایا جا چکا ہے ان قرأتوں کی اجازت ایک وقتی ضرورت کے لیے تھی۔ اور ان کا پڑھنا یا جاننا کسی مسلمان کے لیے ضروری نہ تھا۔ اور نہ اب ضروری ہے پس ہمیں اس تحقیقات کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ دوم بعض اس قسم کے اختلاف جیسے واؤں کی گنتی میں جو نہایت خفیف اختلاف ہیں۔ سوم ایسا ہو سکتا ہے کہ اختلاف محاورہ کی ضرورت کے علاوہ بعض جگہ وحی الٰہی سے کسی دوسری قرأت کی اجازت بھی دیدی گئی ہو۔ اصل عبارت تو اسی وقت لکھی گئی اور محفوظ رہی اور آجتک اسی طرح مصاحف میں لکھی جاتی ہے اور ایسی قرأت ایک وقت کے لیے کسی نے پڑھ لی کیونکہ یہ بھی محض اجازت تھی اور اس کا قرآن شریف میں پڑھنا لازمی نہ تھا بلکہ رخصت کے طور پر تھا مگر ایسی قرأت کی صحت اسوقت تک تسلیم نہیں کیجا سکتی جبتک اعلیٰ درجہ کی معتبر اور صحیح احادیث سے ثبوت نہ ملے۔ اور اگر ایسا ثبوت ملجائے تو اس سے بعض وقت بعض الفاظ کے معنوں پر روشنی پڑ سکتی ہے۔ چہارم بعض قرأتیں اسطرح پیدا ہو گئیں کہ ایک لفظ کی تشریح یا تفسیر کو قرأت سمجھ لیا گیا۔ مثلاً ایک صحابی نے قرآن شریف پڑھتے وقت ایک لفظ کی کسی دوسرے لفظ سے تشریح کر دی یا اپنے نسخہ قرآن میں کسی لفظ کے معنے کو حاشیہ پر لکھدیا تو سننے والوں یا دیکھنے والوں نے اسے بھی ایک قرأت سمجھ لیا ایسی غلطیوں کے ازالہ کے لیے حضرت ابوبکر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے جو کوششیں کیں وہ کافی سے زیادہ تھیں اور کوئی ایسی غلط فہمی قرآن کریم میں راہ نہیں پا سکی۔

سب سے آخر اب ہم ان قرأتوں کا ذکر کرتے ہیں جو تعداد میں سب سے زیادہ ہیں ان قرأتوں کے پیدا ہونیکی وجہ یہ بیان کیجاتی ہے کہ جب حضرت عثمانؓ نے مصاحف لکھوا کر مختلف دیار و امصار میں بھجوائے۔ تو ایسے مصاحف نقطوں اور اعرابوں سے خالی تھے اس لیے مختلف مقامات میں بعض الفاظ مختلف طور سے پڑھے جانے لگے۔ اگر اس اختلاف قرأت کے یہ معنی لیے جاویں کہ ہر ایک شخص ایک خاص طرز پر پڑھتا تھا اور اسی کو صحیح اور اصل قرأت

قرآن شریف کی سمجھتا تھا اور اپنے شاگردوں کو اسی طرح پڑھاتا تھا اور ایک دوسرا شخص اس کے برخلاف پڑھتا اور پڑھاتا تھا تو یہ دعویٰ دو وجہ سے باطل ثابت ہوتا ہے۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ اگر قرآن شریف واقع میں مختلف بلاد میں مختلف قاری مختلف طرز پر پڑھتے اور پڑھاتے تھے۔ اور ہر جگہ وہی قرأت صحیح سمجھی جاتی تھی اور دوسروں کی قرأتوں کو غلط سمجھا جاتا تھا۔ تو پھر کیا وجہ ہوئی کہ ایسی قرأتیں قرآن شریف کی اصل قرأت کو جیسا کہ وہ ہماری ہاتھوں میں ہے بدل نہ دیا اور اصل کی بجائے وہی قرأت مروج نہ ہوگئی؟ یعنی کیوں ایسی قرأتیں قرآن شریف کے نسخوں میں لکھ نہ لی گئیں؟ قرأتوں کے پیدا ہونیکا وقت تو وہ بنایا جاتا ہے جب زیر زبر اور نقطے قرآن شریف کے الفاظ پر موجود تھے۔ کیونکہ صحابہؓ اور تابعین کے زمانہ میں ان قرأتوں کا نام ونشان نہیں پایا جاتا بلکہ یہ قراء کی جماعت بعد میں پیدا ہوئی۔ اب یہ عجیب بات ہے کہ جو نسخے قرآن شریف کے لکھے ہوئے ایسے مقامات پر موجود تھے وہ کچھ اور تھے اور یہ پڑھانیوالے یا قاری لوگ کسی اور طرح پڑھاتے تھے۔ ایک سمجھدار انسان ایک سکینڈ کے لیے بھی اس بات کو مان نہیں سکتا۔ کہ ایک مقام پر عام رواج تو کسی اور قرأت کا ہو اور قرآن شریف میں جو وہاں عام طور پر شائع ہو رہا ہو کوئی اور قرأت موجود ہو۔ یعنی قرآن شریف میں لکھا ہوا کچھ ہو اور پڑھایا کچھ جاتا ہو۔ مثلاً سوال یہ ہے کہ جب یہ لوگ بچوں کو قرآن شریف پڑھانا شروع کرتے تھے تو کونسے نسخے انکے سامنے کھول کر رکھتے تھے تاریخ بلند آواز سے شہادت دے رہی ہے کہ قرآن شریف کا کوئی نسخہ کسی اور قرأت والا کسی وقت مسلمانوں میں کسی مقام پر بھی رائج نہیں ہوا۔ پس اگر پڑھانیکے لیے وہی قرآن شریف تھا جو آج ہمارے ہاتھوں میں ہے اور اسی کے مطابق پڑھایا جاتا تھا تو دوسری قرأتوں کی وقعت کیا رہی اور وہ کیا کام دیتی تھیں؟ اگر یہ کہو کہ پڑھاتے وقت کوئی اور قرأت اختیار کیجاتی تھی تو کوئی عقلمند انسان اس بات کا باور نہیں کرسکتا کہ بچے کے سامنے لکھی ہوئی عبارت تو کچھ اور ہو اور اسکو پڑھایا کچھ اور جاتا ہو۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ انہیں دوسری قرأتوں کے مطابق ہی قرآن شریف لکھا بھی جاتا تھا تو ہم کہتے ہیں کہ اسکا ثبوت تاریخ سے دو کہ کبھی اختلاف والے نسخے قرآن شریف کے مروج تھے۔ اور ان نسخوں کو دکھانا بھی چاہیئے آخر وہ کیا ہوئے سیکڑوں برسوں کے پرانے نسخے جسقدر ملتے ہیں وہ تو وہی ہیں جو آج ہمارے ہاتھوں میں ہیں اگر ایسے کوئی نسخے ہر مقام پر الگ الگ لکھے ہوئے موجود تھے تو بتاؤ کہ انکو کس نے جلایا اور کس طرح ساری اسلامی دنیا میں سے کیا شرق میں اور کیا غرب میں اور سارے اسلامی قرنوں میں سے وہ یکایک نابود ہوگئے؟ پس ثابت ہوا کہ اگر دوسری قرأتوں کو کبھی کسی نے پڑھا بھی تو اسنے خود بھی انکو اسقدر وقعت نہیں دی کہ وہی قرأتیں دوسروں کو بھی پڑھاتا اور انکو رواج دیتا۔ یا اس قابل سمجھتا کہ وہ لکھی جاکر آئندہ نسلوں تک پہنچ سکیں۔

دوسری دلیل جو اس خیال کو باطل ٹھہراتی ہے یہ ہے کہ اگر مختلف مقامات میں مختلف قرأتیں پڑھی اور پڑھائی جاتیں تو کم از کم اتنا تو ہوتا کہ پڑھنے میں ہی یہ قرأتیں ایسا رواج پا جاتیں کہ ایسے مقام پر نسلاً بعد نسلٍ یہی قرأتیں

اختیار کر لی جائیں۔ کیونکہ جیسا کہ کہا جاتا ہے ان قرأتوں کو یا ان میں سے بعض کو اختیار کرنیوالے بڑے بڑے آدمی تھے پس دو حال سے خالی نہیں یا تو ان لوگوں نے جو قرأتیں مشہور کیں ان میں سے کسی کو مسلمانوں نے عام طور پر اختیار نہیں کیا اس صورت میں یہ قرأتیں کچھ وقعت نہیں رکھتیں کیونکہ نہ صرف وہ تحریر کے مخالف ہی پائی گئیں بلکہ جمہور نے بھی انکو قبول نہیں کیا۔ اور یا جمہور نے ان قرأتوں کو صحیح تسلیم کر کے اختیار کر لیا مگر یہ اسوجہ سے باطل ٹھہرتا ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو اب بھی ضرور وہی اختلاف قرأت میں باقی رہے ہوتے۔ مگر یہ صورت نہیں ہے بلکہ جسطرح ایک ہی قرآن شریف تحریر میں موجود ہے اسی طرح ایک ہی قرآن شریف حافظوں میں موجود ہے اور اگر تجربۃً ایک قرآن پڑھنے والا اسلامی دنیا کے ایک سرے سے اور ایک دوسرے سرے سے لیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ دونوں ایک ہی طرح پڑھتے ہیں اور انکی قرأتوں میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس سے ہم یقینی طور پر اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ پہلے بھی کبھی کسی زمانہ میں قرآن شریف کے پڑھنے میں قرأتوں کا اسطرح اختلاف نہیں ہوا جسطرح کہا جاتا ہے کیونکہ اگر کوئی اختلاف ہوتا تو چاہئے تھا کہ اس کا دائرہ دن بدن وسیع ہوتا چلا جاتا۔ نہ ہی تاریخ سے یہ پتہ لگتا ہے کہ ایک زمانہ تک ایسے اختلاف رہے اور پھر یکایک وہ سب کے سب خود ہی رفع ہو گئے۔ اسلام ایک خاص دائرہ کے اندر محدود نہیں رہا بلکہ ابتدا سے ہی دور دور ملکوں میں پھیل گیا تھا۔ اور کوئی انسانی طاقت ایسی نہ تھی جو کافہ مسلمین کو باوجود اختلاف کے پہلے موجود ہونیکے ایک ہی قرأت پر جمع کر دیتی۔ ہاں ایک طاقت تھی اور وہ وہی تھی جس نے پہلے ہی یہ فرمایا تھا انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحٰفظون۔ پس جس طاقت سے پہلے یہ لفظ بولے گئے تھے اسی طاقت نے وہ کام بھی کر دکھایا جو انسانی طاقتوں سے ممکن نہ تھا۔

اب ہم اصل بحث کی طرف رجوع کرتے ہیں اس بات کو فرض کر کے کہ حضرت عثمانؓ نے جو مصحف لکھوائے تھے ان پر نقطے اور حرکات نہ تھے اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آیا نقاط اور حرکات کے نہ ہونے سے اختلاف قرأت کا پیدا ہونا ممکن تھا یہ ثابت ہو چکا ہے کہ شروع سے حفاظت قرآن کے دو سامان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کیے اور یہی دو سامان آپکے بعد بھی ہر وقت اور ہر زمانے میں اپنا کام کرتے چلے آئے۔ ایک قرآن کریم کے ہر ایک لفظ کا ضبط تحریر میں لایا جانا اور دوسرا اس کا سینوں میں محفوظ کیا جانا۔ یعنی تحریر اور حافظ۔ جب حضرت ابو بکرؓ کے وقت میں جمع قرآن کا کام کیا گیا تو اسوقت بھی اس دوہری شہادت سے کام لیا گیا۔ اور جسطرح قرآن کریم کے لکھے ہوئے نسخے دن بدن پھیلتے چلے جاتے تھے اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ کثرت کے ساتھ قرآن شریف کے حفظ کرنیکا سلسلہ جاری تھا۔ اسطرح حضرت عثمانؓ کے وقت میں ہزاروں حافظ قرآن شریف کے موجود تھے جن میں سے بعض تو وہ تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں قرآن کریم کو حفظ کر چکے تھے اور بعض وہ تھے جنہوں نے صحابہؓ سے سیکھکر حفظ کیا۔ اس لیے حضرت عثمانؓ نے جب لکھے ہوئے نسخے باہر بھیجے تو یہ نسخے بھی حافظ کی شہادت کو ساتھ رکھتے تھے۔

کیونکہ قرآن کریم کے حافظ اسلامی دنیا میں ہر جگہ موجود تھے۔ پس اگر بالفرض ان نسخوں پر نقطے اور حرکتیں نہ بھی تھیں تو اس سے کوئی حرج لازم نہیں آتا۔ کیونکہ قرآن کریم کی حفاظت جیسی تحریر میں تھی اسی طرح حافظہ میں بھی تھی۔ اگر کسی جگہ ایک نسخہ لکھا ہوا قرآن شریف کا پہنچا تو ہزاروں حافظ بھی موجود تھے۔ اور حفاظت کے ان دونوں سامانوں کے ہوتے ہوئے کسی تغیر تبدل کا واقع ہونا ناممکن تھا۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے جیسا کہ فتح الباری میں لکھا ہے کہ ابتدائی زمانہ اسلام میں قرأتوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ اور بہت بڑی تعداد قرأتوں کی بہت سی حدیثوں کی طرح بعد میں پیدا ہو گئی ان قرأتوں کا بعینہٖ وہی حال ہے جیسے حدیثوں کا یعنی دن بدن انکی کثرت ہوتی چلی گئی۔ امام بخاری نے چھ لاکھ حدیثوں میں سے دو اڑھائی ہزار حدیث کو لیا۔ اسی نسبت سے قرأتوں کو جانچ لینا چاہیئے۔ صحابیوں اور تابعین کے درمیان قرأت کی روایت کرنیوالے بہت ہی کم لوگ پائے جاتے ہیں مگر بعد میں ایک ایسی قوم پیدا ہو گئی جنہوں نے قرأت کو اپنا پیشہ بنا لیا۔ اور بہت سی قرأتیں جاننے کو فخر سمجھا۔ اسی سے کثرت قرأت کی شروع ہوئی۔ اس لیے کسی قرأت کو قبول کرنیکے لیے اعلیٰ درجہ کی معتبر اور یقینی شہادت چاہیئے۔ صرف مفسرین کے اقوال یا بعض قراء کے اقوال سے ایسی معتبر اور یقینی شہادت نہیں ملتی بلکہ صحیح احادیث سے ہی صرف ایسی شہادت مل سکتی ہے۔ مگر یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر کسی قرأت کو صحیح حدیث سے کسی صحابی تک پہنچا دیا جائے تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ وہ قرأت واقعی قرآن شریف میں بھی داخل ہے۔ صحابہؓ کے درمیان جو کچھ اختلاف مختلف حروف کی قرأت کی وجہ سے پیدا ہوا تھا اس کی حقیقت ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اس ساری بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی حفاظت میں کسی قسم کا فرق نہیں آیا بلکہ جس طرح اس کلام پاک کو خدا نے اتارا اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کو اور ان مقدس بزرگوں نے بعد کی نسلوں کو پہنچایا۔ اور بلاشک وشبہ ایک ایک حرف اس کا بغیر کسی کمی زیادتی یا تغیر تبدل کے وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا تھا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جس صورت میں مختلف قرأتوں کا کسی زمانہ میں بھی رائج ہونا ثابت نہیں تو آخر ان قرأتوں سے مراد کیا ہے۔ سو جہاں تک میں نے غور کیا ہے بات صرف اسقدر معلوم ہوتی ہے کہ جہاں معنوں میں کوئی اہم تغیر پیدا ہونیکے بغیر ایک لفظ کو کسی اور طرح پر بھی پڑھا جا سکتا تھا اسی کو قرأت کہہ دیا گیا ہے نہ کہنے والے کا یہ منشا تھا کہ وہ لفظ اس طرح پر نازل نہیں ہوا جس طرح پر لکھا ہوا قرآن میں موجود ہے اور نہ ہی کبھی یہ مطلب تھا کہ وہ لفظ دونوں طرح پر نازل ہوا ہے۔ اسلامی دنیا میں کسی شخص نے کسی جگہ ایک لمحہ کے لیے بھی کسی قرأت کو یہ وقعت نہیں دی کہ قرآن کریم کے اصل الفاظ کو نکال کر وہ قرأت داخل کر دیتا۔ مثال سے یہ بات اور بھی واضح ہو سکتی ہے۔ فاتحہ جیسی سورۃ جسے ہر نماز میں کئی دفعہ کھلے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے۔ اس کے اصل الفاظ کے متعلق کب کسی کو کوئی شک پیدا ہو سکتا تھا مگر اس سورۃ میں بھی بعض قرأتیں دکھائی ہیں مثلاً مٰلِکِ یوم الدین میں دو اور قرأتیں مَلَکَ یومَ الدین اور مَلِکِ یوم الدین بتائی جاتی ہیں

مطلب ان قرأتوں کا صاف ظاہر ہے یعنی لفظ کی صورت کو بدلنے کے بغیر دو طرح پر اور یہ لفظ پڑھا جا سکتا ہے جس سے معنوں میں بھی کچھ فرق نہیں آتا۔ اب اس کے یہ معنے نہیں کہ کبھی اس بارے میں بھی شک ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم اس لفظ کو کس طرح پڑھتے تھے۔ بلکہ لفظ اور معنی کے تغیر کے بغیر ایک صورت اسی لفظ کے ادا کرنیکی تھی۔ زیادہ سے زیادہ کسی قرأت کے متعلق صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسکی اجازت خود آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم نے دی مگر کسی قرأت کو یہ مرتبہ دینے کے لیے مضبوط سے مضبوط شہادت بکار ہے جو اعلیٰ درجہ کی صحیح احادیث پر مبنی ہو۔ اور ایسی کسی قرأت سے جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں قرآن کریم کی اصل عبارتوں کی حفاظت میں کچھ فرق نہیں پڑتا کیونکہ یہ اختیاری قرائتیں ہیں جنکی اجازت دیگئی۔ اور انکو واجب نہیں کیا گیا۔

اس تمام بحث سے یہ معلوم ہوگا کہ جن معنوں میں اختلاف قرأت کا لفظ عام طور پہ بولا جاتا ہے ان مفہوم کے رو سے قرآن کریم میں دراصل کوئی اختلاف قرأت نہیں۔ عام طور پر جب ہم کسی نسخہ یا کتاب کے اختلاف قرأت کا ذکر کرتے ہیں تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ امر مشتبہ ہے کہ اصل میں اس نسخہ یا کتاب میں فلاں عبارت تھی جو اس میں موجود ہے یا دوسری عبارت تھی جو بطور قرأت ثانی پیش کیجاتی ہے۔ قرآن کریم میں ایسا اشتباہ ہرگز نہیں بلکہ یقین کامل کے ساتھ ہم کہہ سکتے ہیں جس کے متعلق قطعی شہادت اور بین ثبوت پیش کر دیا گیا ہے کہ اصل عبارت قرآن کریم کی وہی تھی جو آج بین الدفتین موجود ہے ایسا ہی اختلافات قرأت سے بعض وقت مراد غلطی کی بھی ہوتی ہے یعنی مروجہ نسخہ میں کسی طرح سے کوئی غلطی راہ پا گئی ہو یا کوئی نقص رہ گیا ہے چنانچہ بائبل وغیرہ کی کتابوں کے متعلق جب یہ لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مراد انہی معنوں کا سے کوئی سے ہوتے ہیں جن کا ذکر ہم نے بیان کیا مگر قرآن کریم کے متعلق اس لفظ کا استعمال ان معنوں میں ہرگز درست نہیں کیونکہ قرآن کریم کے تمام نسخے جنہیں اسلامی دنیا نے قبول کیا ہے ابتدا سے لیکر آجتک ایسی غلطیوں سے محفوظ رہے ہیں اور تیرہ صدیوں سے ایک ہی نسخہ چلا آتا ہے جسکی حفاظت یقینی دلایل اور روشن شہادت سے ثابت ہے۔

حفاظت قرآن کا مضمون یہاں ختم ہو جاتا ہے مگر ایک بحث جس کا ہم وعدہ کر چکے ہیں ابھی باقی ہے یعنی ناسخ منسوخ کی بحث۔ دراصل اس بحث کو حفاظت قرآن کے مضمون سے چنداں تعلق نہیں لیکن چونکہ بعض معترض اسکو حفاظت قرآن پر حملہ کرنیکے لیے درمیان میں لاتے ہیں اسلیے اسی عنوان حفاظت قرآن کے نیچے ہی ہم انشاءاللہ تعالیٰ ناسخ منسوخ کی بحث بھی کریں گے۔

عقیدہ آمد مہدی

میں

مولوی محمد حسین بٹالوی کی دورخی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک اشتہار "اپنی تمام جماعت کے لیے ضروری نصیحت" کے عنوان سے کچھ مدت ہوئی

شایع کیا تھا یہ اشتہار انگریزی میں ترجمہ ہو کر سول اینڈ ملٹری گزٹ میں بھی شایع ہوا۔ اسپر ایک صاحب سید محمد نام نے پیشاور سے اس اخبار میں یہ اعتراض شایع کرایا کہ مرزا صاحب کا مسلمانوں کے عقیدہ مہدی کو خطرناک کہنا درست نہیں ہے اور کہ مرزا صاحب کے مرید اگر کابل میں قتل کیے گئے تو اس سے امیر صاحب پر کوئی الزام نہیں آتا۔ کیونکہ مرزا صاحب اور انکے تمام مریدین درحقیقت مرتد اور واجب القتل ہیں۔ اسپر پھر ایک مضمون حضرت مسیح موعود کی طرف سے اس اخبار میں شایع کرایا گیا جو اس رسالے میں بھی جون کے پرچہ میں "مسلمان اور جہاد" کے عنوان سے نکل چکا ہے۔ اسکے بعد مولوی محمد حسین بٹالوی نے ۱۹۔ جولائی کے پرچہ سول میں اپنے آپ کو ثالث بالخیر تجویز کرکے ایک محاکمہ شایع کرایا ہے۔ مولوی صاحب کا خود اپنے آپ کو ثالث تجویز کرنا اور بے تعصبی سے فیصلہ کرنیکا دعویٰ کرنا بعینہٖ ایسا ہے جیسا ایک بھوکا بھیڑیا ایک بکری کا انصاف کرنیکے لیے بیٹھے۔ مولوی صاحب عرصہ دراز سے اس سلسلہ کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں اور بانی سلسلہ کے واجب القتل ہونیکا فتوے دیکر مدت تک مسلمانوں کو اُکساتے رہے۔ اور کئی مرتبہ آپ دانت بھی پیستے تھے کہ اگر ہم کسی اسلامی سلطنت کے ماتحت ہوتے تو فی الفور آپکا سر تلوار سے جدا کر دیتے۔ مگر یہ ساری حسرتیں انکے دل میں ہی رہیں اور خدا تعالیٰ نے یہی چاہا کہ یہ حسرتیں اس دنیا میں انکے لیے دوزخ کا کام دیں جسکا مزا اسی زندگی میں چکھنا خدا کے ماموروں سے عداوت رکھنے والوں کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ مولوی صاحب نے اپنے اشاعۃ السنہ میں اس سلسلہ کی مخالفت میں خود اپنے آپ کو مجنون قرار دیا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ اپنی جوش مخالفت کا ذکر کرتے ہوئے مولوی صاحب لکھتے ہیں قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند۔ اس مخالفت کے نقشہ کو مدنظر رکھکر پھر غور کیا جائے کہ یہ شخص پبلک کے سامنے بے تعصب جج بنکر فیصلہ دینا چاہتا ہے بیشک آپ ایسے ہی بے تعصب جج ہو سکتے ہیں جیسے فرعون حضرت موسیٰؑ کے لیے۔ یا فقیہ اور فریسی حضرت عیسیٰؑ کے لیے یا ابوجہل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلیے۔ کچھ تمہید کے بعد مولوی صاحب پہلے تو فخر کے طور پر اپنے خدمت کا ذکر کرتے ہیں اور اپنے رسالہ الاقتصاد فی مسائل الجہاد کا حوالہ دیتے ہیں۔ اور پھر اپنا مقابلہ حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ کرکے کہتے ہیں کہ میں نے تو گورنمنٹ کی یہ خدمت کی ہے جس کے عوض میں مجھے گورنمنٹ سے خوشنودی کی چٹھیاں ملی ہیں تمہیں بھی اگر کوئی چٹھیاں ملی ہیں تو پیش کرو۔ مولوی صاحب نے معلوم نہیں اس بات کو کیوں نہیں سمجھا۔ بات تو سیدھی تھی۔ آپنے محض گورنمنٹ کی خوشنودی کی چٹھیاں لینے کے لیے یا تھوڑی سی اور دنیوی منفعت اُٹھانیکے لیے چند فقرات لکھ دیے سو آپ کو وہ مل گئیں۔ لیکن خدا کے مسیح کو خوشنودی کی چٹھیوں سے کوئی غرض نہ تھی اور نہ ہے۔ اس نے محض خدا کے لیے ایک کام کیا اور اپنا فرض سمجھکر کیا۔ سو اس کا صلہ بھی وہ خدا سے ہی چاہتے ہیں نہ گورنمنٹ سے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ومن اصدق من اللہ قیلا۔ دیکھیے سورۃ الشوریٰ۔ من کان یرید حرث الاٰخرۃ نزد لہ فی حرثہ ومن کان یرید حرث الدنیا نؤتہ منہا وما لہ فی الاٰخرۃ من نصیب۔ یعنی جو شخص آخرت کی کھیتی کا طالب ہے

ہم اس کی کھیتی میں اس کیلیے برکت دیں گے اور جو دنیا کی کھیتی کا طالب ہو ہم بقدر مناسب اس کو دنیا دیں گے اور آخرت میں اس کا کچھ حصّہ نہیں۔ سو مولوی صاحب دنیا کی کھیتی کے طالب ہوئے اور چار مربع زمین انہیں مل گئی۔ یہ عین خدا کی سُنّت کے مطابق ہے۔ رہیں آپ کی تحریریں سو آپ جس طرح سے مہدی کے عقیدہ میں آخرکار اسی سلسلہ کے خوشہ چین بنے ہیں اور آپنے اس خوشہ چینی کو اپنی ہتک نہیں سمجھا اگرچہ اس کا اقرار کرنیسے آپ کو شرم آتی ہے اسی طرح جہاد کے مسئلہ میں بھی آپنے حضرت میرزا غلام احمد صاحب کی تحریروں سے اگر خوشہ چینی کر لی ہو تو کیا عجب ہے۔ بہر حال جس غرض کے لیے آپنے یہ رسالہ جہاد لکھا تھا یعنی چٹھیات خوشنودی کا حاصل کرنا وہ آپ کو مل گئیں اور اگر آپ اس امر پر فخر کرتے ہیں تو یہ کسی دوسرے کا کام نہیں کہ آپ کو سمجھاوے کہ یہ غرض ایک کمینہ غرض ہے۔ اسی رسالہ الاقتصاد کے فارسی ایڈیشن پر لکھا ہے کہ اشاعت آں در مختلف زبانہا (عربی۔ فارسی۔ اردو۔ انگریزی) بوقوع آمدہ اور آج اُنیس سال بعد آپ سول میں لکھتے ہیں کہ عربی ایڈیشن اس رسالہ کی اب تیار ہوگی اور وہ امیر کے نام پر نامزد کیجاوے گی۔ معلوم نہیں ان دونوں باتوں میں سے کونسی صحیح ہے۔ اور پھر آپ کو اگر یہ رسالہ امیر کے نام پر ہی نامزد کرنا تھا تو کابل میں جسوقت آپ تشریف لے گئے تھے اسوقت امیر صاحب کے پیش کیوں نہیں کیا۔ سنا ہے امیر عبدالرحمن صاحب نے بھی ایک رسالہ جہاد پر لکھا تھا معلوم نہیں اُسوقت آپنے اگر شہ روز را گوید شب است ایں بباید گفتن اینک ماہ و پروین پر عمل کیا تھا اگر آپ اسوقت اپنا رسالہ پیش کرتے اور پھر زندہ بچ کر آتے تو ہم بھی مان لیتے کہ مولوی عبداللطیف صاحب مرحوم انکار جہاد کے سبب سے نہیں مارے گئے۔

مولوی محمد حسین بٹالوی نے اپنے مضمون میں ایک تو آمد مہدی کے عقیدہ کے بارہ میں کچھ رائے ظاہر کی ہے اور دوسرے بعض حملے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور سلسلہ احمدیہ پر کیے ہیں۔ چونکہ ہماری غرض زیادہ تر مہدی کے متعلق مولوی محمد حسین کی دورُخی کا ظاہر کرنا ہے اس لیے اول ہم اسی حصّہ مضمون کو لیتے ہیں۔ مولوی صاحب لکھتے ہیں "یہ کہنا بھی جھوٹ ہے کہ مسیح اور مہدی کی آمد کا عقیدہ خطرناک ہے کیونکہ فاضل مسلمان یہ عقیدہ نہیں رکھتے کہ موعود مسیح اور مہدی تلوار کے ذریعہ اسلام پھیلائیں گے۔ صحیح بخاری کے مطابق جو اہل سُنّت والجماعت کے درمیان متفق طور پر ایک مستند کتاب مانی جاتی ہے مسیح موعود تمام جنگوں کا خاتمہ کردیگا اور اسلام کو صرف آسمانی نشانوں اور روحانی طاقتوں کے ذریعہ سے پھیلائیگا۔ امام مہدی بھی اسیوقت آئیگا اور نہ کوئی خونریزی ہوگی اور نہ جہاد ہوگا۔ اسلام باامن طریقوں سے پھیلایا جائیگا۔ میںنے اس مضمون پر ایک لمبا آرٹیکل لکھا ہے اور یہ عنقریب شائع کیا جانیوالا ہے مگر مَیں نہایت زور کے ساتھ اس بات کا اعلان کرتا ہوں کہ مسیح اور مہدی کی آمد کے متعلق اسلامی عقیدہ کسی طرح بھی ملک کے امن کے لیے خطرہ پیدا نہیں کرتا"

یہ ہے سلسلہ احمدیہ کے ایک سب سے پُرانے اور کینہ ور مخالف کا پرزور اعلان۔ اور جہاں عام لوگ اس اعلان کو

تعجب کی نگاہ سے دیکھیں گے احمدی احباب لئے خوشی کے ساتھ پڑھیں گے کہ آخر ایک ایسے مخالف کو بھی وہی عقیدہ تسلیم کرنا پڑا جو انکے امام نے آج سے اٹھارہ[۱۸] سال پہلے انکو سکھایا۔ اگرچہ مولوی صاحب نے یہ احتیاط کی ہے کہ اس اعلان کو انگریزی زبان میں پہلے شایع کیا جائے مگر یہ راز اب چھپا نہیں رہ سکتا اور آخر وہ وقت آگیا ہے کہ مولوی صاحب کو دو رُخی چھوڑکر ایک پہلو اختیار کرنا پڑیگا۔ مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ فاضل مسلمان یہ عقیدہ نہیں رکھتے کہ موعود مسیح اور مہدی جنگ کریگا اور یضع الحرب کی حدیث پیش کرتے ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا یہ عقیدہ اہل حدیث کا ہے یا سُنّیوں کا یا شیعہ کا؟ آمد مہدی کے عقیدہ میں اسوقت ہم مسلمانوں کو تین فرقوں میں تقسیم کر سکتے ہیں اوّل وہ لوگ جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ بنی فاطمہ سے مہدی پیدا ہوگا جو ظاہری اور روحانی خلیفہ ہوگا۔ اور تلوار سے تمام دنیا کو فتح کریگا اور جو کافر اسلام قبول نہ کرے اسکو مار ڈالے گا۔ دوسرے وہ لوگ جو قطعاً مہدی کے آنیکے منکر ہیں اور تیسرے وہ لوگ جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ مسیح اور مہدی آئیگا مگر اس کا کام تلوار چلانا نہ ہوگا بلکہ آسمانی نشانوں اور یقینی دلایل کے ساتھ وہ اسلام کی فوقیت سب مذاہب پر ثابت کریگا۔ قسم اوّل میں عام اہل اسلام شامل ہیں خواہ وہ سُنّی ہوں یا وہابی ہوں یا شیعہ ہوں۔ قسم دوئم میں ایسے لوگ شامل ہیں جیسے سر سید احمد خاں اور انکے پیرو جو نیچری کہلاتے ہیں۔ اور جو مذہب اور مذہبی عقاید سے آزادی حاصل کر رہے ہیں۔ یا ابن خلدون جیسے آدمی جو مہدی کی احادیث کو مجروح یقین کرکے اسکی آمد کے قطعاً منکر ہیں اور ایسی تمام احادیث کو وضعی بتاتے ہیں۔ اور قسم سوئم میں صرف ایک ہی جماعت کا نام لیا جا سکتا ہے اور وہ ہے سلسلہ احمدیہ جس کے بانی حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے اللہ تعالیٰ سے الہام پاکر یہ اعلان کیا کہ مہدی کے متعلق جنگ کرنیکی اور لوٹ کا روپیہ تقسیم کرنیکی تمام روایتیں جھوٹی ہیں۔ مگر مسیح اور مہدی کے آنیکی پیشگوئی ایسی ہے جو قرآن شریف میں بھی پائی جاتی ہے۔ اس تقسیم کے مطابق جسکو میں ابھی ثابت کرونگا کہ مولوی محمد حسین نے بھی قبول کیا ہے۔ وہ "فاضل مسلمان" جن کا ذکر مولوی صاحب نے اخبار سول میں کیا ہے صرف صرف احمدی مسلمان ہی ہیں اور کوئی شخص اس سلسلہ سے باہر مولوی صاحب کے اس دعویٰ کے مطابق فاضل کہلانیکا حق نہیں رکھتا۔ والفضل ما شھدت بہ الاعداء۔ اس سے زیادہ خوشی کی جگہ احمدیوں کے لیے کیا ہو سکتی ہے کہ ان کے فضل کو ایک سخت سے سخت دشمن بھی قبول کرتا ہے اور نہ صرف وہ انہی کو فاضل کا خطاب دیتا ہے بلکہ تمام دوسرے مسلمانوں سے جو مہدی کے جنگ کرنیکے قائل ہیں اس خطاب کو چھین کر اسکو سلسلہ احمدیہ کے لیے ہی خاص کرتا ہے۔ کیونکہ اس کے نزدیک کوئی مسلمان فاضل کہلانیکا حق نہیں رکھتا جو یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ مہدی جنگ نہیں کریگا بلکہ صرف آسمانی نشانوں اور روحانی طاقتوں کے ساتھ ہی دین کو پھیلائیگا۔ اور میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ آجتک یہ عقیدہ کہ مسیح اور مہدی آئیگا مگر وہ جنگ نہیں کریگا بلکہ آسمانی نشانوں اور روحانی طاقتوں کے ساتھ دین اسلام کو پھیلائیگا سوائے سلسلہ احمدیہ کے کسی نے ظاہر نہیں کیا۔ بلکہ خود مولوی محمد حسین بٹالوی نے

باوجود اس دورنگی کے جو اس عقیدہ کے متعلق وہ شروع سے اپنی تحریروں میں اختیار کرتا رہا ہے جس کا میں بھی ذکر کرونگا آجتک ایسا عقیدہ مہدی کے متعلق ظاہر نہیں کیا جس کا وہ آج زور کے ساتھ دنیا میں اعلان کرتا ہے حالانکہ اس عقیدہ کے سارے الفاظ مولوی صاحب نے اس سلسلہ سے چرائے ہیں جس کی وہ ساتھ ساتھ مخالفت بھی کرتے جاتے ہیں۔

سب سے اول عام مسلمانوں کی اطلاع کے لیے میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ مولوی محمد حسین صاحب باوجود مولوی اور اہل حدیث کا ایڈووکیٹ کہلانیکے کس کس قسم کی چالیں اس عقیدہ کے متعلق آجتک چلتے رہے ہیں۔ مولوی صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ساری دنیا کی آنکھوں میں مٹی ڈال سکتے ہیں اور کہ انکی چالبازیوں کو کوئی سمجھ نہیں سکتا مگر انکو یقین کرنا چاہیئے کہ صاف گوئی اور جو بات دل میں ہو اسی کا کھلے طور سے اظہار کرنا دنیا میں خوبی کے اوصاف ہیں اور جو طریق انہوں نے اختیار کر رکھا ہے وہ کسی طرح عزت کے قابل نہیں ہے۔ مولوی محمد حسین صاحب نے ۔۔۔ میں مضمون لکھنے سے پہلے پہلے کبھی نہ تحریر سے اور نہ زبانی آجتک یہ کبھی عقیدہ ظاہر نہیں کیا کہ وہ اس مہدی کے آنیکے منکر ہیں جس کے منتظر عام مسلمان ہیں نہ ہی کبھی انہوں نے اس عقیدہ کی مخالفت کی کہ مہدی آکر کفار یعنی غیر مسلموں کے خون سے زمین کو بھر دیگا۔ جو شخص چاہے ۱۸۷۸ء سے لیکر انکے اشاعۃ السنہ کی ورق گردانی کرے مگر وہ ایک لفظ بھی ایسا اس دعوے کی تردید میں نہیں پائیگا اور آج مولوی صاحب کا یہ کہنا کہ فاضل مسلمان یہ عقیدہ نہیں رکھتے کہ مہدی آکر جنگ کریگا یا تلوار کے ذریعہ اسلام پھیلائیگا اور غالباً مولوی صاحب اگر یہ بھی کوئی نئی چال نہیں تو انہی فاضل مسلمانوں میں اپنی شمولیت جتانا چاہتے ہیں اور پھر اس عقیدہ کا زور سے اعلان کرنا گویا کہ یہ آپ کا اور دوسرے مسلمانوں کا مدتوں سے عقیدہ چلا آتا ہے ایک قسم کی دھوکہ بازی ہے۔ میں اس فیصلہ کے لیے ناظرین کو اشاعۃ السنہ کے ورق گردانی کا محتاج نہیں کرنا چاہتا بلکہ اپنے اس دعوے کو جو اوپر کیا ہے مولوی محمد حسین کے اپنے اقرار سے صحیح ثابت کرکے دکھاؤنگا لیکن اس سے پہلے ان واقعات کا ظاہر کرنا ضروری ہے جنکی وجہ سے مولوی صاحب کو یہ اقرار کرنا پڑا تھا۔

۱۸۹۸ء میں (غالباً اسی سال مولوی صاحب نے کچھ زمین کے لیے بھی گورنمنٹ سے درخواست کی تھی) مولوی محمد حسین نے انگریزی زبان میں ایک فہرست مضامین رسالہ اشاعۃ السنہ چھپوائی جس کا عنوان تھا "اشاعۃ السنہ کے اُن مضامین کی فہرست جن میں گورنمنٹ کے خلاف بغاوت یا گورنمنٹ کا مقابلہ کرنیکی ممانعت ثابت کی گئی ہے اور جہاد کی اصل حقیقت کو دکھایا گیا ہے" اس فہرست میں ایک جگہ ۱۸۸۶ء کے رسالہ کے صفحہ ۹ ۴ کے حوالہ سے ایک مضمون اس عنوان کا درج ہے "احادیث متعلقہ مہدی پر جرح اور وہ دلایل جن سے ان حدیثوں کا غلط ہونا ثابت ہوتا ہے" اصل میں یہ عنوان جو اس فہرست مضامین میں درج کیا گیا تاکہ گورنمنٹ یہ سمجھے کہ مولوی صاحب نے کوئی ایسا مضمون لکھا ہے اور خوش ہوکر کوئی اور چٹھی خوشنودی کی یا چند بیگھے زمین کے دیدے۔ بالکل غلط تھا نہ ہی ۱۸۸۶ء کے صفحہ ۹ ۴ پر اور نہ ہی ساری اشاعۃ السنہ میں کسی اور جگہ کوئی ایسا مضمون درج ہے جس میں احادیث

متعلقہ مہدی پر جرح کیگئی ہو یا کوئی ایسے دلایل دیئے گئے ہوں جن سے ان حدیثوں کا غلط ہونا ثابت ہو۔ اور ایسا عنوان محض دھوکہ دینے کے لیے قایم کیا گیا ہے۔ جس مضمون کا حوالہ دیا گیا ہے وہ نواب صدیق حسن خاں کی حمایت میں لکھا گیا تھا۔ جوان دنوں بوجہ ان خطرناک مضامین کے جو جہاد اور مہدی کے متعلق انہوں نے اپنی کتابوں میں شایع کیے تھے گورنمنٹ کی عتاب کے نیچے تھے۔ یہ عقائد کیا تھے میں آگے چلکر بیان کرونگا یہاں صرف اسقدر ظاہر کرنا مقصود ہے کہ چونکہ نواب صدیق حسن خاں اہل حدیث کا لیڈر اور مجدد تسلیم کیا جا چکا تھا۔ مولوی محمد حسین کے لیے اسکی حمایت ضروری تھی۔ کیونکہ مولوی صاحب خود اپنی قلم سے انکو مجدد لکھ چکے تھے۔ دوسری طرف مولوی صاحب کو خود بھی خطرہ ہوا کہ مبادا کھلے طور سے اس کے عقاید کی تائید کر کے آپ بھی اسی بلا میں گرفتار ہو جاویں۔ لہٰذا مہدی کی آمد کے عقیدہ کے متعلق یہ پہلا موقع تھا جب مولوی صاحب کو دو رخی اختیار کرنیکی ضرورت پیش آئی چنانچہ نواب صاحب کی حمایت کے مضمون میں ایک فقرہ یہ بھی لکھدیا کہ مہدی کی آمد سے بعض اہل حدیث زمانہ گذشتہ کے اور زمانہ حال کے منکر ہیں اور اسکی تشریح ایک فٹ نوٹ میں کی جو وہ بھی اصل مضمون کی طرح گول مول ہے اور اپنا عقیدہ کچھ ظاہر نہیں کیا کہ میں بھی منکر ہوں یا قائل ہوں چونکہ یہ فٹ نوٹ ہی صرف ایک ایسی عبارت ہے جسکی بنا پر حکام کو دھوکہ دینے کے لیے مولوی صاحب نے یہ ظاہر کیا تھا کہ میں اشاعۃ السنہ میں مہدی کی حدیثوں پر جرح کر چکا ہوں اور انکا غلط ہونا ثابت کر چکا ہوں اس لیے ہم اوّل اس فٹ نوٹ کو اسجگہ پورا درج کرتے ہیں تاکہ ناظرین سمجھ سکیں کہ مولوی صاحب نے کس قدر تقوے کو چھوڑ کر کام کیا ہے۔ اصل فقرہ جس کے نیچے فٹ نوٹ لکھا گیا یہ ہے " عام اہل اسلام ماتحت برٹش گورنمنٹ رئیس ہوں خواہ رعایا جن میں حضرات نکتہ چین بھی داخل ہیں (بجز بعض اہل حدیث زمانہ قدیم و زمانہ حال)☆☆ قیامت سے پہلے مہدی کے آنیکے معتقد ہیں " اسجگہ فٹ نوٹ یہ درج ہے۔

" ☆☆ زمانہ قدیم میں قاضی ابن خلدون حضرمی اعتقاد آمد مہدی سے منکر گذر چکے ہیں اور اس زمانہ میں ایسے کئی اہل حدیث موجود ہیں۔ ان لوگوں کا انکار عقلی وجوہات سے اور ان خوارق و عجائبات کو جو مہدی کے علامات و مقدمات تسلیم کیے جاتے ہیں) ناممکن سمجھنے کی وجہ سے نہیں ہے۔ جیسا کہ نیچر کو مذہب ماننے والوں کا انکار عقلی وجوہات و اعتقاد عدم امکان خوارق و عجائبات پر مبنی ہے بلکہ انکا انکار صرف نقلی اصول پر اور ان احادیث کو جو مہدی کے باب میں وارد ہیں صحیح نہ ماننے۔ اور بعد فرض تسلیم صحت انکی قطعیت کو (جو اعتقادیات میں بحکم نصوص قرآنیہ شرط ہے چنانچہ اشاعۃ السنہ نمبر (۵) جلد (۸) میں بصفحہ (۱۳۲) وغیرہ ثابت ہو چکا ہے) نہ ماننے کے سبب سے ہے۔ اعلیٰ طبقہ کتب حدیث (صحیح بخاری وصحیح مسلم) مہدی موعود کے ذکر سے ساکت ہے چنانچہ پہلے بھی (جبکہ نواب صاحب یا کسی اور مسلمان پر مسئلہ مہدی کے سبب سے کوئی اعتراض نہ ہوا تھا) اشاعۃ السنہ نمبر ۱۲ جلد ۷ میں بصفحہ ۳۸۸ ہم اس امر کو جتا چکے ہیں۔ دوسرے طبقہ کی کتابوں میں جو اس مضمون کی حدیثیں پائی جاتی ہیں وہ غوایل جرح سے خالی نہیں

قاضی ابن خلدون حضرمی نے اپنی کتاب العبر و دیوان المبتدا والخبر فی ایام العرب والعجم والبربر میں ان احادیث کو ایک ایک کرکے رد کردیا ہے. ہمارے نواب صاحب نے جرح و کلام ابن خلدون کا اپنی کتاب حجج الکرامہ و اذاعہ وغیرہ میں جواب دیا ہے پر وہ جواب جرح ابن خلدون کو اٹھا نہیں سکتا بلکہ اور پختہ کرتا ہے ہم اس باب میں عنقریب ایک مستقل مضمون لکھیں گے اور اس میں ان احادیث پر تفصیلی بحث کریں گے۔اس نوٹ میں صرف اس امر کا جتانا مدنظر تھا کہ بعض اہل حدیث زمانہ سابق وحال مہدی سے منکر بھی ہیں عام مسلمانوں یا نواب صاحب کے معتقد ہونے سے بھی مسلمانوں یا کل اہلحدیث کو معتقد نہ سمجھنا چاہیئے"

اب ناظرین خود اس بات کو سمجھ سکتے ہیں کہ اس فٹ نوٹ میں نہ تو احادیث مہدی پر کوئی جرح ہے اور نہ ہی کوئی دلایل ہیں جن سے انکا غلط ہونا دکھایا گیا ہو۔ نہ ہی اس مضمون میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ عام مسلمانوں کا جو عقیدہ مہدی کے متعلق ہے اسکو کمزور کرکے دکھایا جاوے۔ بعض اہلحدیث زمانہ قدیم و زمانہ حال کو مہدی کے عام عقیدہ سے مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ مگر یہاں بھی مولوی صاحب نے گول مول پیرایۂ بیان اختیار کیا ہے۔ زمانہ قدیم کا حوالہ دینے میں تو مولوی صاحب کو کوئی حرج نظر نہیں آتا تھا اس لیے جھٹ ابن خلدون کا نام لے دیا۔ مگر زمانہ حال کے اہلحدیث میں سے ایک کا نام بھی نہ لیا۔ یہانتک کہ خود اپنا نام بھی نہیں لیا بلکہ متن اور فٹ نوٹ دونوں جگہ مبہم ہی رکھا۔ جب مولوی صاحب ابن خلدون کا نام لینے میں کوئی حرج نہ سمجھتے تھے تو زمانہ حال کے ان اہل حدیث کے ناموں کو کیوں چھپایا جو ابن خلدون کی طرح مہدی کی آمد سے قطعاً منکر تھے؟ اس مضمون سے اسقدر ظاہر ہے کہ اسوقت جب یہ مضمون مولوی محمد حسین صاحب نے لکھا انہوں نے مسلمانوں کو دو جماعتوں پر ہی تقسیم کیا۔ ایک وہ جو مہدی خونی کے آنیکے معتقد ہیں اور جن میں مولوی صاحب کے اپنے اقرار کے بموجب "عام اہل اسلام ماتحت برٹش گورنمنٹ رئیس ہوں خواہ رعایا" شامل ہیں۔ اور دوئم وہ جو مہدی کے آنیکے قطعاً منکر ہیں جن میں "بعض اہل حدیث زمانہ قدیم و زمانہ حال" اور نیچری شامل ہیں۔ تیسرا کوئی گروہ مسلمانوں کا مولویصاحب نے نہیں بتایا اور نہ دراصل اسوقت تک کوئی تیسرا گروہ پیدا ہوا تھا۔ اگر وہ بات جو مولوی صاحب آج سول میں لیکر دوڑے ہیں اسوقت بھی انکے ذہن میں تھی تو انہیں چاہیئے تھا کہ یہ بھی ظاہر کرتے کہ جو دراصل فاضل مسلمان ہیں انکا عقیدہ ان ہر دو گروہ سے الگ ہے۔ مگر یہ کیونکر کرتے یہ بات آج آپکے ذہن میں آئی جب خدا کے ایک برگزیدہ نے بیسیوں کتابوں میں کھول کھول کر اسے بیان کیا اور بار بار سمجھایا۔ اسقدر غباوت کے ساتھ کہ ایک بات کو برسوں سُننے کے بعد آپ اسے سمجھ سکے مولوی صاحب کا یہ حق نہیں کہ اپنے لیے "فاضل" کا لفظ تجویز کریں۔ ہاں اگر حضرت مسیح موعودؑ کے بیان کرنیکے بعد جلد ہی آپ اسکو سمجھ جاتے تو ہمیں بھی ان مخصوص معنوں میں اس خطاب کے ساتھ آپ کو یاد کرنے میں کوئی عذر نہ ہوتا۔ ایک اور امر قابل توجہ اس مضمون میں یہ ہے کہ مولوی صاحب لکھتے ہیں۔ کہ "ہم اس باب میں عنقریب ایک مضمون لکھیں گے" اور اب اکیس سال

گذرنیکے بعد پھر اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ میں آپنے یہی لکھا ہے کہ عنقریب ایک مبسوط مضمون اس بارہ میں شایع کریں گے اس لیے ہم نہیں کہہ سکتے کہ مولوی صاحب کے اس موعودہ مضمون کا کب تک انتظار کرنا چاہیئے۔ آخر یہ کوئی عظیم الشان کتاب کی تصنیف تو تھی نہیں دو لفظوں میں مولوی صاحب یہ کہہ سکتے تھے کہ ہم آمد مہدی کے قائل ہیں یا انکار والوں کے ساتھ ہیں یعنی جمہور اہل اسلام میں شامل ہیں یا "بعض اہلحدیث زمانہ قدیم و زمانہ حال" کے ساتھ ہیں۔ بہرحال مولوی صاحب نے اس مضمون میں دورُخی اختیار کی اور صفائی سے کوئی بات نہیں کی اگرچہ اس میں میلان انکی طبیعت کا انکار مہدی کے عقیدہ کی طرف پایا جاتا ہے جو ابن خلدون اور نیچریوں کے عقیدہ سے ملتا ہے۔ گو نیچریوں کے انکار کی بنا اور وجوہات پر ہے اور ابن خلدون کے انکار کی بنا اور وجوہات پر۔

اس کے بعد ایک اور زمانہ اس سے بارہ[۱۲] سال بعد مولوی صاحب پر آیا جب پھر انہیں اس عقیدہ کے متعلق خیالات کا اظہار کرنا پڑا اور وہی دورُخی کا پہلو یہاں بھی اختیار کیا اگرچہ اس مرتبہ انکا میلان اقرار کی طرف پایا جاتا ہے۔ جب ۱۸۹۸ء میں مولوی صاحب نے فہرست مضامین اشاعۃ السنہ چھپوائی تو اگرچہ انہوں نے اسکو بہت کچھ مخفی رکھنا چاہا مگر ایک کاپی اس کی اتفاقاً حضرت مسیح موعودؑ کے پاس بھی پہنچ گئی اس فہرست میں مولوی صاحب نے یہ لکھا تھا کہ ان مضامین کے ذیل میں جو بغاوت گورنمنٹ اور جہاد کے خلاف میں نے لکھے ہیں ایک مضمون اس بات کی اثبات میں بھی لکھا ہے کہ مہدی کے آنیکے متعلق جس قدر احادیث ہیں وہ سب غلط ہیں جیسا کہ مَیں دکھا چکا ہوں در اصل تو یہ بات صحیح نہ تھی مگر اس فہرست میں گورنمنٹ کے حکام کو خوش کرنیکے لیے مولوی صاحب نے یہ لکھ مارا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ مولوی صاحب قطعی طور پر منکرین مہدی کے ساتھ جا ملے ہیں۔ چنانچہ اسی فہرست کی بنا پر حضرت مسیح موعودؑ نے علماء سے ایک استفتا کیا جس میں سوال یہ تھا کہ ایسا شخص جو مہدی کے آنیسے منکر ہو جیسا احادیث کے رو سے اس کا آنا عام مسلمان مانتے ہیں تو اس کے حق میں کیا فتویٰ ہے تمام علماء نے جس میں بہت سے اہل حدیث بھی شامل تھے یہی فتویٰ دیا کہ ایسا شخص ضال مضل کافر دجال وغیرہ وغیرہ ہے۔ چنانچہ جب مولوی صاحب کے اس اقرار کے ساتھ جو وہ فہرست شایع کر چکے تھے کہ وہ مہدی کے آنیکی تمام حدیثوں کو غلط ثابت کر چکے ہیں شایع کیا گیا تو اب مولوی صاحب کو پھر آخر پلٹنا پڑا تا کہ کفر کا فتویٰ جو ان پر لگ چکا تھا ٹل جائے چنانچہ آپنے بجواب رسالہ کشف الغطا ایک رسالہ انگریزی میں بنام جواب کشف الغطا لکھا۔ اور اس رسالہ میں یہ ظاہر کیا کہ نہ ہی فہرست مضامین میں، اور نہ ہی فٹ نوٹ محولہ فہرست میں انہوں نے کبھی انکار مہدی کیا ہے چنانچہ فٹ نوٹ مذکورہ کا ترجمہ اس تمہید کے ساتھ اس رسالہ میں دیا گیا ہے۔

"اس بیان کے متعلق کہ بعض اہلحدیث اس عقیدہ (مراد عام عقیدہ آمد مہدی ہے) کو نہیں مانتے راقم نے ایک فٹ نوٹ میں یہ تشریح کر دی تھی کہ بعض اہل حدیث کی یہ رائے ہے کہ احادیث متعلقہ مہدی قابل اعتبار

نہیں ہیں۔ مگر مَیں نے اپنے عقیدہ کا اظہار نہیں کیا تھا بلکہ یہ وعدہ کیا تھا کہ الگ مضمون میں ایسا کروں گا اور یہ وعدہ مَیں آجتک پورا نہیں کرسکا''

اس تمہیدی نوٹ سے صاف پایا جاتا ہے کہ مولوی صاحب ۱۸۹۹ء میں اس بات سے ڈرتے تھے کہ اپنے آپ کو ان اہلحدیث کے ساتھ ملائیں جو انکار مہدی کرتے تھے۔ اور فہرست میں جو حدیثوں کو آپ کھُلے طور پر (Incorrect) غلط کہہ چکے تھے اس کی تاویل یوں کی۔ ''یہ کہنے سے کہ احادیث متعلقہ مہدی پر جرح ہو سکتی ہے یہ منشاء نہیں جیساکہ قادیانی ان الفاظ سے یہ مطلب نکالنا چاہتا ہے کہ وہ سب (false) غلط ہیں۔ بلکہ امر واقع یہ ہے کہ غیر صحیح احادیث کو بھی صحیح یا (correct) کہا جا سکتا ہے۔ مگر انکو اُسوقت ضعیف یا (weak) سمجھا جاتا ہے جب یہ معلوم ہو کہ جن لوگوں کی روایت سے وہ ہم تک پہنچی ہیں وہ اچھا حافظ نہ رکھتے تھے۔ اگر ایسی احادیث نہ صحیح (trustworthy) ہوں اور نہ ضعیف تو انکو حسن کہا جاتا ہے'' (صفحہ ۲۷ جواب کشف الغطاء)

یہ چال دو رُخی کو قایم رکھنے کے لیے ضروری تھی۔ فہرست میں تو مولوی صاحب نے کہا تھا کہ وہ ثابت کرچکے ہیں کہ احادیث متعلقہ مہدی (incorrect) یعنی غلط ہیں۔ اب یہاں یہ تشریح کرتے ہیں کہ غیر صحیح یعنی غلط کو بھی صحیح کہا جاتا ہے۔ لکل ان یصطلح کے مطابق مولویصاحب نے یہ ایک اصطلاح قایم کرلی ہے کہ غیر صحیح کو بھی صحیح کہا جاتا ہے۔ اس سے بہتر تھا کہ مولویصاحب یہ لکھدیتے کہ انکار مہدی کو بھی اقرار مہدی کہا جاتا ہے تو پھر انپر کوئی بھی گرفت نہ ہوسکتی تھی۔ مگر مہدی کے انکار سے انکار مولویصاحب نے اور بھی صراحت سے اسی رسالہ جواب کشف الغطا میں کیا ہے۔ چنانچہ صفحہ ۲۳ پر لکھا ہے۔

''امر واقع یہ ہے کہ راقم نے تحریر کے ذریعہ یا زبانی کبھی یہ بیان نہیں کیا کہ وہ مہدی موعود کے آنے پر ایمان نہیں رکھتا۔ نہ ہی کبھی اس نے اس کی آمد کی سب حدیثوں کو جھوٹی کہا ہے اور نہ ہی کبھی یہ دعویٰ کیا ہے کہ ایک خونخوار مہدی کی آمد کے خیالات کو وہ مسلمانوں کے دلوں سے مٹانیکی کوشش کررہا ہے۔ القصہ یہ دعوے سب کے سب بے بنیاد ہیں۔ نہ ہی وہ کہیں اشاعۃ السنہ میں پائے جاتے ہیں اور نہ ان اشتہاروں میں جو راقم نے شایع کیے''

مولوی صاحب کے یہ الفاظ قابل غور ہیں۔ اور انکی تشریح کی کوئی حاجت نہیں۔ اسی رسالہ میں آگے چلکر مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ مَیں نے دوسرے مولویوں کو کبھی یہ نہیں کہا کہ مَیں ایک ایسے مہدی پر ایمان رکھتا ہوں اور اس کا انتظار کرتا ہوں جو عیسائیوں اور دوسرے کافروں سے جنگ کریگا۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی یقین دلاتے ہیں کہ اس کے خلاف بھی انہوں نے مولویوں کو کچھ نہیں کہا چنانچہ صفحہ ۲۲ پر کفر کے فتوے کا جو مولویوں نے منکر مہدی پر لگایا تھا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''انہوں نے یہ نہیں کہا کہ راقم مہدی کے آنیکا انکار کرتا ہے اور کہ انکا فتویٰ اسکے خلاف تھا۔ راقم یہ بھی یقین رکھتا ہے کہ اگر انسے یہ دریافت کیا جاوے کہ کیا کبھی اس نے ایسے عقیدہ کا

اظہار تحریر میں یا زبانی کیا ہے تو وہ نفی میں جواب دیں گے ،،

مَیں اس بات کو انصاف پسند ناظرین پر چھوڑتا ہوں کہ کیا اس قسم کی ہیرا پھیریاں اور چالبازیاں ایک مولوی کا کام ہے۔ ستّر برس کی مولوی صاحب کی عمر ہوگئی اور اپنے رازدار مولویوں تک کو یہ پتہ نہ لگنے دیا کہ آپکا عقیدہ مہدی کے متعلق کیا ہے۔ کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ ایک طرف گورنمنٹ کو اور دوسری طرف پبلک کو مولوی صاحب اپنے اصل عقیدہ مہدی کے متعلق دھوکہ میں رکھنا چاہتے ہیں اور ایک گول مول بات کرکے اسی سے کبھی کچھ مطلب اور کبھی کچھ مطلب نکال لیتے ہیں؟ اور اس ساری کارروائی سے غرض صرف یہ ہے کہ خوشنودی کی چٹھیاں اور زمین بھی ملجائے اور کفر کے فتوے کے بارگراں سے بھی بچے رہیں۔ مگر ایک متقی انسان اس قابل شرم طریق کو اختیار نہیں کرسکتا۔ وہ تو جو کچھ اس کا عقیدہ ہو اسے معاً ظاہر کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا ہاں اگر ایک وقت اسے غلطی لگ گئی ہے تو دوسرے وقت اصلاح کر لینے میں بھی کوئی حرج نہیں مگر دو رُخی کا طریق اختیار کرنا نہایت شرمناک طریق ہے اب ستّر سال کی عمر میں مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ بخاری میں لکھا ہوا ہے کہ مسیح موعودؑ جنگوں کا خاتمہ کر دیگا اور اسلام کو آسمانی نشانوں اور روحانی طاقتوں کے ذریعہ پھیلائیگا۔ شاید مولوی صاحب کو اس ساری عمر میں پہلی دفعہ بخاری پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے یا یہ حدیث ہی آپکی نظر سے پوشیدہ رہی بہرحال یہ وہی حدیث ہے جسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پندرہ سال سے پیش کر رہے ہیں جن کا مولوی صاحب آجتک مقابلہ کرتے رہے بہرحال یہ مسلمانوں کی خوش قسمتی ہے کہ ان میں سے ایک جو مولوی بلکہ اہلحدیث کے ایڈووکیٹ کہلاتے ہیں انہوں نے بھی آخر مہدی کے خطرناک عقیدہ سے توبہ کرکے ایک اچھا اور صحیح عقیدہ اختیار کر لیا خواہ مسلمانوں کے عام عقیدہ کی رو سے اب وہ کافر اور دجال ہی بنیں۔ یہانتک تو مولوی صاحب نے اچھا کیا مگر اس سے بڑھکر جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ گویا یہی عقیدہ تمام مسلمانوں کا یا تمام فاضل مسلمانوں کا ہمیشہ سے ہے یہ بالکل جھوٹ ہے۔ یہ وہ عقیدہ ہے جس کو آجتک کسی مسلمان نے سوائے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پیش نہیں کیا۔ اور اسی سلسلہ کا عقیدہ چرا کر اب مولوی صاحب نے سول میں پیش کیا ہے مگر افسوس ہے کہ یہ اقرار نہ کیا کہ اس عقیدہ میں سلسلہ احمدیہ کی خوشہ چینی کی گئی ہے۔

یہ تو مولوی صاحب کا عقیدہ متعلق مہدی کے ہے۔ اب ہم چند الفاظ میں عام مسلمانوں کا عقیدہ بیان کرتے ہیں چونکہ مولوی صاحب اہلحدیث فرقہ کے ممبر ہیں بلکہ اس فرقہ کا اپنے آپ کو ایڈووکیٹ لکھتے ہیں اس لیے یہ کافی ہوگا کہ اہلحدیث کی کتابوں میں سے عقیدہ آمد مہدی کی اصلیت دکھادی جاوے۔ علاوہ ازیں مولوی محمد حسین صاحب نے خود اسی مضمون میں جو نواب صدیق حسن خاں کے ڈیفنس میں انہوں نے لکھا تھا اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ جو عقیدہ آمد مہدی کے متعلق نواب صاحب نے اقتراب الساعۃ میں اہلحدیث کی طرف سے شائع کیا ہے وہی عقیدہ مہدی کے متعلق تمام مسلمانوں کا ہے۔ چنانچہ اس مضمون کے صفحہ ۹۴ پر مولوی صاحب لکھتے ہیں ’’ اور اگر صرف تجویز

و اعتقاد مہدی موعود بغاوت ہے تو اس سے مؤلف کتاب اقتراب کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ عام اہل اسلام ماتحت برٹش گورنمنٹ رئیس ہوں خواہ رعایا جن میں حضرات نکتہ چین بھی داخل ہیں (بجز بعض اہلحدیث زمانہ قدیم و زمانہ حال) قیامت سے پہلے مہدی کے آنیکے معتقد ہیں پھر چاہیئے تھا کہ بعض اہل اسلام رعایا برٹش گورنمنٹ کو (جنکا یہ اعتقاد ہے) باغی مقرر کرکے انکو پھانسی دینے یا دریائے شور سے پار بھجوانے کا مشورہ دیا جاتا۔" اور پھر صفحہ ۶۰ پر اس بات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہ نواب صدیق حسن خاں نے اقتراب الساعۃ میں یہ لکھا ہے کہ موعود مہدی کا یہ کام ہوگا کہ تمام کفار کو اسلام قبول کرنیکے لیے مجبور کریں اور جو اسلام قبول نہ کرے اسکو قتل کردیں مولوی صاحب لکھتے ہیں "اور مہدی موعود کی نسبت یہ کہنا یا ایسا اعتقاد رکھنا ترغیب بغاوت نہیں چنانچہ پہلے بھی ہم بصفحہ ۴۹ و ۵۷ رسالہ یہ بات کہہ چکے اور بیان کرچکے ہیں کہ تمام اہل اسلام رؤسا و رعایا برٹش گورنمنٹ کا (بجز چند مستثنیٰ اشخاص) یہی اعتقاد ہے۔" چونکہ اس مضمون میں نواب صدیق حسن خاں کی کتابوں کے حوالہ سے آمد مہدی کا عقیدہ بیان کیا جاوے گا لہٰذا اس بات کا ظاہر کرنا بھی ضروری ہے کہ اہلحدیث نواب صدیق حسن خاں کو کیا سمجھتے ہیں اور انکے نزدیک انکی کیا وقعت ہے۔ اور اس میں بھی ہم مولوی صاحب کی تحریر کا ہی حوالہ دیں گے۔ مولوی صاحب نواب صاحب کے اول المعتقدین میں سے ہیں اور سب سے پہلے آپنے ہی نواب صاحب کے مجدد ہونیکا دنیا میں اعلان کیا۔ چنانچہ اسی رسالہ کے صفحہ ۴۷ پر آپ لکھتے ہیں۔ کہ "ہاں نواب صاحب کو اس فرقہ کے بعض اشخاص نے مجدد ضرور تسلیم کرلیا ہے اور سب سے پہلے جس نے یہ لقب ان کے لیے تجویز کیا ہے وہ یہی خاکسار ایڈیٹر ہے۔"
اب اگرچہ مولوی صاحب غیر مقلد ہونیکا عذر لوگوں کو سنا کر نواب صاحب کی مجددیت کی کتنی ہی تاویل کریں مگر جس شخص کی بات ہی قابل اتباع نہیں وہ مجدد خاک کا ہوگا؟ تعجب ہے کہ اس امر کو تو تسلیم کیا جائے کہ اس حدیث شریف کے مطابق کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سر پر ایک ایسے شخص کو مبعوث کریگا جو دین کی تجدید کریگا نواب صدیق حسن خاں کی مجددیت کا اعلان کیا جائے اور پھر یہ کہا جائے کہ اس کی کوئی بات قابل اتباع نہیں۔ اور بالفرض اگر مولوی محمد حسین انکا اتباع نہ بھی کریں تو اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ عام اہلحدیث اپنے مجدد کی ہی اتباع کریں گے۔
ایک بات اور بھی صاف کرنی ضروری ہے۔ جس کتاب سے میں اہلحدیث کا عقیدہ متعلق آمد مہدی پیش کرنا چاہتا ہوں وہ اقتراب الساعۃ ہے جس کے ٹائٹل پیج پر مصنف کا نام نور الحسن لکھا گیا ہے جو نواب صدیق حسن خاں کا بیٹا تھا۔ مگر بہت سے قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل مصنف اس کتاب کے نواب صاحب خود ہی تھے چنانچہ جب نواب صاحب پر الزام لگائے گئے تو منجملہ دوسری کتابوں کے جو انکی تصنیفات میں تھیں اقتراب الساعۃ بھی ایک کتاب تھی بلکہ مولوی محمد حسین نے خود بھی جو ڈیفنس نواب صاحب کی طرف سے لکھا ہے اس میں انہوں نے اس بات سے انکار نہیں کیا کہ یہ تصنیف نواب صاحب کی ــــ ہے بلکہ اسکو نواب صاحب کی تصنیف تسلیم کرکے ڈیفنس لکھا ہے۔ اس لیے ہم اقتراب الساعۃ سے اہلحدیث کے عقاید کو پیش کرتے ہیں اور یہ وہ عقاید ہیں جن کو مولوی محمد حسین نے بھی

تسلیم کیا ہے کہ عام مسلمانوں کا عقیدہ مہدی کے متعلق یہی ہے۔

اقتراب الساعہ سنہ ۱۳۰۱ ہجری یا ۱۸۸۴ء میں شایع ہوئی۔ اس کتاب میں مہدی کے عقیدہ کو نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے صفحہ ۱۱۷ پر مہدی سوڈانی کا تذکرہ ہے کہ وہ تمام عیسائیوں کو تہ تیغ کریگا اور ایسا ہی دوسرے تمام کفار کو۔ اسکا ذکر کرکے صفحہ ۱۱۸ پر نواب صاحب لکھتے ہیں ''مَیں کہتا ہوں جو مضمون اس جواب کا ہے بے شبہ مہدی موعود بھی کام کریں گے یعنی مسلمانوں کو اتباع کتاب و سُنّت پر کفار کو اسلام پر مجبور کر دیں گے ساری دنیا میں سوائے دین اسلام کے کوئی دین دوسرا باقی نہ رہے گا جو انکی مخالفت کریگا وہ ہلاک ہو جاویگا خواہ نام کا مسلمان ہو یا اور کوئی ہو'' اسی کتاب کے صفحہ ۹۴ پر مختصر الفاظ میں مہدی کی تبلیغ کو اسطرح بیان کیا گیا ہے کہ وہ ''جزیہ لینا موقوف کر دیں گے۔ خدا کی طرف تلوار کے ذریعہ سے بلاویں گے جو نہ مانے گا مارا جاویگا'' پھر صفحہ ۸۰ پر مہدی کے غلبہ کا حال ان الفاظ میں لکھا ہے۔ ''پھر تمام زمین مہدی کے ہاتھ میں آجاویگی۔ اسلام اپنا کاندھا ڈالدیگا سارے بادشاہ روئے زمین کے داخل اطاعت ہو جاویں گے مہدی اپنا ایک لشکر طرف ہندوستان کے روانہ کریں گے یہاں کے بادشاہ طوق بگردن ہو کر انکے پاس حاضر کیے جاویں گے۔ سارے خزانے ہند کے بیت المقدس بھیجدیئے جاویں گے وہ سب خزائن حلیہ بیت المقدس ہوں گے'' اور پھر صفحہ ۱۴۸ پر اس کی اور بھی تفصیل ان الفاظ میں کی ہے کہ ''انکے ہاتھ پر لڑائیاں ہونگی یہ خزانے نکالیں گے شہر فتح کریں گے مشرق سے مغرب تک لے لیں گے۔ ہندوستان کے بادشاہوں کو گردن میں طوق ڈالکر ان کے سامنے لاویں گے انکے خزائن بیت المقدس کا زیور ہو گا'' اس کے بعد نواب صاحب لکھتے ہیں ''میں کہتا ہوں ہند میں اب تو کوئی بادشاہ بھی نہیں ہے یہی چند رئیس ہنود یا مسلمان ہیں سو کچھ حاکم مستقل نہیں بلکہ برائے نام ہیں بادشاہ اس ولایت کے یورپین ہیں غالباً اسوقت تک بھی یہی عالم یہاں کے رہیں گے انہیں کو انکے روبرو لے جاویں گے یا اسوقت تک کسی اور قوم کی حکومت اسجگہ قایم ہو جاوے اللہ ہی کو خبر ہے'' ایسے اعتقادات کا اظہار بار بار کیا گیا ہے مثلاً حجج الکرامہ صفحہ ۳۴۴ میں ہے۔ سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وذکر الھند لکم جیش یفتح اللہ علیھم منی یاتوا بملوکھم مغللین بالسلاسل یغفر اللہ ذنوبھم فینصرفوا حین ینصرفوا فیجدون ابن مریم بالشام اخرجہ نعیم بن حماد و ایں صریح است درانکہ مراد غزوہ ہند در زمان مہدی و عیسٰی علیہم السلام است ولہٰذا در روایت دیگر آمدہ کہ ابو ہریرہ نزد وفات خود وصیت کرد بابلاغ سلام خود بحضرت عیسٰی علیہ السلام گو با ایں غزوہ و عیسٰی را در زمان واحد گمان کردہ پس شبہ نیست کہ مراد بداں غزوہ آخرین ہند است کہ دراں ملوک اورا گرفتار کردہ بیارند'' اور پھر حجج الکرامہ صفحہ ۴۷۳ میں ہے۔ ''پس تمام روئے زمین بقبضۂ اقتدار مہدی علیہ السلام آید و اسلام قرار گیرد و گردن اندازد و جمیع ملوک ارض حلقۂ اطاعتش بگوش کشند و لشکرے بر ہندوستان فرستد و فتح گردد و ملوک ہند را غل کردہ پیش او آرند و خزائن ایں کشور را زیور

بیت المقدس سازند و دریں حال ہفت سال مکث کند" یعنی اس کے بعد تمام زمین مہدی علیہ السلام کے قبضہ اقتدار میں آجائیگی اور اسلام قرار پکڑیگا اور گردن ڈالیگا اور روئے زمین کے تمام بادشاہ اس کی اطاعت قبول کریں گے اور وہ ہندوستان پر ایک لشکر بھیجے گا اور یہ ملک فتح ہوجائیگا۔ اور ہندوستان کے بادشاہوں کو زنجیروں میں ڈالکر اس کے سامنے لاویں گے اور اس ملک کے خزانوں کو بیت المقدس کا زیور بنائیں گے۔ ایسا ہی سراج وہاج مؤلفہ نواب صدیق حسن خاں (جلد دویم صفحہ ۴۱۵ کتاب نزول عیسیٰ بن مریم میں ہے۔ "ویضع الجزیۃ قال النووی الصواب فی معناہ انہ لا یقبلها ولا یقبل من الکفار الا الاسلام ومن بذل منهم الجزیۃ لم یکف عنہ بها بل لا یقبل الا الاسلام او القتل ھکذا قالہ الخطابی وغیرہ من العلماء رحمہم اللہ تعالیٰ والصواب عند المؤلف ایضًا ھذا المعنی" جس کا ماحصل یہ ہے کہ حدیث ویضع الجزیۃ کی تشریح کرتے ہوئے نواب صاحب نے لکھا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ یعنی عیسیٰ جزیہ کو قبول نہیں کریگا اور کفار سے سوائے اسلام کے کچھ قبول نہیں کریگا۔ اور پھر لکھا ہے کہ مؤلف یعنی نواب صدیق حسن خاں کے نزدیک یہی معنی صحیح ہیں۔

ان عقاید کے خطرناک ہونے پر جو کچھ مولوی محمد حسین نے لکھا ہے وہ صرف یہ ہے کہ ایسا عقیدہ باغیانہ نہیں کہلا سکتا جبتک کہ ساتھ اس کے یہ دو باتیں بھی نہ کہی جاویں اول کہ مہدی کا ظہور اسی سلطنت کے زمانہ میں ہوگا اور دویم یہ کہ مسلمانوں کو اس کی اعانت کرنیکے لیے تیار ہونا چاہیئے۔ اب اوّل تو اس بات کو یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اس عقیدہ کو اس اشتہار میں جو مولوی محمد حسین کے مضمون کی بنا ہے باغیانہ نہیں کہا اور نہ ہی یہ کہا ہے کہ سب مسلمان جو مہدی کے متعلق ایسا عقیدہ رکھتے ہیں وہ درحقیقت گورنمنٹ کے باغی ہیں۔ بلکہ یہ کہا ہے کہ ایسا عقیدہ خطرناک ہے کیونکہ اگر کوئی شخص اس قسم کی مہدویت کا دعویٰ کرے تو اس کا نتیجہ لازمًا ہنگامہ ملک میں بدامنی ہوگی۔ اس کا جواب یہ دینا کہ جبتک اس کے ساتھ سارے نشان ظاہر نہ ہوں گے کوئی اسکو قبول نہیں کریگا دھوکہ دینا ہے کیونکہ مہدی سوڈانی کے ساتھ کون سے نشان ظاہر ہوئے تھے جو ہزارہا مسلمان اس کے جھنڈے تلے اکٹھے ہوگئے۔ اصل بات یہ ہے کہ جو شخص تلوار لیکر دعویٰ کرے اس کے تو اس دعویٰ سے ہی عوام اس کے گرد اکٹھے ہوجانیکے لیے تیار ہوجاتے ہیں اور نشانوں کا نام بھی نہیں لیتے ہاں جب ایک شخص صلح کا پیغام لیکر آیا تو اسوقت باوجود ہزاروں نشانوں کے دکھلانیکے اسے قبول نہ کیا گیا۔ بہرحال اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ یہ عقیدہ خطرناک ہے۔ اور یہی لفظ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھے تھے جنپر مولوی محمد حسین کو اسقدر طیش آیا ہے۔ مگر جو دو وجوہ اس عقیدہ کے باغیانہ ہونیکے مولوی محمد حسین نے دیئے ہیں ان میں بھی سراسر دھوکہ دیا گیا ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ جبتک یہ عقیدہ نہ رکھا جائے کہ مہدی اسی سلطنت یعنی سلطنت انگریزی کے زمانہ میں ظاہر ہوگا تب تک یہ عقیدہ باغیانہ نہیں لیکن کیا مولوی صاحب

یہ بتا سکتے ہیں کہ اس عقیدہ کا یہ بھی کوئی جزو ہے کہ اس سلطنت کے زمانہ میں مہدی نہیں آئیگا جو حدیثیں مہدی کی ہندوستان پر چڑھائی کرنیکی پیش کیجاتی ہیں کیا ان میں سے کسی حدیث میں یہ بھی لفظ ہیں کہ جبتک انگریزی سلطنت ہندوستان میں رہے گی اسوقت تک مہدی کا ظہور نہیں ہوگا؟ اگر ایک جھوٹا دعویدار کل ہی کھڑا ہو جائے تو کیا مولوی صاحبان اسکو یہ جواب دیں گے کہ مہدی انگریزی سلطنت کے زمانہ میں ظاہر نہیں ہو سکتا اس لیے ہم تمہارا ساتھ نہیں دے سکتے ؟ یہ عذر نہایت نامعقول ہے۔ اور نواب صدیق حسن خان نے تو مہدی کے بہت ہی جلدی ظاہر ہونیکی بڑی امید ظاہر کی ہے بلکہ یہانتک لکھا ہے کہ غالباً یہی انگریز اس کے سامنے طوق ڈالکر حاضر کیے جاوینگے مگر ان باتوں کو چھوڑ کر بھی اس عقیدہ پر جو خطرناک ہونیکا الزام ہے وہ ایسے بیہودہ عذروں سے دُور نہیں ہو سکتا کہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ نہیں کہ ضرور مہدی اسی سلطنت کے زمانہ میں ظاہر ہوگا۔ دوسرا عذر مولوی صاحب نے یہ کیا ہے کہ مسلمانوں کے لیے اس کی مدد کرنا ضروری نہیں اگر یہ بات صحیح ہے تو اس کا آنا ہی لغو ہے۔ پھر اقتراب الساعۃ میں لکھا ہے کہ لوگ اس کے گرد اسطرح جمع ہونگے جسطرح یعسوب کے گرد مکھیاں۔ مولوی محمد حسین نے خود اس عقیدہ کے خطرناک ہونیکو تسلیم کیا ہے۔ سول میں جو مضمون مولویصاحب نے لکھا ہے اس میں یہ لکھا ہے کہ مہدی کا عقیدہ اسلیے خطرناک نہیں کہ فاضل مسلمان ایسے مہدی کا انتظار نہیں کرتے جو جنگ کریگا۔ اس سے بھی یہ تو پایا جاتا ہے کہ جو مسلمان جنگ کرنیوالے مہدی کا انتظار کرتے ہیں انکا عقیدہ خطرناک ہے۔ اور مولوی صاحب اس کے خطرناک ہونیکو تسلیم کرتے ہیں۔ اس سے پہلے ۱۸۹۰ء میں جب مولوی محمد حسین نے فہرست مضامین اشاعۃ السنہ انگریزی زبان میں چھپوائی تھی جسکی غرض یہ تھی کہ گورنمنٹ کے افسروں کو اپنی خدمات دکھائی جاویں تو اس فہرست کے سر پر عنوان مولوی صاحب نے یہ لکھا تھا "اشاعۃ السنہ کے ان مضامین کی فہرست جن میں گورنمنٹ کے خلاف بغاوت یا گورنمنٹ کا مقابلہ کرنیکی ممانعت ثابت کی گئی ہے اور جہاد کی اصل حقیقت کو دکھایا گیا ہے" اور پھر اسی فہرست میں ایک مضمون کا حوالہ ان الفاظ میں دیا "احادیث متعلقہ مہدی پر جرح اور وہ دلایل جن سے ان حدیثوں کا غلط ہونا ثابت ہوتا ہے" اب ہر ایک شخص آسانی سے اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ اس مضمون کو جس میں محمد حسین بٹالوی نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ اس میں ان حدیثوں کا غلط ہونا ثابت کیا گیا ہے جو مہدی کے متعلق ہیں۔ اس فہرست میں درج کرنیسے صاف منشار لکھنے والیکا یہ پایا جاتا ہے کہ وہ عام عقیدہ مہدی کو جو حدیثوں پر مبنی ہے گورنمنٹ کے خلاف بغاوت یا گورنمنٹ کے مقابلہ میں داخل سمجھتا ہے۔ مولوی صاحب خود ہی بتادیں کہ آیا جو عنوان فہرست کا تھا مضامین بھی اسی کے مطابق اس میں لکھے گئے تھے۔ یا کوئی ایسے مضامین بھی تھے جن کا تعلق عنوان سے کوئی نہ تھا۔ مولوی صاحبان کا اختیار ہے کہ حضرت مرزا صاحب کو جو چاہیں کہیں کیونکہ راستبازوں سے ہمیشہ دنیا کا یہی سلوک چلا آیا ہے لیکن اگر ایک بھی انصاف پسند ان میں موجود ہے تو اسے اپنے بھائیوں کو توجہ دلانی چاہیئے کہ یہ کیسا ظلم صریح ہے کہ حضرت مرزا صاحب کو

تو اسو جہ سے گالیاں دیجاتی ہیں کہ وہ خونی مہدی کے عقیدہ کو خطرناک کہتے ہیں لیکن ایک شخص کو باوجود اس صاف اقرار کے کہ مہدی کی آمد کا عام عقیدہ جس کی بنا حدیثوں پر ہے گورنمنٹ کی بغاوت یا گورنمنٹ کے مقابلہ کے برابر ہے کچھ بھی نہیں کہا جاتا اور اتنا بھی اس سے پوچھا نہیں جاتا کہ تم کس شیخی پر حضرت مرزا صاحب کے ان الفاظ کو کہ مہدی کا عقیدہ خطرناک ہے محل اعتراض ٹھہراتے ہو جب تم خود اسی عقیدہ کو ان مضامین کی فہرست میں درج کر چکے ہو جن کو تم نے گورنمنٹ کی بغاوت اور گورنمنٹ کے مقابلہ کے مضامین ٹھہرایا تھا۔

ہم اس بات سے انکار نہیں کرتے کہ مسلمانوں میں بعض نے مہدی کے آنیکا انکار کیا ہے مگر دو باتیں یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ اوّل یہ کہ ایسے منکرین کا اثر کبھی عامہ اہل اسلام پر نہیں ہوا۔ ۱۸۸۶ء میں خود مولوی محمد حسین نے ایسے منکرین کو چند مستثنیٰ اشخاص بتایا ہے اور وہ بھی اہل حدیث ہیں سے جن میں سے نام صرف ایک ہی کا بتایا ہے۔ اسکے علاوہ انہوں نے بعض فرقوں کا نام لیا ہے جو منکرین معجزات ہیں جیسے نیچری زمانہ حال میں یا جیسا کہ اب سول میں مولوی صاحب نے لکھا ہے معتزلہ اور جہمیہ فرقہ کے لوگ۔ مگر باوجود ان منکرین کے مولوی صاحب کو خود یہ اقرار کرنا پڑا ہے جو انکے مضمون ڈیفنس نواب صدیق حسن خاں میں ۱۸۸۶ء میں پایا جاتا ہے اور پھر تیرہ سال بعد جواب کشف الغطا میں موجود ہے کہ ہندوستان کے چھ کروڑ مسلمانوں کا عقیدہ مہدی کے متعلق وہی ہے جو نواب صدیق حسن خاں نے اپنی کتابوں حجج الکرامۃ اقتراب الساعۃ وغیرہ میں ظاہر کیا ہے یعنی یہ کہ مہدی موعود تلوار کے ذریعہ سے اسلام کو پھیلائیں گے اور جو کافر مسلمان ہونیسے انکار کریگا اُسکو تلوار سے کاٹ ڈالیں گے۔ پس پہلی بات جو ایسے منکرین مہدی کے متعلق یاد رکھنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ اس کا اثر عام طور پر کچھ بھی نہیں ہوا۔ اور نہ ہی اس سے اصل خطرناک عقیدہ میں کچھ تزلزل واقع ہوا ہے۔ مہدی کا انکار جہاں کہیں جن چند مستثنیٰ اشخاص میں پایا جاتا ہے صرف اسی حد تک رہا ہے کہ ایک شخص نے اپنی رائے کو ظاہر کر دیا مگر فرقہ احمدیہ نے جو خونی مہدی کا انکار کیا ہے تو محض رائے تک محدود نہیں رکھا بلکہ بڑے زور سے خونی مہدی کے آنیکے خیال کو باطل ثابت کیا ہے اور نہایت پُر زور کوششیں اسکو مسلمانوں کے دلوں سے دُور کرنیکی کی ہیں اور لاکھوں دلوں کو اس سے صاف کر دیا (حتیٰ کہ اس سلسلہ کے ایک سخت سے سخت مخالف کو بھی اس عقیدہ کا قایل کر دیا) اور بہت سی کتابیں عربی فارسی اردو انگریزی میں شایع کرکے اسے مختلف بلاد اسلامی میں شایع کیا۔ یہ ایک خصوصیت ہے جو خونی مہدی کے انکار میں سلسلہ احمدیہ کو حاصل ہے۔ دوسری بات جو یاد رکھنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے پہلے مہدی کا انکار کیا ہے وہ مطلق اس کے آنیسے منکر ہوے ہیں خواہ وہ ابن خلدون ہو یا جہمیہ یا معتزلہ یا نیچری فرقہ کے کوئی ممبر یا کوئی اس زمانہ کا چھپا ہوا الحدیث جسکو آجتک کھلے لفظوں میں انکار کرنیکی جرأت بھی نہیں ہوئی۔ اسطرح پر ان سب منکرین مہدی نے گویا اصل پیشگوئی کا ہی انکار کیا ہے مگر سلسلہ احمدیہ ان سب منکرین سے الگ کھڑا ہے وہ اصل پیشگوئی کو سچا ٹھہراتا ہے مگر صرف یہ

کہتا ہے کہ جو خیال عام طور پر مسلمانوں نے دلوں میں بٹھا لیا ہے کہ مہدی کے ہاتھ پر اسلام کا غلبہ تلوار کے ذریعہ سے ہوگا یہ خیال غلط ہے۔ مہدی ضرور آنیوالا ہے اور آ گیا ہے مگر جو غلبہ اس کے ہاتھ سے اسلام کو حاصل ہونیوالا ہے وہ حجج و براہین کے ذریعہ اور آسمانی نشانوں سے ہوگا نہ تلوار کے ذریعہ سے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی تعلیم دلوں پر اثر کرنیوالی ہے۔ جن لوگوں نے ایسے مہدی کا آنا مانا جو تلوار کے زور سے تمام روئے زمین پر غلبہ کریگا انہوں نے بھی غلطی کی اور جنہوں نے قطعاً اس پیشگوئی سے ہی انکار کر دیا انہوں نے بھی غلطی کی۔ اور ان غلطیوں کا ظاہر کرنیوالا سلسلہ احمدیہ کا مقدس بانی ہوا جس نے بیّن دلایل سے یہ ثابت کر دکھایا کہ جسطرح یہودیوں کو ایک مسیح کے آنیکا وعدہ دیا گیا تھا مگر تمنائے نفس سے انہوں نے اس مسیح کی آمد کے ساتھ ایسی باتوں کو ملا لیا کہ وہ تلوار لیکر آئیگا اور دنیا کی بادشاہت اسکو ملے گی۔ اور تلوار کے ذریعہ وہ یہودیوں کو دوسری قوموں پر غلبہ دیگا اور اسی لیے جب وہ آنیوالا مسیح صلح اور امن کا پیغام لیکر آیا تو اسے رد کیا گیا۔ اسی طرح خدائی وعدہ یہ تھا کہ اخیر زمانہ میں ایک مسیح اور مہدی آنیوالا ہے مگر اس کے ساتھ یہ باتیں لوگوں نے از خود ملا لیں کہ وہ مہدی اور مسیح تلوار پکڑ کر دنیا کی کُل قوموں سے جو مسلمان نہیں ہیں جنگ کریں گے اور جو دین اسلام میں داخل نہ ہوگا اسے مار ڈالیں گے اور زمین کو خون سے بھر دیں گے۔ پیشگوئیاں تو دونوں صحیح تھیں اور ہیں مگر جو غلط امیدیں لوگوں نے دلوں میں بٹھا رکھی ہیں وہ غلط ہیں اور وہی ان لوگوں کی راہ میں روک ہو گئی ہیں جنکو خدا کے مرسل کا پہچاننا نصیب نہیں ہوا۔ پس دوسری خصوصیت جو سلسلہ احمدیہ کو خونی مہدی کے انکار کے متعلق حاصل ہے وہ یہ ہے کہ اس نے دوسرے منکرین کی طرح یہ غلطی نہیں کھائی کہ اصل پیشگوئی کا ہی انکار کر دے بلکہ جو بات صحیح تھی اسے صحیح کر دکھایا اور جو غلط تھی اسے غلط کر دکھایا اور یہی عقیدہ سلسلہ احمدیہ کا آج مولوی محمد حسین نے لیکر سول میں پیش کر دیا ہے۔

ایک بات اور صرف مولوی صاحب کو کہنا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ دو رُخی کو تو انہوں نے آخر چھوڑ دیا مگر اب ناشکرگذاری کا پہلو لے لیا۔ اگر انہوں نے سلسلہ احمدیہ کے عقیدہ مہدی کو صحیح سمجھ کر اسے اختیار کیا تھا تو انہیں واجب تھا کہ اس سلسلہ کے شکر گذار رہوتے اور بانی سلسلہ کے مسلمانوں پر اس عظیم الشان احسان کا تذکرہ کرتے من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ۔ اور یہ مولوی صاحب نے بالکل جھوٹ کہا ہے کہ انکار مہدی سے کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جاتا۔ کیونکہ وہ خود ایک دفعہ اسی انکار کی وجہ سے کافر دجال ضال مضل قرار دیئے جا چکے ہیں اگر وہ پچھلی اشاعت کو کافی نہ سمجھتے ہوں تو ہم از سر نو یہ فتویٰ شایع کر سکتے ہیں۔ بقیہ الزامات کا جواب انشاء اللہ اگلی اشاعت میں دیا جاویگا۔
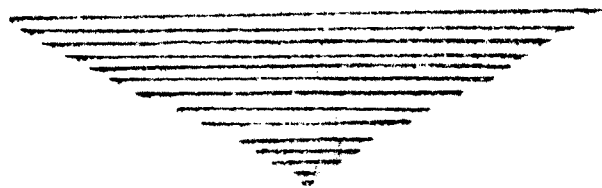
پیشگوئی متعلقہ ڈوئی پر کچھ اور رائیں

اخبار ڈنوِل گزٹ ۷ جون ۱۹۰۷ء کے پرچہ میں لکھتا ہے:-

ہندوستان میں ایک مسیح -

ہندوستان میں قادیان ضلع گورداسپور سے ایک رسالہ ہمارے گزٹ کے پتہ پر آیا ہے جسکا نام ہے ڈوئی کی موت میں خدائی فیصلہ کا اظہار یا ایک عظیم الشان پیشگوئی کا پورا ہونا۔ ہماری اشاعت ہندوستان میں بہت ہی کم ہے لہٰذا اس رسالہ کا ہمارے نام آنا ایک تعجب کی بات تھی مگر جب اس کے مضامین کو پڑھا گیا تو وہ تعجب اور بھی زیادہ ہو گیا۔ اس رسالہ کا مضمون رسالہ ریویو آف ریلیجنز اپریل کے پرچہ سے منقول ہے جو قادیان میں مذہب اسلام کی تائید میں شایع ہوتا ہے۔ اور مرزا غلام احمد صاحب کے جو مسیح موعود ہونیکا دعویٰ کرتے ہیں حالات اور تعلیم کو بیان کرتا ہے یہی وہ احمد ہے جو کہتا ہے کہ ۱۹۰۲ء میں جب ڈوئی نے اسلام پر ایک حملہ کیا اور اسکی تباہی کی پیشگوئی کی۔ تو انہوں نے یہ پیشگوئی شایع کی کہ شکاگو کا الیاس میری آنکھوں کے سامنے بڑے دکھ اور حسرتوں کے ساتھ ہلاک ہوگا۔ اسوقت ڈوئی دنیوی اقبال کے معراج پر تھا۔ کثیر دولت کا مالک تھا اور ہزاروں مرید اسکے ایسے معتقد تھے کہ اسکی ہر ایک بات کو تسلیم کرتے تھے اور وہ ایک تندرست اور توانا آدمی تھا جو احمد سے کئی سال عمر میں چھوٹا تھا اس لیے اگر احمد اور انکے پَیرو اس پیشگوئی کے جو چند ماہ ہوئے پوری ہو گئی نہایت صحت کے ساتھ پورا ہونے پر فخر کریں تو ان پر کوئی الزام نہیں۔

مگر احمد لوگوں کو یہی نہیں کہتا کہ ڈوئی کے متعلق جو میری پیشگوئی صحت کے ساتھ پوری ہوئی ہے اسی کی بنا پر مجھے قبول کرلو۔ انکا عجیب و غریب دعویٰ انکے اپنے الفاظ میں یہ ہے۔ "میں وہ سچا مسیح ہوں جو اخیری زمانہ میں آنیوالا تھا۔ یہ خدا نے مجھے فرمایا ہے۔ مَیں صرف اپنے دعوے سے ہی مسیح موعود نہیں بنتا۔ بلکہ خدائے تعالیٰ زمین اور آسمان کو میرے دعوے کی صداقت کے گواہ بنایا ہے۔ خدا کی گواہی ان سینکڑوں آسمانی نشانوں میں ظاہر ہوئی ہے جو خدائے تعالیٰ نے میری تائید میں دکھائے ہیں۔۔۔۔ ہزاروں دفعہ بلکہ مَیں گن بھی نہیں سکتا کہ کتنی دفعہ خدا نے میرے دعوے کی سچائی کو ظاہر کیا ہے۔"

ایسی شہادت کی کسیقدر تفصیل جس کا دعویٰ احمد نے کیا ہے بڑی دلچسپی سے پڑھی جائیگی۔ مگر اس رسالہ میں جو ہمارے پاس پہنچا ہے سوائے ڈوئی کی پیشگوئی کے پورا ہونیکے اور زلزلہ اور طاعون کے متعلق بعض اور عام پیشگوئیاں پورا ہونیکے اور کوئی ذکر نہیں ہے۔ یہ بھی اس رسالہ میں ذکر ہے کہ حال میں ہی احمد نے سخت زلزلوں کے آنیکی چند اور پیشگوئیاں کی ہیں مگر انکی ٹھیک ٹھیک جگہ نہیں بتلائی کہ وہ کہاں آئیں گے۔ اور خطرناک مصائب کا دنیا پر آنا بھی بتایا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اگر وہ

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

قریباً ۸۔ اگست ۱۹۰۷ء (۱) شرّفنا بکلامٍ منّا۔ ترجمہ۔ ہم نے اپنے کلام سے مشرف کیا۔ (۲) شرّفنا باکرامٍ منّا۔ ترجمہ۔ ہمنے اپنے اکرام سے مشرف کیا۔ (۳) سلامٌ۔ (۴) انّی مبشّرک۔ ترجمہ۔ مَیں بشارت دینے والا ہوں۔ (۵) اِنّ اللّٰہ معنا۔ ترجمہ۔ خدا ہماری ساتھ ہے (۶) انی مع اللّٰہ۔ ترجمہ۔ مَیں خدا کے ساتھ ہوں۔ ۱۳۔ اگست ۱۹۰۷ء (۱) عبرت بخش سزائیں دی گئیں۔ (۲) انی من الناظرین۔ ترجمہ۔ مَیں دیکھنے والوں میں سے ہوں۔ (۳) انی انزلت معک الجنۃ۔ ترجمہ۔ تیرے ساتھ بہشت کو اُتارا ہے۔ ۱۴۔ اگست ۱۹۰۷ء۔ آج ہماری گھر میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آئے۔ آگئے۔ عزّت اور سلامتی۔ ۱۷۔ اگست ۱۹۰۷ء۔ ۱۔ انّ خبر رسول اللّٰہ واقعٌ۔ ترجمہ۔ رسول اللہ نے جو خبر بتلائی تھی وہ واقع ہونے والی ہے۔ فرمایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی پیشگوئی کے ظہور کا وقت قریب آگیا ہے۔ ۱۸۔ اگست ۱۹۰۷ء۔ صبح نماز سے پہلے کشف میں دیکھا کہ "ایک بڑا ستارہ ٹوٹا ہے جو خوب زور سے چمکتا ہوا شمال مشرق کی جانب سے سیدھا سر تک آکر گم ہوگیا ہے"۔ فرمایا۔ آج ہی ہماری لڑکی نے بھی رؤیا میں دیکھا کہ آسمان پر ستارے ٹوٹتے ہیں اور دھواں ہو کر چلے جاتے ہیں ایک فرشتہ پاس کھڑا ہے جو کہتا ہے کہ یہ دشمن مرتے ہیں۔ فرمایا۔ یہ خواب شاید ہماری خواب کی تعبیر ہے۔ ہماری لڑکی کو خواب بہت آتے ہیں اور اکثر سچے ہوتے ہیں۔ ۱۹۔ اگست ۱۹۰۷ء۔ آید آں روزے کہ مستخلص شود۔ ۲۳۔ اگست ۱۹۰۷ء۔ (۱) اِنّ الّذین کفروا و صدّوا عن سبیل اللّٰہ سینالھم غضب من ربھم۔ ترجمہ۔ تحقیق وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور خدا تعالیٰ کے راہ سے روکا۔ انکو ان کے رب سے غضب پہنچیگا۔ (۲) یوم تأتی السماء بدخانٍ مبین۔ ترجمہ۔ جس دن آسمان کُھلے طور پر دھواں لائیگا۔ (۳) انّ خبر رسول اللّٰہ واقع۔ ترجمہ۔ اللہ کے رسول نے جو خبر دی تھی وہ واقع ہونیوالی ہے۔ (۴) لاتحزن اِنّ اللّٰہ معنا۔ ترجمہ۔ غم نہ کر تحقیق اللہ ہماری ساتھ ہے۔ (۵) اِنّ ربّی کریمٌ قریبٌ۔ ترجمہ۔ تحقیق میرا رب سخی ہے اور نزدیک ہے۔ (۶) انّہ فضل ربّی۔ انہ کان بی حفیا۔ ترجمہ۔ میرے رب نے فضل کیا وہ مجھ پر مہربان ہے۔ (۷) اِنّی معک یا ابراھیم۔ ترجمہ۔ مَیں تیرے ساتھ ہوں اے ابراہیم۔ (۸) لاتخف صدقتُ قولی۔ ترجمہ۔ تُو کچھ خوف نہ کر مَیں نے اپنی بات کو سچی کر دکھایا یعنی سچی کر کے دکھاؤنگا۔ ۲۷۔ اگست ۱۹۰۷ء۔ صاحبزادہ میاں مبارک احمد صاحب جو سخت تپ سے بیمار ہیں اور بعض دفعہ بیہوشی تک نوبت پہنچ جاتی ہے .... انکی نسبت آج الہام ہوا۔ قبول ہوگئی۔ نو دن کا بخار ٹوٹ گیا۔ یعنی یہ دعا قبول ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ میاں صاحب موصوف کو شفا دے۔ یہ پختہ طور پر یاد نہیں رہا کہ کس دن بخار شروع ہوا تھا لیکن خدا تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے میاں صاحب کی صحت کی بشارت دی اور نویں دن تپ کے ٹوٹ جانیکی خوشخبری پیش از وقت عطا کی ہے نویں دن کی تصریح نہیں کی اور نہ ہو سکتی ہے لیکن یہ معلوم ہوتا ہے کہ تپ کی شدید حالت جس دن سے شروع ہوئی وہ ابتدا مرض کا ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

تمام مریدوں کیلئے عام ہدایت

مجھے معلوم ہوا ہے کہ جناب ویسرائے گورنر جنرل ہند اس تجویز کو طاعون کے علاج کے لیے پسند فرماتے ہیں کہ جب کسی گاؤں یا شہر کی کسی محلہ میں طاعون پیدا ہو تو یہ بہترین علاج ہے کہ اس گاؤں یا اس شہر کے اس محلہ کے لوگ جن کا محلہ طاعون سے آلودہ ہے فی الفور بلا توقف اپنے اپنے مقام کو چھوڑ دیں اور باہر جنگل میں کسی ایسی زمین میں جو اس تاثیر سے پاک ہے رہائش اختیار کریں سو مَیں دلی یقین سے جانتا ہوں کہ یہ تجویز نہایت عمدہ ہے اور مجھے معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب کسی شہر میں وبا نازل ہو تو اُس شہر کے لوگوں کو چاہیئے کہ بلا توقف اس شہر کو چھوڑ دیں ورنہ وہ خدا تعالیٰ سے لڑائی کرنیوالے ٹھہریں گے۔ عذاب کی جگہ سے بھاگنا انسان کی عقلمندی میں داخل ہے کتب تاریخ میں لکھا ہے کہ جب خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ فتوحات ملک شام کے بعد اُس ملک کو دیکھنے کے لیے گئے تو کسیقدر مسافت طے کرنیکے بعد معلوم ہوا کہ اس ملک میں سخت طاعون کا زور ہے تب حضرت عمرؓ نے یہ بات سنتے ہی واپس جانیکا قصد کیا اور آگے جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا تب بعض لوگوں نے عرض کی کہ یا خلیفۃ اللہ کیوں آپ ارادہ کو ملتوی کرتے ہیں کیا آپ خدا کی تقدیر سے بھاگتے ہیں؟ تو اُنہوں نے فرمایا کہ ہاں مَیں ایک تقدیر سے بھاگ کر دوسری تقدیر کی طرف جاتا ہوں۔ سو انسان کو نہیں چاہیئے کہ دانستہ ہلاکت کی راہ اختیار کرے۔

خوب یاد رکھو کہ جو کچھ یہ گورنمنٹ عالیہ کر رہی ہے اپنی رعایا کی بہبودی کے لیے کر رہی ہے اور رعایا کی جان کی حفاظت کے لیے ابتک کئی لاکھ روپیہ ضایع ہو چکا ہے۔ اس شخص جیسا کوئی نادان نہیں کہ جو گورنمنٹ کے ان کاموں کو بدظنی سے دیکھتا ہے۔ سو اے میری جماعت! تم اطاعت کرنے میں سب سے پہلے اپنا نمونہ دکھلاؤ اسی میں تمہاری بہتری ہے تم اب خدا کے فضل سے چار لاکھ کے قریب ہو اور تمہارا نمونہ بہتوں کی جان کو بچائیگا۔ مَیں تمہیں حکم کرتا ہوں کہ اگر تمہارے کسی شہر میں خدانخواستہ یہ وبا ظاہر ہو جائے تو سب سے پہلے تم اس زمین کو چھوڑ دو جو طاعون سے آلودہ ہے ہاں مَیں اسیقدر پر کفایت نہیں کرونگا کہ تم اُس زمین کو چھوڑ دو بلکہ اے خدا کے بندو! مَیں ابھی سے بھی تمہیں اطلاع دیتا ہوں

کہ یہ طاعون خود بخود اس ملک میں نہیں آئی بلکہ اُس خدا کے ارادہ اور حکم سے آئی ہے جس کے حکم کے ماتحت ذرّہ ذرّہ زمین اور آسمان کا ہے۔ اور مجھے معلوم کرایا گیا ہے کہ کثرت گناہوں کی وجہ سے وہ تمہارا خدا اہل زمین پر ناراض ہے سو تم توبہ اور استغفار کو لازم حال رکھو اور جیسا کہ تم اس زمین کو چھوڑو گے جو طاعون سے آلودہ ہے ایسا ہی تم اُن خیالات کو بھی چھوڑ دو جو گناہوں سے آلودہ ہیں۔ اے میری جماعت میں ہمیشہ تم میں نہیں رہونگا یہ میرے کلمات یاد رکھو کہ کوئی حادثہ زمین پر ظاہر نہیں ہوتا جبتک آسمان پر پہلے قرار نہ پالے۔ سو وہ خدا جو آسمان اور زمین کا خدا ہے اس سے ڈرو اور ایک سچی تبدیلی پیدا کرلو تا تم عذاب سے بچائے جاؤ اور یاد رکھو کہ یہ طریق شوخی اور شرارت کا طریق ہے کہ جس گورنمنٹ کے ماتحت تم امن سے زندگی بسر کر رہے ہو اور اسکی عنایات کو آزما چکے ہو تم اسپر بدگمانی کر دیا اسکے حکم کے مطابق نہ چلو اور تمہاری یہ بدقسمتی ہوگی کہ اسکے ان احکام سے جو سراسر تمہاری بھلائی کے لیے ہیں مُنہ پھیر لو۔ مَیں وہی بات کرتا ہوں جو تمہاری بھلائی کے لیے ہی مجھے ضرورت نہیں کہ مَیں گورنمنٹ کی خوشامد کروں کیونکہ ایک ہی آقا ہے جسکا مَیں نے دامن پکڑا ہے وہی جو زمین و آسمان کا بادشاہ ہے۔ اور مَیں امید رکھتا ہوں کہ اُسوقت تک کہ مَیں مروں کسی دوسرے کا محتاج نہیں ہونگا مگر اس بات کو کیونکر چھپایا جائے کہ درحقیقت یہ گورنمنٹ ہمارے لیے ایک محسن گورنمنٹ ہے اور بجز اس کے کہ ہم اس گورنمنٹ کے سایہ میں امن سے زندگی بسر کریں۔ ہمارے لیے ایک بالشت بھی ایسی زمین نہیں جو ہمیں پناہ دے سکے سو جس خدا نے ہمارے آرام اور امن کیلیے اس گورنمنٹ کو منتخب کیا ہے اسکے ہم ناشکر گذار ہوں گے اگر اس گورنمنٹ کا شکر نہ کریں۔ اور اگر مَیں اس رائے میں غلطی کرتا ہوں تو مجھے بتاؤ کہ اگر ہم اس گورنمنٹ کے ملک سے علیحدہ ہو جائیں تو ہمارا ٹھکانا کہاں ہے۔ تم سُن چکے ہو کہ ہمارے مخالف مولوی جنکے ہم زبان اس ملک میں اور دوسرے ملکوں میں کروڑ ہا انسان ہیں صد ہا رسالوں اور اشتہاروں اور اخباروں میں ہماری نسبت کفر کے فتوے شایع کر چکے ہیں اور نیز واجب القتل ہونیکی نسبت فتوے دے چکے ہیں بلکہ گذشتہ دنوں میں مولوی ابوسعید محمد حسین بٹالوی جو موحدین کا ایڈووکیٹ کہلاتا ہے اور ایک اور صاحب سید محمد نام بھی فتویٰ ہمارے واجب القتل ہونیکے اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ میں شایع کر چکے ہیں۔ اب بتلاؤ کہ اس گورنمنٹ کے سوا تمہارا گذارہ کہاں ہے اور کونسی اسلامی سلطنت تمہیں پناہ دے سکتی ہے سو تم ہوشیار ہو جاؤ اور سچے دل سے اس گورنمنٹ کی اطاعت کرو اور کسی صلہ کی بھی خواہش نہ کرو کیونکہ یہ صلہ تھوڑا نہیں ہے کہ تمہاری عزت اور جان کا محافظ خدا تعالیٰ نے اسی گورنمنٹ کو ٹھہرایا ہے۔

یہاں اپنی جماعت کی اطلاع کے لیے اسقدر اور بڑھا دینا بھی ضروری ہے کہ گورنمنٹ نے بڑی مہربانی سے یہ ارادہ کیا ہے کہ جو لوگ ان تجاویز پر عمل کریں انکو ہر طرح سے مدد دے اور انکی سہولت کے لیے انتظام کرے۔ اسلیے ہم یہ بھی امید کرتے ہیں کہ ایسے اضلاع میں جیسے مثلاً سہ حدی اضلاع میں جہاں باہر میدانوں میں نکلنے میں جانوں کا خطرہ ہے اور خصوصاً احمدیوں کو جنپر مولوی لوگ قتل کے فتوے دے چکے ہیں گورنمنٹ اس انتظام کے علاوہ جو دوسری جگہ اس نے مالوں کی حفاظت کیلیے کرنیکا ارادہ کیا ہے ایسی مقامات پر لوگوں کی جانوں کی حفاظت کا بھی انتظام کریگی۔ پس جو لوگ باہر نکلیں انہیں چاہیئے کہ گورنمنٹ میں ایسی درخواست کریں کہ گورنمنٹ انکی جانوں اور مالوں کی محافظت کا کافی انتظام کرے۔ والدعا

چند ضرورتیں

(۱) احمدیہ انجمنیں۔ یہ نہایت ضروری ہے کہ ہر ایک مقام پر احمدیہ انجمنیں بنائی جاویں اس کے لیے قواعد طبع کر کے بعض مقامات پر بھیجدیئے گئے ہیں جن احباب کو نہ پہنچے ہوں وہ طلب کریں۔ اور بہت جلد انجمنیں بنا کر فہرستیں افراد سلسلہ احمدیہ کی تیار کیجاویں۔ اور انکی اطلاع دفتر صدر انجمن احمدیہ قادیان میں بھیجی جاوے۔ (۲) **زکوٰۃ**۔ مد زکوٰۃ سے چند وظایف بعض طلبائے مدرسہ اور بعض طلبائے دینیات اور بعض دیگر غربا کو دیئے جاتے تھے۔ مگر تین چار ماہ سے یہ مد مقروض ہو رہی ہے اور ضروری اخراجات رکے پڑے ہیں۔ صاحب نصاب احباب توجہ فرماویں۔ (۳) **واعظین**۔ کی ضرورت ہے کہ وہ جہاں جہاں احمدی احباب ہوں دورہ کر کے باقاعدہ انجمنیں بنا دیں اور ان سے چندوں کی وصولی کا انتظام ماتحت قواعد شایع شدہ کریں۔ چونکہ ایسے واعظین کی جو دورہ کر کے احمدی احباب کو اس سلسلہ کے مقاصد اور اغراض سے اور اسلام کی پاک تعلیم سے وقتاً فوقتاً آگاہ کرتے رہیں مستقل ضرورت ہے اس لیے مدرسہ میں ایک شاخ دینیات بھی کھولی گئی ہے جسکی اصل غرض ایسے واعظین کا پیدا کرنا ہے۔ علاوہ دینیات کے اس شاخ میں طب پڑھائی جاتی ہے۔ اور فن کتابت بھی سکھایا جاتا ہے۔ چند ایسے طلبا بھی لیے جاسکتے ہیں جن کی تعلیم کی تکفل ہر طرح سے انجمن ہوگی مگر انکو یہ معاہدہ دینا ہوگا کہ وہ حسب منشائے انجمن تعلیم کی تکمیل کریں گے اور درمیان میں اس تعلیم کو نہ چھوڑینگے۔ اور بعد تکمیل تعلیم کم از کم پانچ سال کیلیے حسب منشائے انجمن کام کرینگے۔ اسکے متعلق جو احباب چاہیں ۱۵۔ اکتوبر ۱۹۰۷ء سے پہلے پہلے انکی درخواستیں دفتر ہذا میں پہنچ جانی چاہیئے۔

(**الملتمس**۔ خاکسار محمد علی سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان۔)

نقشہ اجرت اشتہارات در رسالہ ریویو آف ریلیجنز انگریزی و اردو

	پورا صفحہ		نصف صفحہ		چوتھائی صفحہ		فی سطر اردو ۲/ انگریزی ۸/
	انگریزی	اردو	انگریزی	اردو	انگریزی	اردو	
سالانہ	للعـہ	صـہ	ءعـہ	سـہ	ءعـہ	عـسہ	
ششماہی	ءعـہ	سـہ	ءعـہ	عـہ	عـہ	ءعـہ	
سہ ماہی	ءعـہ	عـہ	عـہ	ھعـہ	۸ـعہ	ـسہ	
ایک دفعہ	۸ـعہ	ـسہ	صہ ر	صہ ر	سے ر	ـسے ر	

تمام درخواستیں بنام نائب ناظم میگزین۔ قادیان ضلع گورداسپور آنی چاہئیں۔

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ÷ لو تمھیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد (۶) بابت ماہ اکتوبر ۱۹۰۷ء نمبر (۱۰)

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰- اکتوبر ۱۹۰۷ء کو مینجر میگزین کے اہتمام سے شائع ہوا- چندہ سالانہ عہ

مندرجہ ذیل کتابیں دفتر میگزین قادیان ضلع گورداسپور سے بذریعہ قیمت طلب بیلٹ مل سکتی ہیں انکا مطالعہ مذہبی تحقیقات اور تاریخی معلومات اور مخالفین کے اعتراضات کی تردید کے لیے نہایت ضروری ہے مشرح فہرست ۲ر کا ٹکٹ بھیجنے پر ارسال خدمت ہو گی

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
انوارالله اردو	۸ر	قاعدہ عربی اردو	ار	تذکرۃ الشہادتین اردو	۵ر	شہادۃ القرآن اردو	۴ر
اجرومیہ عربی	۰ر	قرآن شریف مترجم مع تفسیر حسینی	۵عہ	〃 فارسی	۴ر	صیبان القرآن 〃	۳ر
الذکر یعنی ترجمہ نماز و اسمائے الٰہیہ	۲ر	مسک العارف اردو	۱۰ر	تحفہ قیصریہ اردو	۲ر	کشف الغطا 〃	۲ر
پارہ الٓمٓ عربی	۲ر	نشان آسمانی 〃	۲ر	تحفۃ الندوہ 〃	۰ر	لغات القرآن حصہ اوّل	عہ
پنج ارکان اسلام - اردو	ار	واقعات صحیحہ 〃	۲ر	تقریریں 〃	۲ر	〃 حصہ دوم	۸عہ
تفسیر جلالین عربی	۸عہ	یسرنا القرآن حصہ اوّل	ار	تقریروں کا مجموعہ 〃	ار	لیکچر سیالکوٹ اردو	۱۰ر
تفسیر فوز الکبیر عربی فارسی	۲ر	〃 〃 دوم	ار	سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب 〃	۲ر	〃 لاہور معہ تسو 〃	۴ر
تقریر جلسہ اہنپ جیبی تقطیع اردو	۲ر	〃 〃 سوم	ار	جنگ مقدس عیسائیوں سے مباحثہ 〃	۶ر	مشکوٰۃ الانوار عربی	۴ر
جام شہادت - اردو	۰ر	ہدیہ ثاقب اردو	۲ر	حمامۃ البشریٰ عربی	۸ر	مواہب الرحمٰن 〃	۴ر
حمائل مترجم - فارسی	عہ	الہدیٰ عربی	۶ر	حجۃ الاسلام اردو	ار	مبادی الصرف	۱۰ر
رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب اردو	۸ر	الحق لودیانہ اردو	۶ر	خطوط شیعہ کا جواب 〃	۲ر	نسیم دعوت - اردو	۳ر
سلسلہ دینیہ - اردو	ـر	〃 دہلی 〃	۸ر	خطبہ الہامیہ عربی ترجمہ فارسی اردو	عہ	نورالدین حصہ اوّل 〃	۲ر
سلاسل القرأۃ عربی نمبر۱	۴ر	اعجاز احمدی - عربی	۳ر	خلافت راشدہ حصہ اوّل اردو	۸ر	〃 〃 دوم 〃	۴ر
〃 نمبر۲	۸ر	احسن الکلام اردو	ـر	〃 〃 دوم 〃	۴ر	ہدیہ سعدیہ عربی	۲ر
〃 نمبر۳	۱۲ر	ابطال الوہیت مسیح 〃	ار	خزینۃ المعارف حصہ اول دوم	۴ر	فصل حق - اردو	ار
〃 نمبر۴	۱۳ر	آیات الرحمٰن 〃	۸ر	〃 〃 سوم چہارم	۸ر	سیرۃ المسیح - 〃	۸ر
آریہ دھرم - اردو	۴ر	دعوت الحق 〃	۵ر	اعلام الناس حصہ دوم	۴ر	آسمانی فیصلہ 〃	۲ر
دینیات کا پہلا رسالہ 〃	ار	شرح ترمذی - نمبر۱ نمبر۲	۸عہ ۸عہ	دعوت دہلی اردو	۱۰ر	دافع البلاء 〃	ار
طریق النجات نمبر۱	۸ر	احمدی کا من نظم پنجابی	ار	دعوت الندوہ 〃	۱۰ر	غنیۃ الطالب - عربی	عہ
〃 〃 نمبر۲	۷ر	براہین احمدیہ حصہ اول	۵ر	راز حقیقت 〃	ار	شفاء السقام 〃	عہ
〃 〃 نمبر۳	۸ر	〃 〃 دوم	۴ر	سرمہ چشم آریہ 〃	۱۲ر	نوٹ - ان قیمتوں میں	
〃 〃 نمبر۴	۱۵ر	〃 〃 سوم	۱۰ر	ست بچن 〃	۱۰ر	محصولڈاک شامل نہیں۔	
غسل مصفےٰ - اردو	۸عا	〃 چہارم مکمل براہین	عگا سے۳				

نوٹ۔ تمام خط و کتابت ان کتابوں کے متعلق دفتر میگزین قادیان سے ہونی چاہیے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

حفاظت قرآن کریم

۸- ناسخ ومنسوخ کی بحث

متاخرین میں سے کثیر گروہ علماء کا خصوصاً مفسرین قرآن اس بات کے قایل ہوئی ہیں کہ قرآن شریف میں منسوخ آیتیں موجود ہیں اس لیے جہانتک اس بحث کا تعلق قرآن کریم کی حفاظت کے مسئلہ سے ہے مَیں اسپر دو الگ الگ پہلوؤں سے بحث کروں گا یعنی اوّل ان لوگوں کے خیال کے مطابق جنہوں نے قرآن شریف میں ناسخ ومنسوخ کو مانا ہے۔ اور دوم ان کے خیال کے مطابق جو اس کتاب پاک میں ناسخ ومنسوخ کا انکار کرتے ہیں۔ اس سے میری غرض یہ ہے کہ اگر قرآن شریف میں ناسخ ومنسوخ کا ہونا تسلیم بھی کیا جائے تو اس سے حفاظت قرآن کریم پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ اسطرح پر ناسخ منسوخ کی بحث کا تعلق حفاظت قرآن کریم کے مضمون سے کچھ نہیں رہتا۔ مگر چونکہ معترضین اس بحث کو اسی مضمون میں لاتے ہیں اس لیے میں نے بھی مناسب سمجھا ہے کہ اس کا فیصلہ اسی جگہ میں کیا جاوے۔ مگر اس بحث میں داخل ہونیسے پہلے میں اس بات کو پھر کھولکر بیان کرتا ہوں کہ ناسخ منسوخ کی بحث بجائے خود ایک مستقل بحث ہے۔ اور یہ خیال کرنا کہ قرآن کریم کے اندر ناسخ ومنسوخ کے ہونیسے اس لیے انکار کیا جاتا ہے کہ اس کو ماننے سے حفاظت قرآن کریم پر کوئی زد پڑتی ہے محض حماقت ہے، سب سے پہلے مَیں اسی بات کو ثابت کروں گا کہ قرآن کریم میں ناسخ ومنسوخ کے تسلیم کرنیسے حفاظت قرآن کریم پر قطعاً کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔

سب سے اوّل یہی امر قابل غور ہے کہ باوجودیکہ اکثر علمائے اسلام نے قرآن کریم کے اندر ناسخ ومنسوخ کے ہونیکو تسلیم کیا ہے۔ مگر ان میں سے کبھی کسی نے یہ خیال نہیں کیا کہ اس کے تسلیم کرنے سے حفاظت قرآن کریم پر کوئی اعتراض وارد ہوتا ہے وہی مفسرین جو بہت سی آیات قرآنی پر

ناسخ و منسوخ کی قلم چلاتے ہیں حفاظت قرآن کریم کو پُرزور دلایل کے ساتھ ثابت کرتے ہیں۔ اور جب ہم غور سے دیکھتے ہیں تو ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں پاتے۔ قرآن کریم میں ناسخ و منسوخ کے قایل یہ کہتے ہیں کہ بعض تغیرات آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم نے اپنی زندگی میں کیے نہ یہ کہ آپ کی وفات کے بعد کوئی تغیر وقوع میں آیا۔ اگر مسئلۂ نسخ کے قایل یہ دعویٰ کرتے کہ صحابہؓ نے اپنی مرضی سے کسی آیت کو ناسخ اور کسی کو منسوخ قرار دیا اور کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہ فرمایا تھا تو پھر وہ حفاظت قرآن کے قایل نہ رہ سکتے تھے مگر انکا ادعا محض اسقدر ہے کہ جن آیات کو وہ لفظاً یا معناً منسوخ کہتے ہیں انکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی منسوخ قرار دیا تھا۔ اور وہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں جسکے تسلیم سے کسی عقلمند کو چارہ نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی قرآن کریم کو ترتیب دیا اور اس کو صحابہؓ کے حافظوں میں جمع کر دیا۔ اور اسی جمع کو پھر تحریر میں خلیفۂ اول حضرت ابوبکرؓ لائے۔ اور یہی دعویٰ ہمارا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قرآن صحابہؓ کو سکھایا تھا اور جس سورۃ یا آیت یا لفظ یا حرف کو جزو قرآن کریم قرار دیا تھا وہ اسی طرح ہم تک پہنچا ہے۔ اور اس میں کچھ فرق نہیں آیا۔ مگر بعض وقت معترضین یہ کہتے ہیں کہ جس صورت میں قرآن شریف کی بعض آیات بعض سے منسوخ بھی ہو جایا کرتی تھیں۔ تو ممکن ہے کہ کوئی آیت جو دراصل منسوخ التلاوۃ ہو غلطی سے حضرت زیدؓ نے اسکو صحیفہ کے اندر لکھدیا ہو۔ یا کوئی آیت دراصل منسوخ التلاوۃ نہ ہو مگر حضرت زیدؓ نے اس خیال سے کہ وہ منسوخ ہو چکی ہے اسے چھوڑ دیا ہو۔ نسخ کے قایل اسکا یہ جواب دیں گے کہ دراصل یہ اعتراض ایک غلط خیال پر مبنی ہے۔ کسی آیت کا ناسخ ہونا یا کسی کا منسوخ ہونا ایسے امور نہ تھے کہ جس صحابی نے جس آیت کو چاہا ناسخ کہدیا اور جس کو چاہا منسوخ کہدیا بلکہ جیسا کہ کوئی آیت وحی الٰہی یعنی قرآن کریم کا جزو بغیر اس کے نہ سمجھی جاسکتی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنی زبان مبارک سے فرمائیں ایسا ہی یہ ممکن نہ تھا کہ صحابہؓ بغیر اسکے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود فرمائیں کسی آیت کو ناسخ اور کسی کو منسوخ مان لیں۔ علاوہ ازیں جمع قرآن تنہا حضرت زید رضی اللہ عنہ کا کام نہ تھا کہ کسی آیت کو غلطی سے منسوخ التلاوۃ سمجھکر انہوں نے چھوڑ دیا ہو اور کسی فرضی منسوخ التلاوۃ آیت کو غلطی سے قرآن شریف میں داخل کر دیا ہو بلکہ جمع قرآن میں سارے صحابہؓ انکے ساتھ شامل تھے۔ اسلیے ایسی خیالی غلطی کا امکان بھی نہ تھا۔ یہ اعتراض درحقیقت صرف ایک وہم پر مبنی ہے کہ شاید ایسا ہوا ہو یا ایسا ہوا ہو۔ ایسے وہم کا جواب صرف اسیقدر کافی ہے کہ ایسا نہیں ہوا کیونکہ معترض کو تو یہ دکھانا چاہیئے کہ درحقیقت فلاں فلاں حدیث سے یہ معلوم

ہوتا ہے کہ فلاں منسوخ آیت قرآن کریم میں داخل ہوگئی اور فلاں آیت غلطی سے منسوخ سمجھی جا کر داخل ہونے سے رہ گئی۔ علاوہ ازیں ہم قطعی اور کھلا کھلا ثبوت اس امر کا پیش کر چکے ہیں کہ بین الدفتین بغیر تغیر تبدل یا کمی بیشی ایک حرف کے وہی قرآن کریم موجود ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کو سکھایا اور لکھایا تھا۔ ایسے قطعی ثبوت کے سامنے ایسے توہمات پیش کرنا سراسر حماقت ہے۔

اس بیان سے معلوم ہو گا کہ قرآن شریف میں ناسخ و منسوخ کو تسلیم کر کے بھی قرآن شریف کی حفاظت پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد اب ہم ناسخ اور منسوخ کی اصل بحث کی طرف آتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ آیا درحقیقت ہمارے سامنے کوئی ایسی یقینی شہادت موجود ہے جس کی بنا پر ہم وحی الٰہی کے کسی حصہ یا کسی آیت کو منسوخ اور کسی دوسرے کو ناسخ کہہ سکیں۔ اس بحث کا فیصلہ ہم صرف ان دلایل پر کریں گے جو قائلین نسخ کے دعوٰی کی تائید یا تردید میں حدیث یا قرآن کریم سے ہمیں مل سکتے ہیں۔ منسوخ کی تین قسمیں مانی جاتی ہیں۔ اول وہ آیات جن کا حکم منسوخ ہو چکا ہے مگر تلاوت منسوخ نہیں ہوئی اور وہ قرآن شریف میں موجود ہیں۔ دوم وہ آیات جن کا حکم اور تلاوت دونوں منسوخ بیان کیے جاتے ہیں۔ سوم وہ آیات جن کا حکم منسوخ نہیں ہوا مگر تلاوت منسوخ ہو چکی ہے۔ ان میں سے قسم ثانی کی آیات یعنی وہ جنکو منسوخ التلاوۃ اور منسوخ الحکم کہا جاتا ہے چنداں ہماری راہ میں نہیں۔ اگر کوئی اس قسم کی آیات تھیں تو یہ امر مسلّم ہے کہ وہ قرآن شریف میں نہیں پائی جاتیں اور نہ ہی ان کے احکام قابل تعمیل ہیں۔ بجز ایک استثناء کے کسی حدیث میں ایسی کسی آیت کا پتہ نہیں ملتا۔ اور اس حدیث کے معنوں میں بھی غلط فہمی ہوئی ہے جس کا ذکر میں آگے چلکر کرونگا۔ تیسری قسم کی آیات جن کا حکم باقی اور جن کی تلاوت منسوخ مانی جاتی ہے۔ ان کے متعلق میں کسی دوسری جگہ یہ ثابت کرونگا کہ ایسا ہونا ممکن نہ تھا۔ یہاں صرف یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اگر کوئی اس قسم کی آیتیں فی الواقع ہوتیں تو صحابہؓ انکی حفاظت اسی طرح کرتے جسطرح وہ قرآن کریم کی آیتوں کی کرتے تھے کیونکہ ان کے احکام کی پیروی ایسی ہی ضروری تھی جیسے قرآن شریف کی۔ پس کوئی وجہ نہ تھی کہ انکی حفاظت نہ کی جاتی یا کوئی ان میں سے ضایع ہو جاتی مگر جب حدیث کو دیکھا جاتا ہے تو ایسے کسی فقرہ کا نام و نشان بھی نہیں ملتا۔ اسطرح سے زیادہ قابل غور اور قابل بحث صرف وہ فقرات یا آیتیں رہ جاتی ہیں جن کو منسوخ الحکم اور ثابت التلاوۃ مانا جاتا ہے جس سے مراد قرآن کریم کی بعض آیات ہیں جن کے احکام کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ اب قابل تعمیل نہیں ہے۔ زیادہ ضروری حصہ ہماری بحث کا انہی آیات کے متعلق ہوگا۔ مندرجہ ذیل وجوہات سے

ہر قسم کے ناسخ و منسوخ اور خصوصاً اس آخری قسم کی ناسخ و منسوخ آیات کی حقیقت پر روشنی پڑتی ہے۔

اس بحث میں سب سے پہلے جو سوال ہمارے سامنے پیش ہوتا ہے اور جس کا جواب ایک محقق طبیعت کے لیے ان تمام مشکلات کو حل کر دینے والا ہے جو اس مسئلہ کی بحث میں پیش آتی ہیں وہ یہ ہے کہ آیا جب بعض آیات یا فقروں کو منسوخ کہا جاتا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سند پر ایسا کہا جاتا ہے یا کسی اور شخص کے خیال کے تتبع میں؟ قرآن کریم کا ہر ایک لفظ ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ سے سُنکر اسے محفوظ کیا اور آپ کے ارشاد کے مطابق ایک ایک لفظ ضبط تحریر میں لایا گیا ایک لفظ یا ایک حرف بھی قرآن کریم کا جزو نہیں سمجھا جا سکتا جب تک کہ یہ ثابت نہ ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ لفظ یا وہ حرف اسی طرح صحابہؓ کو سکھایا اور اسی طرح ان کو لکھوایا۔ پس جب کسی آیت یا حکم کو قرآن کریم میں داخل نہیں سمجھا جا سکتا اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا قرآن کریم میں داخل ہونا بیان نہ فرمایا ہو۔ تو کسی آیت یا حکم کو جو پہلے قرآن کریم میں بنایا گیا تھا اس کتاب پاک سے باہر یا منسوخ نہیں سمجھا جا سکتا جبتک کہ یہ ثابت نہ ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اسے خارج یا منسوخ کیا۔ اور اگر ایسا ثبوت موجود نہ ہو تو یہ نتیجہ قطعی ہوگا کہ کسی آیت یا حکم کو منسوخ نہیں کہا جا سکتا۔ جیسا کہ کسی لفظ کو ہم قرآن کریم کا جزو نہیں کہہ سکتے جب تک کہ یہ ثابت نہ ہو کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے اسی طرح کسی لفظ کو منسوخ بھی نہیں کہا جا سکتا جبتک کہ یہ ثابت نہ ہو کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے منسوخ قرار دیا تھا۔ جسطرح کوئی انسان خواہ وہ کوئی صحابی ہو یا کوئی اور ایک لفظ کو بھی قرآن کریم کے اندر داخل نہ کر سکتا تھا۔ اسی طرح کسی کو یہ حق بھی نہ پہنچتا تھا کہ بغیر اس کے کہ وحی الٰہی نے بتایا ہو کسی لفظ یا آیت یا حکم کو منسوخ کہہ سکے۔

دوسرا سوال جس سے ناسخ و منسوخ کی بحث پر روشنی پڑتی ہے یہ ہے کہ جن آیات قرآنی کو منسوخ کہا جاتا ہے آیا ان کی تعیین ہم اسی طرح یقین و وثوق کے ساتھ کر سکتے ہیں جسطرح یقین کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ یہ سورتیں یا آیات قرآن کریم کا حصہ ہیں یا منسوخ نہیں۔ بلا تحقیق کسی بات کو ایک دوسری کی پیروی میں مانتے چلے آنا تو دوسری بات ہے مگر ایک محقق اس امر پر غور کرنے سے ایک کھلے کھلے نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ جب ساری اسلامی دنیا کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فلاں فلاں آیات یا احکام قرآن کریم میں داخل ہیں اور قابل عمل ہیں تو اگر فی الواقع کوئی آیت یا حکم منسوخ ہو جاتا تو اس کے متعلق بھی ویسا ہی اتفاق ہونا چاہیئے تھا۔ اگر تمام صحابہؓ نے بالاتفاق یہ شہادت دی ہو کہ ایک آیت قرآن کریم میں داخل ہے اور

اسی اتفاق کے ساتھ یہ بیان نہ کیا ہو کہ اس کا حکم منسوخ ہے تو محض ایک یا دو صحابیوں کے کہنے پر ہم اسے منسوخ نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ جسطرح تمام صحابہؓ کے اتفاق سے قرآن کریم کا مجموعہ تیار ہوا اسی طرح کے اتفاق سے منسوخ التلاوۃ یا منسوخ الحکم آیات کا مجموعہ بھی تیار ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ جسطرح کی شہادت سے ہم کسی آیت کو قرآن کریم میں داخل سمجھ سکتے ہیں اسی قسم کی شہادت اس کی تلاوت یا حکم کے منسوخ کرنیکے لیئے بھی بکار ہے۔ پس دوسرا امر جس سے منسوخ آیات کا وجود یا عدم ثابت ہو سکتا ہے یہ ہے کہ کیا نسخ کی شہادت صحابہؓ کے اتفاق سے ملتی ہے یا نہیں۔ اگر کسی آیت کے نسخ پر صحابہؓ کا اتفاق ہوگیا ہے تو ہمیں ماننا پڑیگا کہ وہ آیت واقعی منسوخ تھی اور اگر ایسا اتفاق نہیں پایا جاتا تو ہم اسے منسوخ نہیں مان سکتے۔ اسجگہ ایک شبہ کا دور کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ یہ کہا جائیگا کہ ایک ایک آیت قرآن کریم کی الگ الگ کر کے کہاں سب صحابہؓ نے اس کی روایت کی ہے کہ ہم نسخ کے لیے ایسی روایتوں کو ضروری سمجھیں بلکہ جسطرح مثلاً زید نے ایک قرآن شریف اکٹھا کیا اور اسی کو سب نے قبول کر لیا اسی طرح اگر کسی صحابی نے کسی آیت کا منسوخ ہونا بیان کیا ہے تو یہی سمجھ لیا جائیگا کہ سب صحابہ اسے منسوخ ہی کہتے تھے پس اس سے بڑھکر اور کسی شہادت کی ہمیں ضرورت نہیں۔ یہ ایک دھوکہ ہے۔ قرآن شریف کے متعلق تو یہ قطعی اور یقینی ثبوت متواتر احادیث سے ہمیں ملتا ہے کہ جب کوئی آیت نازل ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسے یاد بھی کرا دیتے اور لکھوا بھی دیتے تھے۔ اسطرح پر بہت سے صحابہؓ نے اکثر حصہ قرآن شریف کا اور بعض نے کُل قرآن شریف کو حفظ کر لیا۔ پھر جب حضرت زید نے سارے صحابہؓ کے مشورہ سے تحریر میں قرآن شریف کو جمع کیا تو اس قرآن شریف کو سب نے قبول کیا۔ پس انہوں نے نہ صرف اس کے جمع کرنے میں مدد دی بلکہ پھر اسی مجموعہ کو انہوں نے صحیح مجموعہ تسلیم کر کے یہ شہادت دیدی کہ یہی قرآن شریف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے انکو سکھایا تھا اور اسطرح سے انکا اجماع اسی قرآن پر ہوگیا اور تمام صحابہؓ کی متفقہ شہادت سے یہ معلوم ہوگیا کہ اس قرآن شریف کا ایک ایک لفظ وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو سکھایا تھا کہ یہ وحی الٰہی ہے۔ پس جب ہم نسخ کے متعلق متفقہ شہادت صحابہ رضی اللہ عنہم کی مانگتے ہیں تو اس سے یہ مراد نہیں کہ ہر ایک صحابی نے الگ الگ روایت کی ہو کہ فلاں آیت منسوخ ہے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ اسی قسم کی شہادت اور اجماع صحابہؓ کا منسوخ آیتوں کے متعلق ہونا چاہیئے جسطرح قرآن کریم کے متعلق ہے پس اگر خالی اسیقدر روایت ہو کہ فلاں صحابی نے ایک آیت کو منسوخ سمجھا تو یہ شہادت قبول نہیں کی جا سکتی جبتک کہ کسی نہ کسی طرح سے یہ ثابت نہ کر دیا جائے کہ تمام صحابہؓ اسکو فی الواقع منسوخ ہی سمجھتے تھے۔

تیسرا معیار نسخ کا یہ ہے کہ آیا کسی آیت کے منسوخ ہونیکی شہرت ایسی ہی عام ہے جیسے کہ ایک آیت

قرآنی کے نازل ہونیکی۔ قرآن کریم میں نسخ کے قائل اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ صرف وہی آیات منسوخ ہو سکتی تھیں جن میں کوئی امر یا نہی ہو۔ اب یہ تو ظاہر ہے کہ جب کوئی آیت جس میں کوئی امر یا نہی ہو نازل ہوتی تھی تو اسی وقت اس کی اشاعت ہو جاتی تھی کیونکہ تمام مسلمانوں کو اس امر یا نہی سے آگاہ کرنا ضروری تھا کہ تا وہ اس امر پر عمل کریں یا منہیات سے بچیں۔ پس اگر ایسی آیت بعد میں کبھی منسوخ ہو جائے اور اسطرح پر اس امر یا نہی کا عمل بھی باطل ہو جائے تو اس نسخ کی شہرت ویسی ہی ضروری تھی جسطرح پہلی اسکے نازل ہونیکی تاکہ اب لوگ اس امر کو چھوڑ دیں یا پہلے منہیات کو منہیات نہ سمجھیں۔ یہ امر ظاہر ہے کہ جسقدر اوامر یا نہی قرآن شریف میں پائے جاتے ہیں وہ سب کے سب قابل عمل ہیں جب تک کہ قطعی طور پر ثابت نہ ہو کہ کسی خاص امر یا نہی کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یہ ارشاد فرمادیا تھا کہ یہ قابل عمل نہیں اور جب تک کہ ایسا اعلان عام نہ کیا جاوے کہ فلاں امر یا نہی اب قابل عمل نہیں۔ کیونکہ جبتک عام مسلمانوں تک اسکا علم نہ پہنچایا جاتا اس کا کوئی فایدہ نہ تھا۔ اس معیار نسخ کے خلاف شاید یہ دلیل دیجاوے گی کہ عام اعلان کسی آیت یا کسی امر یا نہی کے منسوخ ہونیکا اس لیے ضروری نہ تھا کہ پہلے جب ایک حکم دیا گیا تو اس کے خلاف کوئی دوسرا حکم دینے سے خود پہلا حکم منسوخ ہو گیا اور یہ کہنے کی ضرورت باقی نہ رہی اور نہ ہی کسی کو اطلاع دینے کی ضرورت باقی رہی کہ فلاں حکم منسوخ ہو گیا ہے۔ یہ محض ایک دل خوش کن خیال ہے ورنہ عملی رنگ میں کبھی ایسا نہ ہو سکتا تھا۔ کیونکہ اول تو قرآن شریف کی آیات کی ترتیب نزولی کبھی محفوظ نہیں رکھی گئی اور تمام آیات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ایک الگ ترتیب دیتے رہے۔ پس یہ کون کہ سکتا تھا کہ فلاں آیت پہلے نازل ہوئی ہے اور فلاں پیچھے۔ اسطرح پر اگر ہم بفرض محال اس بات کو تسلیم بھی کریں کہ دو متضاد احکام کے دینے سے (جو لوجدوا فیہ اختلافا کثیرًا کا مصداق تھا) یہ ظاہر ہو جاتا تھا کہ ایک ان میں سے منسوخ ہو گیا ہے مگر یہ کسی طرح معلوم نہ ہو سکتا تھا کہ کونسا حکم یا کونسی آیت ناسخ ہے اور کونسا حکم یا کونسی آیت منسوخ۔ اسطرح پر گڑ بڑ پڑ کر ناسخ منسوخ بن جاتیں اور منسوخ ناسخ بن جاتیں۔ پس اگر کبھی وحی الٰہی یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ منشار تھا کہ معنوں کو دیکھکر کسی آیت کو ناسخ اور کسی کو منسوخ سمجھ لیا جاوے تو یہ ضروری تھا کہ وہ تمام واقعات محفوظ رکھے جاتے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی انکی حفاظت کا اہتمام کرتے جن سے یہ معلوم ہو جاتا کہ فلاں آیت ناسخ ہے اور فلاں منسوخ ہے۔ مگر چونکہ ایسے واقعات کو جن میں سب سے زیادہ ضروری ترتیب نزولی کا محفوظ رکھنا تھا نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محفوظ رکھنے کی کوئی ہدایت فرمائی اور نہ ہی صحابہؓ کو بھی اس طرف توجہ ہوئی اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وجہ آیتوں کو منسوخ قرار دینے کی ایک خیالی وجہ ہے

اور واقعات اسکی تردید کرتے ہیں۔ دوسری بات جس سے اس خیال کی تردید ہوتی ہے کہ جب ایک آیت کے مفہوم کے مخالف دوسری آیت نازل ہو تو پہلی کو منسوخ سمجھ لینا چاہیئے۔ یہ ہے کہ جو احکام منسوخ ہو چکے تھے انکی اطلاع تو سب مسلمانوں کو کرنی ضروری تھی مگر چونکہ ہر ایک مسلمان سارے قرآن کو یاد نہ رکھ سکتا تھا اس لیے یہ خیال غلط ہے کہ ہر ایک مسلمان خود بعض آیات کا دوسری آیات کے ساتھ مقابلہ کرنیسے اس نتیجہ پر پہنچ سکتا تھا کہ فلاں آیت منسوخ ہے۔ سوم اگر یہ بھی فرض کر لیا جاوے کہ ہر مسلمان کو ایسا علم ہو سکتا تھا یا ہونا چاہیئے تھا یا کم از کم یہ کہ جن لوگوں کو ایسی ضرورت واقع ہو سکتی تھی انکو یہ علم بھی حاصل ہو سکتا تھا۔ تو پھر یہ مشکل پیش آتی ہے کہ ہر ایک شخص یہ فیصلہ کیونکر کر سکتا تھا کہ کونسی آیت کس کو منسوخ کرتی ہے۔ ایسے فیصلہ کے لیے اعلیٰ درجہ کا علم قرآن اور علم زبان درکار تھا جو ہر ایک شخص کو میسر نہ آسکتا تھا۔ چہارم سب آدمی کبھی اس بات پر متفق نہ ہو سکتے تھے کہ فلاں آیت کے معنے یہی ہیں نہ کچھ اور۔ یہ ایک امر واقع ہے کہ جن آیات کو بعض لوگوں نے دوسری آیات کے معنے کے مخالف سمجھکر منسوخ قرار دیا ہے انہی کے معنوں کی تطبیق ان دوسری آیات کے ساتھ دوسرے لوگوں نے کر دکھائی ہے۔ صحابہؓ میں بھی اور بعد کے علمائے اسلام میں بھی۔ اصل بات یہ ہے کہ نسخ کی شہادت کی بنا دو آیتوں کے معنوں میں کسی اختلاف پر رکھنا خود اسکو بے بنیاد قرار دینا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں گویا یہ صاف تسلیم کیا جاتا ہے کہ کسی آیت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منسوخ نہیں قرار دیا بلکہ کسی شخص نے پڑھتے کرتے وقت جب اپنے آپ کو دو آیات میں تطبیق کے ناقابل پایا تو ایک کو منسوخ کہدیا پس نسخ کی بنا نہ وحی الٰہی پر اور نہ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ پر ہوئی بلکہ محض شخصی رائے پر اسکی بنیاد رکھنی پڑی اور میں آگے چل کر دکھاؤنگا کہ امر واقع یہی ہے کہ نسخ کی بنا صرف اسیقدر ہے۔ اور یہ ایک ایسی کمزور بنیاد ہے کہ ایک عقلمند انسان ایک لحہ کے لیے بھی اگر اس پر غور کرے تو اس کو تسلیم نہیں کر سکتا۔

اب ذیل میں میں وہ احادیث نقل کرتا ہوں جن میں نسخ کا ذکر پایا جاتا ہے اور پھر انہی مذکورہ بالا معیاروں سے انکو پرکھ کر دکھایا جاوے گا کہ قرآن شریف میں نسخ ایسی کمزور شہادت پر ہرگز قابل تسلیم نہیں ہے۔ مینے صرف بخاری کی احادیث لی ہیں کیونکہ احادیث کا یہی ایک مجموعہ ہے جس پر پورا اعتبار کیا جاسکتا ہے (۱) عن ابن عمر رضی اللہ عنہ انہ قرأ فدیۃ طعام مسکین قال ھی منسوخۃ (بخاری کتاب التفسیر) یعنی حضرت ابن عمر سے یہ روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے وہ آیت پڑھی جس میں فدیۃ طعام مسکین وارد ہوتا ہے (اس سے مراد ہے وعلی الذین یطیقونہٗ

فدیة طعام مسکین) تو آپ نے فرمایا کہ یہ منسوخ ہے (۲) عن رجل من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال احسبه ابن عمر وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ قال نسختها الاٰیة التی بعدها (بخاری کتاب التفسیر) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے ایک سے روایت ہے راوی کہتا ہے میں گمان کرتا ہوں کہ وہ ابن عمرؓ ہی تھا کہ یہ آیت وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ جو سورۃ بقرہ کے آخری رکوع میں ہے اس کے بعد کی آیت سے (جس سے مراد آیت لا یکلف اللہ نفسا الا وسعها لها ما کسبت وعلیها ما اکتسبت ہے) منسوخ ہوگئی ہے۔ (۳) عن ابن عباس قال کان المال للولد وکانت الوصیة للوالدین فنسخ اللہ من ذلك ما احب فجعل للذکر مثل حظ الانثیین وجعل للابوین لکل واحد منهما السدس والثلث وجعل للمرأة الثمن والربع وللزوج الشطر والربع (بخاری کتاب التفسیر) یعنی ابن عباس فرماتے ہیں کہ دستور یہ تھا کہ متوفی کے مال کا وارث بیٹا ہو اور ماں باپ کے لیے وصیت ہوا کرتی تھی۔ پھر خدا نے اس میں سے جسقدر چاہا منسوخ کر دیا اور مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر رکھا اور ماں باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا اور تیسرا حصہ دیا اور عورت کے لیے آٹھواں اور چوتھا حصہ مقرر کیا اور خاوند کے لیے نصف اور چوتھائی۔ (۴) بخاری کتاب التفسیر میں عطاء کا قول ہے کہ قال ابن عباس نسخت هذه الاٰیة عدتها عند اهلها فتعتد حیث شاءت وهو قول اللہ تعالیٰ غیر اخراج قال عطاء ان شاءت اعتدت عند اهله وسکنت فی وصیتها وان شاءت خرجت لقول اللہ تعالیٰ فلا جناح علیکم فیما فعلن قال عطاء ثم جاء المیراث فنسخ السکنی فتعتد حیث شاءت ولا سکنی لها۔ اس میں تین آیتوں کا ذکر ہے۔ یعنی اول والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسهن اربعة اشهر وعشرا فاذا بلغن اجلهن فلا جناح علیکم فیما فعلن فی انفسهن بالمعروف واللہ بما تعملون خبیر۔ اور دوسری یہ آیت والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا وصیة لازواجهم متاعا الی الحول غیر اخراج۔ فان خرجن فلا جناح علیکم فیما فعلن فی انفسهن بالمعروف۔ اور تیسری آیت یوصیکم اللہ والی جس میں عورت کے لیے چوتھا یا آٹھواں حصہ دیا گیا ہے۔ عطاء کا قول ہے کہ ان میں سے تیسری نے دوسری کے ایک حصہ کو اور دوسری نے پہلی کو منسوخ کیا۔ (۵) عن ابن عباس ولکل جعلنا موالی قال ورثة والذین عاقدت ایمانکم کان المهاجرون لما

قدموا المدینة یرث المہاجری الانصاری دون ذوی رحمہ للاخوۃ التی اٰخی النبی صلے اللہ علیہ وسلم بینھم فلما نزل لکل جعلنا موالی نسخت (بخاری کتاب التفسیر) یعنی ابن عباس کہتے ہیں کہ ولکل جعلنا موالی میں موالی سے مراد ورثا ہیں اور اس آیت کی تفسیر میں کہ والذین عقدت ایمانکم یہ کہا کہ جب مہاجر مدینہ میں آئے تو مہاجر انصاری کا وارث ہوتا تھا بسبب اس اخوت کے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان قایم کی تھی۔ پھر جب یہ آیت نازل ہوئی ولکل جعلنا موالی تو یہ دستور منسوخ ہوگیا۔ (۶) بخاری باب غزوۃ الرجیع میں ستر قرّاء کے شہید ہونیکے واقعہ میں لکھا ہے۔ قال انس فقرأنا فیھم قرانا ثم ان ذٰلک رفع بلغوا عنا قومنا انا قد لقینا ربنا فرضی عنا وارضانا۔ یعنی انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم نے ان کے بارہ میں ایک قرأت پڑھی پھر وہ اُٹھالی گئی اور وہ یہ تھی کہ ہماری طرف سے ہماری قوم کو یہ خبر پہنچادو کہ ہم اپنے رب کو ملے ہیں وہ ہم سے راضی ہوا اور اس نے ہم کو راضی کیا۔

یہ چند روایات بخاری کی ہیں جن میں خاص آیات کے نسخ کا ذکر آیا ہے۔ انکے علاوہ حضرت عمرؓ کا ایک قول بھی ہے عن ابن عباس قال عمر رضی اللہ عنہ اقرؤنا اُبیّ واقضانا علی وانا لندع من قول اُبیّ وذاک ان ابیا یقول لاادع شیئا سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقد قال اللہ تعالیٰ ما ننسخ من اٰیۃ او ننسھا۔ یعنی ابن عباس کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا ابی ہم سب میں اچھے قاری ہیں اور علیؓ سب سے اچھے قاضی یعنی فیصلہ کرنیوالے ہیں اور ہم ابیؓ کے قول میں سے کچھ چھوڑتے ہیں اور یہ اس لیے کہ ابی کہتے ہیں کہ میں کسی چیز کو نہیں چھوڑونگا جسکو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ما ننسخ من اٰیۃ او ننسھا۔

اب جو معیار صحت نسخ کے ہم اوپر قایم کر چکے ہیں انکے رو سے ان احادیث کو پرکھتے ہیں سب سے پہلا معیار یہ تھا کہ نسخ کی سند خود مہبط وحی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہونی چاہیئے۔ مگر ان احادیث میں سے ایک بھی ایسی نہیں جس میں سند نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہو۔ اکثر احادیث ان میں ایسی ہی ہیں جن میں ابن عمر یا ابن عباس کا قول ہے اور سب میں انہی دو صحابہ تک روایت پہنچتی ہے۔ سوائے چھٹی حدیث کے جس کی صورت بالکل الگ ہے اور جس پر آگے چلکر مفصل بحث کیجاویگی۔ مگر ایک بھی حدیث ایسی نہیں ہے جس میں کسی صحابی نے یہ کہا ہو کہ فلاں آیت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منسوخ فرمایا تھا۔ اور یہ بات صرف بخاری کی روایات نسخ پر ہی صادق نہیں آتی بلکہ جتنی احادیث قرآن کریم میں نسخ کے متعلق آئی ہیں ان سب کا یہی حال ہے یعنی روایت سو صرف اسیقدر پتہ لگتا ہے کہ فلاں صحابی کی یہ رائے تھی کہ فلاں آیت منسوخ ہے اور یہ ذکر کسی میں نہیں

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کسی آیت کو منسوخ قرار دیا یا کسی صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا تھا کہ فلاں آیت منسوخ ہے۔ یہ امر یقینی ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی آیت کو منسوخ فرماتے تو وہ روایت بھی اسی طرح ہمکو پہنچتی کہ آنحضرتؐ نے ایسا فرمایا تھا۔ ان احادیث سے اگر کچھ معلوم ہوتا ہے تو صرف یہ کہ ابن عباس اور ابن عمر نے بعض آیتوں کو منسوخ سمجھا یا خیال کیا۔ مگر صرف ابن عباس یا ابن عمر کے کہنے پر ہم کسی آیت قرآنی کو منسوخ نہیں کہہ سکتے۔ جسطرح ہم کسی عبارت کو قرآنی عبارت تسلیم نہیں کر سکتے جبتک کہ ہمکو یہ ثبوت نہ پہنچے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ یہ قرآن کریم میں داخل ہے اسی طرح کسی آیت قرآنی کو ہم منسوخ نہیں مان سکتے جبتک کہ یہ ثبوت نہ ملے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ یہ منسوخ ہے۔ مگر چونکہ کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا حالانکہ بہت سی روایات نسخ کی موجود ہیں کہ کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کسی آیت کو منسوخ فرمایا اس لیے قرآن شریف میں نسخ کا ابطال ہمارے تجویز کردہ معیاروں میں سے پہلے معیار کے رو سے ہی ہو جاتا ہے۔

اب دوسرے معیار کے رو سے ان احادیث کو پرکھ کر دیکھتے ہیں تو یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ کیا کسی آیت کا منسوخ ہونا صحابہؓ کی متفقہ شہادت سے بھی ثابت ہوتا ہے؟ اس کا جواب بھی نفی میں ہے کیونکہ ہر ایک حدیث میں جو نسخ کے متعلق آئی ہے صرف ایک صحابی کی رائے یا خیال بیان کیا گیا ہے کہ فلاں آیت منسوخ ہے۔ بلکہ کوئی صحابی یہ بھی نہیں کہتا کہ فلاں آیت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کل صحابہؓ منسوخ سمجھتے تھے۔ اور نہ ایک آدمی کے دعوے کی کوئی دوسرا صحابی تائید کرتا ہے۔ اگر دو آیتوں کو ابن عمر منسوخ کہتے ہیں تو ابن عباس کوئی اور ہی دو پیش کرتے ہیں بلکہ جیسا کہ میں آگے چلکر دکھاؤنگا ایک آیت کو ابن عمر منسوخ سمجھتے ہیں تو ابن عباس اسکی تردید کرتے ہیں۔ کیا ایسی حالت میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ صحابہؓ فلاں آیت کو منسوخ سمجھتے یا کہتے تھے؟ ہرگز نہیں۔ پھر ایسی کمزور شہادت پر اتنی بڑی بات کیونکر تسلیم کیجا سکتی ہے۔ اسپر تو تمام صحابہؓ کا اتفاق ہو کہ فلاں آیت قرآنی ہے اور نسخ کے لیے یہ کہا جائے کہ ایک ہی صحابی کی رائے کو مان لو۔ کوئی سمجھدار آدمی اس سے اتفاق نہیں کر سکتا۔ اور یہ مسئلہ دوسرے معیار کے رو سے بھی باطل ثابت ہوتا ہے۔

تیسرا معیار یہ تھا کہ آیا کسی آیت کے منسوخ ہونیکا علم صحابہؓ کو عام طور پر ایسا ہی تھا جیسا کہ اس کے نزول کا؟ اسکا جواب بھی اگر روایات نسخ کو دیکھا جاوے تو نفی میں ہی ملتا ہے۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ جب اسبات کی شہادت ہی نہیں ملتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی آیت کو منسوخ فرمایا تھا تو یہ امر خود ہی واضح ہو جاتا ہے کہ نہ صحابہؓ کا اسپر اتفاق ہو سکتا تھا نہ ہی اسکا علم صحابہؓ میں عام ہو سکتا تھا۔ زیادہ سے زیادہ جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ابن عمر یا ابن عباس یا شاید ایک آدھ اور صحابی نے اپنے کسی شاگرد کے سامنے

اس خیال کا اظہار کیا کہ اسکی رائے میں فلاں آیت منسوخ ہے۔ اگر وحی الٰہی پر نسخ کی بنا ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض تھا کہ جسطرح نزول وحی کے وقت آیات کی اشاعت اور تشہیر کرتے تھے اسی طرح جب آپکو وحی الٰہی سے کسی آیت کا منسوخ ہونا معلوم ہوتا تو اس کی بھی عام اشاعت اور تشہیر کرتے۔ ورنہ جو کچھ قرآن شریف میں ہے وہ سب قابل عمل ہی سمجھا جانا ضروری ہے۔ ایک طرف تو ایک حکم کو عام طور پر شایع کیا جاوے کہ ہر ایک مسلمان پر ایسا کرنا یا ایسے کام سے بچنا فرض ہے اور اگر وہ اس کی تعمیل نہ کریگا تو سخت سزا کا مستوجب ہوگا اور دوسری طرف چپکے سے اس حکم کو منسوخ بھی کر دیا جاوے اور سوائے ایک دو صحابیوں کے کسی کو خبر تک نہ ہو کہ فلاں آیت منسوخ ہو گئی ہے۔ کوئی دانشمند انسان اسکو قرین قیاس نہیں سمجھ سکتا۔ مگر چونکہ تمام روایات جو نسخ کے متعلق ہیں ان سے اس بات کی شہادت کوئی نہیں ملتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کسی آیت کو منسوخ فرمایا تھا اس لیے محض کسی صحابی کے قول کی وجہ سے ہم اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتے کیونکہ قرآن شریف تو کہتا ہے کہ میرا ہر ایک حکم قابل عمل ہے اور اسپر عمل کرنا مسلمانوں کے لیے واجب ہے اور ایک صحابی اسے منسوخ کہتا ہے۔ اگلے حصہ مضمون میں مَیں ان روایات پر ایک ایک کر کے بحث کروں گا اور یہ دکھاؤں گا کہ یہ محض کسی صحابی کا خیال تھا اور اس میں بھی لفظ نسخ خاص معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔

طاعون اور پیشگوئی

ہندوستان میں اور خصوصاً پنجاب میں طاعون کی وجہ سے ایک خوفناک بربادی واقع ہو رہی ہے۔ اس وبا کے روکنے کے لیے کئی کوششیں کی گئیں مگر کچھ کامیابی نہیں ہوئی۔ اور نہ آیندہ کسی کامیابی کی امید ہو سکتی ہے لیکن اس بات کو دیکھکر سخت حیرت ہوتی ہے۔ کہ اگرچہ لوگ ایسی سخت وبا میں مبتلا ہیں۔ مگر کوئی شخص اس آفت کے حقیقی باعث کیطرف توجہ نہیں کرتا۔ یہ بے توجہی اس وجہ سے نہیں ہے۔ کہ اس بیماری کا حقیقی باعث معلوم کرنیکے لیے کوئی ذریعہ نہیں اس بلائے آسمانی کے نزول کا باعث معلوم کرنیکے لیے کافی ذرایع موجود ہیں۔ مگر دنیا ایسی غافل ہے۔ کہ وہ اس طرف توجہ ہی نہیں کرتی کہ یہ بلا کیوں نازل ہوئی اور اس کا کیا علاج ہے۔

اس مضمون کے لکھنے سے میری یہ غرض نہیں کہ مَیں اس بیماری کے جسمانی اور ظاہری اسباب پر بحث کروں۔ یہ ڈاکٹروں اور حکیموں کا کام ہے۔ میری غرض اس امر کی طرف توجہ دلانا ہے جو ان ظاہری اسباب کے پیدا ہونیکا باعث ہوا۔ اور یہ دکھانا ہے کہ خدا تعالیٰ نے کیوں ایسے اسباب پیدا کیے جن سے اس بیماری کا ظہور ہوا۔

طاعون کی پیشگوئی قرآن مجید میں - بغیر کسی لمبی تمہید کے میں ناظرین کے آگے قرآن مجید پیش کرکے دکھاتا ہوں کہ اس پاک کتاب میں کھلے الفاظ میں طاعون کے ظہور کی اصل وجہ بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ سورہ نحل میں آیت ہے "اذا وقع القول علیھم اخرجنا لھم دابۃ من الارض تکلمھم ان الناس کانوا بایٰتنا لایوقنون - یعنی جب لوگوں پر حجت پوری ہو جائیگی تو ہم زمین سے ان کے لیے ایک کیڑا پیدا کریں گے جو انکو زخمی کریگا۔ یہ اس لیے ہوگا کہ لوگ ہمارے نشانوں پر یقین نہیں کرینگے - اس آیت میں تین باتیں بیان کی گئی ہیں۔ اوّل یہ کہ لوگوں پر ایک بلا بطور سزا نازل ہونیوالی ہے۔ دوم یہ کہ یہ سزا ایک ایسے کیڑے کے ذریعہ دیجائیگی جو زمین میں سے نکلے گا۔ سوم یہ کہ یہ سزا لوگوں پر اس امر کی وجہ سے واقع ہوگی کہ لوگ خدا کے نشانوں کو جھٹلائینگے۔ یہی پیشگوئی قرآن شریف کی ایک اور آیت میں بھی درج ہے جو حسب ذیل ہے۔ وان من قریۃ الا نحن مھلکوھا قبل یوم القیٰمۃ او معذبوھا عذابا شدیدا - کان ذٰلک فی الکتٰب مسطورا۔ (سورہ بنی اسرائیل) یعنی کوئی ایسی بستی نہیں مگر ہم انکو قیامت کے دن سے پہلے یا تو بالکل ہلاک ہی کردیں گے یا سخت عذاب اُنپر وارد کریں گے۔ یہ بات کتاب میں لکھی جاچکی ہے اور اس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ اس آیت سے پایا جاتا ہے کہ قیامت سے پہلے دنیا پر ایک سخت عذاب نازل ہونیوالا ہے جس سے کئی بستیاں تو بالکل نابود کیجائینگی اور کئی بالکل نابود تو نہیں ہونگی مگر وہ بھی عذاب الٰہی کا مزہ خوب چکھیں گی۔ یہ ضروری نہیں کہ یہ پیشگوئی کُل روئے زمین کے متعلق ہو کیونکہ قرآنی محاورہ کے رو سے یہ پیشگوئی دنیا کے ایک خاص حصہ کی بستیوں کے متعلق ہو سکتی ہے۔ مگر اگر یہ کُل دنیا کے متعلق بھی ہو تو کچھ تعجب کی بات نہیں بہرحال یہ ایک عظیم الشان پیشگوئی ہے جو اس آخری زمانہ میں طاعون کے کیڑوں کے ذریعہ پوری ہو رہی ہے جو زمین سے نکلتے ہیں اور انسانوں کو زخمی کرتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ کیڑا لوگوں کو اس لیے کاٹے گا کہ وہ خدا تعالیٰ کے نشانوں کا انکار کریں گے اسکا مطلب دوسری قرآنی آیات سے واضح ہو جاتا ہے۔ سورۃ القصص میں ہے۔ ماکنا مھلکی القریٰ حتّٰی نبعث فی امھا رسولا یتلوا علیھم ایٰتنا وماکنا مھلکی القریٰ الا واھلھا ظٰلمون۔ یعنی ہم بستیوں کو ہلاک نہیں کرتے جب تک کہ ہم اُن میں سے ایک بستی میں جس کو دوسری بستیوں کی ماں کہا جا سکتا ہے ایک رسول مبعوث نہ کریں اور ہم بستیوں کو ہلاک نہیں کرتے مگر اُس صورت میں کہ اُن بستیوں کے رہنے والے ظالم ہوں۔ اس آیت میں ہمیں بتلایا گیا ہے کہ کوئی عام عذاب الٰہی نازل نہیں ہوتا جب تک کہ پہلے ایک رسول مبعوث نہ ہو جو لوگوں کو ڈرائے اور آسمانی نشان دکھائے۔ اور جب دنیا اُن آسمانی نشانوں کا انکار کرتی ہے اور اپنی برے اعمال سے باز نہیں آتی تب خدا تعالیٰ کا غضب اُترتا ہے اور ظالموں کو ہلاک کرتا ہے۔ پس صاف ثابت ہوا کہ وہ عذاب جو آخری دنوں میں دابۃ الارض کے

ذریعہ ظاہر ہوگا اور جس سے ایک دنیا ہلاک ہوگی وہ عذاب نہیں آئیگا جب تک کہ عذاب کے ظہور سے پہلے ایک خدا کا رسول پیدا نہ ہو جو لوگوں کو خدا کی طرف بلائے اور آسمانی نشان دکھاوے۔ قرآن کریم کی اور آیات بھی ہیں جو اسی نتیجہ کی تائید کرتی ہیں۔ مثلاً سورہ بنی اسرائیل میں ہے ماکنا معذبین حتّٰی نبعث رسولاً۔ یعنی ہم عذاب نازل نہیں کرتے جبتک کہ ایک رسول کو نہ بھیج لیں۔ پھر سورہ اعراف میں ہے ماارسلنا فی قریۃ من نبی الا اخذنا اھلھا بالبأساء والضرآء لعلھم یضّرعون۔ یعنی ہم نے کبھی کسی گاؤں میں کوئی نبی نہیں بھیجا مگر وہاں کے رہنے والوں کو قحط اور بیماری کے ساتھ پکڑا تاکہ لوگ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اور عاجزی کریں۔ ان تمام آیات کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کبھی کوئی عام عذاب نازل نہیں کرتا جبتک کہ پہلے ایک نذیر پیدا نہ کرے۔ پس ان آیات سے یہ نتیجہ نکلا کہ وہ آخری دنوں کا عذاب جو زمین کے کیڑے کے ذریعہ سے ظاہر ہوگا وہ عذاب نہیں آئیگا جب تک کہ پہلے ایک ڈرانیوالا خدا تعالیٰ کی طرف سے مبعوث نہ ہو۔ وہ ڈرانیوالا کون ہوگا۔ اس کا معلوم کرنا بھی دشوار نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھلے کھلے الفاظ میں خبر دی کہ آخری ایام میں اُمّت محمدیہ میں سے ایک شخص مبعوث ہوگا جس کا نام مسیح ہوگا کیونکہ سلسلہ محمدیہ میں اسی طرح ہوگا جس طرح کہ اسرائیلی مسیح موسوی سلسلہ میں تھا۔ ایک طرف قرآنی آیات سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ اُس عذاب سے پہلے جو زمین کے کیڑے کے ذریعہ ظاہر ہوگا اور جس میں ایک دنیا مبتلا ہو جائیگی ضروری ہے کہ ایک رسول پیدا ہو جو لوگوں کو ڈرائے اور نشان دکھائے۔ دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات طیبات سے معلوم ہوتا ہے کہ آخری ایام میں ایک رسول پیدا ہوگا جو مسیح کہلائیگا۔ پس دونوں باتوں کو ملانے سے ثابت ہوا کہ وہ رسول جس کا مبعوث ہونا زمین کے کیڑے کے ظاہر ہونے سے پہلے ضروری ہے وہ رسول وہی ہے جو مسیح موعود کے نام سے دنیا میں آئیگا اور آسمانی نشان دکھائے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی طاعون کے متعلق

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صرف یہی نہیں بتلایا کہ آخری زمانے میں ایک خدا کا رسول پیدا ہوگا۔ بلکہ آپ کے کلمات مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس رسول کے زمانہ میں طاعون نمودار ہوگی۔ جو اگر کُل دنیا پر نہیں تو کم ازکم ایک حصّہ دنیا پر پھیل جائیگی۔ اور یہ بھی فرمایا۔ کہ خدا انسانوں کی گردنوں میں ایک کیڑا پیدا کریگا۔ اور یہ عذاب مسیح موعود اور اس کے اتباع کی دعا کا نتیجہ ہوگا۔ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کو ذیل میں درج کرتا ہوں۔ اوّل مشکوٰۃ باب حرم المدینہ میں لکھا ہے۔ علیٰ انقاب المدینۃ ملائکۃ لا یدخلھا الطاعون ولا الدجال۔ یعنی مدینہ کے دروازے پر فرشتے ہیں۔ طاعون اور دجّال اس میں داخل نہیں ہوں گے۔ اس جگہ

طاعون اور دجال کا ایک ہی جگہ ذکر کیا گیا ہے۔ اور اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے۔ کہ وہ دونوں ایک ہی زمانے میں ہوں گے۔ لیکن یہ امر ثابت شدہ ہے۔ کہ مسیح اور دجال کا زمانہ بھی ایک ہی ہے۔ کیونکہ دجال مسیح کے ہاتھ سے ہلاک ہوگا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ طاعون بھی مسیح کے زمانے میں ظاہر ہوگی۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دجال کی طرح طاعون بھی اگر کُل دنیا پر نہیں۔ تو کم از کم دنیا کے ایک بڑے حصہ پر پھیل جائیگی۔ دوم۔ مشکوٰۃ باب العلامات بین یدی الساعۃ میں لکھا ہے۔ فیرغب نبی اللہ عیسٰےؑ واصحابه فیرسل اللہ علیہم النغف فی رقابھم فیصبحون فرسٰی کموت نفس واحدۃ ثم یھبط نبی اللہ عیسٰے واصحابه الی الارض فلا یجدون فی الارض موضع شبر الا ملأہ زھمھم ونتنھم یعنی خدا کا نبی مسیح اور اس کے ساتھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع یعنی دعا کریں گے۔ پس خدا ان لوگوں پر ایک کیڑا بھیجے گا۔ جو اُنکی گردنوں میں پیدا ہوگا۔ اور لوگ یکایک اس طرح مر جائیں گے گویا وہ سب ایک ہی آدمی تھے۔ پھر آخر مسیح اور اس کے ساتھی زمین میں جائیں گے۔ اور ایک بالشت بھر زمین بھی نہیں پائیں گے۔ جو بدبو سے بھری ہوئی نہ ہو۔ اس حدیث میں یہ صاف طور پر بتلایا گیا ہے کہ مسیح موعودؑ کے زمانہ میں اسکی دعا سے ایک سخت وبا پھیلے گی جو ایک دم میں لوگوں کا خاتمہ کر دیا کریگی۔ یہ الفاظ کہ گردنوں میں ایک کیڑا پیدا کیا جائیگا۔ صاف طور پر موجودہ طاعون کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن شریف میں جو لفظ دابۃ آیا ہے اس سے مراد بھی ایک کیڑا ہی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے کہ جس عذاب کا قرآن شریف میں ذکر کیا گیا ہے کہ آخری دنوں میں دابۃ من الارض کے ذریعہ نمودار ہوگا اور جس کے پہلے ضروری ہے کہ ایک خدا کا رسول مبعوث ہو وہ عذاب یہی ہے جو اب طاعون کی شکل میں دنیا پر نازل ہوا ہے اور قرآن شریف کا لفظ دابۃ اور احادیث کا لفظ نغف یعنی کیڑا ان سے یہی طاعون کا کیڑا مراد ہے جو لوگوں کو کاٹتا ہے۔ ایک طرف خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ آخری دنوں میں ایک عذاب نازل ہوگا جو زمینی کیڑے کے ذریعہ ظاہر ہوگا اور ضرور ہے کہ اس عذاب کے ظہور سے پہلے ایک رسول ظاہر ہو اور دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم فرماتے ہیں کہ آخری دنوں میں ایک خدا کا رسول مسیح کے نام پر دنیا میں ظاہر ہوگا اور اُس کے ظہور کے بعد ایک عذاب وبا کی شکل میں نازل ہوگا جس کا موجب ایک کیڑا ہوگا۔ ان دونوں پیشگوئیوں کے ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی واقعہ کی خبر دیتی ہیں۔ جو طاعون کی شکل میں آج پوری ہو رہی ہیں۔

اس جگہ یہ سوال پوچھا جا سکتا ہے کہ اس امر کا کیا ثبوت ہے کہ مرزا غلام احمدؐ وہی آخری زمانہ کا موعود رسول ہے جس کے ظہور کے بعد اس عذاب کا ظہور ہونا تھا۔ اس کے جواب میں مَیں کہتا ہوں کہ مرزا غلام احمدؐ کے موعود رسول ہونیکا ہر ایک ثبوت موجود ہے۔ وہ اپنے نشانات کے ساتھ ظاہر ہوا ہے اور اسنے اپنے دعوے کو نہایت ہی

زبردست دلایل کے ساتھ ثابت کردیا ہے مگر مجھے ضرورت نہیں کہ اُن سب نشانات اور دلایل کو تفصیل کے ساتھ بیان کروں۔ کیونکہ یہی نشان جو میری اس چٹھی کا مضمون ہے احمدؐ کی سچائی ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔ طاعون ایک بڑا نشان تھا جس نے موعود رسول کے ظہور کے بعد ظاہر ہونا تھا اور یہ نشان حسب پیشگوئی پورا ہوا جب احمدؐ نے موعود رسول ہونیکا دعوےٰ کیا تو اسوقت ملک میں طاعون کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ مگر آپکے دعویٰ کے بعد اپنے وقت پر طاعون نے ظہور کیا اور احمدؐ کے موعود رسول ہونیکی شہادت دی۔ مگر اگر کوئی شکی طبیعت اس قدر شہادت کے ساتھ سیر نہیں ہوسکتی تو میرے ترکش میں ابھی اور تیر بھی ہیں اور مَیں امید کرتا ہوں کہ جس کی طبیعت میں رتّی بھر بھی انصاف ہوگا وہ یقین کرلے گا کہ احمدؐ جسکی شہادت میں یہ نشانات ظاہر ہو رہے ہیں درحقیقت آخری زمانہ کا موعود رسول ہے۔

احمدؐ کی پیشگوئیاں طاعون کے متعلق۔ طاعون کی پیشگوئی صرف قرآن مجید میں اور احادیث نبوی میں ہی نہیں بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ خود احمدؐ نے اُسوقت طاعون کے آنیکی پیشگوئی نہایت ہی کُھلے الفاظ میں کی جبکہ دنیا میں اس بیماری کا کہیں نام ونشان بھی نہ تھا۔ چہارم حصہ صدی سے زیادہ عرصہ گذرا ہے کہ احمدؐ نے ایک کتاب براہین احمدیہ لکھی۔ اس کتاب میں آپکے کئی الہامات درج ہیں جن میں آنیوالے واقعات کی خبر دی گئی تھی۔ اس کتاب کے صفحہ ۵۱۹ پر مندرجہ ذیل خدا کا کلام درج ہے انت مبارك فی الدنیا والاخرۃ۔ امراض الناس وبرکاتہ ان ربك فعال لما یرید۔ یعنی تجھے اس دنیا میں بھی برکت دیگئی ہے اور آنیوالے عالم میں بھی برکت دیگئی۔ تو خدا کی دی ہوئی برکات کے ساتھ لوگوں کی بیماریوں کی خبر لے۔ تیرا رب جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس وحی الٰہی میں کُھلے الفاظ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک زمانہ آنیوالا ہے کہ لوگوں میں بیماریاں پھیلیں گی۔ یہ امر کہ برکاتہ سے کیا مطلب ہے آیندہ جاکر واضح ہوجائیگا۔ براہین احمدیہ کے صفحہ ۵۶۸ پر ایک اور الہام درج ہے جو حسب ذیل ہے من دخلہ کان اٰمنا۔ یعنی جو شخص اس (مکان) میں داخل ہوگا وہ امن میں آجائیگا۔ یہ الہام ایک مسجد کے متعلق ہے جو آپکے مکان کا ایک حصہ ہے۔ اس الہام میں بھی ایک آنیوالی مصیبت کی خبر دی گئی ہے اور یہ پیشگوئی کی گئی ہے کہ اُس مصیبت سے جو دنیا پر آنیوالی ہے آپکا مکان ایک جائے پناہ ہوگا اور جو اس مکان میں داخل ہوگا وہ اس مصیبت سے امن میں رہیگا۔ یہ امر کہ یہ الہام طاعون کے نمودار ہونیکی خبر دیتا ہے آپکے ایک اور الہام پر بحث کرتے ہوئے واضح ہوجائیگا۔

۱۸۸۸ء میں آپنے ایک اشتہار شایع کیا جس میں آپنے لوگوں کو اس امر کی طرف بلایا کہ وہ آپکے ہاتھ پر بیعت کریں۔ اُس اشتہار میں ایک الہام الٰہی درج ہے جسکی بنا پر آپنے یہ بیعت کا اشتہار دیا۔ طاعون کے متعلق وہ الہام بھی خاص توجہ کے لائق ہے۔ اُس میں ایک آنیوالے طوفان کی خبر دیگئی ہے جو نوح کے طوفان کے مشابہ ہوگا۔

اور احمدؐ کو ایک کشتی تیار کرنیکا ارشاد کیا گیا ہے۔ اسی الہام کی بناء پر آپؑ نے لوگوں کو بیعت کے لیے بلایا۔ وہ طوفان آگیا ہے اور ملک کے بڑے حصہ پر پھیل گیا ہے اس امر پر مَیں انشاء اللہ تعالیٰ آگے جا کر بحث کروں گا کہ احمدؐ کی کشتی پر سوار ہونیسے کس طرح اس طوفان سے نجات ملتی ہے۔ اس بات کے بیان کی ضرورت نہیں کہ جس طوفان کی اس الہام میں خبر دی گئی ہے اُس سے پانی کا طوفان مراد نہیں۔ کیونکہ اگر پانی کا طوفان مراد ہوتا تو احمدؐ کو ایسی کشتی بنانے کا حکم دیا جاتا... جیسی نوح علیہ السلام نے تیار کی تھی یعنی تختوں اور میخوں والی کشتی۔ اس لیے اس طوفان سے مراد ایک ایسی مصیبت ہے، جو اپنی شدت میں طوفان نوح سے مشابہ ہے۔ اور اس امر سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ موجودہ طاعون طوفان نوحؑ سے کچھ کم نہیں۔ اس لیے یہ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ وہ پیشگوئی جو ایک آنے والے طوفان کی خبر دیتی تھی وہ پوری ہو چکی ہے۔ الہام کے اصل الفاظ حسب ذیل ہیں۔ اصنع الفلک باعیننا ووحینا ولا تخاطبنی فی الذین ظلموا انہم مغرقون۔ یعنی ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی کے مطابق ایک کشتی تیار کر اور اُن لوگوں کے لیے سفارش یا دعا نہ کر جو ظالم ہیں کیونکہ وہ غرق ہونیوالے ہیں۔

پھر ۱۳۱۱ ہجری مطابق ۱۸۹۴ء میں جب رمضان شریف میں آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقرر کردہ تاریخوں پر کسوف و خسوف کی پیشگوئی پوری ہوئی تو احمدؐ نے اس نشان کے متعلق ایک کتاب تصنیف فرمائی جس کا نام ہے نور الحق حصہ دوم۔ اس کتاب کے صفحہ ۳۸ پر طاعون کے عذاب کے ایک کھلے الفاظ میں پیشگوئی کی گئی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے وحاصل الکلام ان الکسوف والخسوف اٰیتان مخوفتان واذا اجتمعا فھو تھدید شدید من الرحمٰن واشارۃ الٰی ان العذاب قد تقرر واکّد من اللہ لاھل العدوان۔ یعنی کسوف اور خسوف دو ڈرانیوالے نشان ہیں اور اُن کا ایک ہی مہینہ میں جمع ہونا خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک سخت دھمکی ہے کہ سرکشوں کے لیے عذاب مقدر ہو چکا ہے اور اُس کا ظاہر ہونا فیصلہ پا چکا ہے اور ضروری ٹھہر چکا ہے۔ ان الفاظ میں ایک عذاب کی کھلے طور پر پیشگوئی کی گئی تھی اور بڑے پُرزور الفاظ میں بتایا گیا کہ لوگوں کے لیے عذاب مقدر ہو چکا ہے۔

پھر کتاب حمامۃ البشریٰ صفحہ ۹۷ پر جو ۱۸۹۴ء میں شایع ہوئی آپ تحریر فرماتے ہیں۔ فلما طغی الفسق المبید بسیلہ۔ تمنیتُ لو کان الوباء المتبر۔ فان ھلاک الناس عند اولی النھٰی۔ احب واولی من ضلال یخشٰی۔ یعنی جب ہلاک کرنیوالے گناہوں کا طوفان حد سے بڑھ گیا تو مَیں نے دعا کی کہ اے خدا ایک تباہ کرنیوالی وبا بھیج۔ کیونکہ عقلمند کے نزدیک انسانوں کا مر جانا گمراہی سے جو ٹوٹے میں ڈالتی ہے بدرجہا بہتر ہے۔ یہ دعا اُسوقت شایع کی گئی جب ملک میں طاعون کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ یہ دعا دو طرح سے قابل توجہ ہے۔ ان اشعار میں صرف ایک تباہ کرنیوالی وبا کے لیے دعا ہی نہیں کی گئی بلکہ یہ اشعار آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس

حدیث کو بھی یاد دلاتے ہیں جس میں آپ نے فرمایا کہ مسیح موعود کی دعا سے ایک سخت وبا نمودار ہو گی۔ اب ایسا ہی ہوا جیسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مسیح موعود نے دعا کی کہ اے خدا تو ایک مہلک بیماری پیدا کر اور خدا تعالیٰ نے آپکی دعا کو قبول کیا اور اپنے قدیم وعدہ کے مطابق ایک تباہ کرنیوالی وبا کو بھیجا۔

اس موقعہ پر ہر ایک شخص خواہ وہ کسی مذہب وملت کا ہو بلا اختیار پکار اُٹھیگا کہ درحقیقت وہ نبی ایک عظیم الشان نبی تھا جس نے آج سے ۱۳۰۰ برس پہلے ایسی صاف پیشگوئی کی اور نیز وہ شخص بھی بڑی شان کا آدمی ہے۔ جسکی دعا کو خدا تعالیٰ نے اس طرح سُنا۔ ان واقعات سے صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی اور مسیح موعود کی صداقت ہی ثابت نہیں ہوتی بلکہ خدا تعالےٰ کی ہستی کا ایک بیّن ثبوت ملتا ہے۔ کس نے عرب کے مقدس نبی کو تبلایا کہ ۱۳۰۰ برس کے بعد مسیح موعودؑ وبا کے لیے دعا کریگا اور وہ کون ہے جس نے مسیح موعودؑ کی دعا کو سُنا اور اس کی تمنا کے مطابق ایک وبا کو دنیا میں بھیجا۔ ہر ایک شخص کو ماننا پڑیگا کہ بے شک خدا کے سوا ایسا کوئی نہیں کرسکتا۔ اگر کوئی دہریہ ہے تو پہلے اُس کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کو پیش کرو جنہیں تبلایا گیا ہے کہ مسیح موعودؑ کی دعا سے ایک وبا پیدا ہو گی پھر اُس کے سامنے حمامۃ البشریٰ کھولکر رکھو جس میں طاعون کے ظہور سے بہت عرصہ پہلے مسیح موعودؑ ایک وبا کے لیے دعا کرتا ہے اور پھر اُس کو اُس وبا کی طرف متوجہ کرو جو اس دعا کے جواب میں اس ملک میں ظاہر ہوئی اور پھر اُس سے پوچھو کہ خدا تعالیٰ کے سوا اور کون ایسا کرسکتا ہے۔ یہ واقعات ہیں جن سے کوئی انکار نہیں کرسکتا اور مَیں نہیں دیکھتا کہ ایک دہریہ باوجود ان صریح دلایل کے کسطرح خدا تعالیٰ کی ہستی سے انکار کرسکتا ہے۔

پھر اتنا ہی نہیں۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ طاعون کا موجب ایک کیڑا ہو گا اور آجکل کی تحقیقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کی تصدیق کرتی ہے اور آپکے الہام کی صداقت کی شہادت دیتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسطرح معلوم ہوسکتا تھا کہ اُس وبا کا باعث ایک کیڑا ہو گا اگر خدا تعالیٰ جو ہر ایک پوشیدہ بات کو جانتا ہے آپ کو اطلاع نہ دیتا۔ الغرض اگر حضرت مسیح موعودؑ سوائے مذکورہ بالا اشعار کے طاعون کے متعلق اور کوئی پیشگوئی بھی شایع نہ کرتے تو صرف یہی اشعار آپ کی صداقت کے لیے کافی ثبوت تھے۔ ناظرین کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ مسیح موعودؑ کی صداقت کے نشانوں میں قبولیت دعا بھی ایک نشان ہے اور موجودہ صورت میں قبولیت دعا کا ایک عجیب نمونہ پایا جاتا ہے جو آپ کی سچائی کا صریح نشان ہے۔

پھر آپ کی کتاب سراج المنیر میں طاعون کے متعلق ایک اور پیشگوئی ہے یہ کتاب ۱۸۹۷ء میں شایع ہوئی لیکھرام کی موت کا ذکر کرتے ہوئے جو آپ کی پیشگوئی کے مطابق واقع ہوئی آپ اس کتاب کے صفحہ ۵۹ پر لکھتے ہیں "اللہ تعالیٰ سورہ اعراف میں فرماتا ہے ان الذین اتخذوا العجل سینالھم غضب من ربھم وذلۃ فی الحیوۃ الدنیا وکذلک نجزی المفترین یعنی جنہوں نے گوسالہ پرستی کی انپر غضب کا عذاب پڑیگا اور دنیا کی زندگی میں انکو ذلت پہنچے گی اور اسی طرح ہم دوسرے مفتریوں کو سزا دیں گے اور یہ ایک

لطیف اشارہ ان گوسالہ پرستوں کی طرف بھی ہے جو اس دوسرے گوسالہ یعنی لیکھرام کی پرستش کرنے میں ظلم اور خونریزی کے ارادوں تک پہنچ گئے خدا کے علم سے کوئی شے باہر نہیں وہ خوب جانتا تھا کہ ہندو بھی لیکھرام کی پرستش کرکے اسکو گوسالہ بنائیں گے اس لیے اُس نے کذٰلک کے لفظ سے لیکھرام کے قصّے کی طرف اشارہ کر دیا۔ توریت خروج باب ۳۲ آیت ۳۵ سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر گوسالہ پرستی کے سبب سے موت بھیجی تھی یعنی ایک وبا اُن میں پڑ گئی تھی جس سے وہ مر گئے تھے ...... اُسی مقام کے متعلق اس عاجز کو الہام ہوا ہے یا مسیح الخلق عدوانا یعنی اے خلقت کے لیے مسیح ہماری متعدی بیماریوں کے لیے توجہ کر۔ اور براہین احمدیہ کے صفحہ ۵۱۹ میں اسی کی طرف اشارہ ہو جیسا کہ وہ عزّ اسمہٗ فرماتا ہے انت مبارک فی الدنیا و الاٰخرۃ امراض الناس و برکاتہ ان ربک فعال لما یرید۔ یعنی تجھے دنیا اور آخرت میں برکت دی گئی ہے خدا کی برکتوں کے ساتھ لوگوں کی بیماریوں کی خبر لے کہ تیرا رب جو چاہتا ہے کرتا ہے دیکھو یہ کس زمانہ کی خبریں ہیں اور نہ معلوم کس وقت پوری ہونگی ایک وہ وقت ہے جو دعا سے مرتے ہیں اور دوسرا وہ وقت آتا ہے کہ دعا سے زندہ ہوں گے۔“

مندرجہ بالا عبارت میں ایک صریح پیشگوئی اس امر کی پائی جاتی ہے کہ اس ملک میں وبا پھیلے گی حضرت مسیح موعودؑ نے صرف قرآن شریف کے الفاظ سے ہی یہ نتیجہ نہیں نکالا بلکہ آپ نے اپنے الہامات کو بھی درج کیا ہے جن میں بتلایا گیا ہے کہ اس ملک میں طاعون پھیلنے والی ہے۔ اور آخر لوگ آپکی طرف توجہ کریں گے اور وبا کے دُور ہونے کے لیے دعا کی درخواست کریں گے۔ پھر ۶۔ فروری ۱۸۹۸ء کو آپنے ایک اشتہار شایع کیا جس میں لوگوں کو آنیوالی طاعون سے ڈرایا اس اشتہار میں طاعون کی مندرجہ ذیل پیشگوئی پائی جاتی ہے ”اور ایک ضروری امر ہے جس کے لکھنے پر میری جوش ہمدردی نے مجھے آمادہ کیا ہے اور میں خوب جانتا ہوں کہ جو لوگ روحانیت سے بے بہرہ ہیں اسکو ہنسی اور ٹھٹھے سے دیکھیں گے مگر میرا فرض ہے کہ میں اسکو نوع انسان کی ہمدردی کے لیے ظاہر کروں اور وہ یہ ہے کہ آج جو ۶ فروری ۱۸۹۸ء روز یکشنبہ ہے میں نے خواب میں دیکھا کہ خدا تعالیٰ کے ملائک پنجاب کے مختلف مقامات میں سیاہ رنگ کے پودے لگا رہے ہیں اور وہ درخت نہایت بدشکل اور سیاہ رنگ اور خوفناک اور چھوٹے قد کے ہیں میں نے بعض لگانیوالوں سے پوچھا کہ یہ کیسے درخت ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ طاعون کے درخت ہیں جو عنقریب ملک میں پھیلنے والی ہے میری پر یہ امر مشتبہ رہا کہ اُس نے یہ کہا کہ آئندہ جاڑے میں یہ مرض بہت پھیلے گا یا یہ کہا کہ اس کے بعد کے جاڑے میں پھیلے گا لیکن نہایت خوفناک نمونہ تھا جو میں نے دیکھا۔ اور مجھے اس سے پہلے طاعون کے بارہ میں الہام بھی ہوا اور وہ یہ ہے ان اللہ لا یغیّر ما بقوم حتّٰی یغیّروا ما بانفسھم۔ انّہٗ اوی القریۃ۔ یعنی جب تک دلوں کی وبا معصیت دُور نہ ہو تب تک ظاہری وبا بھی دُور نہیں ہوگی۔“ اس اشتہار کے آخر میں چند فارسی شعر ہیں جن میں آنیوالی طاعون کا خوفناک رنگ میں نقشہ کھینچا گیا ہے۔ میں اُن میں سے بعض اشعار بطور نمونہ یہاں درج کرتا ہوں۔ آپ لکھتے ہیں

گر آں چیزے کہ می بینم عزیزاں نیز دیدندے ÷ ز دنیا توبہ کردندے بچشم زار و خونبارے
خور تاباں سیہ گشت است از بدکاریٔ مردم ÷ زمیں طاعوں ہمیں آرد پئے تخویف و اندارے
بہ تشویش قیامت ماند ایں تشویش گر بینی ÷ علاجے نیست بہر دفع آں جز حسن کردارے
من از ہمدردی ات گفتم تو خود ہم فکر کن بارے ÷ خرد از بہر ایں روز است اے دانا و ہشیارے

یہ اشتہار اُسوقت شایع کیا گیا جب پنجاب طاعون سے پاک تھا صرف ایک دو گاؤں میں طاعون ابھی پھوٹی ہی تھی اور وہ مناسب ذرایع استعمال کرنیسے دوسرے دیہات میں پھیلنے سے روکی جاسکتی تھی۔ مگر اس اشتہار کے مطابق وہ بیماری کل پنجاب میں خوفناک رنگ میں پھیل گئی اور جو نقشہ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے اشتہار میں کھینچا ہے وہ اب ہر ایک کی آنکھوں کے سامنے ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کے اور الہامات اور پیشگوئیاں بھی ہیں جن میں طاعون کے آنیکی خبر دی گئی تھی۔ مگر جو الہامات اور پیشگوئیاں مَیں پیش کر چکا ہوں وہ اس امر کے ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ نے ایسے وقت میں طاعون کے آنیکی صاف اور کھلے کھلے الفاظ میں پیشگوئی کی جب کہ ملک میں طاعون کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ اسطرح نہ صرف قرآن شریف اور احادیث میں آخری زمانہ کے رسول کے عہد میں ایک لمبی اور شدید وبا کے پھیلنے کی پیشگوئی پائی جاتی ہے بلکہ اُس رسول نے خود اس وبا کے پھیلنے کی قبل از وقت خبر دی اور اب کچھ بھی شک اس امر میں باقی نہیں رہتا کہ اِس وبا کا آنا اس رسول کی صداقت کے لیے ایک نشان ہے۔ جن کتابوں اور اشتہارات کا میننے ذکر کیا ہے وہ سب موجود ہیں اور ہر ایک شخص ان کو دیکھ سکتا اور اپنی تسلی کر سکتا ہے۔

بائبل اور طاعون:۔ اس جگہ اس پیشگوئی کا بھی ذکر کیا جا سکتا ہے جو نئے عہدنامہ میں طاعون کے متعلق موجود ہے۔ جب حواریوں نے حضرت مسیح سے سوال کیا کہ آپکی دوبارہ آمد کے کیا نشان ہوں گے تو حضرت مسیح نے جواب دیا کہ ایک قوم دوسری قوم پر چڑھائی کریگی اور ایک سلطنت دوسری سلطنت پر چڑھائی کریگی اور مختلف مقامات میں قحط ہونگے اور مری پڑیگی اور زلزلے آئیں گے۔ اب اس پیشگوئی کے مطابق نہ صرف مری پڑی ہے بلکہ دوسرے سب علامات جن کا حضرت مسیح نے ذکر کیا ہے وہ سب ایسی صریح طور پر پوری ہوئی ہیں کہ کوئی شخص اس پیشگوئی کے پورا ہونے پر شک نہیں کر سکتا۔ لیکن تعجب کی بات ہے کہ جب کبھی اس پیشگوئی کا ذکر کیا جاتا ہے تو ہندوستان کے پادری خصوصاً ایک صاحب پادری اکبر مسیح سخت غیظ میں آجاتے ہیں۔ اور بڑی طیش میں آکر کہتے ہیں کہ مسیح ان علامات کے ظہور کے بعد ظاہر ہونا چاہیئے تھا نہ پہلے۔ یہ صاحبان خیال کرتے ہیں کہ مسیح موعود کی سچائی کا صرف یہی پیشگوئی ایک ثبوت ہے گویا یہ ہمارے مشن کا ایک ستون ہے اور اگر یہ ستون ہٹا لیا جائے تو یہ ساری عمارت گر کر نابود ہو جائیگی۔ یہی وجہ ہے کہ جب کبھی انکے سامنے اس پیشگوئی کا ذکر کیا جاتا ہے

تو یہ لوگ نیلے پیلے ہو جاتے ہیں اور لڑنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ انکو معلوم ہونا چاہیئے کہ مسیح موعودؑ کے دعویٰ کا انحصار انجیل کی اس پیشگوئی پر ہرگز نہیں ہے۔ ہم نے اسی لیے انجیل کا ذکر قرآن شریف۔ احادیث اور مسیح موعودؑ کے الہامات کے بعد کیا ہے تا عیسائیوں کو معلوم ہو کہ ہم طاعون کی پیشگوئی کے لیے انجیل کے ہرگز محتاج نہیں ہیں۔ انجیل متی میں اس پیشگوئی کا ہونا مسیح موعودؑ کے دعویٰ کی قوت کو زیادہ نہیں کرتا اور اگر ہم فرض کر لیں کہ یہ پیشگوئی انجیل متی میں موجود نہیں ہے تو اس سے مسیح موعودؑ کے دعویٰ میں ذرا بھی کمزوری واقع نہیں ہوتی۔ طاعون کی پیشگوئی قرآن شریف میں موجود ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پیشگوئی کو بیان کیا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے خود بارہا قبل از وقت اس پیشگوئی کو شایع کیا۔ اس لیے ہمیں انجیل متی کی ذرا بھی پروا نہیں۔ ہم خدا تعالیٰ کا شکر کرتے ہیں کہ اُس نے ہمیں متی۔ لوقا۔ یا یوحنا کی احتیاج سے بچا لیا۔ اگر ہم ان کتابوں کا ذکر کریں تو یہ ہمارا عیسائیوں پر احسان ہے کہ ہم ان کی کتابوں کی بعض پیشگوئیوں کا قرآن شریف اور احادیث اور مسیح موعودؑ کی پیشگوئیوں کے ساتھ ذکر کر کے انکی کتابوں کو ایک عزت دیتے ہیں۔ طاعون کی پیشگوئی چار جگہ موجود ہے۔ متی کی انجیل میں۔ قرآن مجید میں احادیث میں اور مسیح موعودؑ کی تحریروں میں۔ مؤخر الذکر تین جگہوں میں طاعون کا مسیح موعود کے ظہور کے بعد ظاہر ہونا لکھا گیا ہے اس لیے اگر متی کی انجیل میں کوئی ایسا لفظ ہے جس سے یہ پایا جاتا ہے۔ کہ طاعون پہلے ظاہر ہوگی اور مسیح موعودؑ بعد میں آئیگا تو ہمیں یہ نتیجہ نکالنا چاہیئے کہ متی نے پیشگوئی کی روایت میں غلطی کی کیونکہ باقی تین پیشگوئیاں یعنی قرآن مجید۔ احادیث اور مسیح موعودؑ کی پیشگوئیاں متعلق طاعون یہ بیان کرتی ہیں کہ طاعون بعد میں ظاہر ہوگا اور مسیح پہلے آئیگا۔ اور واقعات بھی متی کے بیان کی تغلیط کرتے ہیں اور قرآن شریف اور احادیث کی پیشگوئی کی تصدیق کرتے ہیں کیونکہ مدعی پہلے ظاہر ہوا اور اُس کی تصدیق میں قرآنی پیشگوئی اور مخبر صادق کی خبر کے مطابق اور خود اُس مدعی کے الہامات کے مطابق طاعون بعد میں ظاہر ہوا پس اگر متی نے کوئی ایسا لفظ لکھا ہے جس سے پایا جاتا ہے کہ طاعون مسیح موعود سے پہلے آئیگا تو ہمیں متی کی روایت کو غلط ٹھہرانا چاہیئے۔ اور قانون قدرت اور خود انبیاءؑ کی تاریخ بھی متی کے بیان کے مخالف ہے کیونکہ گذشتہ تاریخ اور سُنّت اللہ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ پہلے ایک ڈرانیوالا آتا ہے جو تبلیغ کرتا ہے اور نشانات دکھلاتا ہے اور جب دنیا اُسکو ردّ کرتی ہے اور اُسکی آواز کو نہیں سنتی اور وہ اُنپر حجت پوری کر چکتا ہے اسوقت اور نہ پہلے عذاب نازل ہوتا ہے اور عقل بھی یہی چاہتی ہے کہ پہلے ایک ڈرانیوالا آئے اور بعد میں عذاب آئے اگر لوگ عذاب کے مستحق ہوں۔ نہ یہ کہ عذاب پہلے آئے اور ڈرانیوالا بعد میں۔ عارضی طور پر وبائیں وغیرہ لوگوں کے گناہوں کی سزا کے لیے آسکتی ہیں مگر ایک مسلسل اور ہلاک کر دینے والا عذاب جو قیامت برپا کر دے ایسا عذاب نہیں آسکتا جب تک پہلے ایک نذیر ظاہر نہ ہو۔ مَیں عیسائیوں سے پوچھتا ہوں کہ جس عذاب کا نقشہ انجیل متی میں کھینچا گیا ہے کیا ایسا عذاب ایک ڈرانیوالے کے آنیکے بغیر آسکتا ہے؟ کیا جب وبائیں اور قحط

اور جنگ دنیا کا قریباً خاتمہ کر دینگے اُسوقت تمھارا مسیح ظاہر ہوگا؟ کیا وہ کھنڈرات پر چلنے اور خون کے دریاؤں اور سڑی ہوئی لاشوں کی سیر کرنیکے لیے آسمان سے اُتریگا؟ ایسے وقت میں اُسکے اُترنے سے کیا فایدہ؟ غرض اس سے زیادہ کوئی حماقت کی بات نہیں کہ یہ خیال کیا جائے کہ جب دنیا وباؤں اور لڑائیوں اور زلزلوں اور قحطوں سے تباہ ہو چکیگی اُسوقت اُنکے لیے ایک واعظ آئیگا۔ عیسائیوں کے لیے سلامتی کی راہ یہی ہے کہ اگر متی نے کوئی ایسا اشارہ کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا پہلے تباہ ہوگی اور مسیح بعد میں آئیگا تو اُسے متی کی اپنی غلطی قرار دیں۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو وہ وقت قریب آرہا ہے کہ انکو خود اس پیشگوئی کو جھوٹا کہنا پڑیگا۔ اس بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ انجیل کی وہ پیشگوئی جس میں زلزلوں۔ وباؤں اور قحطوں اور جنگوں کی خبر دی گئی ہے ایک حیرت انگیز طور پر پوری ہو رہی ہے اور متی کے خیال کے مطابق بھی اب مسیح کا آنا قریب ہے۔ اب اگر کچھ عرصہ تک مسیح آسمان سے فرشتوں اور نقاروں کے ساتھ نہ اُترے تو عیسائیوں کو مایوس ہو کر کہنا پڑیگا کہ متی پر افسوس جس نے ہمیں دھوکہ دیا۔ مسیح آچکا تھا اور نشانات ظاہر ہو چکے تھے مگر ہم آسمانوں کی طرف ہی دیکھتے رہے اور وقت گذر گیا۔ غرض ہم عیسائیت پر ایک احسان کرتے ہیں جب ہم اناجیل کی پیشگوئی کا قرآن مجید احادیث اور مسیح موعودؑ کی پیشگوئیوں کے ساتھ ذکر کرتے ہیں اور ہم یسوع مسیح کو ایک عزت دیتے ہیں جب ہم اپنے پیارے نبی اور اپنے مقدس احمدؐ کے مبارک ناموں کے ساتھ اس کے نام کا ذکر کرتے ہیں۔ لیکن اگر پادری صاحبان کو یہ امر پسند نہیں تو ہم اس پیشگوئی کو جو پادریوں کے ہاتھ میں ہے بڑی خوشی سے ردی کی طرح پھینکنے کے لیے تیار ہیں کیونکہ ہمیں اس پیشگوئی کی ذرا بھی حاجت نہیں۔ پادریوں کو معلوم ہے کہ مسیح کے اقوال کئی سال بعد قلمبند کیے گئے اور ان میں غلطی کا داخل ہو جانا بالکل ممکن تھا۔ پھر معلوم نہیں پادری صاحبان کیوں اسقدر متی کے ایک ایک لفظ پر اڑتے ہیں جبکہ واقعات متی کی غلطی کو ثابت کر چکے ہیں۔

اب مَیں ثابت کر چکا ہوں کہ قرآن مجید میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال میں اور مسیح موعودؑ کی تصانیف میں آخری زمانہ کے رسول مسیح موعودؑ کے زمانہ میں طاعون کا ظاہر ہونا بیان کیا گیا ہے اور یہ سب پیشگوئیاں پوری ہو چکی ہیں اور مسیح موعودؑ کی صداقت کی شہادت دیتی ہیں۔ اب مَیں چند اور امور ذیل میں لکھتا ہوں جن سے اور بھی کھلے طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ ضرور یہ طاعون مسیح موعودؑ کی صداقت کا ایک نشان ہے۔

احمدؑ کی پیشگوئی اپنے دار کے متعلق۔ پہلا امر جس سے ثابت ہوتا ہے کہ طاعون مسیح موعودؑ کا ایک نشان ہے یہ ہے کہ مسیح موعودؑ نے اپنے نفس کے متعلق اور اپنے گھر کے متعلق بارہا یہ پیشگوئی شایع کی ہے کہ نہ صرف مَیں بلکہ ہر ایک شخص جو میرے گھر کی چار دیواری کے اندر رہتا ہے طاعون سے محفوظ رہیگا تا لوگوں پر ظاہر ہو کہ طاعون میرے لیے بطور نشان کے ظاہر ہوئی ہے۔ آپ کی اس پیشگوئی کی بنیاد ایک الہام پر ہے

جو حسب ذیل ہے۔
انی احافظ کل من فی الدار۔ یعنی ہر ایک شخص جو اس گھر میں رہتا ہے مَیں اُس کی حفاظت کروں گا۔
ہم روزمرہ اس پیشگوئی کی صداقت کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ قادیان میں ایک سے زیادہ دفعہ طاعون نمودار ہوئی یہانتک کہ وہ مکان بھی طاعون سے مؤثر ہوئے جو آپ کے گھر کے بالکل متصل ہیں مگر آپ کے گھر میں جسقدر لوگ رہتے تھے اللہ تعالیٰ کے فضل سے سب کے سب محفوظ رہے۔ آپ کا گھر ہر وقت بھرا رہتا ہے کیونکہ اُس میں نہ صرف آپ کے اہل و عیال بود و باش رکھتے ہیں بلکہ اور بھی بہت سے لوگ بمعہ اپنے بیوی بچوں کے آپ کے مکان کے اندر رہتے ہیں۔ طاعون کے دنوں میں آپ کبھی اپنے مکان کو نہیں چھوڑتے۔ بلکہ اپنے احباب کو بھی جہانتک ممکن ہو اپنے مکان میں جگہ دیتے ہیں تا وہ بھی خدا کی خاص حفاظت سے حصہ لیں۔ علاوہ اسکے طاعون کے ایام میں گرد و نواح کے لوگ جوق در جوق آتے ہیں اور آپ کی مسجد مبارک جو آپ کے مکان کا ایک حصہ ہے ایسے لوگوں سے بھری رہتی ہے جو طاعون زدہ علاقوں سے آتے ہیں تا آپ کی زیارت سے مشرف ہوں اور آپ کے ساتھ مصافحہ کریں اور اپنے لیے دعا کرائیں۔ لیکن باوجودیکہ اسقدر آپ کے [illegible] اندر اور مسجد میں آدمیوں کا ہجوم رہتا ہے آپ کا مکان خدا تعالیٰ کے فضل سے محفوظ چلا آرہا ہے۔ اور احمدؑ نے بارہا یہ اعلان کیا ہے کہ اگر کسی کو اس نشان میں جو آپ کے مکان کی حفاظت کی صورت میں ظاہر ہو رہا ہے۔ شک ہو تو وہ اپنے لیے اور اپنے گھر میں رہنے والوں کے لیے ایسی ہی حفاظت کا اعلان کرے اگر وہ ایسا کریگا تو یقیناً خدا تعالیٰ اُسکو اور اس کے گھر کو تباہ کریگا تا سچ اور جھوٹ میں تمیز ہو اور یہ ثابت ہو جاوے کہ مسیح موعودؑ اور اُس کے گھر والوں کی حفاظت واقعی خدا تعالیٰ کی طرف سے اور خدا تعالیٰ کے ارادہ سے ہے۔ ممکن ہے کہ بہت سے مکانات طاعون کے حملہ سے محفوظ رہیں مگر صرف محفوظ رہنا اور امر ہے اور حفاظت کا قبل از وقت اعلان کرنا اور اُس اعلان کے مطابق محفوظ رہنا یہ اور امر ہے۔ کیونکہ پہلی صورت میں کوئی نشان نہیں مگر دوسری صورت اپنے اندر ایک نشان رکھتی ہے میں پہلے براہین احمدیہ کے ایک الہام منزخلہ کا ذمنا کا ذکر کر آیا ہوں۔ یہ الہام بھی اسی حفاظت کے متعلق ہے جسکا انی احافظ کل من فی الدار میں وعدہ دیا گیا ہے۔

احمدؑ کی پیشگوئی قادیان کے متعلق دوسرا امر جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ طاعون مسیح موعودؑ کے لیے بطور نشان کے بھیجی گئی ہے مسیح موعودؑ کی پیشگوئی قادیان کے قریہ کے متعلق ہے۔ آپ کے الہامات آپ کے گاؤں کے متعلق حسب ذیل ہیں۔

(۱) انہ اوی القریۃ۔ یعنی خدا تعالیٰ نے اس گاؤں کو ہلاکت سے بچا لیا۔ (۲) لولا الاکرام لھلک المقام۔ یعنی اگر میری عزت کا پاس نہ ہوتا تو یہ گاؤں نابود کر دیا جاتا۔ (۳) انی احافظ کل من فی الدار۔ یعنی مَیں ہر ایک شخص کی جو اس گھر میں رہتا ہے حفاظت کروں گا۔ لفظ اوی جو پہلے الہام میں آیا ہے اُس سے

ایسی پناہ اور حفاظت مراد ہوتی ہے جو تکلیف میں مبتلا ہونیکے بعد ملے۔ اس کی مثال قرآن شریف میں موجود ہے۔
حضرت مسیح اور آپ کی والدہ ماجدہ کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ وآوینٰھما الیٰ ربوۃ ذات قرار ومعین
یعنی ہم نے ان دونوں کو ایک ایسے ٹیلے (یعنی اونچی اور پہاڑی زمین) میں جگہ دی جو بڑے آرام کی جگہ تھی اور
جہاں چشمے اور نہریں بہتی تھیں اس میں ملک کشمیر کی طرف اشارہ ہے جہاں حضرت مسیح نے صلیب کے دردناک واقعہ
کے بعد پناہ حاصل کی۔ اب کس کو معلوم نہیں کہ حضرت مسیح واقعی ایک مصیبت میں گرفتار ہوئے اور تکلیف اٹھائی
اور انکو سخت درد اور دکھ اُٹھانیکے بعد پناہ دیگئی۔ یہی لفظ آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کے متعلق بھی آیا ہے۔ خدا
تعالیٰ فرماتا ہے الم یجدك یتیماً فآوی۔ یعنی کیا خدا تعالیٰ نے تم کو یتیم پاکر پناہ نہیں دی۔ یہاں بھی لفظ آوی
ایسی پناہ کے لیے استعمال کیا گیا ہے جو ایک ابتلا کے بعد دیگئی۔ ان مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ لفظ آوی ایسی
صورت میں استعمال ہوتا ہے جب پہلے ایک ابتلا اور تکلیف پہنچے اور اس کے بعد پناہ دی جاوے۔ اب یہی لفظ پہلے
الہام یعنی انه اوی القریة میں قادیان کے متعلق استعمال کیا گیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قادیان میں طاعون کا
آنا ضروری تھا کیونکہ اگر قادیان طاعون سے بالکل محفوظ رہتی تو لفظ اوی اسپر صادق نہیں آسکتا تھا اس طرح
لفظ اوی میں دو پیشگوئیاں تھیں۔ ایک یہ کہ قادیان میں طاعون نمودار ہوگی۔ دوم یہ کہ قادیان طاعون میں مبتلا
ہونیکے بعد ہلاکت سے بچالیا جائیگا۔ اس سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ بہت سے گاؤں ایسے بھی ہیں جو طاعون سے بالکل نابود
کیے جائیں گے اور قادیان بھی اس قابل تھا کہ انہیں دیہات کی طرح طاعون سے بالکل نابود کردیا جاتا مگر خدا تعالیٰ
مسیح موعودؑ کی خاطر حسب مفہوم لفظ اوی طاعون میں مبتلا کرنیکے بعد اسکو اپنی پناہ میں لے لیگا۔ یہ بھی یاد رکھنا
چاہیئے کہ لفظ اوی کی یہ تشریح بعد میں نہیں سوجھی بلکہ قبل از وقت اس لفظ کے معنی لکھ لکھ کر بیان کردیئے گئے تھے
اور یہ بتلا دیا گیا تھا کہ اس لفظ کے مفہوم کے رو سے ضرور ہے کہ قادیان میں طاعون نمودار ہو مگر خدا تعالےٰ
اسکو ہلاکت سے بچالے گا دیکھو کتاب دافع البلا صفحہ ۵۔ باقی کے دو الہام بھی اسی نتیجہ کی طرف رہنمائی کرتے
ہیں۔ چنانچہ دوسرا الہام یہ ہے لولا الاکرام لهلك المقام۔ یعنی اگر تیری عزت کا پاس نہ ہوتا تو یہ مقام اس
قابل تھا کہ بالکل نابود کردیا جاتا کیونکہ یہ نہایت ہی سخت اور بدکار دشمنوں کا مقام ہے۔ تیسرے الہام یعنی انی
احافظ کل من فی الدار سے بھی یہی پایا جاتا ہے خدا تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ تیرا گھر طاعون سے محفوظ رہے گا
صاف بتلا رہا تھا کہ اس گاؤں میں طاعون آنیوالی ہے کیونکہ اگر کل گاؤں ہی طاعون سے کلی طور پر محفوظ
رہنا تھا تو ایک گھر کی تخصیص کے کیا معنے۔ ایک اور بات بھی قابل غور ہے جو لفظ گاؤں کے متعلق استعمال
کیا گیا ہے۔ وہ اوی ہے اور جو لفظ خاص دار کے واسطے استعمال کیا گیا ہے وہ اُحافظ ہے۔ ان دو الہاموں
میں دو مختلف لفظوں کا استعمال کرنا توجہ کے قابل ہے۔ جو لفظ خاص دار کے واسطے استعمال کیا گیا ہو اُسکے

سے کامل حفاظت کے ہیں اور جو لفظ عام گاؤں کے واسطے استعمال کیا گیا ہے اُس کے معنے ایسی حفاظت کے ہیں جو مصیبت کے بعد دی جاوے۔ ایک اور الہام میں جو دار کے متعلق ہے اَمن کا لفظ آیا ہے اور لفظ احافظ اور امن دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے یعنی پورے طور پر بچایا جانا بغیر مصیبت میں مبتلا ہونے کے۔ عام گاؤں کے متعلق ان دونوں لفظوں میں سے کوئی بھی استعمال نہیں کیا گیا۔ برخلاف اسکے۔ گاؤں کے متعلق ایک ایسا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس میں مصیبت میں مبتلا ہونا اور پھر بچایا جانا پایا جاتا ہے۔ سو اس لفظ کے مفہوم کے مطابق قادیان طاعون میں مبتلا ہوا مگر تھوڑے سے عذاب کے بعد بچا لیا گیا۔

مسیح موعودؑ کی کشتی :۔ مسیح موعودؑ نے جو پیشگوئی اپنے اتباع کے متعلق کی ہے وہ بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ طاعون مسیح موعودؑ کی سچائی کا ایک نشان ہے۔ آپ نے ایک کتاب شایع کی ہے جس کا نام ہے کشتی نوح۔ اس کتاب میں آپ نے اپنی تعلیم کو شایع کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کے اتباع میں سے جو لوگ اس تعلیم پر پورے طور پر کاربند ہونگے اُنکو خدا تعالیٰ طاعون سے محفوظ رکھے گا۔ اس کے متعلق آپکا ایک الہام حسب ذیل ہے۔ ان الذین اٰمنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم اولئک لھم الامن واولئک ھم المھتدون۔ یعنی اُن لوگوں کے لیے امن ہے جو ایمان لائے اور جنہوں نے اپنے ایمان کو ظلم سے نہیں ملایا۔ اور ایسے لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ آپ کا ایک اور الہام اس مضمون کے متعلق حسب ذیل ہے **آگ سے ہمیں مت ڈراو آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے**۔ ان الہامات سے پایا جاتا ہے کہ آپ کے سچے اتباع جو کامل طور پر آپ کی تعلیم پر چلتے ہیں اور حقیقی طور پر دین کو دنیا پر مقدم کرتے ہیں طاعون سے محفوظ رہیں گے لیکن صرف زبان سے مان لینا مگر تعلیم پر پورا پورا کاربند نہ ہونا طاعون سے حفاظت حاصل کرنیکے لیے کافی نہیں اسجگہ پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ اگر سارے مرید اس حفاظت میں شریک نہیں ہیں اور اگر بعض اسی طرح طاعون میں مبتلا ہو سکتے ہیں جیسے دوسرے لوگ مبتلا ہوتے ہیں تو پھر ہم کس طرح پہچانیں گے کہ طاعون مسیح موعودؑ کا نشان ہے اور مسیح موعودؑ پر ایمان لانا اور اُس کے نصائح پر کاربند ہونا طاعون سے بچنے کے لیے مفید ہو سکتا ہے۔ مگر پیشتر اسکے کہ میں اس سوال کا جواب دوں میں یہ دریافت کرتا ہوں کہ آپ ایک دوا کا مفید ہونا کس طرح پہچانتے ہیں۔ کیا آپ صرف اُسی دوا کو مفید سمجھتے ہیں جو ہمیشہ اور ہر ایک بیمار کی صورت میں کارگر ہو یا ایسی دواؤں کو بھی مفید قرار دیتے ہیں جو اکثر بیماروں کی صورت میں کارگر ہوتی ہیں۔ مثلاً طاعون کا ٹیکا بطور حفظ ماتقدم کے جاری کیا گیا تھا اور اب پھر اُسکو جاری کرنے کی تجویز ہو رہی ہے اور اُسکو نہایت ہی مفید علاج قرار دیا گیا ہے مگر میں پوچھتا ہوں کہ کیا یہ علاج کُل صورتوں میں کارگر ثابت ہو چکا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ پس اس علاج کو جسکو مسیح موعودؑ پیش کرتا ہے اسی طرح پرکھو جس طرح تم ہر ایک علاج کو پرکھا کرتے ہو۔ اگر وہ لوگ جو اس آسمانی ٹیکو کیطرف

رجوع کرتے ہیں دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ محفوظ رہیں اور نسبتاً اُن میں ایک نمایاں امن اور سلامتی پائی جائے تو یقیناً ہمیں اس علاج کو مفید علاج قرار دینا چاہئیے یقین رکھو کہ یہ طاعون کا یقینی علاج ہے اور اس کے سوا اور کوئی علاج نہیں مگر اس کو آزمانے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی پوری خوراک استعمال کی جائے۔ اگر ایسے لوگ جو صرف اس دوا کو چکھتے ہیں مگر پوری خوراک نہیں کھاتے طاعون سے مر جائیں تو اس سے دوا پر الزام نہیں آتا۔ کیا پانی کا ایک قطرہ پیاس کو بجھا سکتا ہے یا روٹی کا ایک ٹکڑا بھوکے کو سیر کر سکتا ہے۔ اگر تم اس علاج کو اسی طرح آزماؤ جس طرح تم باقی علاجوں کو آزمایا کرتے ہو تو تم یقیناً دیکھو گے کہ اس علاج کو استعمال کرنے یا استعمال کرنیکا دعویٰ کرنیوالے دوسرے لوگوں کی نسبت اللہ تعالےٰ کے فضل سے زیادہ محفوظ اور زیادہ امن میں ہیں۔ مثلاً قادیان میں ایک دو دفعہ بیماری آئی ہے مگر خدا تعالےٰ کے محض فضل سے احمدی جماعت عام طور پر محفوظ رہی حالانکہ کُل بڑے بڑے آریہ جنہوں نے احمدی سلسلہ کے مقابل میں ڈیرہ جمایا تھا اور مدرسہ تعلیم الاسلام کے مقابل میں ایک مردانہ اور ایک زنانہ سکول کھولا تھا اور احمدی سلسلہ کے اخباروں کے مقابلہ میں ایک اخبار جاری کیا تھا اور ہمارے جلسوں کے مقابل میں جلسے قایم کرنے شروع کیے تھے اُن سب کو طاعون نے اپنا لقمہ بنایا اور اب نہ وہ اخبار رہا نہ وہ مدرسے رہے اور نہ وہ جلسے رہے اور نہ ہی وہ آریہ رہے۔ آریوں کی یہ ہلاکت اور احمدی جماعت کی اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ حفاظت ایک عقلمند آدمی کے لیے غور کا مقام ہے۔ اس میں شک نہیں کہ خدا تعالیٰ اس سلسلہ کے ہر ایک ممبر کو طاعون سے محفوظ رکھ سکتا ہے مگر ایسا کرنا نہ صرف اُسکے قانون کے برخلاف ہے بلکہ اس سے بہت سے بُرے نتایج پیدا ہو سکتے ہیں۔ اگر ہر ایک شخص جو حضرت مسیح موعودؑ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھے طاعون سے بچایا جاوے اور اُن میں سے کوئی بھی طاعون سے نہ مرے تو پھر کون ایسا شخص ہے جو اپنی جان بچانے کے لیے مسیحؑ کے ہاتھ پر ہاتھ نہ رکھے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بدمعاش اور شریر لوگ بھی اس سلسلہ کو طاعون سے حفاظت کا ذریعہ سمجھ کر اس سلسلہ کی پناہ ڈھونڈیں گے مگر خدا تعالیٰ نہیں چاہتا کہ اس سلسلہ میں ناپاک اور گندے لوگ داخل ہوں اور ابتداہی میں یہ سلسلہ ایسے ناپاک اور پلید لوگوں کے ملنے سے خراب ہو جائے۔ خدا تعالیٰ اس سلسلہ سے بہت پیار کرتا ہے اور اسکو پاکیزہ اور مقدس بنانا چاہتا ہے اور وہ نہیں چاہتا کہ یہ سلسلہ ناپاک لوگوں کے ملنے سے ناپاک ہو جائے۔ وہ نہایت ہی بدقسمت سلسلہ ہے جس میں ابتداہی میں گندے لوگ داخل ہو کر سلسلہ کو ناپاک کر دیں۔ حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں کہ اس علاج کا کارگر ہونا اور طاعون کا آپ کی سچائی کا ایک نشان ہونا ایک اور ذریعہ سے بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ بجائے اس کے کہ طاعون آپکے اتباع کی تعداد کو گھٹائے طاعون کے آنیسے انکی تعداد میں اور بھی نمایاں ترقی ہوگی اور آخر کار لوگ اس سلسلہ کی ترقی کو حیرت سے دیکھیں گے اور تعجب کریں گے کہ کیا وجہ ہے کہ طاعون کے ایام میں اور فرقوں کی تعداد گھٹ گئی ہے مگر اس فرقہ کی تعداد میں بجائے کمی کے ایک حیرت انگیز ترقی واقع ہوئی ہے۔ اگر طاعون کے ایام میں یہ فرقہ بجائے گھٹنے کے بڑھ جائے تو یہ اس امر کا صریح

ثبوت ہوگا کہ یہ بیماری اس سلسلہ کے فایدہ کے لیے آئی ہے اور اس کی سچائی کا ایک نشان ہے خصوصاً جب کہ اس فرقہ کے مقابل میں دوسرے فرقوں میں دیکھا جائے گا کہ طاعون کے آنیسے انکی تعداد میں ایک بڑی کمی اور نقصان واقع ہوا ہے۔ پس طاعون کے ایام میں اس سلسلہ کے ممبروں کی نمایاں اور حیرت انگیز ترقی اس امر کا یقینی ثبوت ہوگا کہ جس آسمانی ٹیکے کے لیے مسیح موعود بلاتا ہے وہ اس مرض کا یقینی علاج ہے اور جن لوگوں نے اس ٹیکے کو قبول کیا ہے انکے لیے یہ ٹیکا نہایت مبارک ثابت ہوا ہے۔ ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ طاعون مسیح موعودؑ کی سچائی کا ایک نشان ہے، یہ پیشگوئی قرآن مجید میں پائی جاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعودؑ کے زمانہ میں طاعون کے آنیکی خبر دی۔ خود حضرت مسیح موعودؑ کے الہامات اس کے آنیکی خبر دیتے تھے۔ اور علاوہ اسکے حضرت مسیح موعودؑ نے یہ بھی اعلان دیا کہ آپ نہ صرف وہ خود طاعون سے محفوظ رہیں گے بلکہ ہر ایک شخص جو آپکے گھر کی چار دیواری میں ہے طاعون سے بچایا جائیگا اور آپکے سلسلہ کے ممبر عام طور پر طاعون سے سلامتی اور امن میں رہیں گے اور طاعون کے آنیسے جب دوسری قوموں میں کمی اور نقصان واقع ہوگا آپ کی جماعت اور بھی ترقی کرے گی۔ اس کے علاوہ بائبل کی پیشگوئیاں بھی یہی بیان کرتی ہیں کہ طاعون کا ظاہر ہونا مسیح موعودؑ کا نشان ہوگا۔ ان تمام امور سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ طاعون مسیح موعودؑ کی سچائی کی شہادت دینے کے لیے نمودار ہوئی ہے۔ جن امور کو میں نے پیش کیا ہے وہ سب ایسے ہیں کہ کوئی شخص ان سے انکار نہیں کرسکتا اس لیے جو نتیجہ ان سے پیدا ہوتا ہے کہ طاعون مسیح موعودؑ کا ایک نشان ہے یہ بھی قطعی ہے۔

طاعون کا خاتمہ:۔ طاعون کا انجام ابھی دور ہے۔ مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ جو کچھ ہونیوالا ہے وہ اس سے بدتر ہے جو ہوچکا ہے۔ آپ کا ایک تازہ الہام ہے کہ شہروں کو دیکھ کر رونا آئے گا۔ آپکے ایک اور تازہ الہام سے معلوم ہوتا ہے کہ یورپ اور دوسرے عیسائی ملکوں میں ایک قسم کی طاعون پڑیگی جو بہت سخت ہوگی۔ آپ کا ایک تیسرا الہام ہے کہ کابل کی ریاست میں پچاسی ہزار کے قریب آدمی مریں گے۔ ممکن ہے کہ یہ پیشگوئی بھی طاعون ہی کے ذریعے پوری ہو۔ مگر باوجود اس کے ایک ایسا وقت بھی آنیوالا ہے کہ طاعون کا نام و نشان بالکل مٹ جائیگا۔ حضرت مسیح موعودؑ کا ایک الہام اُس زمانہ کی مندرجہ ذیل الفاظ میں خبر دیتا ہے۔ یاتی علی جھنم زمان لیس فیھا احد۔ یعنی اس جہنم (طاعون) پر ایک ایسا زمانہ آنیوالا ہے جبکہ اس میں ایک شخص بھی نہیں رہے گا۔ اس الہام میں طاعون کے نابود ہونیکی خبر دی گئی ہے مگر یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ طاعون کسطرح نابود ہوگی۔ حضرت مسیح موعودؑ کے جن الہامات میں طاعون کے آنیکی خبر دیگئی تھی انہی میں یہ بھی بتلایا گیا تھا کہ طاعون کسطرح جائیگی۔ طاعون کے جانے کے متعلق آپکے الہامات حسب ذیل ہیں۔ اوّل۔ انّ اللّٰہ لا یغیّر ما بقوم حتّٰی یغیّروا ما بانفسھم۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس وبا کو دُور نہیں کریگا جب تک کہ لوگ گناہوں کی وبا کو دُور نہ کریں۔ دوم۔ یا مسیح الخلق عدوانا۔ اے جو دنیا کے لیے مسیح بناکر بھیجے گئے ہو اس متعدی بیماری میں ہماری خبر لو اور مدد کرو۔ سوم۔ یا ولی اللّٰہ کنت

جو کچھ ظاہر ہوگا وہ اس بات سے

لا اعرفك - یعنی زمین مسیح موعودؑ کو مخاطب ہو کر کہتی ہے۔ اے اللہ کے دوست۔ مَیں تجھے نہیں پہچانتی تھی۔ ان تمام الہامات سے پایا جاتا ہے کہ ایک ایسا وقت آنیوالا ہے جبکہ زمین کی قومیں ان عذابوں سے تنگ آکر آخر مسیح موعودؑ کیطرف رجوع کریں گی۔ اور درخواست کرینگی کہ ہم پہلے آپ کو نہیں پہچانتے تھے۔ اب آپ ہمارے لیے دعا فرمائیں۔ کہ خدا تعالیٰ اس وبا رسے نجات دے۔ براہین احمدیہ میں حضرت مسیح موعودؑ کا ایک اور الہام ہے جو اسی کے متعلق ہے اور جو حسب ذیل ہے

انت مبارك في الدنيا والآخرة - امراض الناس وبركاته - ان ربك فعال لما يريد - یعنی تجھے اس دنیا میں برکت دیگئی اور آنیوالے عالم میں برکت دیگئی۔ تُو خدا کی برکات کے ساتھ لوگوں کی بیماریوں کی خبر لے۔ تیرا رب جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ چوتھائی صدی سے زیادہ عرصہ گذرا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کو یہ الہام ہوا اور اس میں دو پیشگوئیاں تھیں۔ اوّل یہ کہ لوگوں میں بیماریاں پھیلیں گی۔ دوم یہ کہ آخر مسیح موعودؑ کی دعاؤں کی برکت سے رفع ہونگی۔ چونکہ الہام کا ایک حصہ پورا ہو چکا ہے اس لیے یقین کیا جا سکتا ہے کہ دوسرا حصہ بھی پورا ہوگا۔ اس الہام اور اس قسم کے دیگر الہامات کا ذکر کرتے ہوئے آپ سراج منیر صفحہ ۶۰ پر لکھتے ہیں۔ "دیکھو یہ کس زمانہ کی خبریں ہیں اور نہ معلوم کس وقت پوری ہونگی ایک وہ وقت ہے جو دعا سے مرتے ہیں (لیکھرام کی موت کی طرف اشارہ ہے) اور دوسرا وہ وقت آتا ہی کہ دعا سے زندہ ہوں گے"۔ مَیں نے جو کچھ کہنا تھا کہدیا ہے۔ ناظرین کو چاہیئے کہ اسپر غور فرماویں۔ و اخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين۔ (نامہ نگار)

بابی مذہب (۲)

بابی مذہب کے فرقے

ہم نے کسی گذشتہ اشاعت میں جہاں بابی مذہب کے متعلق ایک مضمون لکھکر اس سلسلہ کی تاریخ کو زمانہ وفات بہاء اللہ تک (جو ۱۸۹۲ء میں واقعہ ہوئی تھی) پہنچایا تھا...... یہ کہا تھا کہ بہاء اللہ کے پیرو بہائی سلسلہ کو بابی سلسلہ کا ناسخ مانتے ہیں۔ اور سلپنے مذہب کا نام بھی بہائی مذہب ہی تجویز کرتے ہیں مگر ہم اس کا ذکر بابی مذہب کے نام سے ہی کرینگے کیونکہ ایک تو عام طور پر مشہور نام اس مذہب کا بابی مذہب ہی ہے۔ اور دوم اصل بات یہ ہے کہ اگر علی محمد باب دعویٰ نہ کرتا تو حسین علی بہاء اللہ کے دعاوی کتم عدم سے ظہور پذیر ہی نہ ہونے پاتے اس لیے ہم اس سلسلہ کا نام بابی سلسلہ ہی زیادہ پسند کرتے ہیں۔ باب کا بہاء اللہ پر کچھ تھوڑا احسان نہیں کیونکہ اس نے صرف اتنا ہی نہ کیا کہ بہاء اللہ کے دعوے کے لیے ایک رستہ تیار کر دیا بلکہ بہائی دعوے کا اصل اصول ہی باب تھا۔ اگرچہ بہاء اللہ ایسا ناشکر گذار نکلا کہ اس نے

البیان کی نسبت جو بابی مذہب کی کتاب مقدس ہے ظاہر کیا کہ یہ کتاب بالکل باطل اور بیکار ہے لیکن اسے یہ کہنے کا حق نہیں پہنچتا کہ یہ سلسلہ اس نے آپ ہی شروع کیا تھا۔ یہ عزت علی محمد باب کو ہی حاصل ہے اور اس لیے حق یہی ہے کہ یہ سلسلہ اپنے اصلی بانی مبانی کے نام سے موسوم کیا جائے۔

اسجگہ پر ہم اپنے ناظرین کی آگاہی کے لیے وہ چند باتیں درج کرتے ہیں جن سے یہ پتہ لگ سکے کہ کن وجوہ پر بہاء اللہ کے معتقد بابی کہلانے سے عار کرتے ہیں اور بہائی کہلانیکو ترجیح دیتے ہیں۔ بابی مذہب میں جو اوّل اوّل دو فرقے پیدا ہوئے ان میں سے ایک کا نام ازلی ہے اور دوسرے کا بہائی۔ ازلی فرقے کا بانی مرزا یحییٰ تھا۔ یہ شخص بھی باب کا معتقد تھا اور اپنے آپ کو "صبح ازل" کہا کرتا تھا۔ اسی لیے اس فرقہ کا نام بھی ازلی فرقہ ہوا۔ اسی طرح بہائی سلسلہ کا حسین علی بانی بنا۔ چونکہ یہ شخص اپنے آپ کو بہاء اللہ کہتا تھا اس لیے اس کے فرقہ کا نام بہائی مشہور ہوا۔ اس بات کا ذکر گذشتہ مضمون میں آچکا ہے کہ باب کا اصلی خلیفہ مرزا یحییٰ تھا۔ باب کے مرنیکے بعد مرزا یحییٰ نے اپنی طرف سے باب کے مذہب میں کمی بیشی کو داخل نہ ہونے دیا۔ بلکہ اس کے مذہب پر پورے طور سے کاربند رہا۔ ایک گروہ جو بابی تعلیمات اور عقاید پر کاربند رہنا پسند کرتا تھا وہ تو بدستور مرزا یحییٰ کی اطاعت میں مخلص اور منقاد رہا اور بہائی سلسلہ کے فضول اور واہیات عقاید سے متنفر رہا۔ لیکن ایک دوسرا گروہ جو بہائی کہلایا اور بہاء اللہ کی طرف ہو گیا اس نے اپنا ایک نیا مذہب ہی تجویز کر لیا۔ جس سے بابی تعلیمات اور عقاید بالکل جدا اور مختلف تھے۔ بہائی مذہب کی ایسی کامل علیحدگی دیکھکر سب سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بہاء اللہ کا باب کے ساتھ کیا تعلق تھا؟ ہم اس سوال کا ذیل میں جواب دیتے ہیں۔ لیکن یہ ایسا امر ہے کہ اس کی تشریح کے لیے ہمیں علی محمد باب کے دعاوی کی طرف رجوع کرنا پڑیگا۔

واضح رہے کہ بابی سلسلہ کے بانی کا پہلا دعویٰ یہ تھا کہ "میں باب یعنی دروازہ ہوں"۔ بہائی لوگ اسکی تعبیر یوں کرتے ہیں کہ علی محمد کی اس دعوے سے اصل غرض یہ تھی کہ جسطرح یوحنا بپتسمہ دینے والا (حضرت یحییٰؑ) جو ایلیا ثانی تھا یسوع مسیح (جو یہودیوں کا مسیح موعود تھا) کے آنیسے پہلے آیا تھا اور جسطرح اسکا یسوع مسیح سے پہلے آنا ضروری تھا اسی طرح وہ یعنی باب بھی بہاء اللہ کے آنیسے پہلے آیا اور اسی طرح اس کا آنا بہاء اللہ کے آنیسے پہلے ضروری تھا گویا باب کے معنے ایک پیچھے آنیوالے کی خوشخبری دینے والا تھا۔ لیکن یہ ان لوگوں کی سراسر غلط فہمی ہے۔ دراصل علی محمد نے باب کا نام اس غرض سے ہرگز اختیار نہ کیا تھا بلکہ اس نام کو اس نے شیخی فرقہ سے لیا تھا۔ اس بات کا ذکر پہلے آچکا ہے کہ علی محمد شیخی فرقہ کا ایک سرکردہ مرید تھا۔ اور اس فرقہ کا اعتقاد تھا کہ امام مہدی موعود زمانہ غیبوبت صغریٰ میں چار دروازوں سے اپنے معتقدوں اور مریدوں سے کلام کریگا یہ چار متواتر باب تھے جن سے انکی مراد یہ تھی کہ امام مہدی معہود اور انکے مخلص متبعین کے درمیان چار شخص ایسے ہونگے جن کے ذریعہ اُن کے درمیان تعلق و رشتہ ہوگا۔ اور یہی وہ واسطہ تھا جسکی بنا پر علی محمد نے باب کا لقب اختیار کیا۔ اور انہی معنوں میں شیخی فرقہ کے سارے ممبروں نے

پہلے پہل علی محمد کے باب ہونیکے دعوے کو قبول کر لیا تھا۔ اس وقت وہ صرف نزول امام مہدی کا قایل تھا۔ لیکن جب اُس نے دیکھ لیا کہ لوگوں نے اس کے اس دعوے کو بلاقیل وقال تسلیم کر لیا ہے تو پھر کچھ عرصہ کے بعد یہ درمیانی عہدہ ”باب“ تو اپنے ایک مرید کو دیدیا اور آپ مہدی ہُونیکا دعویٰ کر دیا۔ جیساکہ خود بابی لوگ کہتے ہیں۔ مگر در اصل نیا لقب جو علی محمد نے اختیار کیا تھا وہ ”نقطہ“ تھا۔ اور اس لفظ سے مراد اسکی یہ تھی کہ مَیں وہ مرکزی نقطہ ہوں کہ جسمیں پہلے تمام سلسلے منتہی ہوتے ہیں۔ اس لقب کو اُس نے اس نیت سے اختیار کیا تھا کہ اسکے یہ معنے سمجھے جائیں کہ ایک آخری مصلح کے آنیکے متعلق جتنی پیشگوئیاں ہو چکی ہیں وہ سب اسی نقطہ کے لیے تھیں اور اسی کے حق میں پوری ہو چکی ہیں۔ پس اس خیال سے علی محمد نے لقب ”باب“ سے آگے بڑھکر لقب نقطہ اختیار کر لیا۔ لیکن اس لقب نے ایسی شہرت حاصل نہ کی جتنی کہ لقب باب کر چکا تھا۔ عام طور پر اسکو لقب باب ہی سے پہچانا جاتا ہے جیساکہ پیچھے ذکر آچکا ہے باب کی سب سے بڑی تصنیف کتاب ”البیان“ ہے۔ جو اسکے سارے مشن کا لب لباب اور مخزن ہے۔ یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اس کتاب میں ایک آنیوالے موعود کی نسبت پیشگوئیاں درج ہیں اور اس موعود کا نام من یظہرہ اللہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی پیشگوئیاں باب نے اپنے سارے دعوے کر چکنے کے بعد لکھیں۔ اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ جب بہت ساری کوششوں کے بعد اسکو یقین ہو گیا کہ اس کے اپنے دعوے کچھ ایسے سرسبز نہیں ہو سکے۔ اور سب طرف سے ناکامی ہی ناکامی نظر آئی۔ تو اس نے اپنے مریدوں کے دلوں سے اس ناکامی کے احساس کو دُور کرنیکی یہ تجویز کی کہ انہیں ایک اور آنیوالے کی انتظار میں لگا رکھے تا اسکی مشن کی آخری کامیابی کی امیدیں انکے دلوں میں زندہ رہیں اور روز بروز استحکام پکڑتی جائیں۔ اسی خیال کو مد نظر رکھکر اس نے انہیں ایک عظیم الشان موعود کے آنیکی انتظار میں ڈالدیا جسکی نسبت اس نے ظاہر کیا کہ وہ بڑی شان و شوکت سے آئیگا اور بابی مذہب کو اسکی بدولت بڑا غلبہ نصیب ہوگا۔ غرض جب باب اپنے دعویٰ کی کامیابی سے مایوس ہوا اور جماعت معتقدین کا شیرازہ بگڑتا دیکھا تو اُسوقت اُسے انکو یہ تسلی دینی پڑی۔

ہم آگے چلکر اس بات کو دکھائیں گے کہ حسین علی میں جس نے آخرکار بہاء اللہ کا لقب اختیار کر لیا۔ اکثر سرکردہ بابیوں نے کوئی ایسا وصف نہ پایا جس سے وہ ان پیشگوئیوں کا مصداق ٹھہرایا جاسکتا۔ بلکہ بڑے تعجب کی بات تو یہ ہے کہ وہی شخص جسپر باب کو کمال درجہ کا اعتبار اور اعتماد تھا۔ اور جو اس کا سب سے بڑا مصاحب تھا حسین علی کی تردید اور مخالفت کرتا رہا طرفہ یہ ہے کہ تمام لوگ جو حسین علی کے مخالف تھے وہ اس کے دعاوی کے تردید میں البیان ہی کو پیش کرتے تھے علی محمد باب کو فوت ہوئے تیرہ ۱۳ سال گذر چکے تھے کہ جب حسین علی نے اپنے دعویٰ کی پٹڑی جمانی شروع کی وہ لوگ جنکو باب کی صحبت میں بکثرت رہنے کا موقعہ ملتا تھا اور جنہوں نے اس قسم کی پیشگوئیاں اسکی اپنی زبان سے بار بار سُنی تھیں انہوں نے ہی حسین علی کے دعویٰ کی مخالفت کی۔ اور اسے قبول کرنے سے انکار کیا۔ یہ ایسی باتیں ہیں کہ

جنسے بہاء اللہ کے ظہور کے متعلقہ مزعومہ پیشگوئیوں پر سخت شکوک وارد ہوتے ہیں۔

حسین علی (بہاء اللہ) علی محمد باب سے دو برس بڑا تھا اور اس کے بعد بھی بہت لمبی عمر تک زندہ رہا۔ بہائی لوگوں کا بیان ہے کہ حسین علی کی آمد کے متعلق پیشگوئیوں سے سارا البیان لبریز ہے۔ یہ حسین علی باب کا مخلص مرید تھا اور ہمیشہ اس کی خدمت میں رہا کرتا تھا اور اسکی پیشگوئیوں کو بھی وہ سنتا ہوگا۔ اب یہ حیرانی کی بات ہے کہ جس موعود کی آمد کی نسبت باب ہمیشہ پیشگوئیوں کا بڑے زور شور سے ذکر کرتا رہتا تھا وہی شخص اسکی صحبت میں دن رات پڑا رہتا ہو لیکن باب اسکو شناخت کرنیسے قاصر رہا ہو کیسی تعجب کی بات ہے کہ اس موعود کے عشق میں وہ ہمیشہ اپنے آپ کو ایسا جان گرفتہ ظاہر کرتا رہتا ہو کہ کوئی عاشق بھی اپنے کسی معشوق کے ہجر اور فراق میں ایسی گشتگی نہ دکھاتا ہو۔ اور وہ محبوب و معشوق جس کے دیدار کے لیے وہ سسکتا ہو در اصل اسکے قدموں میں پڑا رہتا ہو اور اس کے مسائل اور عقاید کا معتقد بنا ہوا ہو۔ اور اسکی حلقہ بگوشی اپنا فخر سمجھ رہا ہو۔ لیکن وہ عاشق اسکو بالکل دیکھ ہی نہ سکا ہو۔ باب کا یہ بھی قول ہے کہ جو شخص اُس موعود کے منہ سے ایک آیت سُنکر پڑھیگا تو اسکو اتنا اجر ملیگا جو ہزار دفعہ سارا البیان پڑھنے سے بھی نہیں حاصل ہو سکے گا"۔ لیکن اسجگہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر حسین علی ہی وہ شخص موعود تھا جسکی نسبت اتنی بڑی پیشگوئیوں پر باب ہمیشہ اپنی تقریروں اور تحریروں میں زور دیتا تھا تو اس بات میں کونسا حرج تھا کہ یہ پتہ بھی بتا دیتا کہ یہی حسین علی وہ شخص موعود ہے۔ تاکہ بابی لوگ بجائے اس کے کہ اسکے اشارات اور کنایات کو سنتے رہتے اور اسطرح اصل مقصد سے دُور پڑے رہتے اس موعود موجود کی طرف رجوع کر کے اپنے دلوں کا اطمینان حاصل کرتے اور اس کے مُنہ سے ایک جملہ یا آیت ہی سُنکر (بقول باب) اجر عظیم حاصل کر لیتے۔ اگر یہ کہا جائے کہ باب نے حسین علی کو اسلیے نہ پہچانا تھا کہ خدا نے اسکو جتایا نہ تھا۔ کہ یہی وہ شخص ہے۔ کیونکہ وہ اس بات سے زیادہ ظاہر کرنیکا پابند نہ تھا جو اسپر ظاہر ہوئی تھی تو یہ بات صحیح نہیں ہو سکتی موعودوں کے متعلق سنت اللہ ایسی واقعہ نہیں ہوئی کہ انکو عام طور پر پوشیدہ رکھا جاوے خدا تعالیٰ کی طرف سے موعود اس لیے آتے ہیں کہ وہ ظاہر ہوں اور اپنے دعووں کو روشن کریں اور لوگوں کی ہدایت کا موجب ہوں۔ البتہ ایک ایسی عمر تک جب تک کہ ان کے قویٰ پورے طور پر نشوونما نہیں پا لیتے اور وہ موعود کی عمر بلوغت کو نہیں پُہنچ جاتے اسوقت تک کبھی کبھی خدا انکو پوشیدہ بھی رکھا کرتا ہے اور انکی تربیت اور پرورش بھی پوشیدہ ہی کرایا کرتا ہے۔ گو انکی فطرت اسوقت بھی پھوٹ پھوٹ پڑتی ہے۔ لیکن اسجگہ معاملہ برعکس ہے حسین علی عمر میں علی محمد باب سے بھی دو سال بڑا ہے مگر وحی الٰہی علی محمد پر نازل ہوتی ہے۔ خدا کی طرف یہ لغو کام ہم کیونکر منسوب کر سکتے ہیں کہ اصل موعود کی بجائے ایک دوسرے شخص پر وحی نازل کرے کہ ایسا ایسا شخص ظاہر ہونیوالا ہے حالانکہ خود وہ موعود اس وحی کے زیادہ قابلیت رکھتا ہے اور موجود بھی ہے۔ اگر باب اس بلوغ کو پُہنچ چکا تھا جس میں وحی الٰہی نازل ہو سکتی ہے تو حسین علی بدرجہ اولیٰ اس بلوغ کو پُہنچ چکا تھا ایسی حالت میں باب کا حسین علی کو نہ پہچاننا اور باب کے مرنیکے بھی تیرہ

برس بعد حسین علی کا باب کی پیشگوئیوں کی بنا پر اپنے لیے ایک لقب تجویز کرنا اور دعوے کا اعلان کرنا اسکی اپنی تکذیب کا ثبوت ہے۔

سب سے بڑھکر تعجب کی بات تو یہ ہے کہ بہائی لوگ بہاءاللہ کی آمد کو البیان کی پیشگوئیوں پر مبنی قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں یہ کتاب اس قسم کی پیشگوئیوں سے لبریز ہے لیکن وہ اس کتاب کو پیش نہیں کرتے چند جملے ایسے ہیں کہ جنکو بار بار یہ لوگ اپنی تقریروں اور تحریروں میں دوہراتے رہتے ہیں۔ جو نقل در نقل ہوتے چلے جاتے ہیں اور خود وہ لوگ جو ان کا حوالہ اپنی تقریروں اور تحریروں میں دیتے اور انکی بنا پر بعض دعوے ثابت کرنا چاہتے ہیں ان جملوں کی اصل کتاب میں اپنی آنکھوں سے دیکھنے سے بھی محروم ہیں۔ اگر یہ لوگ البیان کو جان بوجھکر عام لوگوں میں شایع نہیں کرتے تو اس سے یہ نتیجہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس میں ضرور ایسی باتیں درج ہونگی جو حقیقت میں بہاءاللہ کے دعویٰ کی سخت مخالف پڑتی ہونگی۔ اور اگر ایسا حال ہے کہ خود بابیوں کو بھی اس کتاب کی زیارت نصیب نہیں ہو سکتی یا صفحۂ دنیا پر یہ کتاب موجود ہی نہیں تو اس کی نسبت یہ دعویٰ کرنا کہ اس میں بہاءاللہ کی آمد کے متعلق کوئی پیشگوئی درج ہے باطل اور عبث ٹھہرتا ہے۔ انصاف تو یہ ہے کہ جب تک اصل ثابت نہ کیا جائے اسوقت تک یہ بہت نامعقول بات ہے کہ پبلک پر من یظھرہ اللہ کے متعلق اس میں پیشگوئی کے وجود کا تقاضا کیا جائے۔ یہ بات بھی بہت حیرت انگیز ہے کہ ایک کتاب جو خدا کی طرف سے لوگوں کی ہدایت کے لیے بھیجی گئی ہو جس میں خدا کا کلام ہو۔ وہ کتاب اپنا مقصد جسکے اتمام کے لیے وہ نازل ہوئی ہے غیر مکمل اور ناقص چھوڑکر روئے زمین سے ہی نیست و معدوم ہو جائے۔ یہ ایک ایسا امر ہے۔ جو اس کتاب کے بطلان پر دلیل غالب ہے۔ اب پھر جب ہم بہاءاللہ کی طرف توجہ کرتے ہیں تو ہم یہ بات تو اس میں دیکھتے ہیں کہ باب کی نسبت وہ تعظیم اور تکریم سے گفتگو کرتا ہے۔ لیکن وہ اسکو بھی نوع انسان کے لیے کسی طرح مفید نہیں سمجھتا۔ چنانچہ اس کے مرنیکے بعد تیرہ سال ہی کے عرصہ میں اسکی شریعت کو بالکل منسوخ کر دیا۔ اور یہ اعلان کر دیا کہ اس سلسلہ کی غرض دنیا میں کوئی باقی نہیں رہی۔ اس میں کلام نہیں کہ بعض باتوں میں تقاضا اور مصلحت وقت کے لحاظ سے بہاءاللہ مجبور تھا کہ باب سے اختلاف کرتا۔ چنانچہ ایسے اہم امور میں اس نے باب سے اختلاف کیا ہے اور یہ ایک ایسی راہ تھی کہ جسپر اگر بہاءاللہ نہ چلتا تو ضرور تھا کہ اس سارے کاروبار کا تار و پود بگڑکر تباہ ہو جاتا۔ لیکن البیان جیسی ضروری کتاب جس کی نسبت خود باب نے کہا ہوا تھا کہ ایسی بے مثل ہے کہ کوئی شخص اس کے ایک حرف اور نقطہ کی برابری نہیں کر سکتا۔ ایسی ضروری اور اہم کتاب سے حسین علی کا قطعی طور پر انکار کرنا ایک ایسی کارروائی بہاءاللہ کی طرف سے تھی کہ جسکو کوئی معمولی سے معمولی سچا بابی ایک لحہ کے لیے بھی گوارا اور پسند نہیں کر سکتا تھا۔ جیسا کہ ہم ابھی اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ باب پہلے پہل تو صرف امام مہدی کی آمد کا پیش خیمہ بنتا تھا۔ لیکن بعد میں وہ آپ ہی تخت مہدیت پر بیٹھ گیا۔ اور علانیہ اور مخفی طور پر لوگو نپر ظاہر کرتا رہا کہ ایرانی حکومت کے برخلاف جہاد کرنا بڑے ثواب کا کام ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایرانی سلطنت کو اسکی

ان باتوں کی خبر پہنچگئی کہ اس شخص نے رعیت کو برانگیختہ کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اس لیے بابیوں پر سر اُٹھاتے ہی حکومت کی طرف سے سختی ہونی شروع ہوئی۔ اس میں شک نہیں کہ جب تک بابی لوگ حکومت ایران کے برخلاف جنگ و جدال پر تُلے رہے اسوقت تک حکومت کی طرف سے بھی اُنپر عقوبت روا رکھی گئی۔ لیکن جب انہوں نے ہتھیار ڈالدیئے اور اطاعت اختیار کرلی تو پھر مذہبی عقاید کے اختلاف کی بنا پر حکومت کی طرف سے کوئی چھیڑ چھاڑ انکے برخلاف نہ رہی۔ اور اگرچہ ابھی تک انتظاماً سرگروہوں کو زندان ہی میں محفوظ رکھا گیا تھا۔ لیکن مذہب کے اختلاف کی وجہ سے کوئی بابی اس کے بعد قتل نہیں کیا گیا۔ باب کی زندگی میں بابیوں نے شاہ کے برخلاف طرح طرح کی سازشیں کیں اور مقابلے کیے اور اسکے مرنیکے بعد بھی کچھ عرصہ تک وہ اسی جنون میں سرگشتہ رہے لیکن کامیاب نہ ہوسکے۔ اور انجام کار جس سزا کے مستوجب تھے اسکو پہنچتے رہے۔ یہ بات بالکل صحیح ہے کہ باب نے ایرانی حکومت کے برخلاف جہاد کا اعلان کیا تھا۔ چنانچہ اس بات کا مفصل ذکر مصنف رسالہ ایقاظ الغافل نے اپنے رسالہ میں جو اُس نے بابیوں کی تردید میں لکھا تھا صفحہ ۱۱ پر درج کیا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ ” باب نے اپنے مریدوں کو حکم دیا کہ جو لوگ میرا انکار کریں اُنپر جہاد کرو۔ اور یہ بھی اعلان کیا کہ میرے منکروں کو قتل کرنا جائز اور نیکی کا کام ہے “ اس میں کلام نہیں کہ یہ بیان باب کے ایک مخالف مصنف کا ہے اور اس وجہ سے کوئی شخص اس کی صداقت پر شبہ کرنیکا حق رکھ سکتا ہے۔ لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ عملی طور پر بابیوں نے اپنے مذہب کے پھیلانے اور باب کی حمایت میں تیغ اُٹھائی اور بہت کُشت و خون کی تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ باب کی طرف سے کنایت یا صراحت سے کوئی ایسی تعلیمات ضرور انہیں دیگئی ہونگی۔ جنسے بزور شمشیر اپنے سلسلہ کا پھیلانا انہوں نے ایک کار خیر سمجھ لیا کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ اگر باب کی طرف سے کوئی ایسی تعلیم نہ ہوتی جسکی کسی تاویل کا اثر اسکے مریدوں پر ایسا ہوتا تو اسکے مرید ہرگز ایسا نہ کرتے۔ پھر جب خود باب کا تلوار اُٹھانا ثابت ہے تو مخالف کا بیان صاف طور پر سچا سمجھا جاتا ہے۔ تاریخی واقعات اسی کی شہادت دیتے ہیں۔ یہ ثابت ہے کہ بابیوں نے شاہ ایران کے افواج کے ساتھ باقاعدہ جنگ کیے۔ یہ بھی غور کا مقام ہے کہ اگر باب کی طرف سے جہاد کے خیال انکے دماغوں میں نہ جمائے جاتے تو وہ کیونکر باقاعدہ افواج بن سکتے تھے۔ اس کے علاوہ یہ بھی غور طلب امر ہے کہ متفرق طور پر اگر کہیں کوئی بابی رہتا تھا تو اسکے امن میں حکومت کی طرف سے کبھی کوئی خلل نہیں ڈالا گیا۔ نہ کوئی مزاحمت ہوئی اور نہ کوئی اسطرح قتل ہی ہوا۔ اس قسم کا کوئی واقعہ اگر ہوا ہوگا تو وہ شاذ و نادر ہوا ہوگا۔ ہم کو تاریخ تو یہ دکھلا رہی ہے کہ کئی مقامات پر بابی افواج شاہی افواج کے مقابلہ میں آئیں۔ اور باقاعدہ نبرد آزمائی کے اسباب و سامان سے مسلح اور مرصع ہوکر خوب لڑیں۔ ایسے مقابلوں میں جو کشت و خون ہوتا ہے اسکو حکومت کی طرف سے عقوبت اور اذیت کے نام سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ بابیوں نے خود سلطنت کے امن میں خلل اندازی کی اور شاہی افواج کو زخمی کیا اور اُنپر حملے کیے اور خود مقابلوں میں مارے گئے۔

باب کے مرجانیکے بعد اس کے جانشینوں نے جہاد کی تعلیم کو تو چھوڑ دیا لیکن کچھ عرصہ تک وہ بھی گورنمنٹ کی مخالفت کرتے

رہے یہانتک کہ ایکدفعہ بادشاہ کے قتل کے لیے بھی ایک سازش کی۔ البتہ مرزا یحییٰ جو باب کا اصلی جانشین تھا اس نے اپنی زندگی امن سے بسر کی۔ لیکن بابیوں کی گذشتہ کارروائیوں نے گورنمنٹ کو انکی طرف سے ایسا بدظن کر دیا تھا کہ انکے حالات و حرکات کی نگرانی کی طرف بہت توجہ رکھنی ضروری سمجھی گئی۔ گذشتہ مضمون میں ذکر آچکا ہے کہ حسین علی مرزا یحییٰ کا چھوٹا بھائی تھا اور تیرہ سال تک برابر اپنے بھائی کو اپنا روحانی پیشوا مانتا رہا۔ اور اس کی اطاعت اور خوشنودی اپنا مایۂ فخر سمجھتا رہا۔ لیکن پھر موقع پاکر اس نے آپ ہی ایسا بڑا دعویٰ کر دیا جو مرزا یحییٰ کے وہم میں بھی نہ تھا۔ اس شخص نے یہ دعویٰ کیا کہ میں خدا کا مظہر ہوں یعنی انسانی شکل میں خدا ہوں۔ اور میں وہی ہوں جس کی نسبت باب نے پیشگوئی کی تھی۔ یہ حسین علی چونکہ ایک بڑا ہشیار آدمی تھا اس نے جب اس بات کو محسوس کیا کہ سلطنت کی مخالفت کے اظہار سے بہت ناکامیوں اور نقصان کا متحمل ہونا پڑتا ہے اور باب کی حرکات سے سلطنت کو ایسی بدگمانی ہوگئی ہے کہ وہ اس فرقہ کیطرف سے مطمئن نہیں رہی تو اس نے اپنی پالیسی ہی بدل ڈالی اور اپنی تعلیم میں بہت بڑا زور تحمل اور بردباری پر دینا شروع کر دیا۔ اور یہ وعظ کرنا اپنا طریق بنالیا کہ تم سب سختیوں اور مصیبتوں کو بڑے صبر اور بردباری سے برداشت کرو۔ اس طرز تعلیم سے اسکی غرض یہ تھی کہ تا باب کے مسائل جہاد اور اسکی کارروائیوں سے جو بدظنی حکومت کو ہوگئی تھی وہ دُور ہو جائے۔ اسکی سمجھ میں یہ بات اچھی طرح آگئی تھی کہ جہادی تعلیم سے باب اور اسکی جماعت پر طرح طرح کی مصیبتیں آئیں اور کئی کئی طرح وہ ہلاک ہوئے۔ اس لیے اُن کے بعد صلح پسندی کی راہ ہی سلامتی اور امن کا موجب ہے۔ اس لیے وہ ہمیشہ بار بار اسی تعلیم کو زور سے پھیلاتا۔ چنانچہ اپنی ایک کتاب میں وہ لکھتا ہے "ہم نے بہت الواح میں اپنے لوگوں کو حکم دیا ہے کہ جن باتوں سے انہیں گزند پہنچے اُن سے پرہیز کریں۔ اور جن سے نفع پہنچے انہیں عمل میں لائیں۔ اے بندگانِ خدا! ہر طبقہ کے لوگوں سے محبت اور شفقت سے عمر بسر کرو۔ بدامنی پھیلانا اور اس قسم کے سارے کاموں سے تم کو منع کیا جاتا ہے۔ خداوند عالمین کی یہ بہت بڑی ممانعت ہے۔ اگرچہ پہلے دنوں میں اس قسم کے الفاظ اس اعلیٰ قلم سے نکلے تھے جو صریح طور پر اس جدید حکم الٰہی کے مخالف تھے۔ اسجگہ اس قسم کے جملوں کی ایک مثال لکھی جاتی ہے تحقیق ریاکاری سے گردنیں لمبی ہوگئی ہیں۔ اے دنیا کو فتح کرنیوالے تیری حماقت کی تلواریں کہاں ہیں ؟ ان الفاظ میں جھگڑا اور بغاوت غرض نہیں رکھی گئی تھی۔ مقصود انسے یہ تھا کہ ظالموں کی ظلم اور مشرکوں کی شرارت کا اظہار کیا جائے تا ہر ایک آدمی کو معلوم ہو جائے کہ زمین کے فراعنہ کا ظلم اس حد تک پہنچگیا ہے کہ اس سے ایسی آیت کے اعلیٰ قلم سے نکلنے کی ضرورت ہوئی۔ لیکن اب میں خدا کے بندوں کو حکم دیتا ہوں کہ وہ کسی ایسے بیان پر عمل نہ کریں اور ایسے افعال سے لوگوں پر مصیبت نہ ڈھائیں۔ کیونکہ اس بڑے ظہور میں مدد کرنا صرف عقلمندی اور کھول کھولکر بیان کرنے پر منحصر ہے۔" یہ جملے بہاءاللہ کی ایک تصنیف سے مقتبس ہیں۔ ان سے صاف عیاں ہو رہا ہے کہ باب کے کلام میں ایسے الفاظ موجود تھے جو باب کے مریدوں کو واقعی طور پر تلوار اُٹھانے پر مجبور کرتے تھے اور یہ کہ بہاءاللہ کے احکام اس بارہ میں کہ تم

صلح اور امن سے رہو ان احکام سے بالکل مخالف تھے جو اس سلسلہ کے ابتدائی زمانہ میں بابیوں کو باب کی طرف سے دیئے گئے تھے۔ ان باتوں سے صاف ثابت ہے کہ باب نے اپنے متبعین کو جہاد کرنے کا حکم دیا اور بہاء اللہ کی تحریر...
اس امر کی تائید کرتی ہے۔ اگر بہاء اللہ صرف اتنا ہی کرتا کہ وہ باب کے اس مذکورہ بالا قابل اعتراض حکم کو منسوخ کرتا تو پھر بھی یہ سمجھا جا سکتا تھا کہ اس کا مشن باب کے مشن کی تکمیل کے لیے تھا لیکن اس نے اسیقدر پر اکتفا نہ کیا۔ بلکہ اسنے ساری البیان ہی کو منسوخ قرار دیدیا اور جن مقتدر بابیوں نے اسکے مشن کو قبول کرنے سے انکار کیا انکی نسبت سخت توہین آمیز کلمات ظاہر کیے۔ باب کی ساری تحریرات کو منسوخ اور مردود کردیا۔ چنانچہ جب ایک مشہور و معروف بابی نے علی محمد کی تحریرات کی بنا پر بہاء اللہ کو قبول کرنے سے انکار کیا۔ تو بہاء اللہ نے اس شخص کی نسبت اپنی اس بڑی نام کتاب میں جس کا ہم نے اوپر حوالہ دیا ہے اور جسکا نام ٹائٹل پیج پر نہیں لکھا ہوا۔ یہ کلمات لکھے "وہ کہتا ہے کہ مجھے یحیٰی سے پچاس کتابیں ملی ہیں... لیکن خدا اور دنیا اس بات پر گواہ ہے کہ اس نے جھوٹ بولا ہے نقطہ یعنی علی محمد کی صرف دو جلدیں دعا کی یحیٰی کے پاس تھیں اور اس نے انہی کی نقل کرلی ہوئی ہے۔ شاید یہی نقلیں اسنے ادی کو دی ہونگی۔ یہ دو کتابیں تو خیر اگر اس کے پاس ہزاروں کتابیں بھی ہوں تو بھی اسکو ایک ذرہ فایدہ نہیں ہوگا۔ ان کتابوں سے وہ کیا فایدہ اٹھائیگا۔ لاکھوں من پتھروں کے بوجھ سے ایک ہیرا اچھا ہے اور سینکڑوں پونڈ لوہا اور پیتل ایک قیمتی پتھر کا مقابلہ نہیں کرسکتا" اب یہاں غور کا مقام ہے کہ بہاء اللہ نے باب کی تحریرات کو پتھروں، اور لوہے اور پیتل کا بوجھ بنایا ہے اور اپنے نوشتوں کو ہیرے اور الماس بیان کیا ہے۔ پھر آگے چلکر اسنے لکھا ہے "مجھے اپنی جان کی قسم کہ ساری دنیا کی تصانیف میرے (بہاء اللہ کے) ایک لفظ کی بھی برابری نہیں کرسکتیں۔ اگر تو من یظہرہ اللہ کی آیات میں سے ایک آیت بھی پڑھے تو خدا کے نزدیک اس بات سے زیادہ قابل قدر ہے کہ تو سارا البیان حفظ کرلے" پھر البیان ہی کو اپنے اس دعوے کی تائید میں پیش کرتا ہے کہ میرے دعوے کے رد میں کوئی ایسی دلیل پیش نہیں کیجاسکتی جسکی بنا البیان کی کسی عبارت پر ہو۔ کیونکہ وہ کہتا ہے کہ مصنف البیان نے اس بات کا اظہار کیا ہوا ہے کہ جب وہ موعود آئیگا تو وہ البیان کو نہیں پڑھے گا اور نہ ہی اس کی شناخت یا مخالفت البیان کے ذریعہ سے کیجائے گی۔

دراصل جب بنظر تنقید باب اور بہاء اللہ کے رشتہ کو جانچا جاتا ہے تو صرف ایک سوانگ سا نظر آتا ہی۔ جائے غور ہے کہ خود باب بہاء اللہ سے چھوٹا تھا جب باب نے دعوے کا شور مچایا تو اسوقت بہاء اللہ بھی مرید تھا۔ اور اسوقت اس نے خود کوئی دعویٰ نہ کیا ہوا تھا نہ ہی وہ ان چند آدمیوں میں سے تھا جن کو باب اپنے سلسلہ کا حامی اور مربی سمجھ کر خاص محبت اور عزت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ باوجود اس کے یہ مانا جاتا ہے کہ باب کی تصانیف بہاء اللہ کے حق میں پیشگوئیوں سے لبریز ہیں۔ اور ان میں اس موعود کے لیے خاص اظہار محبت اور اشتیاق بھرا ہوا ہے۔ باب کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ ایک ایسے آدمی سے متعلق پیشگوئی کرتا جو اس سے عمر میں بڑا تھا اور اس کا مرید بھی تھا۔ کیا اسوقت یہ بہاء اللہ جسکو خدا کا اوتار مانا جاتا ہے

اُسوقت آپ وہ کام کرنیکے لایق نہ تھا جو بقول اُس کے اُسکا بھیجا ہوا رسول کرتا تھا؟ اِس بات کی کیا ضرورت پڑی تھی کہ وہ ایک بے معنی پیشگوئیوں اور مجمل معموں کا دفتر لکھ مارتا جبکہ وہ شخص جو اُس پیشگوئی کا مصداق اور اُن معموں کا کھولنے والا تھا۔ خود اسکے سامنے موجود تھا؟ اسطرح گویا بہاء اللہ کے نزدیک باب کی ساری مشن لایعنیات کا تودہ قرار پاتا ہے۔ پھر باب کا یہ دعویٰ تھا کہ البیان الہامی کتاب ہے۔ جسکی مثال تو کیا اُسکے ایک حرف بلکہ ایک نقطہ کے برابر بھی ساری دنیا میں کوئی بنانے پر قادر نہیں ہو سکتا سبحان اللہ ایک وہ زمانہ ہے کہ البیان کی نسبت اتنا بڑا دعویٰ دنیا میں کیا جاتا ہے کہ اس کا ایک ایک نقطہ عدیم المثل اور بے نظیر ہے اور ساری دنیا مِلکر بھی اسکے ایک نقطہ کی برابری نہیں کر سکتی۔ پھر وہی البیان ہے اور وہی حسین علی اس کا حامی ہے جو باب کے مرنیکے صرف تیرہ سال بعد ہی اس البیان کو نکما اور بیکار ثابت کرتا ہے اور اسکو منسوخ قرار دیتا ہے۔ باب اور اس کے البیان کا اتنا بڑا شور دنیا میں پڑا تھا لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں ان دونوں کی نسبت اسی سلسلہ کے جانشین اعلان کرتے ہیں کہ وہ بے معنے اور بیفایدہ ہیں۔ اس بات کے سمجھنے کے لیے ایک صحیح دماغ رکھنے والا انسان حیرت میں پڑجاتا ہے کہ اسی البیان کا ایک طرف تو اسقدر ابطال کیا جاتا ہے اور دوسری طرف بہائی دعویٰ کی بنا کی تعمیر اسی کی پیشگوئیوں کی اجزاء اور مصالحہ سے کیجاتی ہے۔ معلوم نہیں کہ بہاء اللہ کس سمجھ کا انسان ہے کہ خود اپنے دعوے کو البیان کی پیشگوئیوں پر مبنی کرتا ہے۔ پھر جب چند سمجھدار اور منتقدر بابیوں نے باب کے کلام سے یہ ثابت کیا کہ یہ شخص اپنے دعوے میں غلطی اور کذب پر ہے تو اس نے اس کے جواب میں البیان ہی کو سخت سست کہنا شروع کر دیا اور یہ ثابت کرنیکے درپے ہو گیا کہ یہ ایک لایعنی اور بے معنی کتاب ہے جس سے کوئی نفع کسی قسم کا مخلوق کو نہیں پہنچ سکتا پس اسکے منہ کی باتیں ہی اسکی تردید کے لیے کافی ہیں ایسی مخترعات کو دیکھکر انسان تحیر میں پڑجاتا ہے کہ معقول لوگوں کو یہ کسطرح باور کرائی جاسکتی ہیں۔ کیونکہ ایسے صریح تضاد کو کوئی عقلمند قبول نہیں کر سکتا۔

ان واقعات سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ بہائی لوگوں کے نزدیک جب بہاء اللہ کا دنیا میں ظہور ہو گیا تو پھر باب کا مشن بالکل بیکار اور معطل ہو گیا۔ اس سے اسی قدر نہیں ہوا کہ صرف وہی پیشگوئیاں علی الاعلان مردود قرار دی گئیں جو اس نئے مدعی کے دعوے کے ساتھ موافقت نہ رکھتی تھیں۔ بلکہ ساری کی ساری کتاب جن میں یہ پیشگوئیاں بھی تھیں بالکل منسوخ اور بیکار قرار دیگئی۔ آجتک نہ بہائی لوگوں نے اور نہ خود بہاء اللہ نے ہی کبھی اس قسم کی کوشش کی ہے کہ وہ اس بات کی تشریح کر کے ثابت کر دیتے کہ کیونکر ایک مدعی جو اپنے دعووں کو بعض پیشگوئیوں پر مبنی کرتا ہے پھر وہ آپ اُن ہی پیشگوئیوں کو جب وہ ان صاف اور واضح مطالب اور بیانات کے ساتھ مقابلہ کیجاتی ہیں جو اس کے دعوے کے سخت مخالف ہیں اور انہیں پیشگوئیوں کے اندر موجود ہیں رد کر سکتا ہے۔ دراصل اگر غور سے دیکھا جائے تو بہاء اللہ کا البیان کی تردید کرنا اس کے اپنے دعوے کی تردید کا ثبوت بیّن ہے۔ کیونکہ حقیقت میں البیان ہی تو اسکے دعوے کا حقیقی ماخذ تھا۔

جو بابی اس کے پیچھے لگے ہیں وہ بھی ایسے حیران ہیں کہ اس دو رُخی اور پیچیدگی کو سمجھ نہیں سکتے اور نہ ہی اس کے سمجھانے سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ غرض اسطرح خود بہاء اللہ نے اپنا تعلق باب اور البیان سے قطعی طور پر قطع کر لیا ہے۔ اور قطع تعلق سے اسکا یہ سمجھ بیٹھنا کہ میرا دعویٰ محفوظ رہا پرلے درجہ کی نادانی ہے جب باب اور البیان سے اسکو کوئی تعلق نہیں رہا۔ اور بقول اسکے باب کا سارا مشن منسوخ اور باطل ہو گیا تو اسکا نتیجہ یہ ہے کہ بہاء اللہ کا سارا تار و پود جڑھ سے اُکھڑ گیا۔ یہ ہے رشتہ بہاء اللہ کا باب کے ساتھ۔

ناظرین کے لیے اس بات کا جاننا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اگرچہ بہاء اللہ نے ظاہری طور پر باب کی نسبت سخت زبانی نہیں کی بلکہ ہمیشہ تکریم اور تعظیم سے اس کا ذکر کرتا رہا۔ لیکن جن بابیوں نے اس کے دعووں کی تردید اور مخالفت کی ان کو پرلے درجہ کی سخت زبانی اور سب و شتم سے یاد کرنا اس کا عام شیوہ تھا۔ بہاء اللہ کے نزدیک وہ لوگ دوہرے گنہگار تھے۔ ایک گناہ تو ان کا یہ تھا کہ وہ بہاء اللہ کی تردید میں باب کے کلام کو پیش کرتے تھے۔ دوسرا گناہ انکا یہ تھا کہ وہ اس سے آسمانی نشانات کا مطالبہ اور تقاضا کرتے تھے چنانچہ اس بات کو بہاء اللہ نے اپنی تحریرات میں ذکر کیا ہے۔ جس سے امیر زیادہ یقین ہو جاتا ہے۔ لیکن بہاء اللہ کی طرف سے بجائے نشان نمائی اور دلایل کر دشنام دہی سے انکو جواب دیے گئے۔ بہاء اللہ انکو کہتا تھا کہ باب نے کہا ہوا ہے کہ اگر بہاء اللہ زمین کو آسمان کہے گا اور آسمان کو زمین بیان کریگا تو کوئی اس کی مخالفت نہ کر سکے گا اور نہ ہی کوئی اُس سے یہ پوچھ سکے گا کہ یہ کیسی نامعقول بات ہے۔ پھر ایک جگہ پر مذبذب بابیوں کا ذکر کرتے ہوئے وہ کہتا ہے "ہر ایک قریہ میں ایسے غافل لوگ موجود ہیں جو ابلیس کی طرح شبہات اور شکوک پیدا کرنے میں مصروف ہیں"۔ پھر انہیں کی نسبت وہ کہتا ہے "وہ اسطرح کنارہ کش ہوتے ہیں جسطرح گدھے شیر سے ڈر کر بھاگ اُٹھتے ہیں"۔ بہاء اللہ کے بابی مخالفوں میں ہادی دولت آبادی ایک بڑا بھاری سرگروہ مخالفت تھا۔ اس سے بہاء اللہ بہت جلا ہوا ہے اور اسکی نسبت اپنی تحریرات میں اکثر مقامات پر کذاب اور جعلساز وغیرہ سخت سست کلمات کہے ہیں۔ اس کے علاوہ جو لوگ ابھی تک بابی اصول کے معتقد اور البیان پر ایمان رکھتے تھے ان کو بھی ۞ بہاء اللہ کی خاص اور اہم تصنیف ہے اور جس میں اس نئے بابی فرقہ کے قوانین اور تعلیمات لکھی ہیں۔ اس قسم کے بیانات اکثر ملتے ہیں جو ذیل میں بطور نمونہ درج کیے جاتے ہیں "تحقیق آسمانی نشانوں کے ساتھ زمین منور ہو گئی ہے لیکن البیان کے پیرو حیرتناک شکوک میں لتھڑے پڑے ہیں..... تحقیق وقت آگیا اور قمر شق ہو گیا۔ مبارک وہ شخص ہے جو مدعی کے دعوے کی تصدیق کرتا ہے اور بدبخت ہر ایک مکار منکر ہے۔ خبردار رہو ایسا کہیں پیرو ان البیان کے وساوس اور شبہات تیرے سد راہ نہ ہو جائیں..... اور اس بات کو جان لو کہ البیان کے پیرو اس فضل کو قبول کرنے سے منکر ہو گئے ہیں۔ اور یہ ایسا فضل ہے کہ جسکی نظیر دنیا کی آنکھ نے کبھی دیکھی نہ تھی۔ یہ لوگ اپنی ہی ہوا و ہوس کے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور اس شخص کا انکار کر رہے ہیں جو طلوع قوت کے مقام سے آیا ہے۔ اور خدا کے نشانوں سے

منکر ہو رہے ہیں۔ اسطرح ان کی روحوں نے انکے اعمال کو انکی آنکھوں میں زینت دے رکھی ہے مگر حقیقت میں وہ آج اُن لوگوں میں ہیں جو گمراہ ہیں۔ یہ لوگ وہم پرستی کرتے ہیں پر اسکو پہچانتے نہیں۔ اور بتوں کے آگے سر جھکاتے ہیں پر اسکو سمجھتے نہیں۔ یہ لوگ اپنے سروں کو عمامہ و دستار سے مزین کرتے ہیں۔ لیکن خود گمراہ ہو گئے ہیں۔ اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔" اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بہاء اللہ کی معرفت کے لیے البیان کی تردید اور مخالفت کرنا جزو لازمی ہے۔ اور بہاء اللہ کے دل میں البیان کی تردید کا خیال یہاں تک پڑا ہوا ہے کہ وہ جس کسی میں اس کی نسبت ذرہ بھر انس پاتا ہے اسی کی مخالفت پر کمر باندھ لیتا ہے۔ یحییٰ جو باب کا جائز اور مسلم جانشین تھا جس کے ماتحت بہاء اللہ تیرہ سال تک خاموش مطیع رہا اسکو بھی بہاء اللہ نے اپنی تحریرات میں بہت کچھ برا بھلا کہا اور یہ بھی لکھا ہے کہ وہ محض دنیا پرست اور دنیاوی اعزاز اور اموال کا متلاشی تھا۔ غرض بابی سلسلہ میں ایک عجیب تلاطم پڑ گیا۔ اور اسکی قلعی کھلنے کے خود بخود ہی سامان جمع ہو گئے۔ ایک طرف بابی لوگ بہاء اللہ کے دعوے کی تردید اور تغلیط کرتے ہیں اور اسکو مفتری اور کذاب ثابت کرتے ہیں دوسری طرف بہائی اپنے قدیم رہنما باب سے تمام تعلقات وفاداری قطع کر کے اسکو اور اسکے مشن کو اور اسکی مقدس کتابوں کو علی الاطلاق بیکار اور باطل قرار دیتے ہیں۔

بہاء اللہ اپنی طرف سے ہمیشہ اس کوشش میں رہتا تھا کہ میرا سلسلہ میرے مرنیکے بعد بھی چلتا رہے اور بابی سلسلہ کی طرح اس میں تفرقہ واقع نہ ہونا پائے۔ اس نے اس خیال سے بہت امور بطور پیشدستی کیے۔ اُس نے دیکھا کہ باب کی اس پیشگوئی کا کہ میرے بعد بھی کوئی جانشین ہونیوالا ہے جو مجھ سے بھی بڑا ہوگا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ سلسلہ فرقوں میں منقسم ہو گیا۔ اس لیے اس نے اس بات کو مدنظر رکھکر سب سے بڑی پیشدستی یہ کی اور بڑے زور سے اس بات کا اعلان کیا کہ میرے بعد ایک ہزار سال تک کوئی مدعی پیدا نہیں ہوگا۔ اور اگر کوئی شخص ایک ہزار سال سے پہلے کسی وقت دعویٰ کریگا تو وہ یقیناً کذاب اور مفتری ہوگا۔ لیکن اسکی یہ پیش بندی اس کے مطلب کے لیے کافی ثابت نہ ہوئی اور بہائی سلسلہ میں بھی تفرقہ واقع ہو ہی گیا۔ حسین علی کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام غصن اعظم اور دوسرے کا نام غصن اکبر تھا غصن شاخ کو کہتے ہیں اور اکبر اور اعظم اپنے اپنے مفہوموں سے بڑے کے معنے رکھتے ہیں غصن اعظم نے بڑے اہم دعاوی پیش کیے۔ لیکن غصن اکبر کے حامیوں نے اسکے دعووں کی بہاء اللہ کی اس پیش بندی کی بنا پر تردید کی کہ ایک ہزار سال بہاء اللہ کے بعد تک کوئی مدعی پیدا نہیں ہو سکتا۔ اور چونکہ اس نے ایک ہزار سال کے اندر ہی دعویٰ کیا ہے اس لیے غصن اعظم مفتری اور کذاب ہے غصن اعظم کے دعوے کی تردید میں غصن اکبر کے ایک مرید نے ایک رسالہ لکھا ہے۔ اس رسالہ میں اس نے تمام تردیدی دلایل جمع کر دیئے ہیں۔ لیکن جسطرح عموماً سلسلہ بابی کی تصانیف پر مصنف کا نام نہیں لکھا جاتا اور وہ گمنام طور پر شایع کیجاتی ہیں اسی طرح اس مصنف نے بھی اپنی کتاب پر اپنا نام نہیں دیا۔ اور گمنام ہی رہنا پسند کیا ہے۔ ان دونوں شخصوں کے عقاید اور مسائل میں بہت بڑا اختلاف ہے۔ بلکہ لکھا ہے

کہ انہیں اسی قدر اختلاف ہے جتنا یہود اور عیسائیوں کے عقاید میں اختلاف ہے۔ یا عیسائیوں اور مسلمانوں میں اختلاف ہے۔ یا مسلمانوں اور بابیوں یا بابیوں اور بہائیوں کے درمیان اختلاف ہے۔ غرض غصن اکبر کے مرید غصن اعظم کے مریدوں کو ایسے الزامات کا ملزم قرار دیتے ہیں کہ انہوں نے ان کے برخلاف ایسی حالت اختیار کی ہے کہ جو ہر ایک نئے مذہب کے دشمن اُس کی مخالفت میں اختیار کر لیا کرتے ہیں۔ یعنی نئے فرقہ کو سخت مصایب اور عذابوں میں ڈالنے کے درپے ہو رہے ہیں۔ اسطرح فرقہ مخالف کا تذکرہ کرتے ہوئے اس رسالہ کے مصنف نے الفاظ ذیل لکھے ہیں جو یہاں اقتباس کیے جاتے ہیں۔ "تم انکو (یعنی اس فرقہ کے لوگوں کو جس سے مصنف متعلق ہے) عہد شکنی کا مرتکب قرار دیتے ہو۔ اور انکے حق میں سب وشتم کرتے ہو اور انکی تذلیل اور توہین کرتے ہو اور ان پر لعنتیں کرتے ہو۔ اور ہر ایک حیلہ سے لوگوں کو انسے باز رکھنے کے درپے ہو رہے ہو۔ اور انہیں انکی صحبت میں اُٹھنے اور بیٹھنے سے منع کرتے ہو بلکہ مَیں نے سنا ہے کہ ایک فریق نے یہانتک بھی غلو کیا ہے کہ انکی طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھنا بھی سخت گناہ ہے۔" اسی مصنف نے ایک موقعہ پر الفاظ مندرجہ ذیل لکھے ہیں جن سے بابیوں کے اُن اخلاق پر روشنی پڑتی ہے جنکا انکو بڑا بھاری فخر ہے۔ وہ لکھتا ہے "دد تمھارے لیے یہ کسطرح جائز اور درست ہو سکتا ہے کہ اس محبوب کے رفع کے بعد اتنے تھوڑے عرصہ ہی کے اندر تم سب وشتم اور لعنتوں کے دروازے کھول بیٹھے ہو۔ تم نے لعنتوں اور گالیوں سے اپنی زبانوں کو ناپاک کر لیا ہے۔ اور تم کذب اور افترا کے متاع کو بازار میں لائے ہو۔ اور غیبت اور ریا کاری کے دروازے کھول دیے ہیں تم نہ تو اپنے نفسوں پر ہی رحم کرتے ہو اور نہ ہی دین ایمان الٰہی پر ترس کھاتے ہو۔" غصن اکبر کا اصلی نام محمد علی ہے اور غصن اعظم کا نام عباس آفندی ہے غصن اعظم دعویٰ کرتا ہے کہ مَیں بہاء اللہ کے بعد خدا کا مظہر ہوں لیکن غصن اکبر (محمد علی) کے پیرو اسکی تردید کرتے ہیں اور یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ چونکہ بہاء اللہ نے خود کہا ہوا ہے کہ میرے بعد ہزار سال تک کوئی مدعی نہیں پیدا ہوگا اور جو شخص ہزار سال گذرنے سے پہلے دعویٰ کریگا وہ کذاب اور مفتری ہوگا۔ اس لیے بہاء اللہ کے اس فرمانے کے موجب غصن اعظم مفتری اور کذاب ہے۔ بہاء اللہ نے کہا تھا کہ "اب مظہریت کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ جو کوئی شخص ہزار سال گذرنے سے پہلے دعویٰ کریگا وہ خواہ کون ہی ہو اور کیا کچھ ہی لائے وہ سب جھوٹ اور افترا ہوگا۔" اور پھر یہ بھی کہا ہے "کہ ابدی قلم اور اسم اعظم کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ہزار سال گذرنے سے پہلے سارے نشان لیکر بھی آوے۔ اُس پر ہرگز ایمان نہ لاؤ۔ یہ سال قرآنی حساب کے مطابق بارہ مہینوں کا سال ہوگا۔ اور بموجب حساب البیان کے اُنیس (۱۹) مہینوں کا ہوگا جو ہر ایک مہینہ ۱۹ دنوں کا شمار ہوتا ہے...... جو شخص ہزار سال کی مدت کے اندر دعویٰ کریگا وہ یقیناً کذاب اور مفتری علی اللہ ہوگا۔" ایسا ہی عباس افندی کے مرید دوسرے فرقہ کے بانی کو کذاب اور مفتری سمجھتے ہیں۔ الغرض انہیں باہمی اسی قدر دشمنی اور اختلاف بڑھا ہوا ہے جسقدر باب اور بہاء اللہ کے پیرووں کے درمیان تھا۔

یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہاء اللہ نے غصن اعظم کی نسبت بہت مبالغہ آمیز کلمات کہے ہوئے تھے۔ لیکن اسکے مخالف بدیں وجہ اسکی مخالفت کرتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو بہاء اللہ کا ہم پلہ سمجھتا ہے اس لیے وہ اسکو کذاب مفتری سمجھتے ہیں۔ مثلاً اگر بہاء اللہ نے اس کو رب کہا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ خود بہاء اللہ رب الارباب تھا۔ پھر اگر بہاء اللہ نے اسکے متعلق یہ کہا کہ "یہ وہ شخص ہے جسکے گرد آسمان گھوم رہے ہیں" تو بہاء اللہ اس سے بھی بہت بڑ تھا کیونکہ اس نے اپنی نسبت کہا ہے کہ لتعطین الالوھیة من تشاء و لتنزعن الالوھیة عمن تشاء۔ یعنی بہاء اللہ جسکو چاہے خدائی دے سکتا ہے اور جس سے چاہے خدائی لے سکتا ہے۔ یہ ہیں بیہودہ گوئیاں ان دونوں فرقوں کی جن میں سے ایک دوسرے کے لیڈر کو مفتری اور کذاب کا خطاب دیتا ہے غصن اعظم اپنے لیے من ارادہ اللہ کا خطاب تجویز کرتا ہے غصن اکبر کے پیرووں کا یہ دعویٰ ہے کہ غصن اعظم کے پیرووں نے اصل بہائی مذہب سے مندرجہ ذیل امور میں انحراف کیا ہے۔ اوّلا بر توحید ذاتش و تفرید کینونتش اقرار ندارید داگر خود را بلسان مقر دانید عملا انکار نمودہ اید زیرا کہ اثبات شبہ و مثل برائے حضرتش مینمائید و ثانیا قبل از الف سنتش را تغییر دادہ آید و اوامرش را قابل نسخ و ہدم دانستہ اید و ثالثا در حق حضرت من ارادہ اللہ غلو نمودہ اید و کما امرتم بہ فی الکتاب ناظر نشدہ اید و رابعا حضرت غصن اللہ اکبر را رد نمودہ اید و معزول فرض کردہ اید و خامسا احترام حرم و آل اللہ را مرعی نداشتہ اید و سادسا بسب و لعن مشغول شدہ اید و لسان را بگفتار زشت آلودہ اید۔ خلاصہ ان الزامات کا یہ ہے کہ اوّل غصن اعظم کے پیرووں نے بہاء اللہ کی توحید کو نہیں مانا گویا دوسرا شریک خدائی کا غصن اعظم کو ٹھہرایا۔ دوم ہزار سال ختم ہونیسے پہلے بہاء اللہ کے اقوال کو منسوخ مانا۔ تیسرا غصن اعظم کے متعلق غلو کیا۔ چوتھا غصن اکبر کو رد کیا۔ پانچواں اللہ کے حرم اور آل یعنی بہاء اللہ کی بیوی اور بچوں کی عزت نہیں کی۔ اور چھٹے بہائیوں کے ایک گروہ پر سب و لعنت کی۔

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۲۳۔ اگست ۱۹۰۷ء۔ سینالھم غضب من ربھم۔ ترجمہ۔ قریب ہے کہ انکو انکے رب کا غضب پہنچیگا۔ ۲۶۔ اگست ۱۹۰۷ء۔ من کان فی نصرۃ اللہ کان اللہ فی نصرتہ۔ ۱ستمبر ۱۹۰۷ء۔ لکم البشریٰ فی الحیوۃ الدنیا۔ ترجمہ۔ تمہارے لیے اس دنیا کی زندگی میں خوشخبری ہے۔ ۲ستمبر ۱۹۰۷ء۔ امن یجیب المضطر اذا دعاہ۔ قل اللہ ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون۔ ۵ستمبر ۱۹۰۷ء۔ توکلوا علیہ ان کنتم مؤمنین۔

۵۔ ستمبر ۱۹۰۷ء۔ **سلامٌ منّا**۔ تو ہر ایک بلا سے بچایا جائے گا۔ ۱۶۔ ستمبر ۱۹۰۷ء۔ بوقت شام **اِنّا نبشرك بغلامٍ حلیم**۔ ترجمہ۔ ہم تجھے ایک حلم والے لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں۔ ۱۸۔ ستمبر ۱۹۰۷ء۔ رؤیا۔ فرمایا چند روز ہوئے مَیں نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا تھا کہ وہ مرتدین میں داخل ہو گیا ہے مَیں اس کے پاس گیا وہ ایک سنجیدہ آدمی ہے۔ مَیں نے اس سے پوچھا کہ یہ کیا ہوا اُس نے کہا کہ مصلحت وقت ہے۔ ۱۹۔ ستمبر ۱۹۰۷ء۔ (۱) **خدا خوش ہوا**۔ (۲) **یا عبدی انی معك**۔ ترجمہ۔ اے میرے بندے مَیں تیرے ساتھ ہوں۔ ۲۰۔ ستمبر ۱۹۰۷ء (۱) **انی معك ومع اھلك لکم البشریٰ فی الحیٰوة الدنیا**۔ ترجمہ۔ مَیں تیرے ساتھ ہوں اور تیرے اہل کے ساتھ ہوں تمہارے لیے اس دنیا کی زندگی میں خوشخبری ہے۔ (۲) **انی احافظ کل من فی الدار**۔ ترجمہ۔ میں ان سب کی حفاظت کروں گا جو اس دار میں ہیں۔ ۲۱۔ ستمبر ۱۹۰۷ء (۱) **والضحیٰ واللیل اذا سجیٰ ما ودعك ربك وما قلی**۔ (۲) **انی معك ومع اھلك**۔ ترجمہ۔ مَیں تیرے ساتھ اور تیرے اہل کے ساتھ ہوں۔ (۳) **انی معك یا ابراھیم**۔ ترجمہ۔ مَیں تیرے ساتھ ہوں اے ابراہیم۔ (۴) **انی مبارك**۔

صاحبزادہ میاں مبارک احمد کی وفات:۔ میاں مبارک احمد ۱۶۔ ستمبر ۱۹۰۷ء یوم دوشنبہ نماز فجر کے وقت فوت ہو گئے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ انکی درمیانی صحت کی بشارت گذشتہ رسالہ میں شایع ہوئی تھی مگر تھوڑے ہی افاقہ کے بعد بیماری پھر عود کر آئی اور جیسا کہ پہلے سے شایع شدہ پیشگوئی میں ذکر تھا وہ چھوٹی ہی عمر میں یعنی نویں سال میں وفات پا گئے۔ (۱) انکے متعلق اُنکی پیدایش سے پہلے یہ الہام تھا۔ انی اسقطہ من اللّٰہ واصیبہ جو تریاق القلوب مطبوعہ ۱۹۰۲ء میں شایع ہو چکا ہے جہاں اسکی تاویل بھی بالفاظ ذیل درج ہے کہ یہ لڑکا نیک ہو گا اور رو بخدا ہو گا اور خدا کی طرف اسکی حرکت ہو گی۔ اور یا یہ کہ جلد فوت ہو جائیگا۔ اس بات کا علم خدائے تعالیٰ کو ہے کہ ان دونوں باتوں میں سے کونسی بات اسکے اجتہاد کے موافق ہے۔ (۲) سال گذشتہ میں ماہ مئی میں بذریعہ اخبارات و رسالہ ہذا یہ الہام شایع ہو چکا ہے "**دشمن کا بھی ایک وار نکلا**" جسکی تشریح اسیوقت ان الفاظ میں کی گئی تھی۔ کہ کوئی ایسا امر رنجیدہ خدا کی طرف سے ہماری نسبت یا ہماری جماعت کے کسی فرد کی نسبت صادر ہو گا جس سے دشمن خوش ہو جائیگا" (۳) سال حال میں مارچ کے مہینہ میں کثرت سے ایسے الہامات ہوئے جن سے اہل بیت پر کسی ابتلا کا آنا معلوم ہوتا تھا جیسے **انما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا** جسکی تفہیم اسیوقت یہ ہوئی تھی جو ساتھ ہی شایع ہو چکی ہوئی ہے کہ اے اہل خانہ خدا تمہارا امتحان کرنا چاہتا ہے اور پھر الہام ہوا "**ہے تو بھاری مگر خدائی امتحان کو قبول کر**" انکے علاوہ بعض الہامات اور رؤیا ایسے بھی تھے جو شایع نہ ہوئے تھے۔

صدر انجمن احمدیہ قادیان

(۱) صدر انجمن احمدیہ کی اہم اور اصلی غرض اشاعت اسلام ہے۔

(۲) صدر انجمن احمدیہ کے متعلق اسوقت حسب ذیل کام ہیں۔

اوّل۔ ایک ہائی سکول کا انتظام جس میں انٹرنس تک دنیوی تعلیم دیجاتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ عربی اور دینیات کی اسقدر تعلیم دیجاتی ہے جس سے ایک باقاعدہ تعلیم پانیوالا طالب علم قرآن شریف کا ترجمہ اور دین کی بہت سی ضروری باتیں سیکھ لیتا ہے اور اسلام کی صداقت اور غیر مذاہب کے بطلان کے بہت سے دلایل سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ اس مدرسہ کے متعلق ایک بورڈنگ ہوس ہے جس میں سوا سو کے قریب لڑکے ہیں علاوہ ازیں ایک گرلز سکول اور دیہات میں تین برانچ سکول ہیں۔

دوم۔ ایک دینیات کے مدرسہ کا انتظام جس میں زیادہ تر تعلیم عربی اور دینیات کی دیجاتی ہے اور اس کے ساتھ طب اور تھوڑے تھوڑے مروجہ مضامین پڑھائے جاتے ہیں کتابت بھی سکھائی جاتی ہے جو لوگ صرف انگریزی اور عربی دینیات کی تعلیم حاصل کرنا چاہیں انکے لیے بھی انتظام کیا گیا ہے۔

سوم۔ ایک میگزین ماہوار کا انتظام جو انگریزی میں بلاد یورپ اور امریکہ اور بعض دیگر ممالک میں کئی سو مفت بغرض اشاعت اسلام تقسیم ہوتا ہے۔ اور اُردو میں قریباً دو ہزار کے اشاعت اس کی ہندوستان میں ہے اس رسالہ کے اُردو حصہ کے ساتھ ایک ضمیمہ تفسیر القرآن کا بھی ہے جو اصل رسالہ سے الگ ہے۔ جس میں ہر قسم کے مشکلات اور اعتراضات کو نہایت صفائی سے حل کیا جاتا ہے۔

چہارم۔ ایک کتب خانہ جس میں بہت سی حضرت مسیح موعودؑ کی تصنیفات اور بعض دیگر اسلامی تصنیفات اور مدرسہ کی مروجہ کتابیں اور بعض احمدی احباب کی تصنیفات ملتی ہیں اس کی ایک مختصر فہرست دوسری جگہ دیگئی ہے۔

پنجم۔ ایک قبرستان کا انتظام اور اس کے متعلق وصایا وغیرہ کا اہتمام۔

ششم۔ ایک یتیم فنڈ جس سے حسب گنجایش بعض یتامیٰ کی مدد کیجاتی ہے۔ ایسا ہی ایک مسکین فنڈ ہے جس سے بعض مساکین کو جو مدرسہ میں پڑھتے ہیں مدد دیجاتی ہے اور زکوٰۃ کا روپیہ بھی حسب منشائے شریعت اسلامی جسقدر جمع ہو تقسیم کیا جاتا ہے۔

صدر انجمن احمدیہ کی ضروریات

سب سے اوّل لنگرخانہ ہے۔ اس کا انتظام براہ راست حضرت مسیح موعودؑ کی ہاتھ میں ہے تمام بیعت کرنیوالوں کے لیے ضروری ہے کہ کچھ نہ کچھ چندہ لنگرخانہ ادا کریں اور اس سلسلہ کی اعانت کریں۔ اسکے اخراجات میں نہ صرف مہمانوں کی آمد و رفت کے اخراجات ہی ہیں بلکہ تعمیر اور خط و کتابت حضرت اقدسؑ اور طبع کتب وغیرہ کے اخراجات کثیر بھی ہیں۔ دوسری ضرورت ہائی سکول اور مدرسہ دینیات کے متعلق ہے۔ اس کے لیے بھی تمام بیعت کنندگان کے لیے چندہ دینا لازمی قرار دیا گیا ہے۔ ماہوار مستقل خرچ ایک ہزار روپے کے قریب ہے اور عمارت کا خرچ درپیش ہے تیسری ضرورت یہ ہے کہ تمام احمدی احباب اور

ایسے غیر احمدی احباب جو تعلیم کے ساتھ یہ بھی چاہتے ہیں کہ ان کے بچے دیندار ہوں انہیں اس مدرسہ میں تعلیم کیلیے بھیجیں۔ چوتھی ضرورت میگزین کے متعلق ہے اسکا چندہ اُردو میں عہ؍ سالانہ ہے اور ضمیمہ یعنی تفسیر القرآن کا چندہ ۱۲؍ سالانہ ہے۔ اصل میگزین ۴۸ صفحوں پر ضمیمہ ۲۴ صفحوں پر ہے۔ انگریزی رسالہ کی قیمت للعہ رسالانہ ہے۔ سب احباب کیلیے ضروری ہے کہ خود اس کے خریدار بنیں۔ اور جو رسالہ مفت تقسیم کیا جاتا ہے اس میں بھی حسب استطاعت اعانت کرکے اشاعت اسلام کیلیے انجمن کی مدد کریں۔ پانچویں۔ ضرورت یتیم فنڈ اور مسکین فنڈ میں مدد کی ہے۔ قربانی کی کھالوں کی قیمت اور ہر قسم کے صدقات اس مد میں بھیج جاویں قابل استعمال کپڑے وغیرہ بھی بہت کام آسکتے ہیں **چھٹی** ضرورت زکوٰۃ کے روپیہ کے یہاں بھیجنے کی ہے۔ اس روپے سے بہت مفید کام ہو رہا ہے تمام احمدی مرد اور عورتیں جو صاحب نصاب ہیں سالانہ اپنی زکوٰۃ کا حساب کرکے اس جگہ بھیجدیں۔ ساتویں ضرورت یہ ہے کہ جو کتابیں انجمن کے کتب خانہ سے مل سکتی ہیں وہ یہاں سے منگوائی جاویں اس سے بھی انجمن کو مدد پہنچتی ہے۔ بعض احباب نے اپنی کتابیں انجمن کے نام ہبہ کردی ہیں ایسی مثالیں بھی قابل تقلید ہیں۔

نوٹ۔ مقبرہ بہشتی کی شرائط کو جو لوگ پورا کرنا چاہیں وہ اپنی آمد کا دسواں حصہ دیں یا اپنی جائداد کے دسویں حصہ کی متعلق وصیت کریں

ضروری ہدایات (۱) ہر ایک قسم کا روپیہ جس کا تعلق صدر انجمن احمدیہ کی کسی مد سے ہو بنام محاسب صدر انجمن احمدیہ قادیان آنا چاہیے مگر لنگر خانہ کا روپیہ حضرت مسیح موعودؑ کے نام بھیجیں اگر دوسری مدات کے ساتھ ملا ہوا ہو تو محاسب کے نام بھیجکر اسے اطلاع دیں کہ وہ حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کردے۔ (۲) منی آرڈر کے کوپن میں پوری رقم اور اسکی تفصیل کہ کن کن اغراض کیلیے ہے دیا اگر لمبی تفصیل ہو تو علیحدہ خط میں دیں) اور فرستندہ کا نام اور پتہ خوشخط درج ہوں (۳) ہر ایک رقم کی رسید باضابطہ دفتر محاسب سے دیجاویگی پس جس شخص کو رسید دفتر کی محاسب کے دستخطی وقت پر نہ پہنچے اسے خط و کتابت کرکر دریافت کرنا چاہیئے۔ ایسی رسیدیں حتی الوسع کچھ مدت کیلیے محفوظ رکھی جاویں۔ نوٹ ۸ آنہ سے کم رقم کی رسید نہ دیجاویگی (۴) مدرسہ کے متعلق ہر ایک قسم کی خط و کتابت نائب ناظم مدرسہ یا ہیڈ ماسٹر مدرسہ سے کریں اور بورڈنگ ہوس کے متعلق سپرنٹنڈنٹ بورڈنگ ہوس سے۔ (۵) جو احباب مدرسہ میں اپنے لڑکے بھیجیں انکا ایک ماہ کا خرچ پیشگی ہیڈ ماسٹر صاحب یا سپرنٹنڈنٹ صاحب کے نام بھیجیں اور یہ یاد رکھیں کہ خرچ ہمیشہ سپرنٹنڈنٹ صاحب کے پاس بھیجا جاوے لڑکے کو نہ دیا جاوے سپرنٹنڈنٹ صاحب حسب ہدایت اور حسب ضرورت اسی لڑکے کی بہتری کیلیے خرچ کرینگے اور ماہوار حساب بھیجتے رہیں گے۔ (۶) میگزین کے متعلق کل خط و کتابت مینیجر میگزین یا نائب ناظم میگزین کے نام پر کریں۔ اور ایڈیٹر کے نام سوائے ان خطوط کے جن کا تعلق مضامین رسالہ سے ہو اور کوئی خط و کتابت نہ کریں۔ (۷) مقبرہ بہشتی کے متعلق اور وصیت وغیرہ کے متعلق نائب ناظم مقبرہ بہشتی سے خط و کتابت کریں اور انہی سے رسالہ الوصیت طلب کریں جو مفت بھیجا جاویگا۔ وصیت کی فارمیں بھی انہی سے طلب کریں اور انہی کے نام وصایا بھیجیں۔ (۸) کتابیں نائب ناظم میگزین سے طلب کیجاویں جو بذریعہ وی۔ پی مطلوبہ کتب بھیجیں گے اور جگہ سے طلب کیجاویں۔ (۹) امور متعلقہ صدر انجمن میں سکرٹری صدر انجمن احمدیہ سے خط و کتابت کریں (۱۰) وظائف مسکین فنڈ کے متعلق درخواستیں صرف دو دفعہ سال میں پیش ہوں گی یعنی نومبر اور مئی میں پس جو صاحب درخواستیں بھیجیں وہ اس بات کو ملحوظ رکھیں کہ انکا جواب سوائے ان دو واقعات کے نہیں مل سکیگا۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ بدون منظوری مجلس کسی طالب العلم کو جس کے وظیفہ کیلیے درخواست کی گئی ہے یا کرنیکا منشا ہے یہاں نہ بھیجیں۔ المعلن خاکسار محمد علی سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان

(مطبع میگزین قادیان دارالامان میں مینیجر میگزین کے اہتمام سے طبع ہوا)

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ۔ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد (۶) بابت ماہ نومبر ۱۹۰۷ء نمبر (۱۱)

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ - نومبر ۱۹۰۷ء کو مینیجر میگزین کے اہتمام سے شائع ہوا چندہ سالانہ عا

مندرجہ ذیل کتابیں دفتر میگزین قادیان ضلع گورداسپور سے بذریعہ قیمت طلب پیکٹ مل سکتی ہیں ان کا مطالعہ مذہبی تحقیقات اور تاریخی معلومات اور مخالفین کے اعتراضات کی تردید کے لیے نہایت ضروری ہے۔ مشرح فہرست ۱ر کا ٹکٹ بھیجنے پر ارسال خدمت ہوگی

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
انواراللہ اردو	۸ر	قاعدہ عربی اردو	ار	تذکرۃ الشہادتین اردو	۵ر	شہادۃ القرآن اردو	۴ر
اجرومیہ عربی	۰ر	قرآن شریف مترجم مع تفسیر حسینی	عہ	〃 فارسی	۳ر	صیان القرآن 〃	۳ر
الذکر یعنی ترجمہ نماز و اسمائے الٰہیہ	۲ر	مسک العارف اردو	۱۰ر	تحفہ قیصرہ اردو	۲ر	کشف الغطاء 〃	۲ر
پارہ الٓمٓ عربی	۲ر	نشان آسمانی 〃	۲ر	تحفۃ الندوہ 〃	۰ر	لغات القرآن حصہ اول	عہ
پنج ارکان اسلام۔ اردو	ار	واقعات صحیحہ 〃	۲ر	تقریریں 〃	۲ر	〃 حصہ دوم	عہ۸ر
تفسیر جلالین عربی	۸ر	یسرنا القرآن حصہ اول	ار	تقریروں کا مجموعہ 〃	۳ر	لیکچر سیالکوٹ اردو	۱۰ر
تفسیر فوز الکبیر۔ عربی فارسی	۲ر	〃 دوم	ار	سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب 〃	۲ر	〃 لاہور مہوتسو 〃	۴ر
تقریر جلسہ مذاہب جیبی تقطیع اردو	۲ر	〃 سوم	ار	جنگ مقدس عیسائیوں سے مباحثہ	۶ر	مشکوٰۃ الانوار عربی	۴ر
جام شہادت۔ اردو	۰ر	ہدیہ ثاقب اردو	۲ر	حمامۃ البشریٰ عربی	۸ر	مواہب الرحمٰن 〃	۴ر
حمائل مترجم۔ فارسی	عہ	الہدیٰ عربی	۶ر	حجۃ الاسلام اردو	ار	مبادی الصرف	۱۰ر
رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب اردو	۸ر	الحق لدھیانہ اردو	۶ر	خطوط شیعہ کا جواب 〃	۲ر	نسیم دعوت اردو	۳ر
سلسلہ دینیہ۔ اردو	ـہ ر	〃 دہلی۔ 〃	۸ر	خطبہ الہامیہ عربی ترجمہ فارسی اردو	عہ	نور الدین حصہ اول اردو	۲ر
سلاسل القرأۃ۔ عربی نمبر ۱	۴ر	اعجاز احمدی۔ عربی	۳ر	خلافت راشدہ حصہ اول 〃	۸ر	〃 〃 دوم 〃	۴ر
〃 نمبر ۲	۸ر	احسن الکلام اردو	ـر	〃 〃 دوم 〃	۴ر	ہدیہ سعدیہ عربی	۲ر
〃 نمبر ۳	۱۳ر	ابطال الوہیت مسیح 〃	ار	خزینۃ المعارف حصہ اول دوم	۴ر	فضل حق۔ اردو	ار
〃 نمبر ۴	۱۳ر	آیات الرحمٰن 〃	۸ر	〃 〃 سوم چہارم	۸ر	سیرۃ المسیح 〃	۸ر
آریہ دھرم۔ اردو	۴ر	دعوت الحق۔ 〃	۵ر	اعلام الناس حصہ دوم	۴ر	آسمانی فیصلہ 〃	۲ر
دینیات کا پہلا رسالہ 〃	ار	شرح ترمذی نمبر ۱، نمبر ۲ 〃	[illegible]	دعوت دہلی اردو	۱۰ر	دافع البلاء 〃	ار
طریق النجات نمبر ۱	۸ر	احمدی کا من نظم پنجابی	ار	دعوت الندوہ 〃	۱۰ر	غنیۃ الطالب۔ عربی	عہ
〃 〃 نمبر ۲	۷ر	براہین احمدیہ حصہ اول	۵ر	راز حقیقت۔ 〃	ار	شفاء السقام 〃	عہ
〃 〃 نمبر ۳	۸ر	〃 〃 دوم	۴ر				
〃 〃 نمبر ۴	۱۵	〃 〃 سوم		سرمہ چشم آریہ 〃	۱۲ر		
عسل مصفیٰ اردو	عہ ۸ر	〃 〃 چہارم*	عہ				
		تکمیل براہین	۳ر	ست بچن 〃	۱۰ر		

نوٹ۔ ان قیمتوں میں محصول ڈاک شامل نہیں۔

مکمل براہین احمدیہ جس میں جلد چہارم بار اوّل کی چھپی ہوئی ہے ۔ ۳ کو دفتر میگزین سے مل سکتی ہے۔

* براہین احمدیہ کا حصہ چہارم اصل نسخہ ہے جو حضرت اقدس نے ۱۸۸۴ء میں چھپوایا تھا۔ باقی تین حصے بڑے اہتمام سے دوبارہ چھپوائے گئے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

قرآن کریم کی حفاظت

۹۔ ناسخ و منسوخ کی بحث

ہمارے ناظرین کو یاد ہو گا کہ گذشتہ رسالہ میں اسی عنوان کے مضمون کے ذیل میں ہم نے چند حدیثیں نقل کی تھیں اور وعدہ کیا تھا کہ ان کے متعلق آیندہ پرچے میں ہم مفصل بحث کریں گے ہم آج یہ مضمون اسی امر کے متعلق لکھتے ہیں اور اس میں ان ساری حدیثوں پر ایک ایک کرکے بالترتیب بحث کرنیکا ارادہ کرتے ہیں سب سے پہلی حدیث حضرت ابن عمر سے ایک روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا کہ فدیۃ طعام مسکین والی آیت منسوخ ہے صحیح بخاری میں سلمہ بن اکوع سے اسی مضمون کی ایک اور حدیث بھی ہے۔ یعنی یہ کہ انہوں نے بھی فرمایا تھا کہ فدیۃ طعام مسکین والی آیت منسوخ ہے۔ اب ان دونوں کے خلاف ایک تیسری حدیث ہے جو وہ بھی صحیح بخاری میں ہی مذکور ہے جس میں حضرت ابن عباس سے یہ روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ فدیۃ طعام مسکین والی آیت منسوخ نہیں ہے۔ چنانچہ وہ حدیث بخاری کی اس جگہ لکھی جاتی ہے۔ اور وہ یہ ہے قال ابن عباس لیست بمنسوخۃ ھوا لشیخ الکبیر و المرأۃ الکبیرۃ لا یستطیعان ان یصوما فلیطعمان مکان کل یوم مسکینا جس کا ترجمہ یہ ہے "ابن عباس نے کہا ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت جو روزہ رکھنے کی استطاعت نہیں رکھتے انکو چاہیئے کہ اپنی بجائے ہر روز ایک مسکین کو کھانا دیا کریں"۔ اسی طرح ابو داؤد میں حضرت ابن عباس سے اسی آیت کے متعلق دو حدیثیں مروی ہیں ان دونوں حدیثوں میں وہی مضمون ہے جو بخاری کی مندرجہ بالا حدیث میں ہے۔ چنانچہ ان میں سے ایک حدیث کا یہ مضمون ہے کہ آیت وعلی الذین یطیقونہ فدیہ طعام مسکین۔ میں ان بوڑھے مردوں اور عورتوں کو جو روزہ رکھنے کی استطاعت نہیں رکھتے اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ وہ روزہ نہ رکھیں اور ہر روزے کے

بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلادیا کرے۔ بس اور اسی قسم کی اجازت حاملہ اور بچے والی عورتوں کیلیے ہے کہ جب انہیں جنین یا بچے کو روزہ کی وجہ سے صدمہ پہنچنے کا احتمال ہو تو وہ بھی روزہ نہ رکھیں اور صرف ایک مسکین کو کھانا کھلادیا کریں چنانچہ وہ حدیث یہ ہے۔ عن ابن عباس وعلی الذین یطیقونه فدیة طعام مسکین قال کانت رخصة للشیخ الکبیر والمرأة الکبیرة وھما یطیقان الصیام ان یفطرا و یطعما مکان کل یوم مسکینا والحبلی والمرضع اذا خافتا قال ابو داؤد یعنی علی اولادهما افطرتا واطعمتا۔ اب ایک طرف ابن عمر کا قول ہے اور اسکے مقابل ابن عباس کا قول ہے۔ ایک ہی آیت کو ایک صحابی منسوخ بیان کرتا ہے اور دوسرا اسی آیت کو غیر منسوخ بیان کرتا ہے۔ یہ اختلاف اس بات کا قطعی طور پر فیصلہ کر دیتا ہے کہ صحابہؓ کی اس امر میں رائے وحی یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر مبنی نہ تھی بلکہ صاف عیاں ہو رہا ہے کہ انکی رائیں بعض آیات کے قیاسی معنے سمجھنے پر مبنی تھیں۔ حضرت ابن عمر آیت کے ایک طرز پر معنے کرکے قیاس کرتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ ابن عباس اسی آیت کے دوسری طرح پر معنے کرکے فرماتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ نہیں گویا وہ ابن عمر کے قول کی تردید کرتے ہیں۔ الغرض یہ بات قطعی طور پر پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ اگر کسی صحابی نے کسی آیت کو منسوخ خیال کیا تو اسکی بنا وحی الٰہی پر نہ تھی بلکہ محض اس صحابی کے قیاس پر تھی۔ مگر چونکہ قرآن شریف کی ہر ایک آیت وحی الٰہی سے نازل ہوئی ہے اس لیے کسی قرآنی آیت کو کسی صحابی کی محض قیاسی رائے پر منسوخ نہیں سمجھا جا سکتا جبتک کہ وہی ذرایع جو اس کے منجانب اللہ نازل ہونے پر ایمان دلانیکا موجب ہوئے ہیں اس کے نسخ کا حکم نہ دیں۔ جیسے ابن عمر نے آیت زیر بحث کے اپنی طرز پر خاص معنے کیے اور ابن عباس نے انکی غلطی ظاہر کی اور آیت کے منسوخ ہونیکو باطل ٹھہرایا اسی طرح اگر کوئی اور شخص کسی آیت کے معنے ایسے کردے جس سے اس کا کوئی تعارض دوسری آیات سے نہ رہے تو اس سے کوئی نقص لازم نہیں آتا اور جب آیات کے معنوں کا تعارض دور ہو گیا تو ان کے منسوخ ہونیکا خیال خود ہی باطل ہو جائیگا۔ اس سارے سلسلہ واقعات سے یہ بات بدیہی طور پر سمجھ میں آتی ہے کہ جن لوگوں نے کسی آیت کو منسوخ مانا ہے اس کی وجہ یہ نہیں کہ خدا کی وحی نے ایسا ہی ظاہر کیا تھا۔ بلکہ انکے اپنے قیاس ہی کی غلطی انہیں ایسے اعتقاد پر قایم کرنے کی محرک ہوئی۔ اسطرح سے کہ انہوں نے اس آیت کی قیاسی تاویل ایسی سمجھی جو اس کے اصل مفہوم سے دور تھی اور پھر وہ تاویل کسی دوسری آیت کے معانی کے معارض پڑی۔ پس انہوں نے اپنی قیاسی تاویل کی اصلاح کی طرف توجہ نہ کی بلکہ الٹے اس آیت کو یا آیت معارض کو منسوخ قرار دیدیا۔ حالانکہ غلطی تو انکے اپنے قیاس کی تھی۔ ہم یہ بات اپنے پاس سے نہیں کہتے بلکہ بڑے بڑے فاضل علماء جنہوں نے قرآن شریف کے معنے سمجھنے میں بہت مجاہدات کیے ہیں ان قیاسی تاویلات کی غلطی کو ہمیشہ بیان کرتے چلے آئے ہیں۔ پہلے زمانہ کے بعد اسلام کی تاریخ پر ایک زمانہ ایسا آیا کہ لوگوں کو قرآن شریف کی تفسیر نویسی کا بہت

شوق ہوگیا۔ چونکہ یہ ایک بہت اہم کام تھا اور اس کا اتمام ایک ہی زمانہ میں اکمل اور اصح طور پر کسی انسان سے ہونا ممکن نہیں تھا۔ اس لیے مفسرین کو بعض آیتوں کے سمجھنے اور تفسیر کرنے میں بڑی بڑی دقتیں پیش آتی رہیں۔ بعض مفسرون کی عادت اسی طرح رہی کہ جہاں کہیں کسی آیت کے معنے سمجھنے میں مشکل شکل پیش آئی وہاں نسخ کا عذر لکھکر آگے چلدیئے۔ یہاں تک کہ بعضے مفسروں نے توسیکڑوں آیتوں کو اسی عذر پر منسوخ لکھ مارا۔ پہلے خود ہی بعض آیتوں کے غلط معنے قیاسی طور پر تجویز کر لیتے اور پھر جب وہ دوسری آیات کے معارض پڑتیں تو انکو منسوخ قرار دیدیتے۔ حتیٰ کہ یہ عام عقیدہ ہوگیا اور بجائے اصلیت کی طرف توجہ کرنیکے آیتوں کو منسوخ قرار دینے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے لگے۔ مگر آخر کار بعض لوگوں کو اس طرف بھی توجہ ہوئی اور خود انہیں میں سے ایسے لوگ ہوتے رہے جو انکی غلطیوں کو منکشف کرتے رہے۔ یہاں تک کہ جلال الدین سیوطی نے بھی باوجود نادر پسندی کے اس مسئلہ کی ایک حد تک تردید کی اور سوائے اکیس آیتوں کے باقی آیات کی نسبت جس کسی نے منسوخ ہونیکا خیال کیا تھا اسکو غلط قرار دیکر اسکی تردید کی۔ پھر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے ان اکیس آیتوں پر بھی جب تحقیق کی نظر کی تو ان میں سے صرف پانچ آیتوں کے معنوں میں ایسی دقت سمجھنے کی وجہ سے انکو منسوخ ماننا پڑا اور باقی سولہ آیات کی نسبت محقق سیوطی کے خیال کی تردید بزور دلایل قطعیہ کی۔ اور لکھا کہ فاضل سیوطی نے انکے معنے سمجھنے میں غلطی کھائی ہے۔ غرض نسخ کے مسئلہ کے متعلق عقیدہ رکھنے کا سارا لب لباب ان پانچ آیتوں میں محدود ہوگیا۔ پھر جب ہم ان رہی ہوئی پانچوں آیتوں کے معانی کیطرف نہایت عمیق نظر سے توجہ کرتے ہیں تو ہم کو صاف نظر آجاتا ہے کہ یہ آیات بھی منسوخ نہیں بلکہ انکی تاویل اور معنے کرنے میں غلطی ہوئی ہے۔ اگر ہم انکے صحیح معنے اختیار کریں تو پھر صاف نظر آجاتا ہے کہ یہ آیات کسی کی معارض نہیں پڑتیں اور اس لیے انکے منسوخ ہونیکا اعتقاد رکھنا غلطی پر مبنی ہے۔ اس لیے قبل اسکے کہ ہم نفس مضمون کی طرف توجہ کریں یہ امر ضروری نظر آتا ہے کہ جن آیات میں آخر کار گھر گھر اکر منسوخ ہونیکا اعتقاد محدود ہو جاتا ہے انکی نسبت یہ ثابت کر دیا جائے کہ وہ آیات غلط تاویل کی وجہ سے منسوخ سمجھی گئی ہیں ورالا درحقیقت اپنے صحیح مفہوم اور تاویل کے ساتھ وہ کسی آیت قرآنی کے مفہوم کے معارض نہیں پڑتیں اور اس لیے وہ بھی منسوخ نہیں۔ اس کا یہ فایدہ ہوگا کہ مسئلہ ناسخ منسوخ کو جو کچھ تھوڑی سی تقویت اس ظاہری تعارض سے ملتی ہے جو دراصل غلطی کی وجہ سے پیدا ہوا ہے وہ بھی دُور ہو جائیگی۔

اس جگہ سب سے پہلے ہم انہیں آیات پر بحث کرینگے جو حدیث مندرجہ بالا میں مذکور ہیں۔ ان میں سب سے پہلی آیت کے متعلق تو ہم نے ابھی اوپر ذکر کیا ہے کہ ابن عباس اسکے منسوخ ہونیکے اعتقاد کا مخالف تھا۔ بلکہ اس نے ثابت کر دکھایا کہ اسکے اصل معنے کسی آیت قرآنی کے معنوں کے مخالف اور معارض نہیں پڑتے اور اسلامی دنیا کا تعامل بھی اسی

معنوں کی سچائی پر شہادت دیتا ہے۔ دوسری حدیث میں بھی حضرت ابن عمرؓ کا قول ہی بیان کیا گیا ہے کہ سورۃ البقرہ کی آیت وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ آیت لایکلف اللہ نفساً الا وسعھا الخ سے منسوخ ہوگئی ہے۔ اب کوئی شخص ان دونوں آیات کے ٹھیٹھ لفظی ترجموں کو ہی دیکھے اور سمجھے تو اُس پر عیاں ہو جائیگا کہ یہ دونوں آیات ہرگز ہرگز ایک دوسری کے متضاد اور مخالف نہیں۔ اور اس لیے انہیں سے کوئی آیت دوسری آیت کو منسوخ نہیں کرتی۔ ہاں اگر لفظ منسوخ کے کوئی اور معنے لیے جائیں جو اسکے عام اور مشہور مفہوم سے جدا ہیں تو پھر انہیں سے کسی کو کسی کا ناسخ اور منسوخ قرار دینا یا کہنا شاید کسی ایسی اصطلاح کی رو سے بجا ہو۔ پہلی آیت کا ترجمہ تو یہ ہے "جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے۔ اور اگر تم کھولوگے اپنے جی کی بات یا چھپاؤ گے حساب لے گا تم سے اللہ اور پھر بخشے گا جسکو چاہے اور عذاب کریگا جسکو چاہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے"۔ دوسری آیت کا ترجمہ یہ ہے "اللہ بوجھ نہیں ڈالتا کسی شخص پر مگر اسکی طاقت کے مطابق۔ اسی کو ملتا ہے جو کمایا اور اسی پر جو کیا۔ اے رب ہمارے نہ پکڑ ہم کو اگر ہم بھولیں یا چوکیں۔ اے رب ہمارے اور نہ رکھ ہم پر بوجھ بھاری جیسا رکھا تھا ہم سے اگلوں پر۔ اے رب ہمارے اور نہ اُٹھوا ہم سے جسکی طاقت نہیں ہم کو۔ اور درگذر کر ہم سے اور بخش ہم کو اور رحم کر ہم پر۔ تو ہمارا صاحب ہے۔ تو مدد کر ہماری قوم کافر پر"۔ ان دونوں آیتوں میں پہلی آیت میں وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ اور دوسری میں لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ یہ آپس میں متضاد ہیں اور ایک دوسری کے مفہوم سے معارض اور مخالف مفہوم رکھتی ہیں۔ لیکن یہ ان لوگوں کی سمجھ کی غلطی ہے۔ یہ دونوں مضمون ہرگز ایک دوسرے سے معارض نہیں پڑتے۔ صراحتاً تو کیا کنایتاً بھی انہیں تضاد ثابت نہیں ہو سکتا۔ نسیان اور فراموشی انسانی فطرت کا خاصہ ہے۔ پس نسیان کی وجہ سے خطاؤں اور قصوروں کا اس سے سرزد ہونا ایک معمولی امر ہے۔ پھر اگر انسان فطرتی نسیان کی وجہ سے کوئی قصور کر بیٹھے جسکے کرنیکے لیے اسکو عمد اور نیت کو ہرگز دخل نہ ہو تو ایسی حالت میں انسان کو یہ دعا تعلیم کی گئی ہے ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطأنا ان دعائیہ الفاظ سے پہلے ہی یہ الفاظ آئے ہیں لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا اور ماحصل ان الفاظ کا صاف ظاہر ہے یعنی ایسے امور جو انسان کی طاقت سے باہر ہیں خدا انکے بجالانیکا حکم کسی کو نہیں دیتا جیسا کہ نسیان سے اگر کوئی خطا ہو جائے تو اسکے لیے اللہ تعالیٰ یہی دعا تعلیم کرتا ہے کہ اے خدا تو ایسی خطائیں بھی معاف کر۔ خود خدائے تعالیٰ کا انسان کو یہ دعا سکھانا صاف بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسی خطاؤں کو قابل درگذر سمجھتا ہے اور ان پر مواخذہ نہیں کرتا یہی تشریح لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا کی ہے۔ پھر دوسری آیت ان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا انسان کو علم دینا ہے کہ انسان کے اندرونی حالات

اور ارادات سے خدا تعالیٰ ہر وقت واقف اور عالم ہے۔ انسان دل ہی دل میں سخت سے سخت گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے۔ لیکن کوئی گناہ اس سے مخفی نہیں رہتا وہ خدا جو دلوں کی مخفی باتوں کو جانتا ہے ایسے گناہوں کو بھی سزا دیئے بغیر نہیں چھوڑیگا جو انسان پوشیدہ طور سے کرتا ہے۔ اب ناظرین خود ہی غور کر سکتے ہیں کہ ان دونوں آیتوں کے مضامین میں ذرہ بھر تعارض نہیں۔ ایک آیت تو ایسے گناہوں کا حال اور انکا علاج بیان کرتی ہے جو محض انسان کے فطرتی نسیان اور فراموش کاری کی وجہ سے اس سے بے ساختہ اور بے ارادہ واقع ہو گئے ہوں اور دوسری آیت میں اُن گناہوں کا ذکر ہے جو انسان مخفی طور پر دل ہی دل میں کرتا ہے اور انکے کرنے میں اسکے عمد اور ارادہ کا دخل ہوتا ہے۔ ان دونوں آیتوں میں سے کسی ایک کو منسوخ سمجھنا سراسر غلطی ہے۔ یہ دونوں ایسی ضروری آیتیں ہیں کہ ان میں سے کسی ایک کا نہ ہونا بہت سے ضروری معارف سے محروم کر دینے کا موجب ہوتا ہے۔ اگر آیت ان تبدوا ما انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ کو منسوخ مانا جائے تو بہت ساری آیات کے سمجھنے میں لاینحل دقتیں پیش آتی ہیں۔ مثلاً ریاکاری ایک ایسا گناہ ہے کہ جو دل ہی دل میں چھپا ہوتا ہے مگر یہ ایک مکروہ گناہ ہے اور سزا کا مستوجب بناتا ہے۔ اگر یہ آیت منسوخ سمجھی جاوے تو پھر ریاکاری کے لیے یا ایسے گناہوں کے لیے جو دل ہی دل میں مخفی طور پر سرزد ہوتے ہیں جیسے نفاق کبر وغیرہ گویا کوئی سزا نہیں ہونی چاہیئے حالانکہ دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بڑے بھاری گناہ ہیں۔ پھر الفاظ لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا جن کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ کو منسوخ کرتے ہیں۔ انمیں وہ معنے موجود ہی نہیں جو قائلان ناسخ و منسوخ خیال کرتے ہیں۔ یہ آیت صرف اسی جگہ قرآن شریف میں نہیں آئی بلکہ اس کے قریب قریب ہم معنے الفاظ میں اس سے بہت پہلے کئی آیات مکہ میں نازل ہوئیں۔ چنانچہ تین مکی سورتوں میں تین مقامات پر یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ سورۃ الانعام (پارہ ۸) ع ۱۸ میں لا نکلف نفساً الا وسعھا ایسا ہی سورۃ الاعراف ع ۵ میں لا نکلف نفساً الا وسعھا اور پھر اسطرح سورۃ المؤمنون ع ۴ میں یہی الفاظ موجود ہیں۔ اور یہ تینوں سورتیں مکی ہیں۔ اب جس صورت میں یہ آیت مکہ میں نازل ہو چکی تھی اور اسکا تعارض آیت ان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ سے بیان کیا جاتا ہے۔ تو پھر یوں کہنا چاہیئے کہ ان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ نے لا نکلف نفساً الا وسعھا کو منسوخ کیا نہ کہ برعکس کیونکہ پہلے کی آیت لا نکلف نفساً الا وسعھا ہے پھر جب آیت ان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ آیت لا نکلف نفساً الا وسعھا کو منسوخ کر چکی تو اس منسوخ شدہ آیت کی ہم معنے آیت لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا پھر نازل ہوئی اور آیت ناسخ ان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ کو منسوخ کیا۔ کیا کوئی بھلا آدمی ایک لمحہ کے لیے بھی اس بات کو قبول کر سکتا ہے؟ پس معلوم ہوا کہ ان دونوں آیتوں کے معنوں میں تعارض کوئی

نہیں ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے بھی فوز الکبیر میں لکھا ہے کہ اس آیت کو منسوخ نہیں سمجھا جا سکتا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ حقیقت میں یہ عام کو خاص کرنیکی ایک صورت ہے۔ بیشک دوسری آیت اس بات کی تشریح کرتی ہے کہ مافی انفسکم سے مراد حدیث النفس نہیں بلکہ اس سے مراد صحت نیت۔ خلوص یا ریاکاری ہے۔ حدیث النفس ایک ایسی چیز ہے کہ اسپر انسان کو کچھ قدرت نہیں ہوتی اور اس کے عمد کو اس میں دخل نہیں ہوتا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ انسان پر کوئی بوجھ ایسا نہیں ڈالتا جس کے تحمل کی وہ طاقت نہیں رکھتا۔ ایسا ہی اس آیت کے امام رازی نے بھی یہی معنے کیے ہیں اور اس کے منسوخ نہ ہونیکی تائید میں بہت ساری دلایل لکھی ہیں۔ اور ثابت کیا ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں۔ صاحب فتح الباری فی شرح صحیح بخاری نے اس حدیث کی شرح میں ایک یہ پہلو بھی لکھا ہے کہ "اس حدیث میں نسخ کے معنے وہی لیے جا سکتے ہیں جو متقدمین کے نزدیک مختار اور مستعمل تھے۔ اور ان متقدمین کے نزدیک نسخ کے معنے عموم کو مختص کرنا ہے"۔ پس اس بات کے ماننے کے لیے کہ یہ آیت منسوخ نہیں بہت دلایل قویہ موجود ہیں۔ ایسی آیت کو منسوخ خیال کرنا ہی بڑی غلطی ہے۔ لفظ نسخ کے ان معنوں کے لحاظ سے اس حدیث کے یہ معنے ہونگے کہ پہلی آیت میں جو حکم درج ہوا ہے وہ عام ہے جس سے مراد یہ ہے کہ ہر ایک جو کچھ دل میں مخفی رکھکر کرتا ہے یا اسکو علانیہ کرتا ہے ان سب کا محاسبہ ہوگا۔ لیکن دوسری آیت کے نزول سے اس عمومیت میں یہ تخصیص پیدا کی گئی کہ جو خطا ایسے طور سے سرزد ہو کہ جس میں انسان کے ارادہ اور نیت کو دخل نہ ہو وہ قابل مواخذہ اور سزا نہیں۔

تیسری حدیث میں یہ ذکر ہے کہ حضرت ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ پہلے پہل اسلام میں ایسا ہوتا تھا کہ متوفی کا ترکہ صرف اس کے لڑکوں کو ملتا تھا اور متوفی کے والدین کا اس میں کوئی حق نہیں رکھا گیا تھا۔ البتہ والدین اس صورت میں کچھ حصہ ترکہ متوفی حاصل کر سکتے تھے جب متوفی انکے حق میں کوئی وصیت اس بارہ میں کر جاتا تھا۔ لیکن اس رواج کا ایک حصہ سورۃ النساء کی اس آیت سے منسوخ ہو گیا جس میں ورثاء کے مفروض اور معین حصص مقرر کیے گئے ہیں۔ اس حدیث کے پہلے الفاظ صاف طور پر ظاہر کرتے ہیں کہ یہاں ایک رواج کا ذکر ہے جو ایام جاہلیت میں اس ملک میں مروج تھا۔ جاہلیت کے زمانہ میں ملک عرب کا رواج تھا کہ متوفی کے ترکہ کی صرف اولاد نرینہ ہی وارث اور حقدار ہوتی تھی لڑکیوں کو اور دیگر وارثوں کو کوئی حصہ نہیں دیا جاتا تھا۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ عربوں کا خیال تھا کہ ترکہ کے حقدار وہی لوگ ہوتے ہیں جو قوم کی طرف سے جنگ میں جائیں جیسا کہ فتح الباری میں بیان کیا گیا ہے۔ پھر جب خدا کے فضل سے آفتاب اسلام طلوع ہوا تو اس نے مروجہ رسوم کو دفعتاً جڑھ سے نہ اکھاڑا۔ بلکہ نہایت حکیمانہ طور سے بڑے تحمل کے ساتھ ایک ایک پرانی رسم و رواج کو چنا مگر تدریج اور سہولت اور حکمت کے ساتھ۔ اس میں کلام نہیں کہ اس تدریجی نزول احکام کے سبب سے مسلمانوں کی یہ

حالت تھی کہ جب تک کوئی حکم کسی امر کے متعلق نازل نہ ہوتا تھا اسوقت تک وہ لوگ صرف ان قدیم جاہلیت کے رسوم ورواج پر عمل کرتے رہتے۔ اسی طرح ورثہ کے متعلق بھی جب تک کہ قرآن شریف میں سورۃ النساء کے مندرجہ احکام نازل ہوکر ان قدیم مستعملات کی اصلاح کا موجب نہ ہوئے اُسوقت تک پُرانی رسموں کے مطابق ہی وراثت تقسیم کرتے تھے۔ پھر جب خدا تعالیٰ کی طرف سے احکام جاری ہوگئے تو انہوں نے فی الفور پُرانی رسوم کو چھوڑ کر خدا کے حکموں پر عمل شروع کردیا۔ جب وہ آیات نازل ہوئیں جن میں عورتوں کے لیے بھی ترکہ میں حصّے رکھے گئے ہیں اور لڑکیوں کو بھی لڑکوں کے ساتھ ترکہ والدین کا حقدار بنایا گیا ہے (للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون وللنساء نصیب مما ترک الوالدان والاقربون مما قل منہ او کثر) تو آنحضرت صلعم نے ان آیتوں کو بھی حسب دستور صحابیوں کو سنایا۔ یہ حکم سنتے ہی بعض صحابیوں نے تعجب اور حیرت کے مارے آنحضرت صلعم سے سوال کیا۔ "کیا ہم پر واجب کیا گیا ہے کہ اب اس چھوٹی لڑکی کو بھی ترکہ میں حصّہ دیا کریں جو گھوڑے پر سوار ہونا اور دشمن کو ہزیمت دینا نہیں جانتی" (فتح الباری) یہ امر واقعی ہے کہ عربوں میں قدیم قانون یہی تھا کہ لڑکیوں اور عورتوں کو ترکہ میں سے حصّہ نہ ملے۔ اور یہی وہ قانون ہے جس کے منسوخ ہونیکی طرف ابن عباس نے حدیث محولہ بالا میں اشارہ کیا ہے۔ ابن عباس نے کسی آیت قرآنی کا نہ تو یہاں اس سے معارض ہونیکا ذکر ہی کیا ہے اور نہ ہی کسی طرح سے اس کے اس بیان سے کسی آیت قرآنی کے منسوخ ہونیکا مذکور ثابت ہوتا ہے۔ پس یہاں منسوخ سے مراد کوئی قرآنی آیت نہیں۔ بلکہ اس سے اس بات پر روشنی پڑتی ہے کہ لفظ نسخ صحابہؓ وسیع معنوں میں استعمال کرتے تھے۔ اسی طرح پانچویں حدیث جس کا اوپر ذکر آیا ہے اسکا راوی بھی ابن عباس ہی ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ جب مہاجرین مدینہ میں قرار گزین ہوئے۔ تو آنحضرت صلعم نے انہیں اور انصار میں بعض کا بعض کے ساتھ بھائی بندی کا رشتہ بنا دیا۔ اور اس رشتہ اخوت کی بنا پر مہاجر اپنے متوفی بھائی انصاری کا ترکہ پاتا تھا۔ لیکن جب آیت ولکلٍ جعلنا موالی (یعنی ہر ایک کے لیے ہم نے ولی بنا دیئے ہیں) نازل ہوئی تو اسوقت یہ دستور جو ترکہ کے متعلق مروج تھا منسوخ ہوگیا۔ اسجگہ بھی کسی قرآنی آیت کے منسوخ ہونیکا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ ایک ایسا دستور منسوخ ہوا ہے جو کسی قرآنی آیت کی بنا پر مروج نہ تھا۔ جب آنحضرت صلعم ہجرت کرکے مدینہ شریف پہنچے اور صحابہؓ کی جماعت آپکے ہمراہ تھی۔ تو آپ نے مدینہ کے مسلمان باشندوں میں سے ہر ایک کو جنہیں انصار کہتے ہیں حکم دیا کہ وہ ایک ایک مہاجر کو اپنا بھائی بنالیں۔ چنانچہ اس کے مطابق ایک ایک مہاجر اور ایک ایک انصاری میں برادری کا پیوند قائم ہوگیا۔ اور یہ رشتہ اخوت ایسا مؤثر اور مضبوط ہوتا گیا کہ اسکا تعلق ترکہ تک بھی پہنچ گیا۔ گویا یہ رشتہ حقیقی برادری کا ہوگیا۔ یہانتک کہ ایک بھائی کی وفات کے بعد دوسرا بھائی حقیقی بھائی کی طرح اس کے ترکہ کا وارث قرار پاتا۔ یہ کوئی اسلامی رسم نہ تھی بلکہ اس کی بنا عرب کی قدیم رسوم تعلق داری پر تھی۔ کیونکہ عربوں میں یہ رسم تھی کہ دو غیر شخص جب

آپس میں بھائی بنجاتے تو وہ ایسا گہرا تعلق ہو جاتا کہ ایک دوسرے کا وارث جائز سمجھا جاتا اور اسکے مرنے پر اسکے ترکہ کا حقیقی بھائی کی طرح حقدار ہوتا۔ اسی رسم کو اس تعلق برادری میں داخل کر دیا گیا جو انصار اور مہاجرین کے درمیان قایم کیا گیا۔ چنانچہ ایک عرصہ تک مسلمان اسپر عمل کرتے رہے۔ لیکن اس کے بعد یہ رواج قرآن شریف کی آیت سے منسوخ قرار دیا گیا۔ جس کا ذکر اس حدیث میں ہے۔ اور وہ آیت یہ ہے ولکل جعلنا موالی مما ترك الوالدان والاقربون والذین عقدت ایمانکم فاتوھم نصیبھم۔ ان اللہ علی کل شیٔ قدیر۔ یعنی ہر ایک آدمی کے جو کچھ والدین اور اقربا ترکہ چھوڑ مریں اس کے لیے ہم نے وارث مقرر کر دیے ہیں۔ اور جن کے ساتھ تم نے اپنے دائیں ہاتھ بڑھا کر بھائی چارہ گانٹھا ہے انکو انکا حصہ دو۔ خدا ہر شے پر بڑی قدرت رکھنے والا ہے۔" یہ سورۃ النساء کی آیت ہے جو پانچویں سیپارہ میں درج ہے۔ فاتوھم نصیبھم کی تشریح میں حدیث میں لکھا ہے والذین عقدت ایمانکم من النصر والرفادۃ والنصیحۃ وقد ذھب المیراث ویوصی لہ۔" اور ان لوگوں کو جن کے ساتھ اخوت کا معاہدہ کیا تھا...... مدد اور تحائف اور نصیحت ہے۔ انکو ترکہ نہیں پہنچتا مگر انکے حق میں وصیت کیجا سکتی ہے۔" غرض اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کوئی قرآنی آیت اس آیت کے نزول سے منسوخ ہو گئی تھی۔ بلکہ ایک ایسی رسم منسوخ ہو گئی تھی جسکو مسلمانوں نے اقتضائے ضرورت وقت کے لیے بصورت عدم وجود کی حکم قرآن شریف بطور مستعار عربوں کی قدیم رسوم سے لیا ہوا تھا۔ اور یہ ایک ایسی بات ہے کہ جس کے لیے قرآن شریف کا وجود مانا گیا ہے۔ کیونکہ قدیم رسوم کی اصلاح کرنا اور صحیح اور معتدل اصول اور قوانین کا پیش کرنا ہی قرآنی مشن تھا۔

اب ہم چوتھی حدیث کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اس میں کلام نہیں کہ یہ ذرہ پیچیدہ سی حدیث ہے۔ سورۃ النساء ۲ع میں یہ آیت ہے والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر وعشرا۔ فاذا بلغن اجلھن فلا جناح علیکم فیما فعلن فی انفسھن بالمعروف۔ واللہ بما تعملون خبیر۔ تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیوائیں چھوڑ مریں انہیں چاہیئے کہ چار مہینے اور دس دن صبر کریں۔ اور جب یہ میعاد پوری ہو چکے تو جسطرح جائز طور پر وہ اپنے نفوس سے برتاؤ کریں تم اسکے جواب دہ نہ ہو گے جو کچھ تم کرتے ہو خدا کو اسکی پوری خبر رہتی ہے۔" پھر آگے چلکر اسی سورۃ میں یہ آیت ہے والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا وصیۃ لازواجھم متاعا الی الحول غیر اخراج فان خرجن فلا جناح علیکم فیما فعلن فی انفسھن من معروف واللہ عزیز حکیم" اور تم میں سے جو لوگ مر جائیں اور بیوائیں چھوڑ مریں ان بیواؤں کے گذارہ کے لیے ایک سال بھر کا گذارہ اور گھر سے نہ نکالا جانا وصیت ہے۔ لیکن اگر وہ اپنی مرضی سے نکل جائیں تو جو کچھ مناسب اور بہتر طور سے وہ اپنے نفوس کیلیے کریں تو اس کا تمہاری گردن پر کوئی الزام اور مواخذہ نہیں۔ خدا غالب حکمت والا ہے۔" پھر انکے سوا سورۃ النساء ۲ع میں آیت

ہو ولھن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد۔ فان کان لکم ولد فلھن الثمن مما ترکتم من بعد وصیۃ توصون بھا او دین۔ یعنی اگر تمھاری اولاد نہ ہو تو تمھارے ترکہ میں تمھاری بیواؤں کا چوتھا حصہ ہے اور اگر تمھاری اولاد ہے تو تمھارے ترکہ میں سے ان کا آٹھواں حصہ ہے لیکن یہ حصے تمھاری وصیت اور قرضے کے ادا ہو جانیکے بعد ہونگے"۔ یہ آیت ہے جس میں عورت کا مرد کے ترکہ میں سے حصہ مقرر کیا گیا ہے۔ اب بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ تینوں آیات ایک دوسرے کی معارض ہیں۔ اور ان کے نزدیک ان آیات کے بعض احکام ایک دوسرے کے مقابل میں منسوخ ہیں۔ اب ہم اسجگہ اس حدیث کی طرف توجہ کرتے ہیں جو صحیح بخاری میں وارد ہے۔ اور اسپر تفصیل سے نظر ڈالتے ہیں۔ سب سے پہلے تو مجاہد کی روایت آتی ہے۔ مجاہد حضرت ابن عباس کے مشہور شاگرد ہیں۔ وہ پہلی آیت والذین یتوفون منکم و یذرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر و عشرا۔ کی تفسیر کے بیان میں کہتے ہیں کہ "چار ماہ دس دن کی میعاد ضروری تھی اور اسپر عمل کرنا بھی ضروری تھا۔ اسکے بعد خدا تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی والذین یتوفون منکم و یذرون ازواجا وصیۃ لازواجھم متاعا الی الحول الخ اس طرح اللہ تعالیٰ نے سات ماہ اور بیس دنوں کی میعاد بیوہ عورت کے لیے ... بڑھا کر اسکو پورا سال کر دیا۔ اور اسکو اختیار دیا کہ اگر وہ چاہے تو ایک سال بھر اسی خاوند کے گھر میں وصیت کے مطابق رہے اور اگر چاہے تو گھر چھوڑ جائے۔ یہ بات آیت کے ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ اسکو مجبورا گھر سے نہ نکالا جاوے لیکن اگر وہ اپنی مرضی سے خود چھوڑ کر چلی جاوے تو وارثوں پر کوئی الزام نہیں مگر عدت یعنی چار ماہ اور دس دن کا انتظار بہرحال ضروری ہوگا"۔ یہ مجاہد کی رائے تھی اور انکا خیال تھا کہ ان دونوں آیتوں میں سے نہ کوئی کسی کی ناسخ ہے اور نہ منسوخ۔ اب حضرت ابن عباس کے ایک اور مشہور شاگرد ہیں جن کا نام عطا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ "ابن عباس کی یہ رائے تھی کہ آیت والذین یتوفون منکم و یذرون ازواجا وصیۃ لازواجھم متاعا الی الحول غیر اخراج الخ کے نزول سے وہ آیت جس میں بیوہ کے لیے چار ماہ دس دن کی عدت مقرر ہے منسوخ ہو گئی ہے"۔ پھر آگے چلکر وہ کہتے ہیں متاعا الی الحول غیر اخراج سے مراد یہ ہے کہ بیوہ عورت کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اپنی عدت کے ایام ان دونوں طریقوں سے جس طریق پر چاہے شمار کرے۔ یعنی اگر وہ چاہے تو اپنے ایام عدت ایک سال شمار کرے اور سال بھر متوفی خاوند کے گھر میں رہے اور وہیں سے اپنی مرضی کے موافق ضروریات زندگی لیتی رہے۔ اور اگر وہ پسند کرے تو خاوند متوفی کے گھر سے اس مدت سے پہلے کسیوقت چلی جاوے۔ اسی لیے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس بات کا تم پر کوئی الزام نہیں کہ جس طرح وہ چاہیں اپنے نفوس کے ساتھ معروف طریق پر برتاؤ کریں۔ اس کے بعد ورثہ اور ترکہ کی آیات نازل ہوئیں انکے نزول سے سال بھر کے گذارہ اور خاوند کے گھر رہنے کا حکم منسوخ ہو گیا۔ اور یہ اختیار رہا کہ وہ اپنی عدت کے

دنوں کو جس طرح چاہے شمار کرے لیکن اسکو گذارہ لینے کا کوئی حق نہیں۔" عطا کی رائے کچھ ایسی مبہم سی ہے کہ اسپر حصر کرنا نہایت مشکل ہے۔ درحقیقت ان آیات میں کوئی ناسخ و منسوخ نہیں۔ ایسا کہنا صرف انکے معنوں کی غلط فہمی ہے۔ پہلی آیت میں اس مدت کا ذکر کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے بیواؤں کے لیے انکے خاوندوں کے مرنیکے بعد شادی سے رُکے رہنے کے لیے مقرر کی ہے۔ اس زمانہ کا نام اصطلاح شرعی میں عدت ہے۔ اور مراد اس عدت سے یہ ہے کہ کوئی بیوہ اپنے خاوند کی وفات سے چار ماہ دس دن کے اندر کسی دوسرے سے شادی کرنیکا حق نہیں رکھتی۔ قرآن شریف میں عدت کے تغیر و تبدل کے لیے کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔ جس سے اس آیت کو منسوخ سمجھا جاسکے۔ البتہ سورۃ الطلاق میں اُن عورتوں کے لیے جو حاملہ ہوں بجائے اس عدت کے یہ حکم ہے کہ جبتک بچہ پیدا نہ ہو جائے اُسوقت تک وہ کسی دوسرے مرد سے شادی نہ کریں۔ لیکن اس بات کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں کہ یہ حکم عدت کے حکم کی ترمیم اور تنسیخ نہیں۔ بلکہ یہ علیحدہ صورت ہے اور اس لیے علیحدہ حکم ہے۔ پھر وہ آیت جس میں خاوند کی وصیت کے موافق ایک سال تک خاوند کے گھر میں بیوہ کے رہنے کی اجازت کا ذکر ہے وہ بھی عدت کی آیت کو منسوخ نہیں کرتی۔ کیونکہ عدت کی غرض تو یہ ہے کہ اس میں بیوہ عورت کے لیے خاوند کے مرجانیکے بعد ایک مقررہ مدت تک کسی دوسرے شخص سے شادی کرنیکی اجازت نہیں ہوتی۔ گویا اس میعاد کے اندر شادی جائز ہو ہی نہیں سکتی۔ اگر یہ عدت ترمیم ہوتی تو ایسا ہونا چاہیئے تھا کہ بجائے چار ماہ دس دن کے کوئی اور کم یا بیش میعاد مقرر کیجاتی اور اس میعاد کا یہی نام رکھا جاتا اور اس میں بیوہ عورت کو کسی مرد سے نکاح کرنیکی اجازت نہ ہوتی۔ لیکن سال کی میعاد جو دوسری آیت میں ہے وہ ان اغراض کے لیے نہیں کہ بیوہ عورت کو بجائے چار ماہ دس ایام کے ایک سال بھر کسی سے نکاح نہیں کرنا چاہیئے۔ ایسا تو ہرگز اس آیت سے ظاہر نہیں ہوتا۔ ماسوائے اس کے یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ یہ آیت اس آیت سے پہلے نازل ہوئی تھی پھر جبکہ یہ آیت ہی پیچھے نازل ہوئی تو کیونکر مانا جاسکتا ہے کہ ایک ایسی آیت جو پہلے نازل ہو چکی تھی وہ بعد میں نازل ہونیوالی آیت کو منسوخ کرے۔ یہ کیسی ناممکن اور خلاف قیاس بات ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ سورۃ النساء میں جو حق ترکہ بیوہ کے لیے رکھا گیا ہے کیا اس کے نزول سے ایک سال کے گذارہ کی وصیت والی آیت منسوخ ہو گئی ہے؟ ان دونوں آیتوں میں رشتہ ناسخ و منسوخ قایم کرنیکا خیال بھی از خود تراشیدہ ہے۔ سارے قرآن شریف میں کہیں اس بات کا بطور اشارہ بھی ذکر نہیں اور نہ ہی کسی حدیث نبوی میں کوئی اشارہ اس قسم کا کہیں آیا ہے۔ اور اس خیال کے حامی ایک واقعہ بھی ایسا پیش نہیں کر سکتے کہ کبھی کوئی مقدمہ اس قسم کا آنحضرت صلعم کے حضور میں پیش ہوا ہو جس میں آپنے صراحت یا کنایت سے ہی ایسا فیصلہ کر دیا ہو کہ بیوہ عورت کے لیے جو ایک سال بھر خاوند متوفی کے مکان میں رہنے اور گذارہ

یعنی کی وصیت کے نیچے اجازت تھی وہ اسوقت تک تھی جب تک کہ اس کے بیے ترکہ خاوند متوفی میں سے بصورت موجودگی اولاد آٹھواں اور بصورت عدم موجودگی اولاد چوتھا حصہ پانیکا حکم نازل نہ ہوا تھا۔ پھر جب یہ حکم نازل ہوا تو وہ حق منسوخ ہوگیا۔ بلکہ برخلاف اس کے قرآن شریف میں یہ حکم صریح ہے کہ بیوہ عورت کو ترکۂ خاوند متوفی سے حصہ دینے سے پہلے متوفی کی وصیت اور قرضے ادا کر دینے ضروری ہیں۔ اور جو کچھ وصیت اور قرضہ سے بچے وہ ورثا میں تقسیم ہو۔ ان باتوں کے سوا ایک اور واضح قرینہ ایسا موجود ہے کہ جس سے صاف طور پر عیاں ہوتا ہے کہ بیوہ کے لیے خاوند متوفی کے گھر میں سال بھر رہنا اور گذارہ لینا۔ جو وصیت کے ماتحت رکھا گیا ہے منسوخ نہیں ہوا۔ شریعت اسلام نے اصولی طور پر عورتوں کے لیے حقوق میں بہت نرمی رکھی ہوئی ہے۔ جہاں کہیں قرآن شریف میں عورتوں کے ساتھ برتاؤ اور ان کے حقوق کی ادائیگی اور نگہداشت کا حکم دیا ہے وہاں ضرور دیکھا جائیگا کہ اس قسم کی تاکید ہے کہ انکے ساتھ ایسی نرمی سے برتاؤ کیا جائے کہ ان کے حقوق سے کچھ زیادہ ہی سلوک انسے کیا جائے۔ یہ غور کا مقام ہے کہ اس آیت کے ساتھ ہی جس میں بیوہ عورت کو خاوند متوفی کی وفات کے بعد اس کے گھر میں ایک سال رہنے اور گذارہ لینے کی وصیت کی اجازت دی گئی ہے ایک اور آیت بالکل ساتھ ملی ہوئی ہے جس میں اسی قسم کا حق مطلقہ عورت کے لیے رکھا گیا ہے چنانچہ یہ دونوں آیتیں اسطرح پر ہیں والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا وصیۃ لازواجھم متاعا الی الحول غیر اخراج فان خرجن فلا جناح علیکم فی ما فعلن فی انفسھن من معروف۔ واللہ عزیز حکیم وللمطلقت متاع بالمعروف حقا علی المتقین۔ ترجمہ: جو لوگ تم میں سے فوت ہو جائیں اور بیوائیں چھوڑ مریں انہیں چاہیئے کہ اپنی بیواؤں کے لیے وصیت کرسکتے ہیں کہ ایک سال تک ان کے لیے اسی گھر سے کھانے پینے کے خرچ دیئے جائیں اور ان کو وہاں سے نکالا نہ جائے۔ ہاں اگر وہ اپنی مرضی سے نکل جائیں تو تم پر اس بارے میں کوئی گناہ نہیں کہ جو چاہیں وہ مناسب طور پر اپنے آپسے سلوک کریں۔ اللہ تمام عزتوں اور حکمتوں کا مالک ہے۔ اور مطلقہ عورتوں کے لیے بھی مناسب طور پر کھانے پینے کا خرچ دیا جائے۔ یہ متقیوں پر ایک حق ہے۔

ان دونوں موقعوں پر لفظ متاع استعمال ہوا ہے۔ جس کے لفظی معنے ہیں۔ کوئی مفید شے یا ضروریات زندگی لین کی مشہور و معروف لغت میں لکھا ہے کہ متاع جب مطلقہ عورت کے لیے مستعمل ہوتا ہے تو اسکے معنے ضروریات زندگی مثل غذا۔ لباس۔ اثاث البیت وغیرہ ہوتے ہیں۔ اب جس طریق پر مطلقہ عورت کے لیے حق مہر کے علاوہ معقول متاع کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی طرح بیوہ عورت کے لیے مہر اور حصہ ترکہ معینہ کے علاوہ یہ رعایت رکھی گئی ہے کہ اسکو سال بھر تک گذارہ اور رہایش خاوند متوفی کے گھر میں دی جاوے۔ یہ قیاس درست

نہیں کہ آیت ولهن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد۔ فان کان لکم ولد فلهن الثمن مما ترکتم من بعد وصیة توصون بها او دین۔ (اور لے مردو! اگر تمہارے ہاں اولاد نہیں تو تمہارے ترکہ میں سے تمہاری بیواؤں کو چوتھا حصہ ملے۔ لیکن اگر تمہاری اولاد ہو تو تمہاری بیواؤں کیلیے تمہارے ترکہ کا آٹھواں حصہ مقرر ہے جو تمہاری وصیتوں اور قرضہ کے ادا کرنیکے بعد دیا جاوے) کے نازل ہونیسے آیت والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا۔ وصیة لازواجهم متاعا الی الحول غیر اخراج الخ گویا منسوخ ہو چکی ہے۔ اور یہ خیال ایسا ہی بے بنیاد ہے جیسا کہ کوئی یہ خیال کرلے کہ گویا وہ آیت جس میں مطلقہ عورت کو حق مہر ادا کرنیکا حکم ہے اس کے نزول سے آیت متاع بالمعروف منسوخ ہوگئی ہے۔ مطلقہ عورت کو اپنے خاوند کی جائداد پر سوائے اپنے حق مہر کے اور کسی چیز کا حق نہیں لیکن باوجود اس بات کے پھر بھی شریعت اسلام میں اسکی بہت رعایت لیگئی ہے اور متاع بالمعروف کی سفارش کی گئی ہے۔ اسی طرح بیوہ عورت کا اپنے متوفی خاوند کی جائداد پر مقررہ آٹھویں یا چوتھے حصہ سے بڑھکر کوئی حق نہیں۔ لیکن باوجود اس بات کے خاوند کو سفارش کی گئی ہے۔ کہ وہ اپنی بیوی کے حق میں وصیت کر چھوڑے۔ کہ میرے مرنیکے بعد ایک سال تک اُسے میرے گھر میں بود و باش رکھنے سے روکا نہ جاوے اور اُسکی ضروریات زندگی بہم پہنچائی جائیں۔ یہ دونوں حالات ایک ہی سطح پر مساوی ہیں۔ مطلقہ عورت کو حق مہر اور اس کے ساتھ متاع بالمعروف لینے کا حق دیا گیا ہے۔ اور بیوہ کو حق مہر متوفی خاوند کے ترکہ میں سے شرعی حصہ اور ایک سال کی رہایش اور خورونوش (متاع الی الحول غیر اخراج) کا حق دیا گیا ہے۔ لیکن ان دونوں صورتوں میں متاع بالمعروف اور متاع الی الحول غیر اخراج خاوند کی مرضی اور اختیار پر چھوڑے گئے ہیں۔

ایسا ہی ایک اور حدیث انہی آیتوں کے متعلق ہے۔ جو مسئلہ نسخ اور حفاظت قرآن پر اچھی طرح روشنی ڈالتی ہے۔ یہ حدیث صحیح بخاری میں ابن زبیر کی روایت سے درج ہے جس کے الفاظ یہ ہیں قال ابن الزبیر قلت لعثمان بن عفان والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا قال قد نسختها الایة الاخری فلم تکتبها او تدعها قال یا ابن اخی لا اغیر شیئا منه من مکانه جسکا ترجمہ ذیل میں دیا جاتا ہے۔ "ابن زبیر سے روایت ہے۔ کہ کہا اُس نے کہ میں نے حضرت عثمانؓ کو کہا کہ آیت والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا ایک دوسری آیت سے منسوخ ہو چکی ہے تو پھر آپنے اسکو قرآن میں کیوں لکھا ہے؟ اسپر حضرت عثمانؓ نے جواب میں کہا کہ اے میرے بھائی کے بیٹے ایسی کوئی چیز جو قرآن میں آئی ہے بدلنے کا حق نہیں رکھتا" اب یہ دونوں آیتیں جنپر ہم بحث کر رہے ہیں۔ والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا سے ہی شروع ہوتی ہیں۔ لیکن اس حدیث میں کہیں کوئی اشارہ اس امر کے متعلق نہیں پایا جاتا کہ ان دونوں

میں سے کونسی آیت کے منسوخ ہونیکی طرف ابن زبیر کا اشارہ تھا۔ البتہ امام بخاری نے اِس قسم کا اشارہ دیا ہے کیونکہ انہوں نے یہ آیت اِس مضمون کے سر پر بطور سُرخی لکھی ہے اور اسی پر باب باندھا ہے والذین یتوفون منکم و یذرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعة اشھر و عشرا فاذا بلغن اجلھن فلا جناح علیکم فیما فعلن فی انفسھن بالمعروف و اللہ بما تعملون خبیر ایسے جس حال میں امام بخاری رح نے اس آیت کا یہ پتہ لکھا ہے اور اسپر آجتک کسی قسم کا کسی نے اختلاف نہیں کیا تو جب تک کہ اختلاف ثابت نہ ہو اُسوقت تک ہم کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ہم اس حدیث سے کوئی اور آیت مشاراً الیہ سمجھیں۔ یہاں یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ ابن زبیر کے نزدیک آیت مذکورہ بالا جس میں چار ماہ اور دس دنوں کی عدت بیوہ عورتوں کے لیے خاوندوں کے مرنیکے بعد نکاح سے رُکے رہنے کے لیے مقرر کیگئی ہے وہ اس دوسری آیت سے جس میں متاع الی الحول غیر اخراج آیا ہے منسوخ ہو چکی ہے۔ در اصل ابن زبیر نے اس آیت کے معنے سمجھنے میں غلطی کھائی ہے اور یہ سمجھا ہے کہ اس سے بجائے چار ماہ اور دس دن ایام عدت کے ایک سال کی عدت کر دی گئی ہے۔ لیکن ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ یہ دونوں آیتیں اپنے اپنے جدا مضامین اور مقاصد رکھتی ہیں اور کوئی بھی ان میں ناسخ و منسوخ نہیں ایک میں تو یہ حکم درج ہے کہ جب کسی عورت کا خاوند مر جائے اور وہ بیوہ رہ جائے تو جب تک کہ اُس کے مرنیکے بعد چار ماہ اور دس دن نہ گذر جائیں اُسوقت تک وہ بیوہ عورت کسی سے نکاح نہیں کر سکتی۔ اور دوسری آیت میں خاوند کو سفارش کی گئی ہے کہ وہ اپنی عورتوں کے حق میں اس مضمون کی وصیت کریں کہ میرے مرنیکے بعد میری بیوہ کو سال بھر تک میرے ہی گھر میں رہنے سے نہ روکا جاوے اور اُسکی ضروریات زندگی اسی جگہ سے دیجاویں۔ اب ظاہر ہے کہ یہ دونوں آیتیں اپنے اپنے مضامین اور مقاصد جدا جدا رکھتی ہیں ایک میں بعد مرگ خاوند بیوہ عورت کو چار ماہ اور دس دن تک نکاح سے رُکے رہنے کا حکم ہے اور دوسری میں خاوند کو اپنی عورت کے حق میں بعض رعایتوں کی سفارش کی گئی ہے اس لیے ابن زبیر کا یہ خیال کہ یہ آیتیں ایک دوسری کی ناسخ ہیں قابل التفات نہیں۔ اب حضرت عثمان رض کے جواب کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ ابن زبیر کے جواب میں آپنے فرمایا کہ جو چیز قرآن میں آچکی ہے اسکو کسی طرح نہیں بدل سکتا اس سے صاف روشن ہوتا ہے کہ آپکے نزدیک کوئی آیت قرآنی بجز حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منسوخ نہیں ہو سکتی تھی اور نہ ہی کسی غیر شخص کی رائے سے قرآن شریف میں کوئی تبدیلی کیجا سکتی تھی حضرت عثمان رض نے ابن زبیر کو یہی بات سمجھائی کہ جس چیز کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جزو قرآن قرار دے دیا ہے کسی شخص کو حق نہیں پہنچتا کہ اُس میں کسی قسم کی تبدیلی کرے۔ آپنے ابن زبیر یا کسی اور کے کہنے یا سمجھنے یا قیاس کرنے پر کہ فلاں آیت قرآن منسوخ ہو چکی ہے اسکو درج قرآن نہیں کرنا چاہیئے مطلق التفات

نہ کیا۔ بلکہ انکو صاف جواب دیا کہ جس کلام کو خدا کا مقدس رسول صلعم قرآن شریف کا جزو ہونا ہم کو بتا گیا ہے ہم اس میں کوئی دست اندازی کر نہیں سکتے۔ حضرت عثمان کے اس بیان سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ قرآن شریف کے بارہ میں وہ کیسے محتاط تھے۔ وہ پاک دل انسان کہتا ہے کہ میں ایک حرف بھی بدل نہیں سکتا۔ پھر وہی سلیم اور محتاط دل حضرت عثمانؓ کا اسوقت بھی تھا جبکہ آپنے قرآن شریف کی نقلیں کرنیکا حکم دیا تھا۔

یہانتک تو ہم نے ان پانچوں حدیثوں پر بحث کی ہے جن کی نسبت بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ انکا حکم منسوخ ہے۔ ہم نے یہ بات ثابت کردی ہے کہ ان میں دو حدیثیں تو اس بات کی گواہ ہیں کہ قرآن شریف کی آیت سے عرب کی ایک قدیم اور زمانہ جاہلیت کی رسم منسوخ ہوئی۔ کسی قرآنی آیت کا منسوخ ہونا ان سے کسی طرح ثابت نہیں ہوتا اور دوسری حدیثوں کے متعلق ثابت کیا ہے کہ یا تو لفظ نسخ سے ایک خاص مفہوم یعنی عام کا خاص کرنا مراد ہے اور یا خود اس آیت کے معنوں کے سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے کہ ایسے معنے اختیار کیے جاتے ہیں جو دوسری آیت کے معارض پڑتے ہیں۔ اور اس وجہ سے ان کے ناسخ یا منسوخ ہونیکا خیال گذرا ہے یہ بات یقینی طور پر ثابت کردی گئی ہے کہ قائلین ناسخ و منسوخ اپنے اس خیال کی تائید میں آنحضرت صلعم سے ایک لفظ بھی سند میں پیش نہیں کر سکتے صرف مفسرین کی شخصی رائے اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ کوئی آیت قرآن شریف میں ناسخ اور کوئی منسوخ ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ ایسے ہرگز نہیں جنسے یہ نتیجہ نکلتا ہو کہ کوئی آیت قرآن شریف کی منسوخ ہے۔ ابن عباس اور ابن عمر اپنی اپنی رائوں کے خود ذمہ وار ہیں۔ اور پھر ان میں آپس میں ہی اختلاف بھی ہے۔ چنانچہ یہ بات بھی اوپر ہم نے دکھا دی ہے۔ اب ہم اس ایک حدیث کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ جس میں بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ ایک ایسی آیت قرآنی کا ذکر ہے جو منسوخ الحکم اور منسوخ التلاوۃ ہے۔ اس حدیث کے راوی حضرت انسؓ ہیں آپنے جہاں ان ستر قاریوں کا ذکر کیا ہے جن کو کفار نے بئر معونہ پر نہایت بے رحمی سے قتل کیا تھا وہاں یہ الفاظ بھی کہے ہیں۔ "اور ہم انکی نسبت ایک قرآن پڑھتے تھے جو بعد میں اٹھا لیا گیا اور وہ یہ تھا کہ ہماری قوم کو یہ خبر سنا دو کہ تحقیق ہمکو اپنے مولے کے حضور میں بار نصیب ہو گیا ہے۔ اور ہمارا مولے ہم سے خوش ہے اور ہم اس سے خوش" اس مقام پر بعض لوگوں نے لفظ قرآن سے دھوکہ کھایا ہے اور یہ سمجھا ہے کہ اس سے مراد کوئی قرآنی آیت ہے جس کا حکم اور تلاوت دونوں منسوخ ہو گئے ہیں۔ لیکن ان لوگوں نے قرآن اور القرآن کے معنوں میں جو باریک امتیاز ہے اسکی طرف توجہ نہیں کی اور اس لیے ایک بڑی غلطی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ واضح رہے کہ عربی زبان میں قرأ پڑھنے کو کہتے ہیں۔ اور قرآن اسی سے مشتق ہے جس کے معنے عام طور پر کسی پڑھنے والی چیز کے ہیں اور جو کتاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اس کا نام القرآن ہے لفظ قرآن اسم نکرہ ہے القرآن

اِسم معرفہ ہے جو اُس کتاب مقدس کا نام ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی البتہ اس میں شک نہیں ہے کہ چونکہ قرآن کا اکثر استعمال کلام الٰہی کے لیے ہی ہوتا تھا دوسرے معنے کے لحاظ سے اس کا استعمال بہت ہی کم ہوگیا۔ اس حدیث مندرجہ بالا میں لفظ قرآن سے القرآن مراد کسی طرح نہیں۔ بلکہ عام طور پر کوئی پڑھنے والی چیز مراد تھی جیسے لغت عرب کا عام محاورہ ہے قرأت الکتاب قرانًا یہاں صرف قرآن کا لفظ واقع ہوا ہے اور القرآن نہیں۔ خود بخاری نے بھی اس لفظ قرآن کو اس حدیث میں القرآن نہیں سمجھا اور اسی لیے انہوں نے اسکو کسی ایسے باب کے ضمن میں بیان نہیں کیا جو خصوصیت سے قرآن شریف کے متعلق باندھے گئے ہیں جیسے باب تفسیر القرآن۔ فضائل القرآن یا جمع القرآن وغیرہ ہیں۔ بلکہ صرف ایک ایسے باب کے نیچے اس حدیث کو بیان کیا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایک خاص واقعہ کا بیان کرتی ہے یعنی باب غزوۃ بئر معونہ میں۔ اصل مراد اس سے یہ تھی کہ ایک عبارت تھی جسے بعض لوگوں نے پڑھا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکا پڑھنا روک دیا اور اس کی وجہ معلوم کرنی مشکل نہیں کیونکہ ایسے کلام جو قرآن شریف کی آیتوں کی طرح پڑھے جاتے تھے انکو اگر روکا نہ جاتا تو بعد میں قرآن شریف کی آیات کے ساتھ مخلوط اور مشتبہ ہو جانیکا احتمال تھا اس لیے ان کا روک دینا ہی انسب تھا۔ غرض یہ صاف ظاہر ہے کہ حدیث محولہ بالا کو قرآن شریف میں نسخ ہونے سے کوئی سروکار نہیں۔ لیکن اگر بفرض محال یہ بھی مان لیا جائے کہ یہاں لفظ قرآن القرآن ہی کے مترادف واقع ہوا ہے۔ اور اس سے مراد قرآن شریف ہی کا کوئی جملہ ہے۔ تو اس صورت میں بھی اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ فی الواقعہ قرآن شریف میں کوئی تنسیخ واقع ہوئی۔ اس حدیث میں یہ تو کہیں نہیں لکھا کہ آنحضرت صلعم نے اس فقرہ کی نسبت فرمایا تھا کہ وہ قرآن شریف میں سے ہے۔ اور نہ یہ بات ہی ظاہر ہوتی ہے کہ آپنے کبھی اسکو قرآن شریف میں لکھے جانیکا حکم دیا ہو۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ کسی شخص نے غلط فہمی سے اس فقرہ کو قرآن شریف کی آیت سمجھ لیا تھا۔ اور اس سے زیادہ انسؓ کے بیان کا اور کوئی مفہوم نہیں بن سکتا۔ لیکن آنحضرت صلعم نے اس فقرہ کو اسطرح پڑھنے سے منع کر دیا۔ پس جب تک کہ حدیث صحیح سے یہ بات ثابت نہ ہو کہ آنحضرت صلعم نے اس عبارت کی نسبت فرمایا تھا کہ یہ قرآن شریف کا جزو ہے اُسوقت تک ہم کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اسے جزو قرآن سمجھیں۔ بلکہ اگر کسی ایک آدھ صحابی نے غلط فہمی کیوجہ سے اسکو جزو قرآن سمجھ بھی لیا تو یہ اسکی اپنی غلطی تھی۔ یہاں تو یہ بات ثابت ہے کہ آنحضرت صلعم نے اسکو ایسا سمجھنے اور ایسا سمجھکر اسکو پڑھنے سے منع فرمایا تھا۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ جب ستر قاری کفار کی دغابازی سے شہید ہوئے۔ تو آنحضرت صلعم نے انکی اس حالت زندگی کا صحابہؓ کے آگے ذکر فرمایا جس میں وہ شہید ہو جانیکے بعد تھے۔ گویا وہ شہید ہی اپنی زبان سے اپنی حالت یوں بیان کر رہے تھے کہ "ہماری قوم کو خبر سنا دو کہ ہم خدا کے حضور میں باریاب ہوگئے ہیں۔ اور وہ ہم سے راضی ہے اور ہم اُس سے راضی ہیں" یہ کلام چونکہ بہت مؤثر تھا اور ایک مؤثر

واقعہ کے متعلق تھا اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ میں اس کا اتنا بڑا رواج ہو گیا کہ اکثر صحابہؓ اسکو بار بار پڑھا کرتے تھے اور ممکن ہے کہ کسی نے اسکو خدا کا کلام ہی سمجھ لیا ہو۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اندیشہ سے کہ مبادا کوئی شخص غلطی سے اسے خدا کے کلام میں داخل کر دے اور جزو قرآن قرار دیدے یہ حکم دیدیا کہ اس کو آئندہ کوئی شخص پڑھا ہی نہ کرے۔ یہ ہے حدیث شریف کا سارا منشاء اس کے سوائے اس حدیث سے اور کچھ واضح نہیں ہوتا۔

اگرچہ ہم نے حدیث کے الفاظ کے مفہوم سے ہی یہ دکھا دیا ہے کہ اس میں قرآن شریف کی کسی آیت کے منسوخ ہو۔ نے کا ذکر نہیں مگر اس کے سوا بھی بہت ساری اور باتیں ہیں جن سے یہی بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب کسی شخص کو ایک کام کے کرنے کی ہدایت کیجاتی ہے یا اسے ایک کام کے کرنے سے منع کیا جاتا ہے تو وہ ہدایت اور ممانعت اسوقت منسوخ سمجھی جاتی ہے جب اس شخص پر سے اسپر عملدرآمد کرنیکا بوجھ بالکل اُٹھا لیا جائے۔ لیکن عبارت زیر بحث میں نہ کوئی حکم کسی کام کے کرنیکا ہے اور نہ کوئی ممانعت کسی فعل سے روکنے کے لیے ہے تو اسحالت میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اس کے منسوخ ہونیسے کیا مطلب ہو سکتا تھا؟ اس عبارت میں تو چند شہیدوں کی آیندہ زندگی کا کچھ حال تھا جو دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ کیا انکی اس حالت میں کوئی تبدیلی واقع ہو گئی تھی؟ اسکا جواب تو ہر ایک ایماندار نفی میں ہی دے گا۔ پھر جبکہ وہ حالت گذشتگان جسکا ظاہر کرنا اس عبارت کی غرض اولی تھی کسی طرح متغیر نہیں ہوئی تو اس کے منسوخ سمجھنے سے غرض کیا سمجھی جائے۔ جو لوگ قرآن شریف میں ناسخ و منسوخ کے قائل ہیں وہ بھی یوں ہی بلا وجہ آیات قرآنی کے نسخ کے معتقد نہیں۔ بلکہ انکا اعتقاد یہی ہے کہ نسخ صرف ان آیات قرآنی میں واقع ہوا ہے جن میں یا تو کوئی امر ہے یا کوئی نہی ہے۔ اور اس کے لیے وہ لوگ یہ وجہ پیش کرتے ہیں کہ اوامر و نواہی سوسائٹی کی حالت پر تغیر و تبدل ہوتے رہتے ہیں۔ ایک وقت میں حالت سوسائٹی کسی خاص قسم کے اوامر و نواہی کا تقاضا کرتی تھی سو اس قسم کے اوامر و نواہی نازل ہو گئے۔ لیکن جب حالات بدل گئے تو ضروریات بھی بدل گئیں۔ اس لیے اسکے مطابق بعض اوامر و نواہی بدلائے گئے یعنی منسوخ ہو گئے اور انکی جگہ نئے اوامر و نواہی نازل کیے گئے۔ تو اس اصول پر بھی اول تو وہ عبارت جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے نہ کوئی امر ہے اور نہ کوئی نہی۔ اس لیے اس کے متعلق کسی طرح نسخ کا اعتقاد ہی جائز نہیں۔ پھر علاوہ بریں اگر بطور فرض محال اس کے لیے نسخ جائز بھی سمجھا جائے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اُن شہیدوں کی اس حالت میں کسی قسم کا تغیر آگیا تھا۔ لیکن چونکہ انکی اس حالت میں کسی قسم کا تغیر ممکن ہی نہیں۔ تو اس عبارت کے منسوخ ہونیکا خیال بھی باطل ہے جس میں انکی اس حالت کا ذکر تھا۔ ماسوا اس کے اس بات کا بھی کوئی ذکر کسی نے نہیں کیا کہ اگر واقع میں یہ منسوخ ہو چکی تھی تو کونسی قرآنی آیت اس کی جگہ نازل ہوئی تھی جس نے اسکو منسوخ کیا۔ کیونکہ جن ہر دو آیات قرآنی کی بنا پر ناسخ و منسوخ کا اعتقاد بنایا گیا ہے ان دونوں کی منشاء بھی یہی سمجھی گئی ہے کہ جب ایک آیت

منسوخ ہوتی ہے تو وہ اسوقت تک منسوخ نہیں ہوتی جب تک کہ اس کی بجائے کوئی آیت نازل نہ ہو۔ یعنی کسی آیت کو منسوخ کرنیکے لیے ضروری ہے کہ اس کی جگہ کوئی اور آیت نازل کیجائے۔ چنانچہ ان میں سے ایک آیت ما ننسخ من اٰیۃ او ننسھا نات بخیر منھا او مثلھا ہے۔ جس کا ترجمہ ہے "ہم کسی آیت کو منسوخ نہیں کرتے یا اسے فراموش ہونے نہیں دیتے جبتک کہ اس سے بہتر یا اس جیسی نہیں لے آتے"۔ اور دوسری آیت واذا بدلنا اٰیۃ مکان اٰیۃ ہے جس کے معنے بھی یہی ہیں کہ ایک آیت کی جگہ دوسری آیت بدلتے ہیں غرض معتقدان نسخ کے عقیدہ کے رو سے بھی کسی آیت کو منسوخ نہیں مانا جا سکتا جب تک کہ یہ ثابت نہ ہو جائے کہ اس منسوخ شدہ آیت کی بجائے کوئی دوسری آیت جو اس سے بہتر ہو یا اس جیسی ہو نازل نہیں ہوئی۔ اور یہ امر محض قیاس اور قرینہ پر مبنی نہ ہو بلکہ صریح اور واضح طور پر پتہ دیا جائے کہ یہ آیت فلاں آیت کی ناسخ ہے جو اس کے آنیسے منسوخ ہوگئی ہے۔ اور چونکہ نہ تو اس حدیث میں ہی اس بات کا ذکر ہے اور نہ اس کے سوا کسی اور شخص نے ہی کبھی اس بات کا پتہ دیا ہے کہ قرآن شریف میں فلاں آیت موجود ہے جو اس عبارت کی بجائے نازل ہوئی تھی۔ اس لیے ہم اس بات پر مجبور ہیں کہ اس کے نسخ کے متعلق ہر ایک قرینہ سے بعید ہو یا قریب جو حدیث زیر بحث سے سمجھا جاوے اس کی تردید کریں۔

اب باقی ایک حدیث رہتی ہے۔ جو بجائے اس کے کہ قرآن شریف میں منسوخ آیات کے وجود کے اعتقاد کی تائید کرے ایسے معتقدان ناسخ و منسوخ کے اس عقیدہ کو بیخ و بنیاد سے اکھاڑتی ہے۔ یہ حدیث اوپر نقل ہو چکی ہے اور اس کا ترجمہ بھی اوپر دیا جا چکا ہے مگر چونکہ یہاں اسکے متعلق بحث در پیش ہے اس لیے ہم پھر اسکا ترجمہ ذیل میں دیتے ہیں۔ "ابن عباسؓ نے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بیشک ہم میں ابیؓ بہترین قاری ہے اور علیؓ ہم میں بہترین قاضی ہے۔ اور بیشک ہم ابیؓ کی کوئی قرأت ترک کرتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ابیؓ کہتے ہیں کہ میں ترک نہیں کرونگا کوئی چیز جو میں نے پیغمبر خدا صلعم سے سنی۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو آیت ہم منسوخ کرتے ہیں یا فراموش کراتے ہیں تو اسکی بجائے اس سے بہتر یا اس جیسی لاتے ہیں"۔ اس حدیث کے مطابق حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہؓ نے بعض عبارات کو اسی آیت کے نفس مضمون پر غور کرکے ترک کر دیا جو اس حدیث کے اخیر میں درج ہے۔ لیکن ابیؓ نے انکو نہ چھوڑا۔ اب بغیر اس بات پر غور کرنیکے کہ وہ کیا چیز تھی جس کو انہوں نے ترک کر دیا لیکن ابیؓ نے نہ کیا۔ یہ بات حدیث مذکورۃ الصدر سے واضح اور عیاں ہے کہ جو کچھ حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہؓ کے نزدیک منسوخ تھا وہ فی الحقیقت اسی وقت متروک ہو گیا تھا۔ اور قرآن شریف میں داخل ہی نہیں کیا گیا تھا۔ اور نہ ہی کبھی قرآن شریف کا جزو سمجھکر پڑھا جاتا تھا۔ اس حدیث کے رو سے صرف ابیؓ ہی ایک تنہا انسان .... ایسا ظاہر ہوتا ہے جو اسکو پڑھتا رہا۔ اور اگرچہ وہ

بنتر بن قاری مانا گیا تھا مگر تمام دوسرے صحابہؓ اس کے اسپارہ میں مخالف تھے۔ اس کا لب لباب یہی ہے کہ اگر کوئی عبارت کسی وقت منسوخ ہوئی تھی تو اسکو قرآن شریف میں جگہ نہیں دیگئی۔ اور نہ ہی اس قسم کی کوئی بات قرآن شریف میں موجود ہے۔ تمام صحابہؓ اسی بات کو حق جانتے ہیں۔ یہی معنے اس حدیث کے ہیں۔ اور اس کے سوا اس کے کوئی معنے نہیں ہو سکتے۔ اس لیے یہ بات بھی ضروری ہے کہ تمام احادیث جن میں کسی صحابی کی نسبت ایسا ذکر درج ہے کہ وہ گویا قرآن شریف میں ناسخ و منسوخ کے وجود کا قایل تھا انکے معنے ایسے اختیار کرنے چاہییں جو حدیث زیر بحث کے ساتھ متعارض نہ ہوں۔ ہم نے اوپر اس مضمون کی ساری حدیثوں کا ذکر کر دیا ہے اور یہ بات ثابت کر دی ہے کہ ان حدیثوں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ فی الواقع قرآن کریم میں کوئی منسوخ شدہ آیت بھی ہے۔ اور اگر ان میں سے کوئی حدیث اس امر کی متعلق ہے بھی تو وہ اسیقدر کہ اس میں کسی صحابی کی شخصی رائے پر ہی مدار ہے اور انکی ایسی شخصی رائے بعض عبارتوں کے مفہوم میں غلط فہمی کی وجہ سے قایم ہوئی تھی۔ اور یہ ایسی غلطیاں تھیں کہ اکثر موقعوں پر اس قسم کی اکثر غلطیوں کو دوسرے صحابیوں نے بتا بھی دیا تھا۔ یہ حدیث انہیں نتایج کی تائید کرتی ہے جنپر اس سے پہلے ایک علیحدہ تحقیقات کر کے ہم پہنچے تھے۔ اور اس بات کا قطعی طور پر فیصلہ کر دیتی ہے کہ قرآن شریف میں کوئی منسوخ آیت موجود نہیں۔

ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کہ مسئلہ ناسخ و منسوخ کے قائل آیات منسوخہ کو تین قسموں پر منقسم کرتے ہیں۔ (۱) وہ آیات جو منسوخ الحکم ہیں مگر منسوخ التلاوۃ نہیں (۲) وہ آیات جو منسوخ التلاوۃ ہیں مگر منسوخ الحکم نہیں (۳) وہ آیات جو منسوخ التلاوۃ بھی ہیں اور منسوخ الحکم بھی۔ پہلی قسم میں وہ عبارات اور آیات ہیں جو قرآن شریف میں موجود ہیں لیکن وہ لوگ یہ مانتے ہیں کہ جن اوامر اور نواہی پر وہ مشتمل ہیں وہ خارج از عمل ہو چکے ہیں کیونکہ ان آیتوں کو دوسری آیتوں نے منسوخ کر دیا ہے۔ مگر حدیث زیر بحث کے رو سے کسی ایسی آیت کا موجود ہونا ہی ممکن نہیں کیونکہ اس کے رو سے جو چیز منسوخ شدہ سمجھی گئی وہ ترک کر دی گئی تھی۔ ہم نے اس قسم کی تمام معتبر حدیثوں پر مفصل بحث کر دی ہے جن کی نسبت وہ لوگ مانتے ہیں کہ انہیں اس قسم کی آیتوں کے بعض حوالے ہیں۔ اس کے بعد دوسری قسم کی آیتیں ہیں یہ قسم تو ایسی ہے کہ جو بادی النظر میں ہی باطل ہے۔ کیونکہ جب کسی آیت کی نسبت یہ کہا جائیگا کہ اس کا حکم منسوخ نہیں ہوا مگر اس کے الفاظ منسوخ ہوئے ہیں تو اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ دراصل وہ امر یا نہی تو بحال ہے۔ لیکن جن الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے اسکو نازل کیا تھا وہ قابل تلاوت نہیں نعوذ باللہ من ذٰلک اور اس نے حکم تو رہنے دیا مگر تلاوت الفاظ کو روک دیا۔ یہ ایک پرلے درجہ کی لایعنی بات ہے جسکو کوئی عقلمند مان ہی نہیں سکتا۔ اگر کسی آیت کا حکم بحال رہے تو

اس کے الفاظ کے نسخ سے کیا مراد سمجھی جا سکتی ہے؟ اگر اس کے یہ معنے ہیں کہ یہ الفاظ پہلے قرآن شریف کی جزو تھے اور یہی سمجھے جاکر پڑھے جاتے تھے۔ لیکن بعد میں ایسا کیا گیا کہ جو حکم انمیں تھا وہ بدستور مسلمانوں پر فرض اور واجب العمل رہا لیکن انکی تلاوت حکماً روک دیگئی۔ تو پھر یہ پوچھا جائیگا کہ اس راہ کو اختیار کرنیکی کن وجوہ سے ضرورت پیش آئی تھی۔ یا وہ کیا فایدے تھے جن کا حصول اس طرز کے اختیار کرنیسے متصور تھا؟ کیا اسکی یہ وجہ تھی کہ وہ الفاظ جن میں وہ حکم نازل کیا گیا تھا اس قابل نہیں سمجھے گئے کہ وحی الٰہی میں درج رہیں؟ کوئی شخص مسئلہ ناسخ و منسوخ کا قائل ہوکر اس سوال کا جواب یہ نہیں دے سکتا کہ وہ الفاظ کتاب اللہ میں درج ہونے کے قابل تھے نہ ہی روئے زمین پر کوئی معقول اور سمجھدار انسان ایسا دکھائی دیتا ہے کہ جو ایسی صریح بنفسہٖ متضاد باتوں کے ماننے کے جرم کا ارتکاب کرے کہ ایک وحی الٰہی کے لفظ وحی الٰہی میں رہنے کے قابل نہیں۔ اس کے سوا کوئی اور سبب بیان ہی نہیں ہو سکتا۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس طریق کو اختیار کرنیسے کونسے فواید متصور تھے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے کہ جس کا کوئی جواب نہیں۔ اور ہم کسی آدمی کو اس کا ذرہ بھر کے برابر فایدہ دکھلا نہیں سکتے۔ بلکہ برعکس اس کے ایسے طریق کو اختیار کرنیسے بہت بڑے نقصانوں کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کا قرآن شریف کی حفاظت کا وعدہ ہے۔ اور یہ ایسا پختہ وعدہ ہے کہ جسکا عملدرآمد سیکڑوں برسوں سے بڑے فخر کے ساتھ تجربہ ہوتا چلا آیا ہے۔ پس اس الٰہی وعدہ حفاظت قرآن کریم کا فایدہ ان اوامر ہی کو پہنچ سکتا ہے جو قرآن شریف میں شامل ہیں اور منسوخ نہیں ہوئے۔ اور وہی اوامر آجتک زندہ اور موجود رہنے کا فخر رکھتے ہیں۔ اور اسی وعدہ الٰہی کی حفاظت میں آئے ہوئے اوامر ہی نسلاً بعد نسلٍ مسلمانوں کو پہنچے ہیں لیکن ایسے اوامر جن کے الفاظ (بقول معتقدان نسخ) قرآن شریف میں باقی نہیں رہے وہ چونکہ فی الحقیقت جزو قرآن نہیں رہے بلکہ خارج اور منسوخ از قرآن ہو چکے ہیں انکی حفاظت کا وعدہ الٰہی ذمہ وار نہیں ہو سکتا۔ منسوخ التلاوۃ آیات میں جو اوامر اور نواہی تھے انکا کھویا جانا یا مخلوط ہو جانا کسی حال میں امکان سے خارج نہیں ہو سکتا۔ کوئی شخص ایسا نہیں جو اس ضرورت الٰہی کی تشریح کر سکے۔ جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایسا طریق اختیار کیا۔ آجتک کسی نے اس کا فایدہ ظاہر نہیں کیا اور ہم علیٰ وجہ البصیرت اور یقین کامل کے ساتھ کہتے ہیں کہ تا قیامت کوئی متنفس ایسا نہیں ہوگا جو واقعی طور پر اس کا کوئی ایک فایدہ بھی انشراح صدر کے ساتھ خود سمجھ سکے یا کسی دوسرے پر اسکو عیاں کر سکے۔ کیونکہ جب یہاں فایدہ کا وجود ہی نہیں تو اسکا سمجھنا سمجھانا کہاں سے وجود میں آسکتا ہے؟ لیکن بفرض محال اگر درحقیقت اس میں کوئی فایدہ ہوتا تو کم از کم اتنا تو آنحضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ضرور کرتے کہ اس قسم کے تمام اوامر کو ایک جگہ جمع کرنیکا حکم دیکر جمع کرا دیتے۔ کیونکہ اس طرح علیحدہ جمع کرانیسے ایک تو انکی حفاظت بھی کسی حد تک ہو جاتی اور مسلمانوں کو

اس بات کا علم بھی ہو جاتا کہ یہ اوامر اگرچہ قرآن میں شامل نہیں مگر جزو قرآن ضرور ہیں۔ لیکن یہاں تو معاملہ ہی برعکس ہے۔ آنحضرت صلعم نے نہ صرف انکے جمع کرنیکا حکم ہی نہ دیا اور جمع ہی نہ کرایا بلکہ کہیں کسی معتبر حدیث میں اتنا بھی ذکر نہیں آیا کہ کوئی ایک آیت بھی اس قسم کی ہے۔ پس یہ امر ثابت ہے کہ جس طرح ان آیات کا وجود کوئی نہیں جن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ منسوخ الحکم ہیں مگر منسوخ التلاوۃ نہیں۔ اسی طرح اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ کوئی ایسی آیات فی الواقع موجود بھی ہیں جن کی تلاوت منسوخ مگر انکا حکم قایم ہے۔

دوسری قسم کے بعد اب تیسری قسم کی آیات پر غور کرنا باقی رہتا ہے جنکی نسبت کہا جاتا ہے کہ انکی تلاوت اور حکم دونوں منسوخ ہو گئے ہیں۔ یعنی قائلین مسئلہ ناسخ و منسوخ کہتے ہیں کہ ایسی آیات بھی نازل ہوئی تھیں جن کی تلاوت بھی منسوخ ہو گئی۔ اور وہ اوامر یا نواہی جو ان میں تھے وہ بھی منسوخ ہو گئے اور اسوجہ سے انکو قرآن شریف سے دونوں لفظی اور معنوی طور سے خارج کر دیا گیا۔ وہ لوگ اس کی تشریح یوں کرتے ہیں کہ بعض حالات ایسے پیش آتے تھے کہ اس وقت کی ضرورت کا تقاضا بارگاہ ایزدی میں اس بات کی ضرورت پیش کرتا تھا کہ خاص اوامر یا نواہی وحی کے ذریعہ سے نازل کیے جائیں۔ لیکن جب سوسائٹی کی حالت میں ترقی اور تبدیلی واقعہ ہو جاتی تو ان اوامر و نواہی میں بھی تبدیلی اور ترقی کی ضرورت سامنے آجاتی۔ پس اس ضرورت کی وجہ سے پہلے اوامر و نواہی اُٹھائے جاتے اور منسوخ کیے جاتے اور انکی بجائے نئی آیات جن میں نئے اوامر و نواہی ہوتے نازل کیے جاتے۔ ہم اس مصلحت یا ضرورت پر کوئی بحث نہیں کرتے بلکہ اسکا ثبوت مانگتے ہیں اور جبتک ہمیں اسکا ثبوت نہ دیا جاوے ہم اس کے معقول یا غیر معقول ہونیکی بحث میں پڑنیکی حاجت ہی نہیں سمجھتے۔ صرف اتنا کہدینا تو ثبوت نہیں کہلا سکتا کہ اس قسم کی آیات کے نازل ہونے میں کوئی حرج نہیں۔ یا ایسے حالات پیش آسکتے تھے۔ ثبوت اسکا تو اس طرح پہنچ سکتا ہے کہ کوئی صحیح اور معتبر حدیث صاف اور واضح طور پر اسکی تائید میں پیش کیجائے اور اس سے دکھلایا جاوے کہ فی الواقعہ کوئی ایسی آیات پہلے تھیں جنکو آنحضرت صلعم آیات قرآن کریم کہتے تھے۔ پھر بعد میں انکی جگہ اور آیات نازل ہونیکے سبب سے وہ منسوخ ہو گئیں۔ اور قرآن شریف کے نسخوں میں سے خارج کر دیگئیں۔ ضرور ہے کہ یہ ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا جاوے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ معتبر احادیث سے اس بارہ میں کوئی ثبوت نہیں ملتا بلکہ وہ بالکل ساکت ہیں ان میں کہیں اس قسم کے ایک واقعہ کا بھی مذکور نہیں پایا جاتا۔ چاروں طرف سے پھر پھرا کر اس امر کی تائید میں صرف ایک عبارت یعنی بلغوا اعنا قومنا والی حدیث بعض لوگ پیش کرتے تھے جسکو ہم نے اوپر نقل بھی کر دیا ہے اور اسپر بحث بھی کی ہے۔ اور اس بحث میں ثابت کر دکھایا ہے کہ اول تو یہ عبارت قرآن شریف کی جزو کبھی نہیں ہوئی اور کہیں ثابت نہیں کہ آنحضرت صلعم نے جو مورد وحی تھے کبھی اسکو قرآن شریف کی جزو بیان کیا اور دوم یہ کہ اس عبارت میں نہ کوئی امر ہی تھا اور نہ کوئی نہی موجود تھی

بلکہ چند شہیدوں کی حالت بعد شہادت کا کچھ ذکر اس میں درج تھا جنکو کفار نے صرف اس قصور کے بدلے نہایت بے رحمی سے قتل کر ڈالا تھا کہ وہ کیوں اسلام میں داخل ہوئے تھے۔

رہی سب سے آخری حدیث اس کی نسبت وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ گویا یہ حدیث تیسری قسم کی عبارات کے وجود کا ثبوت ہے۔ یعنی ایسی عبارات کے وجود کا ثبوت ہے کہ جو پہلے تو قرآن شریف کی جزو تھیں۔ لیکن بعد میں انکا مفہوم اور الفاظ سب منسوخ ہو کر قرآن شریف سے خارج کر دیگئیں۔ اس نتیجہ کی بنا حضرت عمرؓ کے وہ کلمات ہیں جو حضرت ابن عباس کی روایت سے ہمیں پہنچے ہیں کہ بموجب منشاء آیت ما ننسخ من اٰیۃ او ننسھا نأت بخیر منھا ابی بن کعب کی بعض قرائتیں ترک کر دی گئی تھیں۔ اس موقع پر ہم اس آیت کے معنوں کے متعلق بحث نہیں کرنا چاہتے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس کے بعد ہم ایک مستقل مضمون لکھیں گے جس میں اس آیت کی معنوں پر مکمل اور مفصل بحث کیجائیگی اور بدلایل قویہ یہ امر روشن کیا جائے گا کہ نسخ آیات سے اسجگہ قرآن شریف کا کیا منشاء ہے۔ یہاں صرف سوال یہ ہے کہ ابی کی بعض قرأتوں یا اقوال کے ترک کیے جانے سے حضرت عمرؓ کی مراد کیا تھی اور اپنے دعوے کی تائید میں جو آیت آپنے پیش کی اس دعوےٰ اور دلیل میں تعلق کیا تھا۔ واضح رہے کہ اصل متن حدیث میں لفظ قول آیا ہے اور ہم نے قول کا ترجمہ قرأت کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہی حدیث بخاری میں دوسری جگہ منقول ہے اور دوسری کُتب میں بھی آئی ہے۔ وہاں کہیں تو بجائے قول کے لفظ قرأت آیا ہے اور کہیں لحن آیا ہے۔ اور یہ دونوں لفظ قریباً ایک ہی مراد رکھتے ہیں۔ لفظ قرأت اس حدیث میں آیا ہے جو ابن خلاد سے مروی ہے اور لحن اس حدیث میں ہے جو صدقہ سے روایت کی گئی ہے۔ لیکن صدقہ کی حدیث کی بخاری نے توثیق کی ہے۔ چنانچہ یہ حدیث باب القراء من الصحابۃ میں درج ہے۔ ہم اسجگہ اصل حدیث بخاری کو نقل کر دیتے ہیں اور وہ یہ ہے عن ابن عباس قال عمر ابی اقرأونا وانا لندع من لحن ابی وابی یقول اخذتہ من فی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا اترکہ لشیٔ قال اللہ تعالیٰ ما ننسخ من اٰیۃ او ننسھا نأت بخیر منھا او مثلھا۔ اس حدیث کا ترجمہ یہ ہے۔ "ابن عباس نے روایت کیا کہ عمر نے کہا۔ ابی ہم سب میں بہترین قاری ہے اور ہم ابی کی بعض لحنوں یعنی طرز ادائے الفاظ کو ترک کرتے ہیں۔ اور ابی کہتا ہے کہ مینے انکو رسول خدا صلعم کے مُنہ سے سُنا تھا۔ پس مَیں اس میں سے کچھ بھی ترک نہیں کرونگا۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ہم کوئی آیت منسوخ نہیں کرتے نہ ہی کسی آیت کو فراموش کراتے ہیں جبتک کہ اس کی جگہ اس کی مثل یا اس سے بہتر آیت نہیں لے آتے"۔

ان تینوں روایات کی متفقہ شہادت سے یہ بات قطعی طور پر فیصلہ پا جاتی ہے کہ حضرت عمرؓ کی مراد الفاظ قول یا لحن یا قرأت سے قرأت ہی تھی۔ ہمارے ناظرین اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہوں گے کہ عربی میں

اختلاف قوم و ملک اور رسم بول چال کے لحاظ سے زبان میں کچھ اختلاف واقع ہوا تھا۔ اس قسم کے اختلاف کو قرأت کہتے ہیں اور قرآن شریف میں بھی مختلف اصول کے لحاظ سے کسیقدر مختلف قرأتوں کی اجازت دیگئی تھی اسپر مفصل بحث پہلے عنوان سبعۃ احرف کے نیچے ہم کر چکے ہیں اسجگہ یہ ذکر کیا گیا تھا کہ ابن مسعود اور ابیّ کی طرف بعض قرأتوں کا اختلاف منسوب کیا جاتا ہے اور یہ بات بعض احادیث سے ثابت ہوتی ہے۔ پس یہی وہ قرأتیں تھیں جن کی طرف حضرت عمرؓ کا اشارہ تھا۔ ہم نے اس امر کے متعلق بھی احادیث نقل کی تھیں کہ حضرت عمرؓ نے محاورہ قریش کے سوا دیگر محاوروں کی قرأتوں کو ترک کرنیکا حکم دیدیا تھا۔ یہ حدیث بھی نتیجہ زیر بحث کی مؤید ہیں۔ ابیّ بہتورن قاری تھے۔ لیکن انہوں نے ان قرأتوں کے ترک کرنے سے انکار کیا جو آنحضرت صلعم کے دہن مبارک سے سنی تھیں۔ حالانکہ تمام دوسرے صحابی متفق اللفظ ہو کر کہتے تھے کہ ایسی قرأتوں کی ضرورت اب نہیں رہی۔ پس یہ حدیث بھی اسی مضمون پر متضمن ہے کہ ان قرأتوں کو ترک کر دیا جائے۔ اور ہم نے اوپر ثابت کر دیا ہے کہ قرأت سے مراد بعض الفاظ کے تلفظ کے طریق میں بعض جزوی اختلافات ہیں یا بعض چھوٹے چھوٹے اختلافات محاورہ سے مراد ہے۔ اس لیے اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کوئی عبارت قرآن شریف میں سے منسوخ ہو کر خارج کی گئی تھی بلکہ یہ اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ حضرت ابیّ بعض قرأتوں پر باصرار قایم تھے۔ اور دوسرے صحابہؓ کے نزدیک ان قرأتوں کو خارج از رواج کرنا ضروری تھا۔

اس جگہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیت ما ننسخ من اٰیۃ الخ جو حضرت عمرؓ نے اس موقع پر پڑھی تھی اس کا اختلاف قرأت کے روکنے سے کیا تعلق تھا۔ اس آیت میں نسخ کا ذکر ہے عام اس سے کہ یہ نسخ الفاظ کا یا آیات منزلہ کا یا احکام الٰہی کا جو مسلمانوں یا پہلی امتوں کو دیئے گئے سمجھا جائے۔ لیکن اس بات پر بحث کرنا احاطہ مضمون ہذا سے خارج ہے اس لیے ہم یہاں اس آیت کے اس پہلو پر بحث نہیں کریں گے۔ البتہ اتنا واضح کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے کہ آیات قرآنی خواہ وہ کسی خاص مطلب اور محل کے لیے نازل ہوئی ہوں مگر یہ جائز ہے کہ ان سے مسائل مستنبط کیے جائیں۔ کیونکہ جہاں کہیں کسی مسئلہ کے متعلق کوئی صریح آیت نہیں ہوتی وہاں قرائن بعیدہ سے کسی ایسی آیت قرآنی سے مسئلہ مستنبط کیا جانا جائز ہے جو اسکو قریب مطلب رکھتی ہو۔ اور یہی صورت اس قسم کے استنباط کی کافی سمجھی جاتی ہے۔ اب اسجگہ اگرچہ آیت مسئلہ زیر تحریر کے متعلق کوئی صریح حکم نہیں رکھتی لیکن اس امر کے متعلق کہ بعض قرأتیں جنکی ضرورت نہ رہی تھی انکو چھوڑ دینا ہی جائز تھا استنباط سے کام لینا ضروری ہو گیا۔ ہم نے ابھی ذکر کیا ہے کہ آنحضرت صلعم کے آخری ایام میں جب عرب کے قبیلوں کے قبیلے اسلام میں داخل ہونے لگے تو اسوقت بتقاضائے ضرورت

وقت آپنے مختلف قبائل کو جو زبان محاورہ میں کچھ اختلاف رکھتے تھے انکے اس اختلاف کی وجہ سے مختلف قرأتوں سے قرآن شریف کے پڑھنے کی اجازت دی۔ اس کی ضرورت پڑھنے والوں کی طبعی ناقابلیت سے پیدا ہوئی تھی جسکو ہم نے ایک پہلے مضمون میں واضح طور پر بیان کر دیا ہے۔ ان نومسلم لوگوں میں بعض قبایل ایسے تھے کہ وہ قریش کے محاورہ کے مطابق تلفظ ادا کرنیکی قوت سے بالکل محروم تھے۔ اکثر ان میں ایسے پیران فرتوت تھے جن کو لکھنا پڑھنا نہ آتا تھا۔ تو ایسی حالت میں جب وہ لوگ مسلمان ہوتے تو انکے لیے یہ ناممکن بات تھی کہ ایسی قوت سے قرآن شریف کو اصل قرأت نزولی کے مطابق صحیح طور پر پڑھ سکتے۔ اس لیے چونکہ دقت زیادہ تھی اور ایسے اختلاف قرأت سے دین میں کوئی حرج واقعہ ہونیکا اندیشہ نہ تھا۔ پس آنحضرت صلعم نے وحی الٰہی سے ان نومسلموں کو اس ابتدائی حالت اسلام میں بعض الفاظ انکے اپنے رسم محاورہ کے موافق پڑھنے کی اجازت دی۔ گویا فی الحقیقت یہ اجازت بعض حالات کے موجود ہونیکی شرط سے مشروط تھی۔ اور ظاہر ہے کہ حالات کے بدلنے سے اجازت کا بھی جاتے رہنا ضروری تھا۔ پس جب حضرت عمرؓ کا زمانہ آیا تو اسوقت اسلام بہت ترقی کر گیا تھا۔ عرب تو آنحضرت صلعم کی حیات میں مسلمان ہو چکا تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لاکھوں لوگ غیر از عرب مسلمان ہوگئے۔ اور اسلام ایک جمعیت اور استقامت پکڑ گیا۔ اور وہ قومیں جن کو انکی ابتدائی حالت اسلام کی وجہ سے یہ رعایت قرأت میں دیگئی تھی اب اسلام میں بہت ترقی کر گئیں۔ اور محاورہ قریش میں خوب ماہر ہوگئیں تو اسوقت اس رعایت اور اجازت اختلاف قرأت کی ضرورت معدوم ہوگئی۔ اس لیے عام طور پر وہ قرأتیں متروک اور منسوخ ہوگئیں۔ لیکن ابیؓ اور ابن مسعود بعض قرأتوں کے جاری رکھنے پر اصرار کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ کو انکا اجراء منظور نہ تھا اس لیے انہوں نے انکو منع کیا اور یہ آیت پیش کی اور اس سے یہ مسئلہ مستنبط کیا۔ اور حق یہ ہے کہ صحابہؓ مسائل کا اکثر استنباط قرآن ہی سے کیا کرتے تھے۔ یہ ظاہر ہے کہ جس آیت کو حضرت عمرؓ نے اس موقع پر پیش کیا وہ آیت نسخ آیات کے متعلق ہے۔ اور جب کوئی قانون مختص الزمان یا مختص الحالات نافذ کیا جاتا ہے اور وہ ضروریات مقامی اور حالات جو اس قانون کے نفاذ کا موجب ہوئے تھے معدوم ہو جاتے ہیں تو وہ قانون بھی منسوخ سمجھا جاتا ہے۔ یہی وہ عام مفہوم ہے جس میں لفظ نسخ کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ اسی لیے حضرت عمرؓ نے ایسے موقعہ پر اس آیت کو پڑھا جس سے انکا مطلب یہ تھا کہ جس حال میں اس آیت قرآنی کی رو سے کوئی امر بھی منسوخ ہو سکتا ہے تو یہ اختلاف قرأت بھی جو ان حالات اور ضروریات مقامی کے نہ رہنے سے منسوخ ہوگیا ہے خارج از عمل کر دیا جائے۔ یہی وہ استنباط تھا جو حضرت عمرؓ نے اس آیت سے سمجھا اور اپنے دعوے کی تائید میں پیش کیا۔ پس اس آیت کا اس حدیث کے ساتھ جو رشتہ ہے وہ ظاہر اور ثابت ہے۔

اب ایک سوال اس حدیث کے متعلق باقی ہے کہ الفاظ علی اقضانا جو اس حدیث میں ابیؓ اقرؤنا کے ساتھ کہے گئے ہیں۔

اس سے کیا منشا ہے۔ اگر سوچا جائے تو یہ جملہ بھی ہمارے ہی مطلب کی تائید کرتا ہے۔ اگرچہ اگر ہم کوئی تعلق نہ بھی دکھا سکتے تو اس سے معنوں کی صحت میں کوئی فرق نہ آسکتا تھا۔ کیونکہ دوسری جگہ جہاں یہی حدیث بخاری نے لکھی ہے وہاں یہ جملہ علی اقضانا موجود نہیں جیساکہ منقولہ بالا حوالہ سے ظاہر ہے۔ علاوہ ازیں حدیثوں کے سلسلہ میں ہمکو ایسا بھی نظر آرہا ہے کہ کسی حدیث میں ایک واقعہ بیان ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ایک اور واقعہ بیان ہوتا ہے۔ حالانکہ ان دونوں واقعات میں کوئی بعید ترین تعلق ہوتا ہے جو انکے اکٹھا ذکر کرنیکا موجب ہوتا ہے۔ مثلاً اسی معاملہ میں ظاہر ہو رہا ہے کہ اگر کوئی اور تعلق ثابت نہ بھی ہو تو بھی اسقدر تعلق توضرور عیاں ہے کہ دو صحابیوں کے اعلیٰ فضائل بیان کیے گئے ہیں۔ لیکن بات صرف یہیں تک ہی محدود نہیں اس سے بڑھکر اور گہرا تعلق انکے درمیان موجود ہے۔ اس حدیث میں آیا ہے کہ ابیؓ بہترین قاری قرآن شریف کے تھے۔ مگر باوجود اس کے ان کا بہترین قاری ہونا مسلم تھا مگر اس سے ان کو یہ حق حاصل نہیں ہو گیا تھا کہ وہ قرآن شریف میں اتنا دخل دیتے کہ جو قرأت چاہتے اسی کو قرآن میں شامل رکھتے۔ یہ منصب قاری کا نہ تھا بلکہ ایسے شخص کا تھا جسکو قرآن شریف سے مسائل کے استنباط کرنیکی اعلیٰ درجہ کی قوت عطا کی گئی ہو اور جو اعلیٰ درجہ کی قوت فیصلہ سے مرصع ہو۔ چنانچہ اس منصب کے لیے حضرت علیؓ مسلم تھے اور یہی وجہ تھی کہ اس موقع پر قرآن شریف کا ذکر کرنے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نام نامی کا اس حیثیت میں ذکر کیا گیا۔ غرض یہ ایک قضیہ حضرت عمرؓ کے سامنے تھا کہ ابی بعض قرأتوں کے اجرا پر اصرار کرتا تھا اور دوسرے صحابیؓ جن میں حضرت علیؓ بھی تھے اسکی مخالفت کرتے تھے۔ اسپر حضرت عمرؓ نے یہ فیصلہ کیا کہ اس میں شک نہیں کہ ابی ایک جلیل القدر قاری ہیں لیکن وہ اس امر میں حَکَم نہیں ہو سکتے۔ انکی فضیلت کی حد قرأت تک ہی ختم ہے۔ یہ منصب ایسے شخص کا ہے جس میں قوت فیصلہ اور قوت استنباط مسائل از قرآن شریف اعلیٰ درجہ کی ہو اور چونکہ حضرت علیؓ اسبات کا شرف رکھنے میں مسلم ہیں اس لیے خلیفۃ المؤمنین نے جو ان مجالس کے صدر اور امیر تھے اس بات کے ساتھ اتفاق کر کے وہی فیصلہ کیا جسپر حضرت علیؓ پہنچے تھے اور وہی دوسرے صحابہؓ کی بھی رائے تھی۔ اور ان کلمات کے بیان سے یہ ظاہر فرمایا کہ جو کچھ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں وہی مختار ہونا چاہیے۔ اور یہ امر واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانوں میں عام صحابہؓ کا متفق طور پر باستثنائے ابی و ابن مسعود اسی پر اتفاق تھا۔ بلکہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں آکر ابی بھی اسی پر متفق ہو گئے۔ پھر اگر کسیقدر اختلاف کی آواز سنائی دیتی تھی تو وہ ابن مسعود کی آواز تھی۔

اسی کی تائید میں ایک اور بات بھی قابل توجہ ہے۔ یہ ثابت شدہ بات ہے کہ کسی حدیث میں ایک جملہ بھی ایسا موجود نہیں جو کسی امر الٰہی پر متضمن ہو اور جس کی نسبت یہ امر صریح طور پر ظاہر کیا گیا ہو کہ وہ کسیوقت

جزو قرآن شریف تھا اور پھر حکم کے بدل جانیکی وجہ سے وہ بعد میں منسوخ ہوگیا۔ جبکہ یہ حال ہے کہ کوئی ایک آیت بھی اس طرح سے منسوخ شدہ کہیں پائی نہیں جاتی تو یہ ایک قطعی اور مضبوط ثبوت اس بات کا ہمارے ہاتھ میں ہے کہ حسب اقتضائے وقت و حالات اختلاف قرأت کی اجازت دی گئی تھی۔ لیکن اس زمانہ کے بعد حالات کے بدل جانے پر وہ اجازت واپس لے لیگئی۔ پس جو معانی اور مفہوم ہم نے اختیار کیے ہیں انکی تائید میں یہ ایسے واقعات ہیں کہ جن سے انکار ممکن نہیں۔ یہ واقعات فریق مقابل کے خیالات اور قیاسات کو بے بنیاد ثابت کرتے ہیں بفرض محال اگر حضرت عمرؓ کی منشا اس سے یہ بھی ہوتی کہ قرآن شریف کی بعض آیات منسوخ ہوگئی ہیں جن کو ترک کر دیا گیا ہو (گو لفظ لحن اور قرأت جو معتبر احادیث میں آئے ہیں اسکی کُھلی کُھلی تردید کرتے ہیں) تو یہ کیونکر ممکن تھا کہ ان آیتوں کا پتہ و نشان قطعی طور پر صفحۂ دنیا سے محو ہو جاتا؟ اگر ہم یہ بھی خیال کرلیں کہ حضرت عمرؓ کی مراد یہ تھی کہ آیات قرآنی کا منسوخ ہونا ممکن ہے تو بھی ایک ذرہ بھر کے برابر اس قسم کی شہادت موجود نہیں کہ واقع میں کوئی آیت منسوخ بھی ہوئی تھی۔ اور یہی وہ بات ہے جس کا ثابت کرنا ہمارا مقصد تھا۔ ہمیں اس بحث میں پڑنیکی کوئی ضرورت نہیں کہ کسی آیت قرآنی کا منسوخ ہونا ممکن تھا یا نہیں۔ ہمارا نفس مضمون امکان اور عدم امکان نسخ سے بہت پرے ہے۔ ہم نے تو صرف یہ دیکھنا ہے کہ آیا فی الحقیقت کوئی آیت قرآنی منسوخ ہوئی؟ اور یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہو چکی ہے کہ کوئی آیت بلکہ کوئی لفظ قرآن شریف کا ایسا نہیں جو منسوخ سمجھا جاسکے۔ اور یہی ثابت کرنا تھا۔ (باقی آیندہ)

ہندوستان میں عیسائی مذہب کے پھیلانیکی نئی تجاویز

دو مشہور پادری صاحبان نے اس وقت دو نئی تجویزیں عیسائی مذہب کے ہندوستان میں کامیاب بنانے کے لیے کی ہیں۔ ان میں سے ایک تجویز تو بشپ مدراس کی ہے جسکا ماحصل یہ ہے کہ ہندوستان میں پادریوں کو تمام کوشش نیچ ذاتوں پر جیسے چوہڑے چمار پاریہ وغیرہ ایسی قوموں پر کرنی چاہیئے کیونکہ عیسائی مذہب کو زیادہ تر قبول کرنیوالے لوگ انہی میں سے نکلتے ہیں اور انکے مقابل اونچی ذاتوں میں عیسائی مذہب کو کوئی کامیابی نہ حاصل ہوئی ہے اور نہ آیندہ حاصل ہونیکی امید ہے۔ دوسری تجویز مسٹر سیلٹر کی ہے جو مسلمانوں میں مشن قایم کرنے پر زور دیتے ہیں وہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اسلام نے جو تعلیم خدائے تعالیٰ کے متعلق پیش کی ہے وہ سچی تعلیم ہے اور اسلام زندہ اور سچے خدا کو پیش کرتا ہے اور وہ اس بات کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ فطرت انسانی کے مطابق جو مذہب کے اصول ہو سکتے ہیں اسلام ان پر ایک سادہ ایمان لانیکے لیے بلاتا ہے مگر انکے نزدیک اسلام میں بعض ایسی باتیں موجود نہیں جن کا ہونا مذہب کی زندگی

کے لیے ضروری ہے۔ اور مثال کے طور پر وہ مسیح کے آنیکی امیدوں کو پیش کرتے ہیں۔ مگر سب سے زیادہ ضروری بات جو مسٹر سلیٹر نے پیش کی ہے وہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ عیسائیوں کو مسلمانوں کے ساتھ بحث مباحثہ کے رنگ میں جس کا نتیجہ سخت کلامی ہوتی ہے پیش نہیں آنا چاہیئے بلکہ اسلام کے ساتھ جو انکے تعلقات ہیں ان میں ایک ہمدردی کا رنگ اختیار کرنا چاہیئے۔

اس دوسری تجویز سے پادری صاحب کی کوئی غرض ہو ہمیں اس کے پڑھنے سے ایک خوشی بھی ہے عیسائیوں نے جو مباحثات کے رنگ میں اسلام کے خلاف ایک بڑا بھاری انبار لٹریچر کا تیار کیا ہے وہ عموماً پرلے درجہ کا گندہ لٹریچر ہے اور نہایت سخت حملے کیے گئے ہیں۔ پس اگر مسٹر سلیٹر کی تجویز سے اور کچھ نہیں تو اسیقدر فائدہ ہو جائے کہ پادری صاحبان اسلام اور اس کے مقدس بانی اور رہبروں پر حملے کرنیکا گندہ طریق بدل دیں تو یہ انکی ایک بڑی بھاری خدمت عیسائی مذہب کے لیے ہوگی اور جو حقارت اور نفرت پادریصاحبان کی اس گندہ دہانی اور درشت کلامی سے مسلمانوں کے دلوں میں پیدا ہو چکی ہے اس کے رفع کرنے میں بھی یہ طریق مفید اور موثر ہوگا اور اس طرح پر مسلمانوں سے نہیں بلکہ یہ انکی اپنی قوم سے ہمدردی ہوگی۔ مسٹر سلیٹر کہتے ہیں کہ پادریوں نے ابتک مسلمانوں میں تبلیغ کی طرف توجہ نہیں کی یا زیادہ کوشش نہیں کی۔ یہ بات تو بالکل غلط ہے۔ پادری صاحبان نے جہاں تک ان کا زور تھا لگایا مگر وہ خوب جانتے ہیں کہ اسلام پر انکے داؤ چل نہیں سکتے۔ ہاں ہندوستان میں پادری صاحبان نے اسلام کے متعلق جو پہلو اختیار کیا ہے وہ ایک نہایت غلط طریق ہے اور اسکی اصلاح کی بیشک بڑی بھاری ضرورت ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ مسلمانوں کے سامنے عیسائی مذہب کی کوئی خوبیاں بیان کرتے انہوں نے یہ طریق اختیار کر رکھا ہے کہ پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اور مسلمانوں کے مقدس بزرگوں پر ایسی بیجا تہمتیں اور گندے الزام لگاتے ہیں اور انکا ذکر ایسے پر حقارت اور فحش طریق میں کرتے ہیں جو مسلمانوں کے دلوں کو سخت دکھ پہنچانیوالا ہے۔ انکی یہ رنجدہ تحریریں معمولی درشت کلامی کی حد سے جو بحث مباحثہ میں بعض اوقات ہو جاتی ہے بہت آگے گذری ہوئی ہیں حتیٰ کہ خود بعض عیسائیوں نے اس قسم کی تحریروں پر ان لوگوں کو ملامت بھی کی چنانچہ آج سے بہت سال پیشتر شمس الاخبار لکھنؤ نے جو باہتمام پادری کریون صاحب نکلتا تھا ۱۵۔ اکتوبر ۱۸۷۵ء کے پرچہ میں پادری عماد الدین کی تصنیفات کا اور انسے جو دکھ مسلمانوں کو پہنچا تھا اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا تھا کہ "اگر ۱۸۵۷ء کی مانند پھر غدر ہوا تو اس شخص کی بدزبانیوں اور بیہودہ گوئیوں سے ہوگا" انکا یہ کہنا صرف پادری عماد الدین کی دریدہ دہنی کی وجہ سے تھا جس نے مسلمانوں کا دل دکھانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ورنہ مسلمان خوب جانتے ہیں کہ پادری صاحبان اور گورنمنٹ ایک چیز نہیں۔ گورنمنٹ کے تو احسانات مسلمانوں پر اسقدر ہیں کہ جنکا وہ کسی طرح شکریہ ادا نہیں کر سکتے اور پادریصاحبان نے انکو اسقدر دکھ پہنچایا ہے کہ جسکا رنج انکے دلوں سے کبھی دور نہیں ہو سکتا

پادریصاحبان میں سے خصوصاً ان لوگوں کی تحریروں میں نہایت ہی بیباکی سے کام لیا گیا ہے جو دیسی عیسائی کہلاتے ہیں کوئی گندہ سے گندہ لفظ ایسا نہیں جو ان بیباکوں نے سرور انبیاء فخر بنی آدم کے لیے استعمال نہ کیا ہو انکی بعض تحریریں شروع سے لیکر اخیر تک ایسی گندی ہیں کہ کوئی مسلمان نہیں جو انکی ایک سطر پڑھے اور کانپ نہ اُٹھے۔ یہ حال ابتدائی تحریروں کا ہی نہیں بلکہ ابتک بعض پادریصاحبان کی تحریروں میں یہی رنگ چلا جاتا ہے۔ ابھی تھوڑے دنوں کا ذکر ہے کہ ایک پادریصاحب نے کتاب امہات المومنین لکھکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہرات پر نہایت ناپاک اور گندے حملے کیے۔ چنانچہ اس صوبہ کی ایک انجمن یعنی انجمن حمایت اسلام لاہور نے گورنمنٹ پنجاب کی خدمت میں ایک عرضداشت بھی اس کے متعلق بھیجی تھی اور اسمیں گورنمنٹ کو توجہ دلائی تھی۔ کہ یہ کتاب سخت دل آزار طریق میں لکھی گئی ہے۔ اگرچہ جہانتک ہم دیکھتے ہیں اب وہ اس وحشیانہ اور گندے طریق کو کسی قدر چھوڑ رہے ہیں۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ اگر کوئی پادری صاحب عیسائیت کے لیے اپنے دل میں سچی ہمدردی رکھتے ہیں تو ان کا سب سے پہلا فرض یہ ہونا چاہیئے کہ وہ اپنے ہم مذہبوں کو اس دل آزار اور گندہ طریق سے روکیں۔ ایسے ناپاک حملے اگر وہ لوگ اسلام اور اسکے مقدس بانی پر کرسکتے ہیں تو انسے بچا ہوا کون ہے بلکہ جیسے سخت حملے یہودیوں اور اب دہریوں نے حضرت مسیح علیہ السلام پر اور عیسائی مذہب پر کیے ہیں اور جسطرح پر اول الذکر نے نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کو ہی ناجائز ثابت کرنا چاہا ہے اس سے ان لوگوں کو سبق لینا چاہیئے تھا کہ کسی مذہب کی صداقت پر بحث کرنیکا یہ طریق نہیں ہے۔ مگر افسوس ہے کہ باوجود ان سب باتوں کے ابتک جو پرچے یا رسالے پادری صاحبان کے اہتمام سے نکلتے ہیں انہوں نے اس گندہ طریق کو چھوڑا نہیں۔ اور بجائے اس کے کہ انکی تحریروں سے ملک پر ایک نیک اثر پڑے اردو لٹریچر پر ایک زہریلا اثر انکا ہو رہا ہے اور انہی کی دیکھا دیکھی آریہ سماج نے بھی یہی طریق اختیار کر لیا ہے بعض ایسے رسالے جو بڑی تہذیب اور نرمی کے دعووں کے ساتھ نکلنے شروع ہوئے تھے وہ بھی خود آخر اسی طریق میں جا پڑے۔ ایک مثال اس کی بائبل سوسائٹی لاہور کا مذہبی رسالہ تجلی ہے۔ اس کے ایڈیٹر صاحب ایک مدت تک یہ وعظ کرتے رہے کہ مذہبی مباحثات میں بڑی نرمی اختیار کرنی چاہیئے اور ملائمت سے ایک دوسرے کو اسکے مذہب کے نقص یا اپنے مذہب کی خوبیاں بتانی چاہیئیں مگر جب خود اس میدان مباحثہ میں نکلے تو انہوں نے اور انکے نامہ نگاروں نے ایک ایسا گندہ طریق اختیار کیا کہ رحمت خدا بر نباش اول کی مثل یاد آتی ہے۔ استہزا تحقیر دل آزاری دریدہ دہنی میں وہ پہلوں پر سبقت لے گئے۔ خدا اس قوم کو ہدایت دے کہ ایک عورت کے بیٹے کو خدا بنانیکے لیے خدا کے قدوسوں اور راستبازوں کو کسقدر گالیاں دیتے ہیں۔ اگر انکا جی گالیاں دے کر ہی خوش ہوتا ہے تو وہ دیتے رہیں ہمارا اس سے کچھ نہیں بگڑتا مگر وہ یاد رکھیں کہ ایک خدا بھی سر پر موجود ہے

جو بیباکوں اور شریروں سے ضرور مواخذہ کریگا۔ اسی رسالہ تجلی نے جس کا مینے ذکر کیا ہے منجملہ دیگر دل آزار طریقوں کے ایک یہ طریق بھی اختیار کر رکھا ہے کہ بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام سوائے کذاب کے نہیں لیتا اور اسی نام سے اپنی تحریروں میں بار بار خدا کے اس برگزیدہ کا ذکر کرتا ہے۔ ہم نے اسکو ایک رسالہ میں یہ توجہ دلائی تھی کہ اس سے حاصل تو تم کو کچھ نہیں ہوگا۔ اور نہ ان طریقوں سے تم خدا کے کاموں کو روک سکتے یا خدا کے سلسلہ کو نقصان پہنچا سکتے ہو ہاں اس طرح تم ایک تین چار لاکھ انسانوں کی معزز جماعت کا دل دکھاتے ہو جس کا جواب ہم کو یہ دیا گیا ہے کہ ہم چونکہ بانی سلسلہ احمدیہ کو کذاب ہی سمجھتے ہیں اس لیے انکا ذکر اس نام سے کریں گے۔ اگر پادری صاحبان کے نزدیک یہ دلیل ہے تو انکو اختیار ہے جس طرح چاہیں ذکر کریں یا اس سے بھی گندہ الفاظ استعمال کریں مگر اتنا سوچ لیں کہ اگر ایک یہودی جو حضرت مریم صدیقہ پر (نعوذ باللہ من ذلک) زنا کا بہتان لگاتا اور حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت کو ناجائز ٹھہراتا اور اس بات کا یقین رکھتا ہے اور پھر حضرت مسیح کو نبوت کے دعویٰ میں بھی جھوٹا سمجھتا ہے۔ ایسا یہودی اگر بجائے حضرت عیسیٰ یا انکی والدہ کا نام لینے کے اسی قسم کے الفاظ سے انکا ذکر کرے اور اپنے اعتقاد کو ہی دلیل پیش کرے تو اس سے انکے دلوں کو کسقدر رنج پہنچے گا یہی رنج وہ اسوقت بلا وجہ سلسلہ کے تین چار لاکھ انسانوں کو پہنچا رہے ہیں۔ اور ہم جو کبھی یہودیوں کے ان الزامات کا ذکر کرتے ہیں جو وہ حضرت مسیح پر لگاتے ہیں تو نہ اس لیے کہ ہم ان باتوں سے خوش ہوتے ہیں ہرگز نہیں ہمارے نزدیک یہ کفر ہے اور ہم ان انبیاء کے بُرا کہنے والوں پر اسی طرح لعنت بھیجتے ہیں جیسا آج ان دوسروں پر جو خدا کے قدوسوں اور راستبازوں کو گالیاں دیتے اور انکو کذاب کذاب کرکے پکارتے ہیں۔ ہماری غرض تو صرف ان لوگوں کو توجہ دلانا ہے کہ تمہیں گالیاں دیکر خوش نہ ہونا چاہیئے کہ ہم نے جیت لیا اسی طرح تمہارے بڑوں نے اپنے اپنے وقت میں انبیاء کو طرح طرح کے دُکھ دیئے ہم تو صرف اسلیے ان باتوں کو پیش کرتے ہیں کہ تا اگر کسی کے دل میں حق کی طلب کا کچھ نشان ہے تو وہ ان باتوں سے سبق لے اور اس گندہ طریق سے توبہ کرے اور اپنے بیباک بھائیوں کو سمجھا دے کیونکہ وہ شخص جسکو آج اس کے اصل مرتبہ نبوت سے بڑھا کر خدا بنایا جاتا ہے اسپر بھی اپنے وقت میں اسی طرح ہنسی اور ٹھٹھا کیا گیا اور گالیاں دی گئیں اور تم تو آج ایک برگزیدہ کو کذاب لکھکر خوش ہوتے ہو اسے خدا جانے کیا کیا دل آزار کلمے کہے گئے ہونگے جو خدا کو اپنے کلام میں اس کا ذکر ان الفاظ میں کرنا پڑا۔ وقولھم علیٰ مریم بھتاناً عظیما۔ یاد رکھو کہ انہی لوگوں کے نقش قدم پر تم چلتے ہو اور جس طرح آج تم انپر لعنت بھیجتے ہو پیچھے آنیوالی نسلیں تم پر لعنت بھیجیں گی۔ کہ تم نے خدا کے برگزیدہ کا ایک نہایت ہی گندہ اور نہایت گرے ہوئے طریق سے مقابلہ کیا۔ ہم خدا کے کسی برگزیدہ کو بھی بُرا نہیں کہتے کیونکہ ہماری کتاب تو ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ خدا نے ہر اُمت میں رسول بھیجے جنہوں نے اپنے اپنے وقت میں اپنے

اپنے ملکوں میں اصلاح کی مگر پیچھے آنیوالی نسلوں نے انکے دین کو بگاڑ دیا جسطرح عیسائیوں نے مسیح کے دین کو بگاڑ دیا۔ اور اس لیے خدا نے اپنے وعدوں کے موافق ایک مصلح اس آخری زمانہ میں تمام قوموں کے لیے بھیجا۔

پھر اصل مضمون کی طرف توجہ کر کے ہم کہتے ہیں کہ پادری صاحبان کی تحریروں کو دل آزاری کے طریق سے ہٹانا کوئی آسان کام نہیں لیکن چونکہ مسٹر سیلیٹر کی تجویز اصلاح مباحثات کے متعلق سی کے قریب قریب معلوم ہوتی ہے اس لیے اگر وہ پوری کوشش اس میں کریں تو جو فایدہ وہ اس سے اٹھانا چاہتے ہیں اس سے قطع نظر کر کے ہم اسقدر ضرور کہیں گے کہ یہ عیسائی مذہب پر انکا تھوڑا احسان نہوگا کہ ایک ایسی بڑی غلطی کو اس کے واعظین میں سے دور کر دیں جس غلطی کی وجہ سے بہت سے انسانوں کا دل دکھ رہا ہے۔ اس میں بھی شک نہیں کہ جسقدر نفرت اب عام عیسائی واعظین کیطرف سے دلوں میں ہے وہ جاتی رہے گی۔ البتہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ عیسائی واعظین کو چاہیئے کہ عیسائیت کو اس رنگ میں مسلمانوں کے سامنے پیش کریں کہ یہ گویا اسلام کا تکملہ اور تتمہ ہے جو اس کی صداقتوں کو سچا کر کے دکھاتا ہے یہ ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔ عیسائی مذہب اسلام کا تکملہ ورتتمہ کن معنوں کی رو سے ہوسکتا ہے؟ اور اسلام کی توحید اور اسلام کی تعلیم میں وہ کونسا نقص اور کونسی کمی ہے جسکو عیسائیت نے پورا کیا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ عیسائی مذہب کے اصول سچے مذہبی اصول کی بگڑی ہوئی صورت کو پیش کرتے ہیں اور اسطرح پر کہہ سکتے ہیں کہ عیسائی مذہب اسلام کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ اگر عیسائی مذہب اصل مذہبی صداقتوں کو اسطرح بگاڑ کر پیش نہ کرتا جسطرح وہ اسکی موجودہ تعلیم میں پیش کی گئی ہیں تو علم اور سائینس کی رو کے آگے یہ اسطرح بہ نہ جاتا۔ اور اگر مذہب تعلیم یافتہ دنیا کے سامنے عیسائی مذہب کی صورت میں پیش نہ ہوتا تو کبھی آج مذہب سے وہ نفرت نہ ہوتی جو مغرب میں ہو رہی ہے۔ صرف عیسائی مذہب کے خراب اصول ہی مذہب کو بدنام اور ذلیل کرنیکا باعث ہوئے ہیں۔ جن باتوں کو اسلام کی تکمیل کرنے والی بتایا جاتا ہے وہی وہ باتیں ہیں جن کو آج تعلیم یافتہ لوگ کھلے طور پر رد کر رہے ہیں۔ اور جن کو قرآن شریف نے آج سے تیرہ سو سال پہلے رد کیا تھا۔ بہر حال ہمیں اس بات پر کچھ اعتراض نہیں بلکہ خوشی ہے کہ پادری صاحبان اپنے مذہب کی خوبیاں اور کمال بیان کریں کیونکہ ایک تو اس سے عیسائی مذہب کا موازنہ اسلام کے ساتھ ہوسکے گا اور دوئم پادری صاحبان کی توجہ بجائے گالیاں نکالنے کے اس طرف ہو جائیگی۔

اس تجویز کے کرتے ہوئے اسکا مجوز یہ بھی کہتا ہے کہ اسلام میں ایک بڑا بھاری نقص یہ ہے کہ اس میں کسی مسیح کے آنیکی امید نہیں دلائی گئی اس میں تو شک نہیں کہ عیسائی مذہب کی طرح اسلام مسیح کے متعلق خدائی دعووں سے خالی ہے اور یہ اگر پادری صاحبان کے نزدیک نقص ہے تو ہو اسلام عیسائی مذہب کی طرح یہ نہیں سکھاتا کہ عورت کا بیٹا واقعی خدا بن سکتا ہے ہاں اسکی تعلیم یہ ہے کہ ایک انسان باخدا انسان بن سکتا ہے مسیح کے آنیکی پیشگوئی تو اسلام میں موجود ہے معلوم نہیں پادری صاحب کو یہ دھوکہ کیونکر لگا کہ اسلام میں مسیح کے آنے کا

انتظار کوئی نہیں۔ بلکہ اسلام نے تو وہ امیدیں پوری ہوتی بھی دیکھ لیں اور مسیح کو پالیا حالانکہ عیسائی لوگ ایک فضول انتظار میں آسمان کی طرف آنکھیں لگائے بیٹھے ہیں اور ابتک خدا کے مسیح کی شناخت سے محروم ہیں۔ یہی حال اس سے پہلے یہودیوں کا ہوا تھا کہ انکو ایک مسیح کا وعدہ دیا گیا لیکن جب وہ مسیح اپنے وقت پر آیا تو چونکہ اس کے آنیسے انکی ساری امیدیں پوری نہ ہوئیں اس لیے انہوں نے اسکو قبول نہ کیا سو یہی حال اب ہو رہا ہے مسیح آگیا مگر جیسا کہ پہلے سے بتایا گیا تھا اس کا اسی طرح انکار کیا گیا جسطرح پہلے لوگوں نے کیا۔

عام طور پر عیسائیوں کا یہ اعتقاد ہے کہ مسیح کی آمد ثانی کے وقت کل قومیں عیسائی مذہب میں داخل ہوجاوینگی مگر جس تجویز کا ہم ذکر کر رہے ہیں وہ یہ خیال کرتا ہے کہ مغربی تعلیم کے پھیلنے سے مسلمان کثرت سے عیسائی مذہب میں داخل ہوجاوینگے۔ یہ محض اپنے آپ کو یا دوسرے لوگوں کو دھوکہ دینا ہے۔ دنیا خوب دیکھ رہی ہے کہ مغربی تعلیم کے پھیلنے سے خود عیسائی ممالک میں عیسائی مذہب کا کیا حال ہوا ہے اور کسطرح سمجھدار آدمی اسے رد کرتے چلے جاتے ہیں اسپر یہ امید رکھنا کہ ایسی تعلیم کے ہندوستان میں پھیلنے سے لوگ عیسائی بنجائیں گے تجربہ کے سر پر خاک ڈالنا ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ آیا مغربی تعلیم کے پھیلنے سے اسلام پر سے مسلمانوں کا اعتقاد اُٹھ جائیگا یا وہ لامذہب ہوجاویں گے۔ جیسا کہ عیسائی مذہب پر اس تعلیم کا اثر ہوا ہے یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب ہم زور سے نفی میں دیں گے۔ اس میں شک نہیں کہ مغربی تعلیم کے دلدادوں میں عملی کمزوری بہت پائی جاتی ہے مگر جہانتک ہم دیکھتے ہیں اسلام کے بنیادی اصول ویسے ہی محکم ہیں اور نہ صرف یہی کہ مغربی تعلیم کا ان بنیادی اصول پر کوئی بُرا اثر نہیں ہوا بلکہ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ خود مغرب میں جو ایک عالمگیر مذہب کے لیے نئے نئے اصول قرار دیئے جا رہے ہیں وہ اسلامی اصول کے ساتھ ملتے جلتے ہیں اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ جیسے جیسے عیسائی مذہب کا اثر دلوں سے کم ہوتا جاویگا اسلامی اصول دلوں میں جگہ پکڑتے جاویں گے جہانتک واقعات کو دیکھکر ہم کہہ سکتے ہیں وہ وقت آرہا ہے کہ اسلام ساری دنیا میں پھیلے اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ لیظھرہ علی الدین کلہ کا تو تیرہ سو[۱۳۰۰] سال کا ہے۔ رہی یہ بات کہ مغربی تعلیم یافتہ مسلمانوں میں کسیقدر عملی کمزوری یا کسی قدر مذہب کی طرف سے لاپروائی کیوں پائی جاتی ہے اس کی وجہ اصل میں یہ ہے جیسا کہ اس سے پہلے بھی ہم ایک دفعہ لکھ چکے ہیں کہ مسلمانوں کو اپنے مذہب سے خود واقفیت نہیں ہے۔ جہاں مغرب میں مدت تک عام تعلیم کے ساتھ مذہبی تعلیم بھی ملتی رہی اور اسطرح پر عام تعلیم کے پھیلنے سے اور ادھر اپنے مذہب سے واقفیت حاصل کرکے سمجھدار لوگوں نے عیسائی مذہب کے اصول کی غلطی کو دیکھ لیا ہندوستان میں اسکے برعکس ظہور میں آیا یعنی مادی تعلیم پر تو پوری کوشش صرف کی گئی اور مذہبی تعلیم کی طرف سے بالکل لاپروائی کی گئی اس لیے جوں جوں مادی مغربی تعلیم کا چرچا پھیلا مذہب کی تعلیم گم ہوگئی پس جو کچھ لاپروائی مذہب کی طرف سے ایسے لوگوں کے دلوں میں پائی جاتی ہے وہ محض اسوجہ سے ہے کہ

وہ اپنے مذہب کے اصول سے اور انکے فلسفہ سے آگاہ نہیں۔ یہ بالکل سچی بات ہے کہ جسطرح مغرب میں مذہب کی واقفیت کے سبب سے عیسائی مذہب سے بیزاری پیدا ہوئی ہے اس کے برعکس ہندوستان میں اسلامی مذہبی تعلیم سے ناواقفیت کے سبب سے اسلام کی طرف سے بعض دلوں میں ایک لاپروائی اور غفلت سی پیدا ہوگئی ہے جس نے اعمال میں مسلمانوں کو سست کر دیا ہے۔

جو کچھ ہم نے یہاں اسلام کے متعلق کہا ہے کہ دراصل مذہبی ناواقفیت کی وجہ سے مسلمانوں میں عملی رنگ میں سستی پیدا ہوگئی ہے اور کہ مذہب اسلام اپنے اندر ایک ایسی طاقت رکھتا ہے کہ وہ ہر ایک مادی تعلیم یا دہریت کا بڑی آسانی سے مقابلہ کر سکتا ہے اس کو ایک مسلمان کی متعصبانہ رائے نہیں سمجھنا چاہیئے۔ یہ ایک ایسا امر ہے کہ عیسائی صاحبان بھی تعصب کو الگ کر کے اسے مانتے ہیں چنانچہ حال میں ہی اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور کے عیسائی ایڈیٹر نے اس بات کو کھلے الفاظ میں تسلیم کیا ہے اور جہاں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ عیسائی مذہب ایک مادی تعلیم کے مقابلہ میں ناکام ثابت ہوا ہے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ اسلام کے اصول میں ایسی کوئی بات نہیں جو سائینس کے رو سے غلط ٹھہرتی ہو۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے "اس میں کچھ شک نہیں کہ مادی تعلیم کا اثر ہندوستان کے مذاہب پر یہ ہوا ہے کہ عقاید میں کمزوری واقع ہوئی ہے۔ اور ہندوستانی طالب علم جو کالجوں میں سے ہو کر نکلے ہیں وہ اپنے آباؤ اجداد کے عقاید پر قایم نہیں رہے۔ یہ تو غالباً ایک ظاہر بات تھی کہ انگریزی تعلیم کا اثر ایک ہندو پر یہ ہو تا کہ اسکے عقاید متزلزل ہو جاتے لیکن ایک مسلمان پر ایسا اثر ہونا ضروری نہ تھا کیونکہ جس شخص نے سائینس میں اعلیٰ درجہ کی ترقی کی ہے اس کے لیے بھی اسلام کے قبول کرنے میں عقلی مشکلات کا کچھ سامنا نہیں۔ پس مسلمانوں کے عقاید میں کمزوری واقع ہونا اس وجہ سے نہیں ہے کہ علم یعنی سائینس اور طالب علم کے ایمان میں اصولی طور پر کوئی تضاد ہے بلکہ اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ دن رات کالج میں ایک مادی تعلیم میں ڈوبا رہتا ہے۔ اس کی شہادت ہمیں اس امر سے بھی ملتی ہے کہ ایک ہندوستانی کالج میں اکثر مسلمان طلبا ایسی حالت میں ہو کر نہیں گذرتے جیسے کہ انگریز انڈر گریجوایٹ جنپر ایک زمانہ مذہب اور دہریت میں کشمکش کا گذرتا ہے بلکہ مسلمان طالب علم یونہی مذہب سے الگ ہو جاتے ہیں اور مذہب کے متعلق لاپرواہ ہو جاتے ہیں۔ دوسرے معاملات جیسا کہ معاملات ملکی یا تمدنی اصلاح یا قوم کی ترقی ان چیزوں کی انکی آنکھوں میں وقعت بہت زیادہ ہو جاتی ہے اور مذہب کو اسطرح پر پیچھے ڈالدیا جاتا ہے کہ اسکا احساس بھی انہیں کوئی نہیں رہتا۔"

اسی مضمون میں ایک بات اور قابل ذکر ہے۔ اسلام پر بڑا حملہ یہ کیا جاتا ہے کہ اس میں شریعت نے چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی انسانوں پر ایک بوجھ ڈالا ہے یعنی پابندیاں اور قیدیں مقرر کر رکھی ہیں۔ ہمارا معجز تو یہ امید رکھتا ہے کہ ان قیود سے گھبرا کر آخر مسلمان عیسائی مذہب کی طرف رجوع کریں گے اور درحقیقت جب ہم دیکھتے ہیں

توامر واقع بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ نو تعلیم یافتہ مسلمانوں کی مذہب سے لاپروائی یا بیقیدی جو کچھ ہے وہ عملی رنگ میں ہے یا ان امور میں جو عملی طور پر بجالانے پڑتے ہیں۔ تو ایسی صورت میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا پادری صاحبان کی ایسی امیدیں صحیح ہیں کہ جوں جوں مسلمان تعلیم یافتہ ہوجاویں گے وہ اسلامی شریعت کی پابندیوں اور قیود سے گھبرا کر عیسائی مذہب کی طرف مائل ہوجائیں گے؟ اس سوال کا جواب دینے کے لیے ہمیں ایک نظر ان دونوں مذہبوں کے اصول پر ڈالنی چاہیئے۔ کیونکہ مقدم اصول ہیں اور چھوٹے چھوٹے امور میں جو پابندیاں ہیں وہ محض فروع ہیں۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ عیسائی صاحبان کا یہ اپنا اقرار ہے کہ نئی تعلیم کے سامنے عیسائی مذہب کے اصول ٹھہر نہیں سکتے اور بہت سے لوگوں نے جن میں اسقدر اخلاقی جرأت تھی عیسائی مذہب کے ان اصول کو جو اُنیس سو برس سے چلے آتے تھے خیر باد کہدیا ہے اور کھُلے طور پر دہریت کو قبول کر لیا ہے۔ برخلاف اسکے اسلام کے مذہبی مخالف بھی اس بات کو مانتے ہیں کہ اسلام کے اصول پر سائینس کا کوئی حملہ نہیں پڑتا پھر ایسی امید رکھنا کہ مسلمان تعلیم پاکر عیسائی مذہب کی طرف آئیں گے ایک خیال خام ہے امر واقع اس کے خلاف ہے یعنی عیسائی تعلیم پاکر عیسائیت کے اصول کو چھوڑتے چلے جاتے ہیں اور ایسے مذہبی اصول پر قایم ہوتے جاتے ہیں جو اسلام نے سکھائے ہیں۔ پس یہ امید تو مسلمانوں کو رکھنی چاہیئے کہ عیسائی تعلیم پاکر اسلام میں داخل ہوجائیں گے کیونکہ اسوقت بھی وہ مایل ہوتے چلے جارہے ہیں مگر کوئی شخص یہ نہیں دکھا سکتا کہ جو تعلیم یافتہ مسلمان مذہب کی طرف سے کسی قدر آزادی اور بیقیدی بھی دکھاتے ہیں وہ بھی اس کے اصول سے بیزار ہوں یا عیسائی مذہب کے اصول کو پسند کرنیوالے ہوں۔ حالانکہ عیسائیوں میں ایسے تعلیم یافتہ بکثرت ہیں جو عیسائیت کے اصول سے بیزار یا اسلام کے اصول کو پسند کرنیوالے ہیں۔ اب باقی یہ سوال رہتا ہے کہ شریعت کی پابندیوں کو چھوڑ کر اسلام کے اصول کو نہ چھوڑنیکا کیا فائدہ ہے کیونکہ جب ایک حصہ رد کر دیا گیا تو دوسرا حصہ کیا فائدہ دے سکتا ہے؟ سو جہانتک ہم دیکھتے ہیں عملی بیقیدی کی وجہ بھی اصول اسلام سے ناواقفیت اور ایمان کی کمزوری ہی معلوم ہوتی ہے شرعی پابندیاں کیا چیز ہیں؟ وہ ان اصول پر جو اسلام نے سکھائے ہیں پورے طور پر قایم ہونیکی ایک راہ ہے۔ پس جب اصول پر پورا پورا ایمان ہو۔ تو عملی کمزوری اور بیقیدی کی کوئی وجہ نہیں۔ سو آخر بات وہی آرہتی ہے کہ ساری بلا صرف مذہب کی طرف سے لاپروائی کی وجہ سے ہے۔ اس میں شک نہیں کہ پانچ وقت نماز پڑھنا یا تیس دن تک روزے رکھنا یا شراب اور قمار بازی سے قطعی پرہیز کرنا یا بدنظری سے بچنا یہ بڑی بڑی قیود اور مشکلات ہیں لیکن جب ایک آدمی یقین کامل کے ساتھ سمجھ لیتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی توحید پر پوری طرح قایم ہونیکی یہی راہ ہے تو اس کے لیے یہ مشکلات مشکلات نہیں رہ جاتیں جیسا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے واستعینوا بالصبر والصلوٰة وانہا لکبیرة الا علی الخاشعین الذین یظنون انہم ملقوا ربہم یعنی

"خدا کا قرب حاصل کرنیکے لیے صبر یعنی مصائب کی برداشت جیسے روزہ وغیرہ .... اور صلوٰۃ یعنی نماز اور دعا کے ساتھ مدد طلب کرو اس میں شک نہیں کہ ... یہ امور بھاری معلوم ہوتے ہیں مگر ان لوگوں کیلیے یہ کچھ بھی بھاری نہیں جن کو یہ یقین حاصل ہوگیا ہے کہ بہی راہیں اللہ تعالیٰ کو پانیکی ہیں" سو جس صورت میں مادی تعلیم کا اصول اسلام پر کوئی حملہ نہیں ہے تو عملی پابندیوں کی طرف ان لوگوں کا واپس لے آنا کچھ مشکل امر نہیں جو اصول کو ماننے مگر انکی اصل حقیقت سے بیخبر ہونیکی وجہ سے عملی رنگ میں سست یا بیقید ہو رہے ہیں۔

دوسری تجویز عیسائی مذہب کو کامیاب بنانیکی بشپ صاحب مدراس کی طرف سے ہے۔ یہ بشپ صاحب مدت سے پادری صاحبان اور ان لوگوں کو جو پادریوں کو مدد دیتے ہیں اس طرف توجہ دلا رہے ہیں کہ بڑے بڑے شہروں میں مشن قایم کرنا یا بڑی ذاتوں کے ہندوؤں کو عیسائی مذہب میں لانیکی کوشش کرنا روپیہ کو ضایع کرنا ہے۔ اور کہ انکی بجائے چوہڑوں اور پاریہ لوگوں کی طرف مشنریوں کو توجہ کرنی چاہیئے۔ چنانچہ کسی گذشتہ رسالہ میں ہم نے انکے ایک ایسے مضمون کا حوالہ دیا بھی تھا جس میں انہوں نے یہ ثابت کیا تھا کہ عیسائی مذہب کو صرف ہندوستان کی نیچ ذاتوں میں جیسے چوہڑے چمار ہیں کامیابی ہوئی ہے۔ اور تعلیم یافتہ لوگوں میں قطعاً کوئی کامیابی نہیں ہوئی اسی کی تائید میں وہ اب بھی اپنی تجویز پیش کرتے ہیں جو بعض مشنریوں کو ناگوار گذرتی ہے چنانچہ حال میں ہی انہوں نے اپنی صفائی ذیل کے مضمون میں پیش کی ہے۔

"جو تجویز مینے پیش کی تھی وہ یہ تھی کہ ہمکو اپنی کوششیں خصوصیت کے ساتھ ان قوموں پر لگانی چاہئیں جو عیسائی مذہب کے قبول کرنیکے لیے رضامند اور تیار ہیں خواہ وہ شمال میں ہوں اور خواہ جنوب میں۔ اور ان قوموں پر کوشش کم خرچ کرنی چاہیئے جن کو گذشتہ پچاس سال سے انجیل کے جاننے کا پورا موقع دیا جاتا رہا ہے۔ مگر انہوں نے اس کے قبول کرنیکے لیے کوئی مستعدی ظاہر نہیں کی۔ مجھے افسوس ہے کہ اس تجویز پر کسی کو دکھ پہنچے کیونکہ میں یہ یقین رکھتا ہوں کہ یہ تجویز عام عقل انسانی پر اور اس نمونہ پر مبنی ہے جو ہمارے مبارک خداوند اور اس کے حواریوں نے دکھایا۔ مینے خود سولہ سال سے شمالی ہند کے شہروں کی تعلیم یافتہ جماعت اور اونچی ذاتوں میں مشنری کام کو دیکھا ہے اور گذشتہ سات سال سے پاریہ لوگوں اور جنوبی ہند کی دوسری نیچ قوموں میں اس کام کو دیکھ رہا ہوں اور مینے گذشتہ صدی کی ہندوستان میں موجودہ مشنوں کی تاریخ کو بھی مطالعہ کیا ہے اور میں اس بات پر کامل یقین رکھتا ہوں کہ ہندوستان میں اگر کبھی تبدیلی مذہب عام طور پر ہو سکتی ہے تو وہ صرف اسی راہ سے ہو سکتی ہے کہ پاریہ قوم اور ہند کی دوسری اصلی قوموں کو اپنے مذہب میں لایا جاوے اور ان میں ترقی کرنیکی قابلیت پیدا کیجاوے اور اس لیے کلیسیا کی صحیح پالسی آیندہ پچاس سالوں کے لیے یہی ہے کہ جہانتک

ممکن ہو اس کام پر کل کوشش صرف کیجاوے اور اسی کو تکمیل کو پہنچایا جاوے۔ جنوبی ہندوستان میں جس قدر مشنری کام کا تجربہ ہے وہ یہی بات ثابت کرتا ہے کہ سب سے عمدہ طریق شودروں تک پہنچنے کا یہی ہے کہ پہلے پاریہ قوم کو عیسائی مذہب میں لایا جاوے ... پھر جبکہ شودر جو آبادی کا نوے فیصدی حصہ یا اس سے بھی زیادہ ہیں عیسائی ہوجاویں تو عیسائی مذہب کی فتح ہے اور اُسوقت ہندوستان ایک عیسائی ملک ہوگا"

مشنریوں کی یہ کوشش کہ ایک رذیل قوم کو جسے ہندوؤں نے انسانوں میں ہی شامل نہیں کیا۔ تعلیم دیکر انمیں ترقی کی قابلیت پیدا کیجائے بیشک انسانی ہمدردی پر مبنی ہو سکتی تھی اگر اصل غرض صرف انکو عیسائی بنانا نہ ہوتی۔ اور یہ بھی کوئی قابل اعتراض امر نہ ہوتا اگر پادریصاحبان کی غرض محض ان لوگوں کی جہالت اور ناواقفیت اور انکی گری ہوئی حالت سے فایدہ اُٹھانیکی نہ ہوتی۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ جو لوگ اس قابل ہی نہیں کہ وہ مذہب کی حقیقت کو سمجھ سکیں یا عیسائی مذہب کے پیچیدہ اصول کو سمجھ سکیں انکو عیسائی مذہب میں داخل کرنیسے سوائے تعداد بڑھانیکے اور کوئی فایدہ بھی ہے؟ اگر یہ لوگ عیسائی ہوتے ہیں تو صرف اس خیال پر کہ انکے ناموں کے ساتھ جو ذلت لگی ہوئی ہے وہ ایک دو نسلوں میں جاتی رہیگی اور جیسا کہ پنجاب کے چوہڑوں کی حالت میں ہوا ہے۔ دوسری نسل میں وہ صاحب بنکر اپنے مالکوں سے بھی بڑھ جائیں گے۔ تعجب ہے کہ ایک طرف عیسائی صاحبان اسلام پر بیجا الزام یہ لگاتے ہیں کہ لوگوں کو بجبر مسلمان کیا گیا اور دوسری طرف اس تہذیب کے زمانہ میں خود ایسی کارروائیاں کرتے ہیں۔ جو بجبر دین میں داخل کرنیسے بھی بدتر ہیں یعنی لوگوں کی جہالت سے فایدہ اُٹھاتے ہیں۔ پنجاب کے جو چوہڑے عیسائی ہوئے ہیں انکے متعلق خود پادریصاحبان نے تسلیم کیا ہے کہ انکو عیسائی مذہب کی کچھ بھی واقفیت نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی بپتسمہ دینے کیلیئے یہ ضروری سمجھا جاتا ہے۔ کہ انکو عیسائی مذہب کی کچھ خبر ہو۔

بابی مذہب (۳)

بہاء اللہ کی شریعت

اگرچہ ہم پچھلے پرچہ میں یہ ذکر کر چکے ہیں کہ بابی مذہب بہت سے فرقوں میں منقسم ہوگیا ہے لیکن اس میں بہاء اللہ کے پیروؤں کا ہی زیادہ زور ہے اور غصن اعظم اور غصن اکبر کے پیرو ہر دو بہاء اللہ کو مانتے ہیں اس لیئے اب بابی مذہب دراصل بہائی مذہب ہی ہے۔ بہاء اللہ کی سب سے بڑی تصنیف کتاب الاقدس خیال کی جاتی ہے۔ اور اس کتاب میں وہ شریعت بھی ہے جو بہاء اللہ نے اپنے پیروؤں کو دی تھی اور اس میں اسکے دعاوی بھی بڑے بسط کے ساتھ دیئے گئے ہیں۔ ان احکام کی پیروی کے متعلق خود کتاب الاقدس میں بہاء اللہ یہ لکھتا ہے

تمسکوا بالکتاب الاقدس الذی انزله الرحمٰن من جبروته المقدس المنیع انه لمیزان الله بینکم یوزن به کل الاعمال من لدن قوی قدیر۔ یعنی کتاب الاقدس کو مضبوط پکڑو جو کہ رحمٰن نے اپنی مقدس اور مضبوط طاقت کے ساتھ نازل کی ہے یہ تمہارے درمیان خدا کی میزان ہے جس سے قوی قدیر کی طرف سے کل اعمال تولے جاویں گے۔ صفحہ ۴۸۔ اسی کتاب کے شروع میں اس کا مصنف لکھتا ہے کہ اس نئے سلسلہ میں یعنی بہاء اللہ کے سلسلہ میں جو باب کے سلسلہ کو منسوخ کرنیوالا ہے دو باتیں سب آدمیوں پر فرض کی گئی ہیں اول یہ کہ وہ اسکو ظہور کو خدا کا ظہور سمجھیں اور دوسرا یہ کہ ان خدائی حدود یعنی احکام پر جو کتاب الاقدس میں دیئے گئے ہیں پورے طور پر عمل کریں کیونکہ وہ لکھتا ہے لا انهما معا لا یقبل احدهما دون الاخر۔ یعنی یہ دونوں باتیں اکٹھی ہونی چاہئیں اور ان میں سے ایک سوائے دوسری کے قبول نہیں ہو سکتی یعنی اگر شریعت پر عمل کیا جائے اور بہاء اللہ کے دعووں کو تسلیم نہ کیا جائے تو وہ بھی فضول ہے اور اگر دعوے کو تسلیم کیا جائے اور شریعت پر عمل نہ کیا جاوے تو وہ بھی فضول ہے۔ پس چونکہ بہاء اللہ نے اپنے احکام کی پیروی کو اسقدر ضروری سمجھا ہے اس لیے اس کے دعاوی پر غور کرنے سے پہلے ہم ان احکام کو بیان کرتے ہیں جو اس مذہب کی شریعت کہلاتی ہے۔

جو احکام کتاب الاقدس میں پائے جاتے ہیں وہ اسلامی احکام میں ہی کسی قدر تغیر و تبدل ہے۔ اور تبدیلی کی غرض محض یہ معلوم ہوتی ہے کہ کسی قدر تخفیف ہو جائے چنانچہ اسلام کے چاروں اصولی احکام یعنی نماز روزہ زکوٰۃ اور حج کو ضروری قرار دیا ہے مگر ان میں تھوڑا تھوڑا اول بدل کر دیا گیا ہے مثلاً اسلام میں اگر پانچ نمازیں ہیں تو بہاء اللہ نے انکی تعداد کم کر کے تین نمازیں اپنے پیرووں پر فرض کی ہیں۔ اور ان تینوں نمازوں میں کل رکعتوں کی تعداد نو بتائی گئی ہے۔ قد کتب علیکم الصلوٰة تسع رکعات من الله منزل الآیات حین الزوال وفی البکور والاصال وعفونا عدة اخرى۔ اس میں شیعہ مذہب کا کچھ اثر بھی پایا جاتا ہے کیونکہ وہ بھی تین اوقات میں ہی نماز پڑھتے ہیں اور ظہر اور عصر کو اور مغرب اور عشاء کو جمع کر لیتے ہیں۔ نماز کو سن بلوغت پر پہنچنے سے فرض قرار دیا گیا ہے نماز کی صورت قریباً وہی معلوم ہوتی ہے جو اسلام میں ہے اور سجدہ کا حکم تو صاف الفاظ میں ہے۔ مسلمان کعبہ کی طرف منہ کرتے ہیں اس کی بجائے بہاء اللہ نے عکا کی طرف نماز میں منہ پھیرنے کی ہدایت کی ہے۔ واذا اردتم الصلوٰة ولوا وجوهکم شطری الاقدس المقام المقدس الذی جعله الله مطاف الملأ الاعلیٰ ومقبل اهل مدائن البقاء ومصدر الامر لمن فی الارضین والسموات۔ یہ سب تعریف مقام عکا کی ہے جہاں بہاء اللہ مدت تک قید خانے میں رہا۔ جماعت کے حکم کو منسوخ قرار دیا گیا ہے اور یہ ہدایت ہے کہ سوائے نماز جنازہ کے باقی سب نمازیں اکیلے اکیلے پڑھی جاویں۔ جیسا کہ لکھا ہے کتب علیکم الصلوٰة فرادیٰ قد رفع حکم الجماعة الا فی صلوٰة المیت

نماز کے پہلے وضو کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ بوڑھے آدمیوں اور بیماروں کے لیے نماز بالکل معاف کر دی گئی ہے مسافر کے لیے بجائے نماز کے حسب ذیل ہدایت ہے۔ ولکم ولهن فی الاسفار اذا نزلتم واسترحتم المقام الامن مکان کل صلوٰۃ سجدۃ واحدۃ واذکروا فیها سبحان الله ذی العظمة والاجلال والموهبة والافضال والذی عجز یقول سبحان الله انه یکفیه بالحق انه لهو الکافی الباقی الغفور الرحیم وبعد اتمام السجود لکم ولهن ان تقعدوا علی هیکل التوحید وتقولوا ثمانی عشرة مرة سبحان الله ذی الملك والملکوت۔ یعنی سفر میں بجائے نماز کے ایک ہی سجدہ کافی ہے اور اسکے بعد اٹھارہ مرتبہ تسبیح۔

دوسرا اصول اسلامی روزہ ہے۔ اسکو بھی بہاء اللہ نے فرض ٹھیرایا ہے مگر چونکہ بابی مہینہ انیس دن کا ہوتا ہے (سال انیس مہینوں کا ہوتا ہے اسطرح سال میں ۳۶۱ دن ہوئے) اس لیے روزوں کی تعداد بھی بجائے تیس یا انتیس کی انیس رہ جاتی ہے۔ بیمار اور مسافر کے لیے روزہ بالکل معاف ہے اور ایسا ہی حاملہ عورت کے لیے اور دودھ پلانیوالی کے لیے بھی معاف ہے۔ روزوں کے مہینہ سے پہلے چند دن کھانے پینے کے لیے مخصوص کیے گئے ہیں اور نیروز کو عید کا دن قرار دیا گیا ہے۔ روزہ طلوع آفتاب سے غروب تک ہے۔

زکوٰۃ کو بھی بہاء اللہ نے فرض قرار دیا ہے۔ نصاب کے متعلق اسی جگہ یہ کہتا ہے کہ ہم اس کے متعلق آیندہ تم کو ہدایت دیں گے۔ مگر اس کے بعد کوئی ہدایت زکوٰۃ یا اس کے نصاب کے متعلق کتاب الاقدس میں نہیں ملتی البتہ اس سے پہلے ایک ہدایت ہے کہ سو مثقال سونے میں سے انیس مثقال بہاء اللہ کو دیئے جاویں جس کا ذکر بعد میں کیا جاویگا۔ بیت اللہ کا حج سب بابیوں پر فرض کیا گیا ہے چنانچہ صفحہ ۱ پر یہ ہدایت موجود ہے۔ قد حکم الله لمن استطاع منکم حج البیت دون النساء عفی الله عنهن رحمة من عنده۔ یعنی سوائے عورتوں کے جس شخص کو استطاعت ہو اس کے لیے خدا کا یہ حکم ہے کہ وہ بیت اللہ کا حج کرے۔ مگر عورتوں کو اللہ نے رحم کر کے معاف کر دیا ہے۔ تعجب ہے کہ اسقدر شریعت اسلامی میں تبدیلیوں کے باوجود حج بیت اللہ کو قایم رکھا ہے مگر ہم نہیں سمجھتے کہ کوئی بابی اس حکم کی تعمیل کرتا ہو۔ نہ ہی یہ حکم کسی اور شریعت سے بابیوں کے نزدیک منسوخ ہوا ہے۔

تعدد ازواج کو بھی بہاء اللہ نے جایز رکھا ہے مگر دو بیویوں سے زیادہ نکاح میں لانیکی اجازت نہیں۔ کتاب الاقدس کے صفحہ ۲۲ پر بہاء اللہ لکھتا ہے۔ کتب الله علیکم النکاح ایاکم ان تجاوزوا عن اثنتین والذی اقتنع بواحدة من الاماء استراحت نفسه ونفسها ومن اتخذ بکرا لخدمته لا باس علیه کذلك کان الامر من قلم الوحی بالحق مرقوما تزوجوا یا قوم لیظهر منکم من یذکرنی بین عبادی۔ یعنی نکاح تم پر فرض ہے مگر دو سے زیادہ نکاح نہ کرو اور جو شخص ایک ہی عورت پر کفایت کرتا ہے

وہ اس کے لیے اور اس عورت کے لیے دونوں کے لیے اچھا ہے۔ اور جو شخص ایک کنواری عورت اپنی خدمت کے لیے رکھے تو کوئی حرج نہیں۔ اے میری قوم نکاح کرو تا کہ تم میں سے وہ لوگ ظاہر ہوں جو میرا ذکر میرے بندوں میں کریں۔ مہر کی ادائیگی نکاح کے لیے ضروری ٹھہرائی گئی ہے مگر اس کی حد شہروں اور گاؤں کے لیے الگ الگ مقرر کر دی گئی ہے۔ یعنی شہر کے لیے انیس مثقال سونا۔ اور گاؤں کے لیے اسیقدر چاندی۔ اس سے زیادہ بھی مہر دیا جا سکتا ہے مگر پچانوے مثقال سے کسی صورت میں زیادہ نہیں ہونا چاہیئے۔ نکاح اور طلاق کے متعلق کچھ اور بھی ہدایات ہیں۔ جب کوئی شخص سفر کے لیے باہر نکلے تو اسپر فرض ہے کہ اپنی عورت کے ساتھ ایک میعاد مقرر کرے کہ اسقدر عرصہ میں وہ واپس آجائیگا۔ پھر اگر اس میعاد کے گذرنے کے بعد کوئی واقعی عذر اسکو ایسا پیش آجائے کہ اس مدت میں وہ واپس نہ ہو سکتا ہو تو اسپر فرض ہے کہ اس عذر کی اطلاع اپنی عورت کو دے۔ اور سخت کوشش اس امر کی کرے کہ جسقدر میعاد عذر کی بنا پر لی گئی ہے اس کے اندر واپس ہو جائے۔ لیکن اگر وہ یا تو عذر ہی نہ کرے اور پہلی مقررہ میعاد کے بعد واپس نہ آئے اور یا اگر عذر حقیقی اس کا کوئی ہو اور دوسری دفعہ کی میعاد مقررہ کے اندر واپس نہ آئے تو عورت کو نو مہینے انتظار کر کے دوسری جگہ نکاح کر لینا چاہیئے۔ طلاق کے متعلق یہ حکم ہے کہ اگر عورت اور خاوند میں کوئی کدورت واقع ہو جائے یا باہمی نفرت ہو تو مرد فی الفور طلاق نہیں دے سکتا بلکہ اسکو ایک سال تک انتظار کرنا چاہیئے۔ پھر اگر اس انتظار کے بعد اصلاح نہ ہو تو خاوند طلاق دے سکتا ہے۔ مگر بعد طلاق کے جبتک عورت دوسری جگہ نکاح نہ کرے رجوع کا ہر وقت اختیار ہے۔ اگر خاوند اور عورت دونوں سفر کرتے ہوں اور سفر میں ہی ان میں کوئی اختلاف ہو جائے تو خاوند پر واجب ہے کہ ایک سال کا نفقہ دے کر عورت کو اپنے گھر کو واپس کر دے۔ طلاق کے بعد عدت بھی ہے مگر اس کی میعاد نہیں بتائی گئی۔

وراثت کے قانون میں بھی اصولاً اسلامی قانون وراثت کی پیروی کی گئی ہے مگر ورثا کے حصص کی ایک عجیب ہی تقسیم ہے۔ اصل الفاظ کتاب الاقدس کے یہ ہیں۔ قد قسمنا المواریث علیٰ عدد الزاء منها قدر لذریاتکم من کتاب الطاء علیٰ عدد المقت وللازواج من کتاب الحاء علیٰ عدد التاء والفاء وللاباء من کتاب الزاء علیٰ عدد التاء والکاف وللامهات من کتاب الواو علیٰ عدد الرفیع وللاخوان من کتاب الهاء عدد الشین وللاخوات من کتاب الدال عدد الراء والمیم وللمعلمین من کتاب الجیم عدد القاف والفاء۔ یعنی ورثہ کو عدد زا یعنی سات حصوں پر تقسیم کیا جاوے۔ ایک حصہ لڑکوں لڑکیوں کے لیے۔ ایک حصہ خاوند یا عورت کے لیے۔ ایک باپ کے لیے۔ ایک ماں کے لیے۔ ایک بھائیوں کے لیے۔ ایک بھینوں کے لیے۔ ایک معلمین کے لیے حصوں کی نسبت حساب جمل میں بتائی گئی ہے۔ اولاد کے لیے کتاب الطاء علیٰ عدد المقت یعنی ۵۴۰×۹

ازواج کے لیے ۸ × ۴۸۰ ۔ باپکے ۷ × ۴۲۰ ۔ ماں کے لیے ۶ × ۳۶۰ ۔ بھائیوں کے لیے ۵ × ۳۰۰ ۔ بہنوں کے لیے ۴ × ۲۴۰ ۔ معلموں کے لیے ۳ × ۱۸۰ ۔ یانسبت نکالنے سے علی الترتیب یہ حصص ہوئے ۔ ۸۱ و ۶۴ و ۴۹ و ۳۶ و ۲۵ و ۱۶ و ۹ ۔ اس حکم کے ساتھ ہی یہ الفاظ بڑھائے گئے ہیں انا لما سمعنا ضجیج الذریات فی الاصلاب زدنا ضعف مالھم ونقصنا عن الاخری ۔ یعنی اولاد کا حصہ دوگنا کردیا گیا اور دوسروں کا کم کردیا گیا ۔ اگر کوئی شخص مرجائے اور اس کی اولاد نہ ہو تو اولاد کا حصہ بیت العدل میں جائے گا ۔ (بیت العدل کیا چیز ہے اسکی تشریح آگے چلکر کیجائیگی) اور اس سے یتیموں اور بیواؤں کی مدد کی جائیگی ۔ اور اگر اولاد ہو مگر دوسرے ورثا جن کو اس تقسیم کے رو سے حصص دیئے جانے چاہئیں موجود نہ ہوں تو کل مال کی دو تہائی اولاد میں تقسیم ہوگی اور ایک تہائی بیت العدل میں دیجائیگی ۔ اگر نہ اولاد ہو اور نہ یہ دوسرے ورثا ہی ہوں مگر اور قریبی رشتہ دار موجود ہوں جیسے بھائیوں اور بہنوں کی اولاد تو دو تہائی ترکہ کی انکو پہنچے گی ۔ اگر وہ بھی نہ ہوں تو یہی حصہ ماں اور باپکے بھائیوں بہنوں کو دیا جاویگا ۔ یا اگر وہ مرچکے ہوں تو انکی اولاد کو ۔ اور باقی ایک تہائی ہر صورت میں بیت العدل میں جائیگی ۔ اگر کوئی وارث بھی موجود نہ ہو تو کل مال متروکہ بیت العدل میں جائیگا ۔ لیکن اس ساری تقسیم میں رہائش کا مکان اور پہننے کے کپڑے متوفی کے شامل نہ ہونگے وہ صرف لڑکوں کا حصہ ہوں گے لڑکیوں کو یا دوسرے رشتہ داروں کو ان میں سے کوئی حصہ نہیں ملیگا ۔ یہانتک کہ عورت یا خاوند کو بھی نہیں ملیگا ۔ (صفحہ ۸ و ۹ کتاب الاقدس)

کچھ متفرق ہدایات بکھری ہوئی اور بھی ملتی ہیں ۔ مثلاً ایک یہ ہے کہ اُنیس سال گذرنے کے بعد گھر کا سارا اسباب بدل دو ۔ کتب علیکم تجدید اسباب البیت بعد انقضاء تسع عشرۃ سنۃ کذالک قضی الامر من لدن علیم خبیر ۔ اصل میں اُنیس کے ہندسہ کو بابیوں میں ایک خاص عزت حاصل ہے ۔ چنانچہ جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے ۔ انکا مہینہ بھی اُنیس دن کا ہوتا ہے اور سال اُنیس مہینوں کا ہوتا ہے ۔ شاید اسی مناسبت کے لحاظ سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ اُنیس سال بعد گھر کا اسباب بدل دو ۔ اسی طرح پر مہر کے لیے اُنیس مثقال سونا یا چاندی مقرر کی گئی ہے جس کے پاس سو مثقال سونا ہو وہ اُنیس مثقال خدا کو دے ۔ یہ اُنیس دن کا مہینہ اور اُنیس مہینوں کا سال علی محمد باب کی ایجاد ہے اور اسی سے بہاء اللہ نے لیا ہے ۔ مگر اس کی اصل وجہ معلوم نہیں ۔ یہ بھی حکم ہے کہ جہانتک ممکن ہو گھر بہت خوشنما بنائے جایا کریں اور انکی بہت اچھی طرح حسب حیثیت آرائش کی جایا کرے ۔ لیکن ان میں کوئی تصویر نہ رکھی جائے ۔ یہ بھی حکم ہے کہ کوئی شخص آیات الٰہی یعنی بہاء اللہ کی تصانیف کو کھڑے ہوکر لوگوں کو ہرگز نہ سنائے ۔ پڑھنے والے کو چاہیئے کہ وہ ایک مرتفع پلیٹ فارم پر کرسی بچھا کر بڑے ادب اور تکریم سے بیٹھکر سنائے ۔ یہ بھی لکھا ہے کہ "خدا اس بات کو بہت عزیز رکھتا ہے کہ تم لوگ کرسیوں اور بلند

پلیٹ فارموں پر نشست کیا کرو۔ یہ بھی حکم ہے کہ کسی کا ہاتھ کبھی مت چومو۔ یہ بھی حکم ہے کہ قمار بازی اور افیون خوری منع ہیں۔ حکم ہے کہ گرمیوں کے موسم میں چوبیس گھنٹوں کے درمیان دونوں پاؤں کو ایک دفعہ غسل دینا چاہیئے۔ اور موسم سرما میں ۷۲ گھنٹوں میں ایک دفعہ انہیں دھونا چاہیئے۔

اس قسم کی اور بھی بہت سی باریک تفصیلات لکھی ہیں جن کا یہاں درج کرنا تضییع اوقات کا موجب ہوگا۔ اس لیے انکو نہیں لکھا جاتا۔ یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ بہاء اللہ نے کوئی مکمل شریعت اپنے پیرووں کے لیے تجویز کی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض بہت چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی ہدایات لکھدی ہیں۔ لیکن درحقیقت یہ بہت ناقص قانون ہے جس میں سب سے پہلی اور بڑی بے سمجھی کی بات تو یہ ہے کہ کوئی بنیادی اصول بیان ہی نہیں کیے گئے۔ اور اکثر ایسے معاملات جو نہایت ضروری تھے اس قانون میں شامل ہی نہیں کیے گئے۔ یہ ایسے نقص ہیں جو اُن لوگوں سے سرزد نہیں ہوسکتے جن میں وضع قوانین کے ساری لوازم موجود ہوتے ہیں۔

مذکورہ بالا شاخ قوانین سے آگے چلکر بعض جرائم کی تعزیرات کے متعلق بھی احکام اور ہدایات نافذ کی گئی ہیں۔ جو ذیل میں درج ہیں۔ حکم ہے کہ "جو شخص عمداً کسی کے گھر کو آگ لگائے اس شخص کو جلا دیا جائے" لیکن آگے چلکر جہاں خون کردینے کی سزا موت تجویز کی گئی ہے وہاں اس جلانیکی سزا کی شدت میں بھی تخفیف کیگئی ہے اور لکھا ہے کہ "اگر تم انکو عمر قید کا حکم دو تو کتاب میں تم پر اس بات کا کوئی گناہ نہیں"۔ بہائی مذہب کی اخلاقی حالت کا اس سے بھی اندازہ ہوسکتا ہے کہ اس میں زناکاری کو کسی جرم فوجداری میں داخل نہیں کیا گیا۔ بلکہ اتنا بھی نہیں کہ یورپ کی طرح نقصان رسیدہ فریق کو کوئی ہرجانہ ہی دلانا تجویز کیا گیا ہو۔ اس کے لیے صرف یہی لکھا ہے "تحقیق خدا نے حکم دیا ہے کہ ہر ایک مرد اور عورت جو زنا کا ارتکاب کریں وہ بیت العدل میں ۹ تو ۹ مثقال سونا داخل کردیں"۔ پھر اگر وہی مرد یا عورت دوبارہ اس جرم میں ماخوذ ہوں تو انپر تعزیر بڑھادی گئی ہے یعنی انسے بجائے ۹ کے اٹھارہ ۱۸ مثقال سونا وصول کرکے بیت العدل میں داخل کیا جائے۔ چور کی سزا جلاوطنی اور قید رکھی ہے۔ لیکن حکم ہے کہ اگر کوئی شخص اسی جرم میں تیسری دفعہ گرفتار ہو تو اسکی پیشانی پر ایک ایسا داغ لگا دیا جائے جس سے وہ جہاں جائے پہچانا جاسکے۔

اس کے بعد بہاء اللہ نے کچھ اپنے حقوق مریدوں پر قایم کیے ہیں یہ حقوق ظاہر عبارت میں خدا کے لیے مقرر کیے گئے ہیں۔ لیکن بہائی اصطلاح میں خدا سے مراد بہاء اللہ ہے۔ اپنے لیے جو حقوق مقرر کیے ہیں انکی متعلق لکھا ہے کہ جس شخص کے پاس ایک سو مثقال سونا موجود ہو وہ اس میں سے اُنیس مثقال خدا لئے خالق زمین و آسمان کو دیدے۔ (جیسا کہ اوپر تشریح کیا گیا ہے یہاں خدا سے مراد بہاء اللہ ہے) اے لوگو! خبردار رہو!! ایسا نہ ہو کہ تم اس کے فضل عظیم سے اپنی روحوں کو محروم رکھو۔ ہم نے تمکو یہ حکم دیا ہے اگرچہ ہم نہ تمھاری اور

نہ انکی جو آسمان اور زمین میں ہیں امداد کے محتاج ہیں × × × کہو! اس سے مقصود یہ ہے کہ تمہاری جایداد یں پاکیزہ ہو جائیں اور تم کو وہ مرتبے نصیب ہوں جو سوائے خدا کی مرضی کے کسی کو مل نہیں سکتے۔ اے لوگو! خدا (بہاء اللہ) کے حقوق ادا کرنے میں خیانت نہ کرو اور نہ ہی ان میں اسکی اجازت کے بغیر کسی قسم کا تصرف کرو"۔ واقعہ میں جو املاک اور مال اسطرح راہ خدا میں خیرات کے لیے وقف کیا جاتا تھا اس کا مالک کامل اور واحد بہاء اللہ تھا اور اس کے مرنے کے بعد وہ اس کے بیٹوں کی ملکیت تھی اس کے متعلق کتاب الاقدس میں لکھا ہے "در تحقیق جو مال خیرات کے لیے وقف کیا جاتا ہے وہ خدا (یعنی بہاء اللہ) کو پہنچتا ہے جو نشانات کا ظاہر کرنیوالا ہے۔ کسی شخص کو حق نہیں پہنچتا کہ اس میں کسی طرح کا تصرف مطلع وحی الٰہی کی اجازت کے بغیر کرے۔ اور اس کے بعد اس جایداد پر غصنون کو کامل قبضہ کر لینے کا حق ہوگا۔ (غصنون سے مراد بہاء اللہ کے دونوں بیٹے ہیں جن میں ایک کا نام غصن اعظم اور دوسرے کا غصن اکبر تھا) پھر جب یہ دونوں جہان سے گذر جائیں تو اسوقت یہ جایداد بیت العدل میں داخل ہوگی بشرطیکہ اس زمانہ تک بیت العدل پورے طور پر مستحکم اور قائم ہو گیا ہو۔ غرض اسطرح تمام مال جو اس خیراتی فنڈ میں خواہ خمس اور خواہ دوسری قسم سے جمع ہوتا تھا وہ اپنی عین حیات بہاء اللہ لیتا رہا پھر جب وہ مر گیا تو اس کے لڑکے حقدار ہو گئے۔ بیعت العدل جس کا ذکر یہاں آیا ہے بہائی قوم کی ایک منتخب جماعت کے زیر اہتمام تھا جو اس کے امین ہوتے تھے۔ اس کا انتظام یہ تھا کہ تمام قصبوں میں جہاں کہیں بابی لوگ موجود تھے بیت العدل کی شاخیں قایم ہونیکا حکم تھا اور مقامی بابیوں میں سے کم از کم آٹھ یا ان سے زیادہ ممبر ایک شاخ کے امین اور مہتمم مقرر کرنیکا فرمان تھا۔ مگر ابھی تک بیت العدل کی بجائے بہاء اللہ کے لڑکوں کا ہی کل جایداد پر تصرف ہے۔

ہم نے بہائی شریعت کے چند بڑے بڑے قوانین لکھکر اپنے ناظرین کے آگے پیش کر دیئے ہیں۔ زیادہ تفصیل کی چنداں ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ اس لیے اسی قدر پر اکتفا کیا گیا۔ ہم کو امید ہے کہ ہمارے دوست اسکو دلچسپی سے پڑھیں گے اور حق و باطل میں فرق معلوم کرنیکی کوشش کریں گے۔ بہائی شریعت پر عملدر آمد کرنا تمام بہائی لوگوں کے لیے فرض ہے۔ کتاب الاقدس کے آغاز میں بڑے زور سے اس اصول کو لکھا گیا ہے کہ بہاء اللہ کے دعاوی کا قبول کرنا اور اس کے قوانین پر چلنا دو ایسے لازم و ملزوم امر ہیں کہ اگر ایک کو مانا جائے اور دوسرے پر عمل نہ کیا جائے تو اس کا ماننا بالکل عبث اور بیہودہ ہوتا ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص یہ مانے کہ بہاء اللہ اپنے دعووں میں صادق ہے اور اس کے قانون پر عمل نہیں کرتا تو اس کا ایسا ایمان اسکو کچھ نفع نہیں پہنچا سکتا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اس کے قانون پر عمل کرے پر اس کے دعاوی کی تصدیق نہ کرے تو اس کا عمل کرنا بھی اس کے لیے کچھ فایدہ نہیں رکھتا۔ اور جہاں کہیں کوئی امر (حکم) بیان کیا ہے وہاں ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ

گویا وہ حکم الٰہی ہے۔ جس موقع پر نماز پڑھنے کے طریق لکھے ہیں وہاں یہ لکھا ہے کہ "یہ خدا کی حدود ہیں جن کو قلم اعلیٰ نے کتب اور الواح میں رقم کیا ہے۔ خدا کے اوامر و نواہی کو مضبوط پکڑو اور ان لوگوں کی طرح مت بنو جو خود ساختہ قوانین اور رسوم کے پابند ہوتے ہیں۔ اور خدا کے قانون کو پس پشت ڈال چھوڑتے ہیں۔ کیونکہ ایسے لوگ درحقیقت وہم پرستی میں مبتلا ہوتے ہیں" پھر یہ لکھا ہے "اور راستبازوں اور مخلصوں کو خدا کی حدود میں تمام فرقوں کے لوگوں کے لیے آبحیات اور وہ جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں ان کے لیے برومندی اور عقل کا چراغ ملتا ہے۔ × × × خبردار رہو تاکہ تم کسی بات سے پہلو تہی مت کرو جو واضح طور پر الواح میں درج ہو چکی ہے"

شاید ناظرین کو معلوم ہوگا کہ بعض مغربی ممالک میں بھی بہائی مذہب لوگوں نے اختیار کر لیا ہے لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ بہاء اللہ تو اپنے مذہب پر چلانے کے لیے اپنی شریعت پر عملدرآمد کا اسقدر زور دیتا ہے کہ گویا اس کے نزدیک جو شخص عامل بالشرع نہ ہو وہ بہائی ہی نہیں ہو سکتا۔ لیکن جن بابی لوگوں نے یورپ اور امریکہ میں اس مذہب کی اشاعت کی کوششوں کا کام اختیار کیا ہے وہ کبھی کہیں اس بات کا تذکرہ بھی نہیں کرتے کہ بہاء اللہ نے کوئی شریعت بھی مرتب کی تھی۔ اور اس شریعت پر ہر روز عملدرآمد کرنا ہر ایک فرد بہائی کے لیے فرض ہے۔ اور یہ کہ یہ ہدایات ایسی مستحکم اور مستقل ہیں کہ بہاء اللہ نے کہا ہے کہ ہزار سال آئندہ تک ان میں کوئی تغیر اور ترمیم ممکن ہی نہیں۔ بلکہ بعض امور غلط طور پر مشہور ہو گئے ہیں۔ چنانچہ ان لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ بہاء اللہ نے ایک سے زیادہ بیویاں کرنا منع کیا ہوا ہے۔ حالانکہ یہ انکی سراسر غلط فہمی اور ناواقفیت ہے۔ کیونکہ بہاء اللہ نے صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ مرد ایک وقت میں دو عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ بہاء اللہ کے پیرو اس مذہب کو جہاں جاتے ہیں وہاں کے حالات کے لحاظ سے پیش کرتے ہیں انکو اس سے غرض نہیں کہ وہ حق کو پیش کریں خواہ کوئی قبول کرے یا نہ کرے بلکہ وہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح لوگ انکے مذہب میں داخل ہو جاویں خواہ اس کے اصول اور فروع پر عمل کریں یا نہ کریں۔ مغرب میں اس مذہب کو ایک ایسے اباحتی مذہب کے رنگ میں پیش کیا جاتا ہے۔ کہ جس میں گویا سوائے بہاء اللہ کے ماننے کے اور کوئی پابندی نہیں ہے۔ اور چونکہ امریکہ کے زر پرست اور دنیا میں منہمک لوگ ایسے ہی مذہب کو چاہتے ہیں اس لیے ان میں سے بعض نے اس مذہب کو قبول کر لیا ہے اور انکو مشکل ہی کیا ہے ایک انسان کو خدا تو وہ پہلے ہی مانتے ہیں اب اس دوسرے کو ماننے میں کیا حرج ہے۔ اس کے بعد ہم بہاء اللہ کے دعاوی اور ان دعاوی کے مفروضہ ثبوت پر بحث کریں گے۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

رؤیا والہامات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

۸-اکتوبر ۱۹۰۶ء (۱) خیر اور نصرت اور فتح انشاء اللہ تعالیٰ۔ (۲) وما منّا الّا له مقام معلوم۔
ترجمہ۔ اور ہم میں سے ہر ایک کے واسطے ایک مقام معلوم ہے۔ (۳) ینصرك رجال نوحی الیہم من السماء۔
ترجمہ۔ تجھے وہ لوگ مدد دیں گے جن کو ہم آسمان سے وحی کریں گے۔ (۴) قد افلح من زکّٰها و قد خاب
من دسّٰها۔ ترجمہ۔ اُس نے نجات پائی جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا اور وہ نامراد ہوا جس نے اُس کو گاڑ دیا۔
(۵) وما کنا معذّبین حتّٰی نبعث رسولاً۔ ترجمہ۔ اور ہم کسی بستی پر عذاب نہیں لاتے۔ جب تک
کہ اس میں رسول نہ بھیج لیں۔ (۶) حنیف مسیح - ۱۶-اکتوبر ۱۹۰۶ء۔ انّی انا الرحمٰن۔ لا یخزی عبدی
والایمان۔ عشقك قائمٌ و وصلك دائمٌ۔ ۲۱-اکتوبر ۱۹۰۶ء۔ من عادا ولیّا لی فکانما خرّ
من السماء۔ ترجمہ۔ جس نے میرے ولی کے ساتھ دشمنی کی گویا آسمان سے گرا۔ (۲) انّی موجود فانتظر۔ ترجمہ
مَیں موجود ہوں انتظار کر۔ (۳) لا یُهدّ بناءك و تؤتی من ربّ کریم۔ ترجمہ۔ تیری بنا توڑی
نہ جاویگی اور تو رب کریم سے دیا جائیگا۔ (۴) وضعنا عنك وزرك الذی انقض ظهرك ورفعنا
لك ذکرك - فرمایا۔ انّی موجودٌ کا الہام ان لوگوں کے جواب میں معلوم ہوتا ہے جو خدا کے مرسل کے
مقابل پر ایسی شوخی اور تکذیب سے پیش آتے ہیں کہ گویا خیال کرتے ہیں کہ خدا موجود نہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے
کہ مَیں موجود ہوں معلوم ہوتا ہے کہ آسمان پر کچھ ہو رہا ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ کسقدر بیجا حملے اور حد
سے زیادہ زبان درازیاں ہو رہی ہیں۔ (۱) اریك ما اریك و من عجائب ما یرضیك۔ ترجمہ۔ مَیں تجھے دکھاؤنگا جو کچھ
دکھاؤنگا اور نیز وہ عجائب باتیں دکھاؤں گا جنسے تو خوش ہوگا۔ (۲) آپکے لڑکا پیدا ہوا ہے (یعنی آیندہ کسی وقت لڑکا
پیدا ہوگا) (۳) رُدّ الیها روحها و ریحانها۔ یعنی تمہاری بیوی کی طرف تازگی اور تازہ زندگی واپس کی گئی۔
(۴) و اِمّا ترینّ احداً منهم - اور اگر مخالفین یا معترضین میں سے تیرے پاس کوئی آوے (ترینّ کے اسجگہ
یہی معنے ہیں) (۵) انّا نبشّرك بغلام حلیم۔ ہم تجھے ایک حلیم لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں۔ (۶) ینزل منزل المبارك
ترجمہ۔ وہ مبارک احمد کی شبیہ ہوگا۔ (۷) ساقیا آمدن عید مبارک بادت۔ (۸) ان اللہ مع الذین اتقوا
والذین هم محسنون۔ ترجمہ۔ تحقیق اللہ اُن لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور نیکی کرتے ہیں۔
فرمایا۔ بعض متوحش خوابیں بھی ہیں جیسا کہ بعض کو قبرستان میں دفن کیا ایک گوسپند مسلوخ دیکھا
معلوم نہیں اس کی حقیقت کیا ہے اور کونسا محل ہے۔

۲۶ اور ۲۷ نومبر ۱۹۰۷ء کو خدا تعالیٰ نے مخاطب کرکے فرمایا۔ ساھب لک غلامًا زکیا۔ ربّ ھب لی ذریۃ طیبۃ۔ انا نبشرك بغلام اسمہ یحییٰ۔ الم تر کیف فعل ربّك باصحاب الفیل۔ اخذھم اللہ بقی وحدہ لاشریك معہ۔ قل جاء الحق وزھق الباطل موت قریب۔ ان اللہ یحمل کل حمل۔ من خدمك خدم الناس کلھم۔ ومن اذاك اذی الناس جمیعا۔ آمدن عید مبارک بادت عید تو ہے چاہو کرو یا نہ کرو۔ ترجمہ میں ایک پاک اور پاکیزہ لڑکے کی خوشخبری دیتا ہوں۔ اے میرے خدا پاک اولاد مجھے بخش۔ میں تجھے ایک لڑکے کی خوشخبری دیتا ہوں جس کا نام یحییٰ ہے (معلوم ہوتا ہے اس کا مطلب یہ ہو کہ زندہ رہنے والا) تو دیکھیگا کہ تیرا رب اُن مخالفوں سے کیا کریگا جو تیرے معدوم کرنیکے لیے حملے کرتے ہیں خدا اُنکو پکڑیگا اور یہ خدا کا بندہ اکیلا رہیگا اسکے ساتھ کوئی شریک ہوگا۔ حق آگیا اور باطل بھاگ گیا یعنی باطل بھاگ جائیگا۔ ایک شخص کی موت قریب ہے خدا ہر ایک بوجھ کو آپ اُٹھائیگا (اسکے معنے ابتک معلوم نہیں ہوئے۔ آیندہ خدا قادر ہے کہ تفصیل ظاہر کردے) جو شخص تیری خدمت کرتا ہے اُس نے ایسا کام کیا کہ گویا سارے جہان کی خدمت کی اور جو شخص تجھے دکھ دیتا ہے اُس نے ایسا کام کیا کہ گویا ساری دنیا کو دکھ دیا۔ اس کے بعد ایک اور الہام ہے جس کے اظہار کی اجازت نہیں۔ شاید بعد میں اجازت ہوجائے اس کا پہلا فقرہ یہ ہے۔ دیکھ میں ایک نہایت چھپی ہوئی بات پیش کرتا ہوں۔ ۲۰ نومبر ۱۹۰۷ء روز یکشنبہ کو الہام ہوا۔ ایک وبا پڑے گی۔ معلوم نہیں کہ یہ کس قسم کی وبا ہوگی۔

لنگر خانہ:۔ میں تمام احباب اور خصوصًا احمدی انجمنوں کو خصوصیت سے اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ چندہ لنگر خانہ میں بہت کمی واقع ہوگئی ہے۔ اور ادھر علاوہ گرانی نرخ کے کثرت آمد و رفت مہمانان سے اخراجات بہت بڑھ رہے ہیں۔ دسمبر کا جلسہ بھی قریب ہے۔ سب احباب توجہ کریں۔ اور جہانتک استطاعت ہو خاص طور پر اسکے لیے چندہ کریں۔

محمد علی

نقشہ اجرت اشتہارات در رسالہ ریویو آف ریلیجنز انگریزی و اُردو

میعاد	پورا صفحہ		نصف صفحہ		چوتھائی صفحہ	
	انگریزی	اُردو	انگریزی	اُردو	انگریزی	اُردو
سالانہ	للعہ	صہ	صعہ	سہ	صعہ	عہ
ششماہی	صعہ	سہ	صعہ	عہ	عہ	ععہ
سہ ماہی	صعہ	عہ	عہ	ععہ	معہ/۸	سلے
ایک دفعہ	معہ/۸	سلے	صہ	صہ	سے	سے

تمام درخواستیں بنام نائب ناظم میگزین۔ قادیان۔ ضلع گورداسپور آنی چاہییں۔

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے لو تمھیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۶ بابت ماہ دسمبر ۱۹۰۷ء نمبر ۱۲

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے - ۲۰- دسمبر ۱۹۰۷ء کو مینجر میگزین کے اہتمام سے شائع ہوا - چندہ سالانہ عہ

مندرجہ ذیل کتابیں دفتر میگزین قادیان ضلع گورداسپور سے بذریعہ قیمت طلب پیکٹ مل سکتی ہیں انکا مطالعہ مذہبی تحقیقات اور تاریخی معلومات اور مخالفین کے اعتراضات کی تردید کیلیے نہایت ضروری ہے۔ شرح فہرست کا ٹکٹ بھیجنے پر ارسال خدمت ہوگی۔

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
انوار اللہ اردو	۸ر	قاعدہ عربی اردو	۱ر	تذکرۃ الشہادتین اردو	۵ر	شہادۃ القرآن اردو	۴ر
اجرومیہ عربی	۰ر	قرآن شریف مترجم مع تفسیر حسینی	عـہ	" فارسی	۳ر	صیان القرآن "	۳ر
الذکر یعنی ترجمہ نماز و اسمائے الٰہیہ	۲ر	مسک العارف اردو	۱۰ر	تحفہ قیصرہ اردو	۲ر	کشف الغطاء "	۲ر
پارہ الٓمٓ عربی	۲ر	نشان آسمانی "	۲ر	تحفۃ الندوہ "	۱۰ر	لغات القرآن حصہ اول	عہ
پنج ارکان اسلام - اردو	۱ر	واقعات صحیحہ "	۲ر	تقریریں "	۲ر	" حصہ دوم	عہ
تفسیر جلالین عربی	عہ	یسرنا القرآن حصہ اول	۱ر	تقریروں کا مجموعہ "	۳ر	لیکچر سیالکوٹ اردو	۱ر
تفسیر فوز الکبیر - عربی فارسی	۲ر	" " دوم	۱ر	سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب "	۴ر	" لاہور ہوتسو "	۴ر
تقریر جلسہ اہب جنبی تقطیع اردو	۲ر	" " سوم	۱ر	جنگ مقدس عیسائیوں سے مباحثہ "	۶ر	مشکوٰۃ الانوار عربی	۴ر
جام شہادت - اردو	۰ر	ہدیہ ثاقب اردو	۲ر	حمامۃ البشریٰ حصہ اول عربی	۸ر	مواہب الرحمٰن "	۴ر
حمائل مترجم - فارسی	عہ	الہدیٰ عربی	۶ر	حجۃ الاسلام اردو	۱ر	مبادی الصرف	۱ر
رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب اردو	۸ر	الحق لدھیانہ اردو	۶ر	خطوط شیعہ کا جواب "	۲ر	نسیم دعوت اردو	۳ر
سلسلہ دینیہ - اردو	۰ر	" دہلی "	۸ر	خطبہ الہامیہ عربی معہ ترجمہ فارسی اردو	عہ	نور القرآن حصہ اول "	۲ر
سلاسل القرأۃ - عربی نمبر۱	۴ر	اعجاز احمدی - عربی	۳ر	خلافت راشدہ حصہ اول اردو	۸ر	" دوم "	۴ر
" " نمبر۲	۸ر	احسن الکلام اردو	-ر	" دوم "	۴ر	ہدیہ سعدیہ عربی	۲ر
" " نمبر۳	۱۳ر	ابطال الوہیت مسیح "	۱ر	خزینۃ المعارف حصہ اول دوم	۴ر	فضل حق اردو	۱ر
" " نمبر۴	۱۳ر	آیات الرحمٰن "	۸ر	" " سوم چہارم	۸ر	سیرۃ المسیح "	۸ر
آریہ دھرم اردو	۴ر	دعوت الحق "	۵ر	اعلام الناس حصہ دوم	۴ر	آسمانی فیصلہ "	۲ر
دینیات کا پہلا رسالہ "	۱ر	شرح ترمذی - نمبر۱	عہ	دعوت دہلی اردو	۱۰ر	دافع البلاء "	۱ر
طریق النجات نمبر۱	۸ر	شرح ترمذی نمبر۲	عہ	دعوت الندوہ "	۱۰ر	غنیۃ الطالب - عربی	عہ
" " نمبر۲	۸ر	احمدی کا من نظم پنجابی	۱ر	راز حقیقت "	۱ر	شفاء السقام "	عہ
" " نمبر۳	۸ر	براہین احمدیہ حصہ اول	۵ر	براہین احمدیہ حصہ چہارم*	عا	ست بچن اردو	۱۰ر
" " نمبر۴	۸ر	" " دوم	۴ر	مکمل براہین احمدیہ اردو	۳ روپے		
عسل مصفّٰی - اردو	عا ۸ر	" " سوم	۱۰ر	سرمہ چشم آریہ اردو	۱۲ر		
صبر جمیل بر قول خلیل - ایک دلچسپ نظم مولوی خلیل سہارنپوری کے اعتراضوں کے جواب میں	۰ر	مکتوبات و خطبات محمدیہ - رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط اور خطبے بڑی محنت سے جمع کر کے اردو میں ترجمہ کیے گئے ہیں۔	۴ر				

نوٹ - ان قیمتوں میں محصول ڈاک شامل نہیں

مکمل براہین احمدیہ جس میں جلد چہارم بار اول کی چھپی ہوئی ہے - ۳ روپے کو دفتر میگزین سے مل سکتی ہے۔

* براہین احمدیہ کا حصہ چہارم اصل نسخہ ہے جو حضرت اقدس نے ۱۸۸۴ء میں چھپوایا تھا۔ باقی تین حصے بڑی اہتمام سے

تمام خط و کتابت ان کتابوں کے متعلق دفتر میگزین قادیان سے ہونی چاہیئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

قرآن کریم کی حفاظت

۱۰ مسئلہ ناسخ و منسوخ

ہم پہلے نمبر میں یہ امر ثابت کر آئے ہیں کہ سارے مجموعہ احادیث میں آنحضرت سرورکائنات صلعم سے ایک حدیث بھی ایسی نہیں جس میں صراحتاً تو درکنار کنایتہً ہی اتنا لکھا ہو کہ قرآن شریف میں کوئی ایسی آیت بھی موجود ہے جو منسوخ ہو۔ یا یہ امر مذکور ہو کہ قرآن کریم میں پہلے ایک یا کئی آیتیں مندرج تھیں لیکن بعد میں منسوخ ہو جانیکی وجہ سے انکو اس میں سے خارج کر دیا گیا۔ یعنی کسی صحیح حدیث میں (جو آنحضرت صلعم تک پہنچتی ہو) یہ نہیں لکھا کہ قرآن مجید کے اندر کوئی ایک بھی آیت موجود ہے جو لفظاً یا معناً منسوخ ہو چکی ہو۔ اور نہ ہی کوئی ایسی صحیح حدیث اس بات کی مقر اور مؤید ہے کہ آنحضرت صلعم پر ایسے احکام کسی وقت نازل ہوئے تھے جو جزو قرآن تھے اور قرآن میں شامل کر دیئے گئے تھے اور پھر کچھ عرصہ بعد وہ منسوخ ہو گئے اور قرآن سے نکال دیئے گئے اس میں شک نہیں کہ بعض حدیثیں اس قسم کی موجود ضرور ہیں جن میں لکھا ہے کہ بعض صحابہؓ بعض آیات قرآنی کو منسوخ خیال کرتے تھے۔ لیکن اس قسم کے خیالات حقیقت میں آنحضرت صلعم کے قول و فعل سے ماخوذ نہ تھے بلکہ ان کے اپنے شخصی قیاس اور خیالات تھے۔ اور ان کی اپنی سمجھ پر مبنی تھے۔ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ اس بات کو بیان کر کے ہم گویا صحابہؓ کی شان اور عزت پر ہاتھ مارنا چاہتے ہیں۔ ہم سچے دل سے انکی وہی عزت کرتے ہیں جو انکا حق ہے۔ وہ پاکباز لوگ خدا کے لیے ساری دنیا سے علیحدہ ہو گئے تھے۔ اور ہر ایک ذلت اور دکھ کو انہوں نے اس کے لیے برداشت کیا تھا۔ وہ سچے جاں نثار اور صادق مخلص تھے اور آنحضرت صلعم کے پکے فدائی اور دین کے خدمتگذار تھے۔ انہیں کی کوششوں سے آج روئے زمین پر دین پھیلا ہوا ہے۔ وہ خدا سے راضی اور خدا ان سے راضی ہوا۔ اے خدا تو اس مقدس قوم صحابہؓ پر بے شمار رحمتیں نازل فرما۔ لیکن اسلام نے ہم کو شخصیت پرستی کی تعلیم نہیں دی کہ ہم کسی کی ذاتی عزت کی خاطر خدا کے دین کی کسی بات کو چھپائے رکھیں۔ پھر ان لوگوں کی عزت ہی محض دینی عزت ہی۔ اور یہی انکی ابدی زندگی پر دال ہے۔ اس لیے ہم ان تمام امور میں ان کی اتباع کرتے ہیں جو انہوں نے آنحضرت صلعم سے

سیکھ کر سن کر۔ اور ان کو عمل کرتے دیکھکر خود اختیار کیے۔ انپر ایمان لائے اور اپنے اعمال میں داخل کیا۔ اور اپنی قولی اور فعلی زندگیوں سے ہمیں ان کے اختیار کرنے اور انپر ایمان لانیکا سبق دیکر پابند کیا۔ ہم ان کی تمام خوبیوں کی اتباع اپنے اوپر واجب جانتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی ہم ان کو بشر مانتے ہیں اور جانتے ہیں کہ وہ نبیوں کی طرح معصوم نہ تھے۔ اور کسی غلطی کا ان میں سے کسی کے عقیدہ میں راہ پاجانا ناممکن نہ تھا۔ چنانچہ ان میں باہمی اختلاف ....

.... بھی ہوتے تھے۔ اور وہ ایک دوسرے کی رائے کا خلاف بھی کرتے تھے اور اُن کے اجتہادوں میں بھی اختلاف واقع ہوجاتے تھے۔ اس لیے محض کسی صحابی کا قول کسی دینی امر میں ایسی حجت نہیں کہ جس کی تردید ہم قرآن شریف یا حدیث صحیح سے نہ کرسکیں۔ لیکن اگر کسی ایسے امر پر جسکی سند خدا و رسول سے نہ ہو اور اجل صحابہؓ متفق ہوں اور اکثر دوسرے ایسے امر کے عملدرآمد یا اظہار پر خاموش ہوں تو اسکو بھی ماننا ہم اپنی ذمہ واری میں داخل سمجھتے ہیں۔ لیکن جہاں کسی ایسے امر میں ایک صحابی کے ساتھ کوئی دوسرا صحابی متفق نہ ہو۔ اور اس امر میں دین الٰہی میں حرج صریح ظاہر ہو تو اس حالت میں ہم بغیر دلایل کے ایک بات کو تسلیم نہیں کرسکتے ہاں یہ بات درست ہے کہ وہ لوگ دین خدا اور کلام الٰہی کو بوجہ مصاحبت آنحضرت صلعم بہت زیادہ سمجھتے تھے۔ لیکن اس بات کی مخالفت کوئی بھی نہیں کرسکتا کہ وہ بشر تھے اور بشریت سے جدا نہ تھے۔ اور یہ بھی ممکن نہیں کہ بجز رسول خدا کے دین کی کامل جزئیات پر کوئی شخص پورے طور سے حاوی ہو۔ ہم مثال کے طور پر اسی مسئلہ ناسخ و منسوخ کو پیش کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جس کا نشان نہ تو قرآن شریف میں پایا جاتا ہے اور نہ آنحضرت صلعم سے کوئی ذرہ اسکی نسبت نظر آتا ہے۔ بلکہ جس کسی ایک آیت پر کسی ایک صحابی کو اس کے منسوخ ہونیکا خیال پیدا ہوا تو اس کے ساتھ کمتر ہی کوئی دوسرا صحابی متفق ہوا بلکہ ایک آیت کو ایک صحابی نے منسوخ سمجھا تو دوسرے نے اس کی تردید کی اور معنوں میں تطبیق کرکے دکھائی۔ پھر ایسا قول جس میں کسی آیت کو منسوخ کہا گیا ہے اگر حضرت ابو بکرؓ یا حضرت عمرؓ یا حضرت عثمانؓ یا حضرت علیؓ کا ہوتا تو بھی کوئی بات ہوتی۔ علاوہ ازیں یہ بھی مقام غور ہے کہ قرآن مجید وہ کتاب ہے جس کی نسبت اللہ تعالیٰ فرمایا بل ھو قرآن مجید فی لوح محفوظ اور انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون یعنی یہ قرآن مجید لوح میں محفوظ ہے اور اس کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ کو ایسی بڑی غیرت ہے کہ کسی بشر کو اس کے لیے اہل نہ بنایا۔ اور نہ کسی غیر پر اس کی حفاظت کا ذمہ ڈالا۔ بلکہ خود اس سرکار احدیت مدار غفار ستار نے اس مقدس و مجید قرآن کی حفاظت اپنے حیّ و قیوم ہاتھ میں رکھی۔ اصل بات صرف اسقدر ہے کہ بعض آیات کے معنوں میں تطبیق سے عاجز آکر کسی صحابی نے یہ بھی خیال کرلیا کہ ان میں سے ایک آیت منسوخ ہوچکی ہے اور اس بات کی طرف توجہ نہیں کی کہ اس سے کس قدر نقص لازم آتے ہیں۔

ناسخ و منسوخ کے قائل اپنے دعویٰ کی دلیل میں دو آیتیں قرآن کریم کی پیش کرتے ہیں اس حصہ مضمون میں ہم انہی دونوں آیتوں کے معنوں پر بحث کریں گے اور یہ دکھائیں گے کہ ان آیات سے قرآن کریم میں نسخ کا استدلال پکڑنے میں کیسی غلطی کیگئی ہے

وہ آیات یہ ہیں۔ (۱) ماننسخ من اٰیۃ او ننسھا نأت بخیر منھا او مثلھا۔ الم تعلم ان اللہ علیٰ کل شیئٍ قدیر۔ ترجمہ۔ جو آیت ہم منسوخ کرتے یا فراموش کراتے ہیں اس کی بجائے یا تو اس سے بہتر اور یا اس جیسی آیت لاتے ہیں کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہر شئے پر بڑا قادر ہے۔ (۲) و اذا بدلنا اٰیۃ مکان اٰیۃ واللہ اعلم بما ینزل قالوا انما انت مفتر بل اکثرھم لا یعلمون۔ ترجمہ۔ اور جب ہم ایک آیت کو دوسری آیت کی جگہ بدلتے ہیں۔ اور خدا خوب جانتا ہے جو وہ نازل کرتا ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ تم مفتری ہو (مگر ایسا نہیں) بلکہ اکثر ان میں ایسے ہیں جو کچھ بھی نہیں جانتے۔ یہی دو آیتیں ہیں جو مسئلہ ناسخ و منسوخ کے حامی اپنی حمایت اور تائید میں پیش کرتے ہیں۔ اور انکو معنے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان دونوں میں قرآن شریف کی آیتوں کا بدلنا اور منسوخ ہونا مراد ہے۔ لیکن سیاق و سباق کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے جو معنے اختیار کیے ہیں وہ صحیح نہیں۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں آیتوں میں لفظ آیت متنازعہ فیہ ہے۔ اگرچہ عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ آیت سے مراد صرف قرآن شریف کے جملے یا قرآن شریف کی آیات ہیں لیکن دراصل اس کے معنے اسی حد تک محدود نہیں۔ یہ لفظ وسیع المعانی ہے۔ آیت کے اصل معنے علامت کے ہیں۔ اور آیت قرآن سے مراد اس قدر حصہ کلام الٰہی کا ہے جس پر کلام منقطع ہوتا ہو۔ اور اسی طرح یہ لفظ آیت کسی دوسری کلام یا کتب الٰہی کی آیات کو ظاہر کرتا ہے اور آیت سے مراد حکم بھی ہے خواہ وہ حکم ایک ہی آیت قرآنی میں ہو یا کسی سورۃ کی ایک فصل یا زیادہ فصلوں میں ہو اور آیت کے معنے رسالت کے بھی ہیں۔ اور معجزہ بھی اس کے معنے ہیں۔

اس بحث میں امر تنقیح طلب یہ ہے کہ ان دونوں آیتوں میں لفظ آیت کے کیا معنے ہیں؟ اوّل ہم یہی فرض کرتے ہیں کہ اس جگہ یعنی مذکورہ بالا دونوں آیتوں میں لفظ آیت سے مراد قرآن کریم کی آیات یا جملے ہی ہیں اب دونوں جگہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ ایک آیت کو منسوخ کر کے یا اسکو بدل کر اس کی جگہ دوسری آیت نازل کرتے ہیں پس آیت سے مراد آیت قرآنی لیکر بھی نتیجہ صرف یہ نکلتا ہے کہ ان دونوں مقاموں میں اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ قانون بیان فرمایا ہے کہ کوئی آیت منسوخ اس طرح پر ہوتی ہے کہ اس کی جگہ ایک دوسری آیت بھیجدی جاتی ہے۔ پس ان معنوں کی رو سے اس صحیفہ مبارک میں جو ہمارے ہاتھوں میں ہے کوئی آیت منسوخ موجود نہیں ہو سکتی کیونکہ اگر کوئی آیت بفرض محال منسوخ بھی ہوئی تو وہ منسوخ شدہ آیت قرآن کریم میں باقی نہیں بلکہ اس کی جگہ ایک دوسری آیت نازل فرمائی گئی۔ پس بہرحال یہ تو ماننا پڑا کہ خواہ کچھ ہی معنے لفظ آیت کے لیے جائیں یہ خیال کہ قرآن شریف میں کچھ منسوخ آیتیں موجود ہیں بالکل غلط ثابت ہوتا ہے۔ اب اگر ایسی کوئی منسوخ آیتیں تھیں تو حدیث صحیح سے ہی انکا پتہ لگنا چاہیئے۔ مگر جیسا کہ ہم گذشتہ مضمون میں بسط اور تفصیل کے ساتھ دکھا چکے ہیں کسی صحیح حدیث سے کسی ایسی آیت قرآنی کا پتہ نہیں لگتا جو پہلے قرآن کریم کے اندر درج تھی اور بعد میں منسوخ کر کے نکال دی گئی اور اس کی جگہ ایک دوسری آیت نازل کر دی گئی پس معلوم ہوا کہ صحیح حدیث لفظ آیت کے ان معنوں کی تائید نہیں کرتی جو ہم نے بغرض دلیل تسلیم کر لیے تھے۔ کیونکہ اگر کچھ آیات منسوخ

ہو کر اس کی بجائے فلاں آیت نازل ہوئی۔ اس لیے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ مراد آیت قرآنی لینا درست نہیں۔
اس کے ماسوا ان دونوں آیتوں کے یہ معنے جو مؤید نسخ آیات قرآنی سمجھے جاتے ہیں سیاق وسباق اور ربط وضبط عبارت و مضمون سے بھی غیر صحیح قرار پاتے ہیں۔ مثلاً پہلے اگر آیت ما ننسخ من اٰیۃ الخ ہی لی جائے جو پارہ اول کے تیسرے ربع کے اخیر میں ہے تو وہاں اس سے پہلے جو آیت واقع ہے اس میں یہودیوں کی عداوت کا مذکور ہے اور ان کے اس خیال کی تغلیط درج ہے کہ الہام بجز بنی اسرائیل کے کسی اور کو نہیں دیا جا سکتا۔ اسی طرح اس کے بعد کی آیتوں میں بھی اسی قسم کا مضمون درج ہے۔ پھر دوسری آیت جو اس مسئلہ کی تائید میں پیش کیجاتی ہے واذا بدلنا اٰیۃ مکان اٰیۃ الخ (النحل ع) اس آیت کو بھی اگر بغور دیکھا جائے تو ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ ایک نئے رکوع کی ابتدائی آیت ہے۔ اور اس کے بعد کی متصلہ آیات میں یہ مضمون چلتا ہے کہ قرآن شریف خدا کی طرف سے ضرورت حقہ کے ساتھ نازل ہوا ہے۔ آنحضرت صلعم کا خود ساختہ اور تصنیف کردہ کلام نہیں۔ گویا مضمون مابعد سے یہ امر کسی طرح پایا نہیں جاتا کہ یہاں آیت کے بدلنے سے مراد قرآنی آیت ہے۔

اب ہم لفظ آیت کے وہ صحیح معنے دریافت کرنیکی کوشش کریں گے کہ جو سیاق وسباق آیات کے لحاظ سے بھی صحیح ثابت ہوتے ہیں۔ اس غرض کے لیے ہم آیت زیر بحث کے ساتھ ماقبل یا مابعد کی چند آیات کو بھی نقل کرتے ہیں تاکہ تمام آیات پر یکجائی نظر کرنے سے اصل معنوں پر روشنی پڑے۔ ہم اس طریق کو اس ترتیب سے شروع کرتے ہیں کہ ان دونوں میں سے جو آیت پہلے آئی ہے اسے پہلے لکھتے ہیں اور جو بعد میں آئی ہے اس کو پیچھے لکھتے ہیں۔ چنانچہ ہم آیت ما ننسخ من اٰیۃ الخ کو پہلے لیتے ہیں۔ سو واضح رہے کہ یہ آیت سورۃ البقرہ ع کی تیسری آیت ہے اور پہلے پارہ میں ہے۔ (۱) مایود الذین کفروا من اھل الکتٰب و لا المشرکین ان ینزل علیکم من خیر من ربکم ۚ واللہ یختص برحمتہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔ ترجمہ۔ جو لوگ اہل کتاب میں سے منکر ہیں نہ تو وہ ہی دل سے چاہتے ہیں۔ اور نہ ہی جو لوگ مشرک ہیں پسند کرتے ہیں کہ تم پر تمہارے رب سے کچھ نیک بات اترے۔ اور اللہ اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے خاص بنا دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ (۲) ما ننسخ من اٰیۃ او ننسھا نات بخیر منھا او مثلھا ؕ الم تعلم ان اللہ علٰی کل شیئٍ قدیر۔ ترجمہ۔ جو منسوخ کرتے ہیں ہم کسی آیت میں سے یا اس کو بھلا دیتے ہیں تو پہنچا دیتے ہیں ہم اس سے بہتر یا اس جیسی۔ کیا تم کو معلوم نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۳) الم تعلم ان اللہ لہ ملک السمٰوات والارض ؕ وما لکم من دون اللہ من ولی و لا نصیر۔ ترجمہ۔ کیا تم کو معلوم نہیں کہ آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کی ہے۔ اور اللہ کے سوائے تمہارا کوئی حامی اور مددگار نہیں۔ (۴) ام تریدون ان تسئلوا رسولکم کما سئل موسٰی من قبل ؕ و من یتبدل الکفر بالایمان فقد ضل سواء السبیل۔ ترجمہ۔ اے مسلمانو! کیا تم بھی چاہتے ہو کہ سوال

شروع کرو اپنے رسول سے جیسے سوال ہو چکے ہیں پہلے موسیٰ سے اور جو کوئی کفر کو ایمان کے بدلے لیوے وہ بھولا سیدھے راہ سے۔ (۵) ود کثیر من اھل الکتٰب لو یردونکم من بعد ایمانکم کفارا حسدا من عند انفسھم من بعد ما تبین لھم الحق فاعفوا و اصفحوا حتی یأتی اللہ بامرہ ان اللہ علیٰ کل شئ قدیر۔ اہل کتاب میں سے بہتوں کا دل ہی چاہتا ہے کہ تم کو ایمان لانیکے بعد مرتد کرکے کافر بنادیں اپنے نفسوں ہی کے حسد سے۔ بعد اس کے کہ کھل چکا انپر حق سو تم درگذر کرو اور خیال میں نہ لاؤ جب تک کہ لاوے اللہ اپنے امر کو تحقیق اللہ ہر شے پر قادر ہے۔ مفسرین میں سے جو لوگ اس عقیدۂ ناسخ و منسوخ پر قایم ہوئے ہیں وہ یہ لکھتے ہیں کہ آیت زیر بحث اُس وقت نازل ہوئی تھی جب یہودی لوگ اس ناسخ و منسوخ کے عقیدہ کی مذمت میں حد سے تجاوز کر گئے تھے۔ پس آیت ان کے طعن و تشنیع کے جواب میں نازل ہوئی تھی۔ چنانچہ اس کی تائید میں وہ ایک حدیث بھی پیش کرتے ہیں کہ "یہودی لوگ مسلمانوں کو سخت طعن و تشنیع کرتے تھے اور کہتے تھے کہ کیا تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ تم کو ایک کام کا حکم سناتا ہے اور پھر اسی حکم کردہ کام سے ممانعت کرتا ہے۔ اور پہلے حکم کے برخلاف ایک نیا حکم دیدیتا ہے۔ وہ ایک بات آج کہتا ہے اور دوسرے دن ہی اس کو بدل ڈالتا ہے"۔ دراصل ایک یہی حدیث ہے جس کو مدنظر رکھکر ان لوگوں نے اس آیت کے یہ معنے سمجھ رکھے ہیں کہ گویا اس سے قرآن شریف کی آیات کا منسوخ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ لیکن جس طرح شان نزول کے متعلق بہت سی احادیث قابل اعتبار نہیں یہی حال اس حدیث کا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے مسئلہ ناسخ و منسوخ کا عقیدہ دل میں جاکر پھر اسپر حدیثی ثبوت کا رنگ چڑھانے کے لیے یہ حدیث بنائی گئی ہے کیونکہ یہ واقعہ ہی غلط معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں نے ناسخ و منسوخ اوامر و نواہی کے متعلق مسلمانوں کو طعن و تشنیع کیا ہو۔ وہ خود ہی عقیدہ ناسخ و منسوخ کا رکھتے تھے اور اس کو عیب نہ جانتے تھے۔ ایسی حالت میں ان کی زبانِ تشنیع کیسے کھل سکتی تھی۔ نہ تو ان کے طریق و راہ رسم سے ہی ایسا پایا جاتا ہے کہ وہ مسئلہ ناسخ و منسوخ کے متعلق مسلمانوں پر طعن کرتے اور نہ ہی تاریخی شہادت اس بات کو ثابت کرتی ہے۔ اس کے ماسوا جبکہ قرآن کی کوئی آیت کبھی منسوخ نہ ہوئی ہو اور کوئی آیت ناسخ نہ بنی ہو۔ تو کونسا موقعہ ایسا سمجھا جاسکتا ہے کہ جس میں یہودیوں کے دلوں میں مسلمانوں کو اس مسئلہ کے بارہ میں تشنیع کرنیکا خیال پیدا ہوسکتا۔ اور اگر بالفرض کوئی آیت یا آیات قرآنی واقع میں منسوخ اور ناسخ ہوتیں تو بھی یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ کیونکر یہودی لوگ جو خود ہی اس کے ملزم تھے مسلمانوں کو اسی الزام کا تختۂ مشق بناتے۔ شاید کسی کے دل میں یہ گذرے کہ اس بات کا ثبوت ہی کیا ہے کہ یہودی مسئلہ ناسخ و منسوخ کے قائل تھے۔ سو واضح رہے کہ یہ بات ایسی صریح الثبوت ہے کہ جسپر کوئی شک وارد ہو ہی نہیں سکتا۔ ہم نے صرف قیاسی طور پر یہ بات نہیں لکھی۔ ہمارے پاس کافی شہادت اس بات کے ثبوت میں موجود ہے۔ غالباً ہمارے ناظرین جانتے ہوں گے کہ یہودیوں کی مسلم اور مستند دینی کتاب طالمود ہے۔ جس میں موسوی شریعت کے احکام مندرج ہیں اور جو ان لوگوں کی اکثر

مسائل شرعیہ میں رہنما کتاب ہے۔ اور جس پر قریباً تمام یہودیوں کا اتفاق ہے۔ اس کتاب میں ناسخ و منسوخ کے عقیدہ کی تعلیم موجود ہے۔ چنانچہ راڈول ایک فاضل عیسائی جس نے قرآن شریف کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ اس نے جہاں آیت زیر بحث کا ترجمہ کیا ہے وہاں اس کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ "مسئلہ ناسخ و منسوخ کی تعلیم طالمود میں بھی موجود ہے"۔ یہ غور کا مقام ہے کہ حدیث مذکورہ بالا کی بنا تو صرف اس بات پر ہے کہ یہودی لوگ مسئلہ ناسخ و منسوخ کے متعلق مسلمانوں کو ملزم کیا کرتے تھے۔ لیکن ہم نے اوپر واضح کر دیا ہے کہ یہودی آپ ہی اس مسئلہ کے قائل اور سخت حامی تھے۔ اور انکی اعلیٰ درجہ کی کتب میں اس مسئلہ کی بڑے زور سے تعلیم دی گئی تھی۔ ان کی نسبت یہ گمان کرنا کہ گویا وہ مسلمانوں کو اس مسئلہ کے لیے طعن کیا کرتے تھے صریح غلطی ہے۔ اور ساتھ ہی اس کے جب ہم دیکھتے ہیں کہ تاریخ کے اوراق میں اس کی کہیں شہادت ہی نہیں تو پھر ایسے گمان کا بطلان اور بھی پختہ ہو جاتا ہے۔ اب یہ حدیث جو اس آیت کے لیے گویا بطور شان نزول پیش کی جاتی ہے اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ قرآن کریم کی آیات میں اس کثرت سے تنسیخ و ترمیم ہوتی تھی کہ بعض احکام جو آج لوگوں میں شایع کیے گئے دوسرے دن ہی ان کو منسوخ کر ڈالا گیا۔ اور ان کی بجائے نئے اوامر بھیجے گئے۔ اگر فی الواقعہ قرآن شریف کی آیات اسی طرح منسوخ اور مرمم ہوتی تھیں جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہو رہا ہے تو کیا پھر یہی ایک حدیث ایسے اہم اور ضروری امر پر وارد ہوتی جو ایسی کثرت سے واقع ہوتا تھا۔ بلکہ یہ ضرور تھا کہ اس کے متعلق اور بھی بہت ساری حدیثیں ہوتیں۔ اور صحیح حدیثوں میں اس کا مذکور ضرور ہوتا۔ لیکن ساری اسلامی کتب میں آنحضرت صلعم سے ایک حدیث بھی ایسی پائی نہیں جاتی جس میں لکھا ہو کہ قرآن شریف کی کوئی آیت منسوخ ہو گئی تھی۔ جب اس بات پر غور کیا جاتا ہے کہ کوئی ایک بھی ایسی حدیث نہیں جو کسی قرآنی آیت کے منسوخ ہونیکی تائید کرتی ہو۔ تو فوراً یہ قیاس غالب ہو جاتا ہے کہ یہ حدیث ہی وضعی اور جھوٹی ہے۔ کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں کہ آنحضرت صلعم قرآن کریم کی آیات اور امر کو آئے دن منسوخ اور ترمیم کرتے رہتے ہوں۔ اور اس کا ذکر کسی حدیث میں نہ ہو۔

یہانتک تو ہم نے آیت زیر بحث کے شان نزول کا فیصلہ کر دیا ہے۔ اب ہم اس کے صحیح مفہوم کے دریافت کرنیکی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو اس کے سیاق و سباق سے ثابت ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس آیت سے پہلے جو آیت قرآن شریف میں مرقوم ہے اس میں ان یہودیوں کا حال خصوصیت کے ساتھ لکھا ہے جن کا ذکر اس سے پہلی آیتوں میں آیا ہے کہ وہ صرف اسی وحی یعنی کتاب منزل من اللہ کو مانتے تھے جو انپر یعنی بنی اسرائیلی نبیوں پر نازل ہوئی تھی۔ اور آنحضرت صلعم کی وحی سے منکر تھے۔ غرض اوپر یہودیوں کے تعصب اپنے خودپسندی اور غرور کا ذکر ہے اور دکھایا گیا ہے کہ یہ لوگ ایسے تنگ ظرف اور کوتاہ نظر ہیں۔ اور خدا کی خدائی کو ایسا محدود اور محصور سمجھتے ہیں اور اُس کو ایسا قوم پرست اور طرفدار جانتے ہیں کہ سوائے ان کی قوم بنی اسرائیل کے الہام الٰہی کے نزول کے لیے کسی غیر بنی اسرائیل کو اہل ہی نہیں سمجھتا۔ اور کسی کو بجز یہودی نبیوں کے وہ الہام کے شرف سے مشرف نہیں فرماتا اور کسی غیر بنی اسرائیل کو اس عزت سے ممتاز نہیں فرماتا۔ وہ

لوگ اس عقیدہ میں ایسے غالی ہو گئے تھے کہ آنحضرت صلعم کی وحی کے بھی منکر تھے۔ ان لوگوں نے الہام الٰہی کو اسرائیلی گھرانے کے لیے پیٹنٹ سمجھ رکھا تھا۔ اور یہ دیکھ ہی نہ سکتے تھے کہ کوئی غیر اسرائیلی وحی الٰہی کا شرف پائے۔ ان کے دل چاہتے ہی نہ تھے کہ کوئی بھلائی کسی دوسرے کو نصیب ہو۔ اور کوئی شرف کسی غیر اسرائیل کو حاصل ہو۔ چنانچہ اس کے بعد کی آیت میں انکے دلوں کی حالت بیان کی گئی ہے کہ وہ دل سے چاہتے ہی نہیں کہ کوئی بھلائی تم کو پہنچے'' یعنی تمھیں بھی الہام الٰہی کی عزت ملے۔ دراصل جس لفظ کا ترجمہ ہم نے بھلائی کیا ہے وہ قرآن شریف کی آیت میں لفظ خیر ہے۔ خیر کے معنے ہی اس جگہ وحی الٰہی کے ہیں۔ اور یہی معنے لفظ رحمت کے ہیں۔ واللہ یختص برحمتہ من یشاء کے معنے یہ ہیں کہ خدا جس شخص کو پسند کرتا ہے اپنے فیضان وحی سے مستفیض کرنیکے لیے مخصوص اور منتخب کر لیتا ہے۔ یہی معنے سیاق وسباق عبارت سے سمجھ میں آتے ہیں اور اسی پر مفسرین کا اتفاق ہے۔ اہل کتاب کو نفس وحی تو بُرا نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اُنہیں تو یہ بات ناگوار گذرتی تھی کہ آنحضرت صلعم جو اسمٰعیلی ہیں اس شرف سے کیوں مشرف ہوئے۔ چنانچہ امام رازی بھی یہی معنے اسجگہ لکھتے ہیں کہ انکو یہ بات نہ بھاتی تھی کہ تم یعنی اہل عرب جو بنی اسمٰعیل ہیں اس فیضان عظیم سے ممتاز ہوں۔ بلکہ اس کا حق بنی اسرائیل کے لیے مخصوص اور پیٹنٹ رہنا چاہیے تھا۔ غرض اس قسم کے واقعات اسوقت بنی اسرائیل اور بنی اسمٰعیل میں پیدا ہو رہے تھے۔ اور بنی اسرائیل اپنے سروں میں یہی گھمنڈ لیے بیٹھے تھے کہ ہماری قوم ہی ہمیشہ کے لیے مکالمہ اور الہام الٰہی کے شرف کے لیے مخصوص ہے مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ لوگ اس فضل کے اہل نہ رہے تھے۔ خدا نے ایک اور قوم کو مختص اور ممتاز کر لیا تھا۔ اور آیت ماننسخ من ایۃ الخ میں اس بات کا کھلے طور سے ذکر کر دیا کہ یہودی لوگ جو اس قدر رگیں پھلا پھلا کر کہہ رہے ہیں کہ اس فضل الٰہی کا سوائے ہماری قوم کے کسی کو حق ہی نہیں پہنچتا۔ یہ بات انکی غلط اور باطل ہے۔ ہم تو جب چاہتے ہیں کسی شریعت کو منسوخ کر دیتے ہیں اور اس کی یاد ہی دنیا سے اُٹھا دیتے ہیں اور اس کی بجائے ویسا ہی سلسلہ یا اس سے بھی بہتر سلسلہ قایم کر دیتے ہیں۔ یہ ایک طبعی سلسلۂ حالات ہے جس کو آیت مذکورہ بالا نے اپنے الفاظ میں ادا کیا ہے۔ کہ ہم نے بنی اسرائیل کے سوا ایک اور قوم میں اہلیت دیکھکر ان کو شرف الہام سے ممتاز کیا ہے اور بنی اسرائیل کا نام صفحہ ہستی سے مٹا دیا ہے یہانتک کہ ان کی شریعت کی بجائے نئی شریعت دیدی ہے۔ اسے پہلی آیت میں یہ امر واضح کیا گیا ہے کہ بنی اسرائیل جو یہ گمان پکائے بیٹھے ہیں کہ ان کی قوم سے باہر کوئی شخص مکالمہ و مخاطبہ الٰہی سے مشرف نہیں ہو سکتا یہ ان کی غلطی ہے خدا تو اپنے بندوں میں سے بلاقید قومیت جسے چاہتا ہے اسے اس فیض عظیم کے لیے چُن لیتا ہے۔ یہ آیات بنی اسرائیل کی غلط خیالیوں کو رفع کرنے اور ان کے اعتراضوں کا جواب دینے اور فضل الٰہی کا کسی قوم سے مخصوص نہ ہونے بلکہ یہ ظاہر کرنیکے لیے نازل ہوئیں کہ خدا رب العالمین ہے اُس کا فضل عام ہے جسے چاہتا ہے اس کے لیے منتخب کر لیتا ہے۔ جب اُنکی غلطی کا اس طرح ازالہ واللہ یختص برحمتہ من یشاء کے ساتھ کیا گیا۔ اور اُن کو کھول کر بتا یا گیا کہ آنحضور سرورِ کائنات صلعم اور انکی

امت کو اللہ تعالیٰ نے اس فضل عظیم کے لیے مختص اور منتخب کرلیا ہے۔ تو پھر یہ بات واضح کرنی ضروری تھی کہ جس شریعت (موسوی) پر ان کو ناز ہے وہ شریعت بھی منسوخ کردی گئی۔ اور اس کی بجائے شریعت محمدی نازل کی گئی۔ اور یہ بات بیان فرمائی کہ ہم نے شریعت کو یونہی بیفایدہ منسوخ نہیں کیا۔ بلکہ ہم جب آیت کو منسوخ کرتے یا فراموش کراتے ہیں تو اس کی بجائے ضرور اس سے بہتر یا کم از کم اس جیسی آیت نازل کردیتے ہیں۔ غرض آیت ما ننسخ من اٰیۃ او ننسھا الخ میں آیت کے معنے شریعت ثابت ہوتے ہیں اور جس شریعت کے منسوخ ہونے کی طرف اشارہ ہی وہ شریعت موسوی ہے۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت مذکورہ بالا میں ناسخ آیات کے دو درجے رکھے گئے ہیں۔ پہلا درجہ تو یہ ہے کہ جو آیت منسوخ یا فراموش کرائی جاتی ہے اس کی بجائے اس سے بہتر آیت نازل کیجاتی ہے۔ اور دوسرا درجہ یہ ہے کہ اس آیت کی بجائے اس جیسی آیت نازل ہوتی ہے۔ لفظ آیت جو اس مقام پر واقع ہوا ہے اس کے معنوں کو زیادہ وضاحت سے سمجھنے کے لیے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اگر ہم اس جگہ اس سے قرآنی آیت ہی مراد لیں تو اس ایک آیت کو منسوخ کرکے اس کی جگہ ویسی ہی دوسری آیت بھیجنے سے کیا مطلب ہوا؟ ظاہر ہے کہ یہ ایک بے معنی سی بات ہوجاتی ہے کہ خدا ایک آیت قرآنی نازل فرماتا ہے پھر اس کو منسوخ کرکے اس جیسی ایک اور آیت نازل کرتا ہے۔ لیکن اگر آیت سے مراد اس جگہ پہلی شریعت کو لیا جاوے تو یہ دقت نہیں رہتی اور آیت کے معنے واضح ہوجاتے ہیں۔ قرآنی احکام موسوی شریعت کے لحاظ سے دو قسم کے کہلا سکتے ہیں۔ اول ایسے احکام جنہوں نے پہلے احکام کو منسوخ کیا اور ان کی بجائے ان سے بہتر احکام دیئے اور دوسرے ایسے احکام جن کو منسوخ کرکے ان جیسے احکام نازل فرمائے۔ پہلی قسم کے احکام تو ایک ظاہر بات ہے شریعت موسوی میں بلحاظ ضروریات زمانہ اور قوم کے ایک خاص حکم دیا گیا تھا اب ان ضروریات کے بدل جانے سے اللہ تعالیٰ نے اس کی بجائے ایک بہتر حکم نازل کیا جو ہمیشہ کے لیے اور ہر حال پر حاوی ہے۔ مگر شریعت موسوی میں ایسے احکام بھی تھے جو ہر زمانہ اور ہر قوم کے لیے ہو سکتے تھے پس ایسے احکام کو خدا نے شریعت قرآنی میں بھی رکھا جیسے قرآن شریف میں لکھا ہے یا ایھا الذین اٰمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم۔ یعنی اے ایمان والو تم پر روزہ اسی طرح واجب کیا گیا ہے جس طرح ان لوگوں پر واجب تھا جو تم سے پہلے تھے جس کا مطلب یہی ہے کہ جیسے پہلی شریعت (موسوی) پر چلنے والوں کے لیے واجب تھا ویسے ہی مسلمانوں پر بھی روزہ واجب کیا گیا ہے پس جب شریعت موسوی منسوخ ہوئی تو جو احکام اس میں ایسے تھے جو ہمیشہ کیلیے ہر زمانہ پر حاوی ہونے چاہییں ان کی مثل قرآن کریم میں احکام نازل فرمائے گئے۔ اس طرح سے ان الفاظ کا مطلب واضح ہوجاتا ہے کہ ہم ایک آیت کو منسوخ کرکے اس کی جگہ اس سے بہتر یا ایسی ہی آیت نازل کرتے ہیں لیکن اگر آیت کے یہ معنے نہ لیے جائیں تو یہ فقرہ بے معنی ہوا جاتا ہے۔

اس امر پر زیادہ روشنی ڈالنے کے لیے ہم اسجگہ پر شریعت موسوی کی حقیقت پر ذرا غور کرتے ہیں۔ یہ شریعت بھی الٰہی شریعت تھی جو وحی الٰہی کے ذریعہ سے قایم ہوئی تھی۔ اس کی بنا دو حصوں پر تھی۔ ایک حصہ تو اس میں ایسے احکام تھے جو عالمگیر اور مستقل تھے اور دوسرے حصہ میں مختص القوم اور مختص الزمان احکام تھے۔ یعنی اس شریعت میں بعض احکام ایسے تھے جنپر تمام دنیا کے لوگ ہمیشہ اور مستقل طور پر عملدرآمد کر سکتے تھے۔ اور اکثر احکام وہ تھے جو بنی اسرائیل کے لیے مخصوص تھے اور جن پر ان حالات کے روسے عمل کرنا انپر مؤکد کیا گیا تھا جو انپر مقامی اور زمانی ضروریات کی وجہ سے وارد تھے۔ اس لیے قرآن شریف کے نزول سے پہلی قسم کے احکام تو بحال رہے یا بالفاظ دیگر ان جیسے احکام اس شریعت میں بھی نازل ہوئے لیکن دوسری قسم کے احکام مطلق طور پر منسوخ ہوگئے اور انکی بجائے بہتر احکام نازل ہوگئے۔ یہ ایک ایسا طبعی سلسلہ ہے کہ فی الحقیقت ہر ایک شریعت جو کسی پہلی شریعت کو منسوخ کرکے اسکی بجائے قایم ہونیکا دعوے کرے اُس کیلیے اس راہ سے گذرنا ضروری ہے۔ اور یہی مراتب اس میں بالطبع مرعی اور مرکوز ہونے لازمی ہیں یہی وجہ تھی کہ اس آیت زیر بحث میں اسی فطری قانون کا بیان کیا گیا ہے مگر اس میں کسی ناسخ و منسوخ شریعت کا نام نہیں ظاہر کیا گیا۔ یہ معنے آیت کے سیاق و سباق کے لحاظ سے ایسے صاف ہیں کہ انپر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوسکتا۔ اگر یہ کہا جائے کہ آیا لفظ آیت کا استعمال ان معنوں میں محاورۂ عرب کے روسے صحیح ثابت ہوتا ہے؟ تو ہم کہتے ہیں کہ بیشک محاورۂ عرب کے لحاظ سے یہ معنے لفظ آیت کے صحیح ہیں بلکہ یہی معنے اس کے لفظ آیت کے وسیع مفہوم میں داخل ہیں اور لغت کے حوالہ سے ہم اوپر دکھا چکے ہیں۔ کہ لفظ آیت کے معنوں میں رسالت حکم وغیرہ معانی داخل ہیں۔ اور یہ تو ایک مسلم بات ہے کہ لفظ آیت جسطرح قرآن شریف کی آیات پر بولا جاتا ہے پہلی آسمانی کتب کی آیات پر بھی عام طور پر بولا جاتا ہے۔ اسجگہ مخاطب اہل کتاب یعنی یہودی لوگ ہیں اور انہی کو یہ کہا گیا ہے کہ تم قرآن شریف کے وحی ہونیسے انکار کر رہے ہو حالانکہ اگر کوئی آیت جو پہلے ہم نے نازل کی تھی اب منسوخ ہوگئی ہے تو اسکی بجائے اس سے بہتر یا اس جیسی آیت ہم نے اور بھی تو نازل کردی ہے پس پہلی کتب کو منزل من اللہ مانکر تم اس کتاب الٰہی سے کیونکر انکار کرسکتے ہو جس کی کوئی آیت تمھاری پہلی کتابوں کی آیات سے کم درجہ کی نہیں بلکہ ان جیسی یا ان سے بھی بہتر ہے۔ ایسا ہی جو آیات آیت زیر بحث کے بعد میں ہیں ان سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ ان آیات قرآنی میں اہل کتاب کو انکے اس خیال کی وجہ سے کہ وحی الٰہی بنی اسرائیل سے باہر کسی کو نہیں ہوسکتی ملزم کیا گیا ہے۔ اگلی ہی آیت میں اللہ تعالیٰ اس ضرورت کو ظاہر فرماتا ہے کہ وہ خدا ساری زمین کا خدا ہے اور ایک ہی قوم کا خدا نہیں کہ ہمیشہ اسی کے ساتھ تعلق رکھے۔ الم تعلم ان اللہ لہ ملک السموات والارض۔ اے مخاطب! کیا تو نہیں جانتا کہ آسمانوں اور زمین کُل کی سلطنت خدا کیلیے ہی ہے۔ یعنی خدا کوئی قومی بادشاہ نہیں کہ ایک قوم کو دوسری پر ترجیح دے۔ اسکی سلطنت ساری زمین پر ہے جب تک بنی اسرائیل میں نیکی اور راستبازی تھی تب تک اس قدوس کا تعلق بھی ان سے تھا اور وہ انسے ہمکلام ہوتا تھا اب اس نے اپنی سلطنت میں سے اپنے کسی اور بندہ کو ممتاز فرمالیا تو تم اسپر ایسا اعتراض کیوں کرتے ہو؟

جس سے خدا کی خدائی کا ہی محدود ہونا لازم آتا ہے۔ علاوہ ازیں اس طرح پر فرمانے سے یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ اب مختص الاقوام قوانین یعنی شرائع کی ضرورت نہیں رہی۔ بلکہ وہ اپنی زمین پر جو سب اسی کا ملک ہے ایک ہی قانون رائج کرنا چاہتا ہے جس کی پیروی اس کے سب بندے کرسکیں۔ ان معانی سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ مثلہا سے کیا مراد ہے اور اگر یہ معنے نہ لیے جاویں اور اسجگہ مراد قرآنی آیات کا منسوخ ہونا لیا جاوے تو یہ ایک بے معنی بات ہوجاتی ہے کہ ہم ایک آیت کو منسوخ کرکے اس جیسی ہی دوسری نازل کر دیتے ہیں۔

ایک امر اور تشریح طلب ہے۔ اس آیت میں صرف آیات کے منسوخ کر دینے کا ہی ذکر نہیں بلکہ ان کے بھلا دینے کا بھی ذکر ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ آیات کے بھلا دینے سے کیا مراد ہے۔ اسجگہ ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ چونکہ ننسہا کی ایک دوسری قرأت ننسکہا بھی ہے اس لیے آیت سے مراد سوائے قرآنی آیات کے اور کچھ نہیں ہوسکتا کیونکہ ننسکہا کے معنے ہوئے تجھکو بھلا دیتے ہیں۔ مگر چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے توریت انجیل کی آیات تو حفظ کی نہیں تھیں جو وہ آپکو بھلا دیجاتیں بلکہ آپ کو صرف قرآنی آیات یاد تھیں اور اس لیے انہی پر بھلانیکا لفظ بھی صادق آسکتا تھا۔ یہ سارے نتائج اس بنیاد پر مبنی ہیں کہ دوسری قرأت ننسکہا ہے مگر ہم کہتے ہیں کہ اس کا ثبوت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ننسکہا پڑھنے کی اجازت بھی دی تھی۔ بخاری کی روایت میں تو صرف ایک ہی دوسری قرأت کا ذکر ہے اور وہ ننسئہا ہے جس کے معنے تاخیر میں ڈالنے کے ہیں سو وہ ہماری ہی معانی کی مؤید ہے گو ہم اس بات کے لیے بھی تیار نہیں کہ بغیر کسی حدیث سے اس بات کے ثابت ہونیکے کہ یہ قرأت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے پڑھی گئی تھی اسکو واقعی قرأت ثانیہ تسلیم کرلیں پس ایک ایسی قرأت کو جس کا ذکر کسی صحیح حدیث میں بھی نہیں ہم کیونکر ایسی معتبر تسلیم کرلیں کہ اسکی بنا پر قرآن شریف کے معنوں کو اُلٹ پلٹ کردیں۔ ننسہا تو قرآن شریف میں موجود ہے اور ساری اسلامی دنیا اسکو اسطرح پڑھتی آئی ہے۔ پس جو شخص ننسکہا کو معتبر بناتا ہے یہ بار ثبوت اُس کے ذمہ ہے کہ یہ ثابت کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قرأت کا پڑھنا یا اسکے پڑھنے کی اجازت دینا ثابت ہے۔ جب ایسا ثبوت پیش کیا جائیگا تو پھر ہم اس قرأت ثانی پر اور اس امر پر غور کریں گے کہ اس سے اصل الفاظ کے معانی پر کیا اثر پڑسکتا ہے یا اسجگہ واحد مخاطب کون ہے۔ بالفعل ایسی بحث کی ضرورت نہیں۔ ہاں اسقدر ہم یہاں ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر معترض کی سب باتوں کو بفرض محال تسلیم کرکے ہم آیت کے معنے کریں تو کیا معنی بنیں گے۔ اس صورت میں خلاصہ آیت کا یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلے ایک وحی نازل فرماتا تھا۔ پھر اسی وقت یعنی قبل اس کے کہ ایسی آیت لکھی جاوے یا صحابہؓ میں مشتہر ہووے اس آیت کو بھلا بھی دیتا تھا پھر بجائے اس کے کہ وہی آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کراوے یا دوبارہ آپ پر نازل فرماوے اس کی جگہ اسی جیسی ایک اور آیت نازل کرتا تھا۔ اب کیا کوئی سمجھدار آدمی ایسا مطلب ان الفاظ کی طرف منسوب کرسکتا ہے؟ اس ساری کارروائی کے نیچے حقیقت کیا تھی؟ اور اس سے کیا مطلب تھا کہ بجائے وہی آیت یاد دلانے کے

ایک نئی آیت اسی جیسی اور نازل کیجاتی۔ کسی صحیح حدیث میں یہ ذکر نہیں کہ کوئی آیت اسطرح پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھول گئی تھی کہ پھر اس کا کچھ پتہ نہ ملا۔ بخاری نے ایک باب نسیان القرآن پر باندھا ہے مگر اس میں اسطرح پر کسی آیت کے بھول جانیکا ذکر نہیں۔ صرف ایک ہی حدیث ہے کہ آپ نے رات کے وقت ایک شخص کو قرآن پڑھتے سنا اور فرمایا کہ فلاں سورۃ کی فلاں آیت جو مجھے بھول گئی تھی اس نے یاد دلا دی ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ بھولنا اس قسم کا نہیں۔ لیکن اگر لفظ آیت کو وسیع معنوں میں لیا جاوے تو یہ دقت نہیں رہتی کیونکہ بہت سے احکام یا آیات جو پہلے انبیاء پر نازل ہوئی تھے وہ ایک دراز مدت کے گذرنیکی وجہ سے فراموش ہو گئے تھے اور باقی تبدیل ہو گئے تھے پس اللہ تعالیٰ نے حسب مصلحت ان سے بہتر یا ان جیسے احکام یا آیات اور نازل فرمائے۔ اور اسطرح پر سب شرائع کی تکمیل شریعت محمدی میں کر کے فرمایا الیوم اکملت لکم دینکم اور یہ وہ الفاظ ہیں جو پہلے کسی شریعت کے متعلق نہ فرمائے تھے۔

اب ہم دوسری آیت کو لیتے ہیں جو قرآن شریف میں ناسخ و منسوخ ہونیکی تائید میں بیان کی جاتی ہے۔ اور دو آیتیں جو اس کے بعد آتی ہیں ان کو بھی نقل کرتے ہیں چونکہ اس آیت سے نیا رکوع شروع ہوتا ہے اس لیے پہلی آیتوں کو ہم نے نہیں لیا۔ واذا بدلنا اٰیۃً مکان اٰیۃٍ واللہ اعلم بما ینزل قالوا انما انت مفتر بل اکثرھم لا یعلمون۔ ترجمہ۔ اور جب ہم آیت کی جگہ آیت بدلتے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے اس چیز کو جو وہ نازل فرماتا ہے تو کافر کہتے ہیں تو مفتری ہے اصل بات یہ ہے کہ اکثر ان میں سے نہیں جانتے۔ قل نزلہ روح القدس من ربك بالحق لیثبت الذین اٰمنوا وھدی وبشری للمسلمین۔ ترجمہ۔ کہو اتارا ہے اسکو روح القدس نے تیرے رب کی طرف سے ضرورت حقہ کے ساتھ تاکہ ثابت کرے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور ہدایت اور خوشخبری ہے مسلمانوں کے لیے۔ ولقد نعلم انھم یقولون انما یعلمہ بشر لسان الذی یلحدون الیہ اعجمی وھذا لسان عربی مبین۔ اور تحقیق ہم جانتے ہیں کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ایک انسان اسے سکھاتا ہے جس شخص کی طرف سکھانے کی نسبت کرتے ہیں اس کی بولی تو عجمی ہے اور یہ صاف عربی زبان ہے + اگر ہم اسجگہ آیت کا مطلب صرف ایک جملہ ہی لیں۔ تو ہر ایک پہلی کتاب کا ایک جملہ ایک آیت کہلا سکتا ہے۔ پس اس آیت زیر بحث کے معنے یہ ہوں گے کہ کسی پہلی کتاب الہامی کی ایک آیت قرآن شریف کی کسی آیت سے منسوخ ہوئی اور بس۔ لیکن سیاق و سباق اور متن آیت سے یہ پایا جاتا ہے کہ اس سے یہ مراد نہیں کہ قرآن شریف کی کوئی آیت بدلی گئی ہو پہلی آیت کی بحث میں ہم نے لکھا ہے کہ قرآن شریف میں نسخ کے ذکر کی شان نزول یہ لکھی ہے کہ یہودی مسلمانوں پر نسخ کے قائل ہونیکی وجہ سے ہنسا کرتے تھے اور اوپر ہم دکھا چکے ہیں کہ اگر اس روایت کا یہ منشاء لیا جائے کہ واقعی قرآن شریف میں آج ایک حکم نازل ہوتا تھا اور کل اسکو منسوخ کر کے دوسرا حکم دیا جاتا تھا تو یہ روایت صحیح نہیں ہو سکتی۔ ہاں ایک اور معنے اس روایت کے ہو سکتے ہیں جن کا پتہ احادیث سے بھی ملتا ہے اور وہ یہ جیسا کہ میں آگے چلکر اس آیت کے

معنوں میں مفصل بیان کروں گا مسلمان سابقہ شرائع کے بعض احکام پر یا بعض عرب کے رواج کے مطابق اسوقت تک عمل کرتے رہتے تھے جبتک قرآن شریف کے ذریعہ وہ بات منسوخ نہ ہو جاتی اور لفظ نسخ کا ان معنوں میں استعمال پایا ان احادیث سے ثابت ہے جو ہم نے گذشتہ پرچہ میں نقل کی تھیں۔ پس ان معنوں کی رو سے یہ روایت صحیح ہو سکتی ہے اور اسی کی تائید اب اس دوسری آیت سے اور بھی زیادہ ہوتی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ یہ آیت سورۃ النحل کی ہے اور النحل مکی سورۃ ہے۔ پس بہر حال یہ ماننا پڑیگا کہ وہ آیت بھی مکی ہی ہے۔ لیکن جو شان نزول نسخ کے ذکر کی مدنی آیت میں مانی جاتی ہے وہی مکی آیت میں بھی ماننی پڑیگی۔ مگر پھر یہ کہنا کہ یہ مکی آیت (جہاں کوئی یہودی رہتا ہی نہ تھا) یہودیوں کے طعن وتشنیع کرنے پر نازل ہوئی تھی کیسا غلط اور خلاف واقع بیان ہے۔ اور اگر اس آیت میں کسی شان نزول کی ضرورت نہیں تو دوبارہ ایک اسی مضمون کی آیت نازل کرنیکے لیے کیوں ایسی ضرورت پیش آئی۔ چونکہ دونوں آیتوں کا مضمون واحد ہے اس لیے ہمیں ماننا پڑیگا کہ دونوں کی شان نزول ایک ہی طرح کی تھی۔ اور وہ صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ یہ مانا جائے کہ ان دونوں کے مضمون میں قرآن کریم سے پہلے احکام یا پہلے رواج یا پہلے شرائع کی تبدیل ہونے یا منسوخ ہونیکا ذکر ہے۔ وھو المقصود۔

اب ہم اس آیت کے معنوں پر بحث کرتے ہیں۔ یہ آیت تو صرف اس قدر بتاتی ہے کہ جب خدا نے ایک آیت کو بدلکر اس کی جگہ دوسری آیت نازل کی تو کفار نے اعتراض کیا کہ یہ نرا افترا اور خود ساختہ مجموعہ ہے۔ اب یہ مسلم امر ہے کہ جب آنحضرت صلعم نے اعلان فرمایا کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر وحی ہو رہا ہے تو کفار نے اسی وقت یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ افترا ہے اور یہ نہیں ہوا کہ وہ اسکو افترا کہنے سے رُکے رہے ہوں جبتک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حکم قرآنی کو کسی دوسرے حکم قرآنی سے منسوخ بتایا ہو۔ بالفاظ دیگر یہ نہیں ہوا کہ کفار نے قرآن شریف کو پہلے تو افترا نہیں کہا مگر اسوقت کہا جب اس کے ایک حکم کا ناسخ دوسرا نازل ہوا (اگر کوئی ایسا حکم کبھی نازل ہوا جس کا پتہ ہمیں احادیث صحیحہ سے نہیں ملتا) اگر یہ سچ ہوتا کہ کفار نے قرآن شریف کو اسوقت تک افترا نہ کہا ہوتا جبتک کہ خود قرآن شریف میں کوئی مثال نسخ کی پیدا نہ ہو گئی ہوتی۔ تو اس صورت میں اس آیت کا مفہوم یہ لیا جا سکتا تھا کہ اس میں کسی قرآنی آیت یا قرآنی حکم کے منسوخ یا مبدل ہونیکا ذکر ہے۔ لیکن قطعی امر ہے کہ شروع سے ہی کفار کل قرآن شریف کو افترا کہتے چلے آئے اور اس لیے یہ بات بھی بدیہی طور پر ثابت ہے کہ یہاں کسی حکم یا آیت قرآنی کا منسوخ یا مبدل ہونا مراد نہیں۔ بلکہ مراد اس سے یہ ہے کہ پہلی شریعت کا کوئی حکم یا کوئی آیت منسوخ اور مبدل ہو کر اس کی جگہ قرآن شریف کا کوئی حکم یا آیت نازل ہو کر قایم ہوئی۔ پس جب یہ کہا جاتا ہے کہ ایک حکم یا آیت منسوخ ہوئی اور اس کی بجائے دوسری نازل ہوئی تو یہ کہنا اس کے مساوی ہوتا ہے کہ گویا کسی پُرانے قانون یا رواج کی بجائے کوئی نیا الہام یا قانون نازل ہوا ہے۔

اس کے علاوہ یہ امر بھی غور کے لایق ہے کہ اگر بفرض محال قرآن شریف کی ہزاروں آیات نازل ہوئیں اور پھر وہ منسوخ ہوئیں اور ان کی جگہ نئی آیتیں اُتریں تو یہ سب اسلام کا اندرونی معاملہ ہے اس سے کفار کو تعلق ہی کیا تھا کہ انہیں یہ بات ناگوار گذرتی۔ کوئی عقلمند آدمی ایک لمحہ کے لیے بھی گمان نہیں کرسکتا کہ کافروں کو یہ بات بری معلوم ہوتی تھی کہ کیوں قرآن شریف کے حکم (اگر ایسا ہوا تھا) آئے دن منسوخ اور ناسخ ہوتے رہتے ہیں۔ بلکہ انکے جوش وغضب کو تو اس لیے بھڑکاؤ لگتا تھا کہ وہ رسوم اور رواج جن پر وہ چلتے تھے اور قوانین اور دستور جو انہیں باپ دادوں سے مروج چلے آتے تھے انکو قرآن شریف نے منسوخ کرکے انکی جگہ اعلیٰ درجہ کے حکیمانہ اور مستقل فطری قوانین قایم کر دیئے۔ انکا غصہ اسی لیے بھڑکا تھا کہ ان سے انکے عادی رسم ورواج ترک کرانیکا بیڑا قرآن شریف نے اٹھایا تھا۔ جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کفار کو قرآن شریف کے اندرونی نسخ سے جوش اٹھتا تھا ان کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ رنج اور شماتت کے لیے ایسے وجوہ کا ہونا ضروری ہے جن کا فریق رنج رسیدہ اور آمادہ بشماتت کے ساتھ باواسطہ یا بلاواسطہ سابقہ پڑے۔ جن باتوں سے کسی کو کسی طرح کا سابقہ پڑتا ہی نہیں انپر شماتت ورنج ہی کیونکر ہوسکتا ہے۔ بلکہ کفار تو اس بات کو جانتے تھے کہ اگر قرآن شریف کے اندر سلسلہ ناسخ ومنسوخ موجود ہوتا تو یہ تو اس کی کمزوری پر دال تھا اور اس کے جلد بے اثر اور ضایع ہو جانیکا پیش خیمہ تھا۔ یہ تو انکے لیے موجب شادمانی اور خوشی تھا نہ کہ رنج اور شماتت کا محرک۔ اگر قرآن شریف میں نسخ کو ویسا ہی دخل ہوتا جیساکہ حامیان نسخ غلطی سے سمجھتے ہیں تو اس کی ایسی حالت دیکھ دیکھ کر کفار لوگ خوشیاں مناتے اور بغلیں بجاتے۔

اس کے علاوہ ایک اور ضروری بات یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ مکی سورتوں میں عموماً خدا تعالیٰ کی توحید اور آنحضرت صلعم اور اسلام کی آیندہ کامیابیوں اور اقتدار اور عظمت کا ذکر ہے۔ ان میں بہت تھوڑے اوامر ونواہی موجود ہیں۔ اور جو سورتیں مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں انہیں اوامر ونواہی مندرج ہیں۔ قرآن شریف کا مطالعہ کرنیسے پتہ لگتا ہے کہ قریباً وہ تمام حصہ قرآن شریف کا جس میں شریعت ہے مدینہ میں نازل ہوا تھا۔ اب یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور اقتدار اور توحید غیر متبدل ہیں اور جیساکہ انہیں نسخ کا دخل ناممکن ہے اسی طرح ان پیشگوئیوں کا منسوخ یا مبدل ہونا خارج از قیاس ہے جو آنحضور سرور کائنات صلعم اور اسلام کی آیندہ کامیابیوں کے متعلق ہیں۔ اور یہ دو مضمون مکی سورتوں میں ہیں۔ پس اس بات سے یہ امر ثابت ہے کہ مکی سورتوں میں اور آنحضرت صلعم کی مکی زندگی میں یعنی اس حصہ قرآن میں جو آپ (صلعم) کی ہجرت سے پہلے نازل ہوچکا تھا یہ قیاس کرنا ہی باطل اور غلط ہے کہ نسخ وتبدیل انہیں کسی طرح راہ پا سکتے تھے۔

اسلام کا سب سے پہلا فرض یہ تھا کہ اس خطرناک تاریکیٔ شرک کو دُور کرے جو عالم پر محیط تھی۔ اور اس کی بجائے

توحید کی جہان افروز روشنی سے دنیا کو منور کرے۔ اسی لیے مکہ میں (جو ابتدائی عمر اسلام کی تھی) جتنا قرآن نازل ہوا وہ سب سے پہلی توحید کی تعلیم سے لبریز اور شرک اور بت پرستی کی مذمت اور تردید سے مملو ہے۔ اور آنحضور سرور کائنات صلعم کی سب سے پہلی مشن اسی امر پر مشتمل رہی۔ دوسرے درجہ پر یہ ظاہر کرنا تھا کہ یہی تعلیم جو اسلام پیش کرتا ہے اسلم اور اصح ہے۔ اور نجات اخروی کا موجب ہے۔ کیونکہ یہ دین اور اسکا لانیوالا خدا کی طرف سے ہیں اور اس بات کا ثبوت ذہن نشین کرنیکے لیے یہ جتانا ضروری تھا کہ یہ دین جس کو کفار لوگ مساکین اور غربا، کی آماجگاہ سمجھ رہے ہیں اور یہ رسول صلعم جو اسوقت اسباب دنیا نہیں رکھتا اُنپر وہ زمانہ آنیوالا ہے کہ ہر ایک اعلیٰ اور نیک مراد اور ہر ایک قسم کی کامیابی انہیں کے لیے مخصوص ہو جائے گی۔ اسوقت ایک طرف دشمنوں کا زور اور اُنکی جمعیت اور اُنکا تمول اور اُنکی عزت دوسری طرف آنحضرت صلعم کی بے سرو سامانی اور قلت جماعت اور غربت اور پھر اس حال میں علی الاعلان دشمنوں کی ذلت اور آپ (صلعم) کی عزت اور اُنکی تباہی آپ (صلعم) کی کامیابی اور اُنکی نکبت اور آپ (صلعم) کی عظمت اور اُنکی شکست اور آپ (صلعم) کی فتح کا اظہار اور انکا اپنے اپنے وقتوں پر پورا ہونا ان کے منجانب اللہ ہونے پر دلیل قطعی تھی۔ پس قرآن شریف نے اسلام کی اُسی نوائی اور ابتدائی درماندگی کی زندگی میں جو مکہ میں اسکو بسر کرنی پڑی یہی رویہ اختیار رکھا۔ اور بار بار اس کی فتوحات آیندہ کے نعرے بلند کیے۔ تیسرا کام یہ تھا کہ وہ ذریعہ جس کے ساتھ ایک مومن اپنے خالق و مالک کے ساتھ تعلق وابستہ رکھ سکتا ہے اور اس کے حضور میں اپنی گذارشوں کو قبول ہونے کے لیے پہنچا سکتا ہے اور فواحش سے بچ سکتا ہے اسکی تعلیم کیجائے چنانچہ اس غرض کے لیے نمازوں کے قیام پر بھی مکہ ہی سے زور دینا شروع کیا گیا تھا۔ باقی سارا قرآن جس میں روزہ۔ خیرات۔ صدقات۔ حج۔ نکاح طلاق وراثت۔ ممانعت خمر و قمار بازی حدود سرقہ زنا تہمت وغیرہ۔ کے متعلق احکام اور امر و نواہی ہیں مدینہ منورہ میں نازل ہوا۔ کم از کم حامیان نسخ کو بھی طوعاً و کرہاً ماننا پڑتا ہے کہ مکی سورتوں میں جس قسم کے مضامین درج ہیں اگر انکے ناسخ و منسوخ ہونیکا اعتقاد رکھا جائے تو وہ گناہ کبیرہ تک نوبت پہنچانیکے اندیشہ کا موجب ہوگا۔ پس اس لحاظ سے نسخ کا قرآنی آیات میں دخل سمجھنا مدنی سورتوں کی حد سے متجاوز نہیں ہو سکتا۔ یعنی اگر کسی طرح سے نسخ یا تبدل کی دسترس گمان ہو سکتی ہے تو وہ مدنی سورتوں میں ہی ہو سکتی ہے۔ اس لیے اگر کسی آیتِ قرآنی کے منسوخ یا مبدل ہونیکا خیال بھی کیا جائے تو وہ صرف کوئی مدنی سورۃ ہی ہو سکتی ہے۔ اور جو واقعات محرک نسخ بیان کیے جاتے ہیں اگر وہ واقع ہوئے بھی تھے تو صرف مدینہ ہی میں ہوئے تھے۔ اور وہ زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا آخری اور تمدن کا زمانہ تھا۔ جن حدیثوں میں قرآن شریف کی بعض آیتوں کے منسوخ یا مبدل ہونیکا ذکر بعض صحابہؓ نے کیا ہے انہیں بھی وہی آیات لکھی ہیں جو مدنی ہیں۔ اور شاہ ولی اللہؒ

نے جہاں ناسخ و منسوخ کی بحث کی ہے وہاں بڑے زور سے تردید کرکے صرف پانچ آیات ایسی لکھی ہیں جن کو انہوں نے منسوخ مانا ہے۔ لیکن وہ پانچوں آیتیں بھی مدنی ہی ہیں۔ غرض اس بات پر حامیان نسخ کا بھی غالباً اتفاق ثابت ہوتا ہے کہ کوئی مکی آیت کسی دوسری آیت کی ناسخ نہیں ہوئی۔ البتہ ان کے نزدیک بعض مدنی آیتیں ناسخ سمجھی جاتی ہیں اور چونکہ آیت زیر بحث مکی ہے اس لیے اس کے معنوں کو اس طرز کے نسخ کے متعلق کرنا ہی غلط ہے۔ یہ ایک ایسا زبردست امر ہے کہ اسپر غور کرنیسے آیت زیر بحث کے معنے خوب واضح ہوجاتے ہیں۔ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تھی اسوقت تک کوئی ایسی آیات قرآنی نازل نہ ہوئی تھیں جن میں اوامر ونواہی اور شریعت درج تھی۔ اور خصوصاً وہ آیات اور اوامر جن کو ناسخ کہا جاتا ہے ہرگز ہرگز اسوقت تک وحی نہ ہوئے تھے۔ کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور وہ ساری آیتیں مدنی ہیں پس یہ قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اس آیت میں قرآنی آیات یا احکام کے منسوخ ہونیکا ذکر ہرگز ہرگز نہیں ہے۔ اس لیے اس آیت میں لفظ آیت کے معنے کوئی قرآنی آیت یا حکم نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اس سے مراد وہ اوامر اور رسومات ہیں جو نزول قرآن شریف سے پہلے لوگوں میں مروج تھے اور جن کو قرآن شریف قلع قمع کرکے منسوخ اور تبدیل کرتا ہے۔ ہم نے آیت ما ننسخ من اٰیۃ او ننسھا الخ میں لفظ آیت کے جو معنے جن دلایل سے ثابت کیے ہیں ان کے علاوہ یہ دلیل بھی اسپر بہت اچھی طرح صادق آتی ہے۔ اگرچہ یہ آیت مدنی ہے لیکن اس میں بھی وہی کیفیت تقریباً پائی جاتی ہے جو مکی آیت میں ہے کیونکہ یہ آیت یعنی ما ننسخ من اٰیۃ الخ اس زمانہ میں نازل ہوئی تھی جب آنحضرت صلعم مدینہ میں ابھی تازہ وارد ہوئے تھے اور احکام و شرائع بجز بہت تھوڑے اور ابتدائی اوامر ونواہی کے نازل ہی نہوئے تھے۔ پس یہ آیت بھی کسی قرآنی امر ونہی کے نسخ پر دلیل نہیں ہوسکتی۔

اب ایک اور بات غور کے لایق ہے اور وہ یہ ہے کہ آیت زیر بحث میں یہ الفاظ وارد ہیں۔ واللہ اعلم بما ینزل یعنی اللہ بہتر جانتا ہے جو کچھ نازل کرتا ہے۔ پھر اسکے بعد دوسری آیت جو اس کے متصل ہے اس میں لکھا ہے قل نزلہ روح القدس من ربک بالحق لیثبت الذین اٰمنوا وھدًی وبشریٰ للمسلمین۔ تو کہہ اسکو اُتارا ہے پاک فرشتہ نے تیرے رب کی طرف سے ضرورت حقہ کے ساتھ تاکہ ثابت کرے ایمان والوں کو اور ہدایت اور خوشخبری ہے مسلمانوں کے لیے۔ اب اگر آیت زیر بحث سے وہی مطلب لیا جائے جو نسخ کے حامی لیتے ہیں کہ اس میں کسی ایک آیت قرآنی کے منسوخ یا مبدل ہونے اور اس کی بجائے کسی دوسری آیت کے نازل ہونیکا ذکر ہے یا یہ کہ عام طور پر بعض قرآنی آیات کے منسوخ ہونیکا بیان ہے تو اس بات کا ماننا لازمی ہوگا کہ یہ دونوں اوصاف یعنی واللہ اعلم بما ینزل اور قل نزلہ روح القدس الخ صرف اس ایک یا اُن چند آیات تک ہی محدود رہتے ہیں جن کی نسبت یہ بیان کیا گیا ہے کہ گویا وہ کسی ایک یا چند آیات قرآنی کے

ناسخ ہیں۔ اسحالت میں سارے قرآن کریم کی نسبت یہ اوصاف ہرگز سمجھے نہیں جا سکتے۔ لیکن اگر نسخ اور تبدیل سے مراد یہ لیجاوے کہ گویا پہلی کتاب یا شریعت کی بجائے فرقان حمید نازل ہوا ہے تو پھر یہ دونوں صفتیں سارے قرآن پر اطلاق پاتی ہیں۔ اب یہ بات محتاج بیان نہیں کہ ایسا کلام کہ "اللہ جس چیز کو نازل کرتا ہے اس کو بہتر جانتا ہے" اور "اسکو پاک فرشتہ نے رب کی طرف سے اُتارا ہے" اور "ضرورت حقہ کے ساتھ اُتارا ہے" اور "تاکہ ثابت کرے ایمان والوں کو اور راہ کی سوجھ اور خوشخبری مسلمانوں کو" صرف اس ایک یا چند آیات قرآنی کے لیے محدود نہیں ہو سکتا جو کسی ایک یا چند آیات قرآنی کی ناسخ ہوں۔ بلکہ یہ سارے قرآن شریف پر حاوی ہے اور ساری قرآن شریف کی صفت ہے ہم صرف اتنے قیاس سے ہی اس بات کے ثبوت کو اپنی تائید پر محتوی نہیں سمجھتے بلکہ قرآن کریم میں اکثر مقامات پر قریباً قریباً اسی قسم کے جملے وارد ہیں اور مسلم ہے کہ جہاں کہیں ایسے جملے ہیں وہ سب قرآن کامل کے لیے ہیں نہ کہ کسی خاص جزو قرآنی کے لیے۔ اور کوئی خصوصیت اس مقام پر ایسی موجود نہیں جس سے انکا مصداق سمجھنے کے لیے ہم سارے قرآن کو محروم کر دیں اور ایک یا چند آیتوں کو مختص اور منتخب کر لیں۔ اس کے علاوہ ایک قرینہ اسجگہ پڑا ہوا ہے یعنی نزلہ کی ضمیر بما ینزل کی طرف ہے۔ اور بما ینزل میں ذکر اس آیت کا ہے جسکا متعلق پہلے فرمایا واذا بدلنا اٰیۃً مکان اٰیۃٍ۔ اب چونکہ روح القدس کے اُتارنیکا تعلق کل قرآن شریف سے ہے اس لیے معلوم ہوا کہ اسی کل کا ذکر پہلے بھی واللہ اعلم بما ینزل میں موجود ہے پس اذا بدلنا اٰیۃ میں سیاق وسباق اور اصطلاح قرآنی کی رو سے عیاں طور پر کامل قرآن شریف کیطرف اشارہ ہے۔ ایسا ہی اس کے بعد کی آیت بھی اسی نتیجہ پر پہنچاتی ہے۔ کیونکہ کفار شرارت کی وجہ سے آنحضرت صلعم پر یہ بہتان باندھتے تھے کہ گویا آپ کو کوئی شخص گھر کے اندر مخفی طور پر تعلیم دیتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ انکا یہ اتہام ان چند مزعومہ ناسخ آیات کے متعلق نہ تھا بلکہ سارے قرآن شریف کے متعلق تھا۔ پس یہ امر ثابت ہے کہ ان ساری متصلہ آیات میں مشارٌ الیہ مشترک اور ایک ہے اور وہ کامل قرآن شریف ہے۔ اس کے علاوہ ہم اس بات کو بھی دیکھتے ہیں کہ خود آنحضرت سرور کائنات صلعم بھی ہمیشہ یہی اعلان کرتے تھے کہ خدا تعالیٰ نے مجھ پر تازہ وحی نازل فرمائی ہے اور اسکے نزول سے تمام پہلی رسمیں اور مروجات اور شریعت منسوخ اور تبدیل ہو گئی ہیں۔ گویا آپ سے تبدیل آیت کے یہی معنے ثابت ہیں کہ تبدیل شریعت واقع ہوئی۔ اور یہی منشاء اصلی اس آیت کی ہے۔ کفار کہتے تھے کہ یہ عبارات جن کو آنحضرت صلعم قرآن کہتے ہیں اور منجانب اللہ بیان کرتے ہیں دراصل آپ کا افترا ہے۔ کلام الٰہی نہیں۔ اس غلط فہمی اور اعتراض کا جواب قرآن شریف نے اسطرح دیا ہے کہ ان منکروں کا یہ اعتراض سراسر نادانی اور جہالت پر مبنی ہے یہ وحی کسی انسان کی بناوٹ اور افترا نہیں۔ بلکہ رب العالمین کی طرف سے ضرورت حقہ کے ساتھ روح القدس کے ذریعہ سے اس مقدس رسول (صلعم) پر نازل ہوئی ہے۔ اور اس بات کے ثبوت کے لیے اتنا سمجھ لینا بھی کافی ہے کہ اس مقدس

کتاب کا مسلمانوں پر کیسا نیک اور پاکیزہ اثر ہوا اور کیسی ایمانی استقامت اُن کو نصیب ہوئی کہ باوجودیکہ سخت شدید جانکاہ اور جانگداز مصیبتوں اور ابتلاؤں میں ڈالے گئے اور دشمنوں کے منصوبوں اور مظالم سے نہایت بیرحمانہ طور پر دُکھوں کی آگ میں جھونکے گئے مگر پھر بھی انکی استقامت کے قدم میں لغزش نہ آئی۔ بلکہ ہر نئی مصیبت ان کی عزیمت اور ہمت اور ایمانی جوش اور استقامت کو بڑھاتی تھی۔ اس بیچارگی اور بے سروسامانی کیحالت میں انہوں نے خدا تعالیٰ کو شناخت کیا اور اس کی تمام پیشگوئیوں پر ایمان لائے جو انکی بیکسی کے زمانہ میں وحی ہوئیں اور اس بات کی خوشخبریوں سے مملو تھیں کہ عنقریب وہ زمانہ آنیوالا ہے جب انپر سے یہ بیکسی اور بیچارگی کی تاریکی اُٹھ جائیگی اور گوہر مقصود ہر بلندی کے تاج سے انکے ہی دامن میں آپڑیگا۔ اور وہ تنگی اور افسردگی کا زمانہ جاتا رہے گا اور فرخندہ حالی اور تروتازگی کی ہوائیں ہر کوچہ سے انپر چلنے لگیں گی اور اترانیوالے دشمن گرائے جائیں گے اور انکے آستانہ پر کھینچکر لائے جائیں گے۔ وہ خدا کیسا زبردست حکمتوں والا ہے کہ اس نے یہ سارے وعدے پورے کیے اور انپر ثابت کر دیا کہ سوائے خدا کے کوئی ایسی اقتداری پیشگوئی دینے کی قدرت نہیں رکھتا۔ غرض یہ ساری آیات کفار کے اعتراض کے جواب میں تھیں۔ ہم نے اس مضمون میں صرف تین[۳] آیتوں کو ہی درج کیا ہے لیکن اگر کوئی صاحب قرآن شریف کا تدبر اور خوض سے مطالعہ کریں تو انکو معلوم ہو جاوے گا کہ سارا رکوع ہی اس مضمون پر متضمن ہے۔ کہ کفار قرآن شریف کو آنحضرت صلعم کا افترا کہتے اور قرآن شریف انکی اس بیباکانہ تہمت کا رد کرتا ہے۔ اس میں کہیں آیات قرآنی کے منسوخ ہونیکا کوئی ذکر نہیں اس سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ قرآن شریف نے صرف اس زمانہ کے کفار کے اعتراضوں کے جواب دینے کا بیڑا اُٹھایا ہوا تھا۔ یہ بات اسی حد تک ختم نہیں ہوتی۔ حقیقت میں ہمیشہ ہر زمانہ میں کفار جھنجلا کر وہی باتیں بطور اعتراض کیا کرتے ہیں جو ان کے اجداد کر چکے ہیں۔ بلکہ اس پہلو میں جس کمال تک کفار پہنچے تھے انکے جانشینوں میں سے جو سارے عالم میں اسلام کی دشمنی پر تلے ہوئے ہیں کوئی بھی ایسا نہیں نکلا کہ انکی برابری ہی کر سکے۔ آجتک اتنا عرصہ گذر چکا ہے کہ مختلف سرزمینوں اور مختلف ممالک میں بڑے بڑے لایق اور پڑھے لکھے لوگ فرداً اور مجموعاً اسلام کی بیخکنی کی کوشش میں اسپر اعتراضات کی بوچھاڑ کرتے رہے۔ لیکن وہی چکی اور وہی اس کا پیسنا ہمیشہ رہا۔ وہی اعتراضات اور وہی الزام اور بیجا اتہام اسلام پر مخالف لوگ کرتے چلے آئے جو زمانہ نزول قرآن شریف میں عربی کفار کرتے تھے۔ البتہ طرز بیان اور صورت حال میں اپنے تغیرات کے ساتھ زمانہ انہیں بھی تغیرات کا دخل کرتا گیا۔ اور اس لیے اُن نئی وردی والے اعتراضات کے لیے ہمیشہ نئی ڈکشن کی ضرورت ہوتی رہی۔ اور چونکہ یہ زمانہ اپنی علمی معلومات اور ترقیات میں تمام گذشتہ ازمنہ سے بڑھ چڑھکر ہے اور اسلام کی مخالف افواج کے حملوں کا زور بہت زیادہ ہے جس کی مثال پہلے زمانوں میں نہیں پائی جاتی اس لیے اس زمانہ میں ایک نہایت

قومی لشن کی ضرورت تھی اور اُس کے لیے ایک بڑے زبردست ہادی کی حاجت تھی۔
الغرض ہم نے گذشتہ اور اس مضمون میں دلایل قاطعہ سے یہ بات ثابت کر دکھائی ہے کہ ناسخ و منسوخ کے مسئلہ کی تائید نہ تو کسی طرح قرآن شریف سے ہوتی ہے اور نہ ہی حدیث نبوی میں کوئی ایسا ثبوت پایا جاتا ہے جو اس مسئلہ کو کسی طرح کا سہارا دے۔ جب ہم یہ ثابت کرتے ہیں کہ ناسخ و منسوخ کا مسئلہ نہ تو قرآن شریف کی کسی آیت سے ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی کسی حدیث نبوی میں اس کا کوئی مذکور ہے تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بعض صحابہؓ کی روایتوں میں جو اس کا وجود پایا جاتا ہے اس کی وجہ کیا تھی؟ ناظرین اس بات کو جانتے ہوں گے کہ استناد روایات اور تنقید احادیث میں کیا کچھ بلیغ کوششیں علمی اور عملی طور پر اہل اسلام نے کی ہیں۔ اور جس محنت اور احتیاط سے انکی حفاظت کی گئی ہے اسکا بھی آپکو علم ہوگا۔ پھر باوجود ان ساری باتوں کے ہم کو ایک روایت ایسی نہیں ملتی جو آنحضرت صلعم تک پہنچتی ہو اور اس میں قرآنی آیتوں کے ناسخ و منسوخ ہونیکا ذکر ہو۔ اس سے اتنا تو ضرور سمجھا جاتا ہے کہ صحابہؓ کو ناسخ و منسوخ آیات قرآنی سمجھنے کا علم آنحضرت صلعم سے تو نہیں ملا تھا۔ کیونکہ اگر آپ سے یہ علم انکو ملتا تو ضرور تھا کہ وہ اسکی روایت کو آنحضرت صلعم تک پہنچاتے۔ اور کتب احادیث میں موجود ہوتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن شریف کے نزول سے شریعت اور مروجات سابقہ کے منسوخ ہونیکے خیال سے کسی کے دل میں یہ خیال بھی جاگزین ہوگیا ہوگا۔ کسی گذشتہ مضمون میں ہم نے ایک حدیث نقل کی تھی جس میں جاہلیت کی کسی رسم کا قرآن شریف کی کسی آیت کے نزول سے دُور ہو جانے پر صحابہؓ نے بھی ناسخ و منسوخ کی اصطلاح استعمال کی۔ اور یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں جب کہ ابھی شریعت اور اوامر و نواہی نازل نہیں ہوئے تھے تو اسوقت صحابہؓ شریعت سابقہ یا عرب کے بعض مروجات اور رسومات پر عمل کرتے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی جب تک کہ وحی الٰہی کسی امر کے متعلق نازل نہ ہو اس سے منع نہ فرماتے تھے۔ قرآنی شریعت بتدریج نازل ہوتی گئی اور جیسے جیسے یہ شریعت نازل ہوتی گئی ویسے ہی رفتہ رفتہ شریعت سابقہ اور مروجات اور رسومات قدیمہ منسوخ اور متروک ہوتے گئے۔ اسی امکان کو دیکھکر بعض صحابیوں نے گمان کر لیا ہوگا کہ جبکہ پہلی شریعت اور قدیم رسم و رواج کا قرآن شریف کی آیتوں کے نزول سے معطل اور منسوخ ہوجانا ممکن ہے تو پھر ان قرآنی احکام کا معطل اور مبدل اور منسوخ ہونا بھی اسی طرح مقرون امکان ہے۔ پس اس کمزور خیال کی دوسری کمزوریوں سے تائید اور تقویت ہوتی گئی۔ چنانچہ جب کوئی صحابی بعض قرآنی آیات کے مضامین میں تطبیق دینے سے عاجز ہوا تو فوراً ایک کو منسوخ اور دوسری کو ناسخ کہدیا یہی وجہ ہے کہ ایک آیت کو ایک صحابی منسوخ کہتا ہے اور دوسرا اس کی تردید کرتا ہے۔ اور اس کا باعث یہی ہے کہ جس کی سمجھ نے کسی آیت کی تطبیق کے لیے کام نہ کیا اُس نے ناسخ و منسوخ کا عذر پیش کر دیا اور جس نے سمجھ لیا اس نے اس کی مخالفت کر دی۔ غرض یہ غلطی اسی طرح بڑھتی گئی اور گو متفرد طور پر

اس کی اصلاح اسی زمانہ میں ہوتی گئی لیکن ان کے بعد بھی جن لوگوں نے اسپر غور کیا اور اسکی حقیقت کی تہ تک جانیکی کوشش کی انہوں نے اس کی اصلاح میں بہت کچھ ہمت کی۔ مگر افسوس کہ مرطوب اللسان مفسرین کی روشنی طبع نے اسلام کو اس ابتلا میں ڈالنے میں بہت بڑا حصہ لیا۔ خدا انپر رحم کرے۔

اب رہی یہ بات کہ لفظ نسخ اسلام کی ابتدائی دینی لٹریچر میں کن معنوں میں استعمال ہوتا رہا ہے۔ سو واضح رہے کہ اسلامی ادب متقدمین میں لفظ نسخ بہت وسیع معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ اور جو معنے اس کے آجکل مخصوص کر لیے گئے ہیں کہ اس سے صرف کسی شئے کا معطل اور بیکار ہو جانا مراد ہے انکے نزدیک اسکا مفہوم اس سے بہت مختلف ہے ایک معنے اس کے تعمیم کی تخصیص کرنا ہے۔ صاحب فتح الباری شرح صحیح بخاری نے آیت ما ننسخ الخ کی تفسیر کے باب میں لکھا ہے ویحتمل ان یکون المراد ما ننسخ فی الحدیث التخصیص فان المتقدمین یطلقون لفظ النسخ علیہ کثیراً۔ یعنی یہ گمان غالب معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں نسخ کے معنے تخصیص کے ہیں کیونکہ متقدمین لفظ نسخ کو ان معنوں میں بکثرت استعمال کرتے تھے۔ اسی مصنف نے ایک اور حدیث کی تفسیر کے ضمن میں اسی قسم کا ریمارک لکھا ہے۔ پس اگر لفظ نسخ سے یہی مراد سمجھی جاوے تو پھر ان آراء اور قیاسات پر کوئی اعتراض نہیں رہتا جو بعض صحابیوں نے بعض حدیثوں میں ظاہر کیے ہوئے ہیں۔ کیونکہ اس مفہوم کے اختیار کرنیسے کوئی امر قرآنی بیکار اور معطل نہیں ہو جاتا بلکہ خاص حالات میں مخصوص ہو کر بحال رہتا ہے۔

اس کے ماسوا نسخ کے متعلق ایک اور مفہوم بھی ہے۔ بعض وقت ایسا ہوا ہے کہ کسی شخص نے قرآن شریف کی کسی آیت سے کوئی غلط نتیجہ اخذ کیا۔ پھر جب کوئی دوسری آیت نازل ہوئی جس سے اس پہلی آیت کے معنے بھی اسکی سمجھ میں اچھی طرح آگئے تو اسکی غلط فہمی دور ہو گئی۔ پس اس شخص نے لکھدیا کہ گویا پچھلی آیت نے پہلی آیت کو منسوخ کر دیا ہے۔ اور حقیقت میں اسکا مافی الضمیر یہی تھا کہ اس دوسری آیت نے نازل ہو کر اس کی پہلی غلط فہمی کو دور کر دیا ہے۔ چنانچہ ابن تیمیہ جو ایک مشہور و معروف امام ہے اسکی کتاب الفرقان کے صفحہ ۲۰-۲۱ پر لکھا ہے وکانوا یسمون ما عارض الآیۃ ناسخا لہا فالنسخ عندہم اسم عام لکل ما یرفع دلالۃ الآیۃ علی معنی باطل وان کان ذلک المعنی لم یرد بہا وان کان لا یدل علیہ ظاہر الآیۃ بل قد ...... وقد فہمہ منہا قوم فیسمون ما رفع ذلک الابہام والافہام نسخاً یعنی ان لوگوں کی عادت تھی کہ جو بات انہیں کسی آیت کے مخالف نظر آتی تھی اسکو کہا کرتے تھے کہ گویا وہ اسکو منسوخ کرتی ہے پس انکے نزدیک نسخ ایک عام اسم ہے جو ہر ایک ایسے امر پر مستعمل ہو سکتا ہے جو کسی آیت کے معنوں کی غلط فہمی دور کرتا ہو۔ گو یہ معنے کبھی اس آیت کی منشا ہی میں نہ ہوں اور گو ظاہری طور پر وہ آیت انپر دلالت نہ کرتی ہو۔ لیکن بعض لوگوں نے اس کے وہ معنے اختیار کیے ہوں اور یہ سمجھ لیا ہو کہ نسخ سے مراد وہ شئی ہے

جو کسی ابہام اور غلط فہمی کو دُور کرے۔ چنانچہ خود امام ابن تیمیہ لفظ نسخ کے ایسے استعمال کی ایک مثال پیش کرتا ہے اور بعض ان آیات کو بطور حوالہ نقل کرتا ہے جن کو بعض حدیثوں میں منسوخ کہا گیا ہے۔

اب ہم اس مضمون کو اسی جگہ ختم کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ مسئلہ ناسخ و منسوخ کی تردید کے لیے کافی دلایل اور ثبوت ہم پہنچا دیئے گئے ہیں۔ اور ہم دعا کرتے ہیں کہ یہ مضمون خلق خدا کو غلط فہمی سے نکالنے کا موجب ہو۔ آمین۔

بابی مذہب۔ ۴

بہاءاللہ کے دعاوی

اگرچہ جیسا کہ کسی گذشتہ اشاعت میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ باب کے بعد بابی مذہب فرقوں میں اور پھر وہ فرقے شاخوں میں تقسیم ہو گئے۔ لیکن یہ بات بھی بخوبی ظاہر ہو چکی ہے کہ اس سلسلہ کا سارا دارومدار بہاءاللہ کے دعاوی پر ہے۔ بہائی مذہب میں بہاءاللہ کی آمد کوئی معمولی بات نہیں سمجھی جاتی۔ بلکہ ان لوگوں کا اعتقاد ہے کہ تمام مرسلین و انبیاء جو باوقات مختلف ایک موعود کی بشخبری سناتے چلے آئے تھے۔ وہ سب پیشگوئیاں اسی بہاءاللہ کے حق میں تھیں۔ اور بہاءاللہ ہی وہ موعود ہے جو ان سارے نبیوں کی پیشگوئیوں کے مطابق آیا۔ چنانچہ خود بہاءاللہ بھی اپنی ایک تصنیف میں اسی بارہ میں اپنے متعلق الفاظ ذیل لکھتا ہے۔ هذا هو الذی ذکره محمد رسول الله و من قبله الروح و قبله الکلیم ...... و هذا الصراط الاقوم کان مکنونا فی افئدة الانبیاء و مخزونا فی صدور الاصفیاء و مسطورا من القلم الاعلیٰ فی الواح ربکم مالک الاسماء۔

ترجمہ۔ یہ وہی ہے جسکے آنیکی نسبت محمد رسول اللہ صلعم نے پہلے خبر دی تھی۔ اور اُن سے پہلے حضرت مسیح نے اور اُنسے پہلے حضرت موسیٰ نے پیشگوئی کی تھی ×××× یہی وہ سب سے بہتر صراط مستقیم ہے جو نبیوں کے دلوں میں مستور چلا آتا تھا۔ اور خاصان خدا کے سینوں میں جمع پڑا تھا۔ اور جو تمہارے مالک (خدا) ملک الاسماء کی الواح میں قلم اعلیٰ کے ساتھ لکھا ہوا تھا۔ پس اس طرح سب سے پہلی بات جو بہائی سلسلہ کے متعلق یاد رکھنے کے قابل ہے یہ ہے کہ بہاءاللہ اس بات کا مدعی ہے کہ میں اُن پیشگوئیوں کے مطابق آیا ہوں جو پہلے انبیاء کسی موعود کے بارہ میں کرتے چلے آئے ہیں۔

شاید ہمارے ناظرین اس بات سے آگاہ ہوں گے کہ الہامی کتابوں کو ماننے والی اقوام میں ایک موعود کی آنیکی انتظار لگی ہوئی ہے۔ بہاء اللہ جیسا ہوشیار مدعی اس پہلو سے فایدہ اُٹھائے بغیر کب رہ سکتا تھا۔ اس نے جہانتک اُس کا بس چلا اکثر اقوام کو مخاطب کرکے کہا کہ میں وہی ہوں جس کی تم انتظار میں بیٹھے ہو۔ چنانچہ کتاب الاقدس میں مسلمانوں کی طرف متوجہ ہوکر انہیں یہ کہا قل یاملاء الفرقان قد اتی الرحمن بسلطان مشھود۔ (دیکھو صفحہ ۱۰۰) اور اسی کتاب میں ایک جگہ لکھا ہے کہ قرآن میں بہاء اللہ نبا عظیم ہے۔ پھر بحر العرفان میں جو بہاء اللہ کے ایک مرید کی تصنیف ہے اس میں کھولکر لکھا ہے کہ جہاں کہیں قرآن شریف میں یوم القیامۃ کا ذکر آیا ہے اُس سے مراد بہاء اللہ کی آمد کا زمانہ ہی ہے الخ یہ کہ ایسا ہی لفظ ساعۃ سے بھی قرآن شریف میں یہی مراد ہے۔ مسلمانوں کے عقاید کے مطابق آخری زمانہ کے منتظر موعود کے بارہ میں اسی قدر دعویٰ کیا ہے۔ اور باقی اقوام کا موعود ہونیکے بارہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ ہم آگے چلکر ذکر کریں گے۔ اور اس بات پر بحث بھی کسی آیندہ مضمون میں کریں گے کہ آیا اُس کے یہ دعوے صحیح ہیں یا غلط اور آیا اُسکے پاس کوئی ثبوت اور دلایل اپنے ایسے دعووں کی تصدیق کے لیے موجود ہیں یا نہیں۔ یہاں پر اسقدر دیکھنے کے بغیر ہم آگے نہیں چل سکتے کہ آیا مسلمانوں کو جس موعود کی انتظار تھی وہ اسی قسم کا ہے جس قسم کا بہاء اللہ اور اس کی جماعت بیان کرتی ہے یا کوئی اور؟ سب سے پہلے تو یہ بات ہی غلط ہے کہ کبھی کسی اسلامی فرقہ میں رحمن کے بذات خود آنیکی انتظار کی گئی۔ ابتدائے اسلام سے آجتک کوئی بھی فرقہ اسلام میں ایسا نہیں ہوا جس کو یہ خیال ہی ہوا ہو کہ کبھی کسی زمانہ میں خدائے رحمن خود جامۂ انسانیت پہنکر نزول فرمائیں گے۔ اسلام کا سب سے اہم کام تو دنیا میں اس قسم کے عقاید کا قلع قمع کرنا ہے۔ وہ تو خود عیسائیوں اور دوسری اقوام کے ایسے حلولی عقاید کے ابطال اور اصلاح پر زور لگا رہا ہے وہ خود ہی ایسے مکروہ عقاید کے جال میں کیسے پھنس سکتا ہے۔ صریح تو درکنار ایک بھی قرآنی پیشگوئی یا کسی حدیث نبوی کا جملہ ایسا نہیں جس سے کسی تاویل یا کنایہ سے ہی کبھی کسی فرقۂ اسلامی نے ایسا عقیدہ بنالیا ہو کہ گویا خدا بذاتِ خاص کسی وقت دنیا پر انسان بنکے آئیگا۔ اسلام تو جڑھ سے ہی ایسے اصول اور خیالات کا دشمن ہے۔ ہاں جہالت کا کوئی علاج نہیں اور اگر کوئی اس قسم کا نادان نادانی اور ناواقفیت سے کوئی ایسی بات کہدے تو اس کا اسلام ذمہ وار نہیں۔ اور جو کوئی ایسا سمجھے وہ اسلامی عقیدوں کا مخالف ہوگا۔

اس موقع پر اس بات کا سمجھنا ضروری ہوگا کہ آخری زمانہ میں جس موعود کی آمد کے مسلمان منتظر ہیں وہ کون اور کیسا ہے۔ ہم نے اسی رسالہ کے بعض نمبروں میں اس مضمون پر مفصل بحث کی ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ اس کی تفصیل کی اب یہاں ضرورت نہیں۔ کیونکہ آمد موعود آخر زمان کے متعلقہ پیشگوئیاں کوئی چھپی ہوئی نہیں بلکہ عام طور پر معروف ہیں اور ہم نے بھی انکو کئی دفعہ اس رسالہ میں درج کیا ہے۔ اس لیے اس جگہ مجمل طور پر

بیان کرتے ہیں کہ احادیث میں اس کے متعلق بہت کثرت سے پیشگوئیاں ہیں۔ لیکن ان تمام کی بنیاد قرآن شریف ہے۔ اور قرآن شریف نے اس موعود کی حقیقت کو سمجھانے کے لیے نہایت پُر لطف حکیمانہ پیرایہ اختیار کیا ہے اور اس کو یوں بیان کیا ہے کہ سلسلہ محمدی اور سلسلہ موسوی اس پہلو میں مشابہت رکھتے ہیں کہ آنحضرت سرور کائنات محمد مصطفےٰ صلعم جو سلسلہ اخری کے بانی ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام جو سلسلہ اولی کے بانی ہیں دونوں میں ایک مشابہت اور مماثلت ہے جس کو قرآن شریف سورۃ المزمل میں آیت انا ارسلنا الیکم رسولاً شاھداً علیکم کما ارسلنا الیٰ فرعون رسولاً میں بیان فرماتا ہے۔ اور ایسا ہی اور موقعوں پر بھی ذکر کیا ہے۔ مگر دونوں سلسلوں کی مماثلت ایسی نہیں کہ جس کا یہیں تک خاتمہ ہو۔ بلکہ یہ دونوں سلسلے نقطۂ ابتدائی سے لیکر انتہائی تک باہم دو متوازی خطوط کی طرح چلے جاتے ہیں جو بحالت استقامت کسی طول تک متوازی ہونے سے نہیں رُکتے۔ چنانچہ اس مماثلت پر اَور روشنی ڈالنے کے لیے خود قرآن شریف کی سورۃ النور میں لکھا ہے۔
وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصلحٰت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم۔ یعنی اللہ اُن لوگوں کے ساتھ جو تم میں سے ایمان لائے اور عمل صالح کرتے ہیں وعدہ کرتا ہے کہ اُن میں سے آنحضرت محمد مصطفےٰ صلعم کے خلیفے بھی اُسی طرح بنائیگا جس طرح اُن لوگوں میں سے خلیفے بنائے گئے تھے جو تم میں سے پہلے تھے (حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اتباع میں سے۔)

اب یہ بات مسلم الثبوت ہے کہ سلسلہ موسوی میں حضرت مسیح علیہ السلام خلیفہ آخری تھے۔ گویا یہ سلسلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شروع ہو کر حضرت مسیح ناصری علیہ السلام تک ختم ہوتا ہے۔ پس سلسلہ محمدیہ کے لیے بھی ضروری تھا کہ جیسا وہ ایک مثیل موسیٰ سے شروع ہوا اسی طرح مثیل مسیح تک اس کے ساتھ متوازی چلا جائے اور یہ بات اوپر ثابت ہو چکی ہے کہ آنحضرت صلعم کو قرآن شریف میں مثیل موسیٰ کہا گیا ہے۔ اور آپکے خلیفوں کو مثیل خلفائے موسیٰ کہا گیا ہے۔ جیسے موسوی سلسلہ میں ایک آخری خلیفہ کی آمد کی پیشگوئیاں زور شور سے چلی آتی تھیں اور اُمتِ موسیٰ علیہ السلام اُس کی راہ تک رہی تھی اسی طرح محمدی سلسلہ میں آخری خلیفہ کی انتظار میں تمام فرقے چشم براہ تھے۔ اور جس رنگ و روپ میں موسوی خلیفہ آخر الزمان آیا تھا وہی رنگ و روپ سلسلہ عالیہ محمدیہ کے آخری موعود خلیفہ کا بھی ہونا ضروری تھا۔ گویا محمدی خلیفۂ آخر زمان کو موسوی خلیفۂ آخر زمان یعنی مسیح علیہ السلام سے روحانیت اور تعلیم میں مماثلت ہوگی۔ اور جیسا کہ غالب اوصاف کے لحاظ سے سلسلہ موسوی کے اس آخری خلیفہ کا نام مسیح تھا ویسے ہی سلسلہ عالیہ محمدیہ کے اس آخری خلیفہ کا نام وصفی طور پر مسیح ہونا ضروری تھا۔ پھر ان دونوں کے زمانوں کے فاصلے اور کارناموں اور وصفوں میں مشابہت کا ہونا اور آخر الذکر کا ایسے زمانہ میں نازل ہونا کہ جس زمانہ میں اول الذکر کی نسبت طرح طرح کے بدعقاید کی تاریکی دنیا پر غالب

آگئی اور اُس کی حمایت یعنی کفارہ کی آڑ میں جرائم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ یہ سب امور اسی بات کے مؤید ہیں۔ اور دونوں کا حلیہ نبوت میں نازل ہونا ضروری ہے۔

جس قرآنی آیت کو ہم نے اوپر پیش کیا ہے وہ سلسلہ محمدیہ کے آخر الزمان مصلح موعود کے نزول وظہور کے متعلقہ پیشگوئیوں کا لب لباب ہے۔ اور صحیح اور معتبر حدیثوں میں بہت وضاحت کے ساتھ اس موعود کا نام مسیح ظاہر کیا گیا ہے۔ اور اس کے نزول کا نام مسیح ابن مریم کا نزول ثانی رکھا گیا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ ان دونوں سلسلوں کے آخری موعودوں میں روحانی طور پر ایسی اتم اور اکمل مماثلت اور مشابہت مقدر کی گئی ہے کہ اُن کے نام بھی ایک ہی پسند کیے گئے ہیں۔ بعض لوگ جو حقیقت معاملات پر غور کرنے کی عادت نہیں رکھتے اور عبارات کو صرف سطحی معنوں پر محمول کرتے ہیں وہ اس خیال میں بیٹھے ہیں کہ گویا سلسلہ محمدیہ ایک ایسا ناقص سلسلہ ہے کہ اس کی تکمیل کے لیے وہی سلسلہ موسوی کے خلیفہ آخر الزمان مسیحؑ دوبارہ دنیا پر تشریف لائیں گے۔ یہ اُن کی سراسر نادانی ہے۔ کیونکہ جب دونوں سلسلے قرآن شریف سے باہم مشابہ اور مماثل اور دو خطوط مستقیم متوازی کی طرح ثابت ہوتے ہیں۔ تو پھر اُن کا ایک آخری زمانہ میں ایک مسیح کے وجود میں پیوستہ ہو جانا باطل ٹھہرتا ہے۔ علاوہ بریں قرآن شریف تو اسی غلطی سے لوگوں کو بچانے کے لیے ڈنکے کی چوٹ سے پکار رہا ہے کہ وہ موسوی سلسلہ کا خلیفہ مسیح اپنی طبعی موت سے فوت ہو چکا ہے۔ اور فوت شدگان کا دوبارہ دنیا پر آنا بھی قطعی طور پر ممنوع ثابت ہے تو پھر وہ کیسے دوبارہ آسکتا ہے۔ اس کے علاوہ آیت استخلاف میں جو وعدہ خلیفوں کا دیا گیا ہے۔ اُس میں صاف لکھا ہے کہ سلسلہ عالیہ محمدیہ میں جو خلیفے خلفائے سلسلہ موسویہ کی طرح مامور کیے جائیں گے وہ جیسے کہ موسوی خلیفے اُمت موسوی سے منتخب ہوتے تھے ویسے ہی محمدی خلیفے بھی اُمت محمدی سے ہی چُنے جائیں گے۔ چنانچہ وہ آیت شروع ہی اُمت محمدیہ کو مخاطب کر کے کہتی ہے کہ تم میں سے اہلیت رکھنے والوں کو خلیفہ کیا جائیگا۔ یہ کہیں اشارہ بھی نہیں کیا گیا کہ کسی وقت اُمت محمدیہ کے لیے کوئی ایسا خلیفہ مقرر کیا جائیگا جو کسی وقت پہلے موسوی اُمت میں خلیفہ رہ چکا ہو۔

باقی رہا نام کا ایک ہونا سو یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے الہامی کلام میں اس قسم کے استعارات بکثرت پائے جاتے ہیں۔ یہ کوئی نیا مسئلہ نہیں جس کو از سر نو حل کرنے کی ضرورت ہو۔ بلکہ مختلف زمانوں میں پیش ہو کر حل ہوتا رہا۔ خدا تعالیٰ کی یہ کیسی بڑی حکمت ہے اور کیسی ایمان بڑھانے والی بات ہے اور اس کی ہستی اور اس کی جلیل قدرتوں پر کیسی بین ثبوت بخش ہے کہ جس مسیحؑ کی نسبت کسی آئندہ زمانہ میں ایک قسم کا جھگڑا برپا ہونیوالا تھا اسی کے آگے اسی نوعیت کے واقعات اور قضیہ کو پیش کیا۔ اور اُسی کے ہاتھ سے اسکا فیصلہ کرا کر ایک مستقل دستاویز اس کی سے لے کر زمانہ میں محفوظ رکھی تا اُنیس ۱۹ سو برس کے بعد جو اسی

شخص کے متعلق ایسا مسئلہ پیش ہونیوالا تھا اور ایک فریق غلطی اور ہٹ دھرمی سے اُس غلط پہلو پر اڑنیوالا تھا وہ اسی کے ہاتھ سے ملزم ہو کر اپنی اصلاح کرے یا اُن میں سے جن کو واڑو نے بدبختی گھیرا ہو اُن پر حجت الٰہی پوری ہو اور اس کے بُرے نتائج کا خمیازہ اُٹھانے کے لیے اسباب مہیا ہوں۔

جسطرح بعض مسلمان اس وقت ایک غلط فہمی میں پڑے ہوئے ہیں کہ وہی مسیح عیسیٰؑ جو سلسلہ موسوی کے خلیفہ تھے آخری زمانہ میں نازل ہونگے۔ اسی طرح حضرت مسیح موسوی کے زمانہ میں یہودی لوگ اس غلط فہمی میں غرق تھے کہ حضرت الیاس دوبارہ دنیا میں نازل ہوں گے۔ جسطرح حال کے مسلمانوں میں سے حقیقی علم اُٹھ گیا ہے اور الہامی استعارات اور کلام کے سمجھنے کی قوت سے محروم ہو کر صرف لفظی استخوان خوری کی بلا میں مبتلا ہو گئے ہیں اور تمام پیشگوئیوں کا لب لباب یہی سمجھ بیٹھے ہیں کہ دین محمدی کی تکمیل کے لیے ایک موسوی خلیفہ یعنی مسیحؑ جو اُس سلسلہ میں عہدۂ نبوت پر ممتاز تھا آئے گا۔ اسی طرح اُس زمانہ کے یہودی حضرت الیاسؑ کے متعلق اسی بدبختی میں گھرے ہوئے تھے۔ غرض یہ دونوں قومیں اس مرحلہ پر پہنچکر ایک دوسری کے مشابہ ہو گئی ہیں۔ اور کیسا صادق و مصدوق وہ نبی صلعم ثابت ہوتا ہے (جس کے قدموں کی خاک پر ہماری ہزار ہزار جان قربان ہے اور جس کے احسانوں کے پہاڑوں کے نیچے ہم ایسے دبے ہوئے ہیں کہ کبھی نکل سکتے ہی نہیں) جس نے بڑے رنج کے ساتھ اس پیشگوئی کو آج سے تیرہ سو برس پہلے بیان کیا ہوا تھا کہ میری اُمت بھی ایک زمانہ ادبار کا آنیوالا ہے جب یہ یہودیوں کی ملتیں اختیار کریں گے اور اُن کے ساتھ مشابہت تامہ پیدا کر لیں گے۔ اور یہ پیشگوئی آج ظہور میں آ رہی ہے۔ وہ کیسی غیرت اور حمیت اسلامی ہے کہ جس دین کو افضل الرسل دنیا پر لاوے پھر وہ دین کسی نبی کے خلیفہ نبی کی امداد کا محتاج سمجھا جاوے۔ اگر حضرت موسیٰؑ ہی کا نام لے بیتے تو خیر اتنی ذلت اسلام کی تو نہ ہوتی۔ اگر غیرت باقی ہوتی اور غلطی میں ڈوبنا بھی ہوتا تو یہ ہونا چاہیئے تھا کہ عظمت اپنے گھر کی طرف کھینچی جاتی۔ یعنی اگر ایسی پیشگوئی ہوتی کہ مسیح موسوی دوبارہ آئیں گے تو غلطی اس طرف کرتے کہ موسوی مسیحؑ نہیں بلکہ اُمت محمدیہ سے خدا کسی کو مسیح کا مثیل بنا دیگا۔

غرض اگر یہ لوگ ذرہ اُن تمام پیشگوئیوں پر غور کرتے جو اس موعود آخر الزمان کے متعلق قرآن و حدیث میں ہیں۔ اور تدبّر اور تفکّر کرتے اور بارگاہ احدیت میں اس مشکل کے حل کے لیے دعا کرتے تو از خود ہی سب حقیقت منکشف ہو جاتی۔ تمام لوگ اس بات کو جانتے ہیں کہ اسلام میں جس موعود کی آمد کی پیشگوئیاں ہیں اسکو دو ناموں سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی مسیح اور مہدی۔ ابن ماجہ کی صحیح اور مستند حدیث لا مھدی الا عیسیٰ سے ثابت ہے کہ یہ دونوں خطاب ایک ہی شخص کے ہیں۔ دو خطاب گو جدا ہیں لیکن دو وجود جدا نہیں۔ یہ ممکن ہے کہ اگر مسیح موسوی کا دوبارہ آنا پایۂ ثبوت کو پہنچ سکے تو خطاب مہدی بھی شاید اسی کو دیا جانا مقصود ہو۔

یعنی دونوں پہلو سمجھے جا سکتے ہیں یا تو مسیح کو خطاب مہدی کا دیا جائے یا مہدی کو مسیح کا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں قرآن شریف اس زور اور تکرار سے مسیح موسوی کے دوبارہ آنیکو روکتا ہے اور ناممکن ثابت کرتا ہے کہ اس کا خیال ہی سر میں لانا احتمال معصیت رکھتا ہے پس لازماً مہدی ہی اس خطاب مسیح پانے میں کامیاب ثابت ہوتا ہے۔ اور یہ مہدی اُمّت محمدیہ میں سے ہی خلیفہ موعود مسلّم ہے جس میں کسی شک کے دخل کا امکان نہیں۔ اب مسلمانوں کے سارے فرقوں میں صرف مہدی اور مسیح موعود کی آمد کے انتظار کے سوا کسی اور شخص کی آمد کا کبھی اعتقاد تو درکنار خیال بھی نہیں ہوا۔ غلط فہمی بھی صرف اسی حد تک متداثر رہی کہ مہدی اور مسیح دو جدا اشخاص ہیں۔ یعنی مہدی اُمّت محمدیہ میں سے پیدا ہوگا اور عیسیٰ مسیح موسوی آئیں گے۔ لیکن بہاء اللہ نے نہ تو یہ دعویٰ ہی کیا ہے کہ مَیں مہدی یا مسیح ہوں اور نہ اس صحیح عقیدہ کے مطابق ہی اُس نے کبھی یہ کہا کہ مَیں مہدی اور مسیح ہوں۔ اس لیے اس کا مہدویت اور مسیحیت کے دعوے کے بغیر کسی اور موعود کا دعا کرنا اسکی نادانی پر محمول ہونیکے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ جبکہ کسی اور موعود کا نہ صراحتہً اور نہ کنایتہً ہی اسلام میں کہیں ذکر ہے تو پھر اُسکا یہ کہنا کہ مَیں اسلامی پیشگوئیوں کے مطابق موعود ہوں صریح غلط نہیں تو اور کیا ہے؟ ماسوا اس کے اگر وہ مہدی اور مسیح ہونیکا دعویٰ کرنا کسی وجہ سے بھول بھی گیا تھا تو کم از کم اتنا تو کرتا کہ اسلامی اعتقاد کے موعود کے مطابق اپنے اوصاف ہی بیان کرتا۔ مگر یہ بھی نہیں۔ بلکہ جسقدر اس نے دعوے کیے وہ سب اسلامی عقاید کے بالکل مخالف تھے۔ اس کا مسلمانوں کو مخاطب کرنا اور انہیں سے ایک جماعت مریدین بنا لینا اور یہ ظاہر کرنا کہ مَیں اسلامی پیشگوئیوں کے مطابق آیا ہوں جب تک فی الواقعہ اسلامی پیشگوئیوں کے مطابق نہ ہو اُسوقت تک کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔

ہم بہاء اللہ کے دعاوی کو پرکھنے کے لیے اسلام کی پیشگوئیوں کے صرف لفظی مفہوم پر ہی مقید نہیں رہنا چاہتے۔ کیونکہ یہ بعید از انصاف ہوگا۔ ہم اس کے معاملہ میں بھی ان پیشگوئیوں کے سمجھنے کے لیے اس کامل وسعت کی رعایت رکھتے ہیں جو انکے حقیقی مفہوم تک پہنچنے کے لیے علمی طور پر ضروری ہے۔ ان پیشگوئیوں کے وسیع معنے سمجھنے میں انکے عام اسلوب اور اصل خاکہ کی حدود سے باہر نہیں جا سکتے۔ اور ان تمام وسعتوں اور گنجایشوں کی رعایت دینے کے بعد بھی بہاء اللہ کے دعوے اسلام کے خلاف ثابت ہوتے ہیں۔ اُس کی تو اپنی حالت یہ ہے کہ اپنی تصانیف میں ایک بات پر مستقل نہیں رہ سکا۔ ایک تصنیف میں جو کوئی دعویٰ کیا گیا ہے وہ دوسرے کے معارض اور مخالف ہے۔ اور اسی طرح دوسرا تیسرے کے اور تیسرا چوتھے کے وعلیٰ ہذا۔ یہ ایک ایسا صریح تعارض ہے کہ جسپر غالی بہائیوں کی بھی آنکھیں بند نہ رہ سکیں۔ باوجودیکہ طرفہ فیصلہ کر لینے کے اُنہیں اُنکی فطرتوں نے ملزم کرکے اس بات پر مجبور کیا کہ بہاء اللہ کی

اس اجتماع نقیضین کو کسی تعبیر سے ممکن کر دکھائیں۔ چنانچہ بعض مریدوں نے اس کی طرف سے یہ دعویٰ کیا کہ دراصل بہاراللہ ان پیشگوئیوں کے مطابق نہیں آیا تھا جو مہدی و مسیح کے متعلق ہیں بلکہ اور ہی پیشگوئیوں کے مطابق آیا۔ جیسے مثلاً مصنف بحر العرفان جو بہاراللہ کا ایک پکا اور وفادار معتقد تھا اپنی ایک تصنیف میں لکھتا ہے کہ بہاراللہ کی آمد درحقیقت حضرت حسین کی دوبارہ آمد ہے۔ یعنی بہاءاللہ دراصل حضرت حسین ہے جو دوبارہ دنیا پر آیا ہے۔ جب قرآن و حدیث کے رو سے اسکا دعویٰ بے بنیاد سمجھ لیا تو پھر اس ضعیف بات پر سہارا لینے کی طرف رجوع کیا جو بعض شیعہ مانتے ہیں۔ شیعوں میں ایک گروہ اس بات کو مانتا ہے کہ حضرت مہدی کے بعد حضرت حسین دوبارہ دنیا پر نزول فرماویں گے۔ مگر بذات خود ایسا اعتقاد کسی مستند پیشگوئی کی بنیاد پر نہیں۔ نہ کہیں قرآن شریف میں اسکا ثبوت ہے اور نہ کسی حدیث نبوی میں اسکا کوئی مذکور ہے۔ اور نہ ہی سارے شیعہ صاحبان اس امر کے معتقد ہیں یہ صرف بعض بے سمجھ غلو پسند شیعہ دماغوں کی تفریط ہے۔ اس لیے اگر کوئی شخص اس کے مطابق بھی دعویٰ کرے تو وہ بھی نادانی اور غلطی ہے۔ لیکن بہاراللہ کے معاملہ میں تو نوبت یہانتک پہنچنے ہی نہیں پاتی۔ بات کا تو اُستاد شاگردوں کے مابین ہی قصہ تمام ہو جاتا ہے۔ اُستاد کچھ کہتا ہے شاگرد اس کے مرنیکے بعد اُسکو حسین بناتا ہے اُستاد نے کہیں دعویٰ نہیں کیا کہ میں حسین ہوں اور وعدہ کے موافق دوبارہ دنیا پر آیا ہوں۔ اب جس حال میں اُستاد یعنی خود مدعی ایک دعوے کو پیش کرنے کے بغیر ہی دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے تو کسی مرید یا شاگرد کو کیا حق پہنچتا ہے کہ اُس کے لیے کوئی ایسا دعویٰ یا خطاب تجویز کرے۔ غرض یہ ایسی بات ہے کہ جسکو ایک مسلمان کبھی قبول کر ہی نہیں سکتا۔ بابیوں کو بڑی مشکل تو علی محمد باب کو مہدی موعود قبول کرنے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ باب کا دعویٰ تھا کہ مسلمانوں میں جس موعود کے متعلق پیشگوئیاں موجود ہیں اور جس کی وہ انتظار کر رہے ہیں وہ سب میرے ظہور سے پوری ہوگئیں۔ اور میں "نقطہ" ہوں یعنی میں وہ نقطہ ہوں جس میں تمام پیشگوئیاں اکٹھی ہو کر ختم ہو جاتی ہیں۔ اب ایک طرف علی محمد باب کا دعویٰ کہ میں نقطہ ہوں یعنی تمام اسلامی پیشگوئیوں کے مطابق موعود ہو کر آیا ہوں۔ اور دوسری طرف بہاراللہ کا یہی دعویٰ کہ میں بھی تمام اسلامی پیشگوئیوں کے مطابق موعود ہو کر آیا ہوں۔ باہم نقیض ہیں۔ اگرچہ یہ امر ثابت ہے کہ ان دونوں کے دعاوی کو اسلامی پیشگوئیوں سے کوئی سروکار نہیں۔ بلکہ بالکل انکے مخالف ہیں۔ لیکن جہانتک باب اور بہاراللہ کے تعلقات ہیں اس حد تک بھی یہی نظر آتا ہے کہ باب کے دعویٰ کی موجودگی میں بہاءاللہ کا دعویٰ مضحکہ کی ہوا میں اڑ جاتا ہے۔

بہاراللہ نے قرآن شریف کے بعض الفاظ کو عجیب طرح سے کھینچ تان کر اپنی آمد کا مؤید ثابت کرنے

میں بھی بہت ہاتھ پاؤں مارے۔ ایک کتاب میں اُس نے پہلے تو یہ دعویٰ کیا ہے کہ "میری آمد سے قیامت کا دن قایم ہوگیا ہے۔" پھر آپ ہی پوچھتا ہے "اگر یہ قیامت کا دن ہے تو بہشت اور دوزخ کہاں ہیں؟" اور آپ ہی اسکا جواب دیتا ہے "اے شک کرنیوالے! میرا دیکھ لینا جنت ہے اور نہ میرا وجود دوزخ ہے" پھر سوال کرتا ہے "کیا مردے زندہ ہوگئے ہیں؟" اور آپ ہی اُسکا جواب دیتا ہے "ہاں! اس رحمٰن کی روح آگئی ہے اور اُسے دیکھکر دوسری ارواح جسموں کی قبروں کے اندر خوشی کے مارے اُچھل اور کود رہی ہیں۔" گویا یہی مراد مُردوں کے قیامت کے دن زندہ ہونیسے ہے پھر سوال کرتا ہے کہ کیا آسمان پھٹ گئے ہیں؟ یعنی وہ وعدہ پورا ہوگیا ہے جو قرآن شریف نے اذا السماء انشقت میں کیا تھا اور آپ ہی اسکا جواب دیتا ہے کہ "آسمان تو اُسوقت پھٹ گئے تھے جب تم غفلت اور ضلالت کے گڑھوں میں پڑے ہوئے تھے۔" ایک اور سوال کرتا ہے "کیا ارواح سب جمع ہوگئے ہیں؟" اسکا جواب دیتا ہے "ہاں! بخدا اے لایزال ارواح تو اسی وقت جمع ہوگئے تھے جب کہ تم ابھی خواب غفلت کی مہد میں لیٹے ہوئے تھے۔"

اسی طرح بہاء اللہ کا ایک مرید بڑی سنجیدگی سے اس بات پر دلایل پیش کرتا ہے کہ قرآن شریف میں جہاں کہیں یوم القیامۃ کا ذکر ہے وہ درصل استعارہ کے الفاظ میں بہاء اللہ کے ظہور ہی سے مراد ہے۔ چنانچہ اس کی تائید میں وہ سورۃ الروم کی آیت ویوم تقوم الساعۃ یومئذ یتفرقون یعنی جس دن وہ گھڑی (قیامت) قایم ہوگی تو لوگ ایک دوسرے سے جُدا جُدا ہو جائیں گے" پیش کرتا ہے۔ (دیکھو بحر العرفان صفحہ ۲۴۴)۔ اس آیت کے پیش کرنیسے وہ یہ استدلال کرتا ہے کہ قیامت کا دن ایسا ہوگا کہ جس میں تفرقہ اور جُدائی کا ہونا ممکن نہیں۔ اس لیے اس آیت میں الساعۃ سے مراد بہاء اللہ ہی کی آمد ہے۔ مگر یہ مطلب سوائے آیت کے معنوں کو کھلے طور پر بگاڑنے کے حاصل نہیں ہوسکتا۔ جو شخص چاہے قرآن شریف کو کھولکر دیکھ سکتا ہے کہ اس آیت میں اور اس کے ماقبل اور مابعد کی آیتوں میں قیامت کے دن کا ذکر ہے جس دن کوئی معبود اور شفیع فایدہ نہ دے گا۔ ایسا ہی قرآن شریف کی سورہ العنکبوت کی آیت ثم یوم القیامۃ یکفر بعضکم ببعض و یلعن بعضکم بعضاً و ماوٰکم النار بھی بہاء اللہ کی آمد کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہے۔ اور اس میں طریق استدلال یہ ہے کہ چونکہ بہاء اللہ اور اس کے مریدوں کو لوگوں نے لعنتوں کے طوق پہنائے اور انکی تکفیر اور انکار کیا اس لیے یہ آیت بھی بہاء اللہ کی آمد ہی کی پیشگوئی ہے۔ یہ ایک ایسی بعید از قیاس بات ہے کہ جسے بادی النظر میں ہی ایک معمولی سمجھ کا آدمی بھی پرلے درجہ کی ناواقفیت اور حماقت کہنے پر مجبور ہو جاتا

اور یہ اس بات کا ایک صریح ثبوت ہے کہ یہ لوگ قرآن شریف سے بالکل نابلد اور بے بہرہ ہیں۔ اس آیت سے پہلے حضرت ابراہیمؑ کا ذکر ہے۔ اور یہ ساری آیت اسطرح پرہے۔ ویلعن بعضکم بعضا۔ وماوٰلکم النار ومالکم من ناصرین۔ یعنی "ابراہیم نے کہا تحقیق تم نے خدا کے سوا بتوں کے ساتھ اس دنیا کی زندگی میں محبت اختیار کر رکھی ہے۔ پھر قیامت کے دن بعض تمھارے بعض کا انکار کرینگے اور ایک دوسرے پر لعنتیں بھیجیں گے۔ اور تمھارا ٹھکانہ آگ ہوگا۔ اور کوئی تمھارا مددگار نہ ہوگا۔" یہ ہے آیت اور اس کا ترجمہ جس کو بہاء اللہ کی آمد کے ساتھ وابستہ کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اس میں صریح طور پر حضرت ابراہیم کا خطاب اپنی قوم کو ثابت ہے۔ اور حقیقی طور پر قیامت کا ذکر ہے۔ کوئی سمجھدار آدمی ایک لمحہ کے لیے بھی یہ خیال نہیں کرسکتا کہ یہ آیت کسی طرح سے بہاء اللہ کی آمد کے متعلق ہوسکتی ہے۔

الغرض اسطرح مسلمانوں کے ہاں اپنی موعودیت جتلاکر بہاء اللہ نے یہ خیال کیا کہ یہاں تک بس نہیں کرنی چاہیئے دوسری قوموں کو بھی اپنے دام میں لانیکی کوئی کوشش کرنی چاہیئے۔ چنانچہ اسکے بعد عیسائیوں کی طرف متوجہ ہوا۔ اور انہیں کہا کہ مَیں یسوع مسیح کی پیشگوئیوں کے مطابق آیا ہوں۔ چنانچہ کتاب الاقدس میں اس بات پر زور دیا اور لکھا کہ "اے اہل انجیل! اب آسمان کا دروازہ کھولا گیا ہے۔ اور وہ جو اُوپر چڑھ گیا تھا اب نیچے آگیا ہے۔ اور وہ بر و بحر میں ندا کر رہا ہے۔ اور سب لوگوں کو اپنے ظہور کی خوشخبری سنا رہا ہے جو عظمت کی زبان سے نکلی ہوئی تھی۔ تحقیق وہ وعدہ اب پورا ہوگیا ہے اور وہ موعود اب سامنے کھڑا ہے۔" اس عبارت سے اس کی مراد یہ نہ تھی کہ گویا وہ خود یسوع مسیح ہے جو عیسائیوں کے اعتقاد کے موافق آسمان پر چڑھ گیا تھا۔ کیونکہ اس بیان کے بعد ہی اس نے ایک اور عبارت لکھی ہے اور اس میں لکھا ہے کہ مَیں وہ روح الصدق ہوں جو بائبل میں مذکور ہے ہم اس عبارت کو نیچے نقل کردیتے ہیں۔ "کہو! مَیں خدا کی قسم کھاتا ہوں۔ تحقیق جو کچھ الٰہی کتب میں لکھا تھا۔ وہ پورا ہوگیا۔ تحقیق وہ جسکو پرانے عہدنامہ میں "یہوہ" کہا گیا ہے اور نئے عہدنامہ میں "روح القدس" بیان کیا گیا ہے اور قرآن میں "نبا عظیم" لکھا گیا ہے وہ یہی ہے۔"

یہ بات تو اوپر ثابت ہوچکی ہے کہ بہاء اللہ کا دعویٰ اسلامی پیشگوئیوں کی رو سے بالکل لغو اور بے ہودہ تھا اوّل تو نہ اس نے خود اور نہ اس کی طرف سے اسکو کسی مرید نے کبھی یہ دعویٰ پیش کیا کہ گویا وہ اس عہدہ پر ممتاز ہوکر آیا تھا جسکو اسلامی پیشگوئیوں کے مطابق مسلمان منتظر تھے۔ اور دوسرے جو دعوے اس نے کیے تھے اس کے متعلق کسی پیشگوئی کے وجود کا اسلام کے اندر کوئی ثبوت نہ دیا۔ اب ہمیں یہ

م وقال انما اتخذتم من دون اللہ اوثانا مودۃ بینکم فی الحیوۃ الدنیا ثم یوم القیامۃ یکفر بعضکم ببعض

دیکھنا ضروری ہے کہ آیا وہ کسی عیسائی پیشگوئی کے مطابق مدعی ہوا تھا۔ یا اُس کے مزعومہ ادعا کی تائید میں کوئی پیشگوئی عیسائی مذہب میں موجود ہے۔ سو واضح ہے کہ اناجیل میں دو الگ الگ پیشگوئیاں مذکور ہیں۔ ایک تو مسیح ع کی آمد ثانی کے بارہ میں ہے اور دوسری روح الصدق یعنی فارقلیط کی آمد کے متعلق ہے۔ یہ موخرالذکر پیشگوئی یوحنا کی انجیل کے باب ۱۶ - آیات ۱۲-۱۳ میں یسوع کی طرف سے بالفاظ ذیل منقول ہے "مجھے ابھی تمکو اور بھی بہت کچھ کہنا ہے۔ لیکن اب تم میں انکے برداشت کی طاقت نہیں مگر جب وہ یعنی روح الصدق آئیگا تو تمھیں صدق کی طرف رہنمائی کریگا۔...... اور آنیوالی چیزیں تمکو دکھائیگا" اور اسی انجیل کے ایک اور مقام پر لکھا ہے "وہ تمھیں ایک اور تسلی دینے والا دیگا کہ تا وہ ہمیشہ تمھارے ساتھ رہے"۔ مسیح کی دوبارہ آمد کے متعلق پیشگوئی مفصل طور پر متی کی انجیل میں لکھی ہوئی ہے۔ اور یہ دونوں جُدا جُدا پیشگوئیاں ہیں۔ انکو باہم مخلوط کرنا سخت غلطی ہے۔ عیسائیوں کے نزدیک فارقلیط والی پیشگوئی تو روح القدس کے نزول سے پوری ہو گئی۔ یہ روح القدس عیسائی تثلیث کا جزو ثالث ہے جو حواریوں پر نازل ہوا تھا۔ اور دوسری پیشگوئی انکے اعتقاد میں ابھی تک پوری نہیں ہوئی۔ وہ اس کے مطابق اُسی مسیح کے نزول کے منتظر بیٹھے ہیں۔ کیونکہ انکے خیال میں وہ مسیح آسمان پر چڑھ گیا تھا اور وہی دوبارہ نازل ہوگا۔ لیکن ان پیشگوئیوں کی اس تعبیر سے مسلمانوں کو اتفاق نہیں۔ کیونکہ جو کچھ عیسائیوں نے سمجھ رکھا ہے وہ محض ایک خیالی بات ہے جسکی تائید سوائے اوہام غالبہ کے اور کسی دلیل معقول اور واقعہ صحیحہ سے نہیں ہوتی۔ اور مسلمان جو کچھ اس کا مطلب سمجھتے ہیں وہ معقولات اور منقولات صحیحہ معتبرہ اور مستندہ اور دلایل قویہ پر مبنی ہے۔ چنانچہ فارقلیط موعود کی جو پیشگوئیاں ہیں وہ آنحضرت محمد مصطفےٰ صلعم بانیٔ اسلام کے ظہور سے پوری ہوئیں اور یہی مسلمانوں کا ایمان ہے۔ اور نزول ثانی مسیح سے مراد اسلام میں اُمت محمدی میں سے ایک شخص موعود کی آمد ہے جو مسیح ناصری کی روحانیت لیکر نازل ہوگا۔ اس کی تفصیل اوپر بیان ہو چکی ہے کہ اس موعود سے مراد حضرت مسیح ناصری اسرائیلی کا آنا نہیں کیونکہ وہ قرآن شریف کی شہادت سے اپنی عمر طبعی گذار کر اس دار فانی سے عالم بقا کو رخصت ہو چکے ہیں۔ اور اس عالم میں جو لوگ جا پہنچتے ہیں اُنکا لوٹ کر یہاں آنا ممتنع ہے۔ اور سوائے اس کے سلسلہ محمدیہ اپنی اہمیت اور عظمت کے لحاظ سے ایسے مسیح کی خدمت کا محتاج نہیں اور نیز اُنکا نبی اسرائیلی اور اُمت محمدی میں سے ہونا دونوں مختلف امر ہوتے ہیں۔ اس لیے اس سے مراد ایک عظیم الشان شخص کا اُمت محمدیہ میں سے آنا ہے جو اپنے خواص اور فضائل میں مسیحیت کا رنگ رکھتا ہو اور اس دین کی خدمت کی ذمہ واری کا بوجھ اُٹھانیکی قابلیت رکھتا ہو۔

غرض اس سارے بیان سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ بہاء اللہ کی آمد عیسائیوں کی مسلمہ پیشگوئی کے

موافق بھی نہیں ثابت ہو سکتی۔ بلکہ اس کے دعوے کا تار پود ہی شکستہ ہو جاتا ہے اور گر کر خاک میں مل جاتا ہے۔ نہ صرف واقعات کی بحث اور تطبیق ہی بہاء اللہ کے دعوے پر پانی پھیرتے ہیں بلکہ اس کا اپنا اقبال ہی اس کو اس دعوے میں جھوٹ اور افترا کا ملزم قرار دیتا ہے۔ اس نے شاہ ایران کے نام ایک عرضداشت میں نہایت وضاحت کے ساتھ اسی پیشگوئی کا جو اناجیل میں فارقلیط کے متعلق ہے آنحضرت سرور کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مصداق قرار دیا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ ایک پیشگوئی جو کسی ایک موعود کے متعلق ہو اسکے دو مصداق تو ہو نہیں سکتے۔ اور خصوصاً جس حال میں بہاء اللہ خود ہی اس پیشگوئی کو آنحضرت صلعم پر چسپاں کرتا ہے اور اسکو ثابت کرنے پر ہر طرح زور دیتا ہے تو پھر کونسی گنجایش باقی رہتی ہے کہ اسی پیشگوئی کا مصداق اسکو بھی سمجھا جائے۔ پس یہ بات بہاء اللہ کے اپنے مصداق ہونیکے ادعا کو خاک میں ملا دیتی ہے۔ اور اس کو اس کے اپنے ہی کہنے سے ملزم کرتی ہے۔ بہائی عقاید کے وکلا نے اپنی طرف سے زور دیکر اسکو کچھ کا کچھ بنانے میں فرق تو نہیں کیا۔ ہر ایک وادی میں عقل کے جاسوس کو پھیرا اور جہاں کہیں کسی موعود کے متعلق کوئی بات نظر آئی وہ سب بہاء اللہ کے دامن میں ڈالنے کی کوشش کا بیڑا اُٹھایا۔ اور مدعی سُست گواہ چُست ضرب المثل کو اپنے حسب حال کر دکھایا۔ اور تو کہیں رہے مصنف "بحر العرفان" کی کوتہ اندیش قلم کے توسن نے اس عرصہ میں سب سے بڑھکر قدم بڑھایا۔ اور دروغگو را حافظہ نباشد کا نمونہ بن دکھایا۔ ایک طرف بہاء اللہ کو تمام پیشگوئیوں کے مطابق اُتارا۔ اور دوسری طرف عیسائیوں کی مسلمہ تمام پیشگوئیوں کو مرسلین کے سردار محمد مصطفےٰ صلعم کے حق میں ثابت کر کے بہاء اللہ کے پوزیشن کو اور بھی خراب کر دیا البتہ بعض دوسرے حامیوں نے ذرا آگے قدم بڑھایا۔ اور ہر طرف سے گھر گھرا کر انگوروں کے باغ کے مالک والی تمثیل جو انجیل میں لکھی ہے بہاء اللہ پر اسی کا رنگ چڑھایا۔ اس تمثیل کو اس کے وجود پر لگانے کا یہ راستہ نکالا کہ نوکر و نکا جو اس میں ذکر ہے اس سے مراد نبیوں کو ٹھہرایا۔ اور انگوروں کے باغ کے مالک کا بیٹا مسیح ناصری کو سمجھایا۔ اور بہاء اللہ کو باغ کا مالک بیان کیا جو سب سے پیچھے آیا۔ اور اور وہ جو حقیقت میں ہر ایک فضیلت اور عظمت کا مالک اُمّی عربی محمد صلعم ہے اس کے لیے صرف مُہر انبیاء کا مقام مقرر کرایا۔ اور اُن کے سلسلہ کو ایک خاص مشن بنایا۔ ان ساری متزلزل سراسیمگیوں کا نتیجہ سوائے اس کے اور کیا بنا کہ بہاء اللہ نہ روح الصدق یعنی فارقلیط رہا اور نہ مسیح ثانی ہوا۔

(نوٹ۔ یہ مضمون ناتمام رہا ہے باقی اگلے سال میں آئیگا)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نئی سوانح عمری

سوانح عمری حضرت محمد صاحب بانیٔ اسلام۔ ایک چھوٹی سی کتاب کا نام ہے جسکو شری پرکاش دیو جی پرچارک براہمو دھرم نے لکھکر حال میں ہی شایع کیا ہے۔ اگرچہ کتاب چھوٹی ہے مگر بلحاظ مضامین کے نہایت قیمتی ہے۔ قابل مصنف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے واقعات کو ایسی منصفانہ طرز سے مگر ساتھ ہی ایسی قابلیت کے ساتھ پیش کیا ہے کہ بہت سے اعتراضات جو اکثر متعصب مخالفین اسلام جیسے آریہ صاحبان یا پادری صاحبان کیا کرتے ہیں۔ جیسے جنگوں کے متعلق یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعدد ازواج کے متعلق۔ وغیرہ۔ انکی تردید ساتھ ساتھ ہی ہوتی چلی گئی ہے۔ شروع سے اخیر تک اس کتاب کو پڑھ جاؤ مگر ایک فقرہ بھی ایسا نہ پاؤ گے جو دُکھ دینے کے لیے لکھا گیا ہو۔ آجکل کا عام طریق یہ ہے کہ جب ایک غیر مذہب والا دوسرے مذہب کے متعلق لکھتا ہے تو خوبیوں کو بھی عیب بنا کر دکھانیکی کوشش کرتا ہے مگر شری پرکاش دیو جی نے اس تحریر میں اس صلح کا رنگ اختیار کیا ہے جسکی طرف اسلام بلاتا ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ یہ چھوٹی سی تصنیف ملک کے لیے نہایت مفید ہوگی اور اسی قسم کی اور تصانیف شایع ہوکر صلح کی بنیاد ڈالنے والے مذہبی لٹریچر میں ترقی ہوگی۔ اُمید ہے کہ ہندو صاحبان جو اسلامی مذہبی کتابوں کے مطالعہ سے محروم ہیں اس مختصر سی کتاب کو پڑھکر بانیٔ اسلام کی زندگی کے صحیح واقعات اور آپکے صحیح حالات کے اطلاع حاصل کرسکینگے۔ ہماری یہ بھی خواہش ہے کہ مسلمان بھی اس کتاب کو خریدیں اور پڑھیں یا اپنے ہندو دوستوں کو بطور تحفہ دیں۔ تاکہ بہت سی غلطیاں جو تعصب کے ساتھ پھیلائی گئی ہیں دُور ہوں۔ کتاب کی قیمت صرف ۵ ہے۔ ملنے کا پتہ یہ ہے۔ مینجر براہمو دھرم پرچار آفس لاہور۔

نقشہ اجرت اشتہارات در رسالہ ریویو آف ریلیجنز انگریزی و اردو

میعاد	پورا صفحہ		نصف صفحہ		چوتھائی صفحہ	
	انگریزی	اردو	انگریزی	اردو	انگریزی	اردو
ماہ	للعہ	صہ	صعہ	سہ	صعہ	عہ
ہی	صعہ	سہ	صعہ	عہ	عہ	ععہ
ہی	صعہ	عہ	عہ	عہ	۸ہعہ	ہے/
دفعہ	۸ہعہ/	ہے/	صہ/	صہ/	ہے/	ہے/

تمام درخواستیں بنام نائب ناظم میگزین۔ قادیان ضلع گورداسپور آنی چاہییں۔